

پہلے صراط

قصہ حیات

WWW.PAKSOCIETY.COM

پل صراط

قیصرہ حیات

ڈاٹ کام

انتساب!

بہت محبت کے ساتھ
پُر خلوص دوست 'عمیرہ احمد' کی
'انسان دوستی' کے نام!

پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

”ویباچہ“

زندگی سوال ہے یا مسئلہ..... جہد مسلسل یا جہر مسلسل کا نام ہے یا کرب و الم کی داستان۔ خوشبو اور خوشیوں کا سفر ہے یا خوبصورت رنگ برنگی
انچھے برٹھی دھاگوں کا جال..... شطرنج کی بساط ہے یا کھیل کا میدان.....؟

یہ ایسا سوال ہے جس کا جواب آسان بھی ہے اور مشکل بھی۔ جو اس کو سمجھنے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اس کا جواب نہیں دے پاتا جو جواب دینے
کی کوشش کرتا ہے وہ اسے حقیقت میں سمجھ نہیں پاتا کیونکہ ہر ایک کا زندگی کے بارے میں مختلف تجربہ ہوتا ہے زندگی کسی سے ایک جیسا سلوک نہیں
کرتی۔ یہ کس کو عطا کرتی ہے تو کس سے سب کچھ چھین لیتی ہے۔

یہ شطرنج کی ایسی بساط ہے جس کا مہرہ انسان ہے جو ہر طرح چلتا ہے اور ہر بار پھٹنے کے بعد پھر بہت کر کے مقابلے کے لیے تیار کھڑا ہوتا
ہے۔ زندگی پھر اسے بچھاڑتی ہے، اور موت تک یہ چوکی کھیل جاری رہتا ہے۔ انسان ہار جاتا ہے مگر زندگی نہیں ہارتی زندگی ایسا وسیع میدان ہے
جس میں بہت سی بلند و بالا چوٹیاں سر اٹھائے کھڑی ہوتی ہیں۔ یہ خواہشات، آرزوؤں، تمناؤں، خوشیوں، کامیابیوں، عزت، شہرت، دولت اور جہ
کی چوٹیاں ہوتی ہیں جو انسان کو سر کرتی ہوتی ہیں اور زندگی کا ہر پہلو، ہر لمحہ انسان کو مضطرب رکھتا ہے۔ جہد و جد کے لیے ابھارتا ہے کہ وہ ان چوٹیوں کو
کسی نہ کسی طرح سر کرے۔ ایک کوچ کرنا ہے تو دوسری کو سر کرنے کے لیے سبے قرار ہو جاتا ہے۔ حاصل اور لا حاصل کا یہ سفر اسے زندگی کی آخری
سانسوں تک بے چین رکھتا ہے۔

زندگی کا سفر ہر زندہ انسان کو طے کرنا ہے۔ چاہے وہ سفر کھیل ہو یا طویل..... ہموار ہو یا نشیب و فراز سے بھرپور۔ ہر انسان کی زندگی میں
آزمائشیں ضرور آتی ہیں۔ یہ آزمائشیں کسی بھی نوعیت کی ہوں ان کا مقصد انسان کے اندر کی ایمانی قوت، سرشت کے خاصے اور تمام جذبوں کی
طاقت کو جانچنا ہوتا ہے۔ ہر آزمائش انسان کو اپنے آپ سے روشناس کراتی ہے۔ اسے رفتہ رفتہ معلوم ہونے لگتا ہے کہ اس کے اندر کیا کچھ ہے وہ
ایک نئی واقعہ اور ایک جھمی آزمائشوں میں مختلف قسم کا رد عمل ظاہر کرتا ہے اور ہر بار خود ہی حیران ہوتا ہے۔

زندگی اور موت کے درمیان دورا سستے ہیں۔ ایک خوبصورت سرسبز و شاداب، خوشیوں، لذتوں اور آسائشوں سے مزین، دوسرا انگڑوں،
پتھروں، رکاوٹوں، آزمائشوں اور مشکلات سے بھرپور..... پہلا راستہ وہ منتخب کرتے ہیں جن کے لیے دنیا کی زندگی ہی سب کچھ ہے اور دنیا کی زندگی
سے لطف اندوز ہونے کے لئے وہ ناجائز اور حرام ذرائع استعمال کرتے ہیں اور جس کی منزل اسفل السافلین کی گھاٹیاں ہیں۔

دوسرا راستہ صراطِ مستقیم پر چلنے والے لوگوں کا انتخاب ہے۔ جن کے دلوں کو قدرت ایمان کے نور، روح کی سچائی اور بڑے غلوں جذبوں سے
سرشار کرتی ہے۔ زندگی انہیں بر لو، ہر پہلو آزماتی ہے۔ کیونکہ ان کی منزل ”روح کی جہا اور حیات جاودانی“ ہوتی ہے۔ اس منزل کو پانے کے لیے
انہیں اپنے آپ کو اس کا اہل ثابت کرنا ہوتا ہے..... اور سب سے مشکل مرحلہ تب آتا ہے جب زندگی انہیں پہلے صراطِ جیسے مقام پر لاکھڑا کرتی ہے۔
جوانمائی، کشمکش، صبر آزماء اور مشکلات سے بھرپور سفر ہے۔ جو انہیں خالصتاً اپنے ایمان اور اپنے اندر کی تمام مثبت قوتوں کے سہارے طے کرنا ہوتا ہے ایک
قدم کی لغزش۔ ایک لمحے کی بھول اور ایک ساعت کی غفلت انہیں گہری گھاٹیوں میں دھکیل سکتی ہے۔ اور جو لوگ اس کشمکش مرحلے کو کامیابی سے سر کر

لیتے ہیں۔ قدرت ان کو دنیا و آخرت میں اپنے لطف و کرم سے نوازتی ہے۔

میرا یہ ناول 'پہلی صراط' ایسے ہی کرداروں کی کہانی ہے جو 'صراطِ مستقیم' پر چلنے کا عہد کرتے ہیں۔ وہ اللہ پر ایمان اور اس کے احکامات کو محبت، دولت اور آسائشوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ قدرت ان کے ایمان اور سچے جذبوں کی آزمائش کرنے کے لیے انہیں پہلی صراط جیسے مشکل راستے پر لاتی ہے وہ گھبرا جاتے ہیں۔ بوکھلا جاتے ہیں۔ ہر طرف تاریکی نظر آتی ہے۔ وہ صرف اپنے خدا پر بھروسہ کرتے ہوئے، اس سے مدد مانگتے ہوئے اس پہلی صراط پر قدم رکھتے ہیں۔ قدرت اپنے کرم سے ان کے ایمان سے اس راستے کی ساری تاریکیاں اور رکاوٹیں دور کرتی ہے اور پلاٹا خروہ اس مشکل مرحلے کو کامیابی سے سر کر لیتے ہیں۔

یہ ناول ایک مشن سمجھ کر لکھا گیا ہے اور اس مشن کا کریڈٹ میری بہت عزیز دوست 'عمیرہ احمد' کو جاتا ہے جو خود بھی بہت اچھی اور مقبول مصنفہ ہیں۔ وہ جتنی اچھی مصنفہ ہیں اس سے کئی گنا اچھی انسان ہیں کیونکہ ان کے دل میں ہر انسان کے لیے اتنا ہی غلوں، پیارا اور ہمدردی ہے جتنی اپنے قریبی لوگوں کے لیے ہے اور قدرت اس وصف سے اپنے مخصوص اور منتخب لوگوں کو نوازتی ہے۔

ایک بار اس ناول کی کہانی زیر بحث آئی تو انہوں نے کہا کہ اس کہانی کے ذریعے شراب نوشی کے بہت اہم مسئلے کو بہت اچھے طریقے سے اجاگر کیا جاسکتا ہے۔ جو ام النہایت (عمائیں کی جڑ ہے) بھی ہے اور حرام بھی۔ مگر اکثریت اس کو حرام نہیں سمجھتی اور کثرت سے اس کا استعمال ہو رہا ہے اور اس کی وجہ سے معاشرے میں بہت برائیاں پھیل رہی ہیں۔ یہ اخلاقیات کو مادی طرح چاہ کر رہی ہے۔ اگر اس ناول کے ذریعے عام لوگوں کو کچھ معلومات، ہم پہنچائی جائیں تو یہ ایک مشن ہوگا اور اس کے ذریعے چند لوگ بھی اپنی اصلاح کر لیتے ہیں تو یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی۔ چنانچہ قرآن وحدیث اور کتب سے تحقیقی مواد اکٹھا کیا گیا اور میں نے اپنی جانب سے ہر ممکن کوشش کی ہے کہ شراب نوشی سے انسان کی اخلاقی، جسمانی، روحانی اور معاشرتی زندگی پر جو مضر اثرات مرتب ہوتے ہیں انہیں قارئین تک پہنچانے کی کوشش کروں۔

اس ضمن میں سب سے پہلے 'عمیرہ احمد' کا شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے 'شراب نوشی' کے مسئلے پر بہت غور و خوض کیا اور ہم دونوں نے اس پر کافی دسشن بھی کی۔۔۔۔۔ اور ہڈا خریہ کام بخوبی سرانجام پایا۔

اس کے بعد میں محترم اکرم مرزا صاحب (فیملی فرینڈ۔ لاہور) کا دل کی اتھاہ گہرائیوں سے شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے مجھے اس ناول سے متعلقہ بہت اچھا علمی و تحقیقی مواد ہم پہنچایا اس کا رخیہ میں بھر پور تعاون کرنے پر اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر دے (آمین)

میں گلزار صاحب (پبلشر علم و عرفان) کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں جنہوں نے اس موضوع سے متعلقہ کتب مجھے ارسال کیں۔ نیز ان تمام احباب کے علاوہ اپنی بھانجیوں شعرون اعجاز اور ماہم اعجاز کی بھی مشکور ہوں جنہوں نے کسی نہ کسی طریقے سے اس ناول میں میری مدد کی، قارئین اپنی آرا ماس ای میل کے ذریعے مجھ تک پہنچا سکتے ہیں qousrahayat@yahoo.com

شکریہ

طالبہ دعا

قیصرہ حیات

15 جون 2009ء

گاڑی کے ہارن کی آواز سن کر دروازہ کھولا، صحت مند ہارن پر کھڑا رہنے لگا کھولا گاڑی تیزی سے پورچ میں داخل ہوئی۔

اسد نے گاڑی میں سے اتر کر جلدی سے دوسری جانب کا دروازہ کھولا، ”وہ کم ٹو پیر نیو ہوم..... مائی ڈیر دادو“ اسد نے مسکراتے ہوئے صحت بھرے لہجے میں قدرے اونچے اور مزاحیہ انداز میں کہا، ”دادو! یہ صحت مند ہارن پر کھڑا رہنے لگا کھولا گاڑی تیزی سے پورچ میں داخل ہوئی۔“

”اسد..... بیٹا یہ سب کیا ہے؟ دادو نے تین کنال پر محیط، انتہائی شاندار محل نما گھر پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا جو قدیم و جدید طرز تعمیر کا حسین امتزاج لگ رہا تھا۔ سرخ اینٹوں سے بنے اس گھر میں ہر جانب بالکونیاں اور جھروکے نظر آ رہے تھے اور قدیم طرز کے ان جھروکوں کو جدید فیشن کے مطابق تعمیر کیا گیا تھا۔ بالکونوں کے گرد پلٹی پلٹیں اور ان میں سے رنگ برنگی جھانکتے ہوئے پھول انتہائی خوبصورت لگ رہے تھے۔

”دادو یہ آپ کا اور میرا اپنا گھر ہے“ اسد نے مسکرا کر بتایا، ”مگر یہ کب..... اور کیسے؟ آپ نے تو ہمیں کچھ بتایا ہی نہیں“ دادو نے انتہائی شستہ لہجے میں پوچھا، ”دادو اس قدر حیران ہو رہے ہیں کہ انہیں کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا۔“

”میں آپ کو بتا کر نہیں دکھا کر سر پرانہ دینا چاہتا تھا“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادو بھی مسکرا کر ارد گرد دیکھنے لگیں اب اندر چلیں..... میں آپ کو آپ کا گھر دکھاتا ہوں“ اسد نے پُر جوش انداز میں مسکراتے ہوئے دادو کا ہاتھ صحت سے پکڑا اور تین چار آف دھانٹ ڈانکوں سے بنی میز پر چلے گئے، ”ہاں ایک انتہائی خوبصورت لکڑی کے بہت بڑے دروازے کے سامنے کھڑے ہو گئے۔ جس پر انتہائی خوبصورت کھدائی کا کام ہوا تھا اور دروازے کے ارد گرد دوسرے میز پلٹیں لگ رہیں تھیں۔ وہ ایک برآمدے میں داخل ہوئے جس کا فرش خوبصورت کارپٹ ڈیزائن کی ڈانکوں سے مزین تھا اور دیواروں پر خوبصورت قدیم خوبصورت دیواروں کی مانند پچی کاری ہوئی تھی۔ لمبے برآمدے کے انتہائی پرکشش کی سلائیڈ زوالا بہت بڑا دروازہ تھا جس پر خوبصورت گلاس پینٹنگ سے پھول اور پتے بنائے گئے تھے جو دیکھنے میں اس قدر دیدہ زیب اور فریض دیکھائی دے رہے تھے کہ انہیں دیکھتے ہی تھکاوٹ کا احساس ختم ہو جاتا اور تازگی و سرشاری کا احساس مہل کرنے لگتا۔ دروازہ ایک بہت بڑے گول شکل کے لاونچ میں کھلتا تھا جس کی چھت بہت اونچی تھی اور چھت بھی قدیم طرز کی نقش و نگار والی چھتوں کی مانند تھی اور اس کے عین وسط میں انتہائی قیمتی و نفیس کرشل کا شیشہ پلٹر لگ رہا تھا وہ جب روشن ہوتا تو اس کے چھوٹے چھوٹے برقی ققموں سے سفید مٹکئی شعا عین پودے لاونچ کو بھر پور انداز میں روشن کرتی لاونچ کی دیواریں قیمتی اور خوبصورت قدیم و جدید اسلامی خطاطی کی جھلکوں سے مزین تھیں۔ لاونچ کی ایک پوری دیوار فرش سے لے کر چھت تک شیشے سے بنی تھی اور اس پر بیرونی سک کا چٹ لہا پردہ بہت منفرد انداز میں لگ رہا تھا۔ اسد نے آگے بڑھ کر ایک فن و پایا اور سارا پردہ اوپر کھینچا دیا۔ لاونچ سورج کی روشن کرنوں سے منور ہو گیا۔ لاونچ میں رکھا قدیم و جدید طرز کا انتہائی قیمتی فرنیچر، ڈیکوریشن پیس، مصنوعی پھولوں کی پلٹیں اور قابیر گلاس کے پیس خوبصورت وال ڈیکوریشن..... سب کچھ اس قدر منفرد اور خوبصورت تھا کہ دادو کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

”دادو..... آئیے..... سب سے پہلے میں آپ کو..... آپ کا گھر دکھاتا ہوں“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور دادو کو دائیں جانب ایک

بہت بڑے بیڈروم میں لے گیا۔ کمرے میں قدیم سٹائل کا بیڈ تھا، اور اس پر حیدر آبادی سٹائل کی بیڈ شیٹ چھپی تھی۔ چنیوٹی کدائی والا بہت بڑا ڈریسنگ ٹیبل۔ ایک جانب ٹی وی، بیڈروم، ریفریجریٹر، ٹیس چائینز چھلوں کے گلدستے اور دیوار پر مرحوم دادا جان فرید الدین کا بہت بڑا پورٹریٹ۔ دادو نے مسکراتے ہوئے تصویر کی جانب دیکھا اور پھر ایک دم سنجیدہ ہو گئیں۔ کرو بہت منفرد انداز میں ہلکے رنگوں کے حسین اسٹراج سے سہا تھا کمرے کے فرنیچر، پردوں اور کارپٹ کے ٹکڑے کو منہ شکوہ کچھ کر منہ سے بے ساختہ تعریفی کلمات ادا ہوئے تھے۔ دادو آپ کو اپنا کرو کیا گا..... سچ بتائیے گا؟ اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔ بہت خوبصورت۔ کیا آپ نے خود ڈیکوریٹ کیا ہے۔ کیونکہ اس کمرے کی ہر چیز میں ہمارے ٹیسٹ کا بہت خیال رکھا گیا ہے۔ پردوں اور کارپٹ کی ٹکڑا سیم بھی ہماری مدد سے دادو نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

”دادو جان..... آج کل یہ کام انٹریز خود ہی کر لیتے ہیں..... بس ان کو اپنی چوائس اور Taste بتا دیتے ہیں..... سب کچھ تیار ملتا ہے..... آئیے اب میں آپ کو اپنا کرو دکھاتا ہوں اور دو لادائیج کی ایک جانب سے بلند ہوتی چند سیڑھیاں چڑھتا ہوا اوپر گیا اور انہیں اپنا کمرہ دکھانے لگا۔ اس کا کمرہ بھی اس کی پسند کے مطابق انتہائی خوبصورت اور پُرکشش انداز میں سجایا گیا تھا۔ دیواروں پر چائینز پینٹنگز، ایرانی کارپٹ، کرٹل کے ڈیکوریٹیشن، میردن ٹکڑے کے خوبصورت پردے جن پر اسی ٹکڑے کے ستارے ہوا کے ہلکے سے جھونکوں سے سی حرکت میں آ کر جھلکانے لگتے ہر شے میں مکمل ہم آہنگی اور خوبصورتی تھی۔ دادو کو پورا گھر دکھاتا رہا۔ ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم، کسٹ روم، کچن، واش روم..... گھر کا ہر ہر کونہ انتہائی قرینے اور شانسی سے سجایا گیا تھا۔ اس گھر کو دیکھ کر ایک دم پرانی مکمل نما حویلیوں کی یاد تازو ہو جاتی تھی۔ اس کی ڈیکوریٹیشن میں یہی انفرادیت تھی کہ اس کی جدیدیت کو قدیم روایتی انداز میں سمویا گیا تھا۔ اس گھر کو دیکھ کر دادو کہیں کھوی گئیں انہیں بہت کچھ یاد آ رہا تھا۔

”دادو..... اب بتائیے..... کیا آپ کو اپنا گھر پسند آیا؟“ وہ دادو کے قریب لائیج میں رکھے صوفے پر بیٹھے ہوئے بولا۔

”ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے..... خدا نظر بد سے بچائے“ دادو نے محبت سے اسد کے چہرے پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”کسے؟ مجھے یا اس گھر کو؟ اسد نے ہنستے ہوئے پوچھا دونوں کو..... آپ کو بھی..... اور..... آپ کے اس گھر کو بھی؟“ دادو نے محبت سے کہا۔

”اوں..... ہوں..... دادو..... ہم تینوں کو..... آپ کو..... مجھے اور اس گھر کو..... یہ گھر مجھے آپ کی دعاؤں کی بدولت ملا ہے۔“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جیتے رہو..... خدا..... آپ کو اور بہت سی خوشیوں سے بھی نوازے مگر بیٹا..... ہمیں ایک بات سمجھ میں نہیں آ رہی..... کیا آپ کو اس نے گھر کی کیا ضرورت پیش آئی۔ ہم پہلے جس گھر میں رہ رہے ہیں وہ بھی بہت اچھا ہے“ دادو نے حیرت سے پوچھا۔

”دادو..... اس سے پہلے آپ جن گھروں میں رہ چکی ہیں۔ وہ ان دونوں سے اچھے تھے۔ بڑی بڑی حویلیوں اور مکمل جیسے گھروں میں آپ رہتی تھیں۔ بس میں نے سوچ رکھا تھا کہ میں ویسا تو نہیں..... مگر ان جیسا ہی ایک گھر بنواؤں گا..... جہاں ہم دونوں رہیں گے“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ آپ نے ایسا کیوں سوچا تھا؟ دادو نے حیرت سے پوچھا اس لئے کہ آپ جب بھی اپنے پرانے گھروں کو یاد کرتے تھے.....

افرودہ ہو جاتی تھیں اور میں نے جب ہی یہ پکارا وہ کر لیا تھا کہ جیسے ہی میرا بزنس ترقی کر لے گا میں آپ کے لئے دیباہی گھر بنواؤں گا..... اور آج میں بہت خوش ہوں کہ جو خواب میں نے دیکھا تھا وہ پورا ہو گیا ہے! اسد محبت بھرے لہجے میں بولا۔

”بزنس کے بعد یہ پہلی کامیابی بہت مبارک ہو“ دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا۔

”جھجک یو..... دادو..... آپ کی دعائیں میرے لئے از رحمتی ٹیلیٹس ہیں۔ مجھے جو انساپرائیشن آپ سے ملتی ہے۔ کسی اور سے نہیں ملتی۔

اس نے دادو کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے محبت سے کہا۔

”جیتے رہو..... اللہ تعالیٰ آپ کو بہت خوشیاں اور کامیابیاں دے۔ بیٹا..... آپ کو جب بھی کوئی کامیابی ملتی ہے تو مجھے آپ کے ماں باپ

بہت یاد آتے ہیں..... وہ زندہ ہوتے تو کس قدر خوش ہوتے“ دادو کی آنکھیں ایک لمحہ نم ہونے لگیں۔

”ہاں..... میں بھی انہیں بہت مس کرتا ہوں۔ مگر آپ کو اپنے پاس پا کر مطمئن ہو جاتا ہوں کہ آپ تو میرے پاس ہیں نا..... مجھے دعائیں

دینے کے لئے..... مجھ سے محبت بھری باتیں کرنے کے لئے..... اور مجھ سے ہر بات شیر کرنے کے لئے.....“ اس نے محبت بھرے انداز میں کہا تو دادو مسکرا کر اسے دیکھنے لگیں۔

اور ہم بھی اکثر سوچتے ہیں کہ ظہیر الدین اور قرۃ العین کی وفات کے بعد اگر آپ ہمارے پاس نہ ہوتے تو ہم کیا کرتے“ دادو نے آہ

بھرتے ہوئے کہا۔

”اللہ کو معلوم تھا کہ دادو اور اسد ایک دوسرے کے بغیر نہیں رہ سکتے اس لئے دونوں کو ایک دوسرے کا پارٹنر بنا دیا“ اسد نے محبت سے کہا اور

اب اسد کو ایک اور نئے پارٹنر کی ضرورت ہے..... اس لئے اللہ نے اسد کو نیا گھر دیا ہے دادو نے محبت سے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔“

”بیٹا..... یہ گھر بہت خوبصورت ہے مگر نامکمل اور ادھورا ہے..... گھر تھکھل ہوتا ہے جب اس میں خوش ہاں، ہنسا ہنسا خاندان رہتا

ہے..... سب مل کر گھر کو جنت بناتے ہیں..... اس لئے اب آپ کی شادی بہت ضروری ہے“ دادو نے عار سے کہا۔

”کم آن دادو..... میرا موڈ مت خراب کریں۔ ابھی میرا شادی کا کوئی ارادہ نہیں۔ ابھی مجھے صرف اور صرف اپنا بزنس دیکھنا ہے۔ وقت

ملا تو شادی کا بھی سوچ لوں گا اسد نے لا پرواہی سے جواب دیا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ ہر کام وقت پر ہی اچھا نکلتا ہے..... اور شادی بھی مناسب وقت پر ہی ٹھیک رہتی ہے“ دادو نے کہا۔

”سوری دادو..... میں آپ سے متفق نہیں ہوں۔ شادی تو کسی بھی وقت کی جاسکتی ہے۔ اس ٹائٹلک پر اٹلم۔ البتہ کامیابی Success

کا ایک مخصوص وقت ہوتا ہے۔ یہ وقت گزر جائے تو پھر بہت زیادہ محنت کرنا پڑتی ہے..... انسان کے پاس Success کا مارجن اور آپشنز بہت کم

ہوتی ہیں۔ اس لئے پہلے میں اپنے بزنس کو بہت پھیلاؤ چاہتا ہوں۔ باقی باتیں بعد میں سوچوں گا“ اسد نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”آپ اپنی منطق اپنے پاس رکھیے۔ ہم دہی کریں گے جو ہم نے سوچ رکھا ہے۔“ دادو نے مصنوعی ہنسی سے کہا۔

”مگر..... پلیز..... فی الحال نہیں“ اسد نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”فی الحال تو ممکن بھی نہیں۔ کیونکہ ہمیں جس طرح کی لڑکی کی تلاش ہے۔ وہ ابھی تک ہمیں ملی بھی نہیں۔“ دادو نے سوچتے ہوئے قدرے

شعیدہ لہجے میں کہا۔

”اور..... ملے گی بھی نہیں“ اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟“ دادو نے حیرت سے پوچھا۔

”دادو آپ ہمیں گریس فل۔ ویل میئر ڈاؤر چارمنگ لیڈی کی چوائس بھی تو آپ کی طرح ہی یونیک ہوگی نا۔ اور ”یونیک“ لوگ آسانی

سے نہیں ملتے“ اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”آسانی سے تو ہمیں..... مگر..... مل ضرور جاتے ہیں۔ اور ہمیں پکارتین ہے..... ہمیں ضرور ایسی لڑکی مل جائے گی۔“ دادو نے مسکرا کر کہا

”گڈ لک ٹو یو..... لیکن فی الحال مگر کی سیلبریشن کے بارے میں سوچئے..... کیوں نا فیملی فرینڈز کی ایک میٹ نوٹیدر کر لیں..... کچھ ہلا گلا ہو جائے.....“ اسد نے مسکراتے ہوئے رائے دی۔

”بیٹا..... تمہیں پروردگار کا انعام اور اس کا کرم ہوتی ہیں..... اس لئے تمہیں ملنے پر اسکا شکر ادا کرنا چاہیے۔ اور ہماری خانہ دانی روایات

یہی رہی ہیں کہ ایسی خوشی کے موقع پر پروردگار کے ذکر کی محفل منعقد کر کے اس کا شکر ادا کیا جاتا ہے۔ مگر اس کی بہت بڑی عطا اور نعمت ہے اس لئے اس میں سب سے پہلے محفل میلاؤ ہونی چاہیے۔

آپ کے دادا مرحوم اور ہماری ساس تو براہی خیر کے فوراً بعد ہی صدقات، خیرات اور اللہ کے ذکر کی محفلیں منعقد کراتے تھے۔ اور حج

پوچھے تو گھر میں ہر وقت خوشیاں، رحمتیں اور برکتیں رہتی تھیں..... دولت اور اناج کی فراوانی رہتی تھی..... مگر جب وہ دونوں اس دنیا سے چلے گئے اور

ہم اکیلے رہ گئے۔ آپ کے والد نے آدمی جو ان کر لی اور ہم تمہیں الدین اور بھو بیگم کے ساتھ رہنے لگے تو پھر وہ سب کچھ نہ کر سکے۔ جو کچھ کرنے کے

عادی تھے۔ پھر تمہیں الدین اور بھو بیگم کی موت کے بعد تو بس دل ہی ہر شے سے بے دار ہو گیا۔ مگر اب خدا کا شکر ہے آپ کو خوش دیکھ کر ہم پھر سے

زندہ ہو گئے ہیں.....“ دادو نے نم آنکھوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”دادو..... آپ جو چاہتی ہیں..... کیجئے..... یہ آپ کا گھر ہے..... بس آپ مجھے حکم کر دیجئے..... جو چاہیے ہوگا..... وہ حاضر ہو جائے

گا“ اسد نے سعادتمندی سے جواب دیا۔

”ہم چاہتے ہیں کہ میلاؤ کی ویسی ہی زبردست قسم کی محفل کرائیں جو کبھی پرانی حویلی میں آپ کے دادا جان کی زندگی میں کرواتے تھے۔

حویلی کے در و دریاہ سے لگی کئی روز تک گلاب اور عطر کی خوشبوئیں نہیں جاتی تھیں۔ اور محفل کی برکت سے ہر طرف خوشی کا سا سماں رہتا تھا۔

دادو نے ماضی کے دھندلوں میں کھوئے ہوئے کہا۔

”نہیک ہے۔ آپ کو جو نعمت خوان خواہن پسند ہوں۔ ان کے نام لکھ دیجئے گا..... میں ان کو انوائسٹ کر لوں گا“ اسد نے کہا آپ کے دادا

مرحوم کے ایک دوست تھے مولوی اکبر علی..... ان کی وصا جزاویاں۔ ذکیہ اور رقیہ ہمارے ہاں اکثر میلا دی مٹھلیں پڑھنے آئیں تھیں..... ایسا خوبصورت تلفظ اور آواز میں ترنم تھا کہ آج تک سننے میں نہیں آیا..... مولوی صاحب نے خود ان کو قرأت اور ختم پڑھنا سکھائیں تھیں..... ان کو سن کر ایسا وجد طاری ہو جاتا تھا کہ تائیں سکتے۔ اگر کسی طرح ذکیہ یا رقیہ سے رابطہ ہو جائے تو..... ”دادو جملہ ادھورا چھوڑ کر گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

آپ مجھے ان کا ایڈریس دے دیجئے گا میں ڈرائیو کو بھیج کر ان سے رابطہ کرنے کی کوشش کروں گا“ اسد نے جواب دیا۔
”وہ ہمارے پرانے محلے میں رہتی تھیں..... معلوم نہیں اب کہاں ہوں..... ہم خود ڈرائیو کے ساتھ جا کر ان کے ہارے میں معلوم کریں گے“ دادو نے بھیدگی سے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”تم تک ہے..... جب آپ نے جانا ہوگا۔ مجھے بتا دیجئے گا..... میں ڈرائیو کو بھیج دوں گا“ اسد نے کہا۔
اسد کا موبائل بچے لگا اور وہ باتیں کرتا ہوا لالچ سے باہر چلا گیا۔ دادو گہری سوچ میں گم تھیں۔ جب وہ واپس آیا۔
”دادو..... میں ایک اہم پرنس میٹنگ میں جا رہا ہوں۔ دعا کیجئے۔ ڈیلیکیشن کے ساتھ یہ پرنس ذیل ہو جائے..... کروڑوں کا فائدہ ہو گا“ اسد نے موبائل اپنے کوٹ کی پاکٹ میں ڈالتے ہوئے کہا۔
”جینا..... ہماری ساری دعائیں آپ کے لیے ہی تو ہیں۔
خدا آپ کو زندگی کے ہر قدم پر کامیابیاں اور خوشیاں دے“
دادو نے دعا دیتے ہوئے کہا۔

”تم تک ہو..... سویت دادو..... گھر کے پیچھے ایک پورشن خیرن بوا اور ان کی فیملی کے لئے بھی ہے بوا اور دوسرے ملازمین بھی اسی میں رہیں گے..... آپ ان سب کو بھی بلو لیجئے.....“ اسد نے جلدی جلدی کہا اور اس کا موبائل بھر بجنے لگا۔ اس نے نمبر دیکھ کر کال ریجیکٹ کر دی۔ اب میں جا رہا ہوں..... اپنا خیال رکھے گا۔ اسد کہہ کر جلدی سے باہر چلا گیا اور دادو اس کی طرف دیکھ کر مسکرانے لگیں۔

☆

مریم بی۔ ایس سی کے ایگزٹر سز کی تیاری میں مصروف تھی۔ وہ چھوٹے سے محن کے ساتھ لمبھہ برآمدے میں بچے ہوسیدہ سے تخت پوش پر کتابیں اور نوٹس پھیلائے بیٹھی پڑھ رہی تھی اور اس کی ماں ذکیہ چھوٹے سے ہادرچی خانے میں دوپہر کا کھانا بنانے کی تیاری کر رہی تھی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی اچانک دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم اپنے دوپٹے کو ترپنے سے سر پر پھیلاتی ہوئی دروازے کی طرف گئی اور سر باہر نکال کر جھانکا۔
ایک اچیز عمر، خوبصورت جاؤب نظر عورت ساڑھی کے پلو سے سر ڈھالنے پر مثال لئے کھڑی تھی۔ اس کے ہمراہ ایک ہادرچی ڈرائیو قدرے مودب انداز میں کھڑا تھا۔

”السلام علیکم..... جینا..... کیا یہ مولوی اکبر صاحب کی صاحبزادی ذکیہ بیگم کا گھر ہے“ عورت نے اطمینانی شستہ لہجے میں پوچھا۔
”جی..... جی..... ہاں.....“ مریم نے قدرے حیرانگی سے پوچھا کہ جواب دیا۔ کیا ہم اندر آ سکتے ہیں.....؟“ عورت نے اجازت طلب

کی۔ اس سے قبل کہ مریم کچھ کہتی۔ اچانک ذکیہ نے مریم کے پیچھے سے جھانکا۔ ارے..... سلوٹ آپا..... آپ؟ ذکیہ قدرے حیرانگی سے اور انتہائی خوشی کے لٹے پٹے جذبات سے بولی۔ مریم فوراً پیچھے ہٹ گئی۔

”آپا..... اندر تشریف لائیے نا..... آپ باہر کیوں کھڑی ہیں؟ ذکیہ کی آواز میں بے بسیا خوشی تھی۔

”آپ گاڑی میں ہمارا انتظار کیجئے۔ ہم تھوڑی دیر بعد آتے ہیں۔“

سلوٹ آپا نے ڈرائیوڈ سے کہا اور گھر کے اندر داخل ہو گئیں۔

ذکیہ کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنے دو کمروں اور چھوٹے سے صحن اور برآمدے پر محیط گھر میں سلوٹ آپا کو کہاں بٹھائے اسے تو اپنا پورا گھر سلوٹ آپا کے شایان شان نظر نہیں آ رہا تھا۔ آپا..... اندر تشریف لے آئیے“ ذکیہ نے ایک کمرے کی طرف اشارہ کیا۔ جس میں چند کرسیاں اور ایک پرائیونٹ بچا تھا۔ کمرے کے درمیان ایک چھوٹا سا میز تھا۔ کرسیوں اور میز پر سفید کڑھائی والے کورسے۔ کڑھائی کے پرانے ڈیزائن سے معلوم ہو رہا تھا کہ بہت پرانے تھے۔

”ارے ذکیہ..... ہم ادھر ہی بیٹھ جاتے ہیں..... ہمارا اپنا گھر ہے..... تکلف کی کوئی بات نہیں“ سلوٹ آپا نے تخت پوش پر بیٹھتے ہوئے کہا اور مریم نے جلدی سے اپنی کتابیں وہاں سے میٹیں اور ان کو دوسرے کمرے میں رکھنے چلی گئی۔

”سلوٹ آپا..... مجھے تو بالکل بھی یقین نہیں آ رہا کہ آپ میرے گھر تشریف لائی ہیں اور وہ بھی اتنے سالوں کے بعد..... آج اچانک“ ذکیہ نے فرط جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا۔

آپ تو جانتی ہیں کہ ہمارے شوہر کی وفات پھر بیٹے اور بہو کی حادثے میں موت کے بعد زندگی نے ایسا رخ بدلا کہ ہمیں اپنی ہوش نہ رہی..... اللہ کا شکر ہے۔ وہ تلخ وقت خیریت سے گزر گیا..... ابھی کچھ آسودگی اور فرمت میسر آئی ہے تو آپ کی بھی یاد آگئی سلوٹ آپا نے قدرے تاسف سے اور پھر مسکراتے ہوئے بتایا۔

ہاں..... انسان کو کیا پتا ہوتا ہے کہ قدرت نے اس کے لئے کیا کیا آزمائشیں رکھی ہوئی ہیں..... پھر انسان کے پاس مبر کے علاوہ کوئی اور راہ نہیں رہتی۔“ ذکیہ نے بھی افسردگی سے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں مبرا اور شکر کے علاوہ انسان اور کیا کر سکتا ہے..... ہمیں آج آپ سے مل کر بہت خوشی ہو رہی ہے“ سلوٹ آپا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے..... میں ہاتوں میں بھول بی گئی۔ مریم بیٹا..... جلدی سے چائے لے کر آؤ..... سنو کہ اب اور سکٹ بھی لے کر آتا“ ذکیہ نے مریم سے کہا۔

”ذکیہ بیگم..... کوئی تکلف نہ کیجئے..... ہم ابھی چائے پی کر آتے ہیں..... بس آپ ہمارے پاس چلیجئے“ سلوٹ آپا نے محبت سے کہا۔

”ارے آپا..... یہ کیسے ممکن ہے کہ میں آپ کو چائے کے بغیر جانے دوں..... میں آپ کی خدمت کے قائل کہاں..... تھوڑی سی خاطر

”سلطت آپا..... آپ کو اپنے سامنے دیکھ کر مجھے استغدر خوشی ہو رہی ہے کہ بیان سے باہر ہے“ ذکیہ نے خوش ہو کر کہا۔

”ہمیں اندازہ ہو رہا ہے۔ دلوں میں محبت موجود ہو تو قاصد کبھی انسانوں کو ایک دوسرے سے دور نہیں کر سکتے۔“

”سلوت آیا نے محبت سے ذکیہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”آپا..... اور سناجئے اب زندگی کیسی گزر رہی ہے؟“ زکیہ نے پوچھا جس کا تانا میں..... بہو اور بیٹے کی وفات کے بعد ان کا بیٹا اسد دس

سال کا تھا اس کی پرورش اور تعلیم و تربیت میں ہم اس قدر مصروف رہے کہ وقت ہی نہیں ملا اب ماشاء اللہ اسد جوان ہو چکا ہے۔ انہوں نے ذہنیات میں بہت بڑا اور خوبصورت مگر بنایا ہے اور اب ہم اس گھر میں ویسی ہی میناؤ کی محفل منعقد کرنا چاہتے ہیں۔۔۔ جس طرح کی ہماری حویلی میں ہوتی تھی۔ آپ اور قیدیہ ہمیں سب سے پہلے یاد آئیں۔ آپ دونوں بہنوں کی طرح میناؤ کی محفل کوئی اور نہیں پڑھ سکتا۔۔۔“ سلوت آپ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ارے آپا..... بہت مبارک ہو..... مگر قیہ تو شادی کے بعد بہاولپور چلی گئی ہے اور مجھے سانس کا مسئلہ ہے۔ اب کہاں قرأت اور نعیں پڑھ سکتی ہوں..... سانس اکٹھا جاتی ہے“ ذکیہ نے افسردگی سے کہا۔

اور..... یہ تو آپ نے مایوسی کی خبر سنائی ”سلطوت آپا نے اس درد کی سے کہا عریم چائے کی ٹرے لے آئی اور چائے بنا کر کپ سلطوت آپا کو پکڑا یا۔ شکر یہ..... بیٹے..... آپ کو کسی نگاہ میں چھو رہی ہیں۔ سلطوت آپا نے قدروں ملائمت اور محبت سے پوچھا۔

بی ایس سی کے ایگزاحر کی تیاری کر رہی ہوں" مریم نے جواب دیا۔

”ماشا اللہ... جتنی ریے... ذکیہ... کیا آپ کی ایک ہی بیٹی ہے؟ سطوت آپ نے پوچھا۔

”اس سے بڑی مومن ہے..... وہ یونورشی میں پڑھتی ہے..... ابھی یونورشی سے واپس نہیں آئی.....“ زکیہ نے جواب دیا۔

”اور.....ان کے والد.....؟.....سلطت آپا نے پوچھا۔

”مریم دو سال کی اور مومنہ چار برس کی تھی جب ان کے ابا کا انتقال ہو گیا..... آپا کیا بتاؤں۔ زندگی کیسے گزری۔

اللہ کے سوا کوئی آسرا نہیں تھا۔ شکر ہے مولا کا۔ جس نے ہمت ٹوٹنے نہیں دی۔ اور زندگی کا سفر جیسے تیسے کٹ گیا۔ ذکیہ نے قدرے

افسردگی سے جواب دیجیے۔

آزمائش انسان کے لئے یقینی ہیں..... ہم تو بہت بڑا امید ہو کر آئے تھے اور بہت تلاش کے بعد آپ کا گمراہ ہے مگر یہ انہوں نے جو با ہے کہ آپ میا انہیں پڑھ سکتیں سلطوت آپا نے نبیدگی سے جواب دیا۔

”آپا..... آپ فکر کیوں کر رہی ہیں..... میں نے اپنی دونوں بچیوں کو ویسی ہی قرأت اور فطیں پڑھنا سکھائی ہیں..... جس طرح ہمارے ابا

مرحوم نے مجھے اور رقیہ کو سکھائیں کہیں اور مومنہ نے تو ماشاء اللہ سکول اور کالج میں نعت اور قرأت کے مقابلے جیتے ہیں۔ اس کو تو بہت سے انعامات اور ثرائیں ملی ہیں“ زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ..... یہ پروردگار کا اپنے خاص بندوں پر خاص کرم ہوتا ہے جنہیں وہ اپنی حمد و ثناء اور اپنے محبوب کی تعظیم پڑھنے کے لئے منتخب کرتا ہے۔ مولوی صاحب کے گھرانے پر اللہ پاک کا بڑا فضل رہا ہے۔“ سلطوٹ آپا نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”مریم کے تو امتحان ہونے والے ہیں لیکن میں مومنہ کو بھیج دوں گی“ زکیہ نے کہا۔

”ہمیں خوشی ہوگی اگر آپ خود بھی مومنہ بیٹی کے ساتھ تشریف لائیں۔ ہم آپ کو لینے کے لئے اپنا ڈرائیو بھیج دیں گے۔“ سلطوٹ آپا نے کہا۔

”تمہیک ہے..... میں پوری کوشش کروں گی“ زکیہ نے جواب دیا۔

”اب ہم چلتے ہیں.....“ سلطوٹ آپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

دروازہ کھلا اور ایک دروازہ نقاب پوش لڑکی گھر میں داخل ہوئی۔

”مومنہ آگئی ہے“ زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

السلام بیگم..... مومنہ نے نقاب سر کا کر سلام کی۔

”ولیکم السلام..... جیتی رہے ابھی ہم آپ کا یہ ذکر کر رہے تھے“ سلطوٹ آپا نے محبت سے کہا تو جواباً مومنہ مسکرا دی۔

”خدا حافظ“ سلطوٹ آپا نے زکیہ کے گلے ملنے ہوئے کہا اور دروازے سے باہر نکل گئی۔

زکیہ مریم اور مومنہ انہیں دروازے تک رخصت کرنے آئیں۔ سلطوٹ آپا اپنی سازشی کو تھوڑا سا زمین سے اٹھا کر قدرے شاہانہ انداز میں گلی میں سے گزر رہی تھیں۔

”واہ..... کیا گریس فل پر سنائی ہیں..... امی یہ کون ہیں؟ مریم نے دروازہ بند کرتے ہوئے حیرت سے پوچھا۔

”یہ میرے والد کے بہت قریبی دوست فرید الدین کی بیگم صاحبہ ہیں۔ یہ لوگ انڈیا کے شہر حیدرآباد سے ہجرت کر کے آئے تھے اور ہمارے محلے سے باہر ایک بڑی حویلی ان کو لاث ہوئی تھی۔ یہ بڑے خاندانی اور کھڑکھاؤ والے لوگ تھے۔ بڑے مذہبی پرہیزگار اور امیر کبیر لوگ ان کے گھرانے کی پورے علاقے میں بہت عزت تھی۔ سلطوٹ آپا کی ساس نواب بیگم ان کی دو مندریں مہر النساء اور زیب النساء سب بڑی ہاکمال عورتیں تھیں۔ ان کے لباس، ادب و آداب، رہن بہن سب اس قدر شاہانہ تھے کہ ہم لوگ جب بھی ان کی حویلی جاتے تو حیرت سے انہیں دیکھتے رہ جاتے یوں لگتا جیسے ہم مظاہر دور کے کسی شاہی محل میں چلے گئے ہوں ان کی حویلی میں لمبے لمبے ستونوں والے عمارتی برآمدے چاند نیاں اور ان کے ساتھ ہالکونیاں، جھرد کے کمر کیوں اور عمارتوں پر لٹکتے سک اور نقیس جالی کے پردے..... مندریں اور ان پر غزل کے خوبصورت کٹن اور گاؤں کے۔ ہمیں چاندی کے کھدائی والے برتن..... حیدرآباد کی کڑھائی کی چادریں..... سب کچھ اس قدر منفرد و راجاتی اور خوبصورت لگتا کہ ہم لوگ تو بس دیکھتے رہ جاتے.....

ذکیہ نے ماضی کے چند لکڑوں میں کھوکھریاں۔

”اور امی..... کیا ان کی عورتیں گھر میں اسی طرح ساڑھیاں پہنتی تھیں؟ مریم نے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”جہیں..... تب تو سطوت آپا اور ان کی تندریم سلک اور سائن کے خراڑوں کے ساتھ نشا اور جالی کے بڑے بڑے دوپٹے لٹی تھیں۔ بہت نفیس کندن اور چاندی کے زیورات، مدراس اور حیدر آبادی سٹائل کے کنگن اور چوڑیاں پہنتیں کیا سچ و سچ اور آن ہان ہوتی تھی۔ سطوت آپا جب درمیانی عمر میں تھیں اور ہم لوگ جوان لڑکیاں۔ لیکن سطوت آپا ہم سے زیادہ جوان اور خوبصورت دکھائی دیتی تھیں۔ ان کا انداز منگھو اور ادب و آداب بہت نرالا تھا۔ سنا تھا کہ سطوت آپا لکھنؤ کے کسی نواب کی بیٹی تھیں اور سرال بھی اچھا خاندان تھا۔ ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ جو چھوٹی کے ساتھ حاوٹے میں جاں بحق ہو گیا۔ ذریعہ التواء بیوا کر اٹھ یا واپس چلی گئی اور مہر التواء کی بہادر پور کے کسی نواب خاندان میں شادی ہوئی۔ ساس اور سر کے مرنے کے بعد پھر یہ خاندان بکھر گیا۔ پھر کچھ مالی حالات بھی برے ہو گئے مگر حالات جتنے بھی بدل جائیں۔ خاندانی وقار اور شان و شوکت تو خون میں سے نہیں جاتی نا۔ گو کہ آج اور کل کی سطوت آپا میں بہت فرق آ گیا ہے لیکن ابھی بھی ان کو دیکھ کر فوراً ہی ان کے خاندانی وقار اور شان و شوکت کا اندازہ ہو جاتا ہے۔ ذکیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ای..... آپ کی ان سے کیسے ملاقات ہوئی؟“ مومنہ نے نخیل سے برتن اٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”میرے بابا ان کی حویلی میں مہر التواء اور ذریعہ التواء کو قرآن پاک کی قرأت، ترجمہ تفسیر پڑھانے جاتے تھے۔ اور ان کا گھر اند بے حد بڑی تھا۔ آئے روز میلاد اور قرآن خوانی کے سلسلے میں رقیہ اور میں ان کے ہاں جاتے تھے۔ ہم سے یہ لوگ بہت محبت اور عزت سے پیش آتے۔ یہ ایسا بااخلاق خاندان تھا کہ امیر و غریب کا فرق کیسے بغیر ہر ایک کی خوشی و غمی میں سطوت آپا اور ان کی ساس شریک ہوتیں صدقے و خیرات اور نیاز دینے میں بھی ان کا کوئی جانی نہیں تھا۔ جو فیصل حویلی میں آتی تو سب سے پہلے محلے کے غریب غرباء کا حصہ نکالا جاتا پھر بقیہ حویلی کے گوداموں میں محفوظ کی جاتی۔ میلاد کی شیرینی کی نیاز اس قدر کثرت سے ہائی جاتی کہ اس روز پورے محلے میں کسی کے گھر کھانا نہ پکا۔ سب کو حویلی سے ہی کھانا آ جاتا۔ غریبوں کی بہت مدد کرتے۔ مسایلوں کا بہت خیال رکھتے اور مہمانوں کی بہت خاطر و تواضع کرتے..... بس کیا بتاؤں..... یہ کیسے اچھے لوگ ہیں..... اب ایسے لوگ کہاں؟ ذکیہ نے قدرے تاسف سے کہا۔

”امی..... اس لئے آپ ان کو دیکھ کر بہت خوش ہوئی ہیں؟ مریم نے تجسس سے پوچھا۔

”جیہا..... سطوت آپا کا میرے ہاں آنا..... میرے لیے تو بہت اعزاز کی بات ہے۔ کہاں سطوت آپا اور کہاں میں.....؟

ذکیہ نے سنجیدگی سے کہا۔

ای..... ہیں تو انسان ہی؟..... آپ اپنے آپ کو اتنا کتر کیوں خیال کر رہی ہیں؟ مومنہ نے کہا۔

جیہا..... یہی تو ان لوگوں کی اچھی بات ہے کہ انہوں نے ہمیشہ دوسروں کو بھی انسان سمجھا ہے اور اپنے آپ کو بھی..... بات احساس کمتری

کی نہیں..... ان کی عظمت کی ہے..... سب انسان ایک جیسے تو نہیں ہوتے نا..... کچھ کو اللہ تعالیٰ بہت عزت اور شان و شوکت سے نوازتا ہے کہ

دوسرے ان کو دیکھ کر حسد کرنے لگتے ہیں یا رشک یا بھر مرعوب ہو جاتے ہیں۔ میں تو ہمیشہ ان کو رشک بھری نگاہوں سے دیکھ کر مرعوب ہوتی ہوں۔
زکیہ نے جواب دیا۔

”واقعی..... اہی ٹھیک کہہ رہی ہیں..... میں خود ان سے مل کر بہت متاثر ہوئی ہوں۔ یہ دوسروں کی عزت اور قدر کرنے والی لگی ہیں“ مریم نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

بیٹا..... صرف عزت نہیں بلکہ بہت عزت کرنے والی ہیں“

زکیہ کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح سلطنت آپا کی تعریف کرے۔

”امی کو آج میں نے بہت عرصے بعد اتنا خوش دیکھا ہے۔“ مریم نے مسکراتے ہوئے سونہ کو بتایا۔

”ہاں..... واقعی میں آج بہت خوش ہوں..... سلطنت آپا نے آکر پرانے خوبصورت دن یاد کرا دیئے ہیں..... سونہ بیٹے ان کے ہاں میلا دھنڑ کی محفل میں جانا ہے اور تم اچھی سی ٹیبلت لے کر لیتا اور میرے صندوق میں سے کوئی دو نئے سوٹ نکالتا..... میں اپنے اور تمہارے لئے نئے سوٹ بناؤں گی..... ہم میلاؤ کی محفلوں میں اکثر نئے سوٹ سی کر دوپٹوں کو گونا گونا رنگی اور ابرک لگا کر بڑی بچ وچ سے جاتیں تھیں۔ بچ بہت اٹھ آتا تھا۔“ زکیہ نے خوش ہو کر بتایا۔

”آپ دونوں نے سوٹ پہنیں گی اور..... میں؟ مریم نے منہ بکا کر پوچھا۔

”ارے بھئی..... جہیں بھی سی دوں گی..... مگر ابھی صرف میں اور سونہ نے سوٹ پہنیں گی“ زکیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”امی آپ نے تو کبھی ایسی خوشی کا اظہار نہیں کیا۔ میں ابھی سوٹ نکالتی ہوں۔“ سونہ نے خوش ہو کر کہا۔

”شام کو نکالتا۔ ابھی بچے قرآن پاک اور ٹیوشن پڑھنے آ جائیں گے۔ ان کی توجہ پڑھائی سے ہٹ جائے گی“ زکیہ نے کہا اور کچن میں آ کر کھانا بنانے لگی۔

☆

راشد گھر آیا تو اس کی چیٹ اور شرٹ کی جینس کھانے پینے کی چیزوں سے بھری ہوئیں تھیں..... اس کے دونوں ہاتھوں میں باف رول پیک۔ سکٹ تھے اور وہ بڑے مزے سے انہیں کھا رہا تھا۔

”اے مٹی..... ہلک کھائے گی“ راشد نے اپنے سے چھوٹی چھوڑ سالہ بہن کو کہا جو اپنے خستہ حال گھر کے کچے مچن میں جھاڑو لگا رہی تھی۔

”ہاں..... دے دے.....“ مٹی نے منہ میں پانی بھر کر جواب دیا۔ راشد نے اسے دلو سکٹ دیئے۔ وہ بھی مزے سے کھانے لگی۔

راشد..... تم نے پیسے کہاں سے لیے ہیں..... اور تیری جینس بھی چیزوں سے بھری ہیں“ ان کی بڑی بہن سدرہ نے کمرے سے آ کر

پوچھا۔ سکٹ کھاؤ گی راشد نے ہنستے ہوئے پوچھا..... مجھے یہ بتا کہ تمہارے پاس پیسے کہاں سے آئے ہیں؟ سدرہ نے غصے سے ڈانٹتے ہوئے پوچھا۔

”جہاں سے بھی آئے ہوں۔ تو سکٹ کھائے گی یا نہیں“ راشد نے قدرے مدھب سے پوچھا۔

”راشد..... صاف صاف بتا..... ورنہ میں تجھے بہت پٹاؤں گی“

سدرہ نے غصے سے اپنا ہاتھ ہوا میں لہراتے ہوئے کہا۔

اسی لمحے دروازہ کھلا اور رشیدہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے ہاتھ میں مختلف لفافے تھے جن میں اکثر وہ لوگوں کے گھروں میں کام کاج کے بعد بچا کھچا کھانا لاتی تھی اور اس کے بچے شدت سے ان کھانوں کا انتظار کرتے تھے جیسے ہی وہ کھانے لاتی وہ ان پر جھپٹ پڑتے سدرہ اور راشدہ کو جھگڑتے دیکھ کر اس نے منہ بتایا۔

”ایک تو تم دونوں کا جھگڑا ختم نہیں ہوتا۔ گھر میں قدم رکھتے ہی تم دونوں کی تکرار سننے کو ملتی ہے“ اب کیا تکلیف ہوئی ہے ”رشیدہ نے غصے سے سدرہ اور راشدہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”اماں..... یہ دیکھ اس کی جینسین؟ فلیوں، چاکلیٹ سونف پار یوں اور چوڑیوں سے بھری ہیں۔ ہاتھ میں یہ سلکت بھی ہیں پوچھ رہی ہوں کہ پیسے کہاں سے لیے۔ مگر بتا دیجی نہیں..... تو ہی اس سے پوچھ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”ادھر..... آ میرا بیٹا..... بتا کہاں سے پیسے لیے؟“ رشیدہ نے راشدہ کو اپنے پاس چار پائی پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”اماں..... وہ ہماری چھت پر لوہے کے پرانے پائپ تھے نا وہ میں نے بیچے ہیں۔“ راشدہ نے آہستہ سے بتایا۔

”آ..... ہائے..... وہ تو ساتھ والے مسایوں نے ہماری چھت پر امانت کے طور پر رکھے تھے..... اماں..... یہ دیکھ اس نے کیا کیا ہے..... اس نے امانت میں خیانت کی ہے“ سدرہ غصے سے اسے ڈانٹتے ہوئے بولی۔

میں نے کوئی امانت میں خیانت نہیں کی۔ اتنے قیمتی تھے تو انہوں نے ہماری چھت پر رکھے ہی کیوں؟ مجھے فضول کچرا لگے تو میں نے بچ دیے۔ راشدہ بہت دھری سے بولا۔

”انہوں نے ہم پر اعتبار کیا..... نہیں کیا معلوم کہ ہمارے گھر میں ایسا چور بھی ہے..... جو ان کی اجازت کے بغیر ان کی چیزیں اٹھا کر بیچ دے گا۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”آپا..... زیادہ بکواس نہ کر..... ورنہ تیرا لحاظ نہیں کروں گا راشدہ سدرہ کو گھورتے ہوئے بولا۔

”اے سدرہ۔ چل اپنی بک بک بند کر..... ادھر آ میرا بیٹا..... مجھے بتا کتنے روپوں میں پائپ بیچے ہیں؟ رشیدہ نے لپٹائے ہوئے اعزاز میں پوچھا۔

”دوسروں کے کے کچے ہیں.....“ راشدہ منہ بٹا کر بولا۔

”اور تو نے دوسری خرچ کر دیے۔ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... سو روپے ہی گئے ہیں“ راشدہ نے جیب میں سے سو روپے نکال کر ماں کو دکھائے۔

”چل یہ مجھے دے دے.....“ رشیدہ نے خوشامی لہجے میں کہا یہ لے..... اور اب تو خود ہی ساتھ والوں کو سنبھال لینا۔“ راشدہ نے ہاتھ

کے اشارے سے ساتھ والے مسابوں کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تو گھبر نہ کر..... میں سنبھال لوں گی“ رشیدہ نے مسکراتے ہوئے سوردھندلے دھندلے کے پلو سے ہاندا ہوا۔

راشدہ مطمئن اور خوش سیٹی بجاتا۔ سدرہ کی طرف قاتمانا انداز میں دیکھتا ہوا گھر سے باہر نکل گیا۔

”اماں..... یہ تو نے کیا کیا.....؟ اسے سمجھانے اور ڈانٹنے کی بجائے خود اس کا ساتھ دینے لگی.....“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”اے..... ہائے..... کوئی قیامت آگئی ہے..... جو تو اتنا بدھ چڑھ کر بول رہی ہے۔ کب سے پائپ پڑے تھے۔ ذمگ لگے ہوئے۔

فضول میں ہماری چھت پر اتنا بوجھ رکھا تھا۔ اچھا کیا اس نے کچھ دیکھے۔ کچھ کرپے تو لگے۔ پڑے پڑے کیا دے رہے تھے؟ رشیدہ نے منہ بتاتے ہوئے کہا۔

”اماں..... کسی کی امانت میں خیانت کرنا کتنا بڑا گناہ ہے اور تو راشدہ کو خود خراب کر رہی ہے۔ آج وہ چھوٹی چھوٹی چیزوں کو اٹھانے میں

مجب نہیں سمجھ رہا۔ کل کو بڑی چوریاں اور ڈکیتیاں کر لے گا۔“ سدرہ نے غصے سے بولتے ہوئے کہا۔

”جل..... جل..... زیادہ باتیں نہ کر۔ مجھے تجھ سے زیادہ پتا ہے کیا کرنا ہے اور کیا نہیں..... یہ گناہ تو اب تو اپنے پاس رکھ..... یہ جب

سے تو زکیہ کے پاس جانا شروع ہوئی ہے تاہم دامخ خراب ہونے لگا ہے۔ کل ہی تیرا ہاں جانا بند کرتی ہوں“ رشیدہ بڑبڑانے لگی۔

”اماں..... ہمیں جو باتیں تجھے سکھانی چاہئیں ہمیں وہ زکیہ آپا سکھا رہی ہے۔“ سدرہ نے نرم آنکھوں سے جواب دیا۔

”جل..... اب مجھے مولوی کا وصف سنانے نہ بیٹھ جانا۔ میں نے بال وپ میں سفید نہیں کیے۔ اچھا بڑا سب جانتی ہوں۔ یہ لے پڑ لٹا فانی

اور کھانا گرم کر۔ سارا دن لوگوں کے گھروں میں کام کر کے آؤں اور آتے ہی تیری بک بک بھی سنوں..... تو نے دامخ خراب کر کے دکھ دیا ہے“

رشیدہ نے غصے سے سدرہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے لٹا فانی اٹھا کر کچن میں چلی گئی۔ اس کا خون غصے سے کھول رہا تھا۔

اسے راشدہ پر سخت غصہ آ رہا تھا اور اس سے بھی زیادہ اماں پر..... جو اس کو ہر بری بات میں غصہ دیتی تھی۔ کبھی اس کو کسی بری بات اور

حرکت پر نہیں ڈانٹا تھا۔ ڈانٹنے کا کام ہر بار سدرہ ہی کرتی اور ہر بار دونوں ماں بیٹے مل کر اسے لٹیل کرتے۔

راشدہ کی عمر سولہ سال تھی اور میٹرک میں دو بار فیل ہو چکا تھا۔ وہ تو کئی بار پڑھائی چھوڑنے کا اعلان کرتا مگر ہر بار سدرہ اسے ڈانٹتی۔ صرف

پڑھائی کے معاملے میں رشیدہ سدرہ کا ساتھ دیتی ورنہ ہر بات میں وہ راشدہ کو بے قصور ٹھہراتی۔ راشدہ سارا دن اپنی چھت اور اس سے ملحقہ لوگوں کی

چھتوں پر چٹنگ بازی کرتا رہتا۔ محلے کے آوارہ لڑکوں کے ساتھ گھومتا پھرتا رہتا اور رات کو گھر آتا تو سدرہ کے ڈانٹنے پر جیسے ہی کتاب کھول کر اپنے

سامنے رکھتا تو اسے فوراً ہی نیند آ جاتی۔ اتنی جمانیاں لیتا کہ رشیدہ خود اس کی کتاب بند کر کے اسے سونے کے لئے کہتی۔ اس کا سارا دن مستحیوں میں

گزرتا۔ اسے چٹ پٹی چیزیں کھانے کا اتنا شوق تھا کہ جہاں سے چیز ملتی اٹھا کر کھا لیتا۔ کبھی محلے کے دکا عماروں سے مانگتا کبھی ہر راہریڑھیوں سے

اٹھا کر منہ میں ڈال لیتا اور ریڑھیوں والے اسے گالیاں دیتے رہتے اور وہ ان کی گالیوں کے جواب میں مسکرا دیتا۔

سدرہ کھانا گرم کر کے لائی اور اس نے ماں کے پاس چار پائی پر ہی رکھ دیا۔ منی بھی ہاتھ دھو کر اس کے ساتھ کھانے کو بیٹھ گئی سدرہ کا مولیٰ

مخت خراب تھا اور اس نے احتجاجاً کھانا نہ کھایا مگر رشیدہ نے بھی اسے نہ بلایا۔

”اماں..... ایک تو تو ہر روز والی اٹھلاتی ہے؟ مہی نے منہ مسرتے ہوئے شکایت کی۔

”ارمی کو شیوں والے گوشت اور مرغے ہمارے لیے نہیں پکاتے ہمارے نصیب میں تو یہ بچی کبھی والیں اور بڑیاں ہی ہیں۔

چپ کر کے کھا..... بڑی آئی باتیں بنانے والی..... بڑی کود کچھ کر تیرا بھی دماغ خراب ہو رہا ہے۔ اس کے تو سارے غرے نکل جائیں گے۔ جالے ذرا اگلے گھر۔ زائدہ نے دو دن میں اس کے کس بل نہ نکال دیئے۔ تب کہنا رشیدہ نے یہاں سے ذرا اگلا۔

سدرہ اندر بیٹھی ماں کی باتیں سن کر بالکل کھار ہی تھی مگر خاموش رہی۔ وہ رشیدہ سے ایک بات کر کے دس سنتا نہیں چاہتی تھی..... رشیدہ جب آپے سے باہر ہوتی تو وہ بالکل ہی بھول جاتی کہ وہ اپنی بیٹی سے طعنہ زنی کر رہی ہے۔

سدرہ کی عمر انیس برس تھی اور وہ ایف اے کی طالبہ تھی۔ وہ سلائی کڑھاتی کر کے اپنی تعلیم کا خرچہ پورا کرتی تھی۔ اس کی مومنہ اور مریم سے بہت دوستی تھی۔ زکیہا باپ سے وہ قرآن پاک پڑھنے جاتی تھی اور زکیہا پا کو اپنا آئیڈل سمجھتی تھی۔ زکیہا پا انتہائی غربت میں بھی جس طرح اپنی بیٹیوں کو پڑھا رہی تھی اور ان کی جتنی اچھی تربیت کی تھی۔ سارے محلے میں وہ اپنی مثال آپ تھی۔

سدرہ کو اپنی ماں کی باتیں اور حرکتیں دیکھ کر بہت انہوس ہوتا تھا۔ رشیدہ اکثر لوگوں کے گھروں سے چیزیں اٹھا کر لے آتی تھی اور اس کو کوئی عیب بھی نہیں سمجھتی تھی۔ کبھی کسی کے گھر سے پیاز اٹھلاتی..... کبھی بسن..... کبھی آلو۔

ان کے بچن میں اتنے پیاز پڑے تھے کہ زمین پر گر رہے تھے۔ میں دو چار لے آئی ہوں تو ان کو کیا فرق پڑ گیا۔ رشیدہ تاک چڑھا کر کہتی۔

”اماں..... چیز اٹھانے میں اور مانگنے میں بہت فرق ہوتا ہے۔ تو ان سے مانگ لیا کہ سدرہ کہتی۔

”تیرا کیا خیال ہے..... مانگتے پر وہ مجھے دے دیتے۔ ارمی یہ امیر لوگ ایک ایک آنے پر مرتے ہیں..... مجھے پیاز دے دیج..... باؤلی نہ ہوتی..... مجھے سمجھا رہی ہے..... میں ان لوگوں کو جانتی ہوں تو نہیں ”رشیدہ منہ بنا کر غلغل سے کہتی۔

”اماں..... یہ تو مکناہ ہے..... اور تو ہمیں حرام کھلاتی ہے ”سدرہ غصے سے کہتی۔

”کیوں میں تمہیں مراد کھلاتی ہوں۔ یا سؤر کا گوشت کھلاتی ہوں جو حرام ہو گیا ”رشیدہ غصے سے کہتی۔

”حرام صرف یہی چیزیں تو نہیں..... حرام ”سدرہ منہ کھلتی تو جھٹ رشیدہ اس کے پیچھے پنجے بھاؤ کر پڑ جاتی۔

”اپنی نصیحتیں اپنے پاس رکھ..... مجھے بھی سب پتا ہے۔ مگر کا خرچہ کس کس طرح چلاتی ہوں یہ میرا رب جانتا ہے۔ باپ تو تمہارا مر

گیا..... اور..... میرے لیے اس نے کوئی جائیدادیں نہیں چھوڑیں کہ ان کی کمائی تجھے کھلاؤں..... شکر نہیں کرتی کہ ماں بڑھاپے میں اپنی پڑیاں جلا کر

تم لوگوں کو کھلا رہی ہے..... مگر تم لوگوں کو کیا لگ..... آرام سے کھانے کو جوں جاتا ہے۔ خود کچھ کرنا پڑے۔ تا تو لگ پتا جائے۔ باتیں بنانا بہت آسان

ہوتا ہے خود کھانے جا..... تو پھر پتا چلتا ہے۔ ”رشیدہ ڈانٹ کر کہتی تو وہ خاموش ہو جاتی۔

دروازے پر دستک ہوئی تو مٹی نے جا کر دروازہ کھولا ساتھ والی مسائی زبیدہ غصے میں بھری اندر آئی..... سردہ کے ہاتھ پاؤں پھولنے لگے اور اس کا دل بڑی طرح دھڑکنے لگا۔

”رشیدہ مجھے خبر ملی ہے کہ تمہارے بیٹے نے ہمارے گھر کے پائپ چھ دیئے ہیں..... ارے ہم نے تو تم لوگوں کی چھت پر امانت کے طور پر رکھے تھے۔ ایک دو دن میں ہم ان کی فنگ کرانے والے تھے۔ اتنے مہنگے پائپ تھے۔ ہمیں ہمارے پائپ واپس کر دینا ہمارے غصے سے کہا۔“

”اری آپ..... بات تو سنو کا ہے کوہر کر رہی ہو۔ نجانے کس کھجوت نے تجھے جھوٹ موٹ سنا دیا ہے۔ میری بھی تو بات سنو..... میرے گھر کے حالات تو تم دیکھ رہی ہو۔ یہ دیکھو لوگوں کے گھروں سے بچا کھانا کھانا کر تو ہم کھاتے ہیں.....“ رشیدہ نے ایک دم رو ہنسی آواز نکال کر وال کی پلیٹ اور سوکھی روٹیوں کی جانب اشارہ کیا۔ زبیدہ نے ایک نظر دیکھا تو اس کا دل بچنے لگا۔

”ایسی ضرورت آن پڑی کہ کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ راشد کی فیس بھرنی تھی۔ اس لئے میں نے ہی اسے کہا کہ چھ دو..... دوسروں میں سے کہے ہیں۔ یہ لوہا تھا ایک سو روپیہ..... دوسرا سوکل میں کوٹھی والوں سے لے کر تھیں لوہا دوں گی“ رشیدہ نے جلدی سے دوپٹے کے پلو سے سو روپے نکال کر اسے دیتے ہوئے کہا اور اپنی نم آنکھوں کو گر گڑنے لگی۔

”اگر تھیں ضرورت تھی تو مجھے بتاتی۔ آخر مسائے کب ایک دوسرے کے کام آتے ہیں۔ کوئی بات نہیں اگر راشد نے چھ دیئے۔ وہ بھی میرے بچوں کی طرح ہے۔ تم یہ سو روپے اپنے پاس رکھو.....“

زبیدہ نے ایک دم بھڑکی بھرے لہجے میں جواب دیا۔

”خدا تم لوگوں کا بھلا کرے۔ سچ کہتے ہیں..... مسائے ماں جائے ہوتے ہیں..... اور تمہاری میں کیا تعریف کروں..... میرے ہر مشکل وقت میں تم ہی تو میرے کام آتی ہو۔ ایسی مدد کرتی ہو کہ دوسروں کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔ تم تو جنت کما رہی ہو۔ مجھ بیوہ اور میرے یتیم بچوں پر جس طرح تم ترس کھاتی ہو کوئی اور نہیں کھاتا..... اللہ تمہارا بھلا کرے۔ تجھے خوش رکھے اور تیرے گھر کسی بھی شے کی کوئی کمی نہ ہو“ رشیدہ نے ایک ہی سانس میں اسے ڈھیروں دھائیں دے ڈالیں اور زبیدہ ان دھائیں کو سن کر سرور ہونے لگی۔ اس کا دل خوشی سے سرشار ہونے لگا۔

”اب میں چلتی ہوں..... اور شام کو کھانا بھی بھجواؤں گی“ زبیدہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”خدا تمہیں بہت اجر دے گا..... جو..... تم ہم غریبوں کا خیال رکھتی ہے۔“ رشیدہ نے شکر یہ ادا کرتے ہوئے کہا تو زبیدہ مسکراتی ہوئی دروازے سے باہر چلی گئی۔

”بڑی آئی تھی..... مجھ سے لڑنے“ رشیدہ نے مسکرا کر سو روپیہ بھر دوپٹے کے پلو میں باندھا۔

”اماں..... راشد نے کب فیس دینی تھی؟ مٹی نے حیرت سے پوچھا۔

”اری چپ کر..... زبیدہ من لے گی۔ اب میں اسے کیا کہتی کہ میرے ہنوارے بیٹے نے تیرے پائپ چھ کر مٹیائی کر لی ہے۔ اری سبھا کر۔ ایسی مصیبت کو نالے کے لئے ایسی کہانیاں بتانی پڑتی ہیں“ رشیدہ نے مسکراتے ہوئے کہا مگر مٹی کا مصوم زمین الجھ کر رہ گیا اور سردہ کو ماں کی

حرکت پر شدید غصہ کرنے کا مردہ سوائے کڑھنے کے کچھ نہ کر سکی اور قرآن پڑھنے چلی گئی۔

”آپا جی حلال حرام کیا ہوتا ہے؟“ سدرو نے ذکیہ آپا سے اچانک سوال کیا۔ اس کے اندر مسلسل نگلش جاری تھی اس لئے اس نے آتے ہی سوال کیا۔ ”ہر پاک شے حلال ہے اور ہر ناپاک حرام ہے“ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

اگر حلال اور کھانے پینے کی پاک شے چرا کر کھائی جائے تو کیا وہ حرام ہو جاتی ہے؟ سدرو نے کچھ سوچتے ہوئے پوچھا۔
ہاں..... ہر چیز لیا ہوا مال اور ہر لسی چیز ناجائز اور حرام ہو جاتی ہے۔ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

”آپا جی..... حرام اور کیا ہوتا ہے؟“ سدرو نے پھر پوچھا۔

”کسی کا حق چھین کر۔ کسی کے حق پر ناحق قبضہ کر کے اور ایسی کمائی جس میں اپنی محنت شامل نہ ہو..... وہ حرام ہے اور اس کے علاوہ وہ سب چیزیں حرام ہیں جنہیں اللہ نے قرآن پاک میں واضح طور پر حرام ٹھہرایا ہے یعنی مردار، خون، سور کا گوشت، شراب، جواہر، بتوں کے چڑھاوے اور قسمت کا حال معلوم کرنے والے پانے“ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

”اس کے علاوہ.....؟“ سدرو نے پھر پوچھا۔

”کچھ حرام رشتوں میں بھی ہیں..... ان کا بھی ذکر قرآن پاک میں ہے“ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔
مومنہ پاس بیٹھی دونوں کی گفتگو سن رہی تھی۔

سدرو..... آج تم حلال و حرام کے بارے میں کیوں پوچھ رہی ہو؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”مومنہ باجی میں بہت پریشان ہوں۔ جب لوگ جانتے بوجھتے ہوئے حرام کھاتے ہیں اور اس کو اپنا جائز حق سمجھتے ہیں..... وہ اللہ کی حدوں کو جان بوجھ کر توڑتے ہیں اور انہیں احساس بھی نہیں ہوتا..... آپا جی کیا ان کو اللہ معاف کر دے گا؟“ سدرو نے حیرت سے کھوئے ہوئے لہجے میں پوچھا۔
”ایسے لوگوں پر اللہ کا غضب نازل ہوتا ہے..... جانتی ہوئی اسرائیل پر سبت یعنی ہفتے کے روز کا پھیلیوں کا شکار حرام کیا گیا تھا۔

اب پھیلیں اللہ پاک کا پیدا کردہ حلال گوشت ہیں اور قرآن پاک میں اسے لٹھا طرے یعنی تیرتا ہوا گوشت کہا گیا ہے..... بہت پاک گوشت ہے مگر بنی اسرائیل والوں نے چالاکی کی اور جمعے کی رات کو جال ڈال دیتے ہفتے کو شکار نہ کرتے اور اتوار کی صبح کو جال نکالتے تو جال پھیلیوں سے بھرے ہوتے..... وہ اپنا مقصد بھی پورا کر لیتے اور اللہ کا حکم بھی ظاہر امان لیتے..... مگر خدا ان چالاکیوں کو جانتا ہے..... اس نے ان پر ایسا غضب نازل کیا کہ ذلیل و خوار بندہ بن گئے۔ خدا سب جانتا ہے انسان کے دلوں میں چھپے کروڑوں کو بھی اور پاک نیتوں کو بھی..... آج کل لوگ حرام چیزوں کو اپنے فائدے کے لئے مختلف نام دے کر انہیں جائز اور حلال کرنے کی کوشش کرتے ہیں..... مگر حقیقت میں وہ اللہ کو دھوکے دے رہے ہوتے ہیں“ ذکیہ آپا نے تھمبھلا سمجھاتے ہوئے جواب دیا۔

”آپا جی..... اگر ماں باپ حرام کمائی کھاتے ہوں..... اور..... اولاد نہ چاہے تو وہ کیا کرے؟“ سدرو نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”بیٹا..... آج کل تو ہر طرف ہی ایسی ہی عالم ہے..... ماں باپ..... اولاد کو کیا سمجھائیں گے..... وہ خود یہ سب کچھ کرتے ہیں..... یہی ہے کہ

ان کو سمجھایا جائے..... اور اگر نہ باز آئیں تو ان سے علیحدگی اختیار کر لی جائے زکیہ آ پانے جواب دیا۔

”اور آ پاجی..... اگر علیحدگی ناممکن ہو تو..... اولاد کیا کرے..... میرا مطلب ہے اولاد اس قائل نہ ہو کہ خود کچھ کما سکے..... اور وہ..... ان کا کیا یا حرام کھانے پر مجبور ہو..... تو..... پھر؟

سدرہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”اولاد کی کفالت ماں باپ کی ذمہ داری اور فرض ہے اگر وہ اولاد کو حرام کھاتے ہیں تو اللہ کے ہاں جوابدہ ہوں گے مگر اولاد کو کوشش کرنی چاہیے کہ وہ خود مختار ہو کر حلال کھائے..... باقی سب باتیں نیت کی ہیں۔

انسان جب اچھا سوچتا ہے تو اللہ خود ہی راستے بنا دیتا ہے اور مشکلیں آسان ہو جاتی ہیں“ زکیہ آ پانے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی اور مومنہ کی طرف دیکھنے لگی جو مشین پر نیا سوٹ سی رہی تھی۔

”مومنہ باجی یہ کس کا سوٹ سی رہی ہیں؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”امی کا..... میں اور امی مجھے کو میلا شریف کی محفل میں جا رہے ہیں..... امی کی ایک پرانی دوست کے ہاں..... مومنہ نے جواب دیا۔

”کیا آپ کا سوٹ سل گیا ہے.....؟“ سدرہ نے پوچھا۔

ہاں..... تمہیں ابھی دکھاتی ہوں“ اور مومنہ نے اسے آف دہانٹ net کی شرٹ اور دوپٹہ دکھایا جس پر آف دہانٹ موتیوں کا کام تھا اور آف دہانٹ سلک کی شلوار تھی کتنا ٹھیک سوٹ ہے.....؟ سدرہ نے تعریف کی۔

”ہاں..... امی نے بہت سنبھال کر رکھا تھا..... مگر مجھے خود ہی نکال کر دینا“ مومنہ نے ماں کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”باجی آپ نے net کے نل بازوؤں کے نیچے بھی کپڑا لگا دیا net دالے بازو زیادہ اچھے لگتے ہیں“ سدرہ نے قمیض کے بازوؤں کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”بھئی بیٹا..... یہ جائز نہیں..... عورت کا ذرا سا بھی جسم نکلا نہیں ہوتا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ نے مرد اور عورت کو لباس کی صورت میں خوبصورت تھم دیا ہے۔ اچھا اور باپردہ لباس عورت کی زینت اور شخصیت میں نکھار پیدا کرتا ہے اور قبح لباس معاشرے میں بے حیائی پھیلاتا ہے“ زکیہ آ پانے نرمی سے اسے سمجھایا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”میں نے ویسے بھی کبھی باف سلیز نہیں پہنیں۔ مجھے وہ پسند ہی نہیں“ مومنہ نے جواب دیا اور سوٹ منگھر میں لٹکا کر الماری میں رکھ دیا۔

سدرہ نے قرأت کھل کی۔ زکیہ آ پا کو قرآن پاک سنایا اور مطرب سے پہلے گھر لوٹ آئی۔ اس کا ذہن بہت زیادہ الجھ چکا تھا اپنی رشیدہ کی باتیں اور زکیہ آ پا کی باتیں..... دنیا کے فائدے کی باتیں اور اللہ کی باتیں..... حلال و حرام اور اللہ تعالیٰ کی حدود کی باتیں..... اس کا ذہن پریشان اور دل مضطرب ہونے لگا۔

علینہ اپنی دوست نگین کے ہاں پارٹی پر جانے کی تیاری کر رہی تھی۔ اس نے ٹنک سیلو لیس شرٹ کے ساتھ بلیو لکری ٹائٹ جینز پہنی تھی۔ شرٹ کا گلا آگے اور پیچھے سے اچھائی ڈیپ تھا شرٹ اتنی چھوٹی تھی کہ اس کے پیٹ کا حصہ ہار ہار نمایاں ہو رہا تھا۔ اس نے فل میک اپ کے ساتھ بہت نہیں جیڑی مین رکھی تھی۔ اسٹیکس میں کئے چھوٹے چھوٹے ہالوں کو الٹیں لکری اسٹریٹنگ سے ماڈرن منچ دینے کی کوشش کی گئی تھی۔ اس نے اپنے ویل فرنڈ بیڈروم کے خوبصورت ڈرائنگ ٹیبل پر قطار میں رکھی قیمتی اور اچھوتہ پریلو حیرت سے ایک اٹھا کر اپنے اوپر اس پر سے کیا۔

اس کے پیڈروم کا دروازہ کھلا اور اس کی ماں عذرت بیگم کمرے میں داخل ہوئی اور اس کی طرف غصے سے دیکھنے لگی۔ عذرت بیگم نے غصے سے کہا۔

”مما..... آپ کو اعتراض کس بات پر ہے..... میرے ماڈرن ڈریس پہنے پر یا پھر لوگوں کی باتوں پر..... علینہ نے تنگ کر جواب دیا کہی خود سنا کر..... لوگ کیا کیا باتیں بتاتے ہیں؟“ عذرت بیگم نے کہا ”افو..... کسی باتیں بتاتے ہیں؟ علینہ نے جھنجھٹا کر پوچھا۔“ کیا تم نے پرسوں سز سہار کی باتیں نہیں سنی تھیں..... جو وہ مجھے اور تمہیں سنا کر گئیں تھیں کتا ج کل ماں میں خود تو بڑی نمازی اور پردہ دار بنی پھرتی ہیں اور بیٹیاں اس طرح کے نگھے اور بیہودہ لباس پہنتی ہیں کہ دیکھ کر شرم آتی ہے۔“ عذرت بیگم نے منہ بنا کر کہا۔

انہوں نے یہ باتیں مجھے اور آپ کو تو نہیں کیں۔ وہ تو ایک جنرل سی بات کر رہی تھیں۔ علینہ نے لب اسٹک کو برش کے ساتھ ٹھیک کرتے ہوئے کہا۔

علینہ..... تم سمجھتی کون نہیں ہو..... یا پھر جان بوجھ کر سمجھنا ہی نہیں چاہتی۔ عذرت بیگم نے غصے سے کہا۔

”مما..... آپ کی دوسری بات زیادہ ٹھیک ہے..... اس لئے کہ یہ میری زندگی ہے..... اچھی یا بری..... اسے میں نے ہی گزارنی ہے۔ مجھے لوگوں کی پسند اور نا پسندگی کی کوئی پروا نہیں..... میں وہی ڈریس پہنوں گی۔ جن کا فیشن ہے اور جو مجھے پسند ہیں۔“ اس نے قدرے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

”اے تم لباس پہنتی ہو..... جو تمہارے جسم کا ایک حصہ بھی ڈھنگ سے نہیں ڈھانپ رہا..... تم تو میری بے عزتی کر دانتے پر تکی ہو..... ہم سوسائٹی میں رہتے ہیں تو لوگوں کی پروا کرنی پڑتی ہے۔“ عذرت بیگم نے غصے سے اس کی شرٹ کو کندھے سے کھینچ کر قدرے توہین آمیز لہجے میں کہا۔ علینہ کو ماں کی حرکت پر سخت غصہ آیا وہ کندھا جھٹک کر پیچھے ہٹی۔

”آپ کریں لوگوں کی..... اور..... ان کی باتوں کی پروا..... میرے پاس شاپنگ اور نہ لوگوں کی فضول باتیں سننے کا وقت ہے“ وہ غصے سے ماں کی طرف دیکھتے ہوئے بولی اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ عذرت بیگم غصے اور بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی اور بڑبڑانے لگی۔

”یہ لڑکی ذلیل کرا کے رہی گی..... برہات میں اپنی من مانیوں کرتی ہے۔ عذرت بیگم غصے سے بیچ و تاب کھاتی رہیں اور وہ اپنی بیٹا اسوک ڈرائیو کرتی ہوئی اچھائی تیزی سے گلی کے گیٹ سے باہر نکل گئی۔

”میری زندگی تو اس نے عذاب میں ڈال رکھی ہے..... باپ اور بھائی خود امریکہ جا کر بیٹھے ہیں اور اس کو میرے سر پر مسلط کر دیا

ہے..... بعد میں ہر بات کی ذمہ داری میں ہوں گی....." ندرت جگم سے بڑبڑاتی رہیں۔

"غذرا..... مجھے پانی کا گلاس دو..... میرا پی پی ہائی ہو رہا ہے۔" ندرت جگم نے ملازمہ کو آواز دی اور اپنی اٹھیلیوں کی پوروں سے اپنی کتھلیوں کو دھانے لگی۔

رات گہری ہو رہی تھی۔ ڈینس میں واقع انتہائی جدید اور وسیع اور عظیم الشان مگر میں پارٹی منعقد ہو رہی تھی۔ نگین کے والد سول سرونٹ تھے اور اپنی پرموشن کے سلسلے میں وہ پارٹی دے رہے تھے۔ پارٹی میں غیر ملکی مہمانوں کے علاوہ انتہائی ملازمین اور فیشن ایبل مرد و خواتین جمع تھے۔ سب کا تعلق سوسائٹی کی اپر کلاس سے تھا۔ سول سکرٹریٹ کے ملازمین ان کی بیویاں، آرمی آفیسرز، این جی او اور کزن بزنس کلاس کے علاوہ سیاسی شخصیات بھی مدعو تھیں۔ علیحدہ اپنی زندگی میں پہلی بار ایسی پارٹی انیٹ کر رہی تھی اور اس کلاس کے ڈرجر (Norms) اور معرودہ کو یکے کر انتہائی متاثر بھی ہو رہی تھی اور چونکہ بھی رہی تھی اس کی جب سے نگین سے دوستی ہوئی تھی۔ وہ بہت زیادہ کو نگینس ہو گئی تھی۔ نگین کی باتوں، اٹھنے بیٹھنے، ڈر۔ سہ پہنچنے اور سوسائٹی میں موو کرنے..... ہر ایک بات میں اپنا مخصوص اسٹائل تھا۔ جو اسے دوسرے اسٹوڈنٹس سے منفرد کرتا تھا اور علیحدہ اس سے متاثر ہو کر لاشعوری طور پر وہی کچھ کرنا چاہتی تھی۔ وہ نگین کی فرینڈس اور اعتماد سے بہت متاثر تھی..... اس کے والدین اپر مل کلاس سے ترقی کر کے امیر طبقے میں شامل تو ضرور ہو گئے تھے مگر ان میں اور اریٹ کلاس کے معرودہ میں بہت فرق تھا۔ اس کی ماں کی سوچ ابھی بھی وقیانوی اور روایتی تھی۔ جسے وہ مذہبی کہتی تھیں وہ ہر کام میں دوسروں کی باتوں..... دوسروں کے طعنوں کا خیال رکھتی مگر نگین کی کلاس میں ایسی کوئی بات نہ تھی۔

ہر ایک کو لبرٹی تھی۔ جو جس طرح چاہے موو کرے۔ پارٹی میں بہت سی لڑکیوں نے اسقدر بیہودہ اور آڈر۔ سہ پہن رکھے تھے کہ ان کو دیکھ کر شرمندگی بھی ہوتی تھی اور حیرت بھی..... مگر اس نے آہر دیکھا کہ کوئی بھی مرد اور عورت ان کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دے رہا تھا۔

علیحدہ کے لئے یہ باتیں بہت عجیب تھیں۔ نگین نے خود بائٹ اور بلیک ٹاپ کے ساتھ انتہائی عجیب سا بلیک ٹراؤزر پہن رکھا تھا۔ چٹل کی بیوی جیولری کے ساتھ وہ سب میں منفرد بھی لگ رہی تھی اور عجیب بھی..... مگر وہ بہت پرامن تھی۔

"آ..... میں تمہیں مہمانوں سے انٹروڈیوس کرتی ہوں۔" نگین نے علیحدہ کو کہا اور اپنے ساتھ لے گئی۔ اس نے سب سے پہلے اپنی می اور ڈیڈی سے تعارف کرایا وہ بالکل بھی نگین کے والدین معلوم نہیں ہو رہے تھے۔

انتہائی جگ، سارٹ ویل ڈریسڈ اور ویل گروڈ..... می اور ڈیڈی دونوں کے ہاتھوں میں پتھر کے گلاس تھے اور وہ حرے سے آہستہ آہستہ سب لیتے ہوئے مہمانوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اس کی می ایک این جی او چلاتی تھیں ان کا اپنا وسیع حلقہ تھا۔ علیحدہ کو انہوں نے سر سے لے کر پاؤں تک بغور دیکھا اور پھر مسکراتے لگیں۔

"نگین..... پور فریڈ اور می کیوٹ" نگین کی می مسز جوا نے مسکرا کر کہا تو دونوں مسکرائیں۔

اسی لمحے اسد مسز ایڈ مسز جوا کے پاس آیا۔

بیٹو..... آئی ایم سہی..... آئی ایم ہٹ لیٹ اسد نے جوا صاحبہ سے ہاتھ ملائے ہوئے کہا۔

”ہیلو..... آئی..... لو..... پو آ رہا..... بڑی بزنس میں“ جواد احمد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ہائے نکمین..... ہاؤ آ رہو“ اسد نے مسکرا کر نکمین سے کہا۔

”قائن.....“ نکمین نے مسکرا کر جواب دیا۔

”اسد نے چونک کر علیہ کی طرف دیکھا اس کی آنکھوں میں گہرا استغہام تھا۔

”شی از مائی فریڈ علیہ..... ایڈ..... علیہ دس از مسٹر اسد ظہیر الدین ڈیڈ فریڈ“ نکمین نے اس کا تعارف کرایا ”ہنگ فریڈ نٹ اولڈ“

اسد نے جلدی سے کہا تو سب نے ہجر پور قبیلہ لگایا۔

”ہائے.....“ علیہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”ہائے ہاؤ آ رہو؟“ اسد نے استدر تکلفاً انداز میں کہا جیسے وہ اسے پہلے سے جانتا ہو۔ علیہ اس کے انداز پر بہت حیران ہوئی۔

”قائن.....“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ویر ایک ٹرے میں بیٹر اور دوسکی کے گلاس لے آیا۔ اسد اور نکمین نے بلا جھجک بیٹر کے گلاس اٹھالیے اور علیہ نے گلاس کی طرف ہاتھ

بڑھایا اور پھر ایک دم کچھ سوچتے ہوئے ہاتھ پیچھے کر لیا..... نجائے کہاں سے ماما کا چہرہ اس کی نظروں کے سامنے محوم گیا اور اس نے گہری سانس لی۔

اسد اور نکمین حیرے سے بیٹری رہے تھے اور علیہ حیرت سے ان کی طرف دیکھ رہی تھی اس نے الکوحل کے بارے میں جو کچھ سنا تھا ایسا تو کچھ بھی نہیں

ہو رہا تھا۔ نہ اسد ہوش ہو رہا تھا نہ نکمین نہ ہی اس کے مٹی ڈیڈی اور نہ ہی دوسرے مہمان..... تقریباً سب لوگ ہی پنا رہے تھے۔ کسی کے ہاتھ میں

دوسکی تھی۔ کسی کے وائٹ دائن اور کسی کے بیٹر..... علیہ کا حلق خشک ہونے لگا اور اس نے پیٹی کا گلاس ایک ویٹر سے لیا۔

”اسد نکمین سے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں پوچھ رہا تھا اور وہ اسے آہستہ آہستہ بتا رہی تھی۔ اسد نے علیہ کی طرف مسکرا کر دیکھا۔

اڈشی پور یوندر شی فریڈ؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

اوہ..... نیس..... ہم دونوں ایم بی اے کر رہے ہیں“ نکمین نے بتایا۔

”آج سے پہلے ان کو یہاں نہیں دیکھا“ اسد نے پوچھا۔

”نیس..... اٹ از ہر فرسٹ پارٹی میٹر“ نکمین نے بتایا۔

”آ رہا..... یو..... انجوائنگ؟ اسد نے علیہ سے پوچھا۔

”نیس..... نیس.....“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

مسٹر ایڈ مسز جواد مہمانوں کو ریسیو کرنے میں مصروف تھے۔ نکمین اسد اور علیہ کے ساتھ باتوں میں..... ایکسکیوز می..... آئی ایم جسٹ

کمرنگ“ نکمین دونوں کو چھوڑ کر ایک ہنگ پیڈم لڑکے کی جانب چلی گئی جو سارے گہرے کش لگا رہا تھا۔

”ہائے..... وقاص..... ویمنز یور.....؟ (تم کہاں تھے؟) نکمین نے والہانہ انداز سے اس لڑکے سے پوچھا۔

”آئی تو..... یو..... ویٹنگ قوری..... سوری..... جی..... آئی واڈ بڑی“ وقاص نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”یو..... ور..... بڑی دو یور فرینڈ ز اینڈ یوٹل ٹگمین نے جلدی سے اس کا جملہ کاٹنے ہوئے مستعد کر کہا۔

”سوئی..... آئی ایم سوری“ اور وقاص نے اپنا ہاڈ واس کے کندھے پر پھیلاتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ وہ مسکراتے لگی۔ علیہ

دونوں کی طرف پٹٹی پٹٹی لگا ہوں سے دیکھنے لگی۔ ٹگمین کے والدین چند قاصطے پر کھڑے اسے دیکھ رہے تھے اور کسی نے بھی برا نہیں منایا تھا۔

”یہ ٹگمین کا fience ہے۔“ اسد نے علیہ کو بتایا جس نے شاید علیہ کے چہرے پر انتہائی حیرانگی کے تاثرات دیکھ لیے تھے۔

”آئی..... سی.....“ علیہ نے جواب دیا۔

اسد علیہ سے باتیں کرنے لگا تو سڑی دیر بعد ٹگمین اور وقاص ان کی جانب آ گئے..... اسدان کو دیکھ کر وہاں سے چلا گیا۔

”علیہ..... دس اڈ وقاص..... مائی فیائی“ ٹگمین نے مسکرا کر وقاص کا تعارف کرایا۔

”ہائے.....“ وقاص نے علیہ کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھا اس اڈ مائی فرینڈ.....“ علیہ ٹگمین نے علیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ویری کیوٹ..... اینڈ“ وقاص نے مسکرا کر علیہ کی جانب دیکھا۔

علیہ اس کے دیکھنے کے انداز سے قدرے گھبرا گئی۔ اس کی نظروں میں نجانے کیا تھا۔ وہ گھبرا گئی۔ ٹگمین..... پلیز لسن“ اس کے ڈیڈی

نے اچانک اسے پیچھے سے آواز دی۔

”ایکسکیوز می.....“ ٹگمین ایکسکیوز کرتی ہوئی ڈیڈی کی جانب چلی گئی علیہ کو وقاص کے ساتھ کھڑے ہونے میں قدرے گھبراہٹ سی محسوس

ہونے لگی۔ وقاص کو بھی اس کی گھبراہٹ کا اندازہ ہونے لگا اور وہ اس کو یوں نروس دیکھ کر مسکراتے لگا پیچھے صورت حال سے لطف اندوز ہو رہا ہو۔

”مجھے اندازہ نہیں تھا کہ ٹگمین کی فرینڈ اسٹورڈ پریٹی اور چارمنگ بھی ہو سکتی ہے..... یو..... آر..... ویری ڈفرنٹ فرام..... ٹگمین.....“ وقاص

نے مسکراتے ہوئے ویٹر سے دسکی کا گلاس لیا۔

”ول یو..... ٹیسٹ اٹ.....“ وقاص نے دسکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”تو..... ٹھیکس“..... جسٹ فیل فری.....“ وقاص نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاڈ واس کے کندھے پر پھیلایا اور اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

اس کے کلون، سگار اور دسکی کا Smell سے اس کو پھر سا آنے لگا۔

”ایکسکیوز می.....“ علیہ نے اعتماد کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے ہاڈ کو پیچھے ہٹایا اور وہاں سے چلتی ہوئی ایک جانب چل دی۔

وسیع و عریض لان برقی قلموں سے بھگمارہا تھا۔ ایک جانب باری کیوں کا انتظام تھا۔ دوسری جانب چائینز ڈشز اور ہنگی دھنوں سے سرور

کن رو مانوی ماحول پیدا ہو گیا تھا۔ ہر کوئی کھانے پینے باتیں کرنے اور جسنے جسانے میں مصروف تھا۔ علیہ اپنے آپ کو قدرے تنہا محسوس کر رہی

تھی..... ایک کلاس سے دوسری کلاس کی جانب جا رہا اور اس میں جنم ہونا اسے قدرے مشکل لگنے لگا۔ ٹگمین زیادہ خوبصورت نہیں تھی..... سائولی رنگت

تھکنے والے بال، مونے ہوٹ، پتلا لہا چہرہ بڑی آنکھیں۔ کچھ بھی پرکشش نہیں تھا مگر اس کے اسٹائلز..... اور اس کی کلاس کے ممبرز اسے ساری

یونہی میں ایک ایسی انفرادیت بکھٹتے تھے۔ جو علیحدہ میں مفقود تھی۔ علیحدہ ورازد، خوبصورت، سمارٹ اور بہت بڑے کشش تھی۔ مگر اندر ہی اندر وہ تنہا
سے کوہکس محسوس کرتی تھی۔ اس میں نہ تو اپنے والدین اور فیملی کی دلچسپی اور نہ ہی کوئی اس کی اپنی اخلاقی قدریں تھیں۔ وہ تنہا کی جن
باتوں کو پہلے ناپسند کرتی۔ بعد میں خود ہی ان کو Follows کرتی۔ وہ اپنی کلاس میں مس لٹ تھی کیونکہ اپنی کلاس کی منافقت اسے پسند نہیں تھی..... تنہا
کی کلاس کی لبرل سوچ اور لائف اسٹائل اسے بہت پسند تھا۔ کوئی کسی کی زندگی میں دخل اندازی نہیں کرتا۔ لیکن یہاں آ کر اور خصوصی طور پر وقاص
سے مل کر اسے عجیب سا احساس ہونے لگا تھا۔ اس کے اندر ایک اضطرابی کیفیت پیدا ہونے لگی۔

اسد اسے تنہا دیکھ کر اس کی جانب آ گیا۔

”آریو آل رائٹ.....؟“ اسد نے قدرے نرمی سے پوچھا۔

”نہیں..... آئی ایم فائن“ اس نے عجیبگی سے جواب دیا۔

”آپ یہاں کیوں کھڑی ہیں اور تنہا کہاں ہے؟ اسد نے پوچھا۔

”شی از بڑی“ علیہ نے مختصر جواب دیا۔

”ہے..... آئی..... ہیلپ یو.....“ اسد نے اس کے چہرے پر گھبراہٹ دیکھ کر شستہ لہجے میں پوچھا۔

”نو..... ٹھیکس“ علیہ نے زبردستی مسکرا کر جواب دیا۔

”اوکے..... انجوائے یور سیلف“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

علیہ اسے دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ وہ پوری گید رنگ میں سب سے منفرد رنگ رہا تھا۔ خوبصورت، سمارٹ، ویل گروڈ اس میں
وقاص جیسی نہ تو کوئی چھپوری بات تھی اور نہ ہی اس کی آنکھوں سے ظاہر ہوتی بیہودگی وہیں..... وہ اس سے قدرے متاثر ہونے لگی۔ اس کی باتوں
میں اور اس کی چال میں ایک عجیب سا شائبہ انداز تھا..... اس کے دل دو ماخ میں وسعت تھی..... اس نے اس کے ننگے بازوؤں کو ایک بار بھی محسوس کر
نہیں دیکھا تھا جس طرح وقاص نے انہیں بیہودہ انداز میں چھونے کی کوشش کی تھی..... اسد کچھ لوگوں کے ساتھ کھڑا کھنکھو کر رہا تھا اور علیہ کی نظریں
مسلل اس پر ہی تھیں۔ وہ کچھ بھی کھا پنی نہیں رہی تھی۔ ایک ویٹر اس کے پاس سے گزرا اس کی ٹرے میں بیئر کے گلاس تھے۔ ویٹر نے اسے خالی ہاتھ
دیکھ کر ٹرے اس کی جانب بڑھائی..... وہ پہلے چٹکپٹائی اور پھر ایک گلاس پکڑ لیا۔ ویٹر وہاں سے چلا گیا..... وہ کچھ لمحے سوچتی رہی اور ارد گرد کے سب
لوگوں کی جانب نظر دوڑائی سب کے ہاتھوں میں یہی گلاس تھے اور سب نارل انداز میں کھڑے تھے۔ کیا اس سے واقعی کچھ نہیں ہوتا.....؟

کیا اس کو پنی کر کوئی بھی مدد نہیں ہوتا.....؟

اس کے ذہن میں اک نکش ہی جاری ہو گئی اور مختلف سوالات ابھرنے لگے۔

”اسے Tastic تو کرنا چاہیے.....“ اس نے دل میں سوچا اور جلدی سے ایک سپ لیا..... اسے عجیب سا Tastic محسوس ہوا۔ گلے میں

تھوڑی سی کڑواہٹ..... پھر اس نے دو تین سپ اور لیسے اور پھر تھوڑی سی اور پنی کر باقی گلاس واپس ویٹر کی ٹرے میں رکھ دیا۔ اسے اپنے اندر عجیب سی

سرشاری محسوس ہونے لگی۔ وقاص کے ہارے میں سوچ سوچ کر جھنجھکی اور اضطراب اس کے اندر پیدا ہوا تھا وہ ایک دم قاصد ہو گیا۔ اسے اپنا ذہن ہلکا پھلکا اور ریلکس محسوس ہونے لگا۔ اس کا قصہ اور اضطراب ختم ہو گیا۔۔۔۔۔ وہ سب کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگی۔

”ہائے۔۔۔۔۔ ہنی۔۔۔۔۔ یو آر ہیئر“ وقاص اچانک گزرتا ہوا اس کی جانب آیا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگی۔ وقاص کو اس کی مسکراہٹ دیکھ کر حیرت ہوئی کیونکہ کچھ دیر پہلے وہ قدرے غفلت میں اسے دیکھتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔

”یو۔۔۔۔۔ لو۔۔۔۔۔ یو۔۔۔۔۔ آر۔۔۔۔۔ سو۔۔۔۔۔ پرئی“ وقاص نے مسکراتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگا یا تو وہ مسکرا کر قہقہہ لگانے لگی اور اس کے ساتھ لگ گئی۔ وقاص اس کے خوبصورت سفید ہر مریں، بازوؤں پر محبت سے ہاتھ بکھیرنے لگا اور وہ مسکراتی رہی۔

”وقاص۔۔۔۔۔ یو آر ہیئر۔۔۔۔۔“ نگین نے اچانک پیچھے سے آ کر کہا تو وہ جلدی سے علیحدہ ہو گیا۔

”یو فرینڈ۔۔۔۔۔“ وقاص نے کچھ کہنا چاہا۔

”علیحدہ آر یو او کے؟“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی تھنک شی ازنٹ“ وقاص نے جواب دیا اور وہاں سے چلا گیا۔

نگین کو محسوس ہونے لگا کہ وہ کچھ نارمل نہیں تھی۔

”علیحدہ۔۔۔۔۔ جیتم بہت ہود ہا ہے۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے۔۔۔۔۔ جیسے اب گھر جانا چاہیے“ نگین نے اس کی نیم عدوشی حالت دیکھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ آئی۔۔۔۔۔ تھنک“ علیحدہ نے کہا اور نگین اسے اس کی گاڑی تک چھوڑنے آئی۔

”آر یو او کے۔۔۔۔۔؟“ نگین نے پھر اس سے پوچھا۔

”نہیں آئی ایم فائن“ اور اس کو ہاتھ ہلاتی ہوئی گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی باہر نکل گئی۔

رات کا ایک بج رہا تھا جب علیحدہ گھر پہنچی۔ خدمت بیگم اس کی گاڑی کی آواز سن کر اپنے بیڈروم سے اٹھ جائی غصے میں لاؤنج میں آئی۔

”یہ وقت ہے گھر آنے کا۔۔۔۔۔ شریف لوگوں کی بیٹیوں کے یہ طور طریقے نہیں ہوتے۔۔۔۔۔ جو تمہارے ہیں“ خدمت بیگم نے اسے غصے سے مگھوڑے ہوئے کہا۔

علیحدہ نے مسکرا کر ماں کی جانب دیکھا اور اپنے بیڈروم میں داخل ہو گئی۔ خدمت بیگم غصے سے بیچ تاب کھاتی رہیں اور بوڑھاتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔ علیحدہ روٹ لاک کر کے بیڈ پر لیٹ گئی۔ اسد اس کے حواسوں پر چھایا تھا اور اسے ہر جانب وہی دکھائی دے رہا تھا اور وہ اس کی خیالی شکل کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ اس کا جسم قدرے سست ہو گیا تھا اور اس پر غصہ کی سی چھانے لگی وہ اسد کو قصور میں لے سکتی۔

خدمت بیگم عذرا کو وہ پہر کا کھانا تیار کرنے کو کہہ رہی تھیں جب مسز ستار مسکراتی ہوئی لاؤنج میں داخل ہوئیں۔ درمیانی عمر کی دراز قد، قدرے فیشن میں مگروہ بچے کو سر پر لیے وہ تھوڑی سی مذہبی نظر آ رہی تھیں۔

”آئیے مسز ستار۔۔۔۔۔؟ خدمت بیگم نے چہرے پر ذہنی مسکراہٹ لاتے ہوئے کہا۔

"غذرا..... تم کھانا کھا لالو..... اور ہنس مسز ستار کے لیے چائے بھی لے آؤ" ندرت بیگم نے کہا۔

"ارے..... رہنے دیجئے..... تکلف کی کیا ضرورت ہے.....؟ میں کوئی دور سے تو نہیں آئی....." مسز ستار نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"کوئی بات نہیں..... آئیے تشریف رکھیے" ندرت بیگم نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"علیہ کہاں ہے.....؟ مسز ستار نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا وہ..... سو رہی ہے" ندرت بیگم نے قدرے شرمندگی سے جواب دیا۔ اس

وقت..... دو پہر کا ایک بج رہا ہے" مسز ستار نے حیرت سے کہا۔

"ہاں..... وہ..... رات کو پارٹی پر گئی تھی" ندرت بیگم نے کہا۔

"میرا خیال ہے..... رات کا ایک بج رہا تھا جب میں نے اس کی گاڑی کے ہارن کی آواز سنی..... میرا تودل ہی گھبرا گیا فوراً آپ کی

طرف دھیان گیا..... خدا خیر کرے..... اکثر رات کو آپ کی طبیعت خراب ہو جاتی ہے، لیکن میں نے اپنے نمبرس سے دیکھا..... وہ تو علیہ تھی.....

شاید اکیلی ہی گئی تھی۔ مسز ستار نے معنی خیز انداز میں جملے کے آخری حصے پر زور دیتے ہوئے کہا تو ندرت بیگم بوکھلا گئی۔

ہاں..... وہ مجھے بھی ساتھ چلے کو کہہ رہی تھی۔ مگر میرا بی بی بہت ہائی ہوا تھا۔ اس لئے وہ اکیلی ہی چلی گئی" ندرت بیگم نے جلدی سے بہانہ

گھڑا۔

"چھوٹے بھائی کو ساتھ لے جاتی..... مسز ندرت زمانہ بہت خراب ہے۔ اکیلی جوان لڑکیوں کا یوں رات گئے پارٹیز سے لیٹ آنا بڑی

خطرے کی بات ہے۔ خدا سب کو اپنی حفظہ و امان میں رکھے..... شہر کے حالات بھی کچھ اچھے نہیں" مسز ستار نے ظاہر ہمدردی جتاتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں" ندرت بیگم نے جواب دیا۔

اچانک علیہ کے پیچھے کادو واڑ کھلا اور وہ رات والے ڈریس میں نیم مہوشی کے عالم میں چلتی ہوئی باہر آئی اور غصہ کا آواز دینے لگی۔

"غذرا..... مجھے چائے..... میرے کمرے میں دے جاؤ" علیہ نے بمشکل آنکھیں کھولتے ہوئے غصہ سے کہا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو

رہی تھیں اور شدید غصہ کی وجہ سے کل نہیں رہیں تھیں۔ اس نے مسز ستار کو دیکھ کر منہ دوسری جانب پھیر لیا اور غصہ کو کہہ کر وہاں اپنے کمرے میں چلی

گئی۔ ندرت بیگم..... مسز ستار کے سامنے انتہائی شرمندہ ہو رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر پینہ آ گیا۔

"مسز ندرت..... علیہ نے بڑا بددست ڈریس پہن رکھا ہے..... کیا وہ اسی ڈریس میں پارٹی پر گئی تھی؟ مسز ستار نے قدرے معنی خیز

انداز میں پوچھا۔

"ہاں..... نہیں..... دراصل آج کل یہی فیشن ہے..... سب لڑکیاں ایسے ہی لباس پہنتی ہیں" مسز ندرت نے اپنی غصت چھپائے

ہوئے کہا۔

"خیر..... سب تو نہیں پہنتیں..... کچھ زیادہ ہی مارڈن لڑکیاں ایسے لباس پہنتی ہیں..... مسز ندرت..... ماؤں پر بڑی ذمہ داری ہوتی ہے

کہ ان کی بچیاں کیا پہنتی اور جتنی ہیں اور کہاں کھومتی پھرتی ہیں..... آپ خود ماشاء اللہ باپردہ اور نمازی عورت ہیں..... علیہ کو منع کریں..... سچ بتاؤں

کالونی کی عورتیں بہت ہاتھ کرتی ہیں" مسز ستار نے قدرے ہمدردانہ لہجے میں سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"کیسی ہاتھ.....؟" عذرت بیگم نے چونک کر پوچھا۔

"اب آپ کو کیا کیا سناؤں..... آپ کا بی بی ہائی ہو جائے گا..... علیحدہ کو آپ خود سمجھائیں..... ورنہ جوان بچوں کی بدنامی ان کے مستقبل

کو تاریک کر دیتی ہے"

مسز ستار نے قدرے طنزیہ لہجے میں کہا تو عذرت بیگم نے بے بسی سے ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

"اب میں چلتی ہوں....." مسز ستار اٹھتے ہوئے بولیں۔

"جیسے..... چائے پی کر جائیے گا" عذرت بیگم نے بدولی سے کہا۔

"ابھی نہیں..... پھر کبھی سہی" مسز ستار خدا حافظ کہہ کر باہر چلی گئی۔

عذرت بیگم کا پارہ ایک دم ہائی ہو گیا۔ مسز ستار کی باتیں سن کر ان کا دماغ پھٹنے لگا تھا۔ وہ غصے میں اٹھ کر علیحدہ کے کمرے میں گئیں۔ وہ آنکھیں بند کیے بیڈ پر لیٹی تھیں۔ یہ..... یہ تم نے کیا تماشا لگا دکھا ہے..... جسہیں میری عزت کی کچھ پرواہ ہے بھی یا نہیں" مسز عذرت نے غصے سے اسے جھجھوتے ہوئے کہا۔

"کی..... آپ کو کیا پرابلم ہے.....؟ وہ غصے سے بولی۔

"یہ تمہارے منہ سے کسی بد بولتا رہی ہے؟" عذرت بیگم نے غفلکی سے چوکتے ہوئے پوچھا۔

"میرا گلہ خراب ہے اور میں نے اس پر کیا ہے" اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی وراز سے Inhaler نکال کر انہیں دکھایا تو وہ خاموشی ہو

گئیں۔

"علیحدہ..... میں تمہیں صاف بتا رہی ہوں کہ آئندہ نہ تو تم پارٹیز میں جاؤ گی اور نہ ہی ایسے لباس پہنؤ گی؟ عذرت بیگم نے غصے سے کہا۔

"کیا..... مسز ستار نے پھر آپ کو ہاتھ کی ہیں؟ اس نے طنزیہ انداز میں پوچھا۔

"صرف مسز ستار ہی نہیں..... بلکہ کالونی کے سب لوگ ہاتھ کر رہے ہیں..... اور سب ٹھیک ہی کہتے ہیں..... کسی کی بھی بیٹیاں ہوں

رات کو اکیلی نہیں جاتیں..... عذرت بیگم نے کہا۔

"اچھا..... تو..... مسز ستار یہ کہنے آئیں تھیں..... یہ ہے ان لوگوں کا اپنا کیریئر..... ویسے تو بہت لمبی جنتی ہیں اور دوسروں پر طنز اور تنقید کا

کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتیں۔ آئی سیٹ مسز ستار اینڈ آل وہ غصے سے الفاظ چبا کر بولتی ہوئی واش روم میں چلی گئی اور عذرت بیگم غصے سے تھلائی رہ گئیں۔

غذرائے میں چائے لیکر آئی تھی مسز عذرت نے وہاں ٹھہرنا مناسب نہ سمجھا اور غصے سے واش روم کی جانب دیکھتی ہوئی باہر نکل گئیں۔

یونیورسٹی کے پیکر ہال میں طلباء و طالبات کی کثیر تعداد موجود تھی ڈاکٹر تھلین کو خصوصی طور پر بطور سائیکالوجسٹ الومینٹ کیا گیا تھا۔ ڈاکٹر تھلین ایک مشہور ماہر نفسیات تھے اس کے علاوہ انسداد و غشیات کا ایک بہت بڑا ادارہ چلا رہے تھے۔ نیز نوجوان طلباء و طالبات کو بیرون و اندرون ملک اسلامی و قرآنی تعلیمات کے مطابق نفسیاتی موضوعات اور مسائل پر خصوصی لیکچر دیتے تھے۔ میگزینز اور اخبارات میں اکثر ان کے آرٹیکلز شائع ہوتے تھے۔ جنہیں لوگ بہت دلچسپی سے پڑھتے تھے۔ کیونکہ وہ جدید ریسرچ اور منطقی فیماںوں پر لکھے ہوتے تھے۔

اسٹوڈنٹس پر اشتیاقی انداز میں ڈاکٹر تھلین کو دیکھنے اور سننے کے شہر تھے۔ اور جب وہ اسٹیج پر آئے تو اسٹوڈنٹس انہیں دیکھ کر حیران رہ گئے۔ وہ بیس تھیس سالہ انتہائی خوبصورت، دراز قد، سمارٹ نوجوان تھے۔ سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے ڈین نے ان کا تعارف کر لیا بیرون ملک سے بھی اعلیٰ اعلیٰ ڈگریوں کے علاوہ ان کا بدست حوالہ ان کا مشن نوجوانوں کی گائیڈنس اور ان کا اضطراب دور کرنا تھا۔

ڈاکٹر تھلین کو دعوت دی گئی کہ وہ اپنے لیکچر کا آغاز کریں۔ میں آج آپ کو لیکچر نہیں بلکہ آپ سے آپ کی پراہم شیئر کر دوں گا۔ آپ سوالات کیجئے۔ میں جواب دوں گا۔

ڈاکٹر تھلین نے انتہائی شستہ لہجے میں اسٹوڈنٹس کو وکشن کی دعوت دی۔
 ”سر۔۔۔۔۔ آجکل نفسیاتی مسائل اتنے زیادہ کیوں بڑھ رہے ہیں جبکہ ماضی کے انسان کے پاس نہ تو وسائل تھے اور نہ ہی سہولتیں۔۔۔ مگر ان کے نفسیاتی مسائل بہت کم تھے اس کی وجہ۔۔۔۔۔ ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔

”اضطراب“ ڈاکٹر تھلین نے مختصر جواب دیا۔
 ”کیا اضطراب۔۔۔۔۔ ایک لڑکی نے کھڑے ہو کر پوچھا۔
 1۔ زندگی میں کچھ پانے کا اضطراب۔۔۔۔۔
 2۔ کچھ کر کے نہ پانے کا اضطراب۔۔۔۔۔ اور
 3۔ کسی غلطی گناہ یا guilt سے پیدا ہونے والا اضطراب۔۔۔۔۔ اور تیسرے نمبر والا اضطراب سب سے زیادہ تکلیف دہ ہوتا ہے۔
 جو انسان کو اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیتا ہے۔۔۔۔۔ اور یہ اضطراب بہت سی نفسیاتی بیماریوں کی وجہ بنتا ہے ڈاکٹر تھلین نے پر مطمئن لہجے میں جواب دیا۔
 ”کیا انسان صرف ان تینوں وجوہات کی وجہ سے مضطرب ہوتا ہے؟ ایک لڑکے نے سوال کیا۔

”بہت حد تک۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر تھلین نے جواب دیا۔
 ”کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان مضطرب نہ ہو؟
 ایک لڑکی نے پوچھا۔

”ممکن بھی ہے اور ناممکن بھی۔۔۔۔۔ چلیے یہ سوال میں آپ سے پوچھتا ہوں۔۔۔۔۔ آپ میں سے کتنے اسٹوڈنٹ ایسے ہیں جن کے اندر کسی نہ کسی قسم کا اضطراب موجود ہے۔۔۔۔۔ اور کتنے ایسے ہیں جن کے اندر کسی بھی طرح کا اضطراب نہیں۔۔۔۔۔ اچھی طرح سوچئے اور پھر مجھے جواب دیجئے۔“

ڈاکٹر تھلین نے اسٹوڈنٹس پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔ ہر طرف گہری خاموشی چھا گئی۔ سب اپنے آپ کا Self analysis کرنے لگے۔ ڈاکٹر تھلین کی بتائی ہوئی تینوں وجوہات کے بتانے میں اپنے آپ کا تجزیہ کرنے لگے۔

دس پندرہ منٹ گزر گئے..... مگر ہر طرف گہری خاموشی تھی ہاتھ اٹھا کر بتائیے..... جن کے اندر کسی بھی قسم کا کوئی اضطراب نہیں؟ ڈاکٹر تھلین نے مایک میں کہا۔

ہر طرف خاموشی تھی آخری نشستوں میں بیٹھے ایک دہلے پتلے لمبے لڑکے نے پراعتماد انداز میں ہاتھ کھڑا کیا۔
 ”دیر کی گئی.....“ ڈاکٹر تھلین نے پرستش انداز میں تالی بجائی۔

”کیا آپ اسٹیج پر آ سکتے ہیں؟“ ڈاکٹر تھلین نے کہا تو وہ دہلا ہوا لڑکا قدرے تیز چلے ہوئے اسٹیج کی جانب گیا اور ڈاکٹر تھلین کے پاس جا کر کھڑا ہو گیا۔ ہال میں بیٹھے سارے اسٹوڈنٹس انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔
 ”آپ کا نام.....؟“ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

”علی عباس“ لڑکے نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔
 ”آپ میں سے ابھی کسی نے سوال کیا تھا کہ ”کیا یہ ممکن ہے کہ کوئی انسان مضطرب نہ ہو اور میں نے اس کا جواب دیا تھا۔ ممکن ہے اور نہیں بھی..... اگر یہ نوجوان ہاتھ کھڑا نہ کرتا تو میرا کہا جواب ناممکن غلط ثابت ہوتا۔
 علی عباس کا اسٹیج پر آنا ممکن کو بیجا ثابت کر رہا ہے۔

علی عباس آپ کے سامنے ہے اور آپ اس سے اس کے مضطرب نہ ہونے کے بارے میں جو پوچھنا چاہتے ہیں..... پوچھیے“
 ڈاکٹر تھلین نے اسٹوڈنٹس کو دعوت دی کہ وہ علی عباس سے سوالات کریں۔
 یہ کیسے ممکن ہے کہ آپ کے اندر کسی بھی قسم کا اضطراب نہیں ہے..... میرے خیال میں دنیا کے ہر انسان کے اندر کوئی نہ کوئی اضطراب موجود ہوتا ہے؟ اسٹیج کے قریب پہلی رد میں بیٹھی ایک ماذن لڑکی نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

”اگر مختصر جواب میرے اندر Contentment (قناعت) ہے۔ علی عباس نے جواب دیا۔
 کیسی Contentment..... کیا آپ زندگی میں کچھ پانا نہیں چاہتے؟ اور کیا آپ کو زندگی میں کبھی کوئی ناکامی نہیں ہوئی؟ اور کیا آپ سے کبھی کوئی غلطی سرزد نہیں ہوئی..... کوئی گناہ..... کوئی guilt آپ کے اندر نہیں.....؟ اگر واقعی ہی ایسا ہے تو پھر آپ نہ رل انسان نہیں؟ اسی لڑکی نے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

آپ نے ایک ساتھ ہی بہت سے سوالات کر دیئے ہیں لیکن میں آپ کو یہی کہوں گا کہ میں ان تمام Phases سے گزر چکا ہوں..... اور اب میں مضطرب نہیں ہوں..... اور آپ کے سامنے ایک نارمل انسان کی حیثیت سے کھڑا ہوں“ علی عباس نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا۔
 ”ہر انسان میں قناعت بہت Contentment ہے..... اور اسی طرح کم یا زیادہ وہ مضطرب بھی ضرور ہوتا ہے..... آپ کے اندر کیسی

Contentment ہے جو آپ کو مضطرب نہیں ہونے دیتی، ایک لڑکے نے قدرے تلخ لہجے میں سوال کیا۔

”ہر انسان کی زندگی میں کوئی نہ کوئی آئیڈیل ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ایسا رول ماڈل جس سے اسے inspiration ملتی ہے۔۔۔۔۔ جب وہ مضطرب ہوتا ہے تو اسے دیکھ کر اسے سکون ملتا ہے۔۔۔۔۔ اور اس کے اندر Contentment پیدا ہوتی ہے۔۔۔۔۔ میرا رول ماڈل اور میرا آئیڈیل میرے والد ہیں۔۔۔۔۔ میں ایک مٹی اور اینٹیں اٹھانے والے مزدور کا بیٹا ہوں۔ دس برس کی عمر میں میری ماں کینسر کا علاج نہ ہونے کی وجہ سے مر گئی۔ ہمارا گھر صرف ایک کمرے کا تھرہم اور کچن پر مشتمل ہے۔ دوسروں کے گھر بنانے والے کا اپنا گھر اینٹوں سے بنا ہے اور جس پر ابھی تک سینٹ نہیں ہوا۔ میری ماں کے مرنے کے بعد میرے باپ نے جس طرح مجھے پالا ہے۔ وہ اپنی مثال آپ ہے۔ دو صبح اٹھ کر نماز پڑھنے کے بعد میرے لیے دو سوکھی روٹیاں پکاتے اور دو اپنے لیے۔۔۔۔۔ ایک وہ اس وقت ناشتے میں کھاتے اور ایک دوپہر کے کھانے کے طور پر اچار یا کسی سالن کے ساتھ کام پر لے جاتے۔۔۔۔۔ ایک میں سکول سے واپسی پر کھالیتا شام کو مزدوری سے واپس آ کر وہ پھر میرے لیے اور اپنے لیے کھانا بناتے۔۔۔۔۔ میں فرسٹ ایئر میں تھا جب ابا پانچویں منزل پر اینٹیں لے کر جاتے ہوئے سیزمی سے گر گئے۔ ان کو شدید چوٹیں آئیں اور ایک ٹانگ کی ہڈی جگہ جگہ سے ٹوٹ گئی۔ بہت مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا۔ ایک ہی ذریعہ آمدن تھا اب وہ بھی ناممکن تھا۔ میں نے کچھ ٹیوشن پڑھانی شروع کر دیں اور ابانے ایک وزنی دوست کی مدد سے بیڈ کرسلائی مشین پر کپڑوں کی سلائی سکھنا شروع کی۔ بعد میں ڈنگ کے ذمہ بہت خراب ہو گئے اور ڈاکٹروں نے ڈنگ کاٹ دی۔ ایسے حالات دیکھ کر میں گھبرا جاتا مگر ابا کے چہرے پر نہ کبھی دکھ کے آثار نمایاں ہوتے نہ کبھی زبان سے کوئی شکایت۔ میں جب کبھی ابا کے سامنے روتا۔۔۔۔۔ یا خدا سے شکوہ کرتا تو وہ مجھ سے ناراض ہوتے۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ ابا سلائی میں ماہر ہو گئے۔ مگر بیڈ کرافٹ کام کرنے لگے ابا پیساکمیں کے سہارے چلنے پھرنے لگے اور میں بھی پارٹ ٹائم کپیئر جاب بھی کرنے لگا۔ اللہ کا شکر ہے اب ہمارے حالات بہت بہتر ہیں۔۔۔۔۔ لیکن میرے ابا نے مجھے تین باتوں پر عمل کر کے دکھایا۔

1۔ میرے اور اپنے جسم میں حرام کا ایک اقدہ بھی داخل نہیں ہونے دیا۔ میں فخر سے کہہ سکتا ہوں کہ میرے جسم کی ہر دھڑ میرے باپ کی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے ہوئی ہے۔۔۔۔۔ وہ ہمیشہ مجھے کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو جسم دیا ہے اب انسان پر فرض ہے کہ وہ اس کے اندر حرام داخل نہ ہونے دے کیونکہ جب حرام جسم میں جاتا ہے تو انسان کی نیت خیالات اور اعمال برے ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ دوسری بات ابا نے مجھے یہ بتائی ہے کہ جب انسان خدا پر ایمان لاتا ہے اور تقدیر کو اہل حقیقت مانتا ہے تو پھر خدا سے شکوے کیسے اسکو آزمائشوں سے گھبرا کر خدا سے شکوے نہیں کرنے چاہئیں مبرا اور شکر کرنا چاہیے۔

تیسری بات اللہ کی بڑائی ہوئی حد و کو توڑنا نہیں چاہیے۔ انسان خود بخود اور گناہوں سے بچ جاتا ہے۔

چھوٹی موٹی غلطیاں اور کبھی کبھی گناہ بھی ڈانستہ انسان سے سرزد ہو جاتے ہیں مگر جب نیت اللہ کی حدود نہ توڑنے کی ہوتی ہے تو وہ غلطی یا گناہ اس کے گناہ guilt نہیں بنتا۔

یہ میری زندگی کی کہانی ہے۔۔۔۔۔ کبھی کبھی میں غربت سے بہت اپ سیٹ ہو جاتا تھا۔۔۔۔۔ اور اسی پریشانوں کو کچھ کر Panic بھی۔۔۔۔۔ لیکن ابا

کا حوصلہ، ہمت، مہر اور شکر و کرم کی شکرانہ جبران ہوتا تھا اور اب وقت گزرنے کے ساتھ جیسے جیسے میں بچھڑا ہوا ہوں۔ مجھے لگتا ہے میرا دل ماڈل، کوئی عام انسان نہیں ہے..... وہ ظاہری طور پر محض اور عام ضرور ہیں مگر ان کے اندر ایمان، مہر اور استقلال ہے..... انہوں نے مصیبتوں اور آزمائشوں کو زندگی کا ایک اہم تجربہ کر قبول کیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ والدین اپنی اولاد کے لئے رول ماڈل ہوتے ہیں..... وہ اپنی ایک ایک بات..... ایک ایک حرکت اور ایک ایک عمل سے اولاد کی اندرونی طور پر تربیت کر رہے ہوتے ہیں..... میں اپنے آپ کو دنیا کا خوش قسمت انسان اس لئے سمجھتا ہوں کہ خدا نے مجھے بہترین رول ماڈل دیا اور بچپن میں میرے والد کی تربیت ان کے والد نے کی ہوگی..... اور میں بھی اپنی اولاد کی تربیت ویسی ہی کرنا چاہوں گا جیسی میرے والد نے میری کی ہے۔

اس لئے میں آج سرعام واضح طور پر کہہ سکتا ہوں کہ میرے اندر کوئی اضطراب نہیں..... میں زندگی میں کچھ پانے کے لئے جدوجہد ضرور کر رہا ہوں مگر میں اس کے لئے مضطرب نہیں ہوں۔ اگر کوئی چیز مجھ سے چھینی ہے تو وہ میری تقدیر ہوگی اور میں اللہ کی حدود کی پاسداری کرنے کی بھرپور کوشش کرتا ہوں۔ اس کی بتائی ہوئی حرماتوں کا خیال رکھتا ہوں اس لئے میرے اندر کوئی guilt نہیں۔ علی عباس پر مطمئن انداز میں بتا کر خاموشی ہو گیا۔ ہر بال امتحانی انہماک سے اس کی باتیں سن رہا تھا۔ ڈاکٹر تھلین بھی بہت محو ہو کر سن رہے تھے وہ خاموش ہوا تو سب اس کی باتوں میں کھوئے رہے اچانک ہل میں کسی نے تالی بجائی..... اور اس کی تالی کی آواز سن کر سب تالیاں بجانے لگے۔ ڈاکٹر تھلین نے بھی تالیاں بجا لیں اور علی عباس کو بہت محبت سے اپنے ساتھ لگایا۔ ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ ایک سیٹ..... ہم سب آپ کے والد کی عظمت کو سلام کرتے ہیں..... والدین کے اخلاقیات اور عیوض میں کی کہیں نہ کہیں اولاد کے اندر بہت بڑا Flow بن کر سامنے آتی ہے اور ان کی خوبیاں ان کی اپنی اولاد کے لئے آئیڈیل بن جاتی ہیں۔ ان کی تربیت کا بدلہ اللہ تعالیٰ آپ جیسی باشعور اولاد کی صورت میں لٹا دیتا ہے ڈاکٹر تھلین نے خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

”سر میں..... علی عباس صاحب سے یہ پوچھنا چاہتی ہوں..... کیا ان کے اندر واقعی اضطراب بھی کبھی پیدا نہیں ہوا؟ ایک لڑکی نے پوچھا ”ضرور پیدا ہوتا ہے مگر اس کا دورانیہ بہت کم ہوتا ہے۔ انسان کے اندر جب اخلاقی جذبے زیادہ طاقتور ہوتے ہیں وہ ان لحاظی جذبوں کو فوراً اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں.....“ علی عباس نے جواب دیا۔

”جذبوں میں جنگ دراصل دل اور روح کی جنگ ہوتی ہے۔ روح طاقتور ہو..... تو نفسی جذبے مائع پڑ جاتے ہیں..... اس لئے جس شخص کے اندر اخلاقی قدریں مضبوط ہوں گی انہیں نفسیاتی مسائل اور بیماریاں بھی کم ہوں گی۔ نفسیاتی مسائل جنم ہی جب لیتے ہیں جب انسان اپنے آپ کو خود مطمئن نہیں کر پاتا۔ اسے ہر مسئلہ بہت بڑا نظر آتا ہے اور اپنا آپ بہت کمزور..... انسان جب اپنے آپ سے ہارتا ہے تب نفسیاتی بیماریاں اسے گھیر لیتی ہیں“

ڈاکٹر تھلین نے وضاحت کی اور علی عباس کو محبت کے ساتھ اسٹیج سے رخصت کیا۔ وہ تالیوں کی گونج میں چھپتا رہا۔

آپ لوگوں کے ذہن میں جو سوالات ہیں وہ آپ پوچھ سکتے ہیں؟ ڈاکٹر تھلین نے اسٹوڈنٹس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ سر..... حلال و حرام کس طرح انسان کی نفسیات پر اثر انداز ہوتا ہے کیونکہ مسٹر علی عباس نے بھی اپنے سکون کی ایک بڑی وجہ اپنے والد صاحب کی حلال کی کمائی بتائی

ہے؟ تیسری رو میں بھی مومنہ نے پوچھا۔ جس نے خواب بہن رکھا تھا اور صرف اس کی آنکھیں نظر آ رہی تھیں۔

”میں جملہات کے لیے سب سے پہلے اسٹوڈنٹس کو دعوت دیتا ہوں کیونکہ انہیں زیادہ متحرک ہوتے ہیں۔ کیا آپ میں سے کوئی اس سوال کا جواب دینا چاہے گا؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

ایک لڑکی نے ہاتھ کھڑا کیا..... اور اسٹیج کے قریب آ کر مائیک پکڑا ”حلال اللہ کی بتائی ہوئی پاک چیزیں ہیں اور حرام پاک.....“ لڑکی نے جواب دیا۔

”لیکن سر..... سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حلال اور حرام دونوں اللہ کی پیدا کردہ چیزیں ہیں..... تو پھر حلال کو پاک اور جائز اور حرام کو ناجائز کیوں کہا گیا ہے؟ ایک داڑھی والے لڑکے نے سوال کیا۔

”حلال اور حرام کا فلسفہ بہت پیچیدہ بھی ہے اور بہت واضح بھی۔ ہر وہ شے جو حج سے غذا اور غذا سے جڑو بدن بننے تک بے ضرر ہے وہ حلال ہے..... اور جس میں کبھی بھی کراہت اور نقصان کا اندیشہ بھی ہے وہ حرام ہے۔ اللہ رب العزت بہت عظیم و عظیم اور باریک بین ہے۔ انسان کا جسمانی نظام بھی انتہائی پیچیدہ اور وقتی ہے۔ اس کو سمجھنا انسان کے لئے بہت مشکل ہے..... اور..... روح کا معاملہ اس سے بھی پیچیدہ ہے مگر جیسے جسم کے سارے نظام ایک دوسرے سے بہت مربوط ہیں اسی طرح روح اور جسم کا تعلق بھی بہت مضبوط ہے..... انسان جو کچھ کھاتا اور پیتا ہے اس کے اثرات اس کی روح میں ظاہر ہوتے ہیں۔ اس لطیف نعلے کو امام ابن قیم رحمہ اللہ نے واضح کیا ہے کہ انسان جو خوراک کھاتا ہے وہ جسم کو طاقت دیتی ہے اور وہ طاقت روح کو تقویت دیتی ہے۔ اگر انسان حلال چیز کھاتا ہے تو روح پر اس کا اثر اچھا ہوگا اور اگر حرام وغیرہ چیزیں کھائے گا تو اس کی خباثت روح میں ظاہر ہوگی اور انسان سے بُرے اعمال سرزد ہوں گے۔

اب اسی بات کو سائنسی نقطہ نگاہ سے دیکھتے ہیں۔

انسان جو غذا استعمال کرتا ہے۔ وہ رگوں میں سفید یا سرخ ذرات بن کر دوڑتی ہے تو پھر اسے جسم یا تو تصرف کے ذریعے (Catabolism) کے ذریعے اپنے اندر جذب کر لیتا ہے۔ چنانچہ وہ طاقت کی صورت میں تبدیل ہو جاتی ہے جس کے ذریعے ہم زندہ رہتے ہیں اور حرکت کرتے ہیں یا تعمیر کی صورت (Anabolism) میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ لہذا وہ اس صورت میں خلیات اور میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اس طرح جسم کو حرکت دینے والے عضلات، پنوں و قلب کے عضلات کو حرکت دینے یا انسان کی سوچ کو بنانے میں اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ جب خبیث یا حرام شے انسان کے پیٹ میں جاتی ہے تو وہ اس کی رگوں میں دوران خون کے ساتھ گشت کرتی ہے تو پھر وہ خبیث شے اس کے قلب (دل) اس کی زبان اور اس کی سوچ سے ظاہر ہوتی ہے۔ اس طرح حرام شے کا اثر انسان کی روح اور اس کے عمل کے ذریعے ظاہر ہوتا ہے۔ ہر حرام شے میں کہیں کہیں قباحت اور برائی ہے جیسے مردار کا گوشت ایک سمجندہ انسان کے جسم میں متحہ و بیماریوں کا باعث بنتا ہے۔ کیونکہ خون اس کے جسم سے خارج نہیں ہوتا اور خون میں بہت سے جراثیم اور بیکٹیریا ہوتے ہیں جو بیماریاں ہے۔ سور کے گوشت میں بھی بیماری ہے اور اس سے۔

انسان میں شہوت (Sex) کے جذبات پیدا ہوتے ہیں اور شراب کو ام المعبالہ یعنی برائیوں کی جڑ کہا گیا ہے کیونکہ یہ بہت ہی اخلاقی و

جسمانی برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے۔“ ڈاکٹر تھکین نے قدرے وضاحت سے بتایا۔

سب اسٹوڈنٹس بہت انتہاک سے سن رہے تھے۔

”سر..... سو کھانا..... رشوت لینا..... اور کسی کا حق مارنا..... یہ بھی ناجائز اور حرام ہیں..... لیکن جب اس کمائی سے حلال چیزیں کھائی جاتی ہیں تو پھر ان کا اثر روح پر کس طرح ہوگا جبکہ خوراک تو حلال اور جائز چیزوں پر مشتمل ہوگی؟ ایک لڑکے نے سوال کیا۔

”ہر شے کا ظاہر اور باطن ہوتا ہے۔ جیسے انسان کا جسم اس کا ظاہر اور باطن اس کی روح ہے۔ حلال و حرام..... ایک تو وہ اشیاء ہیں جو جائز اور ناجائز ہیں..... دوسری ان کی باطنی خصوصیات کہ وہ کن ذرائع سے حاصل کی گئی ہیں۔ سو کھانا..... رشوت اور دوسروں کا حق مار کر اس سے جب اپنا اور اپنے اہل و عیال کے پیٹ بھرے جاتے ہیں تو اس کمائی سے برکت اور خدا کی رحمت ختم ہو جاتی ہے کیونکہ وہ دوسروں کی مجبوریوں اور سببہاں سے انکسلی کی گئی ہے۔ اس کے ساتھ بہت سے لوگوں کی بدو عائیں اور آہیں شامل ہوتی ہیں۔ اس کمائی سے وہ تاثیر ختم ہو جاتی ہے جو حلال کی کمائی میں ہوتی ہے..... یہ معاملہ ایسے ہی ہے جیسے حرام کمائی سے آپ حلال چیزیں کھائیں یا پھر حلال کی کمائی سے آپ شراب اور سوہا کا گوشت کھائیں..... بات تو ایک ہی ہوگی..... دونوں میں خباثت اور کراہت کا عنصر شامل ہوگا جو روح پر اثر کرے گا“ ڈاکٹر تھکین نے تفصیل بتایا۔

ڈاکٹر صاحب..... حضرت آدم حوا کے قصے میں ہم پڑھتے ہیں کہ انہوں نے فخر ممنوعہ کا پھل کھالیا۔ اسلامی کتب میں ہے کہ انہوں نے گندم کا دانہ کھالیا جبکہ بائبل میں ہے کہ انہوں نے سیب کھالیا دونوں صورتوں میں پھل ایک حلال شے تھی اور زبردستی بھی حرام نہیں تھا..... پھر اللہ تعالیٰ نے اسے ان کے لئے ناجائز کیوں قرار دیا انہیں اس کے کھانے سے منع کیوں کیا؟ اور ان کے کیا اثرات تھے ایک لمبے بالوں والے لڑکے نے سوال کیا۔

سب اس لڑکے کے سوال سن کر چونک گئے۔ کسی کو بھی توقع نہیں تھی کہ ایسا سوال بھی کیا جاسکتا ہے۔

حلال پھل کو اللہ نے ممنوع قرار کیوں دیا۔ اس کیوں کا جواب تو اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں۔ لیکن اس سارے قصے سے دو اہم باتیں واضح کرنی تھیں۔ ایک انسان کی سرشت..... انسانی فطرت کا ممنوعہ چیزوں کی طرف مائل ہوتا..... وہ ضرور ان چیزوں کی جستجو کرے گا جن سے منع کیا گیا ہے..... اور پھر ممنوعہ چیزوں کے استعمال کے بعد ان کے اثرات سننے میں آیا ہے کہ شجر ممنوعہ کا پھل کھانے سے پہلے وہ اپنے جنسی اعضاء سے ناواقف تھے۔ سارے جسم پر پانچوں جیسا لباس تھا۔ وہ ایک دوسرے کے جسموں سے بے خبر تھے۔ جیسے ہی انہوں نے پھل کھالیا ان کے متزکھل گئے اور ان کے جنسی اعضاء واضح ہو گئے انہیں ایک دوسرے سے شرم محسوس ہونے لگی اور قرآن پاک میں ہے کہ انہوں نے درختوں کے پتے اپنے اوپر چپکانے شروع کر دیے اور انہیں اللہ سے بھی شرم محسوس ہونے لگی۔ اور وہ اللہ سے توبہ و استغفار کرنے لگے۔

شجر ممنوعہ کے کھانے اور جنسی اعضاء کے واضح ہونے میں ایک اہم نقطہ پوشیدہ ہے کہ انسان جو کچھ کھائے گا اس کا اس کے جسم اور روح پر گہرا اثر ہوگا۔ انہوں نے پھل کھالیا اور ان کے جسم عیاں ہو گئے اور روحانی طور پر وہ غلامت محسوس کرنے لگے ان کی روحوں پر وہ کھانسی اور غم طاری ہو گیا اور وہ بچھڑانے لگے۔ رونے لگے۔ آپ دیکھیے انسان دنیا میں تین اہم امور سرانجام دیتا ہے۔ زندہ رہنے کے لئے رزق کمانا ہے اور ساری زندگی یہ کام سرانجام دیتا ہے..... دوسرا کام جو دوسرے تک کرتا ہے..... وہ کھانے پینے میں مصروف رہتا ہے۔

تیسرا کام..... زندگی کی آخری سانسوں تک..... وہ کمائی کے علاوہ اور بہت سے کام بھی کرتا ہے..... اچھے یا برے اعمال..... اس کی سوچ اور فکر کے نتیجے میں سرزد ہوتے ہیں اور اس کی سوچ و فکر اس کے اندر کی عکاسی ہوتی ہے۔

برمنیوہ اور حرام شے کا انسان کے جسم، روح اور بھروسے کے ارد گرد کے لوگوں پر گہرا اثر ہوتا ہے..... چنانچہ اللہ تعالیٰ ان چیزوں کی آواز سے ہی منع کرتا ہے جو فرد اور معاشرے کے لئے نقصان دہ ہو سکتے ہیں۔ ”ڈاکٹر ثقلین نے تصیلا بتایا۔

”کوئی اور سوال.....؟“ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔ لیکن سب اسٹوڈنٹس خاموش تھے۔ ایک نے تالی بجاتی اور پھر سب نے تالیاں بجا کر ان کا شکریہ ادا کیا۔

تھینک یو وری مچ..... ڈاکٹر صاحب..... آپ نے اپنا قیمتی وقت ہمارے طلباء و طالبات کو دیا..... ہم آپ کے بے حد مشکور ہیں ”ڈین نے اسٹوڈنٹس کی جانب سے شکریہ ادا کیا۔

”میرا مشن اپنی نوجوان نسل کی رہنمائی کرنا ہے..... ہماری ہر تھمنس بھی بجا اور بہت مضطرب بھی..... ان کے اندر بہت زیادہ اضطراب ہے جو اکثر ذہنی و جسمانی انتشار کی صورت میں سامنے آتا ہے..... میں اپنے طلباء و طالبات کی بھرپور رہنمائی کے لئے حاضر ہوں۔ آپ میں سے جن اسٹوڈنٹس کو مجھ سے گائیڈنس لینے کی ضرورت محسوس ہو۔ میں حاضر ہوں۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے کونسلٹ نمبر دکھوائے اور اسٹینج سے اتر آئے۔ اسٹوڈنٹس نے انہیں گھیر لیا اور ان سے مختلف موضوعات پر انٹارویشن لینے لگے۔

صبح نو بجے سے شروع ہونے والا سیشن سر پھر تین بجے ختم ہوا مگر کسی کو بھی پورے اور تھکاوٹ کا احساس نہ ہوا۔ اسٹوڈنٹس بہت مطمئن تھے اور ڈاکٹر ثقلین کی زبردست تعریف کر رہے تھے۔ ان سے تحریری کلمات سن کر ڈاکٹر ثقلین خوش ہو رہے تھے۔

☆

سلوٹ آپا نے جسے کے روز صبح دس بجے ہی اپنے ڈرائیور کو زکیہ پاپ کے گھر انہیں اور مومنہ کو لانے کے لئے بھیجا..... دونوں صبح نو بجے سے ہی تیار ہو کر غلطی انتظار کر رہی تھیں۔ زکیہ پاپ نے سفید رنگ کا کڑھائی والا ٹیسا سوٹ پہنا تھا۔ سفید دوپٹے پر بھی تھیں۔ کڑھائی اور شیشوں کا کام تھا۔ زکیہ پاپ آج بیٹ نکمری نکمری لگ رہی تھیں۔ انہوں نے موہیے کے عطر کا خصوصی طور پر اپنے اوپر چھڑکاؤ کیا تھا۔ موہیے کی کلیاں کانوں کے سوراخوں میں سونے کی ہالوں کے ساتھ پہنی تھیں۔

مومنہ نے آف و ہائٹ نیٹ کی شرٹ کے ساتھ کاشن کا دوپٹہ خصوصی طور پر میلاد کے لئے تیار کیا تھا اس نے سوٹ کے ساتھ موٹیوں کی میچنگ جیلری اور چوڑیاں پہن رکھی تھیں۔ اور ہلکا ہلکا میک اپ بھی کر رکھا تھا۔ اس نے اپنے آپ کو آئینے میں دیکھا تو مسکرا دی۔ وہ بہت خوبصورت لگ رہی تھی موٹی سیاہ جیلری گہری آنکھیں کا جل اور لائٹنگ نے سے وہ قدرے نمایاں ہو رہی تھیں۔

ڈرائیور نے دستک دی تو دونوں نے ہر قدم لیے اور اس کے ہمراہ چلی گئیں۔

گاڑی محل نما گھر میں داخل ہوئی تو ڈرائیو نے جلدی سے باہر نکل کر دلوں کے لئے گاڑی کے دروازے کھولے۔ سلوٹ آپا گاڑی کی آواز سن کر باہر آئیں۔ انہوں نے سفید سلک کی بہت نیس ساڑھی پہن رکھی تھی اور مونے کے بھاری نگین اور ناہنس پہن رکھے تھے جن میں اصلی چھ موتیوں سے جڑا ہوا تھا۔ نگلے میں موتیوں کی نیس والا پہن رکھی تھی۔ وہ اس قدر گر لیں فل اور زبردست لگ رہیں تھیں کہ موت حیرت سے ان کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

السلام علیکم..... خوش آمدید..... بہت شکریہ آپ لوگوں کے آنے کا..... ہم تو صبح سے آپ کا انتظار کر رہے ہیں..... بھگت لائیے“ سلوٹ آپا نے دلوں کو نگلے ملے ہوئے کہا۔ موت اور زکیہ ان کے ہمراہ ڈرائنگ روم میں داخل ہو گئیں ڈرائنگ روم انتہائی وسیع و عریض۔ ویل فرنیچر کمرہ تھا۔ کمرے کا فرنیچر، قالین، پردے کرسل کے ڈیکوریشن چوسب کچھ انتہائی قیمتی اور نیس لگ رہا تھا موت نے برقع اتار کر دوپٹہ قریب سے سر پر اوڑھا تو سلوٹ آپا انتہائی محبت اور پرشوق نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

زکیہ..... آپ کی بیٹی تو..... ماشاء اللہ بہت خوبصورت ہے..... اس روز تو میں نے برقعے میں ہی دیکھی تھی..... ماشاء اللہ خدا نظر بد سے بچائے۔“ سلوٹ آپا نے صوفے پر بیٹھے ہوئے انتہائی محبت سے موت کو اپنے ساتھ لگایا تو وہ سر جھکا کر مسکرائے گی۔ حیرن پوانے میں کوئٹہ ڈرئکس کے تین نگاہ لائیں اور تینوں کے آگے ٹرے کی۔

”محفل شروع ہونے میں کتنا نام ہے؟ موت نے پوچھا۔

”بیٹا..... بس آپ لوگوں کا ہی انتظار تھا..... سب خواتین ہال میں بیٹھی ہیں۔“ سلوٹ آپا نے کہا۔

”میرا خیال ہے ادھر چننا چاہیے۔“ زکیہ آپا نے کہا اور تینوں ہال کی طرف چلی گئیں۔ پورا گھر گلاب کے پھولوں اور موسی کے کلیوں کی خوشبو سے مہلک رہا تھا۔ برآمدے اور لالچ کی دیواروں کو تازہ گلاب کے پھولوں سے سجایا گیا تھا۔

اسد نے خاص طور پر کٹرنگ سرویس والوں سے انتہائی زبردست قسم کی ڈیکوریشن کرائی تھی۔ پورا گھر ایک مخصوص روحانی فضا سے مہلک رہا تھا۔ اگر بچیوں اور موسی کے گلاب کے عطری لیلی جلی خوشبوؤں نے سارے ماحول کو مہلک کر رکھا تھا کئی اور نعت خوان خواتین بھی وہاں بیٹھی تھیں۔ زیادہ تر خواتین کا تعلق امیر گھرانوں سے لگ رہا تھا۔ ان کی راج و مہاس اور زیورات سے بخوبی ان کی کلاس کا اندازہ ہو رہا تھا کہ سلوٹ آپا نے بہت محبت بھرے لہجے اور شائستہ انداز میں دلوں کا تعارف کرایا پوانے سب کو گلاب کے پھولوں کے ہار پہنائے محفل شروع ہوئی۔ تو پوانے سب پر مہلک چڑکا موت نے قرأت سے آغاز کیا اور اس کے بعد وہ حقیقت پر حین۔ سلوٹ آپا تو اس کی آواز سن کر اس پر فدا ہو گئیں۔ اچانک اسد کسی کام کے سلسلے میں ڈرائنگ روم میں گیا..... وہ بھی موت کی آواز سن کر چونک گیا اور اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس کے قدم کسی نے جکڑ لیے ہوں۔ اس نے جلدی سے باہر نکل کر لالچ کی طرف دیکھا مگر موت کا چہرہ اسے سائیڈ سے نظر آیا۔ آف و بائٹ ڈوڈیٹ میں لپٹا سرخ و سفید چہرہ ایک سائیڈ سے ہی اتنا پرکشش لگ رہا تھا کہ وہ پرشوق اور محسوس انداز میں اسے دیکھتا رہا۔ اچانک اس کا موہاںل بچنے لگا اور وہ جلدی سے وہاں سے چلا گیا۔

میلاد کی محفل ختم ہونے کے بعد سب خواتین نے موت کو بہت عیار کیا۔ سلوٹ آپا بار بار محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ بھیر رہیں تھیں

اور اپنے پرس سے پانچ سو کانٹ نکال کر اسپر وار سے اور پاس کھڑی ہوا کو پکڑائے۔

”اللہ پاک، بچی کو نظر بد سے بچائے..... ماشاء اللہ ایسی خوبصورت لہجہ میں کہ روح سرشار ہوگئی ہے..... سچ..... تاکس..... زکیہ..... مومنہ بیٹی نے تو پرانے دنوں کی یاد تازہ کر دی ہے جب آپ اور رقیہ بیگم ہماری حویلی میں میلاد کی مجلسیں پڑھا کرتیں تھیں..... ہو بہو آپ جیسی آواز ہے..... کہیں بھی محسوس نہیں ہو رہا تھا کہ آپ نہیں پڑھ رہیں..... ماشاء اللہ آپ نے بہت اچھی تربیت کی ہے.....“ سلوت آپا نے زکیہ اور مومنہ کی تعریفیں کرتے ہوئے کہا۔

”سلوت آپا..... اب ہمیں اجازت دیجئے..... مریم گھر پر اکیلی ہے اور امتحانات کی تیاری میں بھی مصروف ہے..... ہمارا گھر پہنچنا ضروری ہے“ زکیہ نے سلوت آپا سے کہا۔

”بہت شکریہ..... میں ابھی ڈرائیور کو کہتی ہوں..... وہ آپ کو چھوڑ کر آتا ہے..... ہوا..... ڈرائیور کو باہر دیکھیے مہمانوں کو چھوڑنے جانا ہے۔ سلوت آپا نے ہوا سے کہا کہ وہ نظام الدین ڈرائیور کو بلالائے ہوا باہر چلی گئی۔ قہوڑی دیر بعد اندر آئی۔

”بیگم صاحبہ..... ڈرائیور کو اسد صاحب نے کسی کام سے باہر بھیجا ہے..... اسد صاحب موجود ہیں..... وہ فرما رہے ہیں کہ وہ مہمانوں کو گھر چھوڑ دیتے ہیں“ ہوا نے بتایا۔

”آئیے زکیہ بیگم.....“ سلوت آپا نے کہا اور دونوں ماں بیٹی برقع پہن کر ان کے ساتھ چل پڑیں۔ اسد گاڑی کے پاس کھڑا تھا۔ سلوت آپا نے دونوں کا اس سے تعارف کرایا۔

”اسد بیٹا..... یہ زکیہ بیگم ہیں اور یہ ان کی صاحبزادی..... جن کا ذکر میں نے آپ سے کیا تھا“ سلوت آپا نے کہا۔

”السلام علیکم.....“ اسد نے دونوں کی جانب دیکھ کر کہا۔

”وعلیکم السلام“ زکیہ نے محبت سے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

اسد نے گاڑی کی کچلی سیٹ کا دروازہ کھولا اور دونوں پیچھے بیٹھ گئیں۔ سلوت آپا نے بہت شکریاں اور محبت کے ساتھ انہیں رخصت کیا۔ اسد نے بلیک کٹر کی پینٹ کے ساتھ وائٹ اور بلیک لائٹنگ میں شرٹ پہن رکھی تھی۔ خوبصورت پُرکشش چہرہ، بکھری بکھری رنگت اور گھنی مونچھیں۔ وہ پہلی نظر میں ہی بہت جاذب نظر لگا۔ مومنہ اور زکیہ دونوں خاموش بیٹھی تھیں۔ مومنہ کی نظریں نیچی تھیں اور غلاب سے سارا چہرہ ڈھکا ہوا تھا۔ اسد نے ایک دو بار گاڑی کے شیشے میں اسکو دیکھا چاہا مگر اس کی ہچکی آنکھوں کو دیکھ کر وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

”آئی پلیز..... مجھے راستہ بتا دیجئے“ اسد نے سکوت توڑا اور جلدی سے شیشے میں دیکھا۔ مومنہ نے ہچکی آنکھیں ایک دم ناہانستہ اٹھائیں اور اس کی جانب دیکھا۔ اسد نے اس کی خوبصورت آنکھوں کی طرف محبت بھرے انداز میں دیکھا۔ مومنہ کی نظریں اس سے ٹکرائیں اور اس نے بھر آنکھیں جھکا لیں۔ اس کا چہرہ دھرم سے سرخ پڑ گیا مگر غلاب کی وجہ سے اس کی کیفیت ظاہر نہ ہونے پائی۔ اس کے ہاتھوں میں پینٹ آگیا اور اس نے ہاتھ میں پکڑے ٹشو پیپر کو بری طرح مسلا اور پیلو بدل کر بیٹھ گئی اسد کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمایاں ہوئی اور وہ دھندلے سے باہر دیکھنے لگا۔

”جینا..... یہیں روک دو..... گلی میں گاڑی نہیں جائے گی“

زکیہ نے ایک مچھلی تنگ سی سڑک پر اسے گاڑی کھڑی کرنے کو کہا۔ اسد نے گاڑی روک دی اور دونوں گاڑی سے باہر نکلیں۔

”شکریہ..... جینا..... جیتے رہو“ زکیہ نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔ کوئی بات نہیں..... کیا میں آپ کو گھر تک چھوڑ آؤں؟“

اسد نے پوچھا اور ایک تنگ مومنہ کی جانب دیکھا۔

”ارے نہیں..... نہیں..... ہم چلی جائیں گی۔ یہ گلی میں تیسرا گھر ہمارا ہے کوئی دور نہیں خدا حافظ“۔ زکیہ نے اسد سے کہا تو اس نے بھی

جواب میں خدا حافظ کہا اور مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے گاڑی آگے بڑھا دی۔

”کیسی محفل تھی.....؟“ مریم نے ان کے گھر میں داخل ہوتے ہی پہنا سوال کیا۔

”ارے دم تو لینے دو.....“ زکیہ نے برقعہ اتارتے ہوئے کہا اور برآمدے میں بچے تخت پر بیٹھ گئی۔ مومنہ نے بھی برقعہ اتار کر دوپٹہ

اڑھا۔

”ان کا گھر کیا تھا؟ مریم نے جلدی سے دوسرا سوال کیا۔

”لگتا ہے تم نے تو ہمارے لیے پورا سوالنامہ تیار کر رکھا ہے۔ ایک دفعہ ہی سارے سوالات پوچھ لو۔“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جج..... میں تو یہی سوچ سوچ کر تھک گئی ہوں کہ اتنی گریس فل لیزی کا گھر کیا ہوگا ای نے جب سے ان کی حویلی اور ان کی باتیں بتائی

ہیں..... مجھے تو یوں لگتا ہے جیسے وہ پرانی فلم مغل اعظم کا کوئی کردار ہوں۔ اور ان کا گھر بھی شاہی محل جیسا ہوگا۔ اور وہاں چلنے پھرنے والے لوگ شاہی

لباسات میں ہوں گے۔“ مریم نے مسکرا کر بے تحسین انداز میں کہا۔

”جناب..... وہاں ایسا کچھ بھی نہیں تھا..... البتہ ان کا گھر بہت بڑا..... بہت خوبصورت اور ویل فرنشڈ ہے..... ماما عسکرت جیسی ایک پرانی

بیمار و نظر آئیں..... باقی سب کچھ بدل تھا۔“ مومنہ نے مسکرا کر بتایا۔

”سلوٹ آپا نے کیا کچھ نہیں رکھا تھا؟ مریم نے پھر تجسس ہو کر پوچھا۔ اس کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

”سفید ساڑھی اور گولڈن میں پرتر اور اوپل کے جڑاؤ والے زیورات“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”بہت خوبصورت لگ رہی ہوں گی“ مریم نے پھر پوچھا۔

”ہاں.....“ مومنہ نے جواب دیا۔

”اس دن جب ہمارے گھر آئیں تھیں..... جب زیادہ اچھی لگ رہیں تھیں یا آج.....؟ مریم نے پھر سوال کیا۔

”مریم..... یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کیسے سوالات پوچھ رہی ہو۔ لگتا ہے تمہارے دماغ پر انہوں نے قبضہ کر لیا ہے“ مومنہ نے قدرے

حیرت سے کہا تو مریم ایک دم خاموش ہو گئی اور وہاں سے اٹھ کر چلی گئی۔

مومنہ کا اچانک کہیں الجھ گیا تھا۔ زکیہ آپا کپڑے تبدیل کر کے لیٹ گئیں تھیں اور مومنہ کپڑے تبدیل کرنے سے پہلے نہ دانت آئینے کے

سامنے جا کر کھڑی ہو گئی اور اپنے آپ کو بغور دیکھنے لگی۔ اسے اسد کا گاڑی کے شیشے میں سے اسے دیکھنا ہار ہار یاد آ رہا تھا۔ وہ زبردستی مسکراتے لگی۔ آئینے کے سامنے کھڑی وہ اپنے زیورات اتارتی رہی مگر اس کی آنکھیں کسی اور منظر کو ہار دیکھ رہی تھیں۔ اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔ اس کی آنکھوں سے اس کی آنکھوں کو جو پیغام ملا تھا وہ پیغام بہت دلنشین اور معنی خیز تھا۔ ظاہرًا کچھ بھی نہ تھا مگر حقیقت میں بہت کچھ بھی تھا۔ آج سے قبل کسی نے اسے ایسی نظروں سے نہیں دیکھا تھا وہ یونہی اندیشی میں لڑکوں کے ساتھ بڑھتی تھی..... مگر شاید اس کے نقاب کو دیکھ کر ہی اس کا اس فیلو زاحرا آ نکھیں پھیر لیتے تھے یا کوئی اور وجہ تھی مگر اسد کی نظروں کا مطلب کچھ اور تھا مجھے لگتا ہے..... وہ جان بوجھ کر ہمیں چھوڑنے آیا ہے "مومنہ نے چوڑیاں اتارتے ہوئے سوچا۔

"ضروری تو نہیں..... جو میں سوچ رہی ہوں..... ویسا ہی ہو..... ذرا نئے راجا تک کسی کام سے بھی تو باہر جاسکتا ہے۔ دل نے فوراً اس کی سوچ کی تردید کی۔

"اگر وہ مجھے ایسی نظروں سے نہ دیکھتا..... تو میں اس بات کو مان لیتی..... مگر..... وہ....." مومنہ سوچوں میں غم ہو گئی۔ مومنہ..... جینا..... باہر جا کر دروازہ کھولا..... کوئی دستک دے رہا ہے۔ "تو کیا آپ نے تخت پوش پر لیٹے ہوئے باہر سے آواز دی..... اور مومنہ کے خیالات کا تسلسل ٹوٹ گیا۔ وہ سر پر دوپٹے کو پھیلا کر لیتے ہوئے دروازے کی جانب گئی اور چہرے کو دوپٹے سے آدھا ڈھانپ کر دروازے سے باہر بھاگ نکلا..... اس کے ہاتھ پاؤں ایک دم سن ہو گئے..... سامنے اسد کھڑا تھا۔ اور وہ پرشوق لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ مومنہ کے چہرے پر پینہ آنے لگا اور رنگ ایک دم سرخ ہونے لگا۔ اس کی چمکتی آنکھیں روشن پیشانی اور تھمتاتے رخسار جو آدھے دوپٹے میں چھپے تھے اور آدھے باہر تھے۔ اس کی گھبراہٹ کو ظاہر کر رہے تھے۔

"دادو آپ کو مٹھائی دینا بھول گئیں تھیں..... یہ مٹھائی دینے آیا ہوں۔" اسد نے مٹھائی کا بڑا سا ڈبہ بہت خوبصورت پیکنگ میں اس کی جانب بڑھایا۔

"اس..... اس کی کیا ضرورت تھی؟" مومنہ بمشکل بولی اور ڈبہ پکڑتے ہوئے دوپٹہ چہرے سے سرک کر نیچے آ گیا۔ اسد اسے دیکھ کر مسکراتے لگا۔

"اس کی بہت ضرورت تھی" وہ مسکرا کر بولا۔

"جی....." مومنہ نے جلدی سے ڈبہ پکڑ کر چہرہ چھپاتا چلا۔

"اب میں چلتا ہوں..... آنٹی کو سلام کہیے گا" اسد نے مسکراتے ہوئے اسے کہا اور وہاں سے چلا گیا۔

"مومنہ..... دروازے پر کون ہے؟" تو کیا آپ نے آواز دے کر پوچھا۔

مومنہ مٹھائی کا ڈبہ لے کر ان کی جانب آئی تو زکیہ آ جا حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی تخت پوش پر اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"ای..... اسطورت آپ نے مٹھائی بھیجی ہے..... انہیں اس وقت مٹھائی دینا یاد نہیں رہی تھی" مومنہ نے جلدی سے بتایا..... ہلا..... اس کی

کیا ضرورت تھی؟ جیسے نا..... خاندانی لوگ..... اپنی روایات کو کیسے بھول سکتے ہیں..... مٹھائی دینے کون آیا تھا؟ ذرا تیرہ کو بھیجا ہوگا۔" زکیہ آ پانے مٹھائی کا ڈبہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

"اسد....." مومنہ نے بمشکل شرابا کر کہا اسی لمحے مریم کمرے سے باہر نکلے اور مومنہ کو سرخ چہرے اور قد رے گھبراہٹ سے اسد کہتے سن کر دوچوکی اور معنی خیز انداز میں مومنہ کی طرف دیکھنے لگی۔

"یہ اسد کون ہے؟ مریم نے جان بوجھ کر پوچھا۔

"سلوٹ آ پکا پوتا..... یا شاء اللہ بڑا اچھا اور نیک بچہ ہے..... ہمیں دینی تو چھوڑنے آیا تھا" زکیہ آ پانے مٹھائی کھاتے ہوئے کہا۔

"اور..... پھر مٹھائی دینے بھی وہ نیک اور اچھا بچہ خود ہی آ گیا" مریم نے مسکرا کر معنی خیز انداز میں مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر اندر چلی گئی جیسے اس کی چوری پکڑی جانے والی ہو۔

"مریم یہ ڈبہ کچن میں رکھو اور ابھی بچے پڑھنے آئیں گے تو سب میں بانٹ دینا..... میلا دشریف کا تھک ہے۔"

زکیہ آ پانے کہا تو مریم مسکراتے ہوئے ڈبہ کچن میں رکھنے چلی گئی..... مومنہ کو دیکھ کر مسکرانے لگی۔

"چائیس..... میلا دشریف کا تھک ہے بھی یا نہیں..... مریم نے پیٹرنے کے انداز میں کہا۔

"کیا مطلب.....؟" مومنہ نے ایک دم چونک کر پوچھا۔

"مجھے تو یہ مٹھائی کچھ کالی کالی لگ رہی ہے..... اس کی اتنی زبردست پیکنگ تو کچھ اور ہی کہانی سن رہی ہے۔"

"مریم نے آنکھیں سمھاتے ہوئے سرگوشی کے انداز میں کہا کیا فضول باتیں کر رہی ہو؟ مومنہ نے غلطی سے کہا۔

"ان فضول باتوں کو آپ اصل میں بہت انجوائے کر رہی ہیں..... سائیکالوجی آپ پڑھتی ہیں مگر اس کی ڈاکٹر میں ہوں..... آپلی..... یہ

دوبارہ چکر لگانا..... خود مٹھائی دینے آنا..... آپ کا بٹش ہوتا..... بات ہے کچھ..... آپ مانیں یا نہ مانیں۔" مریم نے جنتے ہوئے کہا تو مومنہ ایک دم بوکھلا گئی۔

"پلیز..... مریم..... تم کیسی باتیں کر رہی ہو..... آج تمہیں کیا ہو گیا ہے..... پہلے سلوٹ آ پکا تمہارے دماغ میں سائی تھیں اور اب اسد

اسد کہتے ہوئے اس کی آواز قدرے نرم پڑ گئی۔

"ہاں..... واقعی مجھے کچھ ہو گیا ہے..... یقیناً میں ان سے متاثر ہو گئی ہوں..... آپلی جب کوئی کسی سے متاثر ہوتا ہے۔ تو کیا کرتا ہے؟"

مریم نے شرارتی لہجے میں پوچھا۔

"تمہارا سر.....؟ مومنہ غصے سے گھورتی ہوئی باہر نکل گئی۔"

"نہیں..... وہ مٹھائی کا ڈبہ دے کر جاتا ہے" مریم نے قہقہہ لگا کر کہا اور ہنستی ہوئی کچن میں چلی گئی۔

”اسد بیٹا..... کیا آپ نے زکیہ کے گھر مٹھائی پہنچا دی تھی؟“ سلوت آپ نے رات کو سارے کاموں سے فارغ ہو کر اسد سے پوچھا۔
 ”جی..... دادو..... میں خود لے کر آیا تھا۔“ اسد نے بتایا کیا آپ خود گئے تھے؟“ دادو نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔
 ہاں نظام دین کو لیت آنا تھا۔ بلکہ ابھی تک نہیں آیا..... تو میں نے سوچا میں خود لے آتا ہوں۔“ اسد نے بتایا یہ تو آپ نے اچھا کیا.....
 بچہ مالو..... ان کے جانے کے بعد ہمیں اس قدر ملال رہا کہ انھیں مٹھائی کیوں نہیں دی..... نبھانے ہماری یادداشت کو کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اس قدر ضروری کام ذہن سے نکل گیا..... ہمارا مذاق مٹھائی شیرینی بانٹنے بغیر مکمل ہوتی ہے۔ سب کے لئے مٹھائیوں کے ڈبے رکھے تھے..... اور ہم ان کو دینا بھول گئے.....“ دادو نے تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔“ کوئی بات نہیں..... کبھی کبھی ایسا ہو جاتا ہے..... میں آپ کو با دام لا کر دوں گا..... آپ کی یادداشت بہتر ہو جائے گی۔“

اسد نے ہنستے ہوئے ٹھیل پر رکھی مٹھائی میں سے گلاب جاسن منہ میں ڈالتے ہوئے کہا۔
 ”اب اس عمر میں ہماری یادداشت کیا بہتر ہوگی؟ دادو نے تاسف سے کہا۔
 ”دادو..... میں یادداشت بہتر بنانے کی ٹھیل لاس لا کر دوں گا“ اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”چلو..... چلو..... کیوں بھاڑ ہے ہو؟ دادو نے کہا۔

”خیرن بوا..... اسد بیٹے کے لئے ہم نے دم کیا پانی رکھا ہے وہ لا کر انہیں پلا دیں۔ دادو نے قدرے اونچائی آواز سے کہا تو خیرن بوا جلدی سے ٹرے میں ایک گلاس رکھ کر لے آئی۔

”بیٹا..... اسے پی لیں..... اللہ پاک کی کلام پڑھی مٹی ہے اور کلام پاک میں بہت شفا ہوتی ہے۔“ دادو نے محبت سے گلاس پکڑ کر اسے دیا اور اس نے خاموشی سے پی لیا۔
 ”دادو..... آج محفل کیسی رہی؟“ اسد نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”ماشاء اللہ..... بہت اچھی..... بہت ہارکت..... زکیہ کی بیٹی مومنہ نے ایسی خوبصورت قرأت اور لغتیں پڑھیں کہ بس کیا بتاؤں..... ہم تو اس لڑکی کی آواز..... اور ترنم سن کر حیران رہ گئے..... پروردگار کا اس پر بڑا ہی کرم ہے..... کہ مولانا نے اسے اس ہارکت کام کے لئے منتخب کیا ہے..... لغتیں پڑھتے ہوئے یوں محسوس ہو رہا تھا..... جیسے اس کے منہ سے پھول تھڑ پھول رہے ہوں۔“ دادو قدرے محبت سے بولیں۔

”تو آپ مجھے بلا لیتی..... سارے پھول سیٹ لیتا۔“ اسد نے شرارت سے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”ہنو..... زیادہ مذاق نہ کیا کرو..... ہم تو اس لڑکی پر فدا ہی ہو گئے.....“ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”خدا..... خیر کرے۔“ اسد نے مسکرا کر کہا۔

”اتنی سعادت مند..... ہار دہ..... نیک..... دیوار..... کم گو..... لڑکی..... ہم نے کہیں نہیں دیکھی.....“ (اسد نے منہ بٹا کر کہا) دادو نے حیرت سے کہا دادو کو مگر لڑکیاں ایسی ہی ہوتی ہیں۔

”جینا..... وہ یونورسٹی میں پڑھ رہی ہے..... ایم ایس سی کر رہی ہے..... کس میں.....؟ ہاں..... یاد آیا..... نفیسات میں زکیہ نے بھی

تایا تھا۔

”ایمزنگ“ اسد نے بھی قدرے متاثر ہو کر کہا۔

”ہمارا بھی اچھے اور اعلیٰ خاندانوں میں آتا جاتا ہے مگر ہر جگہ ہمیں تو لڑکیاں شوچیں ہی نظر آتی ہیں..... کرشل کے خوبصورت شوہر کی طرح خوبصورت دلکش ہڈ کشش..... مگر مذہب اور روایات میں بہت کمزور..... اتنی کھوکی اور نازک کہ ایک ٹھوکر سے ہی ٹوٹ جائیں۔“ داوود نے سنجیدگی سے کہا۔

”داوود..... آجکل ایسی ہی لڑکیوں کا فیشن ہے..... لڑکے انہیں ہی پسند کرتے ہیں۔ جو ماڈرن اور فیشن ایبل ہوں..... پھر لڑکیاں بیچاری کیا کریں..... انہیں بھی تو امیر لڑکوں سے شادیاں کرنی ہوتی ہیں..... وہ ایسا ہی بننے کی کوشش کرتی ہیں جیسا کہ لڑکے چاہتے ہیں“ اسد نے لڑکیوں کی نیور میں بولتے ہوئے کہا۔

”جینا..... سہیں تو غلطی ہوتی ہے..... ہمارے زمانے میں لڑکے، لڑکی کو کم اور خاندانی روایات..... رکھ رکھاؤ اور مذہبی رجحان کو دیکھا جاتا تھا..... اب ہم ٹکنو کے نواب کی بیٹی..... اور آپ کے دادا جان حیدر آباد کے رہنے والے..... نہ کوئی رشتہ داری..... نہ کوئی قربت داری..... ہماری ساس، ہماری دادا کی پرانی سہیلی تھیں۔ دادی جان کی وفات کا سن کر وہ ہمارے ہاں تشریف لائیں تو ہمارے گھر کے ادب و آداب اور ہماری والدہ کی دینداری سے بہت متاثر ہوئیں..... ہم چار بیٹیں تھیں اور ہماری والدہ مرحومہ بہت نیک، مذہبی اور قرآن پاک کی حافظہ تھیں۔ انہوں نے ہماری تربیت میں مذہبی تعلیمات کو ہمیشہ اولین حیثیت دی۔ ہماری ساس ایسا ماحول دیکھ کر بہت متاثر ہوئیں اور رخصت ہونے سے پہلے ہمارے ساس اور سر نے ہمارے والدین سے رشتہ کی بات کی..... آپ کے دادا اعلیٰ گڑھ یونورسٹی کے تعلیم یافتہ تھے۔ اس کے علاوہ خاندانی نواب تھے..... ہمارے والدین کو یہ رشتہ بہت مناسب لگا..... یوں ہماری شادی ہو گئی.....“ داوود نے کھوئے ہوئے لہجے میں ماضی کو یاد کرتے ہوئے کہا ان کے چہرے پر مسکراہٹ سی پھیلی تھی۔

”داوود..... پھر آپ نے دادا مرحوم کو کیا پایا؟ اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”بہت اچھے، نیک اور شفیق انسان..... ان میں بھی خاندانی رکھ رکھاؤ بہت زیادہ تھا۔ بیوی کی عزت، چھوٹوں سے محبت اور غریب و فرہاد کا بہت خیال رکھتے تھے..... ہماری بھی بہت عزت کرتے تھے ہمارے ساس، سر اور مندوں نے بھی ہمیں بہت عزت دی..... اللہ کا شکر ہے..... پروردگار نے ہمیں کسی شے کی کمی نہیں ہونے دی خاندانی وقار، دولت، عزت، احترام“ داوود نے محبت سے کہا۔

”داوود آپ خاندانی وقار کو اتنی زیادہ اہمیت کیوں دیتی ہیں؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

”جینا..... یہ چیز بہت نایاب ہوتی ہے..... ہم خاندانی وقار سے صرف اعلیٰ حسب نسب مرا نہیں لیتے بلکہ وہ اس میں ادب و آداب رکھ رکھاؤ اور انسانیت کا دکھ درد اور دوسروں کے لئے احترام شامل ہے..... آج کل تو قدریں ہی بدل گئی ہیں..... لوگ اس کو خاندانی کہتے ہیں جن کے

پاس دولت زیادہ ہوتی ہے اور جس کے پاس بڑا گھر اور سہولتیں ہوں۔ جبکہ ہم تو خاندانی اسے ہی سمجھتے ہیں جس میں اخلاقی قدروں، روایات کی پاسداری، اللہ رسولؐ سے محبت..... اور انسانوں سے پیار۔ چاہے وہ کتنا غریب ہی کیوں نہ ہو..... بیٹا اعلیٰ عرفی بہت بڑی صفت ہے اور جو اعلیٰ عرف..... اور وسیع القلب ہوگا..... اس کے خون میں ایسی کشش ہوگی جو دوسروں کو ضرور اپنی طرف متوجہ کرتی ہے“ داود نے محبت سے کہا۔

”کیا آپ کے خیال میں ذکیہؑ نئی کا گھرانہ بھی خاندانی ہے؟“ اسد نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”ہاں..... کیوں نہیں..... مولوی اکبر علی صاحب کی پورے محلے میں بہت عزت تھی۔ بہت شریف انفس اور حلیم انسان تھے۔ قرآن و سنت پر عمل کرنے والے اور شریعت کے پابند تھے۔ ان کی بچیاں ذکیہ اور رقیہ بھی بہت دیندار تھیں۔ مولوی صاحب نے بہت اچھے انداز میں ان کی تربیت کی تھی۔ ہمارے ہاں ان کے گھرانے کو بہت قدر و منزلت سے دیکھا جاتا تھا“ داود نے مسکرا کر جواب دیا۔

”داود..... آپ کا خاندانی فلسفہ بہت پیچیدہ ہے..... آج کل کون ان چکر د میں پڑتا ہے۔ لڑکا لڑکی کو پسند کرتا ہے۔ شادیوں ہو جاتی ہیں اتنا وقت ہے، کہ خاندانی روایات کا خیال رکھیں..... اور ویسے بھی لائف اتنی Uncertain ہے۔ لہٰذا میں کیا سے کیا ہو جاتا ہے..... کون ان شخصوں میں پڑے؟“ اسد نے قدرے ہنسی سے کہا۔

”بیٹا خاندانوں میں اسی لیے تو پیچیدگیاں پیدا ہو رہی ہیں۔ خاندان ٹوٹ رہے ہیں..... طلاقیں زیادہ ہو رہی ہیں..... لڑکے لڑکیاں صرف اپنی اپنی زندگیوں کو دیکھتے ہیں..... انہیں صرف اپنی خوشیوں کی پرواہ ہے..... اس لئے وہ دوسروں سے کٹ رہے ہیں..... اسی لئے لوگ ذہنی طور پر پریشان ہیں۔ اللہ نے خاندان اور فیملی اسی لئے بنائے ہیں کہ لوگ جڑ کر رہیں۔ ایک دوسرے کا احساس عزت اور پرواہ کریں۔ جن خاندانوں میں روایات ختم ہو جاتی ہیں وہ بالکل بکھر جاتے ہیں..... اور ایک خاندان کی روایات کو چلانے والی عورت ہوتی ہے..... یعنی گھر کی بہن..... بہو پڑھی لکھی..... ویدارہ مذہبی شعور رکھنے والی ہوگی تو وہ اچھی نسل پیدا کرے گی..... اپنی اولاد کو اچھی اخلاقیات دے گی..... آج کل کی لڑکیاں پڑھی لکھی اور فیشن اسمبل تو ضرور ہیں مگر نہ ان میں مذہبی شعور ہے نہ اخلاقی قدروں اور اللہ کی حدود کی پاسداری..... اس لئے ان کے اندر برداشت اور دوسروں کی غلطیاں معاف کرنے کا عرف کم ہوتا ہے۔ لہٰذا میں فیصلے کرتی ہیں..... طلاقیں ہو جاتی ہیں۔ گھر ٹوٹ جاتے ہیں اور بچے ذہنی طور پر پریشان۔ ایسی لڑکیاں باوقاف نہیں ہوتیں۔ اب آپ ہی بتاؤ عورت اور مرد کے جذباتی فیصلوں سے اولاد ذہنی طور پر پریشان ہو جاتی ہے..... ایسی متشدد ذہین اولادیں کیا خاندانی روایات چلائیں گی..... اس لئے ہمیں بھی آپ کے لئے ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہے..... جو تعلیم یافتہ اور مذہبی پرہیزگار ہو..... جو اللہ اور بندوں کے حقوق جاننے والی ہو..... جو صبر کرنے اور برداشت کرنے والی ہو..... بھڑکتے شعلے کی طرح جذباتی نہ ہو۔ اس میں تحمل اور سمجھداری ہو۔ جو ہماری خاندانی روایات ہماری آنے والی نسلوں میں منتقل کر سکے..... اور بیٹا آپ بھی یاد رکھیے..... جب تک خاندانوں میں بہوؤں کا انتخاب مذہبی اخلاقی قدروں پر ہوگا..... خاندان کبھی متشدد نہیں ہوں گے۔“ داود نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔ ”داود چاہے وہ کتنی بد صورت کیوں نہ ہو؟“ اسد نے ہنستے ہوئے پوچھا۔

”بیٹا..... یہی تو بات ہے..... آج کل معاشرہ منافقت کی ڈگر پر چل رہا ہے..... یا تو آپ حسن و خوبی کو بیٹا نہ بتائیں یا بھرا اخلاقی

قدروں کو..... اور ویسے بھی شکل و صورت اللہ پاک کی بنائی ہوتی ہیں..... عورت مگر میں خوش اور پرسکون ہوگی۔ اس کی سیرت اور اخلاق اچھا ہوگا تو قدرتی طور پر اس میں کشش پیدا ہوگی..... ہماری اندر زیب النساء کا رشتہ لڑکے لڑکی کو دیکھے بغیر دونوں خاندانوں میں طے ہوا تھا اور ماشاء اللہ دونوں نے بہت خوش زندگی گزاری ہے۔ اس لئے ہم ان باتوں کو نہیں مانتے" دادو نے مسکرا کر جواب دیا۔

"دادو..... اس کا مطلب ہے آپ کو برقع والی لڑکی چاہیے۔"

اسد جان بوجھ کر گھما پھرا کر موت کی طرف لانا چاہ رہا تھا۔

"ارے بیٹا..... ہم فیشن کے خلاف نہیں..... ہماری ساس مرحومہ تو اللہ جنت الفردوس میں جگہ دے..... ہمارے لیے پورے اٹھ یا سہ قہقی ملیبوسات اور زیورات منگوائی تھیں....." کنو اب، نعل، ذری، طلس، حریر، ریشم، دیبا دو گھوڑا یوکی، سلک، فٹھون نجانے کیا کیا کپڑے منگوا کر ہمیں دیتی تھیں۔ حیدر آبادی زیورات..... ہر اسی سنگن، ہنہ سے، ہمیں کلکتے جگہ پورے اٹھ یا سہ پہننے اور اوڑھنے کی خاص چیزیں منگوا کر ہمیں پہناتی تھیں اور ہمیں پہنے دیکھ کر خوش ہوتیں تھیں..... ہم خوبصورت، دیدہ زیب اور قیمتی لباس کے خلاف نہیں مگر بیٹا لباس کو لباس نظر آنا چاہیے۔ اللہ پاک نے اس کو جس مقصد کے لئے نازل کیا ہے اس سے وہ مقصد تو پورا ہونا چاہیے..... یہ نہ ہو کہ عورت لباس پہن کر بھی بے لباس نظر آئے..... ایسے لباس معاشرے میں بے حیائی پھیلاتے ہیں اور اللہ کو بے حیائی سخت ناپسند ہے..... ایسے لباس پہننے والیوں سے مرد بھی تو پہلاتے ہیں مگر دل سے ان کی عزت نہیں کرتے" دادو نے سنجیدگی سے جواب دیا تو اسد کی نظروں کے سامنے علینہ محوم گئی اور وقاص کی اس کے ساتھ بیہودہ حرکتیں کرنا۔ اسے دادو کی باتوں میں وزن محسوس ہونے لگا۔

وہ گہری سوچ میں گم ہو گیا۔

اچھا..... بیٹا..... آج ہم نے بہت باتیں کی ہیں..... آپ جب بھی ہمیں..... ماضی یاد دلاتے ہیں..... نجانے کہاں کہاں سے باتیں ذہن میں آتی جاتی ہیں..... اب عشاء کی نماز کا وقت ہو رہا ہے..... ہم نماز ادا کرنے جا رہے ہیں..... اور پھر اپنے کمرے میں بی سو جائیں گے..... شب بخیر اور فی امان اللہ"۔ دادو نے اس کا ہاتھ محبت سے چومتے ہوئے کہا اور اٹھ کر چلی گئیں۔ اسد صوفی کی پشت کے ساتھ سر نکا کر سوچنے لگا۔ اس کی نظروں کے سامنے ہار ہار مومنہ کا چہرہ آتا۔ جب پہلی بار اس نے اس کا چہرہ سائیڈ سے دیکھا تھا۔ پھر گاڑی کے شیشے میں نقاب پوش چہرہ اور کاجل سے مزین خوبصورت بڑی حیا دار آنکھیں اور پھر منہائی کا ڈب بکڑاتے ہوئے..... تھمتھاتے رخساروں کے ساتھ آدھ کھلا چہرہ..... اس جیسا حسن..... اور شرم دیا اس سے قبل اس نے کسی لڑکی میں نہیں دیکھی تھی۔ اس کا ساتھی حلقہ بہت وسیع تھا۔ آئے دن پادریاں ہوتیں۔ لڑکیاں سر عام لڑکوں کی ہانسیں میں ہانسیں ڈالے..... اچھائی خوش لباس پہننے..... اور ڈرنک کرتی ہوئیں ذرا بھی نہ ہچکچاتیں۔

"اسکی لڑکیاں ہادفا نہیں ہوتیں....." دادو کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔

"واقعی..... ہر ہار..... ہر پادری میں زیادہ تر لڑکیوں کے بوائے فریڈ زبڈلے ہوتے ہیں..... نڈل کے لڑکیوں کے ساتھ قلع ہیں اور نہ ہی لڑکیاں لڑکوں کے ساتھ..... دادو کی باتیں ٹھیک ہیں۔ ان کا انتخاب اس کے لئے یقیناً بہترین ہوگا..... کیا دادو کو مومنہ اپنے انتخاب پر پورا اترتی

نظر نہیں آئی.....؟

واو نے ایک بار بھی اس کی جانب اشارہ نہیں کیا..... ویسے تو وہ اس کی بہت تعریفیں کر رہی تھیں..... میں..... جو..... ابھی شادی کا سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا..... مومنہ کو دیکھ کر نجانے کیوں میرے دل نے اتنی کشش محسوس کی ہے کہ میں واقعی اس سے شادی کرنا چاہتا ہوں..... مگر واو اب ایسا کیوں نہیں سوچ رہی..... وہ مضطرب ہو کر سوچنے لگا..... اور آنکھیں بند کر لیں..... مومنہ کا چہرہ اور اس کی آنکھیں پھر اس کو ستانے لگیں۔ وہ جھنجھلا کر اٹھا اور اپنے کمرے میں چلا گیا۔

☆

علیہ بہت مضطرب تھی نجانے کیوں اسے اسد سے بہت Infatuation محسوس ہونے لگی تھی۔ وہ جب سے نگین کے گھر سے آئی تھی۔ اسد اس کے حواسوں پر چھایا تھا۔ کئی روز ہونے کو آ رہے تھے اور وہ ابھی تک اس کے ذہن سے ٹوٹ نہیں ہو رہا تھا۔ یونیورسٹی بھی آف تھی۔ اس لئے وہ نگین سے کھل کر بات نہ کر سکی۔ ماما کے ساتھ ویسے اس کی ٹیوشن چل رہی تھی۔ ماما اب اس کی ہر بات ہر حرکت پر تنقید کرتیں۔ اس کو اٹھنے بیٹھنے، سونے جاگنے، کھانے پینے..... فون پر کسی سے بات کرنے پر اعتراض کرتی۔ گھر میں وہ..... ماما اور چھوٹے بھائی ظفر کے علاوہ وہ ملازم اور ایک چوکیدار تھا..... مگر..... ماما کسی کی بھی موجودگی کا لحاظ کیے بغیر اس کی بے عزتی کر دیتیں اور وہ غصے میں آ کر سارا وقت کمرے میں بند رہتی۔

علیہ بار بار نگین کو فون کر رہی تھی۔ مگر اس کا موبائل مسلسل انجیج جا رہا تھا۔ وہ بار بار ڈرائی کرتی رہی اور ہلّا خراس کا نمبر مل ہی گیا۔

”نگین..... میں تم سے ملنا چاہتی ہوں۔“ علیہ نے اداس لہجہ میں کہا۔

”آر..... یو..... اوکے؟“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”نو..... آئی ایم ٹاٹ.....“ علیہ نے مختصر جواب دیا۔

”وٹ ہیپنڈ..... (کیا ہوا)؟“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”میں تم سے ملنا چاہتی ہوں.....“ علیہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”اوکے..... کم ٹومی..... آئی ایم ایٹ ہوم“ نگین نے جواب دیا۔

”آئی ایم کنک.....“ علیہ نے فون رکھ دیا۔

اور جلدی سے ٹراؤزر کے ساتھ چھوٹا سا کرتا پہنا اور بیک اٹھا کر کمرے سے باہر نکل۔

”تم..... کہاں جا رہی ہو؟“ ندرت بیگم نے اسے کچن کی کھڑکی میں سے دیکھ کر پوچھا۔

”ایک ضروری کام ہے“ وہ جلدی سے بولی۔

”سر پر وہ پند تو لو.....“ ندرت بیگم وہیں سے چلائیں مگر وہ سنی ان سنی کرتی ہوئی باہر چلی گئی اور گاڑی لے کر چیزی سے گیٹ سے باہر نکل

گئی۔ ندرت بیگم غصے سے دانت کچکچانے لگی..... پھر بڑبڑانے لگیں۔

تکین گھر پر اکیلی تھی..... سوائے ملازمین اور چکیدار کے گھر پر کوئی اور فرد موجود نہ تھا۔ تکین کی آنکھیں قدرے سوچی ہوئیں اور سرخ لگ رہیں تھیں۔ جیسے بے خوابی اور تھکاوٹ سے چور ہوں۔ اس نے اسطریں والی مٹی شرٹ کے ساتھ ڈائٹ سی پینٹ پہن رکھی تھی۔ وہ اسے اعجابی خوبصورت، وسیع اور ویل فرنیچرڈ ڈرائنگ روم میں لے گئی۔

”کیا ہوا“ علیہ..... وہاں پہنچا؟“ تکین نے نرمی سے اس کا ہاتھ اپنے سونکے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔
 ”آئی ایم ویری کچ اپ سیٹ.....“ علیہ نے نرم آنکھوں سے کہا کیا گھر پر کوئی پرائیلم ہے.....؟ تکین نے پوچھا۔
 ”نہیں.....“ وہ گہری سانس لے کر بولی۔

”پھر.....؟“ تکین نے حیرت سے سوال کیا۔

”علیہ خاموش ہو گئی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اسے کیسے بتائے..... وہ ادھر ادھر دیکھنے لگی۔
 ”کیا تمہارا اپنے بوائے فریڈ سے جھگڑا ہو گیا ہے؟“ تکین نے اس کے حالیہ بوائے فریڈ اوئیس کے بارے میں پوچھا۔
 ”آئی بیٹ جیم..... میں نے اسے چھوڑ دیا ہے“ علیہ نے غصے سے جواب دیا۔
 ”کب.....؟“ تکین نے حیرت سے پوچھا۔

”لاسٹ ویک.....“

”کیوں.....؟“

”وہ مجھ سے فلرٹ کر رہا تھا..... محبت نہیں.....“ علیہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”جہیں کس نے بتایا.....؟“ تکین نے حیرت سے پوچھا۔

”اس نے خود.....“ علیہ نے نرم آنکھوں سے جواب دیا۔

”ہی انز..... سو..... بولڈ..... بٹ اٹ از امیزنگ.....“ تکین نے شستہ لہجہ میں کہا۔

”میرے ساتھ ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے..... پہلے جی اور سلمان نے ایسے کیا اور اب اوئیس نے.....“ تکین آئی ڈونٹ نو..... میرے ساتھ یہ لوگ ایسا کیوں کرتے ہیں..... میری فینکٹو کو ہرٹ کرتے ہیں..... میں تو ان کے ساتھ Sincere ہوتی ہوں..... پھر یہ لوگ..... آئی ڈونٹ نو..... ہر بار ایسا کیوں ہوتا ہے؟ علیہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

فیک اٹ ایزی..... مائی ڈیز..... دس از لائف..... اور لائف میں ایسا ہوتا ہے تم بھی ہر بوائے فریڈ کو انجوائے کیا کرو..... ان کے بارے میں سیریس مت ہوا کرو..... جب تم انہیں لٹ نہیں کراؤ گی..... خود تمہارے پیچھے آئیں گے.....“ تکین نے مسکرا کر بتایا۔

”تکین..... مجھے بوائے فریڈ ڈیجیٹ کرنا پسند نہیں..... لیکن وہ مجھے چھوڑ کر نئی گرل فریڈ بنا لیتے ہیں“ علیہ نے روتے ہوئے کہا۔ دس از وہاں..... آئی ایم ٹیلنگ یو..... فوئبل وودیم.....“ تکین نے لاپرواہی سے کہا۔

”کیا تم وقاص کے بارے میں پوزیشنیں ہو؟ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔
”میں نے اس کو چھوڑنے کا فیصلہ کر لیا ہے“ نگین نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔
”کیوں.....؟ علیہ کو ایک دم جھٹکا لگا۔

”یہی اذات فہر میں..... جب مجھے اس سے اچھا پارٹنر مل رہا ہے تو میں کیوں اس کے ساتھ شادی کروں“ نگین نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”کون.....؟ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”فاخر..... ڈیڑی کے بزنس پارٹنر کا بیٹا ہے..... امریکہ سے آیا ہے..... برسوں وہ لوگ ہمارے گھر آئے تھے۔ ویری ہائس جنٹلمین..... ڈیڑی کو بھی وقاص پر بہت غصہ ہے..... نہ بزنس میں سیریس ہے اور نہ لائف میں.....“ نگین نے قدرے خشکی سے کہا تو علیہ حیران رہ گئی..... ایک ماہ پہلے دونوں کی باقاعدہ ملاقات ہوئی تھی۔ وقاص اس کا کزن تھا اور دونوں ایک دوسرے کو بہت پسند کرتے تھے اور اب اچانک وہ وقاص سے متعلق ہو گئی تھی۔
”مائی ڈیئر..... زندگی بہت قیمتی ہے اور اسے نہ تو صرف ایک شخص کے لئے گزارنی چاہیے اور نہ ہی اس شخص کو زندگی میں آخری سمجھنا چاہیے..... زندگی میں ایسے چارٹر لٹے رہتے ہیں۔ پہلے جی سلمان اور پھر اویس..... اب یقیناً کوئی اور بھی آئے گا..... لی ہو پفل“
نگین نے ہر امید لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا تو علیہ ہلکے سے مسکرا دی۔ نگین..... آئی ایم ٹاٹ ہو پفل اینڈ کوئی فینڈ لائیک.....“ علیہ نے سر دوا دھرتے ہوئے کہا۔

”یو ہڈ بی..... مائی ڈیئر“ نگین نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا کم آن۔ ڈیئر۔ ڈونٹ لی سوچتی نگین نے پھر کہا۔ تم اس وقت بہت برٹ ہو۔ جسٹ اے منٹ۔ اور نگین نے ڈرائنگ روم کے ساتھ ملحقہ ڈرائنگ روم کی ایک کینٹ سے دسکی نکالی اور اس کے دو پیگ بنا کر لے آئی یہ تو جہیں اس کی ضرورت ہے۔ گلاس پکڑاتے ہوئے کہا۔

علیہ نے اس کی جانب دیکھا اور پھر گلاس پکڑ لیا۔ دونوں آہستہ آہستہ پیٹے لگیں..... اور ایک دوسرے کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگیں۔ علیہ جو چند لمبے پہلے بہت برٹ تھی اور بہت رورہی تھی ایک دم ریٹیکسڈ ہو گئی اس نے اپنے آپ کو ہواؤں میں اڑتے ہوئے محسوس کیا۔ ساری ٹیوشن اور سارا ڈیپریژن ختم ہو گیا تھا۔ اس کی آواز قدرے بھاری ہونا شروع ہو گئی۔ اس نے صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکایا۔

”نگین..... آئی ایم ان ٹو داسڈ“ علیہ نے مسکراتے ہوئے کہا..... دو گھر سے جو سوچ کر آئی تھی اور نازل حالت میں اس سے اپنے دل کی بات کہتے ہوئے بچھا رہی تھی۔ نشے کی حالت میں اس نے صاف صاف کہہ دیا۔

”ریٹلی.....“ نگین نے بھی مدھوش لہجے میں کہا۔

”ہس..... سی ازا مہرنگ میں..... ویری چارمگ..... ویری سویٹ..... اس روز پارٹی میں اس سے ملاقات ہوئی تھی۔ آئی ڈونٹ تو..... کہ مجھے کیا ہو گیا ہے..... مجھے اس سے محبت ہو گئی ہے..... پلیز کوئی کمب ہم..... اور اسے بتاؤ کہ علیہ اس سے محبت کرتی ہے“ علیہ نے بہت پر جوش

انداز میں کہا نگین مسکرانے لگی اور اپنے موہاں سے اس کا نمبر ملانے لگی اور پتھر آن کیا۔ "بیلو..... اسد..... لیس آئی ام نگین..... ہاؤ آر یو.....؟"
نگین نے اپنے لب دلچسپ پر قابو پاتے ہوئے کہا مگر اس کی آواز کہیں کہیں بڑھ کر اڑی تھی۔

"اسد..... ڈیوڈ ریگھر علیہ....." نگین نے پوچھا۔

"لیس..... یو فریڈ؟" اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

"اوہ لیس آف کورس..... شی ازا پریٹ ہائے یو....." نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"شی ازابلس ٹو....." اسد نے بھی تعریف کی۔

علیہ اپنی تعریف سکر مسکرانے لگی۔

"شی اڑودی..... آپ سے بات کرنا چاہتی ہے" نگین نے کہا۔

"سوری..... نگین..... آئی ایم بڑی ڈو..... پھر بات کروں گا۔" اسد نے کبہ کر فون بند کر دیا۔

علیہ کے چہرے پر افسردگی چھا گئی۔

تم نے دیکھا..... اسد نے بھی مجھ سے بات نہیں کی "اور وہ اچانک پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ نگین حیرت سے اسے دیکھتی رہی اور پھر وہ بھی اس کی طرح رونے لگی..... دونوں ایک دوسرے کے گلے لگ کر کافی دیر روتی رہیں اور انہیں اس بات کا خود بھی احساس نہیں تھا کہ وہ کیوں رو رہیں تھیں۔

"جسٹ اے..... منٹ..... آئی ڈانٹ سمعٹک مور" اور نگین اٹھ کر چلی گئی جا کر سگریٹ کیس اٹھا لائی اور ایک سگریٹ سٹگا کر علیہ کو دیا اور ایک خود پیتے گئی۔ ڈرائنگ روم میں ہر طرف دھواں پھیلا تھا اور وہ دونوں سونے پر ادھر ادھر گری تھیں۔

رات گہری ہونے لگی تھی۔ ہر طرف گہرا اندھیرا چھا گیا تھا۔ نگین نے اٹھ کر لائٹس آن کیں۔ اس نے کلاک کی طرف دیکھا۔ رات کے دس بج رہے تھے علیہ تین بجے ان کے گھر آئی تھی۔ اب نشہ کچھ کم ہوا تھا اور وہ ہوش میں آ رہی تھیں۔ نگین نے کلاک دیکھا۔ دس بج رہے تھے۔

"اوہ مائی گاڈ..... اتنا ٹائم گزر چکا ہے۔" نگین نے علیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ علیہ کا موہاں اس کے بیک میں مسلسل بج رہا تھا اور علیہ کو اس کی کوئی ہوش نہ تھی۔ نگین نے اس کا بیک کھول کر موہاں دیکھا۔

"علیہ..... یو ر ماز کا ٹنگ۔" نگین نے موہاں دیکھتے ہوئے کہا۔

"شی اڑنٹ مائی ماما..... آئی سیٹ ہر۔" وہ منہ بسورتے ہوئے بولی۔

"علیہ..... بات کرو..... وہ پریشان ہو رہی ہوں گی۔" نگین نے کہا۔

"آئی ڈونٹ ڈانٹ....." اس نے ہاتھ کوٹنی میں ہلاتے ہوئے کہا۔ نگین نے جھج آ کر موہاں کان سے لگایا۔

"لیس..... نگین ہسکیٹنگ..... ہاں علیہ ادھر ہی ہے..... وہ ابھی آ رہی ہے۔" نگین نے کبہ کر موہاں آف کر دیا۔

علیہ..... وہ بہت پریشان ہیں..... یوسٹ گوبوم..... کیا تم ڈرائیونگ کر لو گی..... یا میں ڈرائیونگ کو سمجھوں۔“ انگین نے پوچھا آئی ایم آل رائٹ.....“ اور وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھی اور انگین اسے گاڑی تک چھوڑنے آئی۔ علیہ بہت تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتی ہوئی جاری تھی۔ راستے میں اس نے کتنے ٹریفک سگنلز توڑے، سارا جنٹ و سٹارٹ کرتے رہ گئے مگر وہ تیز رفتاری سے ڈرائیونگ کرتی ہوئی گھر پہنچی۔

”کہاں تھیں تم..... یہ وقت ہے گھر آنے کا؟ عذرت بیگم نے اسے گھر میں داخل ہوتے دیکھ کر غصے سے ڈانٹا۔ اس نے ان کی بات سنی ان سنی کی اور اپنے بیڈروم کی طرف جانے لگی عذرت بیگم نے اس کی نیم مہوشی اور لڑکھڑاتی چال کو بغور دیکھا۔“ علیہ..... ادھر آؤ“ عذرت بیگم غصے سے چلاتے ہوئے بولیں مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔ عذرت بیگم خود غصے سے آگے بڑھیں اور اس کے چہرے کے قریب اپنی ٹانگ کر کے کچھ میل کیا۔

”کیا تم نے شراب پی ہے؟“ عذرت بیگم انتہائی غصے میں چلاتے ہوئے بولیں۔

”ہاں.....“ اس نے پر مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

”بدلتیز..... اب تم نے یہ حرکتیں بھی شروع کر دی ہیں۔“ عذرت بیگم نے تراخ سے دو تین تھپڑ اس کے چہرے پر لگائے۔ علیہ کو قطعی امید نہ تھی کہ ماس حد تک بھی جاسکتی تھیں۔ علیہ اونچی آواز میں چلانے لگی۔

”آپ نے مجھے مارا..... میں ابھی پاپا کو کال کرتی ہوں۔“ علیہ نے غصے سے کہا اور اپنے موبائل پر پاپا کا نمبر ملائے لگی۔ وہ زار و قطار رو رہی تھی اور اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

”ہیلو..... پاپا..... ممانے مجھے مارا ہے۔ آئی ایم ہینک یو..... میں یہ گھر چھوڑ کر چلی جاؤں گی۔“ وہ چلاتے ہوئے بولی۔

عذرت بیگم نے اس کے ہاتھ سے موبائل چھین کر بات کی میں بتاتی ہوں..... یہ کیا کچھ کرتی ہے..... شا کر اس نے اس وقت شراب پی رکھی ہے..... میں..... اس لڑکی کو نہیں سنبھال سکتی آپ خود آ کر سنبھالیں۔“ عذرت بیگم بھی غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔

”عذرت..... علیہ کو فون دو۔“ شا کر ملی نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں عذرت سے کہا اور علیہ کو فون پکڑا لیا۔

”علیہ..... جیے..... میں بہت جلد آ رہا ہوں۔ میرے آنے تک ممانے کوئی جھگڑا نہیں کرنا..... میں خود آ کر اس سے بات کروں گا.....

پلیز بیٹا..... پاپا کی بات مانو گی نا۔“ شا کر ملی نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ اونچی آواز میں روتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

لاؤنج میں رکھا ٹیلی فون بجنے لگا۔ عذرت بیگم نے فون اٹھا لیا۔

”عذرت..... پلیز..... علیہ کا خیال رکھنا..... اور اس بات کی خبر کسی کو نہیں ہونی چاہیے..... ورنہ بہت شرمندگی ہوگی..... میں جلدی آنے

کی کوشش کرتا ہوں..... اور پلیز اس سے آجکل مت الجھنا..... کہیں وہ ہاتھ ہو کر کوئی آرٹھریٹس اسٹپ نہ اٹھالے۔ میں بہت پریشان ہو گیا ہوں.....“ شا کر ملی نے بہت رنجیدہ لہجے میں کہا تو عذرت نے سر آہ بھری۔

”ٹھیک ہے.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی اور فون بند ہو گیا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

شام ہو رہی تھی اور رشیدہ ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھی۔ منی اور راشد کو بہت بھوک لگ رہی تھی۔ راشد ہار ہار کچن میں جاتا۔ خالی برتن دیکھ کر زور زور سے انہیں زمین پر مارتے ہوئے بڑبڑاتا۔

”اماں ابھی تک نہیں آئی..... بھوک سے جان نکل رہی ہے..... ایک تو اس گھر میں کھانا بھی اٹھیں نہیں ہوتا.....“ راشد نے اٹھیں لیس سٹیل کی پلیٹ زور سے زمین پر ماری سدرہ کمرے میں سے دوڑتی ہوئی کچن میں آئی۔

”کیا تکلیف ہے تجھے.....؟ سدرہ نے غصے سے اسے ڈانٹا۔

”آپا..... میرے منہ مت لگو..... اسوقت میرا دماغ محوم رہا ہے۔ بھوک سے مجھے چکر آ رہے ہیں..... اب تو مجھ سے منہ ماری مت کرنا۔“ راشد نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

”بھوک سب کو لگی ہے..... میں اور منی بھی میچ سے بھوکے ہیں..... مگر تیری طرح چلا تو نہیں رہے..... اماں آنے والی ہے تجھ سے تھوڑی دیر بھوک برداشت نہیں ہو سکتی۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”نہیں ہو سکتی.....“ وہ بھی غصے سے چلایا۔

”دروازہ کھلا اور رشیدہ جھکی باری گھر میں داخل ہوئی۔ منی بھوک سے بے قرار ہو رہی تھی اور خاموشی سے کچن میں بھی چار پائی پر بیٹھی تھی۔ رشیدہ کو دیکھ کر اس کے چہرے پر ایک دم خوشی کے تاثرات نمایاں ہو گئے۔ جب اس نے رشیدہ کے ہاتھ میں بڑا سا شاپر دیکھا۔

”اماں..... تو نے اتنی دیر کیوں لگا دی..... بھوک سے میری جان نکل رہی ہے۔“ راشد کچن سے باہر نکل کر ماں کو قدرے ڈانٹتے ہوئے بولا۔

”بیٹا..... لال کوٹھی والوں کے گھر آج دعوت تھی..... کھانے کے سارے برتن دھو کر آ رہی ہوں۔ قارغ ہوتی تو آتی نا..... اور بیگم صاحبہ تو کام پہ کام نکال رہی تھی..... کینٹ مارے برتن ختم ہونے کو ہی نہیں آ رہے تھے..... چل ادھر آ کھالے۔“ رشیدہ نے راشد کو پیار سے اپنے پاس بلاتے ہوئے کہا اور انہوں نے چار پائی پر بیٹھے بیٹھے ہی لٹاف چماڑ کر کھانے کی چیزیں نکالیں۔ سدرہ کچن میں سے برتن لے آئی۔ مٹروں والے چاول اور تھوڑا سا سالن تھا۔

”اماں..... دعوت کے بعد انہوں نے تجھے صرف یہ کھانا دیا ہے.....؟ راشد نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... سارے گوشت کے سالن اور چکن روٹ بیگم صاحبہ نے سنبھال کر فرنیج میں رکھ دیئے..... مگر میں نے بھی دو تین یونیاں تیرے لیے چھپا کر نکال لیں.....“ اور رشیدہ نے ایک چھوٹے سے شاپر میں سے چکن روٹ کی دو تین یونیاں نکال کر راشد کو دیں۔ سدرہ کو ماں کی اس حرکت پر قصداً نے لگا۔ راشد دو منٹوں میں ان یونیوں کو چپا کر کھا گیا اور کھانا کھا کر گھر سے باہر نکل گیا۔ سدرہ کا دل بہت برا ہو گیا تھا۔ اسے رشیدہ پر قصداً نے لگا تھا مگر وہ خاموش رہی اور کمرے میں جا کر اپنی کتاب کھول کر پڑھنے لگی۔

”اے سدرہ..... آ..... تو بھی کچھ کھالے..... کیا تجھے بھوک نہیں لگی؟ رشیدہ نے اسے آواز دی۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ اس نے اندر سے ہی جواب دیا۔

”لے تجھے کیوں بھوک نہیں لگی؟ باقی سب تو بھوک سے مر رہے تھے۔ ضرور تیرے دماغ میں پھر کوئی فتور آ گیا ہوگا“ رشیدہ اسے کوٹنے لگی مگر وہ خاموش بیٹھی رہی۔

”اے مٹی..... جا..... اسے جا کر کہہ..... کہ باہر آئے اور کچھ کھا مر لے۔“ رشیدہ نے غلٹی سے کہا۔

مٹی اندر گئی..... اور سردہ کی طرف استغہامید لگا ہوں سے دیکھا۔

”آپا..... اماں..... بلا رہی ہے..... آ کر کھانا کھالے.....“ مٹی نے کہا۔

”میں نے کہا ہے..... نا..... مجھے بھوک نہیں.....“ سردہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”آپا..... تو نے کیا کھایا ہے کہ تجھے بھوک نہیں“ مٹی نے قدرے مصومیت و حیرت سے پوچھا۔

”میرا پیٹ خراب ہے.....“ سردہ نے اسے نالٹا چاہا۔

مٹی نے خاموشی سے اس کی جانب دیکھا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

”اماں..... آپا کا پیٹ خراب ہے“ مٹی نے رشیدہ سے کہا۔

”ہاں..... اس کے پیٹ میں تو ایسے ہی مردزائے رچے ہیں چار بھائیوں کی پڑھ رہی ہے۔ اس کا دماغ خراب ہوتا جا رہا ہے..... چل

اٹھا..... یہ برتن..... اور کچن میں رکھ دے۔“ رشیدہ نے مٹی سے کہا تو وہ برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔

”یا اللہ میاں! اماں کی چرائی ہوئی چیزیں نہیں کھا سکتی۔ میں کیا کروں..... میرا ذہن بہت پریشان ہو رہا ہے۔“

سردہ نے بہت بے بسی سے سوچا۔ اسے بھوک بھی بہت لگ رہی تھی مگر وہ اس کھانے کو نہیں کھانا چاہتی تھی۔ جو رشیدہ لائی تھی کیونکہ اسے

ٹھک تھا کہ رشیدہ وہ چاول بھی چرا کر نہ لائی ہو..... رشیدہ ہر روز تو کوئی نہ کوئی چیز چرا کر لاتی تھی۔ کبھی پھل..... اور کبھی گوشت کبھی جوس کے ڈبے.....

وہ خاص طور پر راشد کے لئے چرا کر لاتی تھی اور بڑی محبت سے اسے پاس بٹھا کر کھلاتی تھی۔ سردہ کو رشیدہ سے ان باتوں کی وجہ سے نفرت ہوتی جا

رہی تھی مگر وہ خاموش رہتی تھی۔ رشیدہ اور اس میں کشیدگی روز بروز بڑھتی جا رہی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ مٹی نے دروازہ کھولا تو ایک لڑکی پلٹ میں مٹھائی اور چاول لیے کھڑی تھی۔

”سردہ ہاجی کہاں ہے؟ لڑکی نے پوچھا۔

”وہ اندر ہے..... تم کون ہو؟ مٹی نے پوچھا۔

ساتھ والی مٹی سے آئی ہوں۔ مومنہ ہاجی نے یہ مٹھائی اور چاول سردہ ہاجی کو بھیجے ہیں۔“ لڑکی بتا رہی تھی کہ سردہ اسکی آواز سن کر باہر آئی

اور پلٹیں پکڑ کر کچن میں چلی گئی۔ اپنی پلٹوں میں چاول اور مٹھائی ڈال کر وہ ان کی پلٹیں دھو کر وہاں سے آئی۔

”مومنہ ہاجی کو شکریہ بولنا..... اور کہنا میں کل آؤں گی“ سردہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور دروازہ بند کر کے کچن میں چلی گئی۔ ایک پلٹ

میں مچھن تھا اور دوسری میں رس تھے گلاب جاسن اور برنی..... وہ دیکھ کر مسکرانے لگی اور تشکر کے مارے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اسے یوں

محسوس ہونے لگا جیسے اللہ نے چند لمحے پہلے مانگی ہوئی دعائیں لی ہو..... اور اسے اپنے پاس سے پاکیزہ اور حلال رزق بھیجا ہو..... وہ اندر بیٹھ کر چاول کھانے لگی اور ایک پلیٹ میں مٹی کو مٹی ڈال کر دیئے۔

”آپا..... حیرانہ تو خراب تھا۔“ مٹی نے حیرت سے پوچھا۔

”اب ٹھیک ہے.....“ اس نے مسکرا کر جواب دیا اور مٹی حیرت سے اسے دیکھتی ہوئی پلیٹ اٹھا کر باہر لے آئی۔

”یہ چاول کھاتے ہوئے تو اس کا پیٹ خراب نہیں ہوگا۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

”نہیں..... اماں..... اب آپا کا پیٹ ٹھیک ہے۔“ مٹی نے جواب دیا۔

”میں سب جانتی ہوں..... کتنے دن میرے لائی ہوئی چیزیں نہیں کھائے گی..... حرام خورد کو میری اٹھائی ہوئی چیزیں یاد دہاتی ہیں۔ یہ نظر نہیں آتا کہ صبح سے شام تک کس طرح کلیہ کے تیل کی طرح جتی رہتی ہوں۔ جسم کا ایک ایک جوڑ دکھتا ہے۔ ہڈیوں میں درد رہتا ہے۔ اس کی اسے کوئی پروا نہیں یہ سب کچھ اسے نظر نہیں آتا۔ رشیدہ باہر چار پائی پر لپٹی اونچی آواز میں بڑبڑاتی رہی۔ مگر سردہ خاموشی سے چاول کھاتی رہی۔ اس کے اندر رفتہ رفتہ یہ ایمان بڑھتا ہوا تھا کہ انسان جب کسی بری شے سے بچنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اللہ بھی اس کی ضرورت دیکھتا ہے..... اور وہ سوچے میں مصروف تھی کہ کس طرح وہ اپنا کھانا چھٹا لٹا لٹا سے علیحدہ کر سکتی ہے۔ یہ بہت ناممکن نظر آ رہا تھا اس کو کڑھائی سے جتنے پیسے ملتے تھے ان سے بمثل اس کی کالج کی فیس اور خرچہ لگا تھا۔

وہ کمرے سے باہر نکلی تو رشیدہ نے نہایت غصے سے اس کی جانب دیکھا تو نے جو حرکتیں شروع کی ہیں نا..... وہ ٹھیک نہیں..... تو تو میرے دوسرے بچوں کو بھی خراب کر رہی ہے۔ میں کل ہی زاہدہ کو بلاتی ہوں اور ان کو ہاتھ جوڑ کر کہتی ہوں کہ اس بلا کو میرے گھر سے لے جائیں..... اور پھر دیکھتی ہوں۔ وہاں جا کر..... زاہدہ کے سامنے تو کیسے پر مارتی ہے۔

”رشیدہ نے غصے سے کہا تو وہ خاموشی سے سختی رہی اور پھر کمرے میں چلی گئی۔ دو سال پہلے اس کی ماموں کے گھر منتقلی ہو گئی تھی۔ زاہدہ اس کی ممانی تھی جہاں تنہائی لڑا کا اور تیز طرار قسم کی عورت تھی۔ کاشف واپڈا میں ملازم تھا۔ ماموں کی وفات کے بعد ٹھکے والوں نے کاشف کو نوکری دی تھی اس وقت اس نے دسویں جماعت کا امتحان دیا تھا۔

وہ بطور لائسنس میں بھرتی ہو گیا۔ کاشف اور سردہ بچپن سے اکٹھے کھیلتے آئے تھے اور دونوں میں بہت دوستی تھی۔ رشیدہ کے شوہر کی جب وفات ہوئی تو سردہ چھ سال کی۔ راشدہ تین برس کا اور مٹی ایک سال کی تھی۔ رشیدہ کو بھائی اپنے گھر لے آیا۔ وہ کچھ عرصہ بھائی کے گھر رہی مگر آئے روز زاہدہ اور رشیدہ کے بچوں میں لڑائیاں ہوتیں اور ان لڑائیوں کو بھانہ بنا کر زاہدہ، رشیدہ سے لڑتی رہتی۔ بھائی نے روز روز کی چیخ چیخ سے ٹھگ آ کر رشیدہ کو ایک کمرے کا گھر کرائے پر لے دیا اور خود اس کا کرایہ دینے لگا۔ رشیدہ نے لوگوں کے گھروں میں کام کرنا شروع کر دیا اور گزر بسر ہونے لگی۔ کاشف باپ کی وفات کے بعد بہت کمائی کرنے لگا تھا۔ دو بہنوں کی بھی شادی ہو گئی تھی۔ اب کاشف کی باری تھی۔ زاہدہ کھاتے پیتے گھرانے میں اس کی شادی کرنا چاہتی تھی مگر کاشف کی ضد کے آگے ہار مان گئی اور بہت بے دلی سے سردہ کے ساتھ اس کا رشتہ بکا کر دیا مگر جب بھی آتی سردہ کے

ساتھ طریقہ کھنکو کرتی اور اس کے جانے کے بعد سدرہ جلتی کڑھتی رہتی۔ کاشف بروہر سے تیسرے روز ان کے ہاں آتا تو سدرہ بھی جھکی جلتی۔ اور اسے وجہ معلوم ہو جاتی..... وہ زاہدہ کے رویے کی معافی مانگتا اور ہمیشہ اسے یقین دلاتا کہ شادی کے بعد وہ ٹھیک ہو جائے گی مگر سدرہ ہمیشہ زاہدہ کی جانب سے خوفزدہ رہتی۔ رشیدہ جب بھی اس سے جھگڑتی تو یہی دھمکی دیتی کہ وہ اس کی جلد از جلد شادی کر دے گی۔ سدرہ ہر بار ماں کی بات سن کر خاموش ہو جاتی کیونکہ وہ مطمئن تھی کہ جب تک اس کے الف اے کے امتحانات نہیں ہو جاتے وہ شادی نہیں کرے گی اور یہ بات اس نے کاشف کو صاف صاف بتا دی تھی اور وہ بھی مان گیا تھا۔ اسے یہ سکون تھا کہ کاشف اس سے اور وہ کاشف سے محبت کرتی تھی۔ کاشف اس کی بات سنتا تھا مگر کرتا وہی تھا جزا زدہ کہتی تھی اور سدرہ اس بات کو زیادہ طول نہیں دیتی تھی کیونکہ وہ زاہدہ کی غفلت کو اچھی طرح جانتی تھی وہ ایسا بات کا جھگڑنا کڑائی شروع کرتی کہ وہ لڑائی ختم ہونے کو نہ آتی۔ اس لئے سدرہ زیادہ تر خاموش ہی رہتی۔ وہ پڑھی لکھی اور سمجھدار تھی۔ مذہبی سمجھ بوجھ بھی رکھتی تھی اور اپنی ذمہ داریوں کا بھی اسے بہت احساس تھا۔ اسی لئے مومنہ اور مریم سے اس کی بہت دوستی تھی زکیہ آپا سے اپنی مینیوں کی طرح چاہتی تھیں۔ وہ کالج سے آنے کے بعد چار بجے ان کے پاس قرآن پاک ترجمہ تفسیر سے پڑھنے جاتی تھی۔ ایک محنتور ہاں پڑھ کر آتی اور واپس آ کر اپنی پڑھائی، مگر کے کام اور رات گئے تک لوگوں کی لمبوں اور دوپٹوں پر کڑھائی کرتی۔

وہ قرآن پاک پڑھنے لگی تو مومنہ شدت سے اس کی منتظر تھی۔ ”کیا بات ہے سدرہ..... تم دونوں سے آئی نہیں..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک تھی۔“ مومنہ نے محبت سے پوچھا۔

”ہاں..... بس یونہی.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”مجھے محسوس ہو رہا ہے..... جیسے تم کسی الجھن کا شکار ہو۔“ مومنہ اس کی جانب بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں کیا مجھے کچھ نہ ہو سکتی ہیں..... مگر کے حالات کچھ تنگ ہو رہے ہیں۔“ سدرہ کل کر اسے اندر کی بات نہیں بتاتا چاہ رہی تھی۔

”اگر تمہیں زیادہ ضرورت ہے تو میں تمہیں دو تین نوٹوں بھیج دوں گی مریم کے امتحان ہونے والے ہیں۔ بلکہ یوں کیا کرو تم ادھر ہی انہیں پڑھا لیا کرو..... اور میں تمہیں ان کی ٹوشن کے پیسے دوں گی اور تمہاری مدد بھی پڑھانے میں کروں گی۔“ مومنہ نے کہا۔

”شکریہ ہائی..... آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔“ سدرہ نے مسکرا کر کہا۔

”لیکن سدرہ..... تمہیں چار کی بجائے تین بجے آنا پڑے گا؟ مومنہ نے کہا۔ ”ہاں کالج سے گھر پہنچے ہوئے مجھے تین بج جاتے ہیں۔“

سدرہ نے جواب دیا۔ ”تو..... تم کالج سے سیدھی ادھر آ جایا کرو..... کیا گھر میں تم نے کھانا پکھا ہوتا ہے؟ مومنہ نے پوچھا۔

”نہیں..... وہ تو ماں آ کر بناتی ہے۔“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

”تو..... بس ٹھیک ہے..... تم کالج سے سیدھی ادھر آ جایا کر“ مومنہ نے کہا تو وہاں گئی۔

اس نے گھر جا کر رشیدہ کو بتا دیا کہ کل سے وہ کالج سے ہی مومنہ کے گھر جانے کی تو وہ ایک دم بھڑکی۔

”کیوں..... گھر میں تیرا دل نہیں لگتا۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"اماں..... وہیں مجھے دو تین بچوں کی ٹیوشنل ری ہیں۔" اس نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

"اور وہ بچے یہاں نہیں آ سکتے..... یا پھر تو نے گھر سے دور رہنے کا بہانہ ڈھونڈ لیا ہے۔ اپنے بہن بھائیوں کی تجھے فکر نہیں..... اتنا نہیں کرتی کہ راشد اور مٹی کو ہی پڑھا دے۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔ اماں..... تو..... تو خود اس کی گواہ ہے۔ جب بھی راشد کو پڑھنے کے لئے کہتی ہوں وہ بڑے بیٹھ جاتا ہے اور رات کو کتاب کھولتا ہے تو اسے نیند آ جاتی ہے اور مٹی رات کو مجھ سے بڑھ کر سوتی ہے اور ویسے بھی کالج سے گھرا کر میں فارغ ہو جاتی ہوں۔ اس لئے میں نے ٹیوشن پڑھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔" سدرہ نے وہ ٹوک لہجے میں کہا۔

"جب تو نے فیصلہ کر لیا ہے تو پھر مجھ سے کیا پوچھتی ہے۔ ہر بات میں تو اپنی مرضی کرنے کی عادی ہے۔ مجھے تو بس تو اوپر اوپر سے بتاتی ہے..... جا جو مرضی کرو۔" رشیدہ نے غصے سے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ رشیدہ کی فطرت ہی ایسی تھی۔ اس سے سیدھی بات کرتی تو وہ الٹ پڑ جاتی اور جب اس سے کوئی بات نہ کرتی تو اس پر بھی خفا ہو جاتی۔ دونوں میں ہر وقت یوں کھٹ پٹ ہوتی رہتی جیسے ساس بہو میں ٹوک جھونک چلتی ہے۔ دونوں کے مزاج میں زمین آسمان کا فرق تھا۔ رشیدہ کو سب سے زیادہ محبت راشد سے تھی۔ راشد جو بھی الٹا کام کرتا وہ اس کا دفاع کرتی۔ ہر بات میں اس کا ساتھ دیتی اپنے کھانے کا حصہ بچا کر اس کے لئے رکھتی۔ اس نے کٹھنوں سے زیادہ کھانے کی چیزیں راشد کے لئے چرائیں تھیں۔ اس کا دل دکھتا تھا جب امیروں کے بچے نئے کھانے کھاتے۔ آدھا کھاتے اور زیادہ چھوڑتے..... اور وہ چھوڑا ہوا کھانا کچرے میں ڈال جاتا۔ اکثر چھوٹے گوشت کی بجلی ہوئی بوٹیاں، کباب اور چکن روٹ..... تو اس کا دل بری طرح دکھی ہوتا کہ اس کا ایک ہی بیٹا ہے اور وہ کس طرح کھانے کو ترستا رہتا ہے اور یہ لوگ بھر بھر پلٹیں کچرے میں ڈال دیتے ہیں تو اس کا یہ حق بنتا ہے کہ وہ ان کے کھانوں سے اپنے بچے کے لئے بھی نکال کر لے آئے..... ویسے بھی تو انہوں نے کچرے میں ہی پھینکنا ہوتا ہے اور وہ اپنی اس سوچ کو ٹھیک سمجھتی تھی اور اس کو کسی بھی صورت میں تہدیل نہیں کرنا چاہتی تھی اور سدرہ ہمیشہ ماں سے جھگڑتی تھی کہ وہ راشد کو ضرورت سے زیادہ پیار کرتی ہے اور ہر جائز و ناجائز بات میں اس کا ساتھ دیتی ہے اور..... اسی وجہ سے وہ مجزتا جارا ہے اور رشیدہ..... راشد کے بارے میں تو ایک لفظ بھی سننے کو تیار نہ تھی۔ اس کو تو ساری دنیا میں راشد سے بڑھ کر کوئی بھی عزیز نہ تھا۔ وہ اگر جیتی تھی تو راشد کے لیے اور اس کی سوچ بھی تھی کہ بڑھاپے میں راشد نے اس کا سہارا بننا ہے۔ سدرہ اور مٹی نے نہیں..... اس لئے وہ لڑکیوں کو زیادہ اہمیت نہ دیتی۔ راشد جس چیز کی خواہش کرتا، چاہے وہ کھٹی دالوں سے مانگ کر لاتی یا چرا کر لاتی وہ اس کی فرمائش ضروری پوری کرتی..... سدرہ اور مٹی کی ضرورتوں کو وہ کوئی اہمیت نہ دیتی اور سدرہ کو اپنی اور مٹی کی ضرورت خود پوری کرنی پڑتی۔ رشیدہ کا رویہ بھی اس سے زیادہ تر سخت رہتا اور اس سختی کی وجہ بھی راشد تھا۔ سدرہ راشد کو اس کی حرکتوں..... اس کے گھومنے پھرنے سے ڈانٹتی اور رشیدہ کو غصہ آتا کہ کیوں ہر وقت بھائی کے پیچھے پڑی رہتی ہے۔ وہ نہ سکول جاتا تھا ہر وقت یا تو چھتوں پر پتھلیں اڑاتا نظر آتا۔ کبھی سائیکل پر لاگوں کو بٹھا کر گھومنے نکلتا ہوتا۔ ایک چکر گھر میں لگا جاتا..... پھر دو تین گھنٹے غائب رہتا، جب بھوک لگتی گھرا کر شور مچاتا۔ برتن تو زنا، گالیاں بکتا، بہنوں کے ساتھ لڑائی جھگڑا کرتا۔ جو چیز پسند نہ آتی کھانا کھاتی کر چلا جاتا اور پھر رات گئے گھر واپس آتا۔ سارے دن کا تھکا ہارا کھانا کھاتا۔ کتاب کھوتا اور سو جاتا..... اور سدرہ کو اس کی ان باتوں پر غصہ آتا تھا مگر رشیدہ کی وجہ سے اس نے اسے کچھ کہنا ہی چھوڑ دیا تھا۔

اگلے روز وہ کالج سے سیدھی ذکیہ آپا کے گھر چلی گئی۔ مومنہ بھی ابھی یونیورسٹی سے آئی تھی اور ذکیہ آپا اس کے لئے چارہ روٹی بنا رہی تھیں۔

”سدرہ بیٹے..... چارہ تارو..... اور منہ ہاتھ دھو لو..... میں تمہارے لیے بھی روٹی لاتی ہوں“ ذکیہ آپا نے محبت سے کہا۔
 ”نہیں آپاجی..... مجھے بھوک نہیں..... میں کالج سے کھا کر آئی ہوں۔“ سدرہ نے بہانہ بنانا چاہا جبکہ اس کے شکم، سوکھے ہونٹ اس کی بھوک اور پیاس کی انتہائی حالت کا اظہار کر رہے تھے۔

”کالج سے ضرور کچھ کھایا ہوگا لیکن دوپہر کا کھانا تو نہیں کھایا نا۔ اور سناوب ہر روز تم دوپہر کا کھانا یہاں کھایا کرو گی۔ میرے لئے جیسی مومنہ اور مریم..... ویسی تم..... یہ بھی تمہاری ماں کا گھر ہے..... اٹھو شام!“

ذکیہ آپا نے انتہائی شفقت اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس کی اپنی ماں میں ایسی محبت اور شفقت کی کتنی کمی تھی..... وہ جلدی سے اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور صابن سے منہ ہاتھ دھوتے ہوئے اس کے کتنے آنسو بہہ نکلے جنہیں اس نے پانی سے دھو ڈالا۔

وہ بچپن سے ذکیہ آپا کے ہاں آ رہی تھی اور وہ شروع سے ہی اس سے بڑی محبت سے پیش آتیں تھیں۔ رشیدہ جتنا ذکیہ آپا کو ناپسند کرتی تھی۔ سدرہ اتنا ہی انہیں پسند کرتی تھی۔ ذکیہ آپا کو وہ مریم اور مومنہ کی طرح ہی لگتی تھی کیونکہ وہ بھی ان کی طرح بچپن میں ہی یتیم ہو گئی تھی اور ذکیہ آپا کی طرح رشیدہ بھی بڑی مشکل اور محنت سے ان کی پرورش کر رہی تھی۔ وہ اکثر مومنہ اور مریم کے ساتھ سدرہ کے کپڑے بھی سی دیتیں۔ مومنہ کو جو سوٹ چھوٹا ہو جاتا وہ ٹھیک کر کے سدرہ کو دے دیتیں۔ سدرہ کے لئے ان کی محبت اور اذیت انہیں نہ تھی۔ سدرہ نے کھانا کھایا تو بچے آ گئے۔ مومنہ اور سدرہ انہیں پڑھانے میں مصروف ہو گئیں۔ مغرب کی اذان کا وقت ہو رہا تھا جب سدرہ گھر گئی۔ رشیدہ گھر آ چکی تھی۔ اسے دیکھ کر غصے سے مشتعل ہو گئی۔ اس کا چہرہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا۔ سدرہ کو اس کے تہہ ٹھیک نہیں لگ رہے تھے مگر وہ خاموش رہی۔ نماز پڑھ کر وہ کچن میں گئی۔ آج رشیدہ چکن پلاؤ اور زردہ لائی تھی۔ وہ لال کوٹھی میں کام کرتی تھی بہت بڑی کوٹھی میں ایک بہت بڑا کنبہ رہتا تھا۔ وہ دن بھر وہاں کام کرتی اور شام کو وہ اسے کھانا دے کر بھیجتے۔ یہ انہوں نے اس کی تنخواہ کے ساتھ ہی ملے کر لیا تھا۔ اسی لیے وہ دوپہر کو گھر میں کچھ نہ پکاتی..... شام کو ہی کھانا لے کر آتی اور اسی وقت بچے کھا لیتے..... جو تھوڑا بہت بچ جاتا دو رات کو کھا لیتے۔

”آپا..... تیرے لیے پلیٹ میں چاول رکھے ہیں۔“ منی نے پیچھے سے کچن میں آ کر کہا۔

”وہ تم کھا لینا..... میں نے مومنہ ہاتھی کے گھر سے کھالیا ہے۔“ سدرہ نے جواب دیا۔

”وہاں سے فقیروں کی طرح کھاتے ہوئے تجھے تکلیف نہیں ہوتی۔“ رشیدہ نے سن کر باہر سے غصے بھری آواز میں کہا۔ سدرہ خاموش رہی اور جا کر کمرے میں چار پائی پر لیٹ گئی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ اس کا دل بری طرح مضطرب ہونے لگا۔ اماں جان بوجھ کر ایسی باتیں کہتی تھی جن سے اس کا دل دکھتا تھا۔ اماں کی باتوں میں ہر وقت غلو ہوتا تھا اور ایسی غلو یہ باتیں سن کر اس کے اندر کڑواہٹ آتی جا رہی تھی

جن کا اظہار وہ راشداور منی سے جھگڑا کر کرتی تھی۔ گویا کہ بعد میں وہ اپنے رویے پر تادم بھی ہوتی۔

ذکیہ آپا کے گھر سے کھانا اسے اپنے گھر کے کھانے سے بہتر محسوس ہوتا ہے مگر میں جب بھی وہ کھانا کھاتی۔ تو وہ مضطرب ہو جاتی اس کے اندر شکوک و شبہات پیدا ہونے لگتے اور کراہت کا شدید احساس اس کے اندر جنم لینے لگتا مگر ذکیہ آپا کے گھر سے کھانا کرا سے محبت اور اپنائیت کا احساس ہوا تھا۔ ان کے رزق حلال میں سکون تھا اور اپنے گھر کے رزق میں بے سکونی تھی..... گویا کہ ذکیہ آپا کے گھر سے کھانا کھاتے ہوئے اسے شرمندگی بھی محسوس ہوتی تھی مگر اس شرمندگی میں کوئی کراہت اور بے سکونی نہیں تھی۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے قدرت نے اس کے لیے رزق حلال کا کوئی انتظام کیا ہو..... اور اس کا ایمان اس سوچ پر مزید پختہ ہونے لگا کہ انسان جب کسی برائی سے بچنے کا ارادہ کرتا ہے تو خدا اس کے لئے راستے آسان کر دیتا ہے۔“

وہ ہر روز ذکیہ آپا کے گھر سے کچھ نہ کچھ کھالیتی اور اس نے اپنے گھر سے کھانا کھانا ہانگل چھوڑ دیا تھا۔ صرف صبح ناشتہ کرتی اور وہ بھی اماں خود خیرہ کر لاتی تھی ان پیسوں میں سے جو اس کو مینے بھری محنت کے بعد تنخواہ کی صورت میں ملتے تھے اور اسے ماں کی کمائی میں شلک نہ تھا۔ وہ دن بھر محنت کر کے کما کر لاتی اور اس نے کبھی کسی کا ایک روپیہ بھی نہیں چر لیا تھا اور نہ ہی قیمتی چیزیں مگر وہ کھانے پینے کی چیزیں اپنا حق سمجھ کر چراتی تھی..... اور اسے اس کی سوچ سے کوئی بھی باز نہیں رکھ سکتا تھا۔ سدرہ بھی اسے قائل نہ کر سکی تھی اور راشداور منی کو ان باتوں کا شعور ہی نہ تھا۔ سدرہ کو ٹیوشن پڑھاتے ہوئے میز پر چکا تھا۔ مومن نے اسے تین بچوں کی ٹیوشن کے دو ہزار روپے بکڑائے تو وہ چونک گئی..... اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔ اتنی کڑھائی کر کے بھی اسے کبھی اتنے پیسے نہیں ملے تھے۔ مومن باقی..... ان میں سے آدھے آپ رکھ لیں۔“ سدرہ نے خوشی سے کہا۔

”لو..... بھلا..... میں کیوں رکھوں..... تمہاری محنت کے پیسے ہیں“ مومن نے کہا۔

”آپ نے بھی بچوں کو میرے ساتھ ٹیوشن پڑھائی ہے نا“ سدرہ نے جواب دیا۔

”انکی فضول باتیں مت کرو.....“ مومن نے اسے ڈانٹا اور محبت سے اسے سمجھانے لگی تو وہ خاموش ہو گئی۔

اگلے روز وہ کالج سے واپسی پر قدرے لیٹ ہو گئی..... ذکیہ آپا اس کے لیے بہت فکر مند ہونے لگیں۔ وہ تھوڑی دیر بعد آگئی تو بہت خوش تھی اس نے ایک لفافہ ذکیہ آپا کی طرف بڑھایا۔

”آپا جی..... میں ہزار ملی گئی تھی اس میں آپ کے لیے چادر ہے۔“ سدرہ نے محبت سے کہا۔

”بری بات..... بیٹی..... اتنی محنت کی کمائی کو یوں ضائع مت کرو۔“ ذکیہ آپا نے نرمی سے سمجھایا۔

”آپا جی..... آپ مجھ سے اتنی محبت کرتی ہیں..... میرا بھی دل چاہتا ہے اس محبت کا کسی طرح اظہار کروں۔“ اس نے بھی محبت سے

جواب دیا۔

”جیتی رہو..... بس دعا کرو یا کرو..... تمہاری یہ محبت ہی کافی ہے۔“ ذکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

”دو تھیں ہر نماز میں آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔“ سدرہ نے مسکرا کر کہا۔

”شکر یہ بیٹا..... اسی لیے ماں باپ کے لئے نیک اولاد اور استاد کے لیے اچھے شاگرد صدقہ جاریہ ہوتے ہیں۔ دونوں ان کے لیے سچے دل سے دعا نہیں کرتے ہیں..... اور سنو..... اپنی اماں کے لیے یہ چادر لے جاؤ“ زکیہ آ پائے لٹافہ واپس کرتے ہوئے کہا۔

”آپا بھی..... ایک چادر میں ان کے لیے بھی لائی ہوں“ سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”بہت اچھا کیا..... اللہ پاک نے تمہیں بہت بھعداری دی ہے اور بھعداری اسی سے ظاہر ہوتی ہے جب انسان اپنے فرائض اور دوسروں کے حقوق کا خیال کرتا ہے۔“ زکیہ آ پائے محبت سے سدرہ کے سر پر ہاتھ بھیرتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی مگر جا کر اس نے چادر ماں کو دی..... وہ حیرت سے اسے دیکھنے لگی کتنے میں خریدی ہے! رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”چادر روپے میں۔“ سدرہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”جج..... چا..... سو..... روپے..... اتنی مہنگی خریدنے کی کیا ضرورت تھی۔ لگتا ہے تیرے پاس کچھ زیادہ ہی پیسے آ گئے ہیں..... باتیں تو بہت کرتی ہے..... مگر کاراشن ہی ڈال لیتی..... بھلی کاٹل آیا تھا..... وی دے لیتی..... ہزار خرچے ہیں..... پر تجھے کیا پروا..... ہر جگہ..... اس..... عی سرے..... اور پھر ماں کو کیزے ڈالتی ہے..... تین پر کپڑے ڈھنگ کے نہ ہوں اور سر پر چادر روپے کی چادر لے کر پھرتی اچھی لگوں گی..... سنبھال کر رکھ..... اپنے لیے..... یا زائدہ کے لیے..... مجھے نہیں چاہیے..... اتنی مہنگی..... میں تو لوگوں کی اتر میں پہننے کی عادی ہوں۔“ رشیدہ مسلسل بولتی گئی اور ماں کے ایک ایک نقطہ کے بدلے اس کا دل ڈھکی ہوتا گیا وہ خاموشی سے اٹھ کر کمرے میں چلی گئی اور جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”جا..... منی..... یہ چادر اس کو کپڑا کر آ..... اپنے جینز کے صندوق میں سنبھال کر رکھ لے۔“ اس کے خون پینے کی کمانی کی ہے۔“ رشیدہ نے طعنے لگے میں کہا تو منی چادر اٹھا کر اندر چلی گئی۔ سدرہ کو روتے دیکھ کر انہی قدموں پر واپس آ گئی۔ اماں..... آپا رو رہی ہے۔“ منی نے کہا ”ایک تو اس کو..... کوئی بات کرو..... ذرا برداشت نہیں ہوتی۔“ سوے بہانا شروع کر دیتی ہے۔ لا..... ادھر پکڑا..... چادر..... میں رکھ لیتی ہوں۔“ رشیدہ نے منہ بنا کر چادر والا لٹافہ منی کے ہاتھ سے جھین کر چار پائی پر اپنے سر بانے رکھا اور کروٹ بدل کر سو گئی۔

☆

ڈاکٹر فکلین نے شراب نوشی پر ایک مخلص مضمون لکھا تھا۔ جس میں اس کے استعمال اعداد و شمار اس کے طبی و اخلاقی نقصانات کے بارے میں تفصیل لکھا تھا اور جو مختلف اخبارات میں شائع ہوا تھا۔ لوگ اس مضمون کو پڑھ کر ہچکے مگنے تھے اور سنجیدہ حزانہ والدین میں ایک اضطرابی لہر دوڑ گئی تھی۔ وہ بے حد فکر مند ہو گئے تھے۔ ڈاکٹر فکلین نے تمام مغربی ممالک میں شراب نوشی کرنے والوں کے اعداد و شمار لکھنے کے بعد لکھا تھا کہ یہ ایک ایسی لعنت ہے جس سے مغربی ممالک بھی ہلکا سا پانا چاہتے ہیں مگر انتہائی کوشش کے باوجود بھی وہ اس میں بری طرح ناکام رہے۔ مثلاً امریکہ نے شراب نوشی کی ممانعت کے سلسلے میں 1919ء میں قانون صادر کیا جس کو کانگریس نے بھی اتفاق رائے سے منظور کیا۔ اس قانون کے مطابق ہر وہ شخص قاتل سزا قرار پایا جو شراب کو چھپ کر یا اعلانیہ بنائے۔ اس کو فروخت کرے۔ یا اس کی تشریف اشاعت کرے۔ اس کو امپورٹ یا ایکسپورٹ کرے یا اس کو منتقل کرے یا اس کو اپنی مگرانی میں رکھے پھر عوام کو حفظان صحت، معاشرہ اور اخلاقی نقطہ نگاہ سے شراب کے خطرات سے آگاہ کرنے کے لئے

زبردست جدوجہد کی گئی اور 1933ء تک نافذ رہا اور اس دوران حکومت نے ایک ملین سے زائد اشخاص کو سزائیں دیں اور اکثریت کو جیلوں میں بند کیا گیا لیکن اس دوران شراب کی مختلف قسمیں پوشیدہ طور پر پھیل گئیں اور مجرموں کی پارٹیاں دھند میں آ گئیں اور یہ معاملہ اس حد تک بڑھ گیا کہ کانگریس نے مجبور ہو کر ستر اور سپر (cily) کو جائز قرار دیا اور دسمبر 1933ء میں قطعی طور پر پابندی اٹھائی۔ اس طرح امریکہ شراب پر پابندی لگانے میں ناکام ہو گیا۔ انہوں نے لکھا کہ تیس ملکوں بشمول امریکہ اور برطانیہ میں جنبل کے 86% جرائم Rape کے 50% جرائم شراب نوشی کی وجہ سے عمل میں آتے ہیں۔ اس طرح مختلف ممالک کا تجویہ کرنے کے بعد مورخ نوآئن بی کی شہادت کے بارے میں لکھا جس نے کہا کہ صرف اسلامی روح اس بات کی استطاعت رکھتی ہے کہ وہ انسان کو شراب کے بندھن سے مضبوط دینی اعتقاد کے ذریعے آزاد کرادے کیونکہ اس نے وہ چیز ثابت کر کے دکھادی جو انسانیت کے لئے اپنی طویل تاریخ میں کرنا ہرگز ممکن نہ ہوا۔“

ڈاکٹر تعلیم نے آجکل کے معاشرے میں شراب کے بدھتے ہوئے استعمال کی وجہ والدین کی عدم توجہی۔ پیسے کی بہتات اور والدین کو عیش پرستی کی عادتوں میں ملوث کرنا۔ ان کی نگرانی نہ کرنا۔ نوجوانوں کے اندر مذہبی و اخلاقی ذمہ داریوں کو نہ سمجھنا اور حلال و حرام کے احکامات سے سرتابی کی اصل وجہ اللہ تعالیٰ کی حدود کی پاسداری نہ کرنا بتایا گیا۔

اس مضمون نے پورے ملک میں تہلکہ مچا دیا تھا اور عوام کو شعور دینے کی کوشش کی گئی تھی کہ اس حرام مشروب کا معاشرے میں عام ہونا بہت خطرناک ہے اور اس لعنت کا شکار انسان کس کس طرح ذہنی، جسمانی و جنسی طور پر مفلوج ہوتا جاتا ہے۔ وہ خاندانوں اور معاشرے کے لیے بہت خطرناک ہے۔ اس لئے شراب اور شراب نوشی پر پابندی لگانے پر زور دیا گیا تھا۔ اس مضمون نے عام لوگوں کو فکر مند اور شراب پینے، پلانے اور بیچنے والوں کو ڈاکٹر تعلیم کے خلاف کر دیا تھا۔ اس مضمون کے بعد انہیں کلی دھمکی آ میری۔ سٹو اور فون کا ٹرمینول ہو رہی تھیں۔ کالجز اور یونیورسٹی کے طلباء و طالبات بھی اس مضمون کو پڑھ کر بہت باخبر ہو گئے تھے۔ یونیورسٹی میں ہر جانب اس مضمون کے بارے میں باتیں ہو رہی تھیں۔ کینے میریاء، لان، کلاس رومز ہر جگہ اسی مضمون پر ڈسکشن ہو رہی تھی اور خاص طور پر سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے تمام طلباء و طالبات اس پر بحث کرتے ہوئے نظر آ رہے تھے اور کینے میریاء میں بھی مختلف ڈیپارٹمنٹس کے اسٹوڈنٹس کے درمیان اس مضمون کے بارے میں ڈسکشن ہو رہی تھی۔ لڑکوں کے دو تین گروپ کینے میریاء میں چائے پینے کے دوران اس پر ڈسکشن کر رہے تھے اور ان کے درمیان دو تین طلباء ایسے بھی تھے جو ہاسٹل میں رہتے تھے اور جن کے بارے میں مشہور تھا کہ وہ اکثر موقعوں پر شراب نوشی کرنے کے عادی تھے اور اکثر شراب نوشی کر کے غل غپاڑہ کرنے پر انتظامیہ کی جانب سے انہیں وارننگ دی جاتی تھی مگر وہ زیادہ تر سیاسی اثر و رسوخ رکھنے والے خاندانوں سے تعلق رکھتے تھے۔ اس لئے انہیں کسی بھی بات کا نہ کوئی فکر ہوتا نہ کوئی خطرہ اور انہیں نہ ہی کوئی شرمندگی محسوس ہوتی تھی۔ وہ بہت دھڑلے سے پیتے تھے اور سرعام اس کا ذکر بھی کرتے تھے اور ان کی دید و لیری دیکھ کر اکثر عام اسٹوڈنٹس ان سے متاثر ہو کر کبھی کبھار ان کی محفلوں میں شرکت کرتے تھے۔ ان کو جان بوجھ کر جگ کرنے کے لئے کچھ طلباء نے اس مضمون پر بحث کرنا شروع کر دی تھی

”خیاہ..... کیا تم نے ڈاکٹر تعلیم کا آئیکل پڑھا ہے؟ جو اد نے خیاہ سے پوچھا جسے شراب پینے، پلانے والوں کا سر غنہ سمجھا جاتا تھا۔“

”نہیں..... کیوں..... اس میں کیا خاص بات ہے؟“ ضیاء نے منہ مٹا کر پوچھا۔

”شراب نوشی کے نقصانات کے بارے میں بڑا زبردست آرٹیکل شائع ہوا ہے۔“ جواد نے جواب دیا۔

”کوئی بکواس ہی لکھی ہوگی..... یہ لکھا ہوگا کہ اس کے پینے سے بہت نقصان ہوتے ہیں۔ بھلا اس کے لکھنے سے لوگ پینے سے باز

آجائیں گے۔ ایسے ہی ان لوگوں کو پاپلر ہونے کا خیال ہوتا ہے اور جان بوجھ کر ایسے موضوعات کو چھیڑتے ہیں۔ جن کا کوئی فائدہ نہیں۔“ ضیاء نے اپنے دو ساتھیوں نیل اور آصف کی طرف دیکھ کر قہقہہ لگا کر کہا۔

”خیر..... ڈسکشن تو انہوں نے قرآن وحدیث کی روشنی میں کی ہے اور ثابت کیا ہے کہ اللہ نے شراب کو حرام کیوں قرار دیا ہے..... اور اللہ

کے رسولؐ نے شرابیوں کی کتنے سخت الفاظ میں مذمت فرمائی ہے..... لوگ سب کچھ جانتے کے باوجود بھی نہ مانیں تو وہ علیحدہ بات ہے جواد کے دوست کھیل نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا۔

”اگر ڈاکٹر علقین میں اتنا دم غم ہے تو لوگوں کو روک لے..... آج کل کہاں شراب نہیں پی جاتی۔ یہ تو سوشل ڈرنک ہے شادیوں، پارٹیوں،

قائموں، ہونٹوں۔ امیر لوگوں کے گھروں میں پی جاتی ہے۔ کیا وہ لوگ اس مضمون کو پڑھ کر باز آجائیں گے۔ اول تو وہ اس مضمون کو پڑھیں گے ہی نہیں اور دوسرے جن لوگوں کو خوش چھی ہے کڑا کٹر علقین پتھ کے ہیرو ہیں..... انہیں بھی بہت جلد..... بہت کچھ معلوم ہو جائے گا“ نیل نے مسکرا کر جواب دیا۔

”یار..... ہم کوئی ڈاکٹر علقین کی فیور نہیں کر رہے..... ہم تو اس alarming situation کو ڈسکشن کر رہے ہیں۔ جن کے بارے میں

انہوں نے Facts & Figures لکھے ہیں۔“ جواد نے قدرے نرم لہجے میں پکٹن کو تارنی مانتے ہوئے کہا۔

”یار ہم بھی تو یہی کہہ رہے ہیں کہ اسکی Awareness فضول ہے اس کا کوئی فائدہ نہیں..... ڈاکٹر خواجہ خواجہ میر و بننے کی کوشش کر رہا ہے۔“

ضیاء نے طویہ لہجے میں جواب دیا۔

”ہر چیز کے بارے میں Awareness اچھی بات ہے“ جواد نے جواب دیا۔

”تو..... ہم سے Awareness لے لو..... ہم سے زیادہ افکار مشن جنہیں کون دے گا“ نیل نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”یار..... اس کے پینے میں آخر چارم کیا ہے؟ جواد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”آ..... ہا..... جنہیں کیا بتائیں..... یہ تو فیشن، موج مستی اور انجوائے منٹ ڈرنک ہے۔ یار دوست جب اکٹھے ہو کر پیتے ہیں کیا لطف

آتا ہے..... خاص طور پر جب سب مل کر شکار کھیلتے ہیں اور بھنے ہوئے ہرن اور بکرے بھگم کرنے میں جو کام یہ کرتی ہے کوئی اور شے نہیں کرتی..... اور

پھر پی کر جو مستی، بے خودی، سرشاری اور سرور چھاتا ہے..... اس کا کیا بتائیں..... یوں لگتا ہے ہواؤں میں اڑ رہے ہوں اور اس وقت آسمان پر اڑنے

والی چیزیں بھی پر ہاں لگتی ہیں۔“ نیل نے بے بھگم قہقہہ لگایا۔

”اس کو پی کر ایسا کوئی فائدہ نہیں آتا ہے کہ پوچھو مت۔ یوں لگتا ہے..... اپنے آپ سے بڑھ کر رستم پہلوان کوئی ہے ہی نہیں۔“ آصف نے

بھی تہیہ لگا کر ٹیبل اور ضیاء کے ہاتھ پر ہاتھ مارا۔

”اس کو پی کر تو ہر قسم کی بھوک بیدار ہو جاتی ہے۔“ ضیاء نے بھی جیسے ہوئے کہا۔

”ہاں..... ڈاکٹر صاحب نے بھی تو یہی لکھا ہے کہ شروع میں تو یہ بھوک کو کھولتی ہے۔ معدے میں ہائیڈروکلورک ایسڈ کے اخراج کا اضافہ کرتی ہے۔ یونینوں، ردیوں اور عریوں نے بھی اس کو اس مقصد کے لئے استعمال کیا ہے اور آج کل فرانسیسی اس کو Apetizer یعنی بھوک کھولنے والی کہتے ہیں اور وہ تو کھانوں کے ساتھ سوائے شراب کے کوئی اور مشروب استعمال نہیں کرتے مگر عرصہ بعد معدے میں بھوک کی کمی ہو جاتی ہے اور بار بار تھکے آنے لگتی ہے اور کھانا پہنچانے والی خوراک کی نالی میں کیسر پیدا ہو جاتا ہے۔“ ٹکیل نے مضمون میں سے پڑھ کر سنایا۔

”یار..... تم ہماری باتوں پر یقین کر دو..... ڈاکٹر تو خواہ مخواہ ڈرا رہا ہے۔“ ٹکیل نے بے زاری سے کہا۔

”اس کو پی کر کیا سرد رہتا ہے..... کیا ہٹاؤں..... دماغ ایسا پرسکون ہو جاتا ہے کہ ساری بے چیلیاں اور اضطراب دور ہو جاتا ہے؟“ ضیاء انہیں دو غلانے کے انداز میں تعریفیں کرنے لگا۔

”اچھا..... دو..... کیسے؟“ ٹکیل نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”یار..... اس میں یہی تو عجز ہے..... انسان سارے غم، فکر، بھول جاتا ہے..... دنیا کیا کر رہی ہے اسے کوئی پروا نہیں رہتی۔ بندہ ایسی دنیا میں پہنچ جاتا ہے جہاں خوشیاں ہی خوشیاں ہوتی ہیں..... سکون ہی سکون“ ضیاء نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ دماغ کے ان اعلیٰ حصوں پر چھا جاتی ہے جو دماغ کے خاص اوپری سطح cerebral cortex میں ہوتے ہیں اور cortex کے خلیات انسان کی قوت ارادی اور غور و فکر کو کنٹرول کرتے ہیں۔ شراب کی وجہ سے مجروح ہو جاتے ہیں۔ شراب سے خون میں پیچیدہ ہٹ آ جاتی ہے جس سے دماغ کی باریک نسیں کچھل پڑ بند ہو جاتی ہیں دماغ کے خلیے مرجاتے ہیں۔ اور دماغ مفلوج ہونے لگتا ہے۔“ ٹکیل نے پھر اخبار میں سے مضمون پڑھ کر سنایا۔

”یار..... تم خواہ مخواہ بحث میں پڑے ہو..... صرف دو گھنٹہ پی کر خود دیکھو..... ایسا نشہ چھائے گا..... سب کچھ بھول جاؤ گے.....“ ضیاء نے اسے سرعام چیلنج کی۔

”نہ بھی..... اللہ بچائے..... اس حرام شے سے..... ہمارے لیے تو ہمارے رسول کا فرمان کافی ہے۔

”کہ ہر نشا آور شے حرام ہے اور ہر غیر حرام ہے۔“

ہم کیسے مسلمان ہیں جو ان کی حرام بتائی ہوئی چیزوں کو حرام سمجھ کر ان سے پرہیز نہ کریں جو اللہ نے معنی خیر انداز میں کہا تو ضیاء آصف اور ٹیبل خاموش ہو کر ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

”تم لوگوں نے ایک خبر سنی ہے.....“ جواد کا ایک دوست فعل بھانگتا ہوا کہنے ٹیرا میں آیا۔

”کیا ہوا.....؟“ سب لڑکوں نے حیرت سے پوچھا۔

”ڈاکٹر تھلین پر قحطانہ حملہ ہوا ہے۔“ فیصل نے پریشانی سے بتایا۔

”اود..... نو.....“ جہاد اور رگھیل کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔ ضیاء، نیمل اور آصف کے چہروں پر قحطانہ مسکراہٹ بھیل گئی۔

کافی اسٹوڈنٹس یونیورسٹی گراؤٹ میں جمع تھے اور سب کے چہروں پر بہت پریشانی اور دکھ کے تاثرات نمایاں تھے۔ اکثریت ڈاکٹر تھلین کے لیے پریشان ہو کر ان کے لیے دعائیں مانگ رہی تھی۔ اسٹوڈنٹس کی گاڑیاں اس ہسپتال کی طرف جا رہیں تھیں جہاں ڈاکٹر تھلین ایڈمٹ تھے ہر طرف یہ خیرگھوم رہی تھی کہ ڈرگ مافیا نے اور شراب کی تجارت کرنے والی کمپنیوں کے مالکان نے ڈاکٹر تھلین پر حملہ کر لیا تھا۔ طلباء و طالبات کی کثیر تعداد ہسپتال میں جمع تھی۔ وہاں جل دھرنے کو جگہ نہ تھی..... سب کے ہاتھوں میں پھولوں کے گلدے تھے اور پھول تھے اور لیوں پر دعائیں تھیں۔

”ڈاکٹر صاحب کیسے کیسے ہیں؟ ہر ایک ہی سوال پوچھ رہا تھا۔“

”دو بالکل ٹھیک ہیں۔ اللہ کا شکر ہے..... وہ بالکل خیریت سے ہیں..... اللہ نے ان کو بالکل محفوظ رکھا ہے۔“ ایک ڈاکٹر نے کوریڈور میں سے گزرتے ہوئے بتایا۔

”کیا ہم ڈاکٹر صاحب سے مل سکتے ہیں؟ اسٹوڈنٹس نے پوچھا۔“

”وہ خود آ رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے بتایا اور سب لوگ ان کی آمد کا شدت سے انتظار کرنے لگے۔ کافی دیر بعد ڈاکٹر تھلین باہر تھریلیف لائے۔ ان کا دایاں بازو تھوڑا سا زخمی ہوا تھا..... اور اس کی ڈریسنگ کی گئی تھی۔ ڈاکٹر تھلین مسکراتے ہوئے جھوم کی جانب آئے۔

”ڈاکٹر صاحب کیسے ہیں آپ؟ ہر کوئی بے صبری سے پوچھ رہا تھا۔“

”تھینک یو ویری مچ..... آئی ایم فائن.....“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ڈاکٹر صاحب کس نے آپ پر حملہ کیا؟ کسی نے پوچھا۔“

”زندگی میں ایسا بہت کچھ ہوتا ہے..... میں پریشان نہیں ہوں۔ آئی جسٹ وائٹ ٹوسیو ہائی پوٹھ۔“ ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب اسٹوڈنٹس نے خوشی سے پرامید لہجے میں ڈاکٹر تھلین زعمہ ہاد کے نعرے لگانے شروع کر دیے۔

سلوٹ آپالائونج میں صوفے پر بیٹھی نظری عینک لگائے شطون کی آسانی رنگ کی سادھی پہنے ہاتھ میں سیپارہ پکڑ کر اسے چمکنے میں مصروف تھیں کہ لائونج میں فون کی بیل بجتی گئی۔

”خیرن ہوا..... خیرن ہوا..... فون بیلنے۔“ سلوٹ آپالائونج نے قدرے سادھی آواز میں مکن کی طرف منہ کر کے آواز لگائی۔

”آئی بیگم صاحبہ.....“ خیرن بوخسین سے ہاتھ صاف کرتی ہوئی جلدی جلدی فون کی طرف بڑھی اور ریسیور کان سے نکال کر ہاتھ میں لے لی۔

”جی..... ہائل ہیں..... آپ ہولڈ کیجئے.....“ خیرن ہوانے ریسیور فون اسٹینڈ پر رکھتے ہوئے کہا اور سلوٹ آپالائونج کی طرف آگئی۔

”بہاد پور سے فخر بیگم کا فون ہے..... آپ سے بات کرنا چاہ رہی ہیں..... فون ہولڈ پڑا ہے۔“ خیرن ہوانے سلوٹ آپالائونج کو کہا اور مکن میں چلی گئی۔ سلوٹ آپالائونج سیپارے کو بند کر کے اسے چوما اور ماتھے سے لگا کر دیوار کے ساتھ لگے ایک اسٹینڈ پر ادھی جگہ پر تشیما رکھ دیا اور ریسیور کان

سے لگا کر بات کرنے لگیں۔

”اسلام علیکم..... بہت شکریہ..... کیسی ہیں آپ؟ سلوٹ آپ نے بہت محبت بھرے انداز میں کہا۔

”ماشاء اللہ جنتی رہے..... نعمان میاں کیسے ہیں اور بچے؟ سلوٹ آپ نے پوچھا اور پھر خاموش ہو کر دوسری جانب سے بات سننے لگیں۔

”اس سے اور اچھی بات کیا ہو سکتی ہے..... ہم اسد میاں سے بات کر کے آپ کو فون کریں گے اور پھر باقی پروگرام بتا لیں گے.....“

ٹھیک ہے..... جنتی رہے..... شکریہ“ سلوٹ آپ نے ریسورفون پر رکھ دیا اور واپس صوفے پر آ کر بیٹھ گئیں۔

”خیرن بوا..... ایک گلاس پانی پلا دیجئے“ سلوٹ آپ نے کہا تو خیرن بوا بہت سلیقے سے انتہائی خوبصورت شیشے کی ٹرے میں شیشے کا گلاس

رکھے اور اسے جالی کے خوبصورت رومال سے کور کیے بڑے مہذب انداز میں سلوٹ آپ کو پیش کیا۔

”شکریہ.....“ سلوٹ آپ نے گلاس پکڑتے ہوئے کہا اور پانی پیئے لگیں۔ پانی پی کر گلاس واپس ٹرے میں رکھا..... خیرن بوا قدرے

محسوس انداز میں سلوٹ آپ کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”تسلیم صاحب..... فخر بیگم نے بہت عرصے کے بعد فون کیا ہے۔“ خیرن بوا نے جان بوجھ کر بات چھیڑی۔

”ہاں..... انہوں نے سسرالی رشتہ داروں میں ایک لڑکی دیکھی ہے..... اسد بیٹے کے لیے..... اور ہمیں کہہ رہی ہیں کہ آ کر ان لوگوں

سے مل کر بات چکی کر دوں۔“ سلوٹ آپ نے جواب دیا۔

”کیا آپ بہاولپور جا رہی ہیں؟ خیرن بوا نے حیرت سے پوچھا۔

”سوچ رہے ہیں..... فخر بیگم نے سوچ سمجھ کر ہی انتخاب کیا ہوگا..... ایک نظر دیکھ لینے میں کیا حرج ہے اور پھر اپنے خاندان کی بچی ہوگی تو

ہم سے جلدی ٹھنل جائے گی۔“ سلوٹ آپ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا۔

”دو تو ٹھیک ہے..... مگر بہاولپور بہت دور ہے۔“ خیرن بوا نے رائے دی۔

”اری بوا..... اب کیا قاصدے رہ گئے ہیں..... ہم اٹھریا سے پاکستان آ گئے..... اور ممبرانہ پاکستان سے اٹھریا چلی گئیں اور زیب النساء

بہاولپور..... ہمارے زمانے میں سڑک اتنی سہولتیں بھی میسر نہیں تھیں اور پھر بھی لوگ سفر سے اکتا جاتے نہیں تھے..... جب مقصد بڑا ہو تو سفر کیا معنی رکھتا

ہے اور ہمارے لیے تو اس گھر کی بہو ایک قیمتی نگینہ ہوگی..... اور تنکینے یونہی تو ہاتھ نہیں آتے نا۔“ سلوٹ آپ نے مسکراتے ہوئے کہا تو خیرن بوا بھی

مسکرائیں۔

”آپ سچ کہہ رہی ہیں..... بہو سے خاندان کی نسل چلتی ہے اور آج کل کے زمانے میں اچھی بہو کس کہاں ملتی ہیں؟ خیرن بوا نے قدرے

تاسف سے کہا۔

”بوا..... اگر اچھی بہو کس مشکل سے ملتی ہیں تو اچھے خاندان اور اچھی سائیں بھی تو نہیں بنتیں نا..... ایسا قحط الارجال کا زمانہ آ گیا ہے.....

اچھے خاندانی لوگ تو بیردوں کی طرح نایاب ہوتے جا رہے ہیں۔“ سلوٹ آپ نے جواب دیا۔

باہر گاڑی پوریچ میں آ کر رکی۔

”ہمارا خیال ہے اسد بیٹا آ گیا ہے..... کھانا تیار ہے نا“۔ سلطوت آپا نے پوچھا۔

”ہاں..... بالکل تیار ہے..... کس چپا تیاں بنانے والی ہیں..... ثروت بنا دیتی ہے۔ میں ابھی کھانا نچیل پر لگا دیتی ہوں۔“ خیرن بڑا کچن

کی طرف جاتے ہوئے بولی۔

”السلام علیکم..... دادو.....“ اسد سلطوت آپا کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

”جیتے رہیے..... آپ ہاتھ منہ دھولیں..... کھانا تیار ہے۔“ سلطوت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا۔

اسد نے صوفے پر ایک لگائے انگڑائی لی اور اٹھ کر دواش روم کی طرف چلا گیا۔ واپس آیا تو سلطوت آپا ڈانٹنگ روم میں کرسل کی بہت بڑی اور خوبصورت نچیل پر کھانا سجائے بیٹھی تھیں۔ خیرن بڑا ایک ہاٹ پاٹ میں گرم گرم چپا تیاں لے آئی۔ اسد سلطوت آپا کے پاس ایک کرسی پر بیٹھ گیا اور کھانا کھانے لگا۔ سلطوت آپا بھی کھانا کھانے میں مصروف ہو گئیں۔

”اسد بیٹا..... آج بہاد پور سے فخریتیم کا فون آیا تھا“ سلطوت آپا نے بتایا۔

”کون..... فخریتیم؟ اس کا ایک دم چوٹکتے ہوئے بولا۔

”زیب اسٹار کی بڑی بہو..... نعمان میاں کی بیٹی.....“ سلطوت آپا نے بتایا۔

”اوہ..... آئی سی“ اسد نے آہستہ آواز میں کہا۔

”انہوں نے اپنے سسرال میں آپ کے لئے ایک لڑکی منتخب کی ہے..... ہمیں بلار ہیں ہیں کہ ان لوگوں سے مل کر بات چینی کر دوں۔“

سلطوت آپا نے بتاتے ہوئے اس کی جانب دیکھا کیوں.....؟ اسد نے منہ سے ڈانستہ لگلا۔

”بیٹا..... ہماری زندگی کا کیا بھروسہ.....؟ اور اس دنیا سے جانے سے پہلے ہم آپ کا گھر بسا ہوا دیکھنا چاہتے ہیں..... آپ کے بچوں کو کھلانا

چاہتے ہیں..... آپ اپنے گھر میں اپنی بیوی، بچوں کے ساتھ خوش ہوں گے تو ہم سکون سے مر سکیں گے۔“ سلطوت آپا نے قدرے جذباتی لہجے میں کہا۔

”دادو..... پلیز..... آپ مجھ سے ایسی باتیں مت کیا کریں..... میں نے اپنے ماں باپ کا نقصان برداشت کر لیا ہے..... مگر آپ کو کوکر

میں..... نو..... دادو..... پلیز ایسی باتیں نہ کیا کریں۔“ اسد جذباتی لہجے میں دادو کا ہاتھ پکڑ کر محبت بھرے لہجے میں بولا۔

”بیٹا..... آپ کی محبت اپنی جگہ پر..... مگر حقیقت سے انسان کیسے آنکھیں چرا سکتا ہے..... ہم کبھی سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ ہم اپنے

جوان بیٹے اور بہو کے بغیر کبھی زندہ بھی رہ پائیں گے.....“ مگر..... قدرت کے فیصلوں کو قبول کرنا پڑتا ہے..... انسان کتنے ہی دعوے کیوں نا

کرے..... دعوے تو لفظی باتیں ہوتے ہیں..... اصل بات تو قدرت کے فیصلوں کی ہوتی ہے..... جو ہمیشہ اٹل ہوتے ہیں..... آپ لاکھ جذباتی

ہوں۔ مگر اب ہم بھی اپنا فیصلہ نہیں بدلیں گے۔ ہمیں آپ کی شادی برصورت میں کرنی ہے۔“ سلطوت آپا نے دھڑلے لہجے میں کہا۔

”دادو..... ٹھیک ہے..... اگر آپ شادی کرنے پر ہلند ہیں تو بھراتی دور جانے کی کیا ضرورت ہے؟ یہاں اس شہر میں بھی بہت اچھی اور

تھیم یا فٹ لڑکیاں مل سکتی ہیں۔" اسد نے ذوقی انداز میں کہا۔

"ہاں..... ہم نے دو تین اچھی گمرانوں کی لڑکیاں دیکھی ہیں مگر وہ ہمیں ویسی نہیں لگیں..... جیسی ہم چاہتے ہیں۔" داود نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"داود..... پھر نظر دوڑائیں..... ہو سکتا ہے۔ اب کوئی مل جائے" اسد نے بلا واسطہ انداز میں کہا۔

داود خاموش ہو کر سوچنے لگیں..... اور اسد مسکرا کر انہیں دیکھنے لگا۔

"ہمیں تو کچھ یاد نہیں آ رہا۔" داود لگرمندی سے سوچتی ہوئی بولیں۔

"داود..... اچھی طرح یاد کریں..... ہو سکتا ہے ایک دو دن میں یاد آ جائے" اسد پھر مسکرا کر بولا۔

"داود سوچ سوچ کر الجھنے لگیں۔

"اگر آپ کے ذہن میں کوئی ایسی لڑکی ہے تو آپ ہی بتا دیجئے ہمیں تو یاد نہیں آ رہی۔" داود بے بسی سے بولیں۔

"داود..... مجھے..... مومنہ آچکی سوچ کے مطابق لگی ہے۔" اسد نے قدرے شرارتے ہوئے انداز میں کہا۔

"اوہ..... وہ..... زکیہ کی بیٹی..... ماشاء اللہ..... کیا اچھی لڑکی ہے..... دیکھو..... کیسے ہمارے ذہن سے نکل گئی..... ہمیں تو وہ بہت پسند

ہے..... کیا آپ کو بھی پسند ہے؟ داود نے مسکرا کر پوچھا۔

"ہاں..... مجھے اچھی لگی ہے۔" اسد نے کہا۔

"تو ٹھیک ہے..... ہم زکیہ سے بات کرتے ہیں..... خاندان بھی بہت شریف اور دیکھا بھالا ہے۔ بچی بہت نیک سیرت اور سنبھلی ہوئی

ہے..... مومنہ جیسی لڑکی..... ہمیں بھلا کہاں سے ملے گی..... لیکن خدا کرے..... زکیہ نے اس کا رشتہ نہیں ملے نہ کیا ہو....." سلطوت آپا نے کہا تو اسد

کا چہرہ ایک دم اتر گیا۔ اس نے جلدی سے پانی کا گلاس پیا اور کھانا دین پھوڑ دیا۔

"بیٹا..... کھانا تو مکمل کیجئے" داود نے اسے نیکیں سے منہ صاف کرتے ہوئے دیکھ کر کہا۔

"بس..... مجھے بھوک نہیں۔" اسد آہستہ آواز میں بولا۔

"ہم ایک دور دراز میں زکیہ کے ہاں جا کر اس سے بات کرتے ہیں..... دیکھو..... وہ کیا جواب دیتی ہے....." سلطوت آپا نے کہا تو اسد

خاموش ہو گیا۔

"سلطوت آپا بہت خوش تھیں کہ اسد نے مومنہ کا انتخاب کیا تھا اور اسد یہ سن کر پریشان و گیما تھا کہ کہیں مومنہ کسی اور سے منسوب نہ ہو.....

اسد تو جب سے مومنہ سے ملا تھا اور جب سے اسے دیکھا تھا وہ بری طرح اس کے حواسوں پر چھائی تھی۔ رات کو جب بھی سونے کے لیے آنکھیں

بند کرتا تو مومنہ کا ہنستا چہرہ چمکی آنکھیں اور شرمیلی نظریں اسے یاد آتیں کبھی برقعے میں لپیٹی اور چادر سے نقاب کیے وہ اس کی نظروں کے سامنے آتی

تو وہ بے چین ہو جاتا۔ نہ اس سے کسی طرح رابطہ ممکن تھا اور نہ ہی کوئی بات چیت۔ وہ اس سے دور تھی مگر اس کے دل میں صرف اس نے ہی اپنے

مضبوط قدم بنائے تھے۔ اس کے دل میں ہر طرف مومن اپنی خوبصورتی، معصومیت اور شرم و حیا لیے ساگی تھی..... نجانے اس نے کیا سحر کیا تھا کہ اب اس سے فرار ممکن نہیں تھا۔ اس کی زندگی میں بے شمار لڑکیوں سے ملاقات رہی تھی۔ اپرکاس کی فیشن ایبل، مالارن، خوبصورت اور سٹائلش لڑکیاں۔ اس سے ایک بار تئیں تو اس کے عمر میں گرفتار ہو جاتیں۔ کئی خود اس سے اظہار محبت کرتیں..... اس پر فدا ہو جاتیں اور اس سے دوستیاں کرنے کے لیے سرتوڑ کوشش کرتیں مگر اسد کا دل کسی کی جانب بھی ایسا راغب نہ ہوتا۔ جیسا مومنہ کی جانب ہوا تھا..... اور مومنہ نے تو اس کی جانب نہ دوستی کا ہاتھ بڑھایا تھا نہ اس کی طرف محبت پاش ٹا ہوں سے دیکھا تھا۔ نہ محبت بھرے لہجے میں کوئی باتیں کیں تھیں۔ اس نے تو اس سے کچھ کہا ہی نہیں تھا..... اور پھر بھی وہ اس کے سحر میں آ گیا تھا..... نجانے اس نے خاموش زبان سے اسے کیا کہا تھا کہ وہ اس کے سامنے اپنا دل ہار بیٹھا تھا اور اس نے شادی نہ کرنے کا جو فیصلہ کر رکھا تھا اب خود بخود اس سے شادی کے لیے رضامند ہو گیا تھا۔ شاید یہی محبت ہوتی ہے جو یوں اچانک کسی سے کبھی بکھار کچھ کہے بغیر ہی ہو جاتی ہے..... محبت کیسے اپنی جگہ لوگوں میں بنالیتی ہے کہ مگر اس سے فرار ممکن نہیں ہوتی..... اس کے دل میں پہلی بار محبت کا احساس محسوس ہوا تھا..... محبت سے پیدا ہونے والی بے چینی اور بے قراری نے اسے پہلی بار مضطرب کیا تھا اور اس کا اضطراب نے اسے ایسی بے کلی اور انتظار کی اذیت سے دوچار کیا تھا کہ وہ اندر ہی اندر بہت پریشان رہنے لگا تھا۔ اسے سمجھ نہیں آتا تھا کہ وہ کس طرح دادو سے اپنے دل کی بات کہے۔ انہیں کیا بتائے..... اور اب دادو نے خود ہی ذکر بھیرا تھا تو اس نے اچانک اپنے دل کی بات کہہ دی تھی مگر دادو کے منہ سے ایک انجانی بات سن کر وہ پہلے سے بھی زیادہ مضطرب ہو گیا تھا۔ نجانے کیوں اس کے دل سے دھماکے لگی..... کہ خدا کرے ایسا نہ ہو..... جیسا دادو سوچ رہی ہیں اور خدا کرے ایسا ہو جائے..... جیسا وہ سوچ رہا ہے۔“

یہ کیسی خواہش تھی..... کیسی تمنّا تھی..... کیسی آرزو تھی..... جو بالکل اچانک اور انجانے میں اس کے دل میں پیدا ہوئی تھی اور وہ اپنے اس جذبے میں کس قدر جذباتی اور پوزیو ہوئے نکلتا تھا..... وہ کئی گز دور رہنے لگا تھا..... بہت الجھا الجھا..... بہت مشتعل اور پراگندہ..... اسے کیسوی نصیب نہیں ہو رہی تھی۔ سکون نہیں مل رہا تھا اور اپنا ڈیپریشن دور کرنے کے لئے وہ ہسکی کا سہارا لیتا اور ہسکی کا تھوڑا سا جام اسے مومنہ کے بہت قریب لے آتا..... وہ آہستہ آواز میں اسے آوازیں دیتے لگتا..... اور کوئی بھی جواب نہ پا کر جھنجھلا نے لگتا..... وہ اسے بہت جلد پاتا چاہتا تھا..... اس کے بغیر زندگی ناممکن لگنے لگی تھی..... یہ مومنہ تھی یا اس کی محبت..... جس نے اس کو اپنے آپ سے بھی بیگانہ کر دیا تھا اور ہسکی سے پیدا ہونے والی بے خودی اور سرشاری میں محبت کی سرشاری اور اضطراب نے اس کے اندر بھجائی کیفیت پیدا کر دی تھی اور وہ اپنے جذبوں سے شکست کھا رہا تھا۔

مومنہ بھی اس روز سے بہت مضطرب تھی۔ جس روز سے اسے ملی تھی۔ نجانے اس کی آنکھوں سے اس کے دل کو کیا پیغام ملا تھا کہ دل بہت مضطرب رہنے لگا تھا۔ اس سے قبل تو دل ایسی عجیب سی بے کلی کا شکار نہ تھا۔ وہاں تو ہر جانب اطمینان اور سکون تھا اور اب بلاوجہ مضطرب رہنے لگا تھا۔۔۔۔۔ نہ چاہتے ہوئے بھی۔۔۔۔۔ اچانک کام کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ کلاس میں ٹیکچر لوٹ کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ یونیورسٹی جاتے ہوئے۔۔۔۔۔ دوستوں کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے۔۔۔۔۔ اور مریم کی کسی نہ کسی بات پر۔۔۔۔۔ اور سونے سے پہلے۔۔۔۔۔ نجانے کہاں سے آ کر وہ اچانک آنکھوں میں سا جاتا۔۔۔۔۔ اور ہمارے اس کے خیالوں سے ہنسنے کا رونا مشکل ہو جانا ان کو ساری رات بے خوابی میں کروٹیں بدلتے گزر جاتی۔۔۔۔۔ یہ اسے کیا ہونے لگا تھا۔۔۔۔۔ اس کا دل کیسی

ہوائی کر رہا تھا۔۔۔۔۔ چاند کی تمنا کر رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ خاک نشین۔۔۔۔۔ ڈر کا خاک۔۔۔۔۔ چاند کے وجود میں جذب ہونے کی تمنا کر رہا تھا۔ اپنی حیثیت اور اوقات بھول رہا تھا۔۔۔۔۔ کتنا فرق اور فاصلہ تھا دونوں میں۔۔۔۔۔ وہ تو برہنہ۔۔۔۔۔ برہنہ۔۔۔۔۔ ہر وقت بھی سوچتی رہتی کہ اس کی سوچ بہت احمقانہ ہے۔۔۔۔۔ اس کی آرزو اور اس کی تمنا بہت خام ہے۔۔۔۔۔ نعل میں ٹاٹ کا پتھر کبھی نہیں چٹتا۔۔۔۔۔ اور وہ خوابوں کے جنگل میں کھوکھرا پتا آپ کھوری تھی۔ وہ اپنے آپ کو سمجھاتی۔۔۔۔۔ مگر دل تھا کہ اس کی کوئی بات سننے کو تیار نہ تھا۔۔۔۔۔ وہ اپنے آپ سے ہارنے لگی تھی۔۔۔۔۔ اور اس کا دل اس کو یقین دہانی کرانے میں کامیاب ہو گیا تھا کہ اسے واقعی اسد سے محبت ہو گئی ہے۔"

جھٹی کا دل تھا۔ مریم کے بھی استحقاقات ہو چکے تھے اور وہ بھی مگر یہ فارغ تھی۔ مومنہ صبح سے کپڑے دھونے میں مصروف تھی اور مریم اس کے ساتھ مل کر کپڑے چھت پر ڈالنے اور مگر کی صفائی کرنے میں مصروف تھی۔ مومنہ کی شلوار کے سارے پانچ گیلے ہو رہے تھے اور وہ کپڑے چھت پر ڈالنے جا رہی تھی جب دروازے پر دستک ہوئی۔ مریم نے دروازہ کھولا تو سلوت آپا کو سامنے دیکھ کر چونک گئی۔ سلوت آپا نے لائٹ براؤن لکری پر بھڑساڑھی کے ساتھ شال اوڑھ رکھی تھی۔ وہ مریم کو دیکھ کر مسکرائیں اور مریم انہیں دیکھ کر بہت خوش ہو گئی تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ اندر آئیے۔۔۔۔۔ باہر کیوں کھڑی ہیں؟" مریم نے مسکراتے ہوئے کہا تو سلوت آپا نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگایا اور اس کی پیشانی کو چومتے ہوئے اس کے ساتھ گھن میں آ گئیں۔

"امی۔۔۔۔۔ امی۔۔۔۔۔" مریم آوازیں دیتی ہوئی کمرے میں چلی گئی۔ "کیا پاسوری تھی۔ مریم کی آواز سن کر بیڑا کرناٹھ بیٹھی۔

"کیا ہوا۔۔۔۔۔؟" زکیہ آپا نے چونک کر پوچھا۔

"امی۔۔۔۔۔ وہ سلوت آئی آئی ہیں۔" مریم نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

"سلوت۔۔۔۔۔ آپا۔۔۔۔۔؟" زکیہ کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور جلدی سے اپنا حلیہ ٹھیک کرتے ہوئے اور الماری میں سے سدرہ کی دی ہوئی نئی سفید چادر اوڑھ کر باہر گئی۔

"السلام علیکم۔۔۔۔۔ زہبہ نصیب۔۔۔۔۔ آپا تشریف لائی ہیں۔" زکیہ آپا نے محبت سے ان سے ملے ہوئے کہا۔

"ہم معذرت چاہتے ہیں کہ ہم آپ کو اطلاع دیے بغیر آ گئے۔۔۔۔۔ دراصل ہمارے پاس آپ کا کوئی فون نمبر نہیں تھا۔" سلوت آپا نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

"ارے تو پا۔۔۔۔۔ کیوں شرمندہ کر دی ہیں۔۔۔۔۔ یہ آپ کا اپنا گھر ہے۔

صبح آئیں۔۔۔۔۔ شام آئیں۔۔۔۔۔ بھلا بتانے کی کیا ضرورت ہے؟ زکیہ آپا نے قدرے مؤدبانہ انداز میں کہا۔

"مومنہ بیٹی کہاں ہیں۔۔۔۔۔؟ سلوت آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"آج صبح سے کپڑے دھوری ہے۔۔۔۔۔ میرا خیال ہے چھت پر کپڑے ڈالنے لگی ہے۔" زکیہ آپا نے جواب دیا۔

"مریم بیٹا۔۔۔۔۔ آپا کے لیے جانے لانا زکیہ نے مریم سے کہا جو پہلے ہی کچن میں مصروف تھی۔

”ارے نہیں..... تکلف کی ضرورت نہیں۔“ سلطو آپا نے کہا۔

”آپا..... ہم لوگ آپ کے قابل کہاں..... کہ آپ کو چائے پانی پوچھ سکیں۔“ ذکیہ نے قدرے دھمکی آواز میں کہا۔

”ارے ذکیہ..... آپ کسی باتیں کرتی ہیں۔“ سلطو آپا نے مسکرا کر کہا۔ مومنہ چادر لپٹے اور خالی ہاتھی ہاتھ میں اٹھائے میز صیباں اترتی

ہوئی نیچے آئی تو سلطو آپا کو دیکھ چڑک گئی۔ دھوپ میں کپڑے ڈالنے کی وجہ سے اس کا سفید رنگ سرخ ہو رہا تھا..... اور سلطو آپا کا یوں اچانک آنا..... اس کو قدرے معنی خیز لگا۔ اس کا دل دھڑکنے لگا۔

”السلام عنیک.....“ سلطو آپا نے اٹھ کر اسے محبت سے گلے لگا لیا اور اس کی پیشانی چومی اور محبت بھری نظروں سے اسے سر سے لے کر

پاؤں تک دیکھنے لگی۔ مومنہ شرمائی اس نے کندھے کپڑے پہن رکھے تھے اور شلوار کے پانچے ابھی تک گیلے تھے۔

”کبھی ہیں آپ؟ سلطو آپا نے محبت سے پوچھا۔

”نہیک ہوں.....“ اس نے آہستہ آواز میں کہہ کر سر جھکا لیا۔

سلطو آپا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائے نکلیں..... مومنہ کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ آج کسی خاص مقصد کے لیے آئی ہوں۔

”مومنہ بیٹی..... کتنے کپڑے رہ گئے ہیں؟“ اب انہیں سمیت دو اور مریم کے ساتھ بکن میں جا کر چائے بنا لو..... اور پھر کھانا بھی بناؤ.....

آج آپا کھانا کھائے بغیر نہیں جائیں گی۔“ ذکیہ نے محبت سے کہا۔

”ارے نہیں..... ذکیہ..... اسد آج گھر پر ہیں اور اگر ہم گھر نہ ہوں..... تو وہ ہمارے بغیر کھانا نہیں کھاتے۔“ سلطو آپا نے محبت سے

اسد کا ذکر کیا تو مومنہ کے چہرے پر سرفخی سی دوڑ گئی۔

مومنہ اٹھ کر اندر چلی گئی اور سلطو آپا اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں۔

”ماشاء اللہ۔ ذکیہ آپ کی دونوں بچیاں بہت اچھی اور سعادت مند ہیں۔ سلطو آپا نے تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”بس..... اللہ کا کرم ہے..... سب اسی کی عطا ہے..... میری کیا اوقات ہے؟ ذکیہ نے آہ بھرتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مومنہ بیٹی کی نسبت کہیں ملے کی ہے؟ سلطو آپا نے پوچھا۔

”جہیں..... ابھی تو اس کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی..... ایک دور شے آئے تھے مگر مومنہ نے کہہ دیا کہ تعلیم مکمل ہونے کے بعد وہ شادی کے

بارے میں سوچے گی۔“ ذکیہ نے جواب دیا۔

”اور تعلیم کب مکمل ہوگی؟ سلطو آپا نے پوچھا۔

”ایک دو ماہ بعد اس کے فائنل امتحان ہونے والے ہیں..... اس کے بعد جو اللہ کو منظور ہوا..... ہو جائے گا۔“ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

”ذکیہ..... اگر آپ برائیاں نہیں تو ہم ایک بات کہیں۔“ سلطو آپا نے قدرے چھجکتے ہوئے پوچھا۔

”سلطو آپا..... آپ کھل کر بات کریں..... آپ کی ہر بات سر آنکھوں پر، ذکیہ آپا نے محبت سے سلطو آپا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہمیں آپ کی جینی مومنہ بہت اچھی لگی ہیں..... ماشاء اللہ مجھی ہوئی، تعلیم یافتہ، مذہبی ذہن والی ہیں..... آج ہم اسد بیٹے کے رشتے کے لیے آپ کے ہاں آئے ہیں..... اگر آپ کو..... کوئی اعتراض نہ ہو تو اسد کو اپنی فرزندگی میں قبول کریں۔" سلطوٹ آپانے قدرے رک کر کہا تو ذکیہ کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں..... اور حیرت سے اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی..... اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

"ذکیہ..... یہ آپ کیا کہہ رہی ہیں.....؟ کہاں آپ؟ اور کہاں ہم.....؟ ہماری اتنی اوقات کہاں کہ آپ سے رشتہ داری کریں۔" ذکیہ نے حیرت سے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"ذکیہ..... آپ اوقات کی بات مت کریں..... پروردگار نے سب انسانوں کو پیدا کیا ہے اور اس کے نزدیک آپ..... آپ کے والد صاحب اور آپ کا گھرانہ کتنا معتبر ہے..... یہ وہی جانتا ہے۔" سلطوٹ آپانے محبت سے کہا۔

"مگر..... آپ..... پیسے والے لوگ ہیں۔ اور ہم..... ذکیہ نے کچھ کہنا چاہا۔

"پیسہ زندگی کو آسان بناتا ہے مگر اچھے انسان زندگی کو خوبصورت بناتے ہیں۔" سلطوٹ آپانے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

"آپا..... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا..... کیا کہوں.....؟ ہم لوگ تو کبھی خواب میں بھی آپ سے رشتہ داری کا نہیں سوچ سکتے اور آپ نے حقیقت میں رشتہ مانگ لیا ہے؟ ذکیہ نے بوکھلائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"ذکیہ ہمارے خاندان میں کبھی آپ نے ایسا دیکھا ہے کہ ہم نے کسی بھی انسان کو کمتر سمجھا ہو۔" سلطوٹ آپانے کہا۔

"نہیں..... اور یہی تو آپ کی بڑائی ہے۔" ذکیہ نے جواب دیا۔

"بڑائی صرف اللہ کی ذات کے لیے ہے..... ہم لمحوں میں ٹوٹنے بکھرنے والے انسان کہاں اس قابل..... کہ کوئی بڑائی جتا سکیں..... اگر..... آپ کو ان باتوں کے علاوہ کسی اور بات پر اعتراض ہو تو وہ کیجئے..... ہم خود ہی آپ سے معذرت کر لیں گے۔" سلطوٹ آپانے قدرے شائستگی سے کہا۔

"ارے..... نہیں..... نہیں آپا..... آپ جیسے لوگ تو کروڑوں میں ایک دو ہیں..... اعتراض تو مجھے اپنی حیثیت پر ہے..... میں سوچ رہی ہوں کہ جونیفری میں پٹنے والی میری بیٹی کس طرح آپ کے محل میں سما سکے گی..... آپا..... آپ نے یہ کیا سوال کر دیا ہے؟ ذکیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

مریم چائے کی ترے لے کر آئی اور ذکیہ کو نم آنکھوں اور سلطوٹ آپا کو خاموش دیکھ کر چمک گئی۔ خاموشی سے چائے کپوں میں ڈال کر ذکیہ اور سلطوٹ آپا کے آگے رکھ کر چلی گئی۔

مومنہ بریانی بنانے کی تیاری میں مصروف تھی۔ مریم والیں آئی تو اس کے چہرے پر حیرانگی اور پریشانی کے تاثرات تھے۔

"کیا ہوا.....؟" تم اپ سیٹ لگ رہی ہو؟ مومنہ نے اس سے پوچھا۔

"آپا..... امی تھانے کس بات پر رو رہی ہیں تمہیں اور سلطوٹ آنٹی بہت خاموش تھیں۔" مریم نے رنجیدگی سے کہا۔

"ارے..... دلوں ہاشی کی باتوں کو یاد کر کے افسردہ ہو رہی ہوں گی۔" مومنہ نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"نہیں..... بات کچھ اور لگ رہی ہے..... ورنہ وہ میرے جانے پر خاموش نہ ہو جاتیں" مریم نے کہا۔

"تم خواہ مخواہ ہال کی کھال نہ اتار کر دو..... چلو جلدی سے مجھے چاول چن کر دو۔" مومنہ نے کہا تو مریم چاول لے کر برآمدے میں بیٹھ گئی مگر اس کے کان دلوں کی باتیں سننے میں لگے تھے۔

"زکیہ آپ سوچ کر ہمیں جواب دیں..... آپ بیٹی والی ہیں تحقیقات کرنا آپ کا حق ہے۔" جب مطمئن ہوں تب ہمیں بتا دیجئے گا۔" سلطوت آپ نے کہا۔

"آپا..... آپ کے بارے میں کیسی تحقیقات..... آپ کا ہاشی تو کھلی کتاب کی طرح سب کے سامنے ہے۔ آپ کے بارے میں پوچھ کر خود کو شرمندہ کرنے والی بات ہے۔" زکیہ نے کہا۔

"آپ ہمیں اور ہمارے ہاشی کو جانتی ہیں..... ہمارا حال..... ہمارا بیٹا اسد ہے..... اس کے بارے میں آپ جو جانتا چاہیں..... ہمیں تسلی کرنا چاہیں..... آپ کو حق ہے" سلطوت آپ نے کہا۔

"جس اولاد کی تربیت آپ ہمیں ماں کریں..... اس پر تو آنکھیں بند کر کے اعتبار کیا جاسکتا ہے..... اعتراض تو ہمیں اپنے آپ پر ہے۔" زکیہ آپا نے افسردگی سے کہا تو سلطوت آپا نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

"آپ کی محبت اور ہمیں اتنی عزت دینے کا بہت شکریہ لیکن آپ مومنہ بیٹی سے بھی پوچھ لیں..... بیٹی کی رضامندی کے بغیر تو ہم کچھ سوچ بھی نہیں سکتے..... آپ ان سے اسد بیٹے کے بارے میں پوچھ لیں۔ اگر وہ رضامند ہوں تو پھر ہم بات آگے بڑھائیں گے۔" سلطوت آپا نے کہا تو زکیہ نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔ مریم ان کی باتیں سن کر بھاتی ہوئی مومنہ کے پاس گئی۔

"آپا..... باہر تو آپ کے رشتے کی بات ہو رہی ہے۔" مریم نے جلدی سے کہا۔

"کیا.....؟" مومنہ دنگی میں پیاز براؤن کر کے چکن بھون رہی تھی ایک دم اس کا ہاتھ رک گیا اور اسے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کہے۔

"آپا..... وہ منٹائی کا ڈبہ یونہی نہیں آیا تھا۔" مریم نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو مومنہ جھینپ گئی۔ اس کا رنگ ایک دم سرخ ہو گیا کیا فضول باتیں کر رہی ہو۔ مجھے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا کیا کہہ رہی ہو۔" مومنہ نے معنوی غصے سے کہا۔

"آپا..... سب کچھ سمجھ گئی ہو۔ اب نہ سمجھنے کی ایکٹنگ مت کرو..... اسد بھائی سے آپ کی بات پکی ہونے جا رہی ہے..... اور کچھ جانا چاہتی ہیں تو مکمل کریاں کروں۔" مریم نے شوخ لہجے میں کہا تو مومنہ اسے گھور کر رہ گئی۔

"تم تو مجھے راکی ایجنٹ لگ رہی ہو۔" مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔ نہیں..... آئی ایس آئی..... اس سے زیادہ اسٹرونک ہے۔" مریم نے خوش ہو کر کہا۔

"آپا..... ویسے آپ نے اسد بھائی پر کیا جادو کیا ہے کہ پچار سے اتنے بے تاب ہو گئے ہیں..... مجھٹ رشتہ بھیج دیا۔" مریم نے شرارتی

”اللہ..... رے..... ابھی بات نہیں ہوئی تو یہ عالم ہے اور اگر کوئی بات ہو جاتی تو پھر کیا ہوتا..... پھر تو اب تک شادی ہو چکی ہوئی۔“ مریم

نے جیتے ہوئے جواب دیا۔

”جلدی سے جاؤں بھگوو..... میں کوئی سویٹ ڈاش اور رائیہ وغیرہ بنا لیتی ہوں۔“ مومنہ نے بھینچ گی سے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... اب تو بہت کچھ بنے گا..... دردناک آنے سے پہلے ہمیں چکن پلاؤ، پرغناہ ہیں تمہیں..... اسد بھائی! آج مجھے تو نجانے کیا کیا کئے گا؟ مریم ہنسی ہوئی جاوول بھگونے لگی۔

”مریم..... تم آج کچھ زیادہ ہی شوخ ہو رہی ہو۔“ مومنہ نے کہا۔

”آپا..... شادی بیاہ کی باتیں سن کر انسان خوش ہی ہوتا ہے..... اور ویسے آپ بھی اندر سے بہت خوش ہیں..... آئینہ دکھاؤں چہرہ کیسے لگن لگتا رہو رہا ہے۔“ مریم نے چمپے پر نے کے انداز میں کہا اور مومنہ اسے گھورتی ہوئی باہر چلی گئی۔

سلطوت آپا کے لیے انہوں نے اپنی بساط کے مطابق بہت پر تکلف کھانے کا اہتمام کیا تھا اور کھانا بہت مہذب انداز میں زیبیل پر چنا گیا تھا۔ سلطوت آپا ان کے سمر زدگیہ کرماثر ہو رہی تھیں کہ چھوٹے سے گھر میں رہ کر بھی ان میں بہت سلیقہ اور ادب و آداب تھے۔ وہ صوم کے کھانوں کی تعریف کرتی رہیں۔

شام کو وہ ان سے اجازت لے کر چلی گئیں..... ان کے جانے کے بعد زکیہ آپاہت خاموش تھیں..... مومنہ اور مریم چادر ہیں تھیں کہ ماں ان سے کوئی بات کرے۔ انہیں کچھ بتائے مگر زکیہ بالکل خاموش تھیں۔

سلطت آباگھر پہنچیں تو اسدان کی آمد کا شدت سے سخت تھا۔

”اسد بیٹا..... آپ نے کھانا کھایا کہ نہیں..... ہمیں زکیہ نے زبردستی کھانے کے لیے روک لیا..... مگر ہم آپ کے بارے میں فکر مند رہے کہ نجانے آپ نے بھی کچھ کھایا ہے یا نہیں۔“ سلوٹ آپ نے سب سے پہلے یہی سوال کیا۔

”نہیں..... مجھے بھوک نہیں۔“ وہ جلدی سے بولا۔

”خیرن..... پورا..... ثروت کو پولیس..... جلدی کھانا لگائے..... اسد نے ابھی تک کھانا نہیں کھایا۔ شام ہو رہی ہے..... چچا ابھی تک بھوکا ہے۔“ سلطو آجائے فکر مندی سے کہا۔

”افو..... واوو..... اب میں بچ نہیں ہوں کہ آپ کلائیں گی تو کھاؤں گا..... جب مجھے ہوک لگتی ہے میں کھا لیتا ہوں۔“ اسد ہنسنے لگا۔

”ہم بہت اچھی طرح آپ کو جانتے ہیں۔“ سلوٹ آپا نے جواب دیا ثروت اور خیرن بڑا جلدی سے کھانا پھیل پر لگے نہ لگیں۔

”واوو..... آپ نے بہت دیر لگا دی۔“ اسد اصل بات جاننے کے لیے بہت بے صبر اور ہاتھ۔

”ہاں..... زکیہ نے بہت اصرار کیا کہ کھانا کھائے بغیر نہیں جانے دے گی۔ بچاری بچیوں نے جلدی سے کھانا تیار کیا۔“ واوو کہہ کر خاموش ہو گئیں اور اسدان کی طرف استغماہمہ لگا ہوں سے دیکھنے لگا مگر کچھ بھی پوچھتے ہوئے اسے ہچکچاہٹ ہو رہی تھی۔ بیگم صاحبہ..... کھانا فیل پر لگا دیا ہے۔“ خیرن بوانے آ کر اطلاع دی۔

”چلو..... بیٹا..... کھانا کھا لو.....“ وہ اسد کا ہاتھ پکڑ کر بولیں اسد نے بے دلی سے کھانا کھایا اور مختصر ہا کہ دادو اسے کوئی اچھی خبر سنائیں مگر دادو اس کے پاس بیٹھی ادھر ادھر کی باتیں کرتی رہیں۔

”واوو..... کیا آپ نے زکیہ آئی سے بات کی ہے؟ اسد نے کھانا ختم کرتے پوچھا۔

”ہاں..... لیکن وہ مومنہ سے پوچھ کر جواب دیں گی..... واوو نے کہا۔

”تو..... مومنہ سے اسی وقت پوچھ لیتیں۔“ اسد کے منہ سے ناوانستہ لگھا۔

”اسد..... بیٹا..... شادی بیاہ..... زندگی بھر کا معاملہ ہوتا ہے اور ایسے فیصلے بہت سوچ سمجھ کر کرنے چاہیں..... ہمارے زمانے میں تو سالوں بات چلتی تھی۔ پھر رک جاتی تھی..... پھر درمیان میں قرعی لوگوں کے ذریعے پیمائیاں بھجوائے جاتے تھے..... لڑکی والوں کے ہاں جا کر لڑکے والوں کی جوتیوں کے تلوے ٹکس جاتے تھے۔ پھر ”ہاں“ ہوتی تھی۔“ واوو نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”واوو..... آجکل زندگی استقدر قاسم ہے..... نہ تو کسی کے پاس اتنا نام ہے اور نہ ہی فرصت کہ وہ اتنے پکڑ لگائے اور پھر انتظار کرے..... آجکل تو آج ”ہاں“ اور کل شادی والی بات ہوتی ہے۔“ اسد نے مزہ سورتے ہوئے جواب دیا۔

”بیٹا..... سوچنا..... سمجھنا اور فیصلہ کرنا لڑکی والوں کا حق بنتا ہے..... اور ہم نے ان سے کہا ہے کہ وہ اپنے اس حق کا بھرپور استعمال کریں.....“ واوو نے سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

”اب وہ کب تک جواب دیں گی؟“ اسد نے بے صبری سے پوچھا۔

”معلوم نہیں.....“ واوو نے کہا تو اسد کا چہرہ لٹک گیا۔ اس کا دل بھگ گیا۔ اگر مومنہ اسے کسی وجہ سے ناپسند کر کے انکار کر دیتی ہے۔ تو وہ.....؟ اس سے آگے وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا..... وہ مومنہ سے انکار کی توقع نہیں کرتا تھا۔ مومنہ کیا جواب دے گی؟ کہیں وہ اسے مسترد ہی نہ کر دے..... کاش اس کا کوئی کمیٹیک نمبر اس کے پاس ہوتا تو وہ اسے قائل کرنے کی کوشش کرتا اسے بتاتا کہ وہ اس سے محبت کرتا ہے۔ کاش اسے اپنے دل کی باتیں بتا سکتا..... تو شاید وہ سن کر اس کے حق میں فیصلہ دے دیتی مگر اب تو اس کا اپنا فیصلہ ہوگا اور وہ جو چاہے گی..... اسے فیصلہ کرنے کا اختیار ہوگا..... کاش! وہ اس سے کچھ کہہ سکے۔

”اس کی چٹائیوں میں اضافہ ہونے لگا۔ نجانے کب تک اسے انتظار کرنا ہوگا؟ اس نے آدھر کر سوچا۔

زکیہ بہت خاموش تھی۔ سلوت آ پا کے جانے کے بعد وہ ایسی چپ ہو گئی تھی کہ کسی بھی قسم کی بات نہ کی تھی۔ مریم اور مومنہ حیران تھیں کہ

ای خاموش کیوں ہیں۔ دو تو قہقہے کر رہی تھیں کہ وہ بے حد خوش ہوں گی۔ اتنے بڑے اور اعلیٰ خاندان سے رشتہ آنے پر امی کے قدم، خوشی سے زمین پر نہیں ٹکلتے چائیں تھے مگر وہ نجانے کیوں خاموش تھی اور ماں کی خاموشی سے انہیں الجھن ہو رہی تھی۔

”امی..... آج سہولت آئی کیوں آئیں تھیں؟ مریم نے رات کو سونے سے پہلے پوچھا۔

ذکیہ نے اس کی بات سن کر اس کی طرف دیکھا اور گہری سانس لی۔

”کوئی ضروری بات کرنے آئیں تھیں۔“ ذکیہ نے کہا اور بیڈ پر لیٹ گئی۔ مریم نے مومنہ کی جانب متنی خیر انداز میں دیکھا اور خاموش ہو

گئیں۔ انہیں سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ ان کی ماں آخر پریشان اور خاموش کیوں ہے؟ ذکیہ منہ پھیر کر سو گئی اور مومنہ کے دل میں طرح طرح کے خدشات اور دوسرے پیدا ہونے لگے..... اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ذکیہ اس رشتے سے ناخوش ہو..... مگر..... کیوں.....؟ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

”کہیں امی..... انکار ہی نہ کر دیں.....“ یہ سوچ کر اس کا دل بری طرح دھڑکنے لگا اور نجانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں کے گوشوں کو غم کرنے لگے۔

کاش! امی ایسا نہ کریں! اس نے دل ہی دل میں گڑگڑا کر دعا کی اور آنکھیں بند کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگی۔

۵۴

پاک سوسائٹی
ڈاٹ کام

علیہ نے جنر کے ساتھ بلیک ٹاپ پہن رکھی تھی اور اپنے شارٹ کٹ بالوں کو بہت اسٹائل سے ان کو سیٹ کر رکھا تھا۔ باہر گاڑی کا ہارن سنائی دیا تو وہ اپنا بلیک کنڈے پر ڈالے اور اسٹاکش کا گھڑ لگائے وہ باہر نکل گئی۔ عذرت بیگم نے اسے خشکیس لگا ہوں سے دیکھا مگر پیچ تاب کھا کر خاموش رہی۔ جب سے شاکر علی نے انہیں خاموش رہنے کو کہا تھا۔ وہ اس کے کسی معاملے میں دخل نہیں دے رہیں تھیں۔ علیہ سارا دن اپنے کمرے میں کھسی رہتی۔ دل چاہتا تو یونیورسٹی چلی جاتی ورنہ سارا دن کمرے سے باہر نہ نکلتی۔

تنگین اسے پک کرنے آئی تھی۔ تنگین نے انتہائی آڈر لیس پہن رکھا تھا پیپالہ شلوار کے ساتھ انتہائی شارٹ، سیلوئس شرٹ بنخیر دوپٹے کے پہن رکھی تھی۔ علیہ مسکراتی ہوئی اس کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ تنگین نے گاڑی گیٹ سے باہر نکالی اور اسے رپورس کرتے ہوئے اسے اچانک اس نے بیک ویو مرر میں ایک عورت کو انہیں گھورتے ہوئے دیکھا۔

”ہوا ڈی؟ تنگین نے حیرت سے پوچھا۔

”مسز ستر..... (مہر) (بھائی) علیہ نے ناک چڑھاتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ سٹیر (Star) کیوں کر رہی ہیں؟ تنگین نے حیرت سے پوچھا۔

”اٹ اذ ہر ہابی.....“ علیہ بے زاری سے بولی۔

”ہابی.....؟ تنگین نے حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔

”ہاں..... مجھے گھورتا..... مجھ پر تنقید کرتا..... مجھے ہاتس کرتا..... اور ان کی باتوں سے ماما کا ڈشرب ہوتا..... سب ان کی ہابی ہے۔“

علیہ نے غلگی سے جواب دیا۔

”اے انٹر فیرس کیوں؟ تنگین کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔

”شی از لاک وں..... لیو ہر“ اسے چھوڑو علیہ نے غصے سے کہا۔

”تم نے اسے فون کیا؟ علیہ نے بے مبری سے پوچھا۔

”ہاں..... ہی ول پی ویٹنگ فار اس (وہ ہمارا انتظار کر رہا ہوگا) تنگین نے کہا تو علیہ کے چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”ہی از ویری ڈفرنٹ مین (وہ بہت مختلف آدمی ہے) علیہ نے پرامید لہجے میں مسکراتے ہوئے کہا۔

”آل مین آر سیم (سب آدمی ایک جیسے ہوتے ہیں)..... ماما کہتی ہیں تنگین نے جواب دیا۔

”ایڈیوڈ ایکسپریس؟ علیہ نے پوچھا۔

”آل موٹ سیم..... ایڈیوڈ؟ تنگین نے علیہ سے پوچھا۔

”اولس..... جی ایڈیوڈ سلمان..... آل ہا سٹراڈ..... بٹ ہی سیکر ٹو پی ڈفرنٹ (لیکن یہ مختلف لگتا ہے) علیہ نے کہا۔

”کیوں.....؟ تنگین نے بہت تیزی سے سوڈ کاٹتے ہوئے پوچھا ڈونٹ نو..... وہاٹ ڈو یو تھنک؟ علیہ نے اس سے پوچھا۔

”میں اس ایگل (زاویے) سے نہیں دیکھتی..... جس طرح تم اسے دیکھ رہی ہو۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کس ایگل سے؟“ علیہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”محبت کی نظر سے.....“ نگین نے مسکرا کر جواب دیا۔

”آئی ایم ویری ان لکی (میں بہت بد قسمت ہوں)۔“ علیہ نے آدھ بھر کر کہا۔

”کیوں.....؟“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”میری محبت کو نہ کوئی محسوس کرتا ہے اور نہ ہی ویسے ریپانس کرتا ہے۔ جیسے میں Expect (امید) کرتی ہوں۔“ علیہ نے غم آنکھوں

سے کہا۔

”وائے ازات سو (ایسا کیوں ہے) نگین نے پوچھا۔

”شاید..... خدا نہیں چاہتا..... وہ بھی مجھ سے محبت نہیں کرتا۔“ علیہ نے آدھ بھر کر غم آنکھوں سے کہا۔

”تم ایسا کیوں سوچتی ہو.....؟“ نگین نے کہا۔

”وہ مجھ سے پیہنے کا عادی ہے..... پہلے ماما کو چھینا..... پھر.....“ علیہ سسکیاں بھرنے لگی۔

”نگین نے مزاک کی ایک جانب گاڑی روکی اور محبت سے اس کا کندھا سہلانے لگی۔

”علیہ..... پلیز..... لی..... ٹارٹل.....“ نگین نے اپنے سخت و کمر دردے ہاتھوں میں اس کے ہاتھ لے کر سہلاتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم فائن“ علیہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے گاگڑ لگاتے ہوئے کہا۔

”علیہ..... کیا یہ تمہاری ممانہیں؟“ نگین نے دوبارہ ڈرائیو تک کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

”ہائیں..... میری ماما کی ڈیڈھ ہو چکی ہے..... جب میں پانچ سال کی تھی..... پاپا نے میری ماما کی چھوٹی بہن سے شادی کر لی..... شادی

سے پہلے وہ مجھے اور میرے بھائی علی کو بہت چار کرتی تھیں..... لیکن پاپا سے شادی کے بعد وہ بہت بدل گئیں..... علی کو تو پاپا اپنے ساتھ امریکہ لے

گئے ہیں اور میں..... ان کے پاس ہوں..... آئی ہیٹ ہر (میں اسے نفرت کرتی ہوں) علیہ نے ہزاروں سے جواب دیا۔

”آئی ایم سوری۔“ نگین نے کہا اور خاموش ہو گئی۔

دو دنوں اسد کے ویل فرنشڈ آفس میں داخل ہو گئیں۔ اسد آف وائٹ پینٹ کوٹ اور چاکلیٹ شرٹ میں بہت چنڈ سم لگ رہا تھا۔ اس کی

بڑی بڑی جھیل سی گہری براؤن آنکھیں اور نکھری نکھری رنگت میں وہ پہلے سے بھی زیادہ دلکش لگ رہا تھا۔

”ہائے..... ویلکم ٹو مائی آفس“ اسد نے مسکراتے ہوئے کمرے ہو کر دو دنوں کو ویلکم کہتے ہوئے کہا اور کاؤچ کی طرف بیٹھنے کا اشارہ کیا۔

”جھینک یو.....“ نگین نے مسکرا کر جواب دیا اور دو دنوں بلیک انٹالین ٹاکس کے کاؤچ پر بیٹھ گئیں۔

”علیہ کو آپ کی ٹیکسٹائل ڈیکھنے کا بہت کریز ہو رہا تھا میں نے سوچا..... کیوں نا آپ کی ل کاؤٹ کیا جائے۔“ نگین نے بتایا۔

”وائی ناٹ شیور..... یو آ راکو یو ویٹم۔“ اسد نے مسکراتے ہوئے علیہ کی طرف دیکھ کر کہا اور انٹرکام پر اپنی بی بی اے کو کولڈ ڈرگس بھیجنے کو کہا اور پھر دوسرے نمبر پر اپنی ایک اسٹنٹ منیجر مس فرزین کو بلا دیا۔

ٹیکسٹائل مل میں انٹرکٹ کی کوئی خاص وجہ.....؟ اسد نے علیہ سے قدرے سنجیدہ لہجے میں پوچھا۔
 ”مائی گاؤر اڈ انٹرکٹ ان اٹ..... اینڈ..... واٹس ٹو انجیلش ای بی بزنس (میرا باپ اس میں انٹرکٹ ہے اور ایک فیکٹری لگانا چاہتے ہیں) علیہ نے بتایا۔

”ویری ہنس..... اگر وہ اس میں انٹرکٹ ہیں تو یہ بہت اچھا بزنس ہے۔“ اسد نے جواب دیا۔
 ”واب کہاں ہیں.....؟؟ اسد نے پوچھا۔

”امریکہ میں..... اور چند دنوں میں یہاں آنے والے ہیں..... اس لیے میں ریسرچ کر رہی ہوں کہ کونسا بزنس ان کے لیے بہتر ہوگا۔“ علیہ نے پراحتہ لہجے میں جواب دیا۔

”ویری ہنس.....“ اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔
 ”دروازہ کھلا اور انتہائی خوبصورت ماڈرن لڑکی سلیویس شرٹ اور ٹراڈزور پہنے اسد کے آفس میں داخل ہوئی۔
 ”آئیے مس فرزین.....“ اسد نے مسکرا کر کہا۔

علیہ لڑکی کی طرف بخور دیکھنے لگی..... اور اس کے دل میں شک سایہ اہونے لگا۔
 ”اسد..... کو..... تو خوبصورت لڑکیوں کی بالکل بھی کمی نہیں..... اسی لیے اس کا دل بھرا ہوا ہے..... اسی لیے اسے میری بیٹی میں کوئی چارم نظر نہیں آتا..... فرزین خوبصورت تو ہے..... مجھ جیسی نہیں.....“ اس نے دل میں سوچتے ہوئے اپنے آپ کو تسلی دی۔

”مس فرزین..... یہ ہماری انٹل جیسٹ (مہمان) ہیں۔ یہ لوگ مل کا وزٹ کرنا چاہتی ہیں۔ پلیز اس کا ریج کرویں۔“ اسد نے کہا۔
 ”سمر..... ہمارے ٹیکسٹائل انجینئر مسٹر فو آج آف ہیں..... میری ٹیکسٹائل انڈسٹری کے ڈیٹیکٹو کے ساتھ میٹنگ ہے مسٹر اسد ہم آپ کے ساتھ وزٹ کر لیتی ہیں۔

”تعمین نے جلدی سے مس فرزین کا جملہ کانٹے ہوئے کہا تو فرزین سمیت اسد نے انتہائی حیرت سے تعمین کی جانب دیکھا جیسے وہ کسی شخص سے پڑ گیا ہو۔ تعمین کوئی عام شخصیت کی بیٹی نہیں تھی اس کا باپ اس کے بزنس میں اس کی بہت زیادہ گائیڈ کرتا تھا۔ اور اس کی بیٹی کو وہ خود وزٹ نہیں کرا سکتا۔
 ”وائے..... ناٹ؟“ وہ قدرے توقف کے بعد کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

”جھینکس.....“ تعمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

مس فرزین نے حیرت سے اسد کی جانب اور پھر تعمین اور علیہ کی طرف دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں ان گنت سوالات نمایاں نظر آتے تھے۔ اسد نے بھی اس بات کو محسوس کیا۔

”او کے..... مس فرزین..... یو..... کین گو (آپ جاسکتی ہیں) اسد نے کہا تو فرزین حیرت سے سب کو دیکھتی ہوئی باہر نکل گئی۔

”آئی جسٹ واٹ لمڈنٹس (مجھے صرف چند منٹ چاہئیں) اسد نے کہہ کر ایک دو فائٹر کو دیکھنا شروع کیا۔

”کوانٹ ارجنٹ (بہت ضروری ہیں) اسد آہستہ سے بولا۔

دونوں خاموشی سے اسد کی جانب دیکھنے لگیں۔ اسد اپنے کام میں بہت زیادہ مصروف تھا۔ وہ اپنے سامنے رکھے کیمپوٹر اور فائٹر کو ٹیلی کر رہا تھا۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ دونوں اسے کس قدر مشتاق نظروں سے دیکھ رہی ہیں..... تنگین اس کے کام کرنے کی مہارت سے متاثر ہو رہی تھی۔ اس کا اسد کو دیکھنے کا ذراویہ حلق تھا۔ جبکہ علیہ اسے اپنے دل کی آنکھوں سے دیکھ رہی تھی۔ وہ اسے کس قدر خوبصورت اور پُرکشش لگ رہا تھا کہ دل کی ہر دھڑکن کے ساتھ اس کے اندر عجیب و غریب سے احساسات پیدا ہو رہے تھے۔

وہ اسے محبت پاش نظروں سے دیکھ رہی تھی۔ اس کی موجودگی اپنے دل میں محسوس کر رہی تھی۔ اس کے آفس کی غضا میں ہی اس کے کھون اور پر لیم کی سونڈ می سونڈ می خوشبو اس کی روح کو محسوس کر رہی تھی۔

”اسد..... کس قدر خوبصورت شخص لگ رہا ہے۔ کتنی انٹریکٹو پرنٹ لٹی.....“ علیہ کا دل مسکرا مسکا کر اسد کو دیکھ رہا تھا اور اسد اس کے دل کی ہر دھڑکن..... ہر آواز پر سرگوشی سے بے نیاز اپنے کام میں مصروف تھا۔

”ایلیٹس موڈ (آئیے چلیے) اسد نے اچانک فائٹر اور کیمپوٹر آف کرتے ہوئے کہا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑا ہوا۔

علیہ اچانک بوکھلا گئی۔ جیسے اس کے خیالات کا تسلسل ایک دم ٹوٹ گیا ہوا اور اسے اس تسلسل کا ٹوٹنا اچھا نہ لگ رہا ہو..... مگر اس نے خاموشی سے اسد کی طرف دیکھا اور پھر تنگین کی جانب۔ تنگین بھی اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔ تینوں آفس سے باہر نکل گئے۔

اسد کی فیکٹائل مل میں کپڑا بننا تھا۔ فیکٹائل مل بہت بڑی تھی۔ اس کے بہت سے سیکشن تھے۔ اتنی بڑی مل کا وزٹ کرنے کے لیے بہت وقت درکار تھا۔ علیہ اور تنگین، اسد کے ہمراہ مختلف سیکشنز کا وزٹ کرتی رہیں۔ اسدان کو مشینری اور کپڑا بننے تک مختلف مراحل کے بارے میں سمجھنا بہت جتنا تھا۔ تنگین تو قدرے شوق سے سنتی رہی مگر علیہ کو اس میں قطعی دلچسپی نہ تھی۔ اس کے لئے تو بس اسد کی کہنی اہم تھی۔

تین چار گھنٹے مل کے وزٹ میں صرف ہو گئے۔ اسدان کو اپنے آفس میں لے کر آیا تو چائے کے ساتھ کچھ ریفریجمنٹ بھی تھی۔ تنگین اور علیہ کے چہروں پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

”اسد..... آپ اتنی بڑی مل کا کیسے ہی ہینڈل کرتے ہیں.....؟“ تنگین نے حیرت سے پوچھا۔

”اور آل میں اس کا انداز ہوں لیکن میرے ساتھ میرے اسسٹنٹ ورکرز کی بہت بڑی ٹیم ہے..... ہر ایک کے پاس ایک ایک سیکشن ہے اور وہ اپنے سیکشن کا انچارج ہے اس لیے سارا کام بہت Smoothly چلتا ہے۔“ اسد نے چائے پیتے ہوئے بتایا۔

”علیہ خاموش اپنی سوچوں میں گم بیٹھی تھی۔ مس علیہ..... کیا یہ انفارمیشن آپ کے لیے کافی ہے؟ اسد نے اچانک پوچھا تو وہ بوکھلا گئی اور چونک کر اسد کی جانب دیکھنے لگی۔

”نہیں..... آف کورس..... چھٹک ہو..... دیری جگ..... میں پاپا کو اس کے بارے میں بتاؤں گی اور اگر وہ اعتراف ہوئے تو آپ سے میٹنگ کر لیں گے۔“ علیہ نے جواب دیا۔

”ان ٹیکٹ..... یا اپنے اپنے اعتراف کی بات ہے..... میں شروع سے ہی کپڑا بننے کے بارے میں جانا چاہتا تھا اور ایک بار جب میں ایف ایس سی میں تھا تو کالج نے ایک ٹیکسٹائل مل کا وزٹ ارینج کیا۔ تب مجھے بہت انکار مشن ملی اور اس کے بعد میں نے ٹیکسٹائل انجینئرنگ کی۔ اس کے بعد انگلینڈ سے ٹیکسٹائل سے ریلیٹڈ تحقیق کو سرز کئے..... ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں کو سرز کئے..... اور میں سمجھتا ہوں کہ کوئی بھی بزنس شروع کرنے سے پہلے اس کی Know how کے بارے میں جانا بہت ضروری ہے..... کیونکہ جب تک آپ کو کسی چیز کے بارے میں ناچ نہیں ہوتا..... لوگ آپ کی اس کمزوری سے فائدہ اٹھا کر مختلف طریقوں سے ایکسپلائٹ کرنا شروع کر دیتے ہیں..... اور ویسے بھی جو کہتے ہیں نا..... کوئی بات کہنے سے پہلے آپ کو انتظام کے طریقہ سے آگاہی ہونی چاہیے..... اسی طرح بزنس شروع کرنے سے پہلے اس کے بارے میں علم ضرور ہونا چاہیے۔ اس نے بہت شہتہ انداز میں بات سمجھانے کی کوشش کی۔

”نہیں..... یو..... آر..... رائٹ“۔ نگین نے کہا۔

علیہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی۔

”میرا خیال سبب چلنا چاہیے..... کیوں علیہ.....؟ نگین نے علیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....“ علیہ نے بیگ اپنے کندھے پر ڈالتے ہوئے جواب دیا۔

”چھٹک ہو..... دیری جگ..... مسٹر اسد..... ہم نے آپ کا بہت قیمتی نام لیا۔“ نگین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اس مائی پلیئر..... اینڈ..... یو..... آؤ کو بڑے دیکھم“ اسد نے مسکراتے ہوئے دونوں کو آفس کے دروازے تک رخصت کیا۔

”چھٹک ہو.....“ علیہ نے آفس سے باہر نکلتے ہوئے اسد کی جانب حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو جواباً اسد مسکرا کر اس کی

جانب دیکھنے لگا۔ وہ آفس سے باہر نکل گئیں۔

شام کا ٹھکانا اندھیرا پھیل رہا تھا۔ نگین اور وہ یونہی ادھر ادھر سڑکوں پر گھومتی رہیں۔

”نئی ازائے جینس.....“ علیہ کے منہ سے اچانک نکلا۔

”کون..... اسد.....؟ نگین نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....“ علیہ نے جواب دیا۔

”ڈیڑی..... اپنے کچھ دوستوں کا بہت زیادہ Regard کرتے ہیں اور اسد بھی ان میں سے ایک ہیں۔“ نگین نے بتایا۔

”کیوں.....؟ علیہ نے حسرت سے پوچھا۔

”ڈیڑی ایک بار ممنا کو بتا رہے تھے کہ ان کے سب فریڈ زان کی پوسٹ سے کسی نہ کسی طرح غمور لینے کی کوشش کرتے ہیں مگر اسد بہت

سینئر بزنس مین ہیں۔ جیوڈن فورز لیتے ہیں البتہ کوئی پراجیکٹ شروع کرنے سے پہلے گائیڈنس ضرور لیتے ہیں.....“ نکمین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
نکمین..... اسد کی تمہارے ڈیڈی سے فرینڈ شپ کیسے ہوئی؟

آکی مین..... دونوں میں کافی ایج ڈفرنس ہے۔“ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ایک بار میں نے بھی ڈیڈی سے یہی بات پوچھی تھی..... تو وہ مسکرانے لگے..... دونوں کی دوستی پلین (ہوائی جہاز) میں ہوئی تھی۔“ نکمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”پلین..... میں..... اس ایمرنگ“ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... دونوں اکلینڈ سے واپس آرہے تھے اور دونوں ایک دوسرے کے ساتھ بیٹھے تھے۔ اچانک ڈیڈی کو بہت شدید قسم کی Stomochache شروع ہوگئی۔ اسد نے ان کی بہت ہلپ کی۔ ان کا بہت خیال رکھا..... اور یوں دونوں میں بہت دوستی ہوگئی۔ اور جانتی ہو ان کی دوستی کو دس سال گزر گئے ہیں۔ اسد نے بتایا تھا تا کہ وہ ٹیکسائل کورس کے لیے اکلینڈ گئے تھے۔ وہ اسی کورس سے واپس آرہے تھے۔ یوں ڈیڈی اور ان میں بہت دوستی ہوگئی۔ ہر ویک اینڈ پر اسد ضرور ہمارے گھر آتے۔ تب میں اولیول کی سٹوڈنٹ تھی..... وہ ماما اور ڈیڈی کے ساتھ اکثر آؤٹنگ پر بھی جاتے۔ اب وہ ہمارے فیمل فرینڈ ہیں..... ہمارے گھر میں کوئی پارٹی کوئی فنکشن اسد کے بغیر نہیں ہوتا۔“ نکمین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔
”کیا تم بھی ان کے گھر گئی ہو.....؟ ان کے گھر میں کون کون ہے؟ علیہ نے قدرے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... اسد نے ایک بار ہمیں عید ڈنر پر انوائٹ کیا تھا..... ملکہ نور جہاں کی جرنیشن میں سے ایک عہودہ دار ہیں.....“ نکمین نے جیتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟“ علیہ نے چونک کر پوچھا۔

”اسد کے بچہ جس کی ڈیڈھ ہو چکی ہے اور دادو نے ان کی پرورش کی ہے..... ان کی دادو بہت گریس فیل اور گروڈ پرستائی ہیں۔ کیا اسٹاکس ساڑھیاں اور جیولری پہنتی ہیں..... بات چیت میں بھی رائل اسٹائل (شاهی انداز) ہے..... اپنے آپ کو ہم کہہ کر بلاتی ہیں..... میں تو سن کر چونک بی گئی اور ادھر ادھر دیکھنے لگی کہ ان کے ساتھ اور کون کون ہے..... تب ممانے مجھے بتایا کہ ان کا اسٹائل ہی ایسے ہے۔“ نکمین نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

”دیری انٹرٹنگ“ علیہ نے مسکرا کر کہا۔

”اسد از دیری گروڈ مین.....“ تم نے ان کی بات چیت اور مہرز میں ایک مختلف اسٹائل آبزرو کیا ہوگا..... ڈیڈی بتا رہے تھے کہ ان کا فیملی بیک گراؤ بہت زبردست تھا یہ لوگ اٹریا سے Migrate (ہجرت) کر کے آئے تھے اور اٹریا میں ان کے محل اور حویلیاں تھیں..... اسد میں بھی ان باتوں tradition (روایات) کا بہت اثر ہے۔“ نکمین نے بتایا۔

”ہاں..... وہ دوسروں سے بہت مختلف ہے۔“ علیہ نے حسرت بھرے لہجے میں کہا۔

”تکین..... اسد..... مجھ میں اعتراض نہیں.....“ علیہ نے آہ بھر کر کہا۔

”تمہیں کیسے محسوس ہوا.....؟ تکین نے حیرت سے پوچھا۔

”نجانے کیوں..... میرے دل کو ایسا محسوس ہوتا ہے۔“ علیہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”پھر.....؟ تکین نے استغماہمہ لہجہ میں پوچھا۔

”مطلوم نہیں..... ایوری تھمک ازان مرزن (برجنز غیر یقینی ہے) علیہ نے باہمی سے جواب دیا۔

”ڈنٹ یو..... وری..... آئی ول کنولس ہم (تم فکر نہیں کرو..... میں اسے فاکل کروں گی) تکین نے کہا تو علیہ کے اندام میدی پیدا ہونے لگی۔

دل یو.....؟ (کیا تم ایسا کرو گی) علیہ نے بے یقینی سے پوچھا۔ لیس..... آف کورس..... مائی ڈیئر.....“ تکین نے مسکرا کر جواب دیا۔

تھمکنس..... تھمکنس..... آ..... لاٹ (بہت شکریہ) علیہ نے انتہائی خوشی سے بولی۔

تکین نے اسے اس کے گھر ڈراپ کیا..... مزستار لاؤنج میں عذرت بیگم کے ہمراہ بیٹھی باتیں کر رہی تھی۔ علیہ لاؤنج میں داخل ہوئی۔

ایک تک دونوں کی جانب دیکھا اور سلام کیے بغیر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

”مزستار..... کیا علیہ یو نیورٹی سے آ رہی ہے؟ مزستار نے جین بوجہ کر پوچھا۔

”نہیں..... اپنی..... دوست کے گھر تھی۔“ مزستار نے نظریں چراتے ہوئے بولیں۔

”میرا خیال ہے..... یہ وہی دوست ہے..... جو اکڑا سے پک کرنے آتی ہے..... مجھے تو وہ لڑکی بہت سی عجیب لگتی ہے..... کیا آپ اس

کی فیملی کو جانتی ہیں؟ مزستار نے پوچھا۔

”ہاں..... نہیں..... کبھی کبھار..... فون پر بات ہو جاتی ہے۔“ مزستار نے گول مول جواب دیا۔

”مزستار..... جواں بچوں پر بہت کڑی نظر رکھنی چاہیے..... آج کل زمانہ بہت خراب ہے..... مزستار..... کل کو تو سارا انزام

آپ پر ہی آئے گا..... بیٹیوں کی بری بات کی ذمہ داری تو ماں پر ڈالی جاتی ہے اور..... علیہ کے والد تو پہلے ہی ملک سے ہاہر ہیں..... آپ پر تو

دوہری ذمہ داری ہے۔“ مزستار نے قدرے مبالغہ آرائی سے کہا۔

مزستار کے پاس کوئی جواز نہ تھا کہ وہ ان کی بات کی تردید کر سکتی..... اس لئے خاموشی سے سنتی رہیں۔

مزستار..... آپ کی لگائی ہوئی آگ آج کے لیے کافی ہے۔“ اچانک علیہ نے لاؤنج میں آ کر کہا جو کچن سے پانی پینے آئی تھی اور ان کی

باتیں سن کر لاؤنج میں آ گئی تھی۔ مزستار اور عذرت بیگم اس کی بے ہاکی اور بدتمیزی پر حیران رہ گئیں۔ مزستار تو اس قدر بوکھلا گئیں کہ انہیں سمجھ نہیں آ رہا

تھا کہ کیا کریں اور کیا کہیں.....؟ انہوں نے انتہائی شرمندگی سے مزستار کی جانب دیکھا۔ مزستار نے انتہائی غصے سے علیہ کی جانب دیکھا۔

”اندرونیج ہو جاؤ.....“ مزستار نے غصے سے کہا۔

”جاری ہوں..... مجھے بھی آپ لوگوں کی فضول باتیں سننے کا کوئی شوق نہیں۔“ علیہ غصے سے پاؤں بیٹھی اپنے کمرے میں چلی گئی۔

"سوری..... سزستار....." سزسدرت کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہہ کر ان سے معذرت کریں۔

"بہت ہی منہ پھٹ اور بدزبان ہو گئی ہے..... سزسدرت مجھے تو اس بچی کے مستقبل کی فکر ہو رہی ہے۔ ایسی بدزبان اور بد لحاظ لڑکی کو کون اپنے گھر بیاہ کر لے جائے گا..... خدا کی پناہ..... نہ آپ کا خیال..... نہ میری عزت و لحاظ..... سچ بولتی ہوں..... جب چھوٹوں میں بڑوں کا ادب اور لحاظ ختم ہو جاتا ہے..... تو بس بربادی ان کا مقدر ہوتی ہے..... یہ بات آپ لکھ لیں..... اور..... اس کو جلد از جلد گھر سے چلتا کریں۔ آپ کو نہیں معلوم..... لوگ اس کے بارے میں کیا کیا باتیں کرتے ہیں..... اور آپ تو خواہ مخواہ ہی میں بدنام ہو رہی ہیں..... آج مجھے یقین ہو گیا ہے..... آپ کا کوئی قصور نہیں..... اس لڑکی کو اس کی آوارہ دوستیں خراب کر رہی ہیں ورنہ چند سال پہلے یہ لڑکی اسقدر خاموشی، کم گو اور اچھی تھی جب بھی میں آتی تھی کسی نہ کسی کام میں مصروف ہوتی تھی اور اظفر کو تو اس نے ہی پالا ہے..... کبھی اس کے لئے فیڈر میں دودھ بٹاری ہوتی۔ کبھی اس کو نہلا رہی ہوتی۔ نجانے اس کو کیا ہو گیا ہے..... یقین نہیں آتا کہ یہ دی علیحدہ ہے..... اللہ معاف کرے۔" سزستار نے کہا تو سزسدرت کا دل بھرا آیا۔

"اپنی اولاد ہوتی..... تو..... اس کے ہاتھوں آج یوں ذلیل نہ ہو رہی ہوتی۔" سزسدرت نے سسکتے ہوئے جواب دیا۔ اپنی اولاد ہو تو اس پر ڈانٹ ڈھٹ کا بھی اثر ہوتا ہے۔ سزسدرت ٹسوے بہانے لگیں۔

"سزسدرت..... اتنا بد اراز..... اور آج تک آپ نے مجھ سے چھپایا۔" سزستار تجسس سے سزسدرت کے مزے قریب ہو کر بولیں۔

اپنی ہوتی تو اس کے ہاتھوں آج ذلیل نہ ہو رہی ہوتی۔

"میں نے تو..... یہ..... راز اپنے سینے میں ہی چھپائے رکھا..... اس کی حفاظت کرتی رہی۔ یہی سوچتی رہی کہ کسی کو خیر نہ ہو..... میرے اور اس کے رشتے میں کہیں دراڑ پیدا نہ ہو جائے مگر اب وہ دنیا کو خود ہی سب کچھ بتانے پر تکی ہے تو پھر میں کیا چھپاؤں؟ سزسدرت نے بھاری سانس سے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"سزسدرت..... آپ گھبرائیے نہیں..... سچ..... آپ کے آنسو دیکھ کر تو میری آنکھوں میں بھی آنسو آ رہے ہیں۔"

سزسدرت نے جان بوجھ کر وہ ہلکی شکل بنا کر کہا۔

"بس..... یہ تو میں ہی جانتی ہوں کہ میرے اعد کیا کیا غم چھپے ہیں..... اس لڑکی کے ہاتھوں میرا دل چٹکا چھو رہا ہے..... میں کس کو اپنا دل نکال کر دکھاؤں..... اور..... تو..... اور کچھ کہوں تو فوراً ہاپ کو امریکہ فون کرتی ہے اور وہ مجھے دباں سے ذلیل کرتے ہیں۔" سزسدرت سسکتے لگی اور سزسدرت نے محبت سے انہیں اپنے ساتھ لگایا۔

"بس کریں..... مجھے آپ کے دکھ کا احساس ہو رہا ہے..... آپ اسقدر دکھی بھی ہو سکتی ہیں..... مجھے تو یقین نہیں آ رہا۔" سزستار نے آنکھوں کو اپنے دوپٹے سے رگڑتے ہوئے کہا۔

"میں تو پچھتا رہی ہوں..... کہ..... کیوں..... شا کر سے شادی کی؟ سزسدرت نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"سزسدرت..... یہ تو بتائیے..... کہ یہ علیحدہ کس کی اولاد ہے؟ سزستار نے دلچسپی لیتے ہوئے کہا۔

”مزستار کیا تاؤں.....؟ یہ اور علی میری بڑی بہن کے بچے ہیں..... نہ بہت ہائی کی زندگی میں ہی میں نے ان کو اس قدر محبت سے پالا کہ کیا تاؤں..... ہائی کی وفات کے بعد بچے میرے پاس ہی رہتے تھے اور بہت زیادہ اٹھتے تھے کہ بڑوں نے نہ بہت ہائی کی جگہ میری شادی کر دی..... اتنی محبت اور پیار سے میں نے ان بچوں کو پالا ہے کہ میں آپ کو کیا تاؤں..... اور اب وہی بچے میرے دشمن ہو گئے ہیں..... میں بھی کس قدر بد نصیب ہوں..... کہ محبت کے بدلے میں مجھے نفرت ملی ہے۔“ مزستار نے سسکتے سسکتے کہا۔

”ہاں..... یہ تو آپ کے ساتھ بہت ہی بُرا ہوا..... بچی بات ہے مجھے تو آپ پر ترس آ رہا ہے..... آپ اس قدر اچھی خاتون ہیں اور آپ کے ساتھ کتنا برا ہو رہا ہے..... اب وہ کسی غیر کے بھی بچے نہیں..... آپ کی سگی بہن کی اولاد ہیں انسان کس کو انعام دے..... یہ تو آپ کے ساتھ بہت زیادتی ہوئی ہے۔“ مزستار نے تاسف سے کہا۔

”اپنی اپنی قسمت ہے..... ہائی کو سسرال میں بھی بہت عزت ملی..... اور مجھے ان بچوں کی وجہ سے سسرال میں بھی عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھا جاتا..... میری تندہیں مجھے ہی تصور دار ٹھہراتی ہیں کہ میں علیہ اور علی کے ساتھ ظلم کرتی ہوں۔ اب آپ ہی بتائیے کہ میں نے ان سے کوئی زیادتی کی..... اگر علیہ سے گھر کے کام کاج کروائی تھی تو یہی سوچ کر کے کل کو اس نے سسرال جانا ہے۔ بچوں کو سب کام آنے چاہئیں..... اور میری اس بات کو سب نے بدھا چڑھا کر مجھے سسرال میں بے عزت کر کے رکھ دیا۔“ مزستار نے اپنے دل کا بوجھ اتارنے کے موڈ میں تھیں۔

”اسی لیے..... آپ کے ہاں کبھی کسی رشتہ دار کو آتے جاتے نہیں دیکھا۔“ مزستار نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”میں آپ کو کیا کیا تاؤں.....؟ میرا دل دکھوں سے بچنے والا ہے۔“ مزستار نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا آپ فکریں کریں..... اگر کوئی نہیں مانتا تو نہ سہی..... آپ ماشاء اللہ خوبصورت اور پرتائش گھر میں ہیں آپ کو کسی قسم کی فکریں کرنی چاہیے..... آپ اس کی شادی کریں دیں اور پڑ سکوں اپنے گھر میں رہیں۔ بلکہ میں تو کہتی ہوں کہ آپ امریکہ چلی جائیں..... یہ جانے اور اس کے کام“ مزستار نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اب تو کچھ سوچنا ہی پڑے گا..... اب میں اس کا وجود حریہ اس گھر میں برداشت نہیں کر سکتی..... اس کو گھر میں چلتے پھرتے دیکھ کر میرا پی پی ہائی ہونے لگتا ہے..... زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے..... نہ جانے کن گناہوں کی سزا مل رہی ہے۔“ مزستار نے آہ بھر کر کہا۔

”آپ فکریں کریں..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... اور آپ ذرا اس پر توجہ کریں۔ کل کو کوئی رشتہ دیکھنے آتا ہے اور علیہ ان کے سامنے یونہی بدزبانی کرتی ہے تو کیا امپریشن پڑے گا۔ کم از کم اس کو اپنی زبان تو بند رکھنی چاہیے؟.....“ مزستار نے معنی خیز انداز میں کہا تو مزستار نے چونک کر ان کی جانب یوں دیکھا جیسے کوئی بات سمجھ میں آگئی ہو۔

”اب میں چلتی ہوں..... آج تو بہت دیر ہو چکی ہوں..... بچے انتظار کر رہے ہوں گے۔“ مزستار نے اٹھتے ہوئے کہا اور مزستار نے ان کو دروازے تک چھوڑنے لگی۔

مزستار کو علیہ پر اچھائی خصر تھا اور وہ خصرے میں اس کے کمرے کا دروازہ کھول کر اندر چلی گئیں۔ علیہ صوفے پر نیم دراز سرکٹ کے

گہرے سٹش لینے میں مصروف تھی۔ اس کے ارد گرد دھواں پھیلا ہوا تھا۔ مسز ندوت نے غصے سے ناک سکڑتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔ پہلے جب بھی مسز ندوت کمرے میں آتیں تھیں وہ سگریٹ بجھا دیتی تھی مگر آج وہ ان کو دیکھ کر بدستور سگریٹ جیتی رہی اور انہیں اس کو اٹھائی پر پیش آنے لگا۔

”حد ہوتی ہے..... بد تمیزی کی..... کیا ضرورت تھی..... مسز ستار کے ساتھ بد تمیزی کرنے کی..... اب وہ پوری کالونی میں مگر مگر جا کر بتائیں گی..... اور میری سستی بے عزتی ہوگی۔“ مسز ندوت نے غصے سے اسے محو کرتے ہوئے کہا۔

”بس..... ک..... کچھ..... اور.....؟ اس نے سگریٹ مکمل کر کے اسے انیش ٹرے میں ملا۔

آخر تم چاہتی کیا ہو.....؟ مسز ندوت نے غصے سے پوچھا۔

”پوچھنے کا قاعدہ.....؟“

”تو..... پھر کب پوچھتی.....؟“ مسز ندوت نے غصے سے پوچھا۔

”جب پوچھنے کا وقت تھا..... آپ کو اس کا خیال نہیں آیا..... اور اب بتانے کا کوئی فائدہ نہیں۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں طعنے مسکراہٹ سے بولی۔

”تم..... اس گھر کا سکون برباد کر رہی ہو۔“ مسز ندوت نے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

”کیا..... صرف میں..... یا..... کوئی اور بھی.....؟ علیحدہ نے معنی خیز انداز میں مسز ندوت کی طرف دیکھ کر کہا۔

”آئندہ تم نے گھر میں آئے کسی مہمان کے ساتھ بد تمیزی کی..... تو..... پھر مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا۔“ مسز ندوت نے گویا دمکی دیتے

ہوئے کہا۔

”اس کا مجھے پہلے ہی بہت اچھی طرح اندازہ ہے..... کوئی نئی دمکی دیجئے..... ماما.....“ اس نے طعنے لہجے میں بختے ہوئے کہا۔

”اب..... تمہارے پاپا کے آنے پر ہی فیصلہ ہوگا..... اس گھر میں یا تم رہو گی یا میں.....؟ مسز ندوت نے غصے سے کہا۔

”یہ ہوئی بات..... اور اب کی بار بھی آپ ہی جیتیں گی کیونکہ پاپا..... آپ کی اس دمکی کے سامنے اپنا سب کچھ ہار دیتے ہیں..... ان

کے لیے بیوی، بچے، کیا حیثیت رکھتے ہیں۔“ علیحدہ نے آہ بھر کر طعنے لہجے میں کہا تو مسز ندوت اس کی بات سن کر تھلائی ہوئی اس کے کمرے سے باہر

نکل آئیں۔

”بہت بد تمیز..... بیجودہ اور ہزار ہاں ہو چکی ہے۔“ مسز ندوت کا ہانی پانی پھر شوٹ کرنے لگا اور انہوں نے اپنے کمرے میں جا کر بی بی کم

کرنے کی گولیاں کھائیں اور بیڈ پر لیٹ گئیں۔

”علیحدہ نے اپنا انیش ٹرے زور سے زمین پر مارا اور وہ ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا۔ اس کی کڑیاں ناکوں کے فرش پر بکھر گئیں۔

”یہ دل نبانے دن میں اتنی بار کڑی کڑی ہوتا ہے مگر اس کا ٹوٹا دکھائی دیتا ہے اور نہ ہی اس کی بکھری کڑیاں.....“

”اس نے کڑیوں کی جانب دیکھتے ہوئے سوچا۔

”علیحدہ کا سوا ہل بیٹھے لگا..... اس نے نمبر دیکھا تو تین کا تھا۔

”ہیلو..... علیہ کیسی ہو.....؟“ نگین کی آواز میں چپک تھی۔

”قہقہہ.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”ایک انٹر سٹنگ نیوز سنو..... میں نے ابھی اسد کو فون کیا تھا۔“

”کیوں.....؟“ علیہ نے اس کی بات کا سننے ہوئے پوچھا۔

”اس کو جھٹکس بولنے کو..... اور تمہارے بارے میں اس کے خیالات جاننے کو۔“ نگین نے خوش ہو کر بتایا۔

”پھر.....؟ کیا اس نے کچھ کہا.....؟“ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... وہ تمہاری بہت تعریف کر رہا تھا..... سچ..... مجھے تو یقین نہیں آیا۔“ نگین نے ہنسنے ہوئے بتایا۔

”رہنمائی..... آئی ڈیٹ بلیوٹ (مجھے سپر یقین نہیں آ رہا)

”ٹرسٹ می..... علیہ آئی سوئزر (میں قسم کھاتی ہوں)“ نگین نے اسے یقین دلانے کے اہواز میں کہا۔

”آئی ٹرسٹ یو..... ڈیزر..... بتاؤ اس نے کیا کہا؟“ علیہ نے تجسس ہو کر پوچھا۔

”کہنے لگا..... علیہ بہت اچھی اور بہت ڈفرنٹ لگتی ہے.....“ نگین نے بتایا تو مسکراہٹ علیہ کے لبوں پر پھیلنے لگی۔

”اور کیا کہا.....؟“ علیہ نے اور تجسس ہو کر پوچھا۔

”میں نے پوچھا..... ڈفرنٹ کیسے لگی.....؟“

”کہنے لگا..... بہت کم گو..... اور اپنی ذات میں کم رہنے والی لگی۔ نہ تو زیادہ شو آف کرتی ہے اور نہ اور ری ایکٹ اس میں

بہت Calmness ہے“ نگین نے اسے بتایا تو وہ ہنسنے لگی۔

”نہیں کیوں رہی ہو.....؟“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”تم نے اسے بتایا نہیں کہ وہ کتنا بڑا دھوکہ کھا گیا ہے۔ اس کو نظر آنے والی Calmness کے پیچھے کتنا اشتہار اور ڈپریشن ہے..... کم

گو..... اور اپنی ذات میں کم رہنے والی..... اس دنیا سے اور اپنے آپ سے فرار چاہتی ہے..... نگین appearance اور reality میں کتنا فرق اور

کتنا تضاد ہوتا ہے..... لوگ شکل اور تصویر دیکھ کر خود ہی assume کر لیتے ہیں..... انہیں کیا معلوم کہ شکل اور تصویر کی اپنی کتنی کہانیاں ہوتی ہیں.....

دیکھ بھری کہانیاں“ علیہ نے آہ بھر کر کہا۔

”پلیز..... علیہ..... اپنے آپ میں اتنی مایوسی مت پیدا کرو..... ورنہ زندگی گزارنا بہت مشکل ہو جائے گا۔“ نگین نے اسے سمجھایا۔

”نگین..... جو پہلے ہی آگ کے فرش پر چل رہا ہو..... اس کو زندگی کے کانٹوں سے اور کیا خطرہ ہوگا..... جسٹ لیوٹ میں تو یونہی مذاق

کر رہی تھی.....“ علیہ نے ہنسنے ہوئے کہا تم اسد کو فون کر کے جھٹکس بولنا..... آئی ایم شیور اس طرح تم دونوں میں بات ضرور بڑھے گی۔“ نگین نے

پر امید لہجے میں کہا۔

”آئی ایم ناٹ شیور (مجھے یقین نہیں) علیحدہ نے زخمی مسکراہٹ سے کہا۔

پلیز..... بی پازینڈ..... اور اس کو فون کر کے بدست کرنا۔ اس سے اچھی اچھی باتیں کرنا۔“ نکمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیسی اچھی..... جیسی وقاص تم سے کرتا تھا۔“ علیحدہ نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”شٹ اپ..... ہی واڈ ہاسٹرز“ نکمین نے مصنوعی خلقل سے کہا۔ ”ٹھیک ہے..... کوشش کروں گی کہ وہ مہری ہاتوں سے خوش ہو جائے.....

ورنہ..... کسی کو مجھ سے بات کر کے زیادہ خوش نہیں ہوتی..... نہ ماما کو..... نہ بابا کو..... سسر سسر کو..... نہ جی..... اولیس اور سلمان کو۔“ وہ بے ہنگم قہقہہ لگا کر بولی۔

”آئی ٹھنک..... یو.....“ نکمین نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”نہیں..... یو..... آر..... رائٹ۔ یہ زیادہ اچھی نہیں تھی..... میں ابھی تک اپنی سنسز میں ہوں۔ میرا خیال ہے اس میں بھی ملاوٹ ہو

گی..... مانگی تو اپورنہ تھی..... شاید لوکل دے دی..... اسٹوڈنٹ نے۔“ اس نے قہقہہ لگا کر کہا۔

”تم اب ریٹ کرو..... مجھے کچھ کام ہے۔“ نکمین نے کہا اور فون بند کر دیا۔

اس نے ایک اور سگریٹ جلا یا اور اس کے گہرے گہرے کش لینے لگی..... نکمین کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں اور اسے حراوینے

لگیں۔

اسد لانگکس ی (اسد مجھے پسند کرتا ہے) اس نے کمرے کی دیواروں کو بھر پور انداز میں دیکھتے ہوئے اپنے آپ سے کہا اور مسکراتے لگی۔

”اسد آئی ٹو یو.....“ اس نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے موبائل سے اس کا نمبر ملائے لگی مگر اس کا موبائل اس وقت آف تھا..... آج وہ

بہت تھک گیا ہوگا..... ہمارے ساتھ بڑی تھا۔ اس نے مسکرا کر سوچا اور مسکراہٹ اس کے لبوں پر پھیلنے لگی.....

☆

”بابی..... آپ نے ابھی تک دین کا کرایہ نہیں دیا۔ میڈن شروع ہوئے کتنے دن گزر چکے ہیں۔“ دین والے نے سدرو کو دین میں بیٹھتے

ہوئے دیکھ کر کہا۔

”میں..... آج لائی ہوں۔“ اور سدرو نے بیک کھول کر اس کی جیب میں سے پیسے نکالے چاہے مگر تمام پیسے خالی پڑی تھیں۔ اس کا

رنگ ایک دم لپ ہو گیا اور اس نے ہار بار جھٹکیں چیک کیں۔ اس کے ہاتھوں اور چہرے پر پینٹا نے لگا۔ دین والا بغور اس کی جانب دیکھتا رہا۔

”آپ مگر بھول آئی ہوں گی۔“ دین والے نے اس کی گھبراہٹ دیکھ کر کہا۔

”ہاں..... شاید“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”کوئی بات نہیں..... کل دے دیں..... مگر زیادہ لیٹ نہ کیا کریں..... ہمارے بھی ہزار خرچے ہوتے ہیں۔“ دین والے نے کہا تو وہ

خاموش ہوئی۔

دین کالج کی لڑکیوں سے بھری ہوئی تھی اور سب معنی خیز اور مشکوک لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں۔ کچھ اس پر طویہ مکرار ہیں تھیں۔ جیسے کہہ رہی ہوں۔ اس کے ساتھ ہر بار کوئی نہ کوئی مسئلہ ہوتا ہے۔۔۔۔۔ مگر ایسا مسئلہ اس کے ساتھ پہلی بار ہوا تھا۔ وہ ہر بار کرایہ لیٹ ہونے کے بہانے ضرور بناتی تھی مگر ایسا جھوٹ اس نے کبھی نہیں بولا تھا۔ دو سخت شرمندگی سی محسوس کرنے لگی تھی اور خاموشی سے دین کی کھڑکی سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھیں بیچکے تھیں۔

پہلے کہاں چلے گئے۔۔۔۔۔ رات کو خود میں نے بیک کی جیب میں یا اسے رکھے تھے اور جیب پھٹی ہوئی بھی نہیں۔۔۔۔۔ کہاں کر سکتے ہیں۔ اس کا ذہن یہی سوچ سوچ کر پریشان ہونے لگا کہ شاید کہیں کر گئے ہیں اور اگر نہ ملے تو میں کرایہ کہاں سے دوں گی۔۔۔۔۔ اس ماہ اس نے بہت مشکل سے صرف کرائے کے پیسے بچائے تھے۔ ہائی جو نیوٹن ملی تھی۔ اس نے اماں کو گھر کے خرچے کے لیے دے دیئے تھے اور اب اماں سے پیسے مانگوں گی تو وہ ہزار باتیں کرے گی کہ میں جان بوجھ کر بہانہ بنایا ہے۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ پیسے کہاں جاسکتے ہیں؟ اماں نے بھی کبھی اس کے بیک کو ہاتھ نہیں لگایا تھا۔ منی بھی ہمیشہ اس سے مانگ کر لیتی تھی۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ راشد۔۔۔۔۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔

کل رات کو وہ اماں سے ہنسٹ منانے کے لیے پیسے مانگ رہا تھا کہ اس نے پتھنیں اور ڈاوریں خریدنی ہیں۔۔۔۔۔ اور اماں اسے سمجھا رہی تھی کہ ابھی اس کے پاس نہیں۔۔۔۔۔ کل کو بھی والوں سے ادھار مانگے گی تو اسے دے گی۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ راشد نے بھی کبھی اس کے بیک کو ہاتھ نہیں لگایا۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ پیسے کہاں جاسکتے ہیں۔۔۔۔۔ وہ سوچ سوچ کر پریشان ہو رہی تھی۔

”اگر پیسے نہ ملے تو۔۔۔۔۔؟ اور اس سوچ نے اسے کالج میں بھی سارا دن بہت مضطرب کیا۔ وہ اسقدر پریشان رہی کہ توجہ سے کوئی لیکچر نہ سنا۔ اس کی بھوک ویسے ہی مٹ گئی تھی مگر جیب میں بھی کوئی پیسہ نہ تھا۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتی تھی۔ اپنی چار پائی اور کپڑوں کی الماری دیکھنا چاہتی تھی کہ کہیں پیسے وہاں نہ کر گئے ہوں۔ وہ کالج سے ذکیہ پاکی طرف گئی تو اس کا چہرہ بہت اترا ہوا اور اس تھا۔ سوندا ابھی تک یونیورسٹی سے نہیں آئی تھی۔ ذکیہ پانے اس کے لیے کھانا ڈالا مگر اس نے بمشکل چند نوالے لیے۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ آج تم پریشان لگ رہی ہو۔“ ذکیہ پانے اس کے پاس بیٹھ کر محبت سے پوچھا۔

”آپاہی۔۔۔۔۔ کل یہاں ہی بچوں نے مجھے نیوٹن فیس دی تھی۔۔۔۔۔ میں نے اماں کو کچھ پیسے دینے کے بعد صرف دین کا کرایہ پاس رکھا۔۔۔۔۔ مگر آج صبح کرایہ دینے لگی تو پیسے غائب تھے۔“ اس نے رنجیدہ لہجے میں بتایا۔

”کہاں جاسکتے ہیں۔۔۔۔۔ کتابوں میں دیکھنے تھے۔۔۔۔۔ سوندا اور مریم تو اکثر کتابوں میں پیسے رکھ کر بھول جاتی ہیں۔“ ذکیہ پانے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں نے خود بیک کی جیب میں رکھے تھے۔“ وہ مگر مندی سے بولی۔

”گھبراؤ نہیں۔۔۔۔۔ مل جائیں گے۔۔۔۔۔“ ذکیہ پانے اسے تسلی دی اور اگر نہ ملے تو۔۔۔۔۔؟ اس نے پریشانی سے پوچھا۔

”تو بھرا اللہ مستبب الاسباب ہے۔۔۔۔۔ وہ اپنے بندوں کو پریشانیاں دیتا ہے تو مگر ان پریشانیوں کو دور کرنے کے اسباب بھی خود پیدا کرتا

ہے۔“ ذکیہ پانے اسے تسلی دی۔

”موت ہاجی نہیں آئیں۔“ سدرہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... آجکل یونیورسٹی میں کچھ..... کام ہے..... چائیں کیا ہے بتا رہی تھی..... لیٹ ہی آئے گی۔“ ذکیہ پانے کہا۔
”اور مریم.....؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں..... اس کے سر میں درد ہے۔“ کرے میں سوری ہے۔“ ذکیہ پانے جواب دیا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔
اس نے بچوں کو بمشکل ٹیوشن پڑھائی اور گھر پہنچی..... اماں ابھی تک نہیں آئی تھی۔ مٹی بیٹھی اپنی کایوں پر کچھ لکھ رہی تھی۔
”منی..... کیا تم نے یہاں کہیں..... پیسے گرے ہوئے دیکھے ہیں؟ سدرہ نے چادر اتارتے ہوئے پہلا سوال کیا۔
”نہیں..... کتنے تھے“ منی نے پوچھا۔

”ہزار کالوٹ تھا.....“ وہ پریشانی سے بولی۔

”کیا تم ہو گئے ہیں؟ منی نے بھی پریشانی سے سوال کیا۔

”ہاں..... شاید..... دین والے کو کرایہ دینا تھا..... ادھر آؤ..... میرے ساتھ ڈھونڈو۔“ سدرہ نے کہا اور دونوں چارپائی سے چادر گدھا،
تکیہ اس کا غلاف، ہر ہر شے کو جھانچ کر چیک کرنے لگیں۔

”راشد کہاں ہے؟ اچانک سدرہ نے سوال کیا۔

”چائیں..... آپا..... آج تو اس نے اتنی پتھیں اڑائی ہیں اور کیمیکل والی ڈوریں بھی لایا تھا۔“ منی نے خوش ہو کر بتایا۔

سدرہ ایک دم چوکی..... اور منی کی طرف بنوڑ پکھینے لگی۔

”اب وہ کہاں ہے؟ سدرہ نے منی سے پوچھا۔

”چائیں..... ابھی تھوڑی دیر پہلے نڈو کے ساتھ آیا تھا اور سائیکل لے کر چلا گیا۔

”جا..... باہر دیکھ..... اگر ہے تو اسے بلا کر لا۔“ سدرہ نے اسے کہا تو وہ جلدی سے باہر چلی گئی۔ سدرہ شدت سے اس کے آنے کا انتظار
کرنے لگی۔

منی کو باہر گئے ہوئے کافی دیر ہو چکی تھی۔ سدرہ پریشان ہونے لگی۔

”نجانے کہاں رہ گئی ہے؟ وہ خود چادر لے کر اسے ڈھونڈنے کے لیے باہر نکلے۔ شام کا وقت ہو رہا تھا اور اماں بھی آنے والی تھی وہ شام
کے بعد منی کو گھر سے باہر نہیں جانے دیتی تھی۔

اماں خواہ مخواہ اسے ڈانٹنے لگی۔ اس نے دروازے کو تالا لگا دیا اور جیسے ہی باہر نکلے..... منی..... راشد کے ساتھ سائیکل پر بیٹھی آرہی تھی۔

راشد نے پہلے رنگ کی نئی شرٹ پہنی ہوئی تھی اور اس کے منہ میں پان تھا۔ منی کے ہاتھ میں بھی نائیاں اور رسکٹ تھے۔ راشد نے اپنی سائیکل پر
نجانے کتنی گھنٹیاں باندھ رکھیں تھیں اور وہ ٹن ٹن گھنٹیاں بجاتا خوش باش آ رہا تھا۔ سدرہ کو دیکھ کر دونوں چوہے۔

”مٹی..... تو اسے بلانے گئی تھی اور کہاں رہ گئی..... پتا بھی ہے شام ہو رہی ہے..... اماں آنے والی ہے۔“ سدرہ نے مٹی کو لانٹھے ہوئے کہا۔
 ”آپا..... یہ کہنے لگا آجھے سائیکل پر سیر کر لاکھیں..... آپا اس نے مجھے آکس کریم بھی کھلائی ہے۔“ مٹی نے خوش ہو کر بتایا۔
 سدرہ نے راشد کی طرف دیکھا۔ اس کا منہ خوشبودار پان سے بھرا ہوا تھا اور مشکل سے منہ کھل رہا تھا۔ منہ سے رنگدار پان کی رائیں بہہ رہی تھیں۔ سدرہ کو غصہ آنے لگا۔

”تم دونوں اندھا کی“ سدرہ نے تالا کھولا اور اندر داخل ہو گئی۔ راشد اور مٹی اندر داخل ہوئے تو سدرہ نے دروازے کی کنڈی چڑھا دی۔
 ”راشد سنا ہے آج تو نے بڑی ہنسٹ منائی ہے..... بڑی ہنسی چڑھائی ہیں اور یہ نئی شرٹ بھی پہن رکھی ہے..... مٹی کو بھی آکس کریم کھلائی ہے..... خود بھی پان کھا رہا ہے..... کیا تیری لازمی نکل آئی ہے؟ سدرہ نے اسے گھورتے ہوئے پوچھا۔
 ”ہاں..... وہ..... آپا..... اماں نے دیئے تھے۔“ اس نے جلدی سے یہاں گھڑا۔
 ”اماں کے پاس تو پیسے نہیں تھے..... رات کو میں ساری باتیں سن رہی تھی۔“ سدرہ نے پوچھا۔
 ”وہ..... وہ..... گنڈو.....“ وہ بمشکل بولا۔
 ”جھوٹ..... مت بول..... تو نے میرے بیگ سے پیسے چرا لئے ہیں نا.....“ سدرہ نے غصے سے پوچھا۔
 ”نہیں..... وہ تو مجھے زمین پر پڑے ملے تھے۔“ اس نے جھوٹ بولا۔

”پھر..... جھوٹ..... میں نے خود بیگ میں رکھے تھے اور تجھے ذرا بھی احساس نہیں ہوا کہ میں کتنی مشکل سے نوٹس چڑھا کر اپنی پڑھائی کا خرچہ پورا کرتی ہوں۔ آج میں نے دین والے کو پیسے دینے تھے اور بیگ میں پیسے نہیں تھے اب جھوٹ بولنے کے ساتھ ساتھ تو نے چوری بھی شروع کر دی ہے۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔
 ”آپا..... میرے پر الزام نہ لگا۔“ وہ رعب سے بولا۔

”ایک تو..... برے کام کرتا ہے اور دوسرا رعب جھٹاتا ہے۔“ سدرہ نے اسے دو تین تھپڑ لگا دیئے..... اس نے بھی آگے سے ہاتھ اٹھاتا چاہا تو وہ غصے سے اور بھڑکی۔ پاس پڑے دائیہ کے ڈنڈے سے اس نے راشد کی خوب پٹائی کی۔ وہ اسے گالیاں بکھار ہا اور اونچی آواز میں چلا چلا کر دہراتا رہا۔
 باہر دروازہ زور زور سے ہنسنے لگا مٹی نے جا کر دروازہ کھولا تو اماں اندر داخل ہوئی۔ راشد کے رونے کی اور چلانے کی آوازیں سن کر اماں کے حواس باختہ ہو گئے اس کا تو رنگ لٹی ہو گیا۔

”بائے..... میں مر گئی..... میرا بچہ کیوں رو رہا ہے؟ اماں کھانا کھن میں ہی چھوڑ کر اندر بھاگی راشد بیٹھا رو رہا تھا اور سدرہ غصے میں اسے گھور رہی تھی۔

”کیا ہوا.....؟ رشیدہ نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”پوچھا ہی ہے۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

"ماں حمدتے..... واری..... کیا ہوا..... کس نے مارا.....؟ رشیدہ نے راشد کے سرخ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"اماں..... اس نے مجھے ڈنڈوں کے ساتھ مارا ہے۔" راشدہ اونچی آواز میں روتے ہوئے بولا۔

"ہائے..... مر جائے..... تو..... تیرے ہاتھ ٹوٹیں..... کیوں میرے بچے کو مارا ہے۔" رشیدہ نے سدرہ کو تھپڑ لگاتے ہوئے کہا۔

"اماں..... اس نے میرے بیک سے پیسے چوری کر کے ہتھکڑیاں اڑائی ہیں اور پھر جھوٹ بھی بولتا ہے..... میں نے آج دین کا کرایہ دینا تھا۔" سدرہ روتے ہوئے بولی۔

"بس..... اتنی سی بات پر تو نے بھائی کو مارا..... تیری جیسی بہن سے تو وہ اکیلا ہی بہتر ہے..... مر جائے تو..... میرے بھول سے بچے پر تو نے ڈنڈے برسائے..... پیسے ہی کالے تھما....." رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"کتے پیسے خرچ کیے تو نے.....؟ رشیدہ نے راشد سے پوچھا اور اس نے جیب میں سے باقی کے پیسے نکالے۔ رشیدہ نے انہیں گنا.....

صرف دوسو روپے باقی بچے تھے۔ رشیدہ نے پاس سے آٹھ سو روپے نکال کر اس کا ہزار روپیہ پورا کر کے اس کی طرف ذور سے پھینکے۔

"لے..... لے..... اپنے پیسے..... لگھوٹی..... اور خیردار آئندہ میرے بچے کو ہاتھ لگایا..... تیرے ہاتھ میں خود کاٹ ڈالوں گی۔" رشیدہ غصے سے بولی۔

"اماں..... تو..... ایک دن بچھتا ہے گی۔" سدرہ نے پیسے سمیٹ کر بیک میں رکھتے ہوئے کہا۔

"بچھتا تو اب بھی رہی ہوں..... تجھے پڑھا کر رشیدہ نے طحیہ لہجے میں کہا۔

"اب تو میرے گھر میں زیادہ دن نہیں رہ سکتی..... کل ہی زاہدہ کو بلاتی ہوں کہ اس بلا کو میرے گھر سے لے کر جائے۔ میرا تو سکون برباد کر دیا ہے کھنت نے" رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور سدرہ بیٹھ کر رونے لگی۔

وہ اگلے روز کالج سے ٹیوشن پڑھا کر گھر آئی تو تھوڑی دیر بعد کاشف آ گیا۔ وہ اسے دیکھ کر چوک گئی۔

"تو..... آج کیسے آیا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے اسے پوچھا۔

"تجھ سے بات کرنے آیا ہوں۔" کاشف نے بتایا۔

"کیا بات؟ سدرہ نے حیرت سے اسے پوچھا۔

"آج..... پھوپھو نے میری اماں کو بلایا ہے کہہ رہی ہے تیری شادی جلدی کرنا چاہ رہی ہے..... پوچھنے آیا ہوں کیا تو بھی یہی چاہتی ہے؟

کاشف نے سدرہ کو بتایا تو وہ اس کی بات سن کر چوک گئی۔ اسے قلعی امید نہیں تھی کہ اب کی بار اماں واقعی اس کی شادی کرے گی۔

"تیرا کیا خیال ہے؟ تو..... تو کبھی تو تھی کہ تو امتحان سے فارغ ہوگی تو پھر شادی کرے گی..... اب کیا ہو گیا ہے..... کیا کوئی خاص بات ہے؟ کاشف نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کیسی خاص بات؟" سدرہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

”وی تو پوچھ رہا ہوں..... کیا بات ہوگئی ہے جو پھوپھو کو اتنی ایمر جیسی پڑ گئی ہے۔“ کاشف نے پوچھا۔

سدرہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

”اماں کل آئے گی..... پھوپھو سے بات کرنے..... مگر میں حیرتی مرضی جاننے آیا ہوں..... کیا تو بھی یہی جانتی ہے؟ کاشف نے اس

کی جانب بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں لے جا اس مصیبت کو..... ہر روز ہم سے جھگڑتی ہے..... اماں بھی اس کی لڑائیوں سے تنگ آ گئی ہے۔“ راشدہ اچانک مگر

آیا تھا اور دونوں کی باتیں سن کر اندر آ گیا تھا۔ وہ غصے سے بولا تو کاشف نے حیرت سے راشدہ کی طرف اور پھر سدرہ کی جانب دیکھا۔

”دفعہ ہو جا..... یہاں سے۔“ سدرہ نے راشدہ کو غصے سے ڈانٹا۔

”جار ہا ہوں مگر اب تو بھی یہاں نہیں رہے گی۔“ راشدہ کہہ کر چلا گیا اور کاشف کی حیرت کی انتہا نہ دی۔

”سدرہ..... یہ راشدہ کس لہجے میں باتیں کرنے لگا ہے۔ اسے ذرا بھی لحاظ نہیں رہا کہ میں اس سے بڑا ہوں۔ تو اس کی بڑی بہن ہے اور

تیرے میرے سامنے اتنی بدتمیزی.....“ کاشف نے حیرت سے کہا۔

”ہاں..... بس..... محلے کے لڑکوں کے ساتھ بھر بھر کر بدتمیز ہو گیا ہے۔“ دوشر مندگی سے بولی۔ اور کاشف نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا۔

دروازہ کھلا تو رشیدہ اور منی گھر میں داخل ہوئیں۔ آج منی بھی ماں کے ساتھ کام پر گئی تھی کیونکہ کوشی والوں کے گھر شادی شروع ہو رہی تھی

اور کام بہت زیادہ تھا۔ جب کام زیادہ ہوتا تو رشیدہ منی کو اپنے ساتھ سکول سے چھٹی کر دیا کہ کام پر لے جاتی۔

”کاشف آیا ہے..... خیر سے..... بڑے دنوں بعد آئے ہو۔“ رشیدہ نے محبت سے کاشف کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

”السلام وعلیکم پھوپھو.....“ کاشف نے کھڑے ہو کر سلام کی۔

”وعلیکم السلام جیتے رہو..... اللہ..... لمبی زندگی دے..... کیا اکیلے آئے ہو؟ میں نے تو زائدہ کو فون کیا تھا کہ وہ بھی آئے۔“ رشیدہ، سدرہ

کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہاں..... وہ میں ادھر سے گزر رہا تھا..... سوچا آپ کو سلام کر جاؤں۔“ کاشف نے بات بتائی۔

”اچھا کیا..... تمہارا اپنا گھر ہے۔ سدرہ اس کے لئے چائے لے آؤ“ رشیدہ نے سدرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو وہ خاموشی سے ہاہر

نکل گئی۔

”کاشف..... میں نے حیرتی ماں کو اس لیے بلایا ہے کہ سدرہ کی شادی کروں..... میں تو زیادہ دیر گھر سے باہر رہتی ہوں۔ جوان بنی

ہے۔ اب اتنی رکھوالی نہیں ہوتی..... اس کی شادی ہو جائے گی تو میں منی کو کام پر ساتھ لے جایا کروں گی۔ ابھی تو مجھے سدرہ کی وجہ سے منی کو گھر چھوڑنا

پڑتا ہے.....“ رشیدہ نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”لیکن پھوپھو..... سدرہ نے تو کہا تھا کہ احتیاطوں کے بعد وہ شادی کرے گی.....“ کاشف نے کہا۔

”ارے..... رہنے دے..... اس نے پڑھ کر جو تیر مارنا ہے..... شادی کر کے اپنے گھر جائے..... جا کر امتحان دے یا نہ دے..... تم لوگوں کی مرضی..... مگر اب میں اسے نہیں رکھ سکتی۔ تم لوگوں کی امانت ہے۔ جتنا جلدی ہو سکے لے جاؤ“ رشیدہ نے غصے سے کہا اور اس لیے سدرہ جانے کا کپ لیے امداد اٹھ ہوئی۔ اس نے رشیدہ کے الفاظ سن لیے تھے۔ بے بسی سے اس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ کاشف نے اس کی آنکھوں میں تیرے آنسوؤں کو دیکھ لیا تھا اور گہری سانس لی تھی۔

”نہیک ہے..... پھر میں اماں کو بھیجتا ہوں..... آ کر تاریخ مچی کر لے۔“ کاشف نے کہا تو سدرہ جلدی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔ رشیدہ خوش ہو گئی۔

”تو چائے پی..... ذرا میں منہ دھو لوں..... صبح سے منہ ہی نہیں دھویا۔“ رشیدہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف سدرہ کو برآمدے میں کھڑا دیکھ کر اس کے پاس آ گیا۔

سدرہ..... اب تمہارا بیباں رہنا مناسب نہیں..... پھوپھو اور راشدہ تم سے بہت بڑا نظر آ رہے ہیں..... اور..... اس صورت حال میں کوئی دوسری سوچ باقی نہیں رہتی..... تم فکر نہیں کرو..... میں تمہیں امتحان دینے سے نہیں روکوں گا..... خود تجھے موٹر سائیکل پر کالچ چھوڑ کر آؤں گا۔“ کاشف نے مسکرا کر سرگوشی کے انداز میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

یونیورسٹی کی جانب سے سائیکالوجی ڈیپارٹمنٹ کے اسٹوڈنٹس کے لئے مختلف طبی امراض کے بہانوں اور فونٹین ہاؤس کے ٹرپ کے مختلف پروگرامز اراج کیے گئے تھے..... اس لئے مومنہ بہت مصروف تھی..... اور اکثر یونیورسٹی سے لیٹ آ رہی تھی..... ایک ٹرپ ڈاکٹر تھلکین کے ہاسپٹل کے وزٹ کا اراج کیا گیا تھا۔ تمام اسٹوڈنٹس ان کے ہاسپٹل جانے کے بہت مشتاق تھے..... مومنہ کو بھی بہت شوق تھا مگر اچانک زکیہ کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے وہ نہ جا سکی اور اسے نہ جانے کا بہت افسوس ہوا تھا۔

ڈاکٹر تھلکین نے تمام طلباء و طالبات کو اپنے ہاسپٹل کا وزٹ کرایا ڈاکٹر برلاس اور ڈاکٹر مرتضیٰ جیسے سینئر اور دو تین جونیئر ڈاکٹرز پر مشتمل اپنی ٹیم سے سب کا تعارف کرایا۔ ہاسپٹل کی دو اہم وارڈز تھیں۔ ایک الگ الگ ایڈکٹڈ مریضوں کے لیے اور دوسری مختلف ڈرگز ایڈکٹڈ مریضوں کے لیے..... ڈاکٹر تھلکین خود الگ الگ ایڈکٹڈ مریضوں کی وارڈ کے انچارج تھے اور ڈاکٹر برلاس اور دوسرے ڈاکٹر ڈرگز ایڈکٹڈ مریضوں کے شعبے کے انچارج تھے۔ ڈاکٹر برلاس ایک سیمینار کے سلسلے میں لندن گئے تھے اس لئے ڈاکٹر تھلکین نے انہیں زیادہ تر اپنی وارڈ کا وزٹ کرایا اور وہاں موجود مریضوں سے باری باری سب کا تعارف کرایا۔ وارڈ چھاس مریضوں پر مشتمل تھی اور اس وقت وارڈ میں انچاس مریض تھے۔ اکثر کی حالت بہت خطرناک تھی اور چہرے کافی بگڑ چکے تھے۔ بعض ایسے بوڑھے تھے جنہوں نے ساری زندگی شاید شراب کے علاوہ کچھ اور نہیں پیا تھا..... اسٹوڈنٹس ڈاکٹر تھلکین سے ان مریضوں کے بارے میں سوالات کرنے کے لیے بے چین ہو رہے تھے مگر ڈاکٹر تھلکین نے سب کو سمجھا دیا تھا کہ وہ مریضوں سے خوش اخلاقی سے ملیں اور صرف ان کا حال پوچھیں۔ ان کے بیڈ نمبرز نوٹ کریں اور بعد میں کانفرنس روم میں ان کے بارے میں وہ سوالات پوچھ سکتے ہیں۔

”ہر بیمار شخص کی طرح یہ لوگ بھی بہت حساس ہو جاتے ہیں..... اور چھوٹی چھوٹی باتوں پر مشغول ہو کر اپنی جاتی قدم اٹھانے سے بھی دریغ

منہیں کرتے..... اور ان میں سے بہت سے لوگ خودکشی کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ان کے لواحقین ان کی حرکتوں سے پریشان ہو کر انہیں یہاں چھوڑ جاتے ہیں..... اور..... ہم بہت محبت و توجہ سے ان کا علاج کر کے انہیں دوبارہ معاشرے کا کارآمد شہری بنانے کی کوشش کرتے ہیں۔“ ڈاکٹر تھلین نے وزٹ سے پہلے تمام اسٹوڈنٹس کو ہر ہنگام دی۔

تمام اسٹوڈنٹس نے وارڈ کا وزٹ کیا۔ مریضوں سے بہت نرمی و خوش اخلاقی سے پیش آئے۔ ہر ایک کے ہاتھ میں اپنی اپنی فائل اور چین تھے۔ وہ ہر مریض کو انتہائی توجہ سے آہر دکر کے اپنی اپنی فائل میں ان سے متعلقہ سوالات نوٹ کرتے رہتے۔ وہ اپنے ساتھ مریضوں کے لیے پھول اور فروٹ لے کر آئے تھے..... تقریباً تین گھنٹوں میں انہوں نے وارڈ کا وزٹ مکمل کیا۔ مریضوں سے ملاقاتیں کیں..... اور اس کے بعد ڈاکٹر تھلین نے ان کے لیے ریفریف صرف اور بچ کی کمی اس سے قانع ہو کر سب لوگ کانفرنس روم میں جمع ہو گئے۔

تمام اسٹوڈنٹس اپنی اپنی فائلیں کھول کر بیٹھ گئے۔ کانفرنس روم میں سلائیڈ اور پروجیکٹر کے علاوہ پلازما رکھا تھا۔ جس میں مختلف قسم کی ویڈیو ٹیپ دکھائی جاتی تھیں۔ ڈاکٹر تھلین کے علاوہ ان کے اسسٹنٹ ڈاکٹر زبھی وہاں اسٹیج پر موجود تھے اور ایک ٹیم کی صورت میں اسٹیج پر بیٹھے تھے۔ سب کے آگے مائیک تھے۔ اب آپ مریضوں سے متعلق اپنی اپنی آہر روشنی پر مشتمل سوالات پوچھ سکتے ہیں۔“ ڈاکٹر تھلین نے مائیک ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب ایک شراب نوشی کرنے والے شخص اور ڈرگز و ہیرون کے حاوی شخص میں خاص فرق کیا ہے؟ پہلی رد میں بیٹھے ایک طالب علم نے سوال کیا۔

ڈاکٹر تھلین نے اپنے ایک اسسٹنٹ ڈاکٹر معیز کی جانب دیکھا وہ ایک نوجوان ڈاکٹر تھا۔ اس نے مائیک اپنے آگے کھسکایا۔

”الکوحل یعنی شراب کی ایک مخصوص مقدار پینے کے باوجود بھی ایک شخص قدرے نارمل نظر آتا ہے۔ وہ اپنے معاملات بخوبی سرانجام دیتا ہے۔ اپنے آپ میں پہلے سے زیادہ اعتماد اور کام کرنے کی صلاحیت کو active پاتا ہے۔“ بعض لوگ روزمرہ کے کام کاج پر نرس اور خاص طور پر کوئی انتہائی چیلنجنگ کام کرنے کے لیے ڈریک کرتے ہیں اور وہ کام بہت جلدی اور تیزی سے سرانجام دیتے ہیں۔ وہ کئی دنوں کا کام چند گھنٹوں میں مکمل کر لیتے ہیں۔ کیونکہ یہ Senses کو تیز کرتی ہے۔ وہ اپنے اندر ایک انتہائی قوت محسوس کرتے ہیں..... آپ دیکھیں اکثر پرانے زمانہ میں جگوں میں جانے سے پہلے سپاہی الکوحل کا استعمال کرتے تھے۔ کیونکہ وہ سمجھتے تھے کہ وہ انہیں بہادر بناتی ہے..... جبکہ ڈرگز..... ہیرون..... کوکین اور دوسری نشہ آور اشیاء استقدر تیز ہوتی ہیں۔

کہ استعمال کے بعد مریض اپنے آپ سے ہی بے نیاز ہو جاتا ہے۔ وہ بے سدھ پڑا رہتا ہے۔ اس کا جسم مفلوج اور ذہن ہواؤں میں پرواز کر رہا ہوتا ہے۔ وہ روزمرہ کے معاشرتی و کاروباری معاملات کرنے کے قابل نہیں رہتا..... ڈرگز لینے والے کا سب سے زیادہ نقصان خود اس شخص کی اپنی ذات کو ہوتا ہے جبکہ شراب نوشی کرنے والے کا اپنی ذات کے علاوہ معاشرے کو بھی بہت نقصان ہوتا ہے۔“ ڈاکٹر معیز نے جواب دیا۔

”ڈاکٹر صاحب اگر شراب کے اتنے فوائد ہیں تو پھر اس کے استعمال میں اتنی کراہت کیوں؟ ایک اور طالب علم نے سوال کیا۔

”ڈاکٹر تھلین نے اپنی ٹیم میں موجود ڈاکٹر سلمان کی طرف دیکھا اور ڈاکٹر سلمان نے مائیک اپنے آگے کرتے ہوئے جواب دیا۔

”شراب کے استعمال کے وقتی فائدے ہیں۔ اس کے بعد انسان جسمانی اور ذہنی طور پر بہت زیادہ مضطرب ہو جاتا ہے۔ اس کے اندر شراب کی طلب بڑھنے لگتی ہے۔۔۔۔۔ آغاز میں وہ اسے اس کے پینے سے Pleasure (خوشی) اور ایسا طمطوح محسوس ہوتی ہے۔ وہ چیزوں کو انجوائے کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتا ہے۔

خوشی کے موقعوں پر خوشی کے احساسات کو دوبالا کرنے کے لیے اور اپنی خوشی کو Celebrate کرنے کے لیے وہ اسے پیتا ہے۔۔۔۔۔ آغاز میں کبھی کبھار اس کا استعمال کرتا ہے اور یہ استعمال اسے بہت خوش دیتا ہے۔۔۔۔۔ اس کے بعد کوئی ٹیشن ہوتی ہے تو وہ اپنے آپ کو ریٹیکس کرنے کے لیے اس کا استعمال کرتا ہے۔ پہلے وہ اپنے اندر کا اضطراب دور کرنے کے لیے استعمال کرتا ہے۔ وہ اس سے لطف اندوز ہوتا ہے بعد میں یہی چیز اس کے اندر اضطراب پیدا کرنے لگتی ہے اور وہ اس اضطراب سے بچنے کے لئے اس کا استعمال زیادہ کرنے لگتا ہے اور رفتہ رفتہ یہ اس کے جسمانی نظام کو مفلوج کرنے لگتی ہے۔ یہاں تک کہ آٹو ایس کی طرح یہ انسان کو اپنے خطرناک اور زہریلے فلیٹے میں بری طرح جکڑ لیتی ہے اور یوں خوش کن آغاز ایک بھیا تک و خطرناک انجام کو پہنچ جاتا ہے۔“ ڈاکٹر سلمان نے جواب دیا۔

”ڈاکٹر صاحب یہ بات کہاں تک درست ہے کہ شراب بہت سی بیماریوں میں دوا کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہے۔ یہ جسم کو گرم بھی رکھتی ہے۔ یہ انسان کے اندر جنسی قوت میں اضافہ کرتی ہے۔ انسان کو ٹیڈنٹ (پراحتاد) اور Daring (بہادر) بناتی ہے۔“ ایک لڑکی نے درمیانی رو میں سے کھڑے ہو کر سوال کیا۔

”ڈاکٹر تھلین کے دیکھنے سے پہلے ہی ڈاکٹر سہیل نے مائیک ہاتھ میں پکڑا اور اس سوال کا جواب دینے لگا۔

”یہ سب آپ کو مادی اور وقتی فائدے نظر آئیں گے۔۔۔۔۔ اس کے اخلاقی فوائد بہت کم دکھائی دیں گے۔۔۔۔۔ آپ ایک اور فائدہ بتانا بھول گئی ہیں کہ اکثر شراب پینے سے شریہوں کے اندر کا انسان اور اس کی فطرت مکمل کر سامنے آ جاتی ہے۔۔۔۔۔ اگر شرابی جھڑا لودسا دی فطرت کا ہوگا تو وہ شراب پی کر غل غپاڑہ اور دنگا دنگا کرے گا۔ اگر شریف انفس فطرت کا مالک ہے تو اچھی باتیں کرے گا۔ اگر گھٹیا اور کمین فطرت کا مالک ہے تو وہ ویسا ہی سامنے آئے گا۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر سہیل نے جواب دیا۔

”ڈاکٹر صاحب کیا یہ اچھی بات نہیں کہ انسان کی فطرت کو جاننے کے لیے اسے شراب پلا دی جائے۔“ ایک اسٹوڈنٹ نے سوال کیا اور خودی مسکرانے لگا۔

”جہیں۔۔۔۔۔ اللہ تعالیٰ سہرا لعیوب (عیبوں پر پردہ ڈالنے والے) ہیں۔ وہ ایک انسان کو دوسرے انسان کے سامنے شرمندہ و سبے عزت ہوتا نہیں دیکھ سکتے۔ اس لیے انہوں نے کچھ باتوں اور چیزوں کو غفلت رکھا ہے۔ اسی میں انسان کی عافیت اور فلاح ہے۔ ایک دل میں دوسروں کے لیے نیجانے لگتی رنجش، بغض، عداوت اور کینہ ہوتا ہے اگر وہ سب کچھ کسی طرح دوسروں پر ظاہر ہونا شروع ہو جائے تو معاشرے میں ہر جانب انتشار اور فساد نظر آئے۔ اس لیے یہ فائدہ بھی ایک بہت بڑے نقصان کی صورت میں سامنے آتا ہے۔ اب آپ کا پہلا سوال کہ شراب دوا کے طور پر بھی استعمال

ہوتی ہے۔ اس ضمن میں سب سے پہلے میں ہادی برحق حضور کی حدیث پاک کو بیان کروں گا۔

آپ کا فرمان ہے کہ شراب دوائش ہے لیکن مرض (بیماری) ضرور ہے۔“

اور اس ضمن میں مسلم اور ترمذی میں روایت ہے کہ ایک صحابی طاری حنفی نے حضورؐ سے کہا کہ میں اس کو دوا کے طور پر استعمال کرتا ہوں اور آپؐ نے انہیں منع فرمایا کہ یہ دوا ہرگز نہیں۔“

بعض لوگ اس کی قلیل (تھوڑی) مقدار کو دوا کے طور پر استعمال کرنے کو جائز سمجھتے ہیں۔ یہ بھی غلط ہے..... جس چیز کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس کی تھوڑی سی مقدار بھی حرام ہے اور اس میں کبھی بھی شفا نہیں ہو سکتی..... اور جس شے کے استعمال سے انسان لاعلاج امراض میں مبتلا ہوتا ہے اس میں شفا کیسے ہو سکتی ہے۔“

دوسرا سوال کہ یہ جسم کو گرم رکھتی ہے تو اس ضمن میں اہم بات یہ ہے کہ یہ گرمائی دھمی نوعیت کی ہے کیونکہ شراب خون کی تالیوں (Blood vessels) کو وسیع کر دیتی ہے بالخصوص جو جلد کے نیچے ہوتی ہیں اور شرابی کو اپنے اندر گرمی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ شرابی کے جسم سے اصل گرمی و حرارت کم ہو جاتی ہے اور یورپ میں اکثریت سخت سردی کے موسم میں پارکوں اور سڑکوں پر مردہ حالت میں پائی جاتی ہے۔ کیونکہ وہ اپنے آپ میں گرمائی محسوس کرتے ہیں جبکہ موسم کی سردی حقیقت میں ان کو نقصان پہنچاتی ہے..... جبکہ حقیقت اس کے برعکس ہوتی ہے۔ تیسرا سوال کہ یہ جنسی قوت میں اضافہ کرتی ہے اس کا جواب ٹھیکہ کرنے میں دیا ہے۔

"I provokes the desire but takes away the performance."

یہ وقتی طور پر شرابی میں (Sexual desires) کو بہت زیادہ بڑھاتی ہے اور وہ ان لحاظ کو بھرپور طریقے سے انجوائے کرنا چاہتا ہے مگر وہ کسی طور پر مطمئن نہیں ہو پاتا..... اور آہستہ آہستہ یہ بات اس میں بہت فرسٹریشن اور اضطراب پیدا کرنے لگتی ہے..... وہ اپنی بیوی کے ساتھ ازدواجی تعلقات سے تسکین نہیں پاتا اور دوسری عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات بڑھاتا ہے۔ جب ان سے بھی تسکین نہیں پاتا تو وہ کم عمر عورتوں کے ساتھ تعلقات بڑھاتا ہے اور رفتہ رفتہ ایسے لوگ gays بن جاتے ہیں۔

مرد کے گردوں کے اوپر والے غدود supra renal glands قلیل مقدار میں ہارمون خارج کرتے ہیں۔ صحت مند جگر ان ہارمونز کو برابر توڑتے رہتے ہیں۔ یہاں تک کہ مردانہ ہارمونز testo steron باقی رہ جاتے ہیں اور وہی غالب آ جاتے ہیں لیکن بیماری سے متاثرہ جگر اس اہم کام کو سراسیمہ نہیں دے سکتا۔ شراب پینے والوں کے جسم میں مردانہ ہارمونز کم ہونے لگتے ہیں اور انہی ہارمونز جسم میں زیادہ ہونے لگتے ہیں اس کے علاوہ شراب دماغ کے درمیانی حصے by po thalmas پر اثر انداز ہوتی ہے اور یہی مرد میں مٹی کے اخراج کو کم کر دیتی ہے۔ اس لیے شراب پینے والوں کی آواز باریک، ہال کم اور چھاتیوں بڑی ہونے لگتی ہیں۔ ان کا عزم و ارادہ کمزور ہونے لگتا ہے۔ کلیوں میں جربلی جمع ہونے لگتی ہے اور مردانہ صفات کم ہونے لگتے ہیں۔

شراب پینے والی عورتوں میں بھی جنسی قوت کم ہونے لگتی ہے اور ان کے Placenta میں مسائل پیدا ہونے لگتے ہیں جس کی وجہ سے بار

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

باران کا abortion ہو جاتا ہے۔

اس طرح وقتی قوت رفتہ رفتہ بہت مسائل پیدا کرنے لگتی ہے۔

وہ وقتی طور پر اپنے اندر خود اعتمادی محسوس کرتا ہے جیسا کہ برطانیہ کی سب سے بڑی اور مشہور طبی کتاب price text book of medicines میں ہے۔ ”پہلے یہ انسان میں اضطراب دو کرتی ہے رفتہ رفتہ انسان شخص اضطراب کا شکار ہونے لگتا ہے۔“ یہ شراب انسان کے دماغ کے بالائی حصوں میں غصہ و کینہ کی کیفیت پیدا ہونے کے باعث اس سے حیا اور مرد باری کے احساسات ختم ہو جاتے ہیں۔ اس میں پہچان و بے خودی اور محمود و شراری کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ اس طرح یہ انسان میں جسمانی، جنسی و اخلاقی گراؤ کا باعث بنتی ہے۔ ڈاکٹر سیمیل نے بہت تفصیل سے بتایا۔

”ڈاکٹر صاحب شراب کو ام الغبائٹ (مراہوں کی جز) کس بنا پر کہا گیا ہے جبکہ دوسری حرام کردہ اشیاء کے بارے میں ایسا نہیں فرمایا گیا؟ ایک اسٹوڈنٹ نے سوال کیا۔

”ڈاکٹر تھلین نے اب کی بار مائیک خواہنے ہاتھ میں لیا اور انہوں نے ڈاکٹر معجز کی طرف دیکھ کر اشارہ کیا ڈاکٹر معجز نے اللہ کریم کو یلہ یو میں موجود ایک کیسٹ کو آن کیا پلازما آن ہوا۔ سب لوگ تجسس انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگے۔ سب سے پہلے ایک چھوٹا سا پارٹی سین تھا۔ جس میں بہت ماڈرن مرد و خواتین خوش گپیوں میں مصروف تھے اور سب کے ہاتھوں میں شراب کے گلاس تھے۔ سب مسکرا مسکرا کر باتیں کرتے ہوئے شراب پی رہے تھے۔

پھر سین بدلا اور ایک ڈرائنگ روم سین تھا جس میں کچھ نوجوان لوگ بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے اور ان کے درمیان نخل پر دان گلاسز تھے۔ سب نے جیمز زک کہ کر شراب پینا شروع کر دی۔ وہ آہستہ آہستہ مدہوش اور سرور ہونے لگے پھر سب اٹھ کر ایک گاڑی میں بیٹھ کر سڑک پر آ گئے۔ وہ سیٹیاں بجانے اور دل خواہانہ کرنے لگے۔ ٹریفک سکنک توڑتے ہوئے اور انتہائی تیز رفتاری سے گاڑی چلاتے ہوئے دوسری گاڑیوں کو اور ٹریفک کرتے ہوئے وہ بہت ایکسٹنٹ محسوس کرنے لگے۔ وہ مستی اور سرشاری میں انتہائی تیز رفتاری سے جا رہے تھے۔ یہاں تک کہ سامنے سے آتے ہوئے ٹرکوں اور دوسری گاڑیوں سے وہ بمشکل ٹکراتے ہوئے بچے اور آخری بار ٹک جانے پر وہ خوشی سے نعرے لگاتے۔ اتنی تیز رفتاری سے جاتے ہوئے انہیں احساس ہی نہ ہوا اور ایک بندریلو سے بچانک سے بری طرح ٹکراتے دوسری جانب سے ریل گاڑی آ رہی تھی اور دونوں کے تصادم سے زبردست نقصان ہوا۔ گاڑی کے پرچے اڑ گئے اور اس میں موجود تمام لوگوں کے سر، دھڑا دھڑا بکھر گئے۔ ٹرین ریل کی پٹری سے اتر کر الٹ گئی اور اس کی کتنی یوگیاں الٹ گئیں ہر طرف کھرا مچ گیا۔ ہر طرف گوشت اور خون نظر آنے لگا۔ نشستوں پر بیٹھے تمام لوگوں کی آنکھیں آبدیدہ ہونے لگیں ایسے حادثات کے بارے میں ہر روز سننے میں آتا تھا۔ مگر ان کی بہت سی وجوہات میں ایک اہم وجہ شراب نوشی بھی ہوتی ہے۔ سب خاموش اور مضطرب ہونے لگے۔ اس کے بعد ایک اور clip میں ایک شخص کو دکھایا گیا جو درنگ کر کے گاڑی چلا رہا ہے اور اس کی نظر راہ چلتی ایک خوبصورت لڑکی پر پڑتی ہے۔ وہ اسے بار بار گھورتا ہے اور پھر اسے زبردستی گاڑی میں ڈال کر لے جاتا ہے اور اس کا rapel کر کے اسے سڑک پر پھینک دیتا ہے۔

ایک اور clip میں شراب پینے والے شخص کا اپنی بیوی سے جھگڑنا اور اسے مار پیٹ کرتے دیکھا جاتا ہے۔ وہ بچوں کو مارتا ہے گھر کے برتن توڑتا ہے اور گھر میں انتہائی پریشانی پیدا کرتا ہے۔ بیوی بچے رو تے دکھائے جاتے ہیں جبکہ وہ دوستوں کے درمیان بیٹھ کر شراب نوشی کرتا ہے اور ان کے ساتھ بیٹھ کر جوا کھیلتا ہے۔

اس کے بعد ایک اور سین بدلا۔ اور ایک اوجیز عمر شخص کے سامنے ٹیبل پر شراب کی دو تین بوتلیں رکھی ہیں اور وہ ہر بوتل میں سے بار بار شراب پیتا ہے یہاں تک کہ اسے قے آنے لگتی ہیں اور وہ بالکل مدہوش ہو کر گر جاتا ہے۔

اس کے بعد ایک باکسل کے کمرے کا سین دکھایا جاتا ہے جس میں بیٹھ کر ایک شراب نوش پڑا ہے اور بہت شراب پینے سے اس کا جگر اور گردے خراب ہو چکے ہیں اور وہ بیڈ پر لیٹا تڑپ رہا ہے۔ ڈاکٹر اور نرسیں پاس کمرے اس کو بچانے کی کوششیں کرتے ہیں مگر وہ تڑپ تڑپ کر دم توڑ جاتا ہے۔

ڈاکٹر حیرانہ کر بیٹھ گیا اور پلازما آف کر دیتے ہیں۔

ڈاکٹر تھکنے نے ہال میں موجود تمام طلباء و طالبات کی جانب دیکھا۔

”آپ نے دیکھا کہ شراب صرف پینے والے پر ہی خطرناک حد تک ہی اثرات مرتب نہیں کرتی یہ اس کے گھر اور پورے معاشرے کے لئے بھی بہت خطرناک ہے۔ شراب اور ڈرگز استعمال کرنے والے تمام مریض کم دبیش ایسے ہی جرائم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ جن سے معاشرے پر بہت برا اثر پڑتا ہے۔ دوسری حرام کردہ اشیاء کا نقصان استیصال کرنے والے کی اپنی ذات کو زیادہ اور کسی حد تک معاشرے کو بھی ہوتا ہے لیکن ”شراب“ ایسی چیز ہے جو فرد کے ساتھ پورے معاشرے کو بھی جہاں کر دیتی ہے۔ یہ ایسی چیز ہے جو خوش کن خیالات سے خوبصورت فنی اور اس خوبصورت فنی سے انتہائی خطرناک دلدل کی جانب لے جاتی ہے۔

ایسی دلدل جس میں صرف موت اور تباہی ہے۔

جیسا کہ ایک یورپی محقق نے بہت تحقیق کے بعد لکھا ہے ”کہ انسان کو شراب سے زیادہ کسی چیز نے زیادہ زک نہیں پہنچائی۔ شراب کی وجہ سے لوگ جنون اور لاعلاج امراض کا شکار ہو جاتے ہیں۔ قتل و غارت کے علاوہ، اعصابی بیماریوں اور پیٹ و غیرہ کی تکالیف کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اپنی جائیدادیں بچھو دیتے ہیں اور اپنی جانوں سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔“ ڈاکٹر تھکنے نے وضاحت سے بتایا۔

”ڈاکٹر صاحب کیا آپ کے پاس مریض زیادہ تر ان کی صحت کی خرابی کی وجہ سے لائے جاتے ہیں یا معاشرے میں بگاڑ کی وجہ سے؟ ایک اسٹوڈنٹ نے پوچھا۔

”در اصل شراب پینے سے طبی اور اخلاقی نقصانات استقدر زیادہ ہوتے ہیں۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انداز میں معاشرے پر برے اثرات مرتب کرتے ہیں۔ میں آپ کو مختصر اس کے طبی نقصانات کے بارے میں بتاتا ہوں اور پھر معاشرے پر اثرات کے بارے میں تاکہ ان کو جہان نسل پر اس کے منفی اثرات کے بارے میں تصویر واضح ہو جائے۔

”ڈاکٹر پیٹر نے لکھا ہے کہ انسان وقتی سرور کو ابھارنے کے لیے شرابیوں سے مشابہہ کوئی اور چیز دریافت نہیں کر سکا جبکہ وہی چیز بیک وقت زندگی اور صحت کو برباد کرنے میں اپنی مثال آپ نہیں رکھتی کیونکہ اس جیسا کوئی دوسرا مادہ عادت پیدا کرنے والا نہ ہو بلکہ اپن اور معاشرے کے لیے انتہائی خطرناک نہیں پایا گیا۔“

سب سے پہلے میں معدے پر اسکا اثر واضح کروں گا۔ ”جیسا کہ آغاز میں یہ aperizer یعنی بھوک کو بڑھانے اور کھانے کو ہضم کرنے کے لیے استعمال ہوتی ہے مگر حقیقت ہے کہ اس کی تھوڑی سی مقدار بھی معدے کی دیواروں میں لعاب دار تھیلوں کو پھینک میں لے آتی ہے اور معدے سے حیرانیت کے خارج ہونے میں اضافہ کرتی ہے آہستہ آہستہ یہ مسئلہ انتہائی پیچیدگی اختیار کرتا اور چھوٹی آنت کے اگلے حصے میں ناسور کا باعث بنتی ہے۔

اگر زیادہ طاقتور نشہ دہنسی اور براڈری پی جائے تو معدے میں دائمی سوزش کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ دہنسی میں الکحل کی زیادہ مقدار انسان کے جگر کو خراب کرنے اور نظام ہضم کو برباد کرنے کے لیے کارڈی کے ساتھ کام کرتی ہے۔ شراب سب سے پہلے خون میں پھیلتی ہے پھر وہاں سے نشوز میں چلی جاتی ہے۔ شراب میں موجود الکحل اعصابی نظام کے خلیات کو بے حس بنا دیتے ہیں۔ یہ دماغ کی اوپر والی سطح پر بری طرح اثر انداز ہو کر انسان کی غور و فکر اور عقل کو متاثر کرتے ہیں یہ انسانی جسم کے خلیات میں انتشار کا باعث بن کر بیماریاں پھیلاتے ہیں۔ انسان میں دماغی غلط بنیاد اور ارتعاش پیدا ہونے لگتا ہے۔ اس کے جسم میں مختلف وجہ منور کی کمی ہونے لگتی ہے چونکہ الکحل بہت زیادہ گرم نوعیت کی ہوتی ہے لہذا اس کی oxidation کے عمل کے لیے وٹامن B کی بہت بڑی مقدار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ایک شرابی ایسی غذا استعمال نہیں کرتا جس میں وٹامن بی بہت زیادہ ہو۔ دوسری جانب وہ شراب کی مقدار بھی بڑھاتا جاتا ہے کیونکہ کم مقدار سے اس کا اضطراب دور نہیں ہو پاتا اور جسم میں وٹامن بی کی بہت زیادہ کمی ہونے لگتی ہے جو بہت سی بیماریوں کا باعث بنتی ہے۔

اس کے علاوہ بوزھے لوگوں اور شرابیوں میں ام الحافینائی ایک بیماری پیدا ہو جاتی ہے جس سے خون کی ہارک ٹالیاں پھٹ جاتی ہیں اور جمع شدہ خون دماغ کے اگلے حصے اور کٹھنوں پر اثر ڈالتا ہے۔ خون میں انتشار کے باعث خونی دانے، انگلیوں کی پوریں موٹی اور جسم میں سوانیت بڑھنے لگتی ہے عورتوں میں ماہواری کم اور جنسی رغبت بہت کم ہونے لگتی ہے۔ جسم کے خود کار عضلات بری طرح متاثر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ گایا، جسم کے اندر ایک اہم مادہ ہوتا ہے جو اختلاقات ارتعاشات کو روکتا ہے یہ ایسویک (گلوٹامک) حیاتین اور پیراڈاکس قادر مولے کے مطابق ترکیب پاتا ہے۔ یہ جسم میں اختلاقی اور مرگی کو روکتا ہے۔ شراب اس اہم مادے ’گابا‘ کو بننے سے روکتی ہے جس کی وجہ سے دماغ کے خلیات کا پھجان زیادہ ہو جاتا ہے اور مرگی کے دورے شروع ہو جاتے ہیں یہ خصوص شراب (رم) کی وجہ سے پیدا ہوتے ہیں۔ چنانچہ 40% شرابی معدے کی سوزش 17% جگر کے امراض اور 20% میں اعصابی نظام کی خرابی پیدا ہوتی ہے۔

شرابی میں رفتہ رفتہ بکلاہٹ، لڑکھڑاہٹ، نظر میں دھندلاہٹ سونگھنے اور سننے کی حس بھی متاثر ہوتی ہے۔ چہرے اور آنکھوں میں خون اکٹھا ہونے لگتا ہے۔ سر میں درد اضطراب، پھجان، ہچکچایاں، خون کے سفید ذرات متاثر ہونے لگتے ہیں جسم کے امراض سے مقابلہ کرنے کی قوت کم ہو جاتی ہے۔ پیشاب کثرت سے آنے لگتا ہے جو ماں شراب بنتی ہے اس کی چھاتی سے دودھ کم آنے لگتا ہے۔

اس کے علاوہ شراب سے بہت سے نفسیاتی اور اخلاقی مسائل جنم لیتے ہیں۔ رفتہ رفتہ انسان میں اضطراب، پھپھان اور انتشار پیدا ہونے لگتا ہے وہ چھوٹی چھوٹی باتوں پر غصے میں آ کر تشدد کا راستہ اختیار کر لیتا ہے۔ aggressive ہو کر سامنے رکھتی چیزوں کو توڑنے لگتا ہے۔ اس کے دماغ میں delusions یعنی گمراہ کن اعتقادات اور خیالات جنم لینے لگتے ہیں اور وہ اپنے گرد و پیش کی ہر چیز کے بارے میں مبہم و مشکوک ہونے لگتا ہے۔ یہاں تک کہ اپنی بیوی اور، ماں، بہن، ہر عورت مشکوک ہو جاتی ہے۔ دوسروں کو عزت کی نگاہ سے نہیں دیکھتا اور اپنے اندر جنسی شیبت مفقود ہوتی جائے گی اور اس کی تسکین کے لیے وہ بے راہروی کے راستے اختیار کرتا ہے۔ بعض اوقات بہت زیادہ مضطرب ہو کر خودکشی کی بھی کوشش کرتے ہیں۔ ان میں شیڈ و فریج علامات پیدا ہونے لگتی ہیں۔ hallucination کا شکار ہونے لگتے ہیں۔ ان کو تصوراتی سامنے اور موبوم آوازیں بھی سنائی دیتی ہیں۔ عجیب و غریب خوشبوئیں سونگھتے ہیں جن کا کوئی وجود نہیں ہوتا ہے ان کو محسوس ہوتا ہے جیسے ان کی جلد کے نیچے کیڑے مکوڑے رہ رہے ہوں۔ لمس کی قدرت بھی متاثر ہوتی ہے۔ احساسات، سماعت، بصارت، سونگھنے، لمس اور ذائقہ کی حسیات متاثر ہوتی ہیں۔ رشتہ زبان میں لڑکھڑاہٹ، ان کے اندر سخت باطل اعتقادات پیدا ہونے لگتے ہیں یا داشت متاثر ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ بولنے کی عادت پڑ جاتی ہے۔ اور انجائی جنونی ہو جاتا ہے۔ اس کے علاوہ نشی حالت میں اسے اپنے آپ پر قابو نہیں رہتا۔ کبھی اچانک ہی بہت زیادہ ہنسے لگتا ہے اور کبھی اچانک ہی رونے لگتا ہے ہات کو بہت دھراتا ہے۔ اگر منع کیا جائے تو ناراض ہو کر تشدد پر اتر آتا ہے۔

الغرض مختلف دسروں سے شروع ہونے والی اس چیز سے انسان رفتہ رفتہ بالکل ناکارہ اور مفلوج ہونے لگتا ہے۔ قدرت کو چھٹکا اپنے ہٹائے ہوئے انسان کا یوں منتشر اور جہ و ہوا ہونا پسند نہیں اس لیے اس شے کے استعمال کو حرام قرار دے دیا گیا اور اگر پورے معاشرے پر نظر دوڑائی جائے تو کسی بھی شرابی کو شروع سے لے کر آخر تک ایک پرسکون، متوازن اور صحت مند زندگی گزارتے ہوئے نہیں دیکھا گیا۔ وہ اپنے خیالات، احساسات اور جنونی کیفیت سے معاشرے میں کسی نہ کسی طرح بگاڑ ضرور پیدا کرتا ہے۔ اس کی اپنی فیملی لائف، بچے، ارد گرد کے لوگ ضرور متاثر ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ شراب کے استعمال اور اس کے اثرات سے پیدا ہونے والے نقصانات سے آپ کو مکمل آگاہی ہو چکی ہوگی۔ اگر کوئی سوال آپ کے ذہنوں میں آ رہا ہو تو آپ پوچھ سکتے ہیں۔ "ڈاکٹر تعلیم نے ہال پر نظر دوڑاتے ہوئے کہا۔

"نو۔۔۔۔۔ ڈاکٹر صاحب قہقہہ یویری بچ۔" پروفیسر زکریا شعیب نے کھڑے ہو کر تمام اسٹوڈنٹس کو خاموش پا کر کہا۔

ڈاکٹر تعلیم اور ان کی ٹیم نے اسٹوڈنٹس کو بہت محبت سے رخصت کیا۔

اگلے روز یونیورسٹی میں ہر جانب ڈاکٹر تعلیم، ان کی ٹیم ان کے ہاسپٹل اور شرابی مریضوں کے بارے میں باتیں ہوتی رہیں۔ ہر کوئی ڈاکٹر تعلیم کی نوجوان نسل کے لیے خدمات کو سراہ رہا تھا۔ مومنٹ اگلے دو دن یونیورسٹی نہ جاسکی، اور وہ اس ساری ڈسکشن سے محروم رہی۔ اور جب وہ یونیورسٹی پہنچی تو ڈاکٹر تعلیم کے ہاسپٹل اور اس سے متعلقہ گفتگو کافی حد تک کم ہو گئی تھی۔ کیونکہ اسٹوڈنٹس کے لیے فوشن باؤس کے وزٹ کے بارے میں پلان ہو رہا تھا اور مومنٹ اس بار اس وزٹ کو بالکل بھی مس نہیں کرنا چاہتی تھی کیونکہ اسے محسوس ہو رہا تھا کہ ڈاکٹر تعلیم کے ہاسپٹل کا وزٹ مس کر کے اس نے بہت زیادہ لوڑ کیا تھا۔۔۔۔۔ اور کسی انجائی شے نے اسے اندر ہی اندر بہت مضطرب کر دیا تھا۔

ذکیہ آپاہت شش و پنج میں تھیں۔ سلطوت آپانے انہیں جس محبسے میں ڈال دیا تھا۔ اس نے ان کو ذلتی طور پر بہت پریشان کر دیا تھا۔ کئی دن گزر گئے تھے اور ذکیہ آپانے مومنہ سے کوئی بات نہیں کی تھی۔۔۔۔۔ مومنہ اور مریم کئی دن تو خستہ رہیں کہ ہاں ان سے اس موضوع پر بات کریں گی مگر جب انہوں نے کوئی بات نہ کی تو انہوں نے یہی سوچ لیا کہ ان کی ماں کو یہ رشتہ ناپسند ہے اور وہ یقیناً اس سے انکار کر دیں گی۔۔۔۔۔ مومنہ کو اندر ہی اندر اس بات کا بہت دکھ تھا کہ ماں نے اس سے اس کی رائے جانے بغیر خود ہی فیصلہ کر لیا تھا مگر وہ خاموش رہی لیکن اس کا دل بہت پریشان اور دکھی رہتا۔

ذکیہ آپا۔۔۔۔۔ اپنی جگہ پریشان تھیں۔۔۔۔۔ سلطوت آپا جیسے صاحب ذوق صاحب حیثیت اور خاندانی لوگوں کے ہاں سے رشتہ آتا بہت خوش نصیبی کی بات تھی مگر اس رشتے کے آنے سے وہ خوش تو ہوئیں مگر پریشان بہت زیادہ تھیں۔ انہیں بار بار اپنے والد مرحوم مولوی اکبر علی کے اخطا یاد آ رہے تھے۔

”میں نے اس رشتے اپنے ہم پلہ لوگوں میں کرنے چاہئیں۔۔۔۔۔ اگر لڑکے والے صاحب حیثیت ہوں تو وہاں لڑکی بے حیثیت ہو کر رہ جاتی ہے اور اگر لڑکی والے صاحب حیثیت ہوں تو لڑکے والے بے حیثیت ہو جاتے ہیں۔“ اور ذکیہ آپا کے لیے اپنے والد کے اخطا بہت اہمیت رکھتے تھے۔ سلطوت آپا جیسے لوگوں پر وہ آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی تھیں مگر اپنی حیثیت کو بھی نہ بھول رہیں تھیں لیکن ان کے گھر کا کوئی ایک کونہ بھی اس قابل نہ تھا جہاں وہ اسد اور سلطوت آپا کو بٹھائیں اور جس سسرال میں داماد کو بیٹنے کے قابل جگہ نہ ملے۔ تو اس لڑکی کے دل پر کیا گزرتی ہے۔ ذکیہ آپا سلطوت آپا کو جانتی تھیں۔ اسد کی ذہنیات کیا ہے۔ کس مزاج کا ہے۔۔۔۔۔ انہیں کچھ علم نہ تھا۔۔۔۔۔ گو کہ اس میں خاندانی وقار تھا اور سلطوت آپا کا خون تھا۔۔۔۔۔ اس میں ضرور کم یا زیادہ ان جیسی باتیں ہوگی مگر وہ کس حد تک سمجھو نہ کر پائے گا۔ ان کے محل کے سامنے تو ذکیہ آپا کے گھر کی حیثیت ایک جھونپڑی کی سی تھی۔۔۔۔۔ انہیں اپنی بیٹی کے مزاج کا بھی علم تھا۔ وہ بہت سادہ مزاج مذہبی کم گو اور بہت زیادہ حساس تھی۔ اسد کی کوئی بات۔۔۔۔۔ کسی قسم کا رویہ اس کے لیے ذلتی اذیت کا باعث بن سکتا ہے۔۔۔۔۔ وہ اسے جنت جہنم میں نہیں جھونکتا چاہتی تھیں جہاں کی پُرسرت آسائشوں میں اس کا وجود کم ہو جائے ان کا دل نہیں مانتا تھا کہ وہ ظاہری چمک دک کو دیکھ کر اپنی بیٹی کے لیے کوئی غلط فیصلہ کر دیں۔۔۔۔۔ مگر سلطوت آپا جیسی ہستی کو انکار کرنا انہیں بہت مشکل لگ رہا تھا۔

مومنہ یونورٹی سے لوٹی تو عصر کا وقت ہو رہا تھا۔ وہ بہت تھکی ہوئی تھی۔ مریم اپنی کسی سہیلی کے ہاں گئی تھی۔ ذکیہ آپا نے مغرب کی نماز پڑھ کر مومنہ کو اپنے پاس بلا دیا۔ وہ بھی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ سفید چادر کو اس نے اپنے چہرے کے گرد اچھی طرح لپیٹ رکھا تھا۔ وہاں کے پاس چار پائی پر بیٹھ گئی۔

”مومنہ۔۔۔۔۔ اس روز سلطوت آپا۔۔۔۔۔ اپنے پوتے اسد سے تمہارے رشتے کی بات کرنے آئیں تھیں۔۔۔۔۔ سلطوت آپا جیسے لوگوں کے ہاں سے رشتہ آنا بڑے نصیب کی بات ہے مگر میں یہ سوچ کر پریشان ہوں کہ ہماری حیثیت ایسی نہیں کہ ہم ان کو کہیں بٹھا بھی سکیں۔۔۔۔۔ میں نہیں چاہتی کہ تم کسی قسم کی اذیت کا سامنا کرو۔“ ذکیہ آپا نے نرم لہجے میں کہا۔

”امی۔۔۔۔۔ کیا آپ فیصلہ کر چکی ہیں یا میری رائے پوچھ رہی ہیں۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”تمہاری رائے بھی جاننا چاہتی ہوں۔“ زکیہ آ پانے اس کی بات سن کر اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”امی..... انسان کا نصیب اللہ بناتا ہے..... عزت، دولت، شہرت، مقام و مرتبہ سب اس کی عطائیں ہیں..... وہ انسان کو کچھ کرنے کو اس کا نصیب بناتا ہے اور نہ اس کو مقام و مرتبہ دیتا ہے..... یہ تو اس کا کرم ہے..... جس کو چاہے تو ازدے..... وہ انسان کو اس کی سوچ سے بڑھ کر عطا کرتا ہے..... اگر اس نے ہمارے ہاں اتنا بڑا رشتہ بھیجا ہے تو یہ بھی اس کا کرم اور عطا ہے۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”میں صرف سلطوت آپا کو جانتی ہوں..... اسد کی ماں ہے..... میں نہیں جانتی..... بڑے گھر کا لڑکا ہے..... کیسی عادتیں ہوں گی..... ہمیں کچھ معلوم نہیں.....“ زکیہ آ پانے کہا۔

”امی..... دنیا میں کوئی انسان نہ اپنے ہارے میں گارنٹی دے سکتا ہے نہ دوسروں کے ہارے میں۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کیا تمہیں یہ شہ مناسبت لگ رہا ہے؟“ زکیہ آ پانے حیرت سے پوچھا۔

”امی..... سب والدین اپنی فٹیوں کے لیے مناسب رشتے ہی طے کرتے ہیں..... مگر یہ تو مینیوں کے اپنے نصیب ہوتے ہیں..... اچھے لکھیں یا برے.....“ مومنہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیا تمہیں اسد پسند ہے؟ زکیہ آ پانے واضح الفاظ میں پوچھا تو مومنہ نے خاموشی سے سر جھکا دیا اور مدہم سی مسکراہٹ اس کے چہرے پر پھیلی گئی اور اس کا چہرہ سرخ ہونے لگا۔

”میں پھر..... سلطوت آپا کو ہاں کہہ دیتی ہوں..... خدا تمہارا نصیب اچھا کرے۔“ زکیہ آ پانے مسکراتے ہوئے اس کی پیشانی چومی اور اسے گلے سے لگایا۔

سلطوت آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا جب زکیہ آ پانے انہیں ہاں کہی..... جب سلطوت آپا کچھ روز بعد ان کے ہاں جواب لینے آئیں۔ ہم آپ کا شکریہ کس زبان سے ادا کریں..... آپ نے ہم پر اتنی بڑی عنایت کر دی..... ہمیں اس قابل سمجھا کہ اپنے جگر کا ٹکڑا ہمیں دے دیا۔“ سلطوت آپا خوشی سے پھولنے لگے ہمارے چہرے پر۔

”سلطوت آپا..... یہ تو آپ کا احسان ہے جو آپ نے ہم فریوں کو اس قابل سمجھا..... ورنہ کہاں آپ..... کہاں ہم؟ ہم تو اس قابل نہیں کہ آپ کی حیثیت کے مطابق معافی بھی لائیں۔“ زکیہ آ پانے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

”زکیہ..... ایسا مت مومن..... آپ نے ہمیں اپنی سب سے قیمتی شے دے دی ہے..... آپ کی حیثیت کی بات نہ کریں..... ہم آپ کے قدر دان ہیں۔“ سلطوت آپا نے محبت سے زکیہ کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا۔

”مومنہ جینی کہاں ہے؟“ سلطوت آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا میں ابھی بلاتی ہوں۔“ اور زکیہ اٹھ کر کمرے سے باہر چلی گئی اور مومنہ کو اپنے ساتھ لے کر آئی۔ مومنہ نے پنک لکڑی شلوار قمیض کے ساتھ بڑا سادہ پٹہ بہت قریب سے اوڑھ رکھا تھا اور اس کا چہرہ شرم سے گلابی ہو رہا تھا۔

”ماشاء اللہ.....“ سلطوت آپا نے اٹھ کر اسے گلے لگا کر پیار کیا۔

”السلام علیکم.....“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”وعلیکم السلام..... جیتی رہیں.....“ سلطوت آپا نے پرس میں سے ہزار کے دلوٹ نکال کر اس کے سر سے وار کر صدقے کے طور پر بھیل پر رکھے۔

”یہ غریبوں میں بانٹ دیجئے۔“ سلطوت آپا نے ذکیہ سے کہا اور ذکیہ دو ہزار کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔

”ادھر آئیے..... ہمارے پاس بیٹھیے“ انہوں نے محبت سے مومنہ کو اپنے پاس ایک خستہ حال صوفے پر بٹھا لیا اور اپنے پرس میں سے ایک خوبصورت عمل کی چھوٹی ڈیمیا نکالی اور اس میں سے ڈائمنڈ کی بہت خوبصورت اور نفیس انگوٹھی نکال کر مومنہ کی انگلی میں پہنا دی۔ اللہ تعالیٰ آپ کا نصیب اچھا کرے۔“

سلطوت آپا نے محبت سے اسے دعا دی۔

مریم چائے لے کر آگئی اور مومنہ کی انگلی میں انگوٹھی دیکھ کر زیر لب مسکرا دی۔ اس کی آنکھوں میں خوشی کی جھلک نمایاں ہونے لگی۔

”ذکیہ... ہم باقاعدہ رسم کرنے کب تشریف لائیں؟“ سلطوت آپا نے پوچھا۔

”آپا..... آپ نے انگوٹھی پہنا دی ہے..... یہی رسم کافی ہے..... اب اس کے بعد باقی کیا رہ جاتا ہے؟ ذکیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے

جواب دیا۔

”ذکیہ ہماری کچھ خاندانی روایات ہیں اور ہمارے ہاں بھدوس کی منگنی اور شادی کی رسمیں بہت اہتمام سے کی جاتی ہیں تاکہ آنے والی بہو کو سسرال سے ملنے والی عزت و قدر کا احساس ہو..... ذکیہ..... بھدوس کو یہ احساس دلانا بہت ضروری ہوتا ہے..... ہمارے بزرگ فرمایا کرتے تھے۔ جب بھدوس کی عزت کی جاتی ہے تو وہ اپنے سسرال کی عزت کرتی ہیں۔“ سلطوت آپا نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”آپا..... اگر سب کچھ سادگی سے ہو جائے تو بہتر ہے۔“ ذکیہ نے آہستہ آواز میں کہا اب وہ انہیں کیسے بتاتی کہ ان کے تو گھر میں بیٹے کا خرچاتی مشکل سے چتا ہے۔ منگی اور شادی بیاہ کی رسموں کے لیے پیسہ کہاں سے آئے گا۔ مہنگائی کے اس دور میں ذکیہ سلائی کر کے اور بیچیاں بیٹھن پڑھا کر جس مشکل سے گھر اور تعلیم کے اخراجات پورا کرتی تھیں یہ وہ جانتی تھیں..... ان کے گھر میں ضرورت کے پرانے اور پسیدہ فرنیچر کے علاوہ کوئی زائد ہنگ نیک نہیں تھا۔ 14 انچ کا بلیک اینڈ وائٹ ٹی وی بیڈروم سائز کا ریفریجریٹر گھر گھر رکرتا پراپا پکھا..... محکم محکم کر تھک جاتا تو تب مشکل ہوا کا ہلکا سا جھونکا دیتا..... پیڑٹل فین ہوا کم آواز زیادہ دیتا۔ دو خستہ حال کمروں ایک بڑا مدہ اور لہسا سا تاریک انتہائی چھوٹے سائز کا کچن، جس میں اگر مومنہ بکاتی تو مریم کے کمرے ہونے کی جگہ نہ ہوتی..... ٹوٹے پھولے فرش..... کچا مچن جس میں چند گیلے رکھ کر اس کو خوبصورت بنانے کی کوشش کی گئی تھی۔ مگر بہت صاف ستھرا تھا مگر اس کی صفائی ستھرائی بھی اس کی خستہ حالی کو کم نہ کر پاتی..... ایسے گھر میں وہ سلطوت آپا اور ان کے رشتے داروں کو کیسے بلاتی..... انہیں کہاں بٹھاتی..... ایسی تنگدستی میں منگی کا کیسے سوچا جاسکتا تھا۔ ذکیہ نے سوچ رکھا تھا کہ مومنہ تعلیم مکمل کرنے کے بعد نوکری کرے گی تو گھر کے حالات بہتر ہوں گے اور تب وہ مومنہ کی شادی کا سوچے گی اور اب سب کچھ استقدر اچانک اور جلدی جلدی ہو رہا تھا کہ

”اب ہم چلتے ہیں..... اور جس روز آنا ہو گا ہم آپ کو دراندوز کے ذریعے اطلاع بھیج دیں گے۔“ سلطت آپا نے اٹھتے ہوئے کہا اور محبت سے سب کو گلاب کر رخصت ہو گئیں۔

”مریم..... یہ پنیے اٹھا کر رکھ دو۔ کسی غریب کو صدقے کے طور پر دینے کے لیے ہیں۔“ زکیہ نے کہا تو مریم نے خاموشی سے جیسے اٹھا کر رکھ دیے سو منہ خاموش بیٹھی انگوٹھی کو دیکھ رہی تھی۔ زکیہ کے چہرے پر فکر مندی کے پشانات تھے۔

”امی..... کیا آپ خوش نہیں؟ مریم نے زکیہ کے اوٹس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”بیٹی! جیسے گھر میں پیای جائے..... ہر ماں کی دلی خواہش ہوتی ہے..... مگر ہمارے حالات کیسے ہیں..... اور ہم کس طرح گزارہ کر رہے ہیں..... یہ تو صرف ہم ہی جانتے ہیں۔“ زکیہ نے آہ بھر کر کہا۔

”ای..... آپ نے سلوت آنٹی سے کچھ چھپایا تو نہیں..... آپ کا ماضی اور حال دونوں ان کے سامنے ہے..... ہم کیا ہیں.....؟ ہم نے کچھ بھی چھپانے کی کوشش نہیں کی پھر آپ کیوں غرور مند ہیں؟ سریم نے ماں کو سمجھانے کا انداز میں کہا۔

”مریم..... تمہوڑا بہت تو ہر ایک کے پاس ہوتا ہے اور دوسرے لوگ بھی یہی توقع کرتے ہیں..... مگر ہم کسی کو کیا بتائیں.....؟ تم ہی بتاؤ..... کیا ہم اسد کو سونے کی انگوٹھی پہنا سکتے ہیں..... کیا ہم اس کو پہننے کے لیے ایک جوڑا بھی وے سکتے ہیں..... کیا سلطوت آپا کو ان کی حیثیت کے مطابق کوئی ساڑھی وے سکتے ہیں..... جینز تو دور کی بات ہے.....“ ذکیہ نے انجہا کی نگر بندی سے کہا تو مومنہ اور مریم ماں کی پریشانی کی وجہ جان کر خاموش ہو گئیں۔ مومنہ نے خاموشی سے انگوٹھی اتار کر غنفل کی لپیا میں واپس رکھ دی اور اس کی آنکھوں سے دوھولے مولے آنسو اس کے رخساروں پر بہہ نکلے۔ مریم نے بھی غم آنکھوں سے مومنہ کی طرف دیکھا اور اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اس کی طرف دیکھا۔ مومنہ نے ہنسی اور پھر سسکنے لگی۔ مریم نے اسے اپنے گلے لگایا تو وہ رو رہی تھی۔ ذکیہ ان کو روکنے و یکجہ کر رہی تھی۔ مومنہ کو صاف کرتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔ مریم اسے دلاسا دیتے لگی اور اس کے آنسو صاف کیے۔ ”نجانے ہماری خوشیاں اتنی ادھوری کیوں ہوتی ہیں.....؟“ مومنہ نے غم آنکھوں سے کہا۔

”سب ٹھیک ہو جائے گا..... آپ!..... اللہ کو منظور تھا..... تو..... آپ کا رشتہ ادھر ہو گیا نا..... وہ آنے والی مشکلیں بھی خود ہی دور کرے گا..... آپ!..... معجزے اللہ کی ذات سے وابستہ ہوتے ہیں اور آپ کا اسے بڑے گہرانے میں رشتہ ہونا حارے لیے ایک معجزہ ہی ہے۔ میں مطمئن ہوں..... اللہ سب ٹھیک کرے گا..... بس آپ فکر نہ کریں اور اللہ پر بھروسہ رکھیں۔“ مریم نے محبت سے مومتہ کو سمجھایا تو اس کا دل قدرے مطمئن

ہونے لگا اور وہ مریم کو کچھ کر مسکرانے لگی۔

اسد بے انتہا خوش ہوا تھا۔ جب دادو نے اسے آکر یہ خوشخبری سنائی تھی۔

”جج..... دادو..... کیا سونہ مان گئی.....؟ اسد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”ہاں..... اور میں نے اسے انگوٹھی بھی پہنا دی ہے۔“ دادو نے مسکرا کر بتایا۔

”دادو..... صرف انگوٹھی.....؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں..... بھئی..... ہم باقاعدہ طور پر اپنی خاندانی روایات کے مطابق منگنی کریں گے۔ انشا اللہ.....“ دادو نے مسکرا کر جواب دیا۔

”دادو..... آپ ان لوگوں کو ڈنر پر کب نوایٹ کریں گی؟“ اسد نے پرشوق انداز میں پوچھا۔

”آپ جو سوچ رہے ہیں..... وہ ممکن نہیں..... ہمارے ہاں ٹڑکیاں منگنی کے بعد نہیں..... شادی کے بعد ہی سسرال آتی ہیں۔“ دادو نے

مسکرا کر کہا۔

”دادو..... اب زمانہ بدل گیا ہے۔“ اسد نے منہ بٹا کر کہا۔

”مگر ہم تو نہیں بدلے نا۔“ دادو نے ہنستے ہوئے کہا۔

”دادو..... آپ سونہ کو مو بائل تو گفت کریں گی نا.....“ اسد نے بے مبری سے پوچھا۔

”ہمارے ہاں..... بہوؤں کو ایسی فضول چیزیں نہیں دی جاتیں.....“ دادو نے پھر مسکراتے ہوئے کہا۔

”کم آن دادو..... اب اتنی ریچرٹ نہیں..... کچھ تو نئے زمانے کے ساتھ چلیں..... آخر آپ بھی تو اسی زمانے کا حصہ ہیں نا۔“ اسد

نے منہ بٹاتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... جب لہن یہاں آئیں گی تو سب کچھ استولی کریں۔ جو چاہیں وہ کریں ہم کسی قسم کی دغل اندازی نہیں کریں گے۔“ دادو نے کہا۔

”تب تو میں خود اسے سب کچھ دے سکوں گا..... مجھے تو آپ کی ہیلپ کی اب ضرورت ہے۔“ اسد نے اداس لہجے میں جواب دیا۔

”اچھا ان باتوں کو چھوڑیے..... ایک اہم بات ہم آپ سے ڈسکس کرنا چاہتے ہیں۔“ دادو نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا.....؟“ اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”زکریہ جیم ایک بیو عورت ہیں..... اور بہت مشکل سے انہوں نے بچیوں کو محنت مزدوری کر کے ان کی پرورش کی ہے اور انہیں تعلیم دلوائی

ہے..... ہم نے ان کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات دیکھے ہیں..... اور..... دوبار بار اپنی حیثیت کا ذکر کرتی ہیں..... ہمیں یوں محسوس ہوتا ہے.....

کہ..... وہ ہم سے ہمارے خاندانی وقار اور دولت کی وجہ سے یہ رشتہ کر کے مطمئن نہیں.....“ دادو نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

”آپ کیا کیا چاہتی ہیں؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”جینا..... یہ حقیقت ہے کہ جب انسان اپنے سے زیادہ حیثیت کے لوگوں میں رشتہ داری کرتا ہے تو وہ نفسیاتی طور پر ایک دباؤ میں آ جاتا

ہے۔۔۔۔۔ وہ ان سے مرعوب بھی ہوتا ہے۔۔۔۔۔ ذکیہ بیگم بھی بہت مرعوب ہیں اور کچھ خوفزدہ بھی۔۔۔۔۔ "واو نے اسے بتایا۔

"کیسی خوفزدہ۔۔۔۔۔؟ اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

"شاید ذکیہ بیگم کو خوف ہے کما گروہم سے ہماری حیثیت کے مطابق نہیں لیں گی۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ یہ بات ان کی بیٹی کے لیے کوئی مسئلہ پیدا نہ کر دے۔۔۔۔۔" واو نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"واو۔۔۔۔۔ آپ نے انہیں بتایا کیوں نہیں کہ ہم ایسے لوگ نہیں اسد نے ملامت سے کہا۔

"جینا۔۔۔۔۔ وہ ہمیں اور ہمارے خاندان کو اچھی طرح جانتی ہیں۔۔۔۔۔ بتایا تو وہاں جاتا ہے۔۔۔۔۔ جہاں کسی کو کچھ خبر نہ ہو۔۔۔۔۔ ہمارا ماضی۔۔۔۔۔ اور ہمارا حال سب ان کے سامنے ہے۔" واو نے بتایا۔

"واو جان۔۔۔۔۔ پھر آپ کیا چاہتی ہیں؟ اسد نے پوچھا۔

"ہم سوچ رہے ہیں کہ ہم آپ کی شادی اور اس کی رخصتیں بہت سادگی سے کریں۔۔۔۔۔ کسی کو اس قدر رشیدیہ نفسیاتی دباؤ سے نکالنے کا واحد حل یہی ہوتا ہے کہ انسان اس کے لیول پر آ کر بات کرے۔۔۔۔۔ اگر اپنی خاندانی روایات کے مطابق تقریبات کریں گے تو وہ اپنی طور پر پریشان ہو جائیں گے۔۔۔۔۔ ہمیں اچھی طرح معلوم ہو چکا ہے کہ ان کے مالی حالات اچھے نہیں اور اللہ رسول کا حکم ہے کہ دوسروں کا بھرم رکھنے کی کوشش کی جائے۔۔۔۔۔ دوسروں کی تکلیف اور پریشانی کو کم کیا جائے" واو نے کہا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ واو۔۔۔۔۔ آپ ان کو شادی پر کہا سبڈ فکشن کے لیے فوری کریں۔۔۔۔۔ میں ساری جماعت کروں گا۔۔۔۔۔ اور آپ معافی کی رسم بھی بہت مختصر کریں۔۔۔۔۔ کسی بھی رشتہ دار کو نہ لے کر جائیں۔۔۔۔۔ تاکہ ان پر بوجھ نہ ہو۔" اسد نے بھی سنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

"جیتے رہئے۔۔۔۔۔ ہم بھی یہی چاہتے ہیں۔۔۔۔۔ اور آپ سے بھی یہی توقع کرتے ہیں کہ آپ ان کے مسائل کو سمجھیں۔۔۔۔۔ اور مستقبل میں کسی بھی بات پر۔۔۔۔۔ اعتراض نہ کریں۔ یہ بہت کم عمری کی بات ہوتی ہے کہ انسان دوسروں کے مسائل کو سمجھنے کے باوجود ان پر نقطہ چینی کرے۔ اس سے دوسروں کے جذبات مجروح ہوتے ہیں ہمیں۔۔۔۔۔ مومنہ بیٹی کی صورت میں "ڈرنا یا ب" تل رہا ہے۔ کیا یہ ہماری کم خوش نصیبی ہے۔"

واو نے محبت اور نرمی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"واو۔۔۔۔۔ آپ میری طرف سے بے فکر رہئے۔۔۔۔۔ میں آپ کا بیٹا ہوں۔۔۔۔۔ اور آپ کو اپنے بیٹے پر احمق نہ ہونا چاہیے۔" اسد نے واو کا

ہاتھ محبت سے تھام کر کہا۔

"خوش رہئے۔۔۔۔۔ ہمیں آپ پر پورا اعتماد ہے۔۔۔۔۔ اللہ آپ کو بہت خوشیاں دے۔" واو نے دعا کی۔

"واو۔۔۔۔۔ اب معافی اور شادی کے درمیان زیادہ لمبا عرصہ نہیں ہونا چاہیے۔" اسد نے شرماتے ہوئے کہا۔

"جینا۔۔۔۔۔ مومنہ بیٹی کے قائل ایگزامز ہونے والے ہیں۔۔۔۔۔ شادی اس کے بعد ہی ہوگی۔۔۔۔۔ ہم نہیں چاہتے کہ ہماری خواہش کے لیے وہ

اپنی اتنے سالوں کی محنت ضائع کر دے۔۔۔۔۔ بچپن کو اپنی تعلیم مکمل کرنی چاہیے۔" واو نے کہا۔

”ہاں..... یہ تو آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں.....“ اسد نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

”ہم اگلے جمعے کو جا کر معافی کی رسم کراتیں گے۔“ دادو نے کہا تو وہ مسکرا دیا۔

ڈرائیوڈ کے ذریعے زکیہ آپا کو معافی کی رسم کی اطلاع کر دی گئی تھی۔ اور سلطوت آپا نے بھی پیغام بھیجا تھا کہ معافی کرنے وہ اکیلی ہی آئیں گی اور ان کے ساتھ صرف ان کی دو ملازما تیں خیرن بوا اور ثروت ہوں گی۔ وہ بھی انہیں اس مقصد کے لیے ساتھ لے کر جا رہی تھیں کہ وہاں جا کر کام کاج کر سکیں۔

”زکیہ پریشان ہو گئی تھی، پرانے صندوق کھول کر دیکھے گئے تھے نہ کوئی ڈھنگ کا کپڑا نکلا تھا اور نہ ہی کوئی زیور..... سوائے زکیہ آپا کی دو سونے کی چوڑیوں کے..... اور ان کو دیکھ کر وہ سوچ میں پڑ گئی تھی کہ وہ ان چوڑیوں کا کیا کرے..... سلطوت آپا کو دیں..... مومنہ کو یا مگر اسد کو کچھ بٹوا دیں..... مومنہ اور مریم بھی ہاں کی پریشانی کو جان کر بے چین تھیں..... زکیہ نے بہت سوچ کر ان چوڑیوں سے سلطوت آپا اور اسد کے لیے..... انگوٹھیاں خریدیں جو دیکھنے میں ہی بہت عام اور معمولی نظر آئیں تھیں..... باقی سب کچھ کیسے ہوگا.....؟ یہ سوچ کر وہ سب پریشان تھیں۔

سلطوت آپا مٹھائیوں اور پھلوں کو بڑے بڑے گول ترے میں سجا کر بڑے اہتمام سے لائیں۔ سونے کا بڑا سیٹ، کڑے اور مجموعہ کے ساتھ بڑے مٹلی اور ٹیس سوٹ مومنہ، مریم اور زکیہ کے لیے بھی لے کر آئیں۔

مومنہ کو ایک لاکھ روپے نقد سلامی کے دیے۔ خیرن بوا اور ثروت تو یہ دیکھ دیکھ کر حیران ہو رہی تھیں کہ سلطوت آپا کو کیا سوجھی کہ اس گھر میں اپنے پوتے کا رشتہ طے کر دیا۔ جس کی ٹیکنیکل مل کے علاوہ گارمنٹس کا بہت کامیاب بزنس تھا۔ جو خوبصورت بھی تھا اور خوب سیرت بھی۔ امیر بھی تھا اور بااخلاق بھی، کسی بھی شے کی اس میں کمی نہ تھی۔ اتنا خوبصورت، اور خاندانی لڑکا..... وہ مومنہ کی قسمت پر رشک کر رہی تھیں۔ سلطوت آپا مومنہ پر سے پیسے وار کر خیرن بوا اور ثروت کو پکڑا رہی تھیں۔ زکیہ ان کی رکیں دیکھ کر پریشان ہو رہی تھیں۔ جو خود کچھ بھی کرنے کے قابل نہیں تھی۔ زکیہ نے بہت مشکل سے قورمہ پلاڈا اور زردہ بنایا تھا اور انہیں مجبوراً کھانا پڑا۔ زکیہ نے سلطوت آپا کو ڈرتے ڈرتے انگوٹھی پہنانا چاہی تو انہوں نے بہت محبت سے انکار کر دیا اور انہیں تنہائی میں سمجھانے لگیں..... کہ ان کا یہ سب کرنا ضروری تھا۔ کیونکہ اگر وہ یہ سب کچھ نہ کرتیں تو مومنہ کا دل بھج جاتا۔ اس کے دل میں خواہش، حسرت، حسرت بن جاتیں..... اور وہ یہ کبھی بھی ایسا نہیں چاہتیں..... مگر زکیہ کو وہ کوئی رسم اور کوئی خرچ نہیں کرنے دیں گی بلکہ شادی کا بھی سارا خرچہ وہ مل جل کر کریں گی۔ سلطوت آپا نے انہیں اس فہم سے آزا کر دیا تھا کہ وہ نہ تو کوئی چیز لیں گی اور نہ ہی زکیہ کو مومنہ کے لیے کسی بھی بات کے لیے فکر مند ہونے کی ضرورت ہے..... زکیہ بے بسی سے رونے لگیں تو سلطوت آپا نے اسے محبت سے اپنے گلے لگا لیا۔

”زکیہ جہاں رشتہ داری کی جاتی ہے..... وہ لوگ اپنے بن جاتے ہیں اور ان کی خوشیاں اور مسائل اپنے ہو جاتے ہیں..... ہم اور آپ اب کوئی جدا نہیں..... آپ کی عزت ہماری عزت ہے..... آپ کے مسئلے ہمارے مسئلے ہیں..... اس لیے ہمیں کچھ بتانے کی ضرورت نہیں..... ہم سب سمجھتے اور محسوس کرتے ہیں..... آپ کو کسی بھی قسم کا تکلف کرنے کی ضرورت نہیں..... بس مومنہ بچی کے امتحانات سے فارغ ہوتے ہی ان کی شادی کر دیں گے۔ انشاء اللہ۔“ سلطوت آپا نے محبت سے کہا تو زکیہ آپا مسکرا دیں۔ انہیں یوں محسوس ہونے لگا جیسے اللہ نے ان کے دل کا فہم اور

پریشانیاں خود سلطوت آپا کو سمجھا دی ہوں۔ ذکیہ آپا کو تو کچھ بھی کہنے کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اللہ نے ان کا کیا بھرم رکھا تھا اور کس قدر ہا عزت طریقے سے سارا مسئلہ حل ہو گیا تھا۔ سلطوت آپا نے رخصت ہوتے وقت مومنہ کو بہت پیار کیا مریم اور ذکیہ کو اگلے روز کھانے پر دعوت دی۔ ان کے جانے کے بعد ذکیہ آپا، مومنہ اور مریم بہت خوش تھیں۔ پورے گھر میں ہر طرف پھولوں، مٹھائیوں اور ڈرائی فروٹ کے لڑے تھے۔ اچھے خوبصورت لمبوسات، زیورات، جوتے، چڑیاں، گنگن پھول اور بے شمار چیزیں تھیں۔

”آپی..... آپ بہت خوش قسمت ہیں..... اللہ نے تو آپ کو چھپر چھا کر دیا ہے۔ ایسی شادیاں تو فلموں اور کہانیوں میں ہوتی ہیں.....“
مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو خود بھی یقین نہیں آ رہا..... کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ پر اتنا کرم کیا ہے۔“ مومنہ نے شکرا نانا انداز میں کہا۔

”ای..... جھپٹے دنوں کس قدر پریشان رہی ہیں..... میں تو ان کو دیکھ دیکھ کر پریشان ہوتی رہی۔“ مریم نے فکرمندی سے کہا۔

”مریم..... میں بھی ان کی پریشانی کو سمجھتی تھیں..... ظاہر ہے ہر ماں کی کچھ نہ کچھ خواہشات ہوتی ہیں..... اور ہمارے حالات..... تو ہمیں ہی معلوم ہیں!..... میں دن رات اللہ سے یہی دعا کرتی رہی کہ ہماری غیب سے مدد کرے اور ہماری عزت رکھے۔ اور شکر ہے اس نے ہماری عزت رکھی۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں..... اللہ کا شکر ہے ورنہ ہمیں بھی دور سم کے لیے بلا تیش تو آدمی کہاں سے خرچ کرتیں۔“ مریم نے فکرمندی سے جواب دیا۔ ذکیہ آپا نے بھی رات کو شکرانے کے لٹل پڑھ کر اللہ کے حضور اپنی عزت کا بھرم رکھنے پر بہت شکریہ ادا کیا اور آنسوؤں کے نذرانے پیش کیے۔

”اگلے روز ڈرائیڈ مریم اور ذکیہ کو لینے کے لیے آ گیا..... سلطوت آپا نے خود ان کا بھرپور استقبال کیا۔ مریم تو اتنا بڑا اور خوبصورت گھر دیکھ کر حیران ہو رہی تھی۔ گھر کی خاصیت، ڈیکوریشن، فرنیچر اور ہر جہت پر شے کو وہ حیرت اور پرستش نگاہوں سے دیکھ رہی تھی..... سلطوت آپا بہت خوشی اور محبت کا اظہار کر رہی تھیں۔ کھانے کی پینل پر انوار و اقسام کے کھانے چنے گئے تھے۔ اس قدر شیش اور قیمتی کرا کری اور کلری تھی کہ مریم ان کو دیکھتی رہ گئی۔ کھانے پر اسد کو بھی بلایا گیا۔ اسد نے انتہائی قیمتی بلیو پیٹ کے ساتھ سکاٹی بلیو شرٹ اور شیش بلیو پرچھڑائی لگا رکھی تھی۔ مریم اسے دیکھ کر بہت متاثر ہوئی۔ مریم نے بلیو اور پینک کوئٹھن میں اسٹیمش کڑھائی والا سوٹ پہن رکھا تھا اور بہت سلیقے سے دوپٹا اوڑھ رکھا تھا۔ مریم بھی دراز قد، سمارٹ اور خوبصورت تھی مگر مومنہ کے چہرے پر بہت مصوویت اور کشش تھی۔ مریم ٹکلیوں سے اسد کی جانب دیکھتی تو وہ مسکرا دیتا اور وہ جھینپ جاتی۔ مریم اس سے باتیں کرنا چاہتی تھی مگر پہلی ملاقات تھی اس لیے کچھ شرابی تھی۔ اسد اس سے گاہے بگاہے اس کی اسٹڈیز کے بارے میں مختلف سوالات کرتا رہا اور وہ اس کی باتوں کا جواب دے کر خاموش ہو جاتی۔ وہ اسد کی پرستائی سے لے کر اس کی گفتگو مزہ زار lastes تک ہر بات سے متاثر ہو رہی تھی اور مومنہ کے ساتھ اس کا موازنہ کر رہی تھی..... مومنہ بھی زیادہ گفتگو نہیں کرتی تھی۔ وہ اس کی طرح کم گو تھی..... مگر دونوں کی پرستائیں میں چارم تھا اور دونوں دیکھنے والوں کو بہت متاثر کرتے تھے۔ مریم کو یوں محسوس ہوا تھا جیسے اللہ نے مومنہ اور اسد کو ایک دوسرے کے لیے ہی بنایا ہو.....“ اسد ذکیہ سے بھی بہت مودہ نواز انداز میں باتیں کرتا رہا۔ کھانا کھانے کے بعد سب تھوڑی دیر رانگ روم میں بیٹھے اور چائے پینے کے بعد ذکیہ آپا نے

اجازت چاہی سلطوت آپا نے مریم اور ذکیہ کو بہت سے تحائف دے کر رخصت کیا۔

شام ہو رہی تھی جب دونوں گھر پہنچیں۔ مومنہ شدت سے ان کی آمد کی منتظر تھی۔ دونوں کے خوش چہرے دیکھ کر مومنہ مطمئن ہو گئی۔ وہ مریم کی طرف استغناء سے دیکھتی رہی کہ اسے وہ کب کوئی بات اسد کے بارے میں بتاتی ہے مگر وہ مریم بھی اس کو تنگ کرنے کے موڈ میں تھی۔ رات تک مومنہ اس کے آگے پیچھے بھرتی رہی اور وہ مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی مگر جب بھی اسد کا ذکر آتا وہ بات کا رخ بدل دیتی اور مومنہ جھنجھلائے لگتی۔

مومنہ کا بھی موڈ آف ہو گیا تھا اور وہ اپنی کتابیں لے کر پڑھنے بیٹھ گئی۔ جب وہ پڑھنے میں بہت محو تھی تب مریم اس کے پاس آئی۔
 ”آپنی..... کیا آپ اسد بھائی کے بارے میں کچھ نہیں پوچھیں گی؟ مریم نے شرارتی لہجے میں مسکرا کر کہا۔
 ”نہیں.....“ مومنہ دلوک لہجے میں بولی۔

”ہاں..... بھئی آپ مطمئن جو ہیں..... اسد بھائی سے مل چکی ہیں..... انہیں دیکھ چکی ہیں اور اب مزید جاننے کی ضرورت بھی کیا ہے؟
 مریم مسکراتے ہوئے بولی۔

”مجھے چھوڑو..... تم بتاؤ..... تمہیں کیسے لگے؟ مومنہ نے مجیدی سے پوچھا۔
 ”انہیں دیکھ کر آپ پر بہت رشک آیا..... آپنی..... اللہ واقعی آپ کو بہت نواز رہا ہے..... ہر طرح سے..... خدا آپ دونوں کو نظر بد سے بچائے۔“ مریم نے لڑکا جڈ بات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا تو مومنہ مسکرا دی۔

☆

علیہ اسد سے ملنے کے بعد اور زیادہ آپ سیٹ ہو گئی تھی۔ وہ بری طرح اس کی محبت میں گرفتار ہو چکی تھی۔ وہ اسے اپنے تمام سہا جہ بھائے فریڈز سے مختلف لگا تھا وہ سلجھا ہوا، مہذب اور شانستہ انسان تھا۔ وہ لڑکیوں سے باتیں کرتا ہوا lusty دکھائی نہیں دیتا تھا بلکہ بہت باعزت طریقے سے باتیں کرتا تھا۔ اس میں وہ سب کچھ تھا جو علیہ ایک مرد میں دیکھنا چاہتی تھی اور اسد اس کی سوچوں کے مطابق تھا۔ وہ اسد سے محبت کرنے لگی تھی مگر اسد نے اسے ایسی نظروں سے ایک بار بھی نہیں دیکھا تھا..... وہ اس کے حسن، اشاگل اور ڈریسنگ سے ایک بار بھی متاثر نہیں ہوا تھا۔ وہ نگین سے بھی اسی لہجے میں باتیں کرتا تھا جس طرح علیہ سے کرتا تھا۔ علیہ نے اسے وزٹ کرنے کے بعد کئی ایک ہار فون بھی کیا تھا مگر وہ ضروری بات کرنے کے بعد فون بند کر دیتا..... وہ فون بند کرتا تو علیہ کی بے تابیوں اور جڑھٹیں۔ وہ اس شخص کو کیسے اپنا اسیر بنائے..... کس طرح اس پر ظاہر کرے کہ وہ اس سے محبت کرتی ہے..... کس طرح اس سے اپنے دل کی باتیں کہے۔ نگین نے اس کے لیے بہت کوشش کی تھی۔ باتوں باتوں میں اسد کو علیہ کے جذبات اور اس کی محبت کے بارے میں بتانے کی کوشش کی تھی مگر وہ ان باتوں کو چھوڑ کر دوسری باتیں کن شروع کر دیتا..... علیہ کو شدید ڈپریشن ہونے لگا تھا۔ وہ اب ہر روز نگین کی طرف جانے لگی تھی۔ یونہی دشتی سے واپس پر وہ اکثر نگین کے ساتھ اس کے گھر چلی جاتی۔ دونوں جیتھ کر اسد کو ڈسکس کرتے ہوئے کبھی ڈرنک کرتیں..... کبھی سوئنگ..... نگین کے گھر پر ملازموں کے علاوہ کوئی نہ ہوتا تھا جو ان پر اعتراض کرتا۔ اس کی ماما این جی

اوکی میٹنگز، کانفرنسز اور مختلف پرائیکٹس میں معروف رہتیں اور رات گئے گھر لوٹتیں۔ ڈیڈی کی جب سے پر مشن ہوئی تھی۔ وہ دوسرے شہر شفٹ کر گئے تھے اور ویک اینڈ پر گھر آتے۔ اس کا بڑا بھائی امریکہ چاچا کا تھا۔ گھر پر تنگین کے علاوہ اور کوئی نہ ہوتا تھا اور علیہ کو بھی اس کے گھر بہت سکون ملتا یہاں ماما کی گھورتی آنکھیں اور سننے کو کھڑیہ جیسے نہیں تھے۔ وہ دونوں جب اکٹا جاتیں تو لٹچ کرنے باہر چلی جاتیں اور کئی کئی گھنٹے سڑکوں پر یونہی بے مقصد ڈرائیو کرتی رہتیں۔

اسد کو علیہ نے پھر فون کیا تھا۔۔۔۔۔ جب وہ تنگین کے بیڈروم میں کاؤچ پر لیٹی سوئنگ کر رہی تھی۔ تنگین اس کے لیے اور اچھے لیے ٹیمپن کی بڑل اور گلاس لے کر آئی تھی۔ اسد نے اس کی کال ریجیکٹ کر دی تھی اور علیہ اس کی اس حرکت سے بہت ہرٹ ہوئی تھی۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”کیا ہوا۔۔۔۔۔؟“ تنگین نے ٹیمپن کا پیگ ہٹا کر اس میں آنس ڈالتے ہوئے پوچھا۔

”ریجیکٹ۔۔۔۔۔“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”وہ بڑی ہو گا۔۔۔۔۔“ تنگین نے پیگ اس کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا۔

”ہر۔۔۔۔۔ باہر۔۔۔۔۔“ علیہ نے کپکپاتے ہوئوں اور بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”ڈونٹ وری۔۔۔۔۔ آج میں اس سے بات کرتی ہوں۔“ تنگین نے کہا اور اپنے پیل سے اس کا نمبر لایا۔

”ہیلو تنگین۔۔۔۔۔ ہاؤ آر یو؟“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”اسد۔۔۔۔۔ آپ کیسے ہیں؟ تنگین نے خوش کن لہجے میں پوچھا۔

”فائن۔۔۔۔۔“ وہ مسکرا کر بولا۔

”اسد۔۔۔۔۔ یونو۔۔۔۔۔ علیہ لونڈ (loves) یونو۔“ تنگین نے ایک دم بغیر کسی سیاق و سباق کے کہہ دیا۔

”وہاٹ؟ اس نے چہ خستے ہوئے جواب دیا۔

”میں۔۔۔۔۔ شی میڈل لونڈ یو۔“ وہ (پاگلوں کی طرح تم سے محبت کرتی ہے) تنگین نے مسکراتے ہوئے اسے بتایا۔

”شی از کریزی۔“ اسد نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

”میں۔۔۔۔۔ شی از کریزی فار یو۔“ تنگین نے کہا۔

”لسن۔۔۔۔۔ تنگین۔۔۔۔۔ ناؤ آئی ایم اگلیجڈ (سنو۔۔۔۔۔ تنگین اب میری مگنی ہوئی ہے) اسد نے واضح الفاظ میں اسے بتایا۔

”اگلیجڈ۔۔۔۔۔؟ وہاٹ؟ تنگین نے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

”میں۔۔۔۔۔“ اسد نے پرسکون لہجے میں بتایا اور تنگین نے کال آف کر دی۔

”علیہ نے اس کی بات سن لی تھی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”وہ اس قدر شدت سے رو رہی تھی کہ تنگین پریشان ہو گئی اور اس نے اس کے گلاس میں اور ٹیمپن ڈالی جو اس نے دوبارہ پی لی۔

”پلیز.....علیہ.....ڈونٹ لوز یور ہارٹ۔“ نگین نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”نگین.....آئی ایم اسسٹنٹ لائک دس ہاٹس (میں اس بوتل کی طرح خالی ہو گئی ہوں) علیہ نے ٹیمپل کی خالی بوتل کو پکڑ کر روتے ہوئے کہا۔

”ایوری تھنک دل بی فائن (ہر چیز ٹھیک ہو جائے گی) نگین نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کہا تو علیہ اس کے گتے لگ کر رونے لگی۔

”تو.....نہو.....ناٹ ان ہائی کیس (نہیں.....کبھی بھی نہیں.....میرے کیس میں ایسا نہیں ہوگا) علیہ نے جواب دیا۔

”کیوں.....؟ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی ایم وی۔ان لکھیٹ پر سن آف دس ورلڈ (میں اس دنیا کی سب سے بد قسمت انسان ہوں) علیہ نے مسکتے ہوئے جواب دیا۔

”ڈونٹ تھنک لائک دس (اس طرح مت سوچو)“ نگین نے کہا

”نگین.....آئی ایم.....“ علیہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”نو.....علیہ.....یور آر ناٹ“ نگین نے پھر کہا۔

”آئی ایم“ علیہ نے پھر چلائی۔

”نو.....علیہ.....نو“ نگین نے پھر کہا۔

”آئی ایم.....آئی ایم.....آئی ایم“ علیہ ہائپر ہونے لگی اور اونچی آواز میں چلانے لگی۔ نئے نے اس کو بدحواس اور بے قابو کر دیا تھا۔ وہ

زور زور سے چلاتی ہوئی صوفے پر گر گئی نگین کو بھی نشہ ہو گیا تھا مگر اس نے نہ تو اتنی پی تھی اور نہ ہی وہ استعداد عیوش ہوئی تھی۔ وہ علیہ کی طرف دیکھتی رہی

اور اسد کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے.....اور وہ مضطرب ہو کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

شا کر علی کو ایئر ہارٹ سے گھر آئے دو گھنٹے گزر گئے تھے مگر علیہ کی کوئی خبر نہیں تھی کہ وہ کہاں ہے.....؟ انہوں نے اس کے موبائل پر کئی بار

نمبر لایا مگر اس کا موبائل آف تھا۔ وہ بہت فکر مند ہو رہے تھے۔

”ندرت.....کیا علیہ روز ای طرح گھر سے باہر رہتی ہے.....رات کے نو بج رہے ہیں اور وہ یو نہوٹی سے واپس نہیں آئی۔ کیا اس سے

کچھ بھی نہیں پوچھتیں؟“ شا کر علی نے حیرانگی سے بیوی سے پوچھا۔

”پوچھا کرتی تھی.....مگر جب سے آپ نے منع کیا ہے.....میں نے اس سے بات کرنا چھوڑ دیا ہے.....شا کر.....وہ بہت زیادہ خراب

ہو چکی ہے.....اس میں اور کسی آدھار ٹرکی میں کوئی فرق نہیں رہا۔“ ندرت نے اچھائی غصے میں اس کے ہارے میں بتایا

”ندرت.....میں اسے تمہارے حوالے کر کے گیا تھا.....وہ تمہاری ذمہ داری تھی۔“ شا کر علی نے بے بسی سے جواب دیا۔

”وہ مجھے کچھ سمجھے تو پھر ہے؟.....“ ندرت نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”تم اس کی ماں ہو.....“ شا کر علی نے کہا۔

”ہاں.....مگر.....سو تیلی“ ندرت نے نفی سے جواب دیا۔

”یہ بات اس کے ذہن میں کس نے ڈالی؟ شا کر علی نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ خود ہی بہت سمجھدار ہے۔۔۔۔۔ کسی کو اسے کچھ بتانے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ شا کر۔۔۔۔۔ آپ کو اس کے بارے میں کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہو گا۔۔۔۔۔ ورنہ بہت دیر ہو جائے گی۔“ عذرت نے کہا۔

”مگر۔۔۔۔۔ وہ گھر تو آئے۔۔۔۔۔ وہ کہاں جاتی ہے؟ شا کر علی نے غکرمندی سے پوچھا۔

”اپنی کسی بھڑی ہوئی دوست کے گھر جاتی ہے۔۔۔۔۔ اور وہیں بیٹھ کر دونوں شراب بھی پیتی ہیں اور شا کر اس کے پرس میں دھس نے سکرین بھی دیکھے ہیں۔۔۔۔۔ اس کی داد و دروب میں شراب کی بوتلیں بھی ہوتی ہیں۔“ عذرت نے غصے سے بتایا۔

”کیا تمہارے پاس اس کا ایڈریس یا فون نمبر ہے؟ شا کر علی نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ شا کر میں آپ کو کیا بتاؤں کہ ارد گرد کے لوگ علیہ کے بارے میں کیسی کیسی باتیں کرنے لگے ہیں۔۔۔۔۔ سچ مجھے تو اس قدر شرمندگی ہوتی رہتی ہے۔۔۔۔۔ کیا کیا بتاؤں۔۔۔۔۔ باتیں سن کر میرا توبہ لپی ہر وقت ہائی رہتا ہے۔“ عذرت نے شکایتی لہجے میں کہا۔

”میں تو مطمئن تھا کہ وہ پونیورسٹی میں پڑھ رہی ہے۔۔۔۔۔ تم اس کے پاس ہو۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ یہ سب کیسے ہو گیا؟ شا کر علی نے انتہائی پریشانی اور دکھ میں کہا۔

گیٹ پر باہر گاڑی کا بدھن سنائی دیا۔ عذرت بیگم نے چوکتے ہوئے بتایا۔ ”وہ آگئی ہے۔۔۔۔۔“

لاؤنچ کا دروازہ کھلا اور علیہ اندر داخل ہوئی۔ اس نے انتہائی بیہودہ لباس پہن رکھا تھا۔ اس کی آنکھیں سرخ ہو چکی تھیں اور وہ قدرے ٹوکڑاتے قدموں سے شا کر علی کی جانب بڑھی۔

”بائے۔۔۔۔۔ پاپا۔۔۔۔۔ آپ کب آئے؟“ وہ شا کر علی کی طرف دیکھتے ہوئے بولی۔

”بہت دیر سے میں۔۔۔۔۔ تمہارا انتظار کر رہا ہوں۔“ شا کر علی نے آدھ کر غم آنکھوں کے ساتھ کہتے ہوئے اسے اپنے ساتھ لگایا۔ اسے اس کے منہ سے شراب کی بو محسوس ہوئی۔ شا کر علی کے دل پر گہری چوٹ لگی۔ اس نے بمشکل اپنے آپ پر قابو پایا۔

”کیسی ہو۔۔۔۔۔؟ شا کر علی نے آدھ بھرتے ہوئے پوچھا۔

”نہ اچھی۔۔۔۔۔ نہ بری۔“ وہ کھٹکھٹا کر ہنسی اور پھر ہنستی ہی چلی گئی۔ عذرت بیگم نے غصے سے ان کی جانب دیکھا اور پھر شا کر علی کی طرف۔ شا کر علی نے شرمندگی سے نظریں جھکا لیں۔

”اب میں آگیا ہوں۔۔۔۔۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔“ شا کر علی نے اسے اپنے قریب صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

”پاپا۔۔۔۔۔ آپ کے آنے سے بھی کچھ فرق نہیں پڑے گا۔۔۔۔۔ نہ لوگ کسی کے آنے سے بدلتے ہیں اور نہ حالات۔“ اس نے عذرت بیگم کی طرف معنی خیز انداز میں دیکھتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم ہوپ فل۔“ شا کر علی نے محبت سے اس کے بالوں کو سنوارتے ہوئے کہا۔

”بٹ آئی ایم ناٹ“ اس نے طحریہ ہنسی، جھپٹتے ہوئے جواب دیا۔ تو شاکر علی نے گہری سانس لی۔

”آئی ایم ہارڈ (میں تھک گئی ہوں)“ اور وہ اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شاکر علی سر قحام کر بیٹھ گئے۔ انہوں نے اس کے بارے میں جو کچھ سنا تھا۔ اس پر یقین نہیں کیا تھا۔ وہ یہی توقع کر رہے تھے کہ ایسا کچھ نہیں ہوگا۔ وہ اس حد تک کبھی بھی نہیں گاڑ سکتی اور اب انہوں نے سب کچھ اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا تھا اور جو کچھ دیکھا تھا۔ اس پر یقین کرنے کی توقع کر رہے تھے۔ شاکر علی پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئے۔

”آپ بہت کریں اور اس کی جلد از جلد شادی کا بندوبست کریں۔ ورنہ ہمارے بیٹے اعظم پر اس کا بہت برا اثر پڑے گا۔“ علی نے بھی ایسے ہی گل کھلائے تھے۔ اور اب علیہ بھی اس کی ڈگر پر چل رہی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کہیں اعظم بھی۔“ ندرت نے فکرمندی سے کہا تو شاکر علی اور پریشان ہو گئے۔

”کیا کروں۔“ کیا کسی میرج پیچہ رو سے رابطہ کروں۔ یا تم کسی رشتے والی سے بات کرو۔ تاکہ چند دنوں کے اندر یہ شادی ہو جائے۔“ شاکر علی نے فکرمندی سے کہا۔

”شاکر۔۔۔ آپ کے بڑے بھائی کا بیٹا بھی تو ڈاکٹر ہے۔ آپ ان سے بات کیوں نہیں کرتے؟ ندرت بیگم نے کہا۔

”کس سے۔۔۔؟ ناظر بھائی سے۔“ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔“

”مگر جب سے جائیداد کی وجہ سے ہم دونوں میں جھگڑا ہوا ہے۔۔۔۔۔ دو بارہ مانا تو کیا ایک دوسرے کی خبر نہیں لی۔ پھر وہ سال تو ہو گئے ہیں ہمیں جدا ہوئے۔۔۔۔۔ اگر مسئلہ کورٹ میں نہ گیا ہوتا تو شاید ملنے کی صورت پیدا ہو سکتی تھی۔“ شاکر علی نے افسردگی سے کہا۔

”شاکر۔۔۔۔۔ انہوں میں قتل بھی ہو جائیں تو زندگی میں پھر بھی ملنے کی امید ہوتی ہے۔۔۔۔۔ سنا ہے ناظر بھائی کا بیٹا بڑا لائق ڈاکٹر ہے۔ آپ بڑی آپا سے بات کریں اور وہ صلح کرانے کی کوشش کریں کیونکہ ناظر بھائی اپنے ہیں۔۔۔۔۔ علیہ کسی غیر جگہ بیٹھ گئی تو اس کی حرکتوں کی وجہ سے اگلے ہی دن اس کو طلاق ہو جائے گی۔ ناظر بھائی ہوں گے تو طلاق دیتے ہوئے سوچیں گے ضرور۔“ ندرت بیگم نے کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔ ندرت بیگم کی بات میں وزن تھا۔

”میں کل ہی سہا آپا کی طرف جاتا ہوں۔۔۔۔۔ لیکن تم بھی اپنی کوششیں جاری رکھو۔۔۔۔۔ اگر ناظر بھائی انکار کرتے ہیں تو ہمارے پاس کوئی اور آپشن تو ہونی چاہیے۔“ شاکر علی نے فکرمندی سے کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں ایک دو عورتوں سے رابطہ کرتی ہوں۔“ ندرت بیگم نے کہا۔

ندرت بیگم اپنی طرف سے شاکر علی کو بہت دانشمند مشورہ دے رہی تھیں مگر حقیقت میں دو بڑی گہری چال چل رہی تھیں۔ اپنی بڑی بہن نزہت کی وفات کے بعد جب ان کی شادی شاکر علی سے ہوئی تو پورے خاندان میں ندرت کو تنقید کا نشانہ بنایا گیا کہ نزہت کی زندگی میں ہی اس نے

شا کر علی پر ڈور سے ڈالنے شروع کر دیے تھے اور نزہت نے اس بات کا اتنا شدید دہشتناک اثر لیا تھا کہ اس کو برین کمپرچ ہو گیا اور جیسے ہی عذرت اور شا کر علی کی شادی ہو گئی تو شا کر علی کے خاندان والوں نے عذرت کا بائیکاٹ کر دیا۔ خاص طور پر ناظر علی اور اس کی بیوی کشور اس بات پر پیش پیش تھے۔ عذرت کو ان کے دیے سے سخت دہشتناک دہشت ہوئی اور اس نے جان بوجھ کر جائیداد کا مسئلہ اٹھالیا۔ شا کر علی کو اتنا اکسایا کہ مسئلہ کوڈٹ میں چلا گیا۔ دلوں بھائیوں کا اکٹھا کاروبار تھا۔ زرعی زمینیں اکٹھی تھیں۔ ناظر علی انہیں بچانا نہیں چاہتے تھے مگر شا کر علی نے عذرت کے کہنے میں آ کر انہیں بن بٹائے کوڈٹ کے ذریعے لوٹس بھجوا دیا اور ہالا آخر جائیداد تقسیم ہو گئی۔ مگر دلوں بھائی ہمیشہ کے لیے جدا ہو گئے۔ تینوں بہنوں نے بھی ناظر علی کا ساتھ دیا۔ ان میں سے پھر کوئی بھی شا کر علی اور عذرت سے نہ ملا۔ شا کر علی جائیداد وچ کر امریکہ چلے گئے اور وہ سارے خاندان سے کٹ گئے کچھل بار پڑی آپا خود بھائی کی محبت میں بے قرار ہو کر ان سے ملنے آئیں تھیں اور اب عذرت جان بوجھ کر علیہ کارشتہ ناظر علی کے ہاں کروا کر کشور سے بہت سے بدلے لینا چاہتی تھی۔ اور اس نے یہ بہت پہلے سے سوچ رکھا تھا کہ وہ پہلے اپنی کوششوں سے خاندان کو ملائے گی۔ پھر ان میں ہمیشہ کے لیے جدائی ڈالوا دے گی۔ شا کر علی کا دل عذرت کی طرف سے مطمئن ہو گیا تھا کہ وہ اس کے لیے اور اس کے اولاد کے لیے کتنا بہتر سوچتی ہے۔

علیہ اگلے روز سہ پہر کو بیدار ہوئی۔ اس کا سر بوجھل ہو رہا تھا اور سر میں شدید درد ہو رہی تھی۔ جسم میں اتنی تھکاوٹ اور حراج میں اس قدر بیزاری تھی کہ اس کا دل چاہ رہا تھا وہ پوری بوتل شراب کی پی کر بھر سو جائے۔ شراب کے نشے سے اسے ایسا سرور ملتا تھا کہ وہ زندگی کی ساری تکلیاں بھولے لگتی تھی۔ جب سے وہ ہوش میں آئی تھی اس کا سر پھٹ رہا تھا اور اس کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی لہو لہان ہو رہا تھا۔ اسے اسد کے چھن جانے کا شدید قلق محسوس ہو رہا تھا۔ اس نے اس کی محبت کو ایک بار بھی اس قابل نہ سمجھا تھا کہ اپنی ذرا سی نظر کرم اس پر کرتا۔ وہ اس کے لیے کتنے نازک جذبات رکھتی تھی اور اس نے نہ تو اسے اس قابل سمجھا تھا اور نہ اس کی محبت کو۔ کہ وہ ایک بار اس سے اس موضوع پر بات کرتا۔ اسے اپنی شدید ذلت محسوس ہوتی تھی جب تک کہ اس نے کئی بار اسد کو اس کی محبت کے بارے میں احساس دلایا تھا۔ اپنے آپ کو اتنا نیچے گرا کر بھی اسے کچھ حاصل نہ ہوا تھا۔ وہ شدت سے رو رہی تھی اور رو رو کر اس کی آنکھیں سوچ گئی تھیں۔ شام ہو رہی تھی جب وہ کمرے سے باہر نکلے۔ گھر میں سنا سنا سا چھایا تھا۔ شاید گھر پر کوئی بھی نہیں تھا۔ اس نے کچن میں جھانکا تو عذرت کھانا بنانے میں مصروف تھی۔

”پاپا کہاں ہیں؟“ علیہ نے پوچھا۔

”کبھی باہر گئے ہیں۔“ عذرت نے جواب دیا۔

”اور؟“ ماما۔؟“ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ بھی ساتھ گئی ہیں۔“ عذرت نے جواب دیا۔

”اور؟“ اشقر علیہ نے پوچھا۔

”وہ اپنے دوستوں کے ساتھ باہر کھیلے گیا ہے۔“ عذرت نے کہا۔

”مجھے ناشتہ بنا دو۔“ علیہ نے کہا تو عذرت نے انتہائی حیرت سے اس کی جانب سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا۔

”جی..... اچھا“ اس نے کہا اور چائے بنانے لگی۔

دوسارے گھر میں گھومنے لگی۔ اسے عجیب سی سرشاری اور آزادی کا احساس ہو رہا تھا..... آج مگر گھر پر نہیں تھی اور اسے یہ گھر اپنا اپنا محسوس ہو رہا تھا..... ممانے اس گھر کو اس کے لیے کتنا ناقابل برداشت بنا دیا تھا۔ یہ گھر جنت نہیں..... اس کے لیے جہنم بن گیا تھا..... جہاں ہر وقت مہما کی طغیان تھیں..... ہر وقت کی ڈانٹ ڈپٹ..... اس کا تو ایک ایک لمحہ اس گھر میں اذیت سے بڑھا تھا۔

”بی بی جی..... ناشتہ تیار ہے۔“ عذرا نے ناشتہ نچل پر لگاتے ہوئے کہا۔

علیہ ڈانٹنگ نچل پر بیٹھ کر ناشتہ کر رہی تھی۔ اس کا موڈ قدرے خوشگوار ہو رہا تھا..... اس نے عذرا کو کہا کہ وہ اونچی آواز میں میوزک لگا دے۔ عذرا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور میوزک لگا دیا۔ علیہ ناشتہ کرتے ہوئے جھومنے لگی۔ عذرا کچن میں مصروف ہو گئی اور وہ ناشتہ کرنے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع کر دیا۔

”مما..... آئی ایم آل لون (مما..... میں بالکل تنہا ہوں) وہاں اس از ایسٹی (یہ گھر خالی ہے) آئی ایم ایسٹی (میں خالی ہوں) مائی لائف از ایسٹی (میری زندگی خالی ہے) ایوری تھنگ از ایسٹی (ہر چیز خالی ہے) وہ بڑبڑاتی رہی اور سکتی رہی۔

✽

سیما آپا..... شاکر علی اور عذرت کی اچانک آمد سے بے حد خوش ہوئیں تھیں..... سیما آپا بہن بھائیوں میں سب سے بڑی اور انتہائی عمر رسیدہ تھیں..... ان کی اولاد کی اولادیں بھی جوان ہو چکی تھیں اور وہ زیادہ تر وقت اللہ کی یاد میں مشغول رہتیں۔ سوٹاپے اور گھنٹوں کی درد کی وجہ سے ہشکل ایک جگہ سے دوسری جگہ تک جا سکتی تھیں اور عمر کے اس حصے میں انہیں بہن بھائیوں کی آپس میں جدائی کا بہت دکھ رہتا تھا۔ شاکر علی انہیں ماں کی طرح سمجھتا تھا۔ دوسری بہنیں بھی ان کی بہت عزت کرتیں تھیں مگر شاکر علی کی وجہ سے ہر وقت پریشان رہتیں۔ شاکر علی نے نہ کبھی انہیں فون کیا نہ حال پوچھا اور عذرت تو ویسے ہی سب سے کٹ کر رہتا چاہتی تھی۔ اس لیے اسے ان سے نہ ملنے کا کوئی افسوس نہیں تھا۔

سیما آپا انہیں دیکھ کر استفادہ خوش ہوئیں کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے مارے آنسو نہ ٹپ رہے تھے۔ وہ بار بار بھائی کے چہرے پر محبت سے ہاتھ پھیرتیں..... کافی دیر ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں..... اور وہ برہات میں کسی نہ کسی طرح نزہت کا ذکر کرتیں..... نزہت نے سسرال کی بہت عزت اور خدمت کی تھی اور سب اس سے بہت خوش تھے۔ نزہت کے بار بار تذکرے پر عذرت کے چہرے کے تاثرات بگڑ جاتے وہ پھر اپنے آپ کو بہت مشکل سے نادل کرتی۔

”شاکر علی..... اس ہارم ستنے عرصے بعد آئے ہو؟ سیما آپا نے پوچھا۔

”سات سال بعد.....“ شاکر علی نے جواب دیا۔

”شکر ہے..... تم آگئے..... میں دن رات تمہیں یاد کرتی رہی ہوں اللہ سے یہی دعا کرتی تھی کہ بس ایک ہارم سے ملاقات ہو جائے۔

سیما آپا نے کہا۔

”ہاں..... بس اچانک ہی آنا چاہا..... ملی تو امریکہ میں سیٹ ہو گیا ہے اب علیہ کی شادی کے سلسلے میں آیا ہوں.....“ شاکر علی نے بات

چھیڑی۔

”ماشاء اللہ اب تو جوان ہو گئی ہوگی..... کہیں رشتہ پکا کر دیا ہے یا پھر ابھی ڈھونڈ رہے ہو؟ سیرا آپ نے پوچھا۔

”ہاں..... بس دیکھ رہا ہوں..... ایک دو سلیپر سے بات چل رہی ہے۔ شاکر علی نے جان بوجھ کر کہا۔

”اچھا..... اللہ پاک بچی کے نصیب اچھے کرے۔“ سیرا آپ نے دعا دی اور پھر خاموش ہو گئیں۔ شاکر علی نے عذرت کی طرف دیکھا۔

”خاندان میں بھی دیکھ رہے ہیں..... اگر انہوں میں کوئی اچھا رشتہ مل جائے تو ہاں ہر جانے کی کیا ضرورت ہے؟ عذرت نے جلدی سے کہا۔

”ہاں..... یہ تو ہے..... ہمارے زمانے میں تو انہوں میں ہی رشتے داریاں کرتے تھے۔ کبھی کبھار غیروں کے بارے میں سوچا جاتا

تھا..... مگر آج کل خون ہی سفید ہو گئے ہیں..... انہوں میں رشتے ہوتے ہوئے بھی لوگ غیروں کو بہتر سمجھتے ہیں..... قیامت کی نشانیاں ہیں۔“ آپا

نے جواب دیا اور پھر خاموش ہو گئیں۔ شاکر علی کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کس طرح ناظر بھائی کا ذکر کرے جنہیں انہوں نے کورٹ میں ٹھیسٹ کر

رہا تھا..... اس بھائی نے محبت کا بدلہ نہیں کس طرح بے عزت کر کے دیا تھا۔

”آہ..... اگر آپ کی نظر میں..... انہوں میں کوئی رشتہ ہو تو ضرور بتائیے گا۔“ عذرت نے کہا۔

”ہاں..... میں بھی دیکھوں گی۔“ سیرا آپ نے جواب دیا۔

”آپا..... جمیل آپا اور صدیق آپا کا کیا حال ہے؟ شاکر علی نے بہ شکل پوچھا۔

”ٹھیک ہیں..... اپنے اپنے گھروں میں خوش باش ہیں..... ناظر علی پچھلے دنوں آیا تھا..... تارہا تھا کہ صدیق کی چھوٹی بیٹی امریکہ پڑھنے

جاری ہے..... ڈاکٹر بن گئی ہے..... حکومت اسے پڑھنے بھیج رہی ہے۔“ سیرا آپ نے اسے بتایا۔

”ماشاء اللہ..... کون..... تانیہ؟ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... ماشاء اللہ اس کی دونوں بیٹیاں اور بیٹے بہت لائق ہیں..... ہمارے خاندان پر اللہ کا بہت کرم ہے..... سب بہن بھائیوں کے

بچے بہت لائق فائق ہیں..... ناظر کا بیٹا..... اللہ اسے زندگی دے..... اس قدر قابل بچہ ہے..... ڈاکٹری میں پڑا نام ہے۔ بڑی شہرت ہے اور اتنا

سعادت مند بچہ کہ اللہ سب کو ایسی اولاد دے..... جمیل کے بیٹے انجینئر اور ایک فوج میں میجر ہے۔ شکر ہے پروردگار کا..... اللہ پاک نے ہمارے بچوں کو

بڑی عزت دی ہے۔“ سیرا آپ نے کہا۔

”ماشاء اللہ.....“ شاکر علی نے آہستہ آواز میں کہا اور اس کا دل اس وقت کسھڑوٹ رہا تھا۔ جب وہ علیہ کے بارے میں سوچ رہے

تھے۔ ”اور میری اولاد..... کے بارے میں جب سب کو معلوم ہو گا کہ..... تو کسھڑوٹے عزتی ہوگی؟ سب میں میری بیٹی ایسی آوارہ لگی ہے.....“

شاکر علی کا دل سینٹے گئے۔

”بھیا..... یہ تو ماں باپ کی تربیت ہوتی ہے..... ان کی محنت اور اللہ کا کرم ہوتا ہے جو نیک اور لائق اولاد کی صورت میں ملتا ہے.....

ہمارے ماں باپ پڑھے لکھے تھے اور انہوں نے ہماری اچھی تربیت کی اور ہم نے اپنے والدین کی سکھائی باتوں کو اپنی اولادوں کے دلوں اور ذہنوں میں ڈالا اور پروردگار نے ہم پر کرم کر دیا۔۔۔۔۔" سیمہ آپ نے کہا تو عذرت ظہریں چرانے لگی کیونکہ عذرت کو تعلیم یا فقیہی ظاہری طور پر مذہبی اور بد مزاج و جھڑا الو طبیعت کی تھی۔ پورا خاندان جانتا تھا کہ مذہب کی وفات کے بعد اس نے علیہ اور علی پر کتنی خنیتیں کیں تھیں۔ شاکر علی تو اس کے ہاتھوں میں بالکل کٹھ پتلی بن گیا تھا۔ سیمہ آپ اور ناظر علی کی بیوی کشور سب عذرت سے اس کی محاذ آرائیوں کی وجہ سے خائف رہتے تھے مگر عذرت کسی کو اس قاتل نہ سمجھتی تھی کہ ان کی کوئی بات سنی۔ عذرت نے نہ تو کسی کی عزت کی تھی اور نہ ہی وہ اپنے سوا کسی کو عزت کے قاتل سمجھتی تھی۔ مگر وقت نے آہستہ آہستہ اسے دکھا دیا کہ پورے خاندان میں کوئی بھی اس کی عزت نہیں کرتا تھا۔ نہ کوئی اسے کسی تقریب میں بلاتا تھا نہ ہی خاندانی رسومات و احتیاعات میں۔۔۔۔۔ وہ بالکل الگ تھلک رہ گئی تھی۔ سیمہ آپ کی باتیں سن کر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ اسے ہاتھیں سنار ہی ہوں۔

"شاکر علی۔۔۔۔۔ ذمہ کی بہت مختصر ہے۔۔۔۔۔ اس لئے میں چاہتی ہوں کہ ایک بار پھر سارا خاندان مل جائے۔۔۔۔۔" اچانک سیمہ آپ نے کہا تو شاکر علی چونک گیا اور خوش بھی ہو گیا جیسے اس کے دل کی آواز سیمہ آپ نے سن لی ہو۔

"ہاں۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ پولیس میں جا کر انہوں کی بہت یاد آتی ہے۔" شاکر علی نے جواب دیا۔

"میں ناظر علی کشور اور دونوں بہنوں کو بھی بلواتی ہوں۔۔۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ سب میں صلح ہو جائے۔۔۔۔۔ اور خاندان پھر سے ایک ہو جائے۔" سیمہ آپ نے کہا۔

شاکر علی نے عذرت کی جانب دیکھا۔ عذرت کی آنکھوں سے رضامندی کا پیغام پڑھ کر وہ خاموش ہو گئے۔

"آپ۔۔۔۔۔ آپ کا حکم سر آنکھوں پر۔۔۔۔۔ میں آپ کا حکم نہیں ٹال سکتا۔۔۔۔۔ جو آپ فیصلہ کریں گی وہ مجھے منظور ہوگا۔۔۔۔۔ میں ناظر بھائی سے خوب معافی مانگ لوں گا۔۔۔۔۔ حیلہ آپ اور صدیقہ آپ کو بھی متالوں گا۔" شاکر علی نے جواب دیا۔

"جیتے رہو۔۔۔۔۔ اور خوش رہو۔۔۔۔۔ میں کل ہی سب کو بلاتی ہوں اور پھر ہمیں فون کروں گی۔۔۔۔۔ تم بھی آ جانا۔۔۔۔۔ خدا کرے سب بہن بھائی ایک ہو جائیں۔" سیمہ آپ نے کہا مگر انہوں نے عذرت کا نام کہیں نہ لیا۔ سیمہ آپ کی باتوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ عذرت کو کس قدر ناپسند کرتی ہیں مگر عذرت منہ پھلائے خاموش بیٹھی رہی۔

"ٹھیک ہے آپ۔۔۔۔۔ میں آپ کے فون کا انتظار کروں گا۔" شاکر علی نے اجازت لینے وقت کہا اور انہوں نے اسے بہت دعائیں دے کر رخصت کیا عذرت کا موڈ سخت آف تھا۔۔۔۔۔ مگر پہنچ کر اس نے شاکر علی کے ساتھ خوب جھگڑا کیا اور وہ خاموشی سے سنتے رہے۔

"عذرت۔۔۔۔۔ ان سب سے صلح کرنا ہماری مجبوری ہے۔۔۔۔۔ پلیز میری خاطر اس بات کو مانٹ نہ کرو۔" شاکر علی نے اسے سمجھایا۔

"ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ آپ جانیے اور ان سے صلح کریں مگر میں نہیں جاؤں گی۔۔۔۔۔ نہ کسی کو میری ضرورت ہے۔۔۔۔۔ اور نہ ہی چاہت۔۔۔۔۔ مجھے بھی کسی کی پروا نہیں۔" عذرت نے فیسے سے کہا اور پاؤں پٹختی ہوئی چلی گئی۔ شاکر علی حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہ گئے۔ وہ اٹھ کر علیہ کے کمرے میں گئے۔ وہ کچھ پڑ پر کچھ کام کر رہی تھی اس کے پاس اس کی کتاب اور نوٹس ٹیبل پر پڑے تھے۔

”میری بیٹی..... کیا کر رہی ہے؟ شاکر علی نے محبت سے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔
”کچھ خاص نہیں۔“ وہ کچھ مڑاؤ کرتے ہوئے بولی۔

”علیہ..... میں تم سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔“ شاکر علی نے کہا۔

”جی..... میں سن رہی ہوں۔“ علیہ نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہاری شادی کروں۔“ شاکر علی نے کہا۔

”اس لئے کرنا..... مجھ سے چھٹکارا پانا چاہتی ہیں۔“ علیہ نے طعنیہ لہی جیسے ہوئے کہا۔
”نہیں..... ایسی بات نہیں۔“ شاکر علی نے جلدی سے جواب دیا۔

”پاپا..... مجھے اچھی طرح معلوم ہے..... وہ کیا چاہتی ہیں۔“ علیہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”تم عورت کے بارے میں اتنی بدگمان کیوں ہو..... وہ تمہاری ماں ہے۔“ شاکر علی نے مفاہمت کے انداز میں کہا۔

”پاپا..... وہ صرف آپ کی دوسری بیوی ہیں..... میری ماں مر چکی ہے۔“ علیہ نے آدھ بھر کر کہا۔

”علیہ..... جیٹا..... تم کیوں ایسے سوچتی ہو؟ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

”پاپا..... یہ میری سوچ ہی نہیں..... میرا تجربہ ہے..... میں اور علی صرف ان کے شوہر کی پہلی بیوی کے بچے ہیں..... ان کی بہن کے

نہیں..... اگر انہیں بہن کا احساس ہوتا تو انہیں جیسے جی مارنے کی پلاننگ نہ کر تیں..... اور..... پاپا..... آپ نے بھی تو میری ماں کے ساتھ بے وفائی کی..... ان کے ہوتے ہوئے ان کی بہن کو پسند کرتے رہے..... مگر آپ دونوں کی وجہ سے مر گئیں۔“ علیہ روتے ہوئے بولی۔

”یہ غلط بات ہے..... میں نے کبھی نزہت کے ساتھ بے وفائی نہیں کی۔“ شاکر علی نے کہا۔

”اور..... وقا بھی نہیں کی.....“ علیہ نے حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔

”آپ نے ان کے ساتھ ہماری زندگیوں کو بھی برباد کر دیا.....“ وہ آدھ بھر کر بولی..... شاکر علی کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔

”پاپا..... آپ نے ہمارے حصے کی محبت بھی چھین لی..... اور شفقت بھی۔“ علیہ نے غم آنکھوں سے کہا۔

”کیا تم ہر بات کی ذمہ دار مجھے ہی سمجھ رہی ہو.....“ شاکر علی نے پوچھا۔

”نہیں..... آپ کے ساتھ آپ کی دوسری بیوی کو بھی۔“ اس نے خصوصاً لہجے میں جواب دیا۔

”تم بہت بدل گئی ہو..... بہت خفی سوچنے لگی ہو..... اتنی بدگمان اور منحرف.....“ شاکر علی نے حیرت سے پوچھا۔

”پاپا..... جب دل میں غم زیادہ ہو جاتا ہے..... تو وہ پھنسے لگتا ہے..... اس کا ٹوٹنا اور ٹکھڑا کوئی نہیں دیکھ پاتا..... صرف اس کا ابلتا لانا

سب کوششوں ہوتا ہے۔“ علیہ نے آدھ بھر کر جواب دیا۔

”اگر تم ہر غلط بات کا قصور وار مجھے ٹھہراتی ہو..... تو..... ٹھیک ہے..... مگر تم نے جو لائف اسٹائل اپنا رکھا ہے..... کیا وہ ٹھیک ہے..... جس

روز میں آیا ہوں..... تم نے ڈرنک کر رکھی تھی..... اور..... جو ڈر مسو تم پہن کر گھومتی ہو..... کیا شریف خاندان کی بیٹیاں یہ سب کچھ کرتی ہیں..... کیا تمہیں ڈر ابھی احساس نہیں کہ تم کیا کر رہی ہو؟ شا کر علی نے اپنا قصہ داتے ہوئے ٹھہرے ٹھہرے لہجے میں کہا۔

”پاپا..... میں جو کچھ بھی کرتی ہوں..... اس سے کسی زندگی متاثر نہیں ہوتی.....“ اس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

”خاندان کی عزت اور ٹیک نامی متاثر ہوتی ہے۔“ شا کر علی نے کہا۔

”ایک انسان کی زندگی کا خالی پن اور اندر کا دکھ کم کرنے کے لئے خاندان کی عزت اور ٹیک نامی کی ضرورت نہیں ہوتی..... دو وہی کچھ کرے گا..... جس سے اسے سکون ملے گا.....“ اس نے قدرے تلخ لہجے میں کہا۔

”تم ہمارے بارے میں اپنی منفی سوچ اور رویے کو بالکل بھی بدلنا نہیں چاہتی۔“ شا کر علی نے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”اور انسان کی سوچ ایک دن میں نہیں بنتی“ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”تمہارا ایم بی اے مکمل ہوا یا نہ ہو..... میں امریکہ جانے سے پہلے تمہاری شادی کر کے جاؤں گا۔“ شا کر علی نے دو ٹوک الفاظ میں کہا۔

”چاہے میں رضامند ہوں یا نہ ہوں؟ علیحدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”میں تمہیں مزید بکھرتے ہوئے نہیں دیکھ سکتا۔“ شا کر علی نے آہ بھر کر قدرے توقف کے بعد اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”یوں کہیے کہ آپ کی بیگم..... اس گھر میں میرا وجود زیادہ دیر تک برداشت نہیں کر سکتی.....“ ٹھیک ہے..... میں بھی اب اس گھر میں نہیں رہنا چاہتی..... اب یہاں میری سانس کھٹنے لگی ہے.....“ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے اور چاروں طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”پلیز..... علیحدہ..... اسکا ہاتھ مت سوچو..... یہ گھر تمہارا ہے..... ہم سب تمہارے ہیں..... تم میری بیٹی ہو۔“ شا کر علی نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا۔

”پاپا..... یہاں کچھ بھی میرا نہیں..... آپ بھی نہیں۔“ اس نے شا کر علی کی جانب بخورد دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”میں تمہیں کیسے یقین دلاؤں کہ؟ شا کر علی نے نم آنکھوں سے پوچھا۔

”کہ..... آپ میرے پاپا“ ہیں..... پاپا..... مجھے اس کا پورا یقین ہے..... میں آپ کی بیٹی ہوں..... اس کا مجھے یقین نہیں آتا۔“ علیحدہ نے باپ کی طرف دیکھتے ہوئے طرہ لہجے میں جواب دیا۔

”کیوں یقین نہیں آتا.....؟ میں نے کب تمہیں انکود کیا ہے؟ کب تمہارے اکاؤنٹ میں پیسے نہیں بھیجے.....؟ کب تمہاری ضروریات پوری نہیں کیں.....؟ جب بھی تم نے کچھ کہا..... میں نے کب انکار کیا.....؟ شا کر علی نے قدرے جذباتی لہجے میں جواب دیا۔

”آپ نے کب مجھ سے پوچھا کہ آنٹی عذرت کا رویہ مجھ سے کیسا ہے؟ کب آپ نے محسوس کیا کہ بچپن سے میرے اندر کوئی غلا پیدا ہو رہا ہے جو مجھے کتنا اکیلی (خالی) کر رہا ہے؟ کب آپ نے جاننے کی کوشش کی کہ مجھے بہت سے چیزوں کے علاوہ محبت کی بھی ضرورت ہے.....؟ کب آپ نے مجھ سے میری اپنی ماما کی باتیں کیں؟ کیا آپ کو کبھی یہ احساس ہوا کہ میں ماما کو کتنا مس کرتی ہوں؟ آپ تو آنٹی عذرت کے ساتھ

بہت خوش ہیں..... جب آپ دونوں ایک دوسرے کو بہت چاہتے تھے تو پھر میری ماسے شادی کیوں کی؟ ان کی زندگی کو جنم بنا دیا..... اور وہ خاموشی سے اس دنیا سے چلی گئیں۔" علیہ اپنے چہرے پر دونوں ہاتھ رکھ کر کہنے لگی۔

شاکر علی کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ اس کی جانب دیکھتے رہے اور پھر اس کے کمرے میں سے نکل گئے اور جا کر ڈرائنگ روم میں بیٹھ گئے۔ جہاں ہر طرف عمل خاموشی اور تاریکی تھی۔

شاکر علی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ علیہ اس قدر بدل گئی ہے اور اچھی میچ ہو چکی ہے۔ کتنی بے باک اور بولند ہو گئی ہے۔ اس نے ہاپ کو آہینے میں ان کا چہرہ دکھاتے ہوئے ذرا بھی چھپکا ہٹ محسوس نہیں کی تھی۔ شاکر علی کو اپنے بارے میں اس کے خیالات جان کر انتہائی صدمہ ہوا تھا۔ وہ تو سوچ بھی نہیں سکتے تھے کہ وہ ان سے اس قدر ہٹھکرا اور بدل ہے..... شاکر علی کا خون کھول رہا تھا اور انہیں سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کریں اور کیا کہیں.....؟

عمرت سے شادی نے انہیں صرف خسارہ دیا تھا..... وہ اپنے بہن بھائیوں سے بھی جدا ہو گئے تھے اور اولاد سے بھی کٹ گئے تھے..... بہن بھائی بھی ان کے بارے میں مشکوک تھے اور اولاد بھی ہٹھکتی..... انہیں احساس ہونے لگا کہ محمد اور نیک سیرت عورت کا وجود پورے خاندان کے لئے کتنا ضروری ہوتا ہے..... انہوں نے نزہت کی قدر نہ کی تھی..... اسے اپنا ہم پلہ نہ سمجھا تھا۔ وہ عام مثل و صورت کی سادہ مزاج مگر محمد اور نیک عورت تھی۔ جسے فیشن اور بناؤ سنگھار سے کم لگاؤ تھا..... جسے اپنے سے زیادہ اپنے گھر کو ستارنے کی فکر رہتی تھی..... جسے اپنے گھونسنے پھرنے سے زیادہ سسرال کے رشتہ داروں کے ہاں جانا زیادہ پسند تھا۔ جو شوہر کے دل کو بھانسنے کی بجائے اس کی خدمت میں زیادہ یقین رکھتی تھی..... جسے ظاہری لمبو و نمائش کی بجائے اخلاقیات سے پیار تھا مگر شاکر علی کو ان سب باتوں سے کوئی لگاؤ نہیں تھا۔ وہ زندگی کا بیشتر حصہ یوہپ میں گزار کر آتے تھے۔

نزہت ان کی خالہ اچھی اور بچپن سے ہی ان سے منسوب تھی..... اس لئے اس سے شادی کرنا مجبوری تھی۔ مگر انہیں عمرت میں دلچسپی تھی۔ وہ خوش ہاش، ماؤرن، باتونی اور فیشن پہلی تھی۔ شاکر علی کو محسوس ہونے لگا کہ عمرت ان کی ہم مزاج ہے اور نزہت بھی ان کا ولی لگاؤ اور جھکاؤ عمرت کی جانب دیکھ کر خاموش رہ جاتی۔ وہ رشتوں کو ملانے والی عورت تھی۔ ان میں بگاڑ پیدا نہیں کرتا چاہتی تھی اس لئے اس دکھ کو اپنے سینے کے اندر ہی سموئے اس دنیا سے چلی گئی۔ اسے اچانک برین ہمرج ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے موت ہو گئی۔ علیہ پانچ سال کی اور علی دو سال کا تھا۔ شاکر علی اور عمرت کو قدرت نے ان کے ذریعے ملا دیا۔ بچہ عمرت سے بہت اچھڑتے تھے مگر شادی کے بعد عمرت روایتی ماں بن گئی۔ سسرال والے نزہت کی سادہ مزاجی اور ادب و احترام سے متاثر تھے انہیں عمرت کی چالاکی، شو قین مزاجی اور سازشی ذہنیت پسند نہ آئی اور وہ اس سے ہٹھکے ہوئے..... شاکر علی کو نبھانے کیوں نزہت یاد آئے گی..... انہیں اچانک محسوس ہونے لگا..... کہ..... اگر آج نزہت زندہ ہوتی تو انہیں یہ مسائل پیش نہ آتے..... نزہت سے کسی کو بھی شکایت نہ تھی..... سوائے شاکر علی کے..... نزہت سے سب بہت محبت کرتے تھے..... سوائے شاکر علی کے نزہت ابھی بھی سب کی باتوں میں اور یادوں میں زندہ تھی۔ سوائے شاکر علی کے..... انہوں نے اسے کبھی بھولے سے بھی نہیں یاد کیا تھا..... علیہ اور علی کے ساتھ بھی کبھی ان کی بات کا تذکرہ نہیں کیا تھا اور علیہ کو اس بات کا بچپن سے ہی بہت احساس تھا وہ اپنی ماں کی باتیں اور یادیں کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتی تھی۔ مگر کسی کے ساتھ..... عمرت علی اور علیہ کے منہ سے بہن کا ذکر سن کر ہلکا اٹھتی تھی وہ شاکر علی کو کیسے اجازت دے سکتی تھی کہ وہ اس کا ذکر کریں۔

”شاگرد..... آپ کا فون ہے۔“ ندرت موبائل ہاتھ میں پکڑے ڈرائنگ روم کا دروازہ کھول کر اندر داخل ہوتے ہوئے بولی۔ شاگرد علی صوفی پر نیم دراز سکرین کے گہرے کش نگار ہے جسے اور ان کے چہرے پر تفکرات کے آثار نمایاں تھے۔

کس کا فون ہے؟ شاگرد علی نے موبائل ہاتھ میں پکڑتے ہوئے پوچھا۔

”سیما آبا کا“ ندرت آہستہ آواز میں کہا۔

”السلام علیکم آبا.....“ شاگرد علی نے لہجہ قدرے خوش کن بناتے ہوئے کہا۔

”جی..... ٹھیک ہے..... میں ابھی پہنچ رہا ہوں..... خدا حافظ۔“ شاگرد علی نے موبائل بند کرتے ہوئے کہا۔

”آپا..... بلا رہی ہیں..... میں ان کی طرف جا رہا ہوں۔“ شاگرد علی نے اٹھتے ہوئے کہا۔ ندرت کا چہرہ غصے سے بگڑنے لگا اسے معلوم ہو

گیا تھا کہ سیما آپا نے اسے ساتھ لائے کو نہیں کہا تھا..... اور ایسی باتیں اسے ہمیشہ غصہ دلاتی تھیں۔

”جائیں..... میں نے کب روکا ہے؟“ وہ غصے سے کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر نکل گئی اور شاگرد علی اسے دیکھتے رہ گئے۔

سیما آپا نے سب بہن بھائیوں کو بلا رکھا تھا۔ ناظر علی..... کشور..... جلیلہ اور صدیقہ..... وہ سب کو شاگرد علی سے صلح کرنے پر اصرار کر رہیں

تھیں..... پہلے تو سب اس بات کے خلاف بولے مگر سیما آپا کے سمجھانے پر سب خاموش ہو گئے۔ شاگرد علی سیما آپا کے گھر کی ڈرائنگ روم میں داخل

ہوئے تو بہت شرمسار تھے۔ چہرے پر مایوسی اور آنکھیں غمامت سے جھکی ہوئیں تھیں۔

”السلام علیکم.....“ شاگرد علی آہستہ سے بولے اور سر جھکا کر صوفی پر بیٹھ گئے۔

”علیکم السلام.....“ سب نے من میں جواب دیا۔ شاگرد علی کی طرف دیکھا اور پھر خاموشی چھا گئی۔

”شاگرد علی..... آگے بڑھو اور بڑے بھائی سے معافی مانگو..... زیادتی تمہاری جانب سے ہوئی ہے۔“ سیما آپا نے حکم دیا تو شاگرد علی ایک

دم ہٹکلا گئے انہیں قطعی توقع تھی کہ آپا یہ حکم صادر کریں گی۔ وہ تھوڑا سا چٹکھائے اور پھر اٹھ کر ناظر علی کی جانب بڑھے۔

”بھائی جان..... میں..... میں..... بہت شرمندہ ہوں۔“ اور شاگرد علی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک پڑے۔

”ناظر علی سمیت سب بہن بھائیوں کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔ ناظر علی نے آگے بڑھ کر شاگرد علی کو اپنے گلے سے لگایا اور دونوں بھائی

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

”میں آپ کا مجرم ہوں..... میں نے بہت غلط کام کیا۔“ شاگرد علی بھائی کے گلے لٹک کر بولتے رہے۔

”جو..... کچھ بھی ہوا..... میں نے تمہیں معاف کیا..... بہن بھائیوں میں بہت کچھ ہوتا ہے..... جو کچھ بھی ہو جائے..... ناخون کو پوروں

سے خدا نہیں ہو سکتے..... زمانہ تسکای بدل جائے..... خون میں کشش ضرور ہوتی ہے۔“ ناظر علی نے انہیں محبت سے پیار کرتے ہوئے کہا اور اپنے

آنسو پونچھے۔

”بھابھی جان..... میں آپ سے بھی معافی مانگتا ہوں۔“ شاگرد علی کشور کے پاؤں میں بیٹھ کر بولے۔

"جیلہ! تمہیں تو ہم نے ہمیشہ اپنے بچوں کی طرح سمجھا ہے۔۔۔۔۔ یہ سب کیا دھرا ندرت کا ہے۔۔۔۔۔ نہ بہت زندہ ہوتی تو کسی کو بھی یہ دن دیکھنا نصیب نہ ہوتا۔۔۔۔۔ تم ہی کانوں کے کچے نکلے جواس کی باتوں میں آ گئے۔" کشور نے جل بھن کر کہا تو شاکر علی خاموش ہو گئے۔

"جیلہ آ پا۔۔۔۔۔ مجھے معاف کیجئے۔۔۔۔۔ میں نے آپ کا بھی دل دکھایا۔" شاکر علی نے بڑی بہن جیلہ سے بھی معافی مانگی۔

"شاکر علی۔۔۔۔۔ یہ تم ہی تھے جو بہن بھائیوں کی محبتوں کو بھلا بیٹھے ورنہ ہم سب نے تم سے جتنی محبت اور جتنے تمہارے لاڈ اٹھائے ہیں۔۔۔۔۔ تمہیں یاد ہوتا۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ تم کبھی ایسا نہ کرتے۔" جیلہ آ پانے قدرے خفگی سے کہا۔۔۔۔۔ جو مزاج کی قدرے سخت تھیں۔

"آ پا۔۔۔۔۔ میں اپنے کیے پر بہت کچھ تپا ہوں۔۔۔۔۔ اور ابھی تک شرمسار ہوں۔" شاکر علی نے آہستہ آواز میں کہا۔

"تمہیں اپنی غلطی کا احساس ہو چکا ہے تو پھر ہم تمہیں مزید شرمندہ نہیں کرنا چاہتے۔۔۔۔۔ خوش رہو۔۔۔۔۔ اللہ بھی تمہیں معاف کرے۔" جیلہ آ پانے جواب دیا۔

"صدیقہ! آ پا۔۔۔۔۔ میں آپ سے بھی۔۔۔۔۔" شاکر علی نے چھوٹی آ پا کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہم سب نے تمہیں معاف کیا۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ شاکر علی۔۔۔۔۔ آئندہ ذرا اپنی آنکھیں کھول کر رکھنا۔۔۔۔۔ تمہیں ندرت کی جالی۔۔۔۔۔ تم سمجھتے تھے کہ ساری دنیا تمہارے ہاتھ آگئی۔۔۔۔۔ مرد کو اپنی آنکھیں کھول کر رکھنی چاہیے۔۔۔۔۔ مرد۔۔۔۔۔ اپنی بیوی اور اپنے خاندان کے درمیان ہل کا کام کرتا ہے۔۔۔۔۔ اگر ہل کمزور ہو تو سارے رشتے کمزور ہو جاتے ہیں۔" صدیقہ آ پانے کہا تو وہ نام سے خاموش ہو گئے۔

شکر ہے۔۔۔۔۔ پروردگار کا۔۔۔۔۔ آج میں سرخرو ہوئی۔۔۔۔۔ اگر تم بہن بھائیوں کو طوائف بغیر مرجاتی تو قیامت کے روز اپنے ماں باپ کو کیا منہ دکھاتی۔۔۔۔۔ شکر ہے مولا کا۔۔۔۔۔ اس نے میری لاج رکھی۔۔۔۔۔ آج اماں۔۔۔۔۔ بابا کی روحیں بہت خوش ہوں گی کہ ان کی نکھری اولاد پھر سے مل گئی ہے۔"

سیما آ پانے ہاتھ جوڑ کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے خدا کا شکر ادا کیا تو سب مسکرا دیے سیما آ پانے مٹھائی منگوائی اور سب نے چائے کے ساتھ کھائی۔ سب آہستہ آہستہ باتوں میں مصروف ہو گئے۔

"ناظر علی اور کشور میں تم سے ایک درخواست کرنا چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ بڑی بہن کے ناتے امید کرتی ہوں کہ تم لوگ میری بات ضرور مانو گے۔" سیما آ پانے اچانک کہا تو سب ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔

"آ پا۔۔۔۔۔ آپ حکم کیجئے۔" ناظر علی نے باادب انداز میں کہا۔

"شاکر علی۔۔۔۔۔ علیہ کا رشتہ طے کرنے آئے ہیں۔۔۔۔۔ ایک دو جگہ بات بھی چل رہی ہے۔۔۔۔۔ میں چاہتی ہوں۔۔۔۔۔ تم علیہ کو اپنی بیٹی بنا لو۔۔۔۔۔ تاکہ بھائیوں کا یہ رشتہ اور مضبوط ہو جائے۔" سیما آ پانے اچانک کہا تو ناظر علی اور کشور سمیت سب کا منہ کھلے کا کھلا رہ گیا۔ شاکر علی خود بھی حیران رہ گئے۔ ان کے دل میں جو بات ندرت نے ڈالی تھی آ پا اس بات تک خود بخود پہنچ نہیں تھیں ناظر علی اور کشور کو کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہیں اور وہ بھی شاکر علی کی موجودگی میں۔۔۔۔۔ وہ تو اس کے سامنے کوئی احتجاج بھی نہیں کر سکتے تھے۔۔۔۔۔ جس نے ابھی ابھی ان سے معافی مانگی تھی۔

انکار کا مطلب یہ ہوگا کہ انہوں نے شاکر علی کو دل سے معاف نہیں کیا۔

”مگر آپ..... یہ بڑوں کا نہیں..... بچوں کی زندگیوں کا مسئلہ ہے اور ناراضگی ہوئے پندرہ سولہ سال ہو گئے ہیں..... بچوں نے تو ابھی کسی کو دیکھا بھی نہیں..... وہ ایک دوسرے کو جانتے بھی نہیں..... یہ آپ کیا فیصلہ کر رہی ہیں؟ جیلے آپ نے حیرت کا اعتبار کرتے ہوئے کہا۔

”جیلے..... رشتے تو اللہ تعالیٰ نے خود طے کیے ہوتے ہیں..... کبھی بچے خود..... تو کبھی بڑے یہ کام سرانجام دیتے ہیں اور اگر پروردگار کو منظور ہو تو رشتے بن ہی جاتے ہیں..... اور علیہ..... نزہت کی بیٹی ہے..... اس میں ماں کی خوبیاں تو ضرور ہوں گی.....“ سیماء آپ نے قدرے فخریہ انداز میں کہا تو شاکر علی نے چونک کر آپ کی طرف دیکھا اور ان کا دل ڈوبنے لگا۔

ان کو جب معلوم ہوگا..... کہ..... ”شاکر علی کے دل سے آواز آئی تو چہرے اور ہاتھوں میں پسینا آنے لگا۔ وہ گھبرا گئے۔

”وہ تو سب ٹھیک ہے..... مگر بچوں کی بھی رضامندی ضروری ہے۔“ صدیقہ آپ نے بھی رائے دی۔

”سنی اور علیہ ہمارا خون ہیں..... ہمارے بچے ہیں..... انہیں ہمارے فیصلوں پر اعتراض نہیں ہوگا..... کیوں ناظر علی؟ سیماء آپ نے ناظر علی اور کشور کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”سنی کی اس وقت ملک اور ملک سے باہر بہت عزت اور شہرت ہے۔ اس نے اپنی ہونے والی بیوی کے بارے میں کیا سوچ رکھا ہے ہمیں نہیں معلوم..... وہ تو ہمیں ابھی اپنی شادی کا ذکر تک نہیں کرنے دیتا..... پھر ہم کیسے خودی فیصلہ کر لیں؟ ناظر علی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ناظر علی..... سنی کا نمبر ملا..... میں خود اس سے پوچھتی ہوں۔“ سیماء آپ نے کہا تو سب نے چونک کر ان کی طرف دیکھا۔ نجانے آج سیماء آپ کو کیا ہو رہا تھا۔ خود بخود چونکا دینے والے فیصلے کرتی جا رہی تھیں۔ ناظر علی نے نمبر ملا کر موبائل سیماء آپ کے ہاتھ میں دیا اور وہ سنی سے بات کرنے لگیں..... سب خاموش سے ان کے چہرے کی جانب دیکھتے رہے۔

”سنی کو کوئی اعتراض نہیں..... اسے بڑوں کا فیصلہ منظور ہے۔“

سیماء آپ نے فون بند کر کے ناظر علی اور کشور کی جانب دیکھ کر قاتحانہ انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

ناظر علی اور کشور نے بے بسی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھا۔

”شاکر علی..... اگر تم علیہ بیٹی کی رائے جانتا چاہتے ہو..... تو میں اس کو بھی فون کر کے پوچھ لیتی ہوں۔“ سیماء آپ نے کہا۔

”جہنم..... نہیں..... اس کی کوئی رائے نہیں..... میں اس کی مرضی جان چکا ہوں۔“ شاکر علی نے جلدی سے بولکلائے انداز میں کہا انہیں ڈر تھا کہ اگر سیماء آپ علیہ کو فون کرتی ہیں تو وہ الٹا سیدھا نہ بولنا شروع کر دے۔ وہ تو باپ کا لٹا نہیں کرتی تھی سیماء آپ کو نجانے کیا کچھ کہہ دے۔

”تو..... پھر ٹھیک ہے..... علیہ اور سنی کا رشتہ میں پکا کرتی ہوں۔“

اس ماہ کی پچیس تاریخ کو چاند کی پندرہ تاریخ بنتی ہے..... تب دونوں کا نکاح کر دیں گے..... مادہ ہی اقرب ہوگی جس میں خاندان کے چہرہ قریبی لوگ ہوں گے۔“ سیماء آپ نے انگلیوں پر دن اور تاریخ مسمتے ہوئے کہا۔

”آپ..... آج پندرہ تاریخ ہے اور صرف دس دن بعد.....“ کشور نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... اتنے دن کافی ہیں۔“ سیرا آپا نے جواب دیا۔

”لیکن ہمیں تیاری کے لئے کچھ وقت چاہیے۔“ کشور نے حیرت سے کہا۔

”شاکر علی نہ تمہیں زیادہ کاٹھ کھاڑا کٹھا کرنے کی ضرورت ہے اور نہ ہی کشور تمہیں صوف و نمائش کی..... جو کام اللہ کے حکم کے مطابق آسانی سے ہو جائیں۔ انہی خواہشات کی خاطر ان کی وجہ سے تکلیف میں پڑنا۔ اپنا ہی نقصان ہے..... ہمارے بچے اپنے گھروں میں خوش رہیں۔ اس سے بڑھ کر خوشی کی بات ہمارے لیے اور کیا ہوگی..... کشور اور ناظر علی..... بس تم لوگ وعدہ کرو کہ علیہ کو اپنی بیٹی سمجھو گے..... اسے کبھی بھی یہ احساس نہ دلا تا کہ تم میں اور اس کے باپ میں ناراضگی رہی ہے۔ جب وہ مسئلہ ہوا تھا..... وہ تو معصوم بچی تھی..... جب اسے کچھ معلوم ہی نہیں..... تو اسے کیا بتانا..... کشور..... نزہت نے تمہاری بہت خدمت کی تھی..... تمہیں یاد ہے مناسب..... جب تم اپنی چھوٹی بیٹی عزرا کی پیدائش پر چار ہوئی تھی تو نزہت نے دن رات ایک کر دیا تھا..... تم علیہ کی لٹلیوں کو نزہت کی خدمت کے صدقے میں معاف کر دینا..... مجھے امید ہے علیہ بھی تمہاری بہت خدمت کرے گی۔“ سیرا آپا نے پراحتہ لہجے میں کہا۔

”آپا..... آپ ہماری جانب سے بے فکر رہیے۔ ہم اسے اپنی بیٹی سمجھیں گے۔“ کشور نے ناظر علی کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”سمجھنا نہیں..... بیٹی ماننا بھی ہوگا۔“ سیرا آپا نے کہا۔

”اللہ! اللہ! ناظر علی نے مسکرا کر شاکر علی کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”شاکر علی نے نظریں نیچے کر لیں اور گہری سانس لی۔

”مبارک ہو..... اللہ پاک بچوں کے نصیب اچھے کرے۔ یہ لو..... من بیٹھا کرو۔“ سیرا آپا نے ناظر علی، کشور اور شاکر علی کو مٹھائی کھلاتے ہوئے کہا۔

لوگوں میں کمرے کا ماحول بدل چکا تھا۔ ہر جانب قیمتی ہینڈ بورے تھے۔ شاکر علی، بہنوں اور بھائی کے ساتھ چمک چمک کر باتیں کر رہے تھے۔ سیرا آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ بہنوں بھائیوں کے مسکراتے چہرے دیکھ دیکھ کر خوش ہو رہی تھیں اور ہار ہار اللہ کا شکر ادا کر رہی تھیں۔

سیرا آپا کی بات کو نالٹا گویاں کی بات کو نالٹا تھا۔ سیرا آپا بہت حلیم الطبع اور رعب والی خاتون تھیں۔ جو بات ایک بار کہہ دیتیں۔ سب اس کو بلا چون و چرا مانتے تھے۔ ہر طرف خوشی کا سماں تھا۔

شاکر علی رات کے دو بجے گھر پہنچے تو ان کے ہاتھ میں مٹھائی کا ڈبہ تھا۔ عذرت کا موڈ سخت آف تھا اور وہ اظفر کے بیڈروم میں سو رہی تھی۔

”عذرت..... عذرت.....“ شاکر علی اس کے قریب کھڑے ہو کر آوازیں دیتے رہے مگر وہ خاموشی سے آنکھیں بند کیے لیٹی رہی۔ شاکر علی نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا اور کمرے سے باہر نکل آئے۔ وہ علیہ کے کمرے کی جانب گئے اور دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔

”علیہ بیڈ پر لیٹی اسموکنگ کر رہی تھی۔ دستک کی آواز سن کر جلدی سے سگریٹ واش روم میں پھینکا اور ایئر فریڈر سے اپرے کر کے دروازہ کھولا..... شاکر علی کے ہاتھ میں مٹھائی تھی اور وہ مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”آپ..... اس وقت..... علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... میں ابھی سہا آپ کے گھر سے آرہا ہوں۔“ شا کر علی نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”علیہ..... تمہیں ایک خوشخبری سنائی ہے..... سہا آپ نے تمہاری شادی..... ناظر بھائی کے بیٹے سنی سے طے کر دی ہے۔“ شا کر علی نے

کہا تو علیہ کا منہ حیرت سے کھلا کا کھلا رہ گیا۔ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہے..... اسے تو اپنی سماعت پر بھی یقین نہیں آرہا تھا۔

”اس ماہ کی پچیس تاریخ کو تمہاری شادی ہے۔“ شا کر علی نے کہا۔

”ش..... شا..... وی.....“ وہ بمشکل بولی۔

”ہاں.....“ شا کر علی نے جواب دیا۔

”علیہ کے حواس بحال نہیں ہو رہے تھے۔ پندرہ سال پہلے والا لہذا دہلا پتلا ٹھنکھریا لے ہالوں والا۔ گندی رحمت اور مولیٰ تاک والا

جھگڑا تو سنی اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔

”رات بہت ہو رہی ہے..... اب تم سو جاؤ..... میں نے سوچا پہلے تمہیں یہ خوشخبری سنا دوں۔“ شا کر علی نے مسکراتے ہوئے کہا اور کمرے

سے باہر نکل گئے۔

علیہ اپنے سر کے بال نوچے گی۔ اسے تو سنی سے بہت نفرت تھی اور اب اس کے ساتھ ہی شادی.....

”اوہ..... نو.....“ وہ ہونٹ چباتے ہوئے بڑبڑانے لگی..... اور سکنے لگی۔

اسد کا خوبصورت..... پرکشش چہرہ اس کی نظروں کے سامنے گھومنے لگا۔ اس کا دل اک انجانے فم سے بھرنے لگا۔ اس کی قسمت میں

اسد نہیں تھا۔ ”سنی تھا..... اس بار پھر اسے قسمت نے بات دی تھی۔ اس نے جو چاہا تھا اور جس کی تمنا کی تھی وہ اب پھر اسے نہیں مل رہا تھا۔ ہر بار

اسے قسمت یونہی شکست دیتی ہے اور وہ بے بسی سے اپنی شکست کا تماشا دیکھتی ہے اور اب کی بار تو بازی ایسی اپنی پڑی تھی کہ اس کے حواس خطا ہونے

لگے۔ وہ آواز بند کیے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

بیڈ پر زور زور سے کے مارنے لگی۔ کبھی اسد اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا تو کبھی سنی کا چہرہ..... وہ تو ہمیشہ اس سے نفرت کرتی آئی تھی

اور اب وہی اس کا نصیب بنے جا رہا تھا۔ اس نے وارڈ روب سے شبیہ کی بوتل نکالی اور اسے منہ لگا کر پینے لگی۔ رفتہ رفتہ وہ غلط حال ہو کر بستر پر گر

گئی..... اسے چاروں طرف اسد کا مسکراتا چہرہ نظر آنے لگا اور وہ بھی اسے مسکرا کر دیکھنے لگی۔

”اسد آئی لو یو لوچ۔“ وہ آہستہ آواز میں مسکراتے ہوئے بولی۔

”آئی لو یو لو۔“ اسد کی سرگوشی اسے کہیں سے سنائی دی اور وہ کھٹکھٹا کر بٹھنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اسد کا چہرہ بر دیوار پر

آویزا ہو اس کی ہنسی کے ساتھ وہ بھی ہنس رہا ہو اور تمام درد یوار بھی۔

”آئی لو یو لو.....“ اسد کی سرگوشیاں اسے سرور کرنے لگیں۔

”آئی مس پراسد.....“ وہ پھر بڑبڑائی۔

”آئی مس پلو.....“ اسد نے بھی سرگوشی کی۔

علیحدہ نے پھر پھر پور قبضہ لگا دیا اور آنکھیں بند کر کے ہنسی رہی اور اسے احساس بھی نہ ہوا کہ آنسو اس کی بند آنکھوں میں سے گر کر نیچے میں جذب ہو رہے تھے..... وہ ہر فکر غم اور دکھ سے آزاد ہو چکی تھی۔ ہواؤں میں اسد کے ساتھ جو پرواز تھی..... وہ اس کے ساتھ محبت کی باتیں کر رہا تھا اور وہ ان باتوں پر مسکرا رہی تھی۔ خوش ہو رہی تھی..... مگر نجانے کہاں سے آنسو بھی المائدہ کر آ رہے تھے..... شاید دل کہیں اداس تھا جو اس کی ہنسی میں اس کا ساتھ نہیں دے رہا تھا۔

”اسد..... میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتی.....“ وہ پھر بڑبڑائی۔

”میں..... بھی..... تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا۔“ اسد کی سرگوشی سنائی دی۔

وہ پھر مسکرانے لگی اور مسکراتی رہی..... آنسو وہیں قلم گئے اور وہ سو گئی۔

☆

رشیدہ..... سدرہ کی شادی کے نام پر لوگوں سے خوب چیزیں اور پیسے اکٹھے کر رہی تھی۔ وہ ان گھروں میں بھی جاتی تھی جہاں اس نے کام کرنا چھوڑ دیا تھا..... اور..... عرصے سے کبھی ان کی طرف نہیں گئی تھی۔ مگر شادی کا تا کر وہ ان سے بھی کچھ نہ کچھ لے آئی اور گھر آ کر ٹھہر گیا۔ انداز میں بتاتی..... تو سدرہ دل مسوس کر رہ جاتی..... اسے رشیدہ پر سخت غصہ آتا..... اسے یوں مانگ کے چیزیں اکٹھا کر کے لے جانا سخت برا لگ رہا تھا..... وہ خالی ہاتھ چلی جائے..... یہ اسے زیادہ پسند تھا..... مگر رشیدہ اس کی کہاں سنتی تھی..... اس نے کچیس تیس ہزار نقد کے علاوہ بہت سے سوٹ، جینز کا مختلف سامان بستر اور برتن اکٹھے کیے تھے۔ سدرہ کی شادی میں گویا رشیدہ کی لائبریری لگی ہوئی تھی۔ وہ..... ہر شام لدی پھندی مگر لوٹتی..... راشدہ اور منی فور اس کے گرد بیٹھ جاتے اور وہ چیزیں نکال کر دکھاتی..... راشدہ کو جو چیز پسند آتی وہ لے لیتا..... اس کے علاوہ وہ ہر شام سو روپے کا نوٹ رشیدہ سے بہانے بنا کر لے کر جاتا اور رات کو درمے سے گھر لوٹتا..... اور..... جب گھر آتا تو جیب میں چند سکوں کے علاوہ اور کچھ نہ ہوتا۔ سدرہ رشیدہ اور راشدہ کی حرکتوں پر خون کے آنسو دیتی مگر زبان سے کچھ نہ کہتی۔ لال کوٹھی والوں نے ہارات کی خاطر تو وضع کا سارا خرچہ اٹھانے کا وعدہ کیا تھا۔ رشیدہ کے گھر کے دونوں کمرے سامان سے بھر گئے تھے اور وہ چیزوں کو چھپا چھپا کر لوہے کے بڑے ڈرکوں میں رکھتی تھی۔ زاہدہ اور کاشف کو اس نے صاف صاف کہہ دیا تھا کہ وہ جینز ہانگل نہیں دے سکتی اور کاشف نے بھی وعدہ کیا تھا کہ وہ ان سے کوئی چیز نہیں لے گا۔ اس نے اپنے پیئروم کے لیے سارا فرنیچر بھی خریدی، مٹایا تھا۔ رشیدہ کی یہ حرکتیں دیکھ کر سدرہ کو بہت دکھ ہوتا اور وہ ساری رات چپکے چپکے آنسو بہاتی رہتی۔ اس کی شادی کا جوڑا بھی اس کے سسرال والے لے کر آئے تھے۔ رشیدہ نے کسی کو بھی شادی پر نہیں بلایا تھا۔ ہارات بھی چند لوگوں پر مشتمل تھی۔ انتہائی سادگی سے شادی کی تقریب انجام پائی اور سدرہ ہاں کے گھر سے سسرال میں آ گئی۔

کاشف اس سے بہت محبت کرتا اور اس کا بہت خیال رکھتا۔ وہ دہلی پتلی لسی سالواری لڑکی تھی۔ میسے میں تو کبھی ڈھنگ کا کپڑا پہننا نصیب

نہ ہوا تھا اور کاشف نے خود اس کے لئے بہت خوبصورت اور مہنگے کپڑے بنوائے تھے۔ جنہیں وہ پہنتی تو بہت خوبصورت لگتی..... وہ تو چند روز میں ہی نکھر مٹی تھی کاشف کی محبت اور زاہدہ کی آؤ بھگت نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا تھا۔ وہ ہر دم ہنستی، مسکراتی زاہدہ کے گھر میں اضلاقی پھرتی۔ کاشف اسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا اور وہ اس کی بہت سی محبت اور چاہت پا کر سرور ہو جاتی۔

زاہدہ کا گھر..... رشیدہ کے گھر سے کئی گنا بہتر اور صاف سہرا تھا۔ تین کمرے، ڈرائنگ روم، ڈائننگ روم کے علاوہ لاونج، کچن سنور اور دو واش رومز پر مشتمل تھا۔ گھر میں ہر سہولت کی چیز تھی..... کسی بھی شے کی کوئی کمی نہ تھی۔ اس گھر میں سدرہ کے جیڑ کی کوئی محبت نہ تھی اور رشیدہ نے بھی اس موقع سے فائدہ اٹھا کر سارا سامان اپنے گھر میں رکھ لیا تھا کہ یہ مٹی کے کام آئے گا..... اسے تو اس نے غیروں میں بیاجاتا ہے..... ماں کی یہ سوچ دیکھ کر سدرہ خاموش رہی۔

وہ اپنے گھر میں خوش تھی اور نہ سکون بھی..... رشیدہ اس کے گھر آتی تھی اور نہ ہی اس کے پاس مہنگے میں جانے کے لیے وقت تھا کیونکہ شادی کے ایک ماہ بعد ہی اس کے امتحانات ہونے والے تھے۔ وہ پڑھائی میں مصروف رہی۔ زاہدہ کو اس کی یہ بات بہت کھٹکتی تھی۔ وہ عام سوچ رکھنے والی گھریلو عورت تھی۔ اس کے نزدیک نئی ٹوبلی بہو کو یا توج سنور کو گھومتا پھرنا چاہیے یا پھر گھرداری کرنی چاہیے۔ نئی ٹوبلی بہو کا کرے میں بیٹھ کر کتنا میں پڑھتا اسے سخت برا لگتا تھا۔ وہ صرف کاشف کی وجہ سے خاموش تھی۔ کاشف اس کی ہر بات میں بہت مدد کرتا تھا۔ وہ تو باپ کی وفات کے بعد حریہ تعلیم حاصل نہ کر سکا تھا مگر سدرہ پڑھائی کا شوق دیکھ کر وہ اس کی بھرپور مدد کرتا۔ کاشف کے گھر آ کر اسے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے وہ کسی ٹھہر ساریہ دار کے نیچے آ گئی ہو اسے قطعی امید نہیں تھی کہ کاشف اور زاہدہ اس سے اتنا تعاون کریں گے۔ کاشف اس کے امتحانات میں کالج لینے اور چھوڑنے جاتا۔ اس کی ہر ضرورت کا خیال رکھتا۔ زندگی نے بہت خوشگوار موڑ لیا تھا جس کی اسے قطعی توقع نہ تھی۔ اس نے ماں کے گھر جس قدر مشکل اور کمپرس کی زندگی گزاری تھی سسرال میں آ کر وہ ساری محنتیں، خوشگوار اور خوبصورت لمحوں میں بدل گئیں تھیں۔

گھر میں صرف وہ اور زاہدہ ہوتیں۔ دونوں خندیں اپنے سسرال میں رہتی تھیں۔ کاشف شام کو گھر آتا۔ سارا دن گھر میں خاموشی اور سکون رہتا۔ وہ امتحانات سے فارغ ہوئی تو زاہدہ کے ساتھ گھر کے کام کاج کرنے میں مصروف رہتی۔ زاہدہ کبھی کبھی کوئی تلخ بات کہہ دیتی تو وہ خاموش رہتی۔ کاشف شام کو آتا تو ضرور اس کے لئے پھول اور کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتا اور چھٹی کے روز اسے گھمانے پھرانے کے لئے کبھی کسی پارک میں لے جاتا تو کبھی نہر کنارے۔ کبھی شاہج کرانے تو کبھی کسی ہوٹل میں کھانا کھلانے۔ یہاں آ کر اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اب اس نے زندگی گزارنا شروع کی ہو..... ورنہ..... اس سے قبل تو زندگی اسے گزاری ہی تھی۔ نہ شوہر کا کھانا نصیب ہوتا نہ پہناؤ نہ ہٹا، ہر خواہش کے لئے ترنا پڑتا اور اکثر خواہشیں تو سسک سسک کر دم توڑ دیتیں مگر اب تو کاشف اس کی کسی خواہش کو رد نہ ہونے دیتا۔ خدا اس پر اس قدر مہربان ہوگا..... اسے یقین نہیں آتا تھا پورے دن میں کئی بار خدا کا شکر ادا کرتی۔ ذکیہ آپا کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے۔

”جو لوگ اپنے مشکل وقت میں اللہ سے نہ امید رہتے ہیں..... وہ انہیں کبھی مایوس نہیں کرتا..... ان پر ضرور اپنا کرم کرتا ہے۔“

ذکیہ آپا نے اس کی سوچ بدل دی تھی..... اسے اللہ کی کتاب میں لکھے اس کے احکامات اس طرح ذہن نشین کرائے تھے کہ وہ اٹھتے، بیٹھتے،

سوچتے دجائے..... ہر کام کرتے وقت یہ ضرور سوچ لیتی کہ اس کے بارے میں اللہ کا کیا حکم ہے..... ذکیہ آ پانے اس کی جو سوچ بدلی تھی اس سوچ نے اس کی زندگی بدل دی تھی اور یہی سوچ اس کے گھر والوں کو کھٹکتی تھی۔ رشیدہ اس سے تنگ تھی اور راشدہ ناراض..... سب اس سے کتنے ہی ناراض کیوں نہ ہوتے..... مگر وہ اپنی سوچ کو نہ بدلتی کیونکہ یہ سوچ اس کو اللہ نے دی تھی..... اور

”صراطِ مستقیم کا راستہ بہت کٹھن اور دشوار ہوتا ہے..... جس میں پھول بھی تنگیزے بن جاتے ہیں..... نرم اور مٹلیں گھاس ایسے خارزار میں تبدیل ہو جاتی ہے جو ہر قدم پر اذیت اور تکلیف دیتی ہے..... ایسے دشوار راستے پر سفر کرنے کے لیے بہت ہمت اور جذباتوں کی سچائی کی ضرورت ہوتی ہے۔ پختہ ارادہ اور دل کی ٹینک نئی اس دشوار راستے کو قدرے آسان بنانے میں مدد دیتی ہے..... اس نے بھی اپنے لیے صراطِ مستقیم کا انتخاب کیا تھا۔ اس راستے میں قدم قدم پر دشواریاں حائل تھیں وہ اپنی ماں کے گھرانے کا تجربہ کر چکی تھی لیکن سسرال میں آ کر وہ مطمئن تھی کہ اس کے لئے ایسی کوئی مشکل نہیں ہوگی۔ اس کے لئے صراطِ مستقیم پر چلنا ممکن ہوگا۔ کاشف تو کڑی کرتا ہے..... حق حلال کی کمائی گھرا لاتا ہے اور اس کمائی میں کاشف کی محنت شامل ہوتی ہے اس لئے حق حلال کی کمائی میں اسے کوئی شک نہ تھا۔

کاشف کا موبائل مسلسل بج رہا تھا اور وہ دواش روم میں تھا۔ دفتر سے آئے اسے ابھی چند منٹ ہی ہوئے تھے اور وہ فریش ہونے کے لئے نہار با تھا۔ سردہ نے موبائل دیکھا تو کوئی لکھل فون سے کال کر رہا تھا۔ اس نے موبائل رکھ دیا۔

کاشف کے دواش روم سے باہر نکلنے تک موبائل مسلسل بجتا رہا۔

سردہ نے کھانا ٹیبل پر لگا دیا تھا۔ کاشف باہر نکلا تو اس نے جلدی سے موبائل کان کو لگا لیا۔

”ہیلو..... ہاں..... کہو.....“ یکدم کاشف کی آواز سرگوشی میں بدل گئی۔

”میں..... آ رہا ہوں۔“ کاشف یکدم غبر اکر بولا۔

”اس نے جلدی سے قمیض پہنی اور باہر جانے لگا۔

”کاشف..... کھانا تیار ہے..... کھانا تو کھا لیں۔“ سردہ نے کہا مگر کاشف نے سنی ان سنی کرتے ہوئے جلدی سے موٹر سائیکل باہر نکالی

اور چلا گیا۔

”اسے کیا ہوا.....؟ چلا بھی گیا ہے..... ابھی تو آیا تھا۔“

”زاہدہ اس کی موٹر سائیکل کی آواز سن کر کمرے سے باہر آئی اور سردہ سے پوچھنے لگی۔

”معلوم نہیں..... کوئی فون آیا ہے۔“ سردہ نے جواب دیا۔

”بس..... واپڈا کی نوکری میں بھی خطالت ہے۔ آئے دن مسئلے..... کبھی آدھی رات کو کال آ جاتی ہے کہ ٹرانسپار مر اڑ گئے ہیں۔ کہیں

شارٹ سرکٹ ہو گیا ہے..... کہیں بجلی ٹیل ہو گئی ہے۔ بچارے عملہ کو بھاگ بھاگ پہنچانا پڑتا ہے۔“ زاہدہ اپنی ہی لے میں بولتی تھی تو سردہ مطمئن بھی ہو

تھی اور خوش بھی..... کہ..... اس کا شوہر عوام کی سختی خدمت کر رہا ہے..... کاشف کا وجود لوگوں کے لئے کتنا ضروری ہے۔ وہ..... ہے..... ہی ایسا.....

ہر ایک کے لئے ضروری ہے..... میرے لیے بھی اور لوگوں کے لئے بھی..... سدروہ نے مسکرا کر سوچا اور کرے میں آگئی۔

رات گئے کاشف گھر لوٹا تو اس کے چہرے پر بہت تھکاوٹ اور پریشانی کے آثار تھے۔

”کاشف خیریت تو ہے..... آپ پریشان لگ رہے ہیں؟ سدروہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... یونہی..... کام بہت زیادہ تھا۔“ کاشف ہلنے کے انداز میں بولا۔

”کیا..... کوئی ٹرانسپارمر جل گیا تھا؟ سدروہ نے پوچھا۔

”نہیں.....“

”کیا کوئی شارٹ سرکٹ ہو گیا تھا؟ سدروہ نے پھر پوچھا۔

”نہیں..... ایسا کچھ نہیں.....“ اور مسکرت ہلا کر اس کے گہرے گہرے شیشے لگا۔

”کھانا لائیں.....؟ سدروہ نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے بھوک نہیں۔“ وہ ماپوس کن لہجے میں بولا۔

”کیا بات ہے.....؟ آپ پریشان کیوں ہیں؟ سدروہ نے قدرے مشکوک لہجے میں پوچھا۔

”کچھ نہیں..... تم سو جاؤ۔“ کاشف بیڈ پر لیٹتے ہوئے بولا۔

”کاشف..... میں آپ کو اپنی ہر پریشانی بتاتی ہوں..... کیا آپ مجھے نہیں بتائیں گے؟ سدروہ نے ملامت سے پوچھا۔

”کوئی پریشانی نہیں۔“ وہ جھنجھلا کر بولا۔

”پریشانی تو آپ کے چہرے پر لکھی ہے۔“ سدروہ نے کہا۔

”پلیز..... اس وقت..... کچھ صبر کرنا اور سو جاؤ.....“ وہ قدرے غصے سے بولا تو سدروہ چونک گئی..... ان کی شادی کو پانچ ماہ ہو رہے تھے

اور اس پورے عرصے میں کاشف اس سے ایک بار بھی اس لہجے میں نہیں بولا تھا اور آج نہ جانے اسے کیا ہوا تھا کہ اس کا لب و لہجہ ہی بدل گیا تھا۔ یقیناً

کوئی بڑی بات ہوئی ہے۔ وہ خاموشی سے بیڈ پر لیٹ گئی مگر وہ ساری رات کروٹیں بدلتی رہی اور آنکھوں سے کاشف کو دیکھتی رہی جو رات بھر جاگتا رہا

تھا اور ایک لمحے کے لئے بھی نہیں سویا تھا اور اس کو یوں پریشان و مضطرب دیکھ کر وہ بے چین ہو رہی تھی۔

اگلے روز وہ آفس ناٹم سے پہلے ہی چلا گیا۔ اس نے بہت بے دلی سے چائے کا آدھا کپ پیا تھا۔ ”سدروہ ناشتہ اس کے سامنے لگائے

اسے کھانے کو کہتی رہی مگر اس نے اس کی کسی بات کا جواب نہ دیا اور اپنی ہی سوچوں میں گم رہا۔ رات بھر جانے کی وجہ سے اس کی آنکھیں سرخ ہو

رچیں تھیں۔ وہ آفس چلا گیا اور سدروہ گھر پر بے چین رہی۔ کاشف نے اس کو اتنی محبت دی تھی کہ اب وہ اسے ایک لمحے کے لئے بھی پریشان نہیں دیکھ

سکتی تھی۔ کاشف مضبوط اعصاب کا شخص نہ تھا، خوش صورت، دراز قد، نوجوان تھا۔ وہ ہر بات میں سدروہ کی بہت بندھا تھا۔ اس سے حوصلے اور محبت کی

باتیں کرتا تھا اور اب نہ جانے کیا ہو گیا تھا کہ وہ بہت ہار بیٹھا تھا۔ ”ضرور کوئی گھمبیر مسئلہ ہے۔ ورنہ کاشف جیسا شخص یوں بے قرار نہیں ہو سکتا۔“ سدروہ

سارا وقت اس کے بارے میں سوچتی رہی اور ہر نماز میں اس کے لئے دعائیں کرتی رہی۔

شام کو وہ گھر لوٹا تو قدرے مطمئن تھا۔ اب اس کے چہرے پر ایسی پریشانی نہیں تھی جیسی صبح تھی۔ اس کے پر مطمئن چہرے کو دیکھ کر سدرہ نے سکون کا سانس لیا۔ کاشف نے کھانا بھی ٹھیک طرح سے کھایا اور مسکرا مسکرا کر اس سے باتیں کرتا رہا۔

کاشف کیا آپ کا مسئلہ حل ہو گیا؟ سدرہ نے رات کو بیڈ پر لیٹتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....“ وہ پر مطمئن لہجے میں بولا۔

”کیا مسئلہ تھا.....؟ سدرہ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں.....“

”کیا مجھے بتانا نہیں چاہتے.....؟ سدرہ نے پوچھا۔

”ہاں.....“ وہ قطعیت سے بولا۔

”کیوں.....؟“

”تم سمجھ نہ سکو گی..... دفتر کے بہت سے معاملات اور بڑے بکھیرے ہوتے ہیں..... گھر کی عورتوں کو اس میں دخل نہیں دینا چاہیے۔“ کاشف نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”کاشف..... کل آفس کے بعد مجھے ماں کی طرف چھوڑ دیجئے گا۔ بہت دن ہو گئے ہیں ان کی خبر معلوم کیے ہوئے.....“ سدرہ نے کہا۔

”اچھا.....“ وہ آہستہ آواز میں بولا اور آنکھیں بند کر کے لیٹ گیا۔

اگلے روز کاشف کے آفس سے آنے سے پہلے ہی وہ تیار ہو چکی تھی اس نے فیروز کی غفلتوں کے کڑا حالی والے سوٹ کے ساتھ فل میپنگ جیولری پہن رکھی تھی اور میک اپ کر رکھا تھا۔ کاشف اسے دیکھ کر مسکرانے لگا۔

”تم کئی سنوری کتنی اچھی لگتی ہو..... ہر روز یومی سنورا کرو۔“ کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟ اس نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”میرا دل خوش ہو جاتا ہے۔“ وہ شرارتی لہجے میں بولا۔

”اور جانتے ہیں..... میرا دل کب خوش ہوتا ہے؟ سدرہ نے مسکرا کر پوچھا۔

جب میں تمہیں محبت سے دیکھتا ہوں۔“ کاشف ہنستے ہوئے بولا۔

”نہیں..... اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب..... پھر کب؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”جب آپ مجھے اپنے دل میں جگہ دیتے ہیں۔“ وہ مسکرا کر بولی۔

”تم تو بچپن سے ہی میرے دل میں ہو۔“ کاشف نے جیسے ہوئے کہا۔

”نہیں..... جب آپ مجھے اپنا ہمارا بناتے ہیں..... مجھ پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے راز مجھ سے شیئر کرتے ہیں..... تب مجھے بہت خوش محسوس ہوتی ہے..... مجھے یوں لگتا ہے جیسے آپ نے مجھے کسی قابل سمجھا ہے۔“ سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”بھئی..... میں تو تمہیں ہمیشہ اعتماد کے قابل سمجھتا ہوں۔“ کاشف نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”پھر..... آئندہ مجھ سے کچھ مت چھپانا.....“ سدرہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو کاشف خاموش ہو گیا۔

”اب چلیں..... اندھیرا ہو رہا ہے..... گھر واپس بھی آتا ہے۔“ سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو کاشف بھی زبردستی مسکرائے لگا۔

”دلوں رشیدہ کے ہاں پہنچے تو مٹی گھر پر اکیلی تھی۔

سدرہ اور کاشف کو دیکھ کر وہ خوشی سے کل اٹھی۔

”آپا..... تم..... اتنے دنوں بعد کیوں آئی ہو؟ میں بہت اداس ہو گئی تھی..... اور تم سچی اچھی لگ رہی ہو۔“ مٹی محبت سے اس کے اگلے

لگتے ہوئے بولیا۔

”میں بھی بہت اداس ہو گئی تھی..... اسی لیے تو طے آ گئی ہوں۔“

اماں اور راشد کہاں ہیں؟ سدرہ نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”راشد کا تو پتا نہیں.....! ماں ساتھ والوں کے گھر گئی ہے۔“

مٹی نے بتایا۔

”کیوں.....؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

”راشد اور گڈو کی کل لڑائی ہو گئی تھی..... راشد نے اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر گڈو کی خوب پٹائی کی..... پھر اماں اور گڈو کی ماں میں

خوب جھگڑا ہوا..... گڈو کے سر سے خون بہنے لگا..... اسے پٹی لگی ہے..... وہ لوگ پولیس کو بلانے لگے تھے..... اماں اب معافی مانگنے گئی ہے۔“ مٹی

نے ایک سی سانس میں بتایا تو سدرہ ایک دم پریشان ہو گئی۔

”اتنا کچھ ہو گیا..... اور تم لوگوں نے مجھے بتایا ہی نہیں۔“ سدرہ نے حیرانگی سے کہا۔

”اماں کو پتا ہو.....“ مٹی نے جواب دیا۔

سدرہ کو راشد کی باتیں سن کر کاشف کے سامنے شرمندگی ہو رہی تھی۔

”آپا..... راشد بھر نکل ہو گیا ہے..... اب کہتا ہے..... میں نے نہیں پڑھا۔“ مٹی نے بتایا تو سدرہ کاشف سے نظریں چرانے لگی۔

”کیا..... تو..... سکول جا رہی ہے؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”نہیں..... میری شادی کے بعد تو ایک دن بھی نہیں گئی۔ اماں نے دو گھروں کا کام مجھے دلا دیا ہے۔ اماں کہتی ہے..... گھر کا خرچ پورا نہیں

ہوتا۔۔۔۔۔ اس لئے اب مجھے بھی کام کرنا پڑے گا۔۔۔۔۔ راشد کو کچھ نہیں کہتی۔۔۔۔۔ آپا اس نے صندوق میں سے بھی چیزیں جو کوٹھی والوں نے حیرتی شادی کے لئے دیں تھیں۔ نکال کر بیچ دی ہیں۔۔۔۔۔ مٹی ایک ایک کر کے گھر کی ساری باتیں اسے بتا رہی تھی اور سدرہ کو سخت شرمندگی ہو رہی تھی۔

”مجھے ایک ضروری کام یاد آ گیا ہے۔“

”میں جا رہا ہوں، واپسی پر تمہیں لے لوں گا۔“ کاشف نے سدرہ کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات کو پڑھتے ہوئے خود ہی وہاں سے جانے کا فیصلہ کیا۔ سدرہ خاموشی سے کاشف کی جانب دیکھنے لگی اور وہ اس کا جواب سنے بغیر وہاں سے چلا گیا۔

”اب۔۔۔۔۔ مجھے ساری باتیں تفصیل سے بتا۔۔۔۔۔ یہ گھر میں کیا ہو رہا ہے۔۔۔۔۔ اماں۔۔۔۔۔ راشد کو مطلع کیوں نہیں کرتی۔۔۔۔۔ وہ دن بدن بگڑ رہا ہے۔“ سدرہ نے مٹی کا ہاتھ پکڑتے ہوئے پوچھا۔

”آپا۔۔۔۔۔ اماں۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ راشد کو نہ خود کچھ کہتی ہے اور نہ ہی کسی اور کو کچھ کہنے دیتی ہے۔“ مٹی نے کہا۔

”اماں۔۔۔۔۔ راشد کو کتاب لگاڑ رہی ہے۔۔۔۔۔ اماں کو کچھ کیوں نہیں آتی۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

دروازہ کھلا اور رشیدہ اندر داخل ہو گئی۔ اس کا چہرہ سرخ ہو رہا تھا آنکھوں میں غصہ اور چہرے پر غم کے تاثرات تھے۔ یوں لگ رہا تھا جیسے کسی سے خوب لڑ بھگڑ کر آ رہی ہو۔۔۔۔۔ سدرہ کو پیٹھے دیکھ کر چوکی۔

”تو کب آئی۔۔۔۔۔؟ رشیدہ نے قدرے ناگواری سے پوچھا۔

”تمھوڑی دیر پہلے۔“ سدرہ نے آہستہ سے جواب دیا۔

”کس کے ساتھ۔۔۔۔۔؟“

”کاشف کے ساتھ۔۔۔۔۔ وہ ضروری کام سے باہر گئے ہیں۔“ سدرہ نے جواب دیا۔

”مٹی۔۔۔۔۔ مجھے پانی پلا۔۔۔۔۔ غذا سلتا یاں کرے ایسے مسایوں کا جنہیں ذرا بھی وید۔۔۔۔۔ لحاظ نہیں۔۔۔۔۔ کسی طور ماننے ہی نہیں تھے۔۔۔۔۔ بول رہے تھے۔ راشد کو پولیس کے حوالے کریں گے۔۔۔۔۔ ارے میں ان کی بوئیاں نہ بوجھ لوں۔۔۔۔۔ جو میرے راشد کی طرف مٹی آکھ سے بھی دیکھے۔“

رشیدہ پانی پیتے ہوئے اپنے اندر کا غبار نکالنے لگی۔

سدرہ اپنا قصہ مشکل سے ضبط کیے ماں اور مٹی کی طرف دیکھتی رہی۔

”ارے۔۔۔۔۔ میں تو خود پولیس میں جا کر ایسا بیان دوں گی۔ ان کو تو اپنی جان کے لالے پڑ جائیں گے۔ میرا راشد قیم ضرور ہے۔۔۔۔۔ مگر اس کی ماں ابھی زندہ ہے۔“ رشیدہ اونچی آواز میں بولنے لگی۔

”اماں۔۔۔۔۔ بس کر۔۔۔۔۔ شائے کو خراب کر۔“ سدرہ اپنے آپ پر بمشکل قابو پاتے ہوئے بولی۔

”آگئی ہے۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ اس کی دشمن۔“ رشیدہ اسے گھورتے ہوئے بولی۔

”اماں۔۔۔۔۔ میرا ایک ہی بھائی ہے۔۔۔۔۔ میں کیسے اس کی دشمن ہو سکتی ہوں۔“ سدرہ نے اپنا لہجہ نرم کر کے ہوئے کہا۔

”ہاں..... تو نے بھائی کے لئے کیا کیا.....؟ آئی بڑی بھائی کہنے والی۔..... کاشف سے کہہ کر اسے نوکری تو دلانا نہیں سکتی..... تجھے خود نہ خیال آیا۔ اب میں تجھے خود اپنے منہ سے کہوں۔“ رشیدہ غصے سے پھٹ پڑی۔

”اماں..... وہ میٹرک تو کر لے..... آٹھویں بھی اس نے تھرڈ ڈویژن میں پاس کی ہے..... کون اسے نوکری دے گا؟“ سدرہ نے نرمی سے سمجھانے کی کوشش کی۔

”ہاں..... ہاں..... کاشف تو ایم اے پاس ہے نا..... جب اس کا باپ مرا تو وہ ابھی دسویں میں تھا۔ اسے بھی تو نوکری مل گئی تھی نا۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

”اماں..... جب کاشف نے میٹرک کے امتحان دیئے تھے۔ زلزلے نے تک اسے پکا نہیں کیا گیا تھا۔“ سدرہ نے کہا۔

”ہاں..... ہاں..... تو ہی سب کچھ جانتی ہے..... ہم تو ان پڑھ جاہل ہیں۔ ہمارا بھی اللہ وارث ہے..... میں کوشی والے صاحب سے کہہ کر اپنے بیٹے کو نوکری دلوا دوں گی۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

تو سدرہ منہ بنا کر خاموش بیٹھ گئی۔ اور رشیدہ چار پائی پر لیٹ گئی۔

”آپا..... تیرے لیے چائے بناؤں۔“ منی نے سدرہ کی خم آنکھوں کو دیکھ کر پوچھا۔

”نہیں..... چل اندر چلتے ہیں۔“ سدرہ نے منی سے کہا اور دونوں کمرے میں چلی گئیں۔

”آپا..... ہم دونوں بہنوں سے اماں ایسے کیوں بولتی ہے۔ ہر وقت ذائقہ ہے۔ ہر وقت غصے سے ہی رہتی ہے۔ راشدہ تو ایسے بات نہیں کرتی۔“ منی نے افسردگی سے پوچھا۔

”چائیں۔“ سدرہ نے آدھ کر جواب دیا۔

”باہر دروازہ زور سے کھلا..... اور راشدا اپنی سائیکل لے کر اندر آیا۔

”آگیا..... میرا چاند۔“ رشیدہ نے چار پائی پر لیٹے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... اس نے برا سا منہ دکھا کر جواب دیا۔

”کسی نے تجھے کچھ کہا تو نہیں..... ادھر آ..... میرے پاس بیٹھ۔“

”رشیدہ نے چار پائی پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں..... کسی نے کچھ کہا تھا؟ راشدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہی..... گندو کی ماں..... بڑا بول رہی تھی۔ کہہ رہی تھی۔ راشدہ کو پولیس میں دے دوں گی۔ اس نے گندو کو زخمی کیا ہے اور وہ ہسپتال میں ہے۔“ رشیدہ نے ہزاروں سے کہا۔

”گنتا ہے..... اب ماں بیٹے کو جان سے ہی مارنا چڑے گا۔“ دوا یکدم پیش میں اٹھتے ہوئے بولا۔

"بکواس بند کر..... یہ تو نے کیا کام شروع کر رکھے ہیں..... محلے والوں سے لڑائی جھگڑے شروع کر دیئے ہیں۔" سدرہ نے غصے میں کمرے سے باہر آ کر اسے دو تھنر لگائے۔ راشدہ اور رشیدہ ایک دم بولکھٹ گئیں۔ راشدہ کو قطعی توقع نہ تھی کہ سدرہ اس طرح اس پر ہاتھ اٹھائے گی وہ اپنا گل سہلانے لگا۔

"آپا..... تو....." وہ غصے سے ہونٹ بھیج کر بولا۔

"خبردار..... جو تو آئندہ یہاں آئی۔ اور میرے بیٹے پر ہاتھ اٹھایا۔ تیری اتنی جرأت" رشیدہ نے غصے سے اسے گھورتے ہوئے کہا۔

"اماں..... یہ تجھے کہیں کانٹیں چھوڑے گا.....؟" سدرہ غصے سے بولی۔

"تجھے..... اس سے کیا.....؟ میں تجھ سے شکایت کرنے نہیں جاؤں گی۔" رشیدہ نے کہا۔

راشدہ کی سینٹ کی جیب میں سدرہ کو سگریٹ کی ڈبیا نظر آئی۔ وہ آگے بڑھی اور غصے سے اس کی جیب سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی یہ..... یہ تو نے کب سے شروع کر دیئے ہیں؟ سدرہ نے چونک کر پوچھا۔

راشدہ ایک دم گھبرا گیا۔ رشیدہ بھی چونک کر دیکھنے لگی۔

"کیا..... تیری عمر ہے..... سگریٹ پینے کی..... ماں لوگوں کے گھروں میں ضروری کرے اور تو پیسے ان کاموں میں اڑائے۔ راشدہ تجھے

ذرا بھی شرم نہیں آتی..... تم کیوں یہ سب کچھ کر رہے ہو.....؟ سدرہ نے اسے بازو سے جھجھوتے ہوئے پوچھا۔

"سب لڑکے پیتے ہیں..... میں اکیلا تو نہیں۔" وہ بازو چھڑا کر ڈھٹائی سے بولا۔

"ہاں..... ہاں..... ساتھ والوں کا گندہ..... سامنے والوں کا ریمان..... سب ہی....." رشیدہ نے راشدہ کی باں میں ہاں ملائے ہوئے کہا۔

"اماں..... بس کر..... کسی بات پر تو اسے ڈانٹا کر....." سدرہ نے غصے سے کہا۔

"کیوں ڈانٹوں..... بیٹے ایویں ہی نہیں ملتے..... تم جیسی ریوڑیاں تو تمھوک کے حساب سے ملتی ہیں..... ایسے لعل تو نصیبوں سے ملتے

ہیں۔" رشیدہ نے راشدہ کو محبت سے ساپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"پھر لعل کو سنبھال کر بھی رکھتے ہیں..... بڑکوں اور گیلیوں میں آوارہ چھوڑ دیئے جائیں تو کلک رہیں جاتے ہیں۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"تو اپنی باتیں اپنے پاس رکھ..... ہمیں بھی ساری سمجھ ہے..... ساری عقل تیرے پاس ہی نہیں....." رشیدہ نے کہا۔

"راشدہ..... آئندہ تو نے سگریٹ کو ہاتھ بھی لگایا تو مجھ سے برا کوئی نہ ہوگا..... اپنی مرد کچھ اور اپنی عادتیں..... ٹھیک طرح سے پڑھائی

کر..... میں کاشف سے کہہ کر تجھے کسی دفتر میں نوکر کراتی ہوں۔" سدرہ نے اپنا لہجہ نرم کر کے طالعیت سے کہا۔

"مجھے نہیں کرنی نوکری..... اور..... نہ ہی پڑھائی۔" راشدہ غصے سے اپنی شرٹ کا کالر اکڑا کر کے بولا اور سدرہ کو گھورتے ہوئے گھر سے

باہر نکل گیا۔

"مہربانی کر..... اور..... تو یہاں نہ آیا کر..... ہم تجھ سے کوئی اداس نہیں ہوتے کہ اپنا چہرہ دکھانے چلی آتی ہے یہاں..... اور جب بھی

آتی ہے لڑائی جھگڑا کرتی ہے..... ہم ہاذا آئے تھے سے لئے۔“

رشید نے غصے سے کہا تو سدرہ حیرت سے ہاں کی طرف دیکھنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کا قطار بہنے لگے۔ منی اسے دیکھ کر بہم گئی۔
اچانک کاشف دروازہ کھول کر اندر آیا..... اور سدرہ کو روٹے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا۔

”کیا ہوا.....؟“ کاشف نے اسے اور پھر رشید کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... مگر طے۔“ سدرہ نے اپنی آنکھیں رگڑتے ہوئے کہا اور کسی سے بھی طے بغیر گھر سے باہر نکل گئی۔

اسد اور مومنہ کی شادی بہت سادگی سے ایک میرج ہال میں ہوئی تھی جس کے سارے اخراجات اسد نے برداشت کیے تھے۔ سلوٹ آپا نے جہیز میں کوئی چیز نہ لی تھی..... انہوں نے زکیہ کو ہر غم اور فکر سے آزاد کر دیا تھا..... مگر سلوٹ آپا نے اپنی خاندانی روایات کے مطابق تمام رسمیں ادا کیں تھیں۔ اس کی وارڈروب کو خوبصورت اور قیمتی لمبوسات سے بھر دیا تھا۔ سیف میں سونے چاندی، وائنٹ گولڈ اور ہیروں کے سیٹ رکھے تھے اس کے ڈریسنگ ٹیبل پر قیمتی پرفیومر اور میک اپ کا بے تحاشہ سامان تھا..... کمرے کی آرائش، فرنیچر ہر شے قیمتی اور دیدہ زیب تھی۔

مومنہ سرخ عروسی کا مڈلنگے میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور زیورات میں لدی پھندی، خوشبوؤں سے محفل پھولوں اور گھروں سے بھری..... سرخ گھونٹ سے چہرہ چھپائے جب اس نے اسد کے گل نما گھر میں قدم رکھا تو اس کے وجود کی روشنیوں سے سارا گھر جھلکا۔ اس کے آنے سے ہر طرف گھر میں اک لطیف سا احساس پیدا ہونے لگا۔ سلوٹ آپا اس پر داری اور قریان ہو رہی تھیں۔ بار بار اس کے سر پر سے ہزار ہزار کے نوٹ وار کر ثروت اور خیران ہوا کو دے رہی تھیں۔ بار بار اس کی پیشانی چومتیں۔ اسد بھیوں سے اس کی جانب دیکھتا اور اپنی مسکراہٹ چھپانے کی کوشش کرتا۔ اسے لاؤنج میں بٹھا کر انہوں نے کئی خاندانی رسمیں ادا کیں۔

”بہو بیگم..... آپ تھک گئی ہوں گی..... اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجئے..... فخر بیگم..... آپ اس گھر کی بڑی دہن ہیں..... ہماری بہو بیگم کو ان کے کمرے میں پہنچا دیجئے۔“ سلوٹ آپا نے فخر بیگم کو کہا اور وہ مومنہ کو اٹھا کر اپنے ساتھ لے جانے لگیں۔
”مضمیر یہ.....“ سلوٹ آپا نے کہا اور مومنہ کے سامنے کھڑی ہو کر اس کی پیشانی چومتے لگیں۔

”زندگی کا نیا سفر مبارک ہو..... خدا کرے..... آپ کا دل اور دامن خوشیوں سے بھرا رہے..... اسد بیٹا..... اب آپ کی ذمہ داری ہے..... بہو بیگم کا بہت خیال رکھیں..... سلوٹ آپا نے ساتھ ساتھ کھڑے اسد اور مومنہ کو باری باری چوم کر دعائیں دیں۔ مومنہ نے شرمنا کر سر جھکا لیا اور اسد مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

دونوں نے کمرے میں قدم رکھا تو تازہ گلاب کے پھولوں کے خوشگوار اور پر محفل جھونکوں نے ان کا بھرپور استقبال کیا۔ کمرے کے دروازے سے بیڈ تک سارے راستے میں گلاب کے پھولوں کی چٹان بچائی گئی تھیں۔ مومنہ ان نرم و نازک پتیوں پر چلتی ہوئی اپنے بیڈ تک پہنچی۔ جہاں سرخ مخملیں بستر پر مومے کی کھیاں اور گلاب کی چٹان بچائی گئی تھیں۔

”اب آپ آرام کیجئے.....“ فخر بیگم نے محبت سے کہا اور دونوں کی طرف مسکرا کر دیکھتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئیں۔ اسد نے آف

دہائٹ شیروانی اور میرون کٹے کے ساتھ گوئڈن تلے کے کام والا شاہی کھسہ پہن رکھا تھا۔ دونوں بہت خوبصورت لگ رہے تھے۔ دراز قد، سمارٹ، خوبصورت اور کشش۔

"مومنہ..... آپ کو ہمارا ساتھ کیسا لگا.....؟ آئی مین..... پہلی بار کی ملاقات سے لے کر اب تک..... کبھی موقع ہی نہیں ملا..... کہ میں آپ سے اپنے بارے میں کچھ پوچھ سکتا..... آج موقع ملا ہے تو کیا آپ اس ملن پر خوش ہیں؟ اسد نے مسکرا کر اس کا ہاتھ اپنے بائیں ہاتھ میں تھامتے ہوئے پوچھا۔ مومنہ نے شرما کر سر نیچے کر لیا..... اور مسکراتے لگی۔

"مومنہ..... میں آپ کی مسکراہٹ کے ساتھ آپ کی آواز بھی سننا چاہتا ہوں..... جو یقیناً آپ کی طرح بہت خوبصورت ہے۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

"آپ نے کب مینی.....؟ اچانک مومنہ کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

"اسی روز..... جب آپ کو دیکھا تھا..... میں تو آپ کی آواز اور حسن کا امیر ہو گیا..... نجانے آپ نے کیا جاؤ کر دیا ہے کہ آپ کے بغیر زندگی بہت ادھوری لگنے لگی تھی....." اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"اور..... اب.....؟ مومنہ نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

"اور..... اب یوں لگتا ہے..... میرا جہاں مکمل ہو گیا ہو..... میری دنیا جگمگانے لگی ہو..... اس میں قدرت نے چاند، ستاروں سے روشنی کر دی ہو..... اس میں خوشبوئیں بھر گئی ہوں..... آج مجھے میری دنیا بہت مکمل..... حسین..... دلکش اور بہت خوبصورت لگ رہی ہے..... آپ کی

طرح..... ہنستی..... مسکراتی..... شرماتی..... لباتی....." اسد نے اسے اپنے بازوؤں میں بھرتے ہوئے کہا تو اس نے مسکراتے ہوئے اس کے کندھے پر سر رکھ دیا۔

"ملن کا یہ احساس کتنا خوبصورت ہے.....؟ اسد نے مسکرا کر کہا۔

"ہاں....." وہ بھی مسکراتے ہوئے بولی۔

"اوہ..... میں تو بھول ہی گیا....." اسد ایک دم بیڈ پر سے اچھل کر کھڑا ہو گیا اور سائیڈ بلیک کی دروازہ کھول کر کچھ ڈھونڈنے لگا۔ مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اس نے راز میں اپنی الماری کی چابیاں نکالیں اور الماری کا خفیہ خانہ کھول کر اس میں سے ایک سرخ غزل کا ٹیکس

سیٹ کا ڈبہ نکال کر لایا اور اسے مومنہ کے آگے رکھا۔

"ہمارے ملن کی خوشی میں..... میری محبت کے حضور پہلا نذرانہ۔ اسد نے سیٹ کا ڈبہ کھول کر مومنہ کو دکھایا۔ اس میں ڈائمنڈ کا انتہائی خوبصورت اور نفیس سیٹ تھا۔ مومنہ زندگی میں پہلی بار ہیرے کا سیٹ دیکھ رہی تھی۔ ہیروں سے نکلنے والی ست رنگی شعاعیں مومنہ کی آنکھوں کو خیرہ کر

رہیں تھیں..... قدرت اس پر کتنی مہربان ہو رہی تھی۔ اسے کیسے کیسے نوازا رہی تھی..... اسد جیسا بھر پور پیار کرنے والا شخص..... اور..... اس کی محبت کی طرح اس کے اہول تحفے..... وہ ڈری گئی۔

"کیا ہوا..... پسند نہیں آیا؟ اسد نے مومنہ کے چہرے پر سنجیدگی کے تاثرات دیکھ کر پوچھا۔

"نہیں..... بہت خوبصورت ہے۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

مومنہ کو اپنے ہاتھوں سے سیٹ پہنایا۔ وہ محبت پاش نظروں سے اس کی جانب دیکھتا رہا اپنے آپ کو اس کی پُر شوق نگاہوں کے حصار میں پا کر وہ لمحہ بہ لمحہ سرور ہو رہی تھی۔ اس کے دل میں سرشاری بھرنے لگی تھی۔ اس نے ساما سیٹ پہنایا واڈ..... یو..... آر..... لنگ گریٹ..... سو..... پرینی..... یہ ڈائننگ ڈسکے معمولی لگ رہے تھے مگر آپ نے بہن کران کو خوبصورت بنا دیا ہے....." اس نے محبت سے اس کے سفید مرمریں ڈائننگ کی انگوٹھی پہنے ہاتھ کو اپنے لبوں سے لگایا۔ مومنہ مسکرانے لگی۔

"مومنہ..... آئی..... ایم سوچی..... اتنا..... خوش..... اتنا خوش کہ آپ تصور بھی نہیں کر سکتی۔" اسد پر جوش انداز میں بولتے ہوئے بیڈ سے اٹھا..... اور اس کی طرف محبت بھری نظروں سے دیکھتا ہوا اپنے کمرے کی دیوار میں موجود ایک ڈیکوریشن الماری کے پاس گیا اور دیوار کے ساتھ لگا ایک ٹن دبا۔ الماری کا ایک بہت بڑا خانہ اپنی جگہ سے ہٹ گیا اور اس میں ایک بہت بڑا خفیہ خانہ نظر آنے لگا اسد نے ایک بوتل اور اس کے ساتھ ترتیب سے رکھے انتہائی خوبصورت کرسٹل کے تیس وائن گلاسز میں سے ایک گلاس نکالا اور بوتل سے اس میں دسکی ڈالی۔ پاس رکھے فریج میں سے اس میں آئس ڈال کر اس کا پیچ بنا کر مومنہ کے پاس آیا۔ مومنہ انتہائی حیرت زدہ لگا ہوں سے اسے یہ سب کچھ کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ہاتھوں اور چہرے پر پینہ آ رہا تھا..... وہ پچھلی پچھلی نگاہوں سے کبھی اسد اور کبھی گلاس میں موجود شراب کو دیکھ رہی تھی۔ اسد اسے یوں حیران دیکھ کر مسکرانے لگا۔

"آپ حیران کیوں ہو رہی ہیں؟ اسد نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"یہ..... یہ..... یہ....." خوف اور حیرت سے اس کی زبان سے الفاظ اوائیں ہو رہے تھے۔

"یہ..... ایک انٹو ڈرنک ہے....." اسد جیتے ہوئے بولا۔

"ش..... شراب..... ب..... وہ بمشکل بولی۔

"نہیں..... دسکی....." وہ ہنس کر بولا۔

"کیا..... آپ..... شراب پیتے ہیں؟ مومنہ نے حیرت زدہ لگا ہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا اور اس کی آنکھوں میں ایک دم نمی اتر آئی۔

"کبھی..... کبھار..... جب بہت خوش ہوں..... اپنی خوشی کو تسلیم کرنے کے لئے..... اور..... آج..... میں بہت خوش ہوں۔" اسد

نے جیتے ہوئے کہا۔

"کیا خوش ایسے مٹاتے ہیں..... اسے پی کر.....؟ مومنہ حیرت سے پوچھا۔

"ہر ایک کا اپنا اپنا انداز ہوتا ہے..... میں خوشی کو اس کے ساتھ زیادہ انجوائے کرتا ہوں۔" اسد نے مسکراتے ہوئے کہا اور گلاس لبوں کو

لگاتے لگا۔

"پلیز..... پلیز..... آپ اسے مت بچیں....." وہ غناک ہو کر بولی۔

"کیوں..... اس میں کیا قباحت ہے؟ اسد نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"یہ حرام ہے..... اور..... میں نہیں چاہتی..... ہماری زندگی کا آغاز ایک حرام شے سے ہو....." اس نے منہ پھیرتے ہوئے کہا۔

اسد نے اس کی طرف بنور دیکھا اور ہر گلاس کی طرف.....

"مومنہ..... آئی ایم ناٹ ایڈ کٹڈ (عادی)..... کبھی کبھار....." اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

"پلیز..... میری خاطر..... آج نہیں۔" مومنہ نے رنجیدگی سے کہا اور اس کی آنکھوں کی نمی میں اضافہ ہونے لگا۔

اسد نے اس کی طرف دیکھا مگر ہی سانس لی اور واش روم میں جا کر گلاس واش میں الٹا دیا..... اور گلاس نچل پر رکھ کر مومنہ کے پاس

آ گیا..... اسدا ایک دم خاموش ہو گیا تھا اور مومنہ افسردہ..... کچھ دیر پہلے دونوں بے انتہائی خوش تھے وہ ایک دوسرے کو پا کر یوں سرور ہو رہے تھے

جیسے انہوں نے کائنات کی سب سے بڑی خوشیاں پائی ہوں..... وہ ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے۔ مگر ان لٹا ہوں میں اب وہ الفت نہیں رہی تھی۔

ایک دوسرے کا لمس محسوس کر رہے تھے۔ مگر نہ بنانے چاہت کہاں غائب ہو رہی تھی۔ محبت، چاہت، خوشی، ہر شادی اور سکون جانے کہاں چلا گیا تھا۔

"حرام چیز کی خباثت روح پر اثر کرتی ہے۔" ڈاکٹر نکھلین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور اسے ان کے کہے ہوئے جملے پر

یقین آ رہا تھا..... اسد نے صرف شراب کے جام کو چھوا تھا..... اس کا ایک گھونٹ بھی نہیں لیا تھا اور اس کی خباثت نے ان کے کمرے کی مضر فضا کو

نکروہ کر دیا تھا۔ ان کے دلوں سے سرشاری اور لیوں سے مسکراہٹ چھین لی تھی..... ان کی روحوں میں اضطراب بھر دیا تھا..... مومنہ کا دل ایک دم اداس

ہو گیا تھا۔

اسد اس سے محبت جتلا رہا تھا اور وہ اس کی محبت پا کر ویسی خوش نہ ہو رہی تھی..... جس طرح وہ پہلے خوش تھی..... اور..... اسد کے دل میں

جب ہی بے چینی تھی..... جیسے کسی گلت کا احساس۔ دل کو اندر ہی اندر مضطرب کرتا ہے..... اسی طرح..... وہ بھی بے قرار ہو رہا تھا..... مومنہ نے

اسے روکا تھا اور وہ رک گیا تھا..... کیا وہ واقعی ایسا کام کر رہا تھا..... جو اتنا کرہ تھا..... کہ مومنہ نے اسے روکا تھا..... یہ تو بہت معمولی اور عام سی بات

تھی..... یہ تو سوشل ڈرنک تھی..... سب لوگ پیتے ہیں..... اس میں کوئی اسی قباحت کی بات نہیں تھی..... مومنہ اتنی حیران اور پریشان کیوں ہوئی تھی۔ اس

نے محسوس کیا تھا کہ مومنہ کے جذبات اور احساسات میں سے شدت چانک غائب ہو گئی تھی۔

"مومنہ کا بھی قصور نہیں..... ملل کلاس سے تعلق رکھنے والی لڑکیاں ایسی ہی بیک ورڈ سوچ رکھتی ہیں..... یہ اس کی اور مومنہ کی کلاس کی

'سوچ' کا فرق تھا۔ اگر مومنہ کی جگہ علیہ یا نگین ہوتیں..... تو شاید وہ خود بھی اس کا ساتھ دیتیں..... مگر..... مومنہ..... اس نے اس کی خوشی کو ادھر ادھر

دیا تھا..... اس کی خوشی میں تشنگی باقی رہ گئی تھی۔ اس نے مومنہ کو کچھ نہ کہا تھا مگر وہ اندر ہی اندر 'سوچ' کے اس فرق کو شدت سے محسوس کرنے لگا تھا۔

مج سب سے آ پانے دونوں کو ناشتے کی نچل پر بلا یا تو وہ بے حد خوش تھیں۔ نچل پر انواع و اقسام کے پکوان رکھے تھے۔ خاندان کے تمام

قریبی رشتہ دار نچل کے گرد جمع تھے۔ مومنہ نے فیروز سی سوٹ کے ساتھ ہماری کاہار دوپٹہ اوڑھ رکھا تھا۔ ہکا بکا میک اپ، زیورات سے مبرا

حسن..... اور آنکھوں میں پھیری ادا سی..... اس کے اس دل کی کیفیت کو بیان کر رہی تھی۔

اسد بھی پہلے کی طرح چپک نہیں رہا تھا۔ وہ ان کی ہر بات پر مسکرا کر مومنہ کو دیکھتا اور مومنہ بھی مسکرا کر شراباتی۔ رشتے دار خواتین اور لڑکیاں اسد اور مومنہ کے ساتھ ملی مذاق کرتی رہیں اور اسدان کا بھرپور ساتھ دیتا..... مومنہ جب بھی مسکرا کر اسد کی طرف دیکھتی تو ایک دم کہتیں سے اواسی کی لہر بھی آنکھوں میں نمی بن کر اتر آتی۔

”ویسے کا بہت زبردست فنکشن ایک اپنی بیٹی جیسے مہرج ہال میں ہوا تھا۔ ویسے پر اسد نے اپنے حلقہ احباب کے تمام لوگوں کو بلایا تھا۔ تنگین بھی اپنے والدین کے ساتھ آئی تھی اور بہت مٹھوک و گہری نظروں سے مومنہ کی طرف دیکھتی رہی۔ اسد بہت خوش نظر آ رہا تھا اور مومنہ بھی مسکرائی..... شرابی..... سر جھکائے..... گھونگھٹ سے چہرے کو قدرے چھپائے ہوئے..... وہ اسے بہت عجیب سی لگی..... وہ اسے خوبصورت تو لگی..... مگر..... اس میں وہ اشکال نہیں تھا جو اہر کلاس کی لڑکیوں میں ہوتا ہے..... وہ اسے بہت عام سی لڑکی لگ رہی تھی..... البتہ اسد بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔ تنگین نے علیحدہ کا نمبر ملایا..... وہ نیم مہوشی کے عالم میں تھی۔

”ہائے..... علیحدہ..... ہاؤ..... آر..... پو..... سوئی.....؟“ تنگین نے مسکرا کر کہا۔

”قائن..... تم کیسی ہو.....؟ علیحدہ بھائی لیتے ہوئے بولی۔

”میں..... اس وقت اسد کے ویسے کا فنکشن اینڈ کر رہی ہوں۔“ تنگین نے کہا۔

”اسد کا ولیمہ..... آج.....؟“

”ہاں..... اس وقت۔“

”کیا..... وہ..... خوش ہے؟ علیحدہ نے بے یقینی سے پوچھا۔

”ہاں..... دکھائی تو..... ایسا ہی دے رہا ہے۔“ تنگین نے اسد کی طرف دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”اور..... اس کی ولیمہ..... وہ کیسی ہے؟“ علیحدہ نے پوچھا۔

”شی..... از..... پرینی.....“ تنگین نے جواب دیا۔

”کیا..... بہت زیادہ.....؟“ علیحدہ نے حسرت سے پوچھا۔

”نہیں..... شی..... از.....“ تنگین نے مومنہ کے چہرے پر نظریں گاڑتے ہوئے پوچھا۔

”م..... م..... مجھ سے زیادہ.....“ علیحدہ نے بے قراری سے پوچھا۔

”آئی..... کانٹ کپیئر..... شی از پرینی..... بٹ شی از مل کلاس کمپلیکشن۔“ تنگین نے ناک چڑھا کر کہا۔

”اسد نے پھر بھی اس کو پسند کر لیا..... اسد کو اس میں کیا attraction مل ہوئی.....؟ علیحدہ بڑبڑانے لگی۔

”آئی ڈونٹ..... نو.....“ تنگین نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا..... اسد..... بہت خوش ہے؟ علیہ نے پھر پوچھا۔

”آئی..... جھنک..... سی از لہی (دو خوش ہے) نگین نے کہا تو علیہ نے ایک دم اپنا موبائل آف کر دیا۔ نگین حیرت سے موبائل کی طرف دیکھنے لگی۔

رفتہ رفتہ شادی کا ہنگامہ مرد پڑنے لگا۔ مہمان رخصت ہونے لگے..... اور مگر کی رونق میں کی ہونے لگی تھی..... شادی کی رات کے بعد اسد نے پھر شراب کو ہاتھ نہ لگایا تھا اور نہ ہی پینے کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مومنہ کا دل مطمئن ہونے لگا تھا اس کے دل سے وہ ٹھوکر ختم ہونے لگے تھے۔ اسد اس سے بے حد محبت کرتا تھا۔ اس کو بہت عزت اور پیار سے بلاتا تھا۔ اس کی اتنی پڑائی کرتا تھا کہ وہ اتنی خوشی پا کر ایک دم اس ہو جاتی۔ جیسے کبھی کبھار انتہائی خوشی اک ٹیٹھے درد میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ اسے اپنے آپ سے ڈر گئے لگتا..... کہ کہیں اس کی خوشیوں کو اس کی اپنی ہی نظر لگ جائے۔

تمام مہمان رخصت ہو چکے تھے۔ زندگی معمول پر آ رہی تھی۔ سلوت آپا مومنہ سے اس قدر محبت اور پیار سے پیش آتیں کہ اس کا دل خوشی کی ایسی کیفیت سے دوچار ہونے لگتا کہ اسے سمجھ میں نہ آتا کہ کیا کرے وہ ان کی اتنی ستائش اور محبت کے جواب میں شکر یہ بھی نثار کر پاتی بس مسکرا کر ان کی جانب دیکھتی اور وہ اس کو محبت سے اپنے ساتھ لگائیں۔

”بھو بیگم..... ہمارے خاندان کی روایت یہی ہے کہ جب نئی نویلی بھو آتی ہے تو اس کے کام کاج میں مدد کے لیے اپنی خاص ملازمہ سے دی جاتی ہے..... ہم نے ثروت کی بیٹی شاد کو آپ کی خدمت کے لئے بلایا ہے..... وہ آپ کے تمام کام کاج کرو یا کریں گی۔

”دادو..... اس کی کیا ضرورت تھی..... کوئی خاص کام تو ہیں نہیں۔“ مومنہ نے چونک کر کہا۔

”بھو بیگم..... یہ ہماری خاندانی روایت ہے..... اور جانتی ہیں..... ہماری ساس نے ہمیں کوئی ملازمہ دی.....؟ سلوت بیگم نے مسکرا کر

پوچھا۔

”کون.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”خیرن بول.....“ سلوت بیگم نے مسکرا کر جواب دیا۔

”واقعی.....“ مومنہ نے حیرت سے کہا۔

”ہاں..... تب خیرن بھی جوان تھیں..... اب تو بہت بوڑھی ہو گئی ہیں ہمارا اور ان کا ساتھ بہت پرانا ہے..... زندگی میں کئی شیب و فراز آئے مگر خیرن بوانے ہمارا ساتھ نہ چھوڑا..... کبھی مالی حالات بہت دگرگوں بھی ہوئے مگر خیرن بوا بہت صابر و شکر رہیں بہت اچھی اور نیک خاتون ہیں..... ثروت ان کی بھانجی ہیں..... ہم جس حویلی اور جس گھر میں جائیں..... خیرن بوا کے گھر والوں کے لئے کوارڈنر نہیں..... پیچھے گھر بھڑاتے ہیں۔ ثروت کا شوہر ہماری ٹیکسٹری میں کام کرتا ہے۔ اس کی دو بیٹیاں اور ایک بیٹا ہے۔ شاد سب سے بڑی ہے اور بہت سلیبی ہوئی اچھی بچی ہے۔ ہمارے ہاں ایسی ملازم خواتین سے صرف کام ہی نہیں کیا جاتا ان کو پڑھائی لکھائی اور سلائی کے علاوہ مکمل گھرواری..... ادب و آداب بھی سکھائے جاتے

ہیں۔ آپ بھی شاید کوسب کچھ سکھائیں گی.....“ سلوٹ آپ نے قصداً ملایا تو وہ ان کی بات پوری توجہ سے سنتی رہی۔

”ثروت..... شاید کو لے آئے۔“ سلوٹ آپ نے کچن کی طرف منہ کر کے کہا تو ایک درمیانی عمر کی صحت مند، سانولے رنگ کی دراز قد عورت کچن سے باہر آئی اس کے ساتھ ایک سترہ سالہ لمبی پتلی لمبی مٹھی رنگت والی لڑکی تھی۔

اس کے نقوش بہت واضح اور چمکے تھے۔ آنکھیں بڑی خوبصورت اور مدہوش کرنے والی تھیں۔ اس نے ناک میں سونے کی ہار یک تار بہن رکھی تھی اور بالوں کی دو پٹیاں باندھ رکھی تھیں۔ وہ بہت پرکشش دکھائی دے رہی تھی۔

”بہو بیگم یہ ثناء ہے..... اور ثناء بیٹی آج سے آپ نے بہو بیگم کے سارے کاموں کی ذمہ داری سنبھال لی ہے۔ ان کی الماریوں کے کپڑے ٹھیک کرنے ہیں ان کی ہر ضرورت کا خیال رکھنا ہے..... اور..... بہو بیگم آپ نے ثناء کا خیال رکھنا ہے.....“ سلوٹ آپ نے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی..... بیگم صاحب.....“ ثناء نے مودبانہ انداز میں جواب دیا۔

”ثروت..... باقی کے کام آپ ثناء کو سمجھا دیجئے۔“ سلوٹ آپ نے کہا اور دونوں لڑکیوں سے باہر نکل گئیں۔

”بہو بیگم..... ایک بہت اہم بات ذہن نشین کر لیجئے کہ آپ اپنے تو سارے کام ثناء سے کروائیں مگر اسد بیٹے کے سارے کام خود کیجئے گا..... ہمارے ہاں بیگمات پر پہلی ذمہ داری ان کے شوہروں کی ہوتی ہے..... ہمارا مطلب آپ سمجھ گئی ہوں گی۔“ سلوٹ آپ نے معنی خیز انداز میں کہا۔

”جی..... جی..... ہاں.....“ مومن نے جواب دیا

”ہاں..... ہم تو یہ پوچھنا بھول ہی گئے..... کہ..... اسد بیٹے کے ساتھ زندگی کا سفر کیسا لگا.....؟ سلوٹ آپ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”بہت..... بہت..... اچھا.....“ وہ مسکرا کر بولی۔

”ہمارا بیٹا..... بہت اچھی اور شمس طبیعت کا مالک ہے۔ بہت سلیمانہوا، بچھدار، بھرپور اور اعلیٰ ظرف انسان ہے۔ اچھے ذوق و شوق کا مالک ہے..... البتہ..... ان میں ایک خالی ہے۔ جب روٹھ جائے تو انہیں مٹانا بہت مشکل ہو جاتا ہے اور اگر کسی سے عکڑ ہو جائے تو پھر اس کی طرف لوٹ کر جانا تقریباً ناممکن ہوتا ہے۔ جن سے محبت کرتا ہے..... بے انتہا کرتا ہے..... نفرت تو بے انتہا نہیں کرتا۔ البتہ ان کو دوبارہ اس شخص سے محبت پر مائل کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ باتیں قدرے مشکل نظر آئیں گی مگر جب آپ ان کی عادتوں اور مزاج کو سمجھنا شروع کریں گی تو کچھ بھی ناممکن نہیں ہوگا..... یہ تو ہے کہ آپ بہت خوش قسمت ہیں..... جنہیں اسد جیسا شوہر ملا.....“ سلوٹ آپ نے پرستاشی نظروں سے مومنہ کو دیکھتے ہوئے کہا تو وہ مسکراتے ہوئی۔

”کافی دنوں سے ذکیہ بیگم نہیں آئیں..... اگر آپ کا دل اس دور باہر ہو تو آپ اسد بیٹے کے ساتھ یا ذرا نیور کے ساتھ جا سکتی ہیں..... ہم شادی کی مصروفیت کی وجہ سے بہت تھک گئے ہیں..... ورنہ ہم ساتھ چلے جاتے۔“ سلوٹ آپ نے محبت سے کہا۔

”نہیں..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... میں کل ذرا نیور کے ساتھ چلی جاؤں گی.....“ مومنہ نے جواب دیا۔

”بہو بیگم..... خوش رہیں..... ہم سے اگر کوئی کوتاہی ہو جائے..... یا ہماری کوئی بات ناپسند آئے تو ہماری عمر کا تھکا سا سمجھ کر نظر انداز کر دیجئے گا۔ ہم اس حراج کی قانون نہیں کہ جان بوجھ کر کسی کو تکلیف دے کر اپنی تسکین کریں..... آپ ہمیں بہت عزیز ہیں..... ہمارے بیٹے کی زندگی کو خوبصورت بنائیں..... اور ہمارے گھر کے آئین میں آپ کے آنے سے بہار آئے.....“ سلوٹ بیگم نے وعادیتے ہوئے کہا تو وہ ان کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

اسد کو اچانک بزنس مینٹک کے سلسلے میں جان پڑ گیا تھا۔ وارڈ سے کچھ کلائنٹس آرہے تھے۔ دو صبح سے ان کے ساتھ بہت معروف تھا۔ مومنہ اسے بہت زیادہ مس کر رہی تھی اور بار بار اس کے موبائل پر نمبر ملاتی مگر اس کا موبائل بند تھا۔

شادی کو آٹھ دن ہو گئے تھے اور ایک ایک لمحہ ایک دوسرے کی قربت میں کٹا تھا۔ دونوں کئی کئی دیر اپنی اپنی زندگیوں کے اہم واقعات سناتے..... محبت بھری باتیں کرتے..... مگر ایک لمحہ بھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوئے تھے..... اور..... آج اسد سہ پہر سے آفس گیا تھا۔ رات ہونے کو آ رہی تھی اور وہ اس سے کوئی بات نہیں کر پائی تھی۔ اس کی آواز نہیں سن پائی تھی تو اسے ہر جانب کسی شے کی تشنگی اور اچانک کھونے کا احساس عجیب سی اذیت دے رہا تھا۔ وہ اسد کے کس قدر قریب آگئی تھی۔ صرف چند دنوں میں اسے اس کے بغیر کچھ بھائی ہی نہیں دے رہا تھا۔ یہ بھی کیا عجیب سا رشتہ ہے.....؟ اسے اپنے آپ پر حیرانگی ہوتی..... اور اسد سے محبت کا احساس اور شدت اختیار کرنے لگتا۔

رات کافی گہری ہو رہی تھی۔ جب اسے اسد کا موبائل آن ملا۔

”اسد..... آپ کہاں ہیں؟ وہ بے مبری سے بولی۔

”آئی..... آئی..... ایم کمٹک..... بزنس کلائنٹس کے ساتھ بڑی تھا.....“ اسد نے جواب دیا۔

”آئی..... میس.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”آئی..... لو..... لو.....“ اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا اور موبائل آف کر دیا۔

رات کے دو بج رہے تھے۔ مومنہ جلدی سے نیچے آئی..... اور لاونچ میں بیٹھ کر اس کا انتظار کرنے لگی۔ سلوٹ آپا سوری ہیں تھیں اور گھر کے ملازمین بھی جا چکے تھے وہ اسد کے خیالوں میں کھوئی صوفے کی پشت کے ساتھ ٹک لگائے اسد کے ہارے میں سوچ سوچ کر مسکرا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد گاڑی کے بارن اور گیٹ کھلنے کی آواز آئی۔ وہ قدرے بے جوش انداز میں اینٹرنس سے ہوتی ہوئی میٹھیوں کے باہر کھڑی ہوئی اور محبت پاش نظروں سے اسد کی جانب دیکھنے لگی۔ اسد بھی اسے دیکھ کر مسکرایا اور گاڑی سے نکل کر والہانہ انداز میں اس کی جانب بڑھا۔ مگر اچانک اس کے قدم ڈنگ لگائے۔ مومنہ فوراً اس کے ساتھ لگ گئی۔ اسد نے اس کو اپنے ساتھ لگا کر گرفت مضبوط کی..... اچانک مومنہ کو اس کے منہ سے ہنسی محسوس ہوئی۔ اس نے بغور اسد کی جانب دیکھا اور ایک دم پیچھے ہٹ گئی..... اسد نے شراب پی رہی تھی۔

”کم آن..... سویٹ ہارٹ.....“ اسد نے محبت سے کہا اور وہ خاموش، مرل قدموں کے ساتھ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اپنے کمرے تک

آگئی۔ وہ اس سے ملنے کے لیے جتنی بے تاب اور بے قرار ہو رہی تھی۔ ایک دم اس کے جذبات پراوس پڑ گئی۔ اسد کی آواز قدرے بھاری اور جسم میں

ارتعاش سمجھوس ہو رہا تھا۔ وہ کمرے میں آ کر صوفے پر نیم دراز ہو گیا اور اپنی ٹائی کی ڈاٹ لوڈ کرنے لگا۔ مومنہ حسرت اور دکھ سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔ اس کا دل کچھ کچھ جھپٹا رہا تھا۔ اتنا خوبصورت اور محبت کرنے والا انسان اس وقت کتنا مدہوش ہو رہا تھا۔ اپنے آپ سے بے نیاز۔

”اسد نے آنکھیں کھول کر مومنہ کی طرف دیکھا۔ جیب سے سگریٹ نکال کر سنگایا اور اس کے گہرے گہرے کش لیتے ہوئے مومنہ کی طرف مدہوش اور مست لگا ہوں سے دیکھا۔

”آج..... آپ..... پہلے سے بھی زیادہ حسین لگ رہی ہیں..... جیسے سفید پری آسمانوں سے اتری ہو.....“ اسد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

مومنہ کو اس کی بات سن کر ذرا بھی خوشی نہ ہوئی۔ اتنا اس کا دل ادا ہونے لگا۔

وہ اٹھ کر لڑکھڑاتے قدموں کے ساتھ اس کے قریب آیا۔

”ناراض کیوں ہو؟ وہ اس کے ساتھ لیٹ کر بولا۔

”نہیں..... میں ناراض نہیں.....“ اسے اسد سے کراہت سی محسوس ہونے لگی اور وہ آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنے لگی۔

”آئی..... نو..... آئی..... نو..... تم میرے ڈرنک کرنے سے ناراض ہوتی ہو..... لیکن پرنس ڈنر میں سب پیٹتے ہیں..... اور..... پلیز تم اپنی سوچ بدلو..... ہماری کلاس میں یہ سب چلتا ہے..... تمہارا attitude مجھے غلطی کرتا ہے..... پلیز..... پہنچ ہو رہا سنی۔“ اسد نے اپنے دل کی بات صاف گوئی سے کہہ دی۔

”اسد..... حلال و حرام..... کا حکم سب کے لیے ہے..... کسی ایک کلاس کے لیے نہیں..... اور شراب کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔“ وہ غلطی سے اسے دیکھتے ہوئے بولی۔

”پلیز..... مجھے irritate مت کرو..... آئی ایم ڈرنڈ..... میرے پاس آؤ..... آئی نیڈ یو.....“ اسد نے اسے اپنے بازوؤں میں جکڑتے ہوئے کہا۔

اور وہ اس کی طرف دیکھ کر بے بسی سے رونے لگی..... بچانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں میں اٹھانڈ کر آ رہے تھے..... وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسد اس کو روٹے ہوئے دیکھ کر پریشان ہو گیا اور خود بھی اسے گلے لگا کر رونے لگا۔ مومنہ حسرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی..... اسے اس کے یوں رونے کی سمجھ نہیں آ رہی تھی کہ اس نے جلدی سے اپنے آنسو پونٹھے اور گہرا اسد کو جھنجھوڑنے لگی۔

”اسد..... اسد..... آپ کو کیا ہوا ہے.....؟“ مومنہ حواس باختہ ہو کر بولی

”آئی ایم سوری..... سوری..... سوری..... سوری..... آئی..... ول ٹاٹ ڈرنک آگین.....“ اسد بے ربط انداز میں بولا گیا۔

مومنہ اس کی بات سن کر خوش ہو گئی

”رینلی.....“ مومنہ خوشی سے پھولی نہ ساری تھی۔

نہیں..... آئی..... ول..... نیو..... آگین..... فار میو..... فار میو..... فار میو..... وہ مسلسل بول رہا تھا۔

"جھٹک..... بھ..... اسد" وہ انتہائی خوش ہو کر بولی اور محبت سے اس کے ہاتھ چومنے لگی
 "پلیز..... ان ہاتھوں سے دوبارہ اس حرام چیز کو مت چھو..... اسد پلیز....." مومنہ ہاتھ جوڑ کر اس کے آگے ہٹا کر نے لگی
 "آئی..... دل..... بخور....." وہ اس کے ہاتھوں پر اپنے لب رکھتے ہوئے بولا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔
 مومنہ نے اس کے جوتے اتارے اور اسے ٹھیک کر کے بستر میں لٹا دیا۔

مومنہ اس کی طرف غمزہ اور حسرت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ اسد کے دل میں نجانے کیا غم ہے کہ وہ یوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہا
 ہے۔ شاید وہ اپنے ماں باپ کی کمی کو بہت محسوس کرتا ہے۔ اسد کے بہن بھائی بھی نہیں ہیں..... شاید وہ دکھ اس کے اندر ہے..... اسے اسد پر پہلے
 سے بھی زیادہ دیر آنے لگا۔ اسد نے آہستہ آہستہ ہوش ہو کر آنکھیں بند کر لیں۔
 اسد میں آپ کی زندگی سے سارے دکھ..... سارے غم دور کروں گی۔

اسد..... آئی لویو یو ج..... "فرط جذبات سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔ وہ ساری رات اس کے سر ہانے بیٹھ کر قرآنی آیات
 پڑھ پڑھ کر اسے دم کرتی رہی۔ وہ ایک لمحے کے لئے بھی نہ سوئی۔ فجر کی نماز پڑھ کر وہ شدت سے خدا کے حضور روئی اور گڑگڑا دعائیں کرتی رہی۔
 نجانے قدرت کو اس کی کوئی آزمائش مقصود تھی۔ وہ اپنی قسمت پر کس قدر نازاں۔ خوش اور مطمئن تھی کہ اس کا رب اس کو کس قدر فراخ دلی سے نوازا رہا
 تھا مگر اسے کیا معلوم تھا کہ اس کی خوشیوں کے اندر کیا غم اور کیسی جھپٹ ہوگی جو اس کے دل کو پڑھرہ کر دے گی اور اس کی روح میں کھکھکین کر اسے
 ہر پہلو، ہر لمحہ مضطرب رکھے گی۔

ظاہری طور پر مکمل خوبصورت، خوشحال و مطمئن شخص اس کے لئے کیسی لائقِ اذیت کا باعث بنے گا۔
 "شاید امی کو میری یہ قیمتی اذیت پہلے ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ جو وہ اس رشتے کو قبول کرنے میں اتنی خوش نہیں تھی۔ مگر شاید انہوں نے اس
 کے دل کی خواہش کو محسوس کرتے ہوئے خاموشی اختیار کر لی تھی۔ کیا مانیں..... اولاد کے ساتھ ہونے والے حادثات اور پریشانوں کو پہلے ہی محسوس
 کر کے پریشان ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔" مومنہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ برسنے لگے۔ وہ دونوں ہاتھوں کو دعائیہ انداز میں بلند کر کے مسلسل رو
 رہی تھی۔ اس کے لب خاموشی سے کپکپا رہے تھے مگر دل اونچی آواز میں رورہا تھا..... سسکیاں بھر رہا تھا مگر نہ تو اس کی سسکیاں سننے والا کوئی تھا اور نہ
 ہی دل کا درد محسوس کرنے والا..... سوائے خدا کے..... جس نے اس کے لئے بہت کٹھن راہ منتخب کیا تھا۔ نجانے یہ سفر کیسے کئے گا.....؟ اس کا اصرار
 کیا ہوگا.....؟ بہت سے اندیشے اور دوسرے اس کے دل کو مضطرب کرنے لگے۔

اسد ہوش سو رہا تھا۔ وہ اپنے آپ سے بے خبر تھا۔ مومنہ کی موجودگی اور اس کی ذات سے لگاتار تھا۔ اور مومنہ کے لیے صرف اور صرف
 اس کی ذات اور موجودگی اہم تھی..... وہ اس کے لئے خدا کے حضور گڑگڑا رہی تھی اور اسے کوئی سرگوشی بھی سنائی نہ دے رہی تھی۔ وہ اس کے لئے
 دعائیں کر رہی تھی۔ اور وہ ہر صدمہ اور دعا سے بے نیاز تھا۔ وہ خاموش لیوں کیساتھ دعائیں کرتی رہی بیڈ پر آٹھ تیرے..... ہوش دست اسد کو کچھ
 دیکھ کر رو رہی تھی۔

”یہ تو نے میرے لیے کیا سفر..... کسی راہ..... منتخب کی ہے..... جو بہت کٹھن..... مشکل..... اور..... صبر آزما ہے..... جیسے کوئی پل صراط..... اب مجھے بہت دعاقت دے تاکہ میں اس سفر کو کامیابی سے مکمل کروں۔ میں اس راستے کی تاریکی کو حیرے ایمان کے نور سے دور کروں.....“ دودھا کرتے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اور اپنی سرخ دوسری ہونٹیں آنکھوں کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کرتی ہوئی بیڈروم کے اسٹائش سے چھوٹے صوفے پر شرم دراز ہو گئی۔ دو آنکھیں بند کر کے کھولنے کی کوشش کرتی جو پہلوں کے سوچنے کے باعث انہیں کھولنا اور بند کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ نہ تو اسے نیند آ رہی تھی اور نہ ہی کسی پل چین۔ وہ مسلسل اسد کی طرف دیکھتی رہی اور آپس بھرتی رہی۔ وہ سوچوں کے بھنور میں وضعتی چلی گئی اور وہیں اس بھنور میں کھوئے ہوئے اسے کب نیند آئی اسے ہوش نہ رہا۔

دروازے پر کافی دیر سے دستک ہو رہی تھی۔ وہ پڑ پڑا کر اٹھی اور دروازہ کھولا تو سامنے ٹاء سفید اور سرخ پر جڑ سوٹ میں نگہری مسکرا کر اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔

”آپ ابھی تک نچے نہیں آئیں..... بڑی پیگم صاحبہ پریشان ہو رہی ہیں“ ٹاء ایک سی سانس میں جلدی جلدی بولی
 ”میں..... میں..... ابھی آ رہی ہوں۔“ اس نے ہلکلا کر جواب دیا
 ”چھوٹی پیگم..... کیا آپ کو میری کسی مدد کی ضرورت ہے؟“ ٹاء نے پوچھا
 ”نہیں..... آپ جانیے“ مومن نے کہا تو وہ چلی گئی

مومن نے وارڈ روپ سے خوبصورت استاروں والا سرخ سوٹ نکال کر پہنا..... ہلکا ہلکا میک اپ کیا..... زیورات پہنے..... اور اپنا آپ آئینے میں دیکھ کر نگہری سانس لی۔

”کبھی کبھی اپنے آپ کو چھپا نا کتنا ضروری..... مگر کتنا مشکل ہو جاتا ہے“ اس نے غم آنکھوں سے سوچا اور آئینے میں سی اسد کے بے سدھ جسم کو دیکھ کر آہ بھری۔ آنکھوں سے اچانک گرنے والے آنسوؤں کو صاف کیا۔ ان پر تھوڑی سی آئی شیڈ لگا لی تاکہ ان کی سرخی اور سوزش کو چھپا سکے۔ بے بسی سے پر فیم کا سپرے کیا اور دوپٹے کو سلیتے سے اپنے سر پر پھیلا کر اوڑھتے ہوئے نیچا گئی۔ دادو اخبار پڑھنے میں مصروف تھیں۔ اس کی طرف مسکرا کر دیکھتے ہوئے صوفے سے اٹھیں۔

”ماشاء اللہ..... چشم بدور..... یہ رنگ آپ پر متاثر رہا ہے..... آپ کو دیکھ کر ایک دم جھکن کا احساس دور ہو جاتا ہے..... بہو پیگم..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک تھی نا..... آج آپ بہت دیر سے نیچے آئی ہیں۔“ دادو نے اس کا ہاتھ چومتے ہوئے قدرے تشویش سے پوچھا۔
 ”بس..... طبیعت پر حمل ہو رہی تھی.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”کیوں..... رات کو کھانا تو ٹھیک سے کھا یا تھا؟“ دادو نے گھر مندی سے پوچھا
 جی جی۔ ہاں۔ اس نے ہلکلا کر جواب دیا

”آج ابھی تک اسد میاں بھی نہیں بیدار ہوئے..... خیریت تو ہے؟“ دادو نے پھر پریشان ہو کر پوچھا۔

”جی..... دادو..... دراصل..... وہ رات کو بہت دیر سے آئے تھے“ مومنہ نے جواب دیا۔

ہاں..... ان کی گاڑی کا بارن سن کر ہم ایسے بیدار ہوئے پھر نیند نہ آئی..... آپ ناشتہ کیجئے..... اور..... پھر ہمارے پاس آکر بیٹھئے.....“
دادو نے مسکراتے ہوئے کہا

”جیہیں..... مجھے بھوک نہیں..... صرف چائے پیوں گی۔“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

”جیہیں..... بہو بیگم..... چائے کے ساتھ ضرور کچھ کھا لیجئے..... شام..... چینی..... آپ کہاں ہیں؟ دادو نے بچن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا
تو شام بھاگتی ہوئی بچن سے آئی۔

”بہو بیگم کے لئے چائے اور انڈے لے آؤ.....“ دادو نے حکم دیا تو شام مود باندا انداز میں ”جی بڑی بیگم صبح“ کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔
مومنہ خاموش بیٹھی رہی۔

”کیا بات ہے..... بہو بیگم.....؟“ دادو نے اچانک اس کو کہا تو وہ ہڑبڑا گئی۔

”ک..... ک..... کچھ نہیں“ وہ جلدی سے بولی

”بہو بیگم..... ہم آپ کی آنکھوں میں گہری اداسی دیکھ رہے ہیں کیا بات ہے.....؟ کیا آپ پریشان ہیں؟ دادو نے مومنہ کی طرف
بخور دیکھتے ہوئے پوچھا

”ن..... نہ..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... بس رات بھر طبیعت بوجھل رہی..... اور میں سو نہیں سکی.....“ مومنہ نے اداس لہجے میں
گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”بہو بیگم..... اگر طبیعت خراب تھی تو آپ ہمارے پاس آ جاتیں..... اور ہمارا خیال ہے آپ نے اسد بیٹے کو بھی کچھ نہیں بتایا ہوگا.....
اب آپ اس گھر کا بہت اہم فرد ہیں..... آپ کے بغیر یہ گھر اور ہماری زندگیاں ناکمل ہیں..... پھر..... اس بچکا بھٹ کا کیا مطلب.....؟ دادو نے
محبت سے اس کے سر اور سر پر ہنسی دے کر اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی اور اس کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔

”ارے..... ارے..... ہماری جان..... آپ تو رونا شروع ہو گئیں..... آپ کی دادو کے لئے آپ کے یہ آنسو کتنے تکلیف دہ ہیں.....
شاید آپ کو معلوم نہیں..... اتنی خوبصورت آنکھوں میں آنسو کس آنے چاہئیں..... کیا آپ کو اس گھر میں کسی پریشانی کا سامنا ہے؟ دادو نے محبت سے
اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے پوچھا

”جیہیں.....“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا اسد بیٹے سے..... کوئی.....؟ دادو نے جھلدا دھورا چھوڑتے ہوئے کہا

”جیہیں.....“ اس نے پھر نفی میں سر ہلایا۔

”پھر یقیناً“ آپ ذکیہ بیگم اور مریم بچی سے اداس ہو رہی ہوں گی۔ ہم آج ہی اسد بیٹے سے کہتے ہیں آپ کو ذکیہ بیگم سے ملوانے لے

جائیں..... مگر وعدہ کریں۔ ہمارے سامنے یوں کبھی اداس نہیں ہوں گی۔ جو پریشانی یا کوئی مسئلہ ہو تو ہمیں فوراً بتا دیجئے..... ہمیں آپ کو اپنے بیٹے کی نسبت سے "بہو بیگم" کہہ کر مخاطب کرنا اچھا لگتا ہے۔ مگر حقیقت میں آپ ہماری بیٹی ہی ہیں....." دادو نے محبت سے کہا۔

شاد فرانی میں چائے لے آئی اور چائے بنا کر ایک کپ دادو کو دیا اور ایک مومنہ کو۔ دونوں آہستہ آہستہ چائے پینے لگیں۔

"بہو بیگم..... جب ہم بیاہ کر نکلتے تو حیدر آباد آئے..... تو اپنے گھر والوں کے بغیر دل جب بہت اداس ہوتا تو ہم چھپ چھپ کر روتے..... اور اپنی آنکھیں اچھی طرح صاف کر کے جب اپنی ساس صاحبہ کے پاس آتے..... تو وہ فوراً جان لیتیں..... اور اسی وقت ہمارے شوہر کو بلا کر کہیں کہ بہو بیگم اداس ہو رہی ہیں انہیں سیکے لے جایئے..... اور ہمیں خبر بھی نہ ہوتی اور ہمارے جانے کی مکمل تیاری ہو جاتی۔ کوچ کرنے سے چند گھنٹے پہلے ہمیں اطلاع دی جاتی..... اور جانتی ہیں..... ہمیں انتہائی حیرت ہوتی..... جب حیرن ہوا سامان باندھ کر ہمیں اطلاع دینے آتیں..... تو..... ہم چونک جاتے۔ ہمارے لئے اس اچانک خبر میں بہت لطف ہوتا" دادو مسکرا کر ماضی کی باتیں بتاتیں دادو..... کیا آپ کی ساس بہت اچھی تھیں؟" مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت..... بہت..... اچھی..... نیک سیرت..... خدا ترس..... پاکباز عورت..... ہمارے ساتھ دو تیس برس رہیں..... اور..... اس عرصے میں نہ کبھی ڈانٹا..... اور نہ کسی قسم کا طو کیا..... کبھی کبھی ہم سے کوتاہی ہو جاتی تو یہ کہہ کر نظر انداز کر دیتیں..... کہ..... ایسا ہم سے بھی ممکن ہو سکتا تھا..... بہت انسان دوست تھیں۔ ہمارے سیکے میں بھی بہوؤں کے ساتھ حسن سلوک کی روایت بہت پختہ رہی تھی مگر ہماری ساس مرحومہ تو بہت ہی نیا و نرمل دل واقع ہوئیں تھیں..... بہت مہذب اور شائستہ۔ ہم تو کہتے ہیں..... کہ جن گھروں میں شوہر، بیوی کی اور ساسیں بہوؤں کی عزت کرتی ہیں..... وہ گھر نہ کبھی ٹوٹتے ہیں اور نہ بد نظمی کا شکار ہوتے ہیں....." دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"دادو..... آپ بہت اچھی ہیں..... امی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں" مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ "محبت" ہماری خاندانی روایت کا بہت اہم حصہ ہے۔ جو ہمیں..... ہماری ساس صاحبہ سے ملی۔ اور ہم آپ کو منتقل کر رہے ہیں..... اور امید کرتے ہیں کہ آپ محبت کی اس روایت کو قائم رکھتے ہوئے اپنی آئندہ آنے والی نسل کو منتقل کریں گی۔" دادو نے محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ رسی مسکراہٹ سے انہیں دیکھنے لگی۔

اوپر بیڈروم کا دروازہ کھلا تو مومنہ اور دادو نے لاؤنج میں بیٹھے ہوئے اوپر دیکھا۔

"میرا خیال ہے اسدا ٹھ گئے ہیں..... میں ان کو جا کر دیکھتی ہوں" مومنہ ٹٹٹے ہوئے بولی۔

"ہاں..... ضرور....." دادو نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ پوجھل قدموں سے بیڑھیاں چڑھتی ہوئی اوپر کمرے میں آگئی۔ اسد فریش ہو کر بلیک پیونٹ کے ساتھ پنک شرت پہنے اپنے کے سامنے کھڑا پر لیوم لگا رہا تھا۔ مومنہ کو سرخ سوٹ پہنے دیکھ کر مسکرانے لگا۔ اور محبت پاش نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”واؤ..... آپ ہر روز مجھے چٹکتی ہیں.....“ وہ اس کے قریب آ کر بولا۔

”ناشتہ لگاؤں.....“ مومنہ نے اس کی بات پر کوئی توجہ نہ دی اور سپاٹ لہجے میں پوچھا۔

”خیرن یو اکو بولیں..... یہیں چائے لے آئیں“ اسد نے کہا

”میں خود لے کر آتی ہوں“ مومنہ نے جواب دیا۔

”آپ کیوں.....؟ مگر میں کام کرنے کے لئے بہت سے ملازم ہیں“ اسد نے کہا

”وہ مگر کے کام کاج کے لیے ہیں..... اور آپ کے کام کرنا میری ذمہ داری ہے“ مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

اسد اپنے کچھ ڈاکومنٹس اپنے آفس بیگ میں رکھنے میں مصروف تھا۔ جب وہ چائے کی ٹرے لے کر کمرے میں داخل ہوئی اور اس کے

لئے چائے بنانے لگی۔

”چائے پی لیجئے.....“ اس نے آہستہ آواز میں کہا۔

اسد بیگ بند کر کے اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گیا۔ اس نے چائے کا کپ اسے پکڑا دیا اور وہ مسلسل خاموش تھی۔

”مومنہ..... کیا بات ہے؟“ آپ خاموش کیوں ہیں؟ اسد نے اس کی اداس آنکھوں اور پریشان چہرے کی طرف بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اسد..... آپ کو اپنا وعدہ یاد ہے؟“ مومنہ نے گہری سانس لے کر پوچھا

”کون سا وعدہ.....؟“ اسد نے انتہائی حیرت سے پوچھا

”رات کو آپ نے کوئی وعدہ کیا تھا.....؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا

”آئی ایم سوری..... آئی ڈونٹ ریمبر (مجھے یاد نہیں) اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

”کیا آپ کو بالکل یاد نہیں.....؟“ مومنہ نے پھر پوچھا

”مجھے تو یاد نہیں آ رہا..... آپ ہی بتائیے۔“ اسد نے کہا۔

”کیا آپ کو یہ بھی یاد نہیں کہ آپ رات کو بہت دور ہے تھے؟“ مومنہ نے انتہائی حیرت سے پھر پوچھا

”میں..... رو..... رہا تھا..... کم آن..... مومنہ..... آپ کیا کہہ رہی ہیں بھلا میں کیوں روؤں گا..... آئی ایم اے اسٹرونگ مین (میں

مضبوط آدمی ہوں) میں اتنے کراسس میں بھی ہمت نہیں ہارتا اور رات کو تو کوئی ایسی بات بھی نہیں ہوتی تھی..... بھلا رونے کی کیا وجہ ہو سکتی ہے؟“ اسد

نے طنزیہ لہجے میں جتے ہوئے کہا۔ تو مومنہ خاموشی اور حیرت کے ملے جلے احساسات سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اور اپنا نچلا ہونٹ کا تھپ رہی۔

آپ کون سے وعدے کی بات کر رہی تھیں.....؟ اسد نے چائے کا کپ پھیل پر رکھتے ہوئے پوچھا۔

”کوئی..... نہیں..... کچھ بھی نہیں“ اس نے آدھ کر جواب دیا۔

”ہو سکتا ہے..... آپ کے یاد دلانے پر مجھے یاد آ جائے“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”داؤد گمراہ کیلی ہوں گی.....“ اس نے ادا اس لہجے میں جواب دیا

”کوئی بات نہیں دادو کو بھی ساتھ لے چلتے ہیں“ اسد نے مسکرا کر کہا۔

”تمک ہے۔ اگر داد جائیں گی تو پھر میں جاؤں گی..... ورنہ میں ان کو چھوڑ کر نہیں جاؤں گی.....“ مومن نے قطعیت سے جواب دیا۔

”او..... ہو..... لگتا ہے..... آپ کو مجھ سے زیادہ داد سے محبت ہو گئی ہے“ اسد نے شرارتی لہجے میں کہا۔

”نہیں... آپ سے زیادہ... کسی سے بھی نہیں“ مومنہ نے کہا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

اسد نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھوں میں اک چمک سی پیدا ہونے لگی۔

”رنگی.....“ اس نے مسکراتے ہوئے معنی خیز انداز میں پوچھا

”کیا آپ کو مجھ پر یقین نہیں.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”یقین نہ ہوتا... تو... شاوی کیوں کرتا...؟ اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اسد..... آپ مجھ سے کتنی محبت کرتے ہیں؟ مومن نے اس کی آنکھوں کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا

”کیا میری محبت کو ماننے کے لئے..... آپ کے پاس کوئی پتہ ہے؟ اسد نے پوچھا۔

”نہیں..... مگر الفاظ کی گہرائی سے شدت کا اندازہ کر لوں گی“ اس نے جواب دیا۔

”اور اگر..... میرے پاس بیان کرنے کا لحاظ نہ ہوں..... تو.....؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

”بھرجنڈیات کی شدت سے جان لوں گی؟“ مومنہ نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔

”میری محبت کو بیان کرنے کے لئے الفاظ اور جذبات دونوں کم پڑ جائیں گے..... میں آپ سے تعلق محبت کرتا ہوں..... یہ آپ ہرگز نہ

دن کے ساتھ محسوس کریں گی" اس نے جواب دیا

”اسد..... مجھے آپ پر اور آپ کی محبت پر یقین بھی ہے اور اہم دہمی..... مگر.....“ وہ اپنے رانیں ہاتھ کی انگلیوں کے ناخنوں کو انہیں میں

سجائے ہوئے یوں۔

”مگر..... کیا.....؟“ اس نے اس کی طرف چونک کر دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”اسد..... ہم دونوں کے درمیان ایک چیز آگئی ہے..... اور مجھے ڈر ہے..... وہ ہمیں ایک دوسرے سے دور نہ لے جائے“ مونہ نے آہ

برکتی۔

”کیسی چیز.....؟ اور..... ہم کبھی ایک دوسرے سے دور نہیں ہوں گے..... آپ کو پانے کی میں نے کتنی شدید تمنا کی ہے۔ شاید آپ کو معلوم نہیں..... اور آپ کو پا کر میں کس قدر خوش ہوں..... آپ کو شاید اندازہ نہیں..... میرا خیال ہے کہ ہم ایک دوسرے سے بہت خوش ہیں..... آپ کو کیا خوف ہے..... اور..... آپ کس چیز کی بات کر رہی ہیں.....؟ اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ڈرنک کی“ مومنہ نے ٹھوس لہجے میں کہہ کر جواب دیا
اسد نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گیا..... ادھر ادھر دیکھنے کے بعد اس کی جانب دیکھا۔ مومنہ کی نظریں مسلسل اس کے چہرے پر تھیں۔

”مومنہ..... پلیز..... اسے انشومت بنائیے..... یہ کوئی بڑی بات نہیں“ اسد نے کمزور لہجے میں جواب دیا۔
”اسد آپ کا مجھ سے نظریں نہ ملانا بتا رہا ہے..... کہ یہ کتنی بڑی بات ہے“ مومنہ نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔
”مومنہ..... میرے پیٹے سے آپ کو کیا نقصان ہو رہا ہے.....؟ اس نے عجیبگی سے پوچھا۔
”اگر آپ پر سے میرا اعتبار اور اعتماد کم ہو جائے..... تو..... اس سے بڑا نقصان کیا ہو سکتا ہے..... مومنہ نے جواب دیا تو اسد صوفے پر اس کے قریب بیٹھ گیا۔

”ہم دونوں کے درمیان اعتبار اور اعتماد کو کبھی کبھار نہیں ہوگا..... آئی ایم شیور (مجھے یقین ہے) اسد نے ٹھوس لہجے میں جواب دیا۔
”اسد..... جب آپ کو اپنی کمی ہوئی بات اور کہا ہو اور وہ یاد نہیں رہے گا..... تو..... اعتبار دیکھ کر کیسے قائم رہے گا؟ مومنہ نے جواب دیا تو اسد خاموش ہو گیا۔ اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں رہا تھا۔ دونوں میں کافی دیر خاموشی چھائی رہی۔
”اسد..... میں آپ کو Letdown (بے عزت) نہیں کرنا چاہتی..... احساس دلانا چاہتی ہوں کہ یہ چیز آپ جیسے اچھے انسان سے آپ کی ساری اچھائیوں کو ختم کر دے گی..... اور..... میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گی..... اسد..... آئی لو پو پو“ وہ سسکتے لگی۔ تو اس کا دل پیچ گیا۔
”میں..... کوشش کروں گا..... کہ.....“ اسد مزید کچھ نہ کہہ سکا یا پھر اسے اپنے آپ پر یقین نہ رہا کہ وہ اپنے دعوے میں ثابت قدم بھی رہے گا یا نہیں..... وہ مومنہ کی طرف دیکھ کر ہونٹ چبانے لگا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں پکڑ کر کچھ کہنے لگا کہ اچانک اس کا موبائل بجنے لگا..... اور وہ فون سننے میں مصروف ہو گیا۔

”آئی..... ایم..... کنگ..... (میں آ رہا ہوں) اسد نے کہہ کر موبائل آف کر دیا۔
مومنہ ٹھوچر سے اپنی نم آنکھوں کو دھو رہی تھی۔ اسد نے اس کی جانب دیکھا۔
”ارجنٹ کال تھی..... میں جا رہا ہوں..... اپنا خیال رکھنا اسد نے سنجیدگی اور محبت سے اس کا ہاتھ دھاتے ہوئے کہا تو مومنہ نے اپنی نم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھا اور خاموش رہی..... اسد مزید کچھ کہے بغیر کمرے سے باہر نکل گیا۔ مومنہ اس کے پیچھے چلی آئی۔
”آئیے..... اسد بیٹا..... آج آپ بہت دیر سے چھپے آئے ہیں..... آپ کی طبیعت تو ٹھیک تھی نا“ دادو نے لگرمندی سے پوچھا۔

”جی..... دادو.....“ اسد نے مومن کی طرف نکلیوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

”بیٹا..... یہ آپ دونوں کے خوشیوں بھرے دن ہیں..... ان دنوں میں چروں پر شش پھوٹی چاہیے۔ ادا ہی نہیں.....“ دادو نے محبت سے دونوں کی جانب دیکھتے ہوئے کہا ”تم بہت خوش ہیں..... دادو..... آپ کو خواہ مخواہ میں دم ہو رہا ہے..... بلکہ ہم کو بھی مومن کے لئے سونڈ لینڈ جانے کا پروگرام بنا رہے ہیں..... اسد نے ایک دم موڈ بدل کر مسکراتے ہوئے کہا۔

”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ..... ضرور چاہیے بھی یہی تو گھوٹے پھرنے کے دن ہیں..... اور ان خوبصورت دنوں کی یادیں تو ساری زندگی کا اثاثہ ہوتی ہیں“ دادو نے محبت سے کہا۔

”ہاں..... مگر..... مومن کا کہنا ہے کہ آپ کے بغیر نہیں جائیں گی اسد نے مسکرا کر مومن کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

”ارے بھئی..... نہیں..... یہ آپ کے گھوٹے پھرنے کے دن ہیں..... ہمیں اپنے زمانے میں آپ کے دادا مرحوم نے بہت گھمایا پھرایا بہت بھٹیں کرائی تھیں..... آگرہ کا تاج محل..... دہلی کے باغات..... بلکہ ہمیں تو برطانیہ بھی لے کر گئے..... اس لیے ہم تو بالکل نہیں جائیں گے..... ویسے بھی ان کے بغیر کہیں جانے کو دل ہی نہیں چاہتا..... ہم تو برگزینہیں جائیں گے“ دادو نے قطعیت سے کہا۔

”کیا خیال ہے..... مومن.....؟ اسد نے مسکرا کر اسے پوچھا۔

”اسد..... مجھے امی کی طرف ڈراپ کر دیں..... بہت دنوں سے ان سے ملاقات نہیں ہوئی“ مومن نے جان بوجھ کر بات کا رخ بدلتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے..... ابھی چلیے.....“ اسد نے کہا۔

”ہاں..... بہت سہم..... چلی جائیے.....“ دادو نے بھی محبت سے کہا۔

”میں برقع پہن کر آتی ہوں“ مومن نے کہا اور تھوڑی دیر بعد برقعہ پہن کر آئی۔ دونوں باہر نکل گئے۔ وہ اسد کے ساتھ سیٹ پر خاموش بیٹھی تھیں۔

”مومن..... اس میں اتنا داس ہونے کی کیا بات ہے..... آپ کی خاموشی مجھے گھٹی کو نفیس کر رہی ہے“ اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”اسد..... اگر..... میں آپ سے کوئی غلط بات کہتی ہوں..... تو..... آپ مجھے کہنے سے روک سکتے ہیں.....؟ مومن نے آہستہ آواز میں جواب دیا تو اسد خاموشی سے ڈرائیونگ کرنے لگا۔

اسے اس کے محلے کی سڑک پر ڈراپ کر کے وہ چلا گیا۔ وہ جیسے ہی اپنی گلی میں داخل ہوئی۔ ارد گرد کی خواتین اپنے گھروں کی کڑکیوں اور دروازوں سے اسے جھانک کر دیکھنے لگیں۔

”سب لوگ میرے نصیب پر کتنا رشک کر رہے ہیں..... اور..... میں.....؟ اس نے آہ بھر کر مولا۔

”مومن ہائی آر سی ہیں.....“ ایک بچے نے مومن کو دیکھتے ہی اس کے گھر جا کر اطلاع دی۔ ذکیہ مشین پر سلائی کا کام کر رہی تھیں اور مریم

تحت پوش پر بیٹھی ایک کتاب پڑھنے میں مصروف تھی۔ مومنہ کاسن کر دوڑوں خوشی سے کھل اٹھیں۔ مریم نے جلدی سے کتاب بند کی اور ذکیہ نے سلائی کے کپڑے لپیٹے۔

مومنہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔

”السلام علیکم.....“ مومنہ نے غلاب سرکاتے ہوئے ذکیہ سے کہا

”ماشاء اللہ..... ولیم السلام.....“ ذکیہ نے محبت سے اسے گلے لگا دیا اور اس کا سر منہ چوم کر پیار کرتے ہوئے کہا۔

مریم بھی جلدی سے اسے گلے ملی۔

مومنہ نے برقع اتار دیا..... تو..... مریم اسے دیکھ کر خوشی سے چلانے لگی۔

”ہائے..... آئی..... آپ اس سرخ سوٹ میں کتنی کیڈٹ لگ رہی ہیں“ مریم نے پر شوق لگا ہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا

جواب میں مومنہ مسکرا دی۔

”کیسی ہو تم..... اپنے آنے کی اطلاع بھی نہیں دی“ ذکیہ نے محبت سے پوچھا۔

”آئی، آپ کی جیولری کتنی نفیس ہے نا..... اور..... یہ کنگن..... کیسے ڈیزائنٹ لگ رہے ہیں۔ یہ سب سلوٹ آپ کی چوائس ہو گی ناں“ مریم

نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....“ مومنہ نے جواب دیا۔

”میرا دل تم سے بہت اداس ہو رہا تھا۔ مگر تمہاری طرف جانے کی ہمت نہ ہوئی تھی“ ذکیہ نے افسردگی سے کہا۔

”کیوں.....؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”جینی کو اس کے سرال کی حیثیت کے مطابق ملنے ہوئے اچھا لگتا ہے.....“ ذکیہ نے رنجیدگی سے کہا۔

”امی..... آپ کیسی باتیں کرتی ہیں؟“ مجھے سرال میں ایسا کوئی مسئلہ نہیں..... اگر سلوٹ آپا اچھی ہیں..... تو اسد بھی بہت اچھے ہیں“

مومنہ نے سنجیدگی سے ماں کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا

”وہ..... تو..... سب ٹھیک ہے..... مگر اپنی عزت اور انا کا بھی مسئلہ ہوتا ہے..... سچ..... کبھی کبھی تو میں سوچتی ہوں..... کہ“ ذکیہ ہلکا دھورا

چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

”امی..... آپ..... ایسا مت سوچا کریں..... کیا آپ داد کو نہیں جانتی“ مومنہ نے ملامت سے کہا۔

”جینا..... ان لوگوں کی شرائط اور اچھائی سے کس کو انکار ہے..... مگر..... اپنے دل کو سمجھاؤ بہت مشکل ہوتا ہے..... ہم جیسے سفید پوش

لوگ اپنا بھرم رکھنے کی کوشش میں ساری زندگی جدوجہد کرتے ہوئے اس دنیا سے چلے جاتے ہیں..... بس یہی گھر ہوتی ہے کہ کسی کو ہمارے اندر کے

حال کی خبر نہ ہو“ ذکیہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"امی..... آپ پریشان نہ ہوا کریں....." مومنہ نے کہا۔

"مریم..... جاؤ..... بہن کے لئے کھانے کو کچھ لاؤ....." ذکیہ نے کہا تو مریم اندر چلی گئی۔

"مومنہ..... تم اپنے گھر خوش تو ہو..... نا.....؟" ذکیہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں..... اللہ کا شکر ہے" مومنہ نے جواب دیا۔

"اور..... اسد..... کیا انسان ہے؟ ذکیہ نے پھر پوچھا

"بہت..... بہت..... اچھے" وہ جلدی سے بولی اور نظریں چرا گئی۔

"کیا بات ہے.....؟ یہ بات بتاتے ہوئے تمہاری آنکھوں میں احساس نہیں..... اسد تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا.....؟ ذکیہ نے فکر مندی

سے پوچھا۔

"امی..... وہ..... بہت اچھے انسان ہیں..... آپ کیوں مشکوک ہو رہی ہیں؟" مومنہ نے کہا

"ہاں..... مجھے اتنا تو یقین ہے کہ اگر اسد میں کوئی عیب ہو تا تو سلطت آپا نے خود ہی یہ شے نہیں بنانا تھا..... وہ بہت صاف گو اور ایماندار

خاتون ہیں" ذکیہ نے پر مطمئن لہجہ میں کہا تو مومنہ ماں کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں میں نمی کی لہری نمایا ہو کر پھر کہیں گم ہو گئی۔

مریم چائے کے ساتھ فرنیچ فرازنز..... کباب..... اور سمکٹ لے آئی..... وہ مومنہ کی طرف مسکرا کر ہر شوق نگاہوں سے یوں دیکھتی

رہی جیسے بہت کچھ پوچھنا چاہتی ہو.....

تینوں نے چائے پی۔ ذکیہ اس سے اس کی معروضیات کے بارے میں بہت باتیں پوچھتی رہی۔ اور پھر اٹھ کر صبح کی نماز پڑھنے چلی گئی۔

"آئی..... اسد بھائی کیسے ہیں؟ آئی مین..... آپ کو شروع شروع میں ان سے بات چیت کرنے میں پر اہم تو ہوتی ہوگی" مریم نے

جس انداز میں سوال کیا۔

"کیسی پر اہم.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا؟

وہ اتنے امیر..... بڑے خاندان کے بندے ہیں..... ہماری اور ان کی کلاس میں ڈفرنس تو ہے ہی نا..... کیا آپ کو ہنسی پر اہم نہیں

ہوتی..... ایڈجسٹمنٹ..... میں.....؟ مریم نے حیراگی سے پوچھا۔

"نہیں..... کسی کوئی مسئلہ نہیں ہوا..... اسد..... بہت اچھے ہیں" مومنہ نے جواب دیا۔

"ہاں..... وہ..... تو..... اس سرخ جوڑے سے نظر آ رہا ہے" مریم نے ہنستے ہوئے کہا۔

"کیا مطلب.....؟" مومنہ نے چونک کر پوچھا۔

"بہن! ایسے گلز خوشی میں ہی تو پہنے جاتے ہیں نا....." مریم نے پھر ہنستے ہوئے جواب دیا۔

"مریم..... تم بھی..... پتا نہیں..... کیا کیا باتیں کرتی ہو؟ مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”آپی..... آپ لوگ کون سے پھرنے..... آئی میں..... مٹی ہون کے لیے کہاں جا رہے ہیں؟ مریم نے تجسس سے پوچھا۔

”اسد..... سوئزر لینڈ کے لیے کہہ رہے تھے..... مگر..... ہیراول نہیں چاہ رہا“ مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”سوئٹ..... سوئزر لینڈ.....؟..... مریم نے انتہائی حیرت سے پوچھا

”ہاں..... اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے؟ مومنہ نے پوچھا۔

”آپی..... آپ تو کبھی اپنے گھر اور شہر سے باہر نہیں گئیں اور سوئزر لینڈ..... واہ..... کیا قسمت ہے آپ کی؟ مریم نے رشک بھرے لہجے

میں کہا۔

”فکر نہیں کرو..... میں کہیں نہیں جا رہی“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”ک..... کیا مطلب.....؟ آپ کیوں نہیں جا رہیں؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”بس..... یونہی.....“ مومنہ نے آہستگی سے جواب دیا

”آپی..... آپ بھی کمال کرتی ہیں..... اور اللہ بھی..... جن لوگوں کو جو شوق ہوتے ہیں۔ ان کو Opposite لوگ ملتے ہیں“ مریم نے

منہ بٹاتے ہوئے کہا

”فکر نہیں کرو..... تمہارے لیے ایسا لڑکا تلاش کریں گے..... جو نو راز م ذی پارمنٹ میں ہو“ مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”ارے..... آپی..... میں آپ کی طرح اتنی لک نہیں ہوں..... اور ویسے بھی انسان جو سوچتا ہے..... ویسا کب ہوتا ہے اور جس چیز کی

خواہش کرتا ہے..... وہ کب پوری ہوتی ہے؟ مریم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”ارے بھئی! اس جو نے کی ضرورت نہیں..... انسان کو کیا معلوم کہ اللہ نے اس کے لیے کیا پلان کر رکھا ہے..... مگر اچھی بات کی خواہش

اور امید رکھنی چاہیے“ مومنہ نے مریم کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے کہا۔

”آپی..... سطوت آپا..... تو ہر روز نئی نئی ساڑھیاں اور میچنگ جیولری پہنتی ہوں گی“ اچانک مریم نے پوچھا۔

”ہاں..... ان کے پاس ہر چیز کی زبردست کوشش ہے“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کاش..... ان کا ایک اور پوتہ ہوتا“ مریم نے ہنستے ہوئے کہا

”کیوں.....؟ مومنہ نے جان بوجھ کر پوچھا۔

”پھر آپ اس کے ساتھ میری شادی کرواتی“ مریم نے قہقہہ لگاتے ہوئے جواب دیا۔

”شکر ہے..... کہ..... وہ نہیں ہے“ مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ہاں..... بھئی..... آپ کہاں جا رہی گی..... کہ میں بھی آپ کی طرح میٹھیں کروں.....“ مریم نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”ہاں..... میں تو چاہوں گی کہ تمہیں مجھ سے بھی اچھا سسرال اور اسد سے بھی اچھا انسان ملے“ مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا تو مریم مسکرا دی۔

"مریم..... باتیں ہی کرتی رہو گی کہ بہن کے لئے کچھ پکاؤ گی بھی" ذکیہ نے لماز سے فارغ ہو کر مومنہ سے پوچھا۔
 "ہاں..... میں ابھی بناتی ہوں" مریم نے کہا اور کچن میں چلی گئی۔
 "امی..... میں بھی لماز پڑھ لوں" مومنہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور لماز پڑھنے چلی گئی۔

☆

علیہ کی شادی کی تقریب بہت مختصر اور سادہ تھی۔ خاندان کے افراد کے علاوہ چند قریبی دوستوں کو مدعو کیا گیا تھا۔ شاکر علی اور ندرت نے علی علیہ کے لیے زیورات، ملبوسات اور تمام دوسری چیزوں کی خریداری کی تھی۔ علیہ کا دل بڑی طرح ٹوٹا تھا اور وہ بہت اداس تھی۔ اسے شادی سے کوئی خوشی نہ ہو رہی تھی اور وہ بھی سنی ہے۔ جب سے اس کی شادی کی تقریبات شروع ہوئیں تھیں۔ بات بات پر اس کی آنکھیں نم ہو جاتی تھیں۔
 شادی سے ایک روز پہلے شاکر علی نے اسے بہت محبت سے سمجھانے کی کوشش کی کہ اب اسے بہت سمجھداری اور خوش اخلاقی سے اپنا رشتہ نبھانا ہے۔ سہما آپا کی عزت کا بھرم رکھنا ہے کہ انہوں نے علیہ کے بارے میں جس بات کا دعویٰ کیا ہے کہ اس میں اپنی اس جیسی اہلی عترتی ہوگی۔ اس دعوے کا ثبوت دینا ہے۔ ناظر علی اور کشور بھابھی کو کسی بات کی کوئی شکایت کا موقع نہیں دینا۔ سنی کو خوش رکھنے کی کوشش کرنی ہے۔ شاکر علی اسے ایک ایک بات کی ہدایت اور نصیحت کرتے رہے اور وہ خاموشی سے سنتی رہی جیسے کچھ بھی نہ سن رہی ہو۔ اس نے نہ تو شاکر علی کی کسی بات کی تائید کی اور نہ ہی تردید..... وہ یوں بیٹھی تھی جیسے سکتے میں ہو۔

"علیہ..... بیٹی..... مجھ سے جو غلطیاں اور کوتاہیاں ہو گئی ہیں ان کو معاف کر دینا..... اور میں چاہتا ہوں کہ اس گھر سے رخصت ہونے سے پہلے تم میں اور ندرت میں جو دوری پیدا ہو گئی ہے..... اسے دور کرو..... وہ تمہاری ماں ہے....." شاکر علی نے اسے سمجھایا مگر وہ خاموش رہی۔
 "میں عذر کو بلاتا ہوں....." اور وہ عذر کو بلانے چلے گئے۔
 ندرت کو سمجھا بھجا کر لائے۔

"ندرت..... علیہ کو گلے سے لگاؤ..... تاکہ ساری تکلیاں دور ہو جائیں" شاکر علی نے عذر کو کہا تو انہوں نے ایک نظر شوہر کو دیکھا اور پھر علیہ کو..... پھر آگے بڑھ کر علیہ کو گلے لگایا مگر علیہ بے حسی سے ان کی طرف دیکھتی رہی۔ خاموشی سے ان کے گلے لگ گئی مگر کوئی رد عمل ظاہر نہ کیا۔ عذر خود ہی بولتی رہیں اسے معاف کرنے کو کہتی رہیں مگر وہ خاموش رہی۔ شاکر علی حیرت سے علیہ کی جانب دیکھتے رہے۔ اس کی خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ لگ رہی تھی۔ ورنہ وہ تو ہر بات کا انتہائی کاٹ دار جواب دہی تھی اور اس کا یوں خاموش ہونا شاکر علی اور ندرت کے لیے باعث تشویش تھا۔

"علیہ بیٹی کچھ تو بولو..... کچھ تو کہو" شاکر علی نے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا مگر وہ پھر بھی خاموش رہی اور بھئی بھئی نگاہوں سے دونوں کی جانب دیکھتی رہی۔

شادی کی تقریبات میں وہ انتہائی خوبصورت مہرون کمر کا کاہدار بننا پسند کر رہی تھی۔ اس کے ساتھ دو لمبے کی کرسی پر ڈاکٹر تھلین بیٹھے

تھے۔ بلیک پیٹ کوٹ اور میردن ناکی میں انتخابی ڈیسٹ اور پرکشش لگ رہے تھے۔ علیہ بے حد خوبصورت لگ رہی تھی۔ سیما آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ وہ اپنی کامیابی پر خوش تھیں۔۔۔۔۔ اور ہر کوئی انہیں مبارکباد دے رہا تھا کہ ان کی کوششوں سے بکھرا خاندان پھر ایک ہو گیا تھا۔ سیما آپا علیہ کے ساتھ بیٹی بار بار اس کی بلائیں لے رہی تھیں۔ خاندان کے تمام افراد ان کے پاس ہی دعا سلام کے لیے آ رہے تھے اور وہ انتخابی خوشی اور گرجوں سے سب کا استقبال کرتیں۔۔۔۔۔ شادی کی تمام رسموں میں ناظر علی اور شاکر علی نے سیما آپا کو ہی آگے رکھا تھا اور وہ خوشی خوشی ہر ذمہ داری بھاریں تھیں۔ ڈاکٹر ثقلین کے ساتھ ناظر علی اور کشور بیٹی تھی۔ ندرت بھی شاکر علی کے ہمراہ اپنے فرائض بھانے کی کوشش کر رہی تھی۔ جیلہ آپا صدیقہ آپا اور کشور نے اس کے ساتھ دسی سلام دعا کی۔ ان سے مل کر کسی کو کوئی خاص خوشی نہ ہوئی۔ نندول مسکرائے نہ چہروں کے تاثرات بدلے۔ علیہ سر جھکائے خاموش بیٹی رہی۔ ڈاکٹر ثقلین نکلیں سے اس کی جانب دیکھتے تو مسکرا دیتے۔

سب نے بہت محبت اور دعاؤں کے ساتھ علیہ کو ڈاکٹر ثقلین کے سنگ رخصت کیا۔

”سنی بیٹا۔۔۔۔۔ اگر علیہ سے کوئی غلطی ہو جائے تو پلیز اسے معاف کر دینا“ شاکر علی نے ڈاکٹر ثقلین کو گاڑی میں بیٹھنے سے پہلے اپنے گلے سے لگا کر سرگوشی کے انداز میں کہا۔

”آپ قہر نہیں کریں“ ڈاکٹر ثقلین نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا تو ان کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر آئیں۔

”خدا تم لوگوں کو بہت خوش رکھے۔۔۔۔۔ زندگی کے ہر قدم پر تمہیں کامیابیاں اور خوشیوں سے نوازے“ شاکر علی نے انہیں دعائیں دیتے ہوئے رخصت کیا۔

علیہ نے چند روزوں میں بعد ناظر علی کے ہاں قدم رکھا تھا۔ انہوں نے پھانا گھر چھ کر ڈیٹس میں خوبصورت بھگہ خرید رکھا۔

گھر کی آرائش دیکھنے سے تعلق رکھتی تھی۔ علیہ کا بیڈروم انتخابی خوبصورتی سے ڈیکوریت کیا گیا تھا۔

علیہ نے بھرپور لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھا۔ سب کچھ اچھا تھا۔ مگر اسے کچھ بھی اچھا نہ لگ رہا تھا۔ بھانے کہاں سے اسد پھر اس کی آنکھوں کے سامنے آ گیا تھا۔ اس نے اسے بھلانے کی بہت کوشش کی تھی اور کئی روز سے اسٹی ڈپریشن ٹیبلٹس کھا کھا کر اپنے آپ کو نابل کرنے کی کوشش میں مصروف تھی مگر پھر بھی اسد اس کے دل میں اپنی مخصوص جگہ نہیں چھوڑ رہا تھا۔ اسد کی یاد اس کے دل میں اک کک بن کر اس کی روح کو مضطرب کر رہی تھی۔ اس کے دل میں ایک بار بھی ڈاکٹر ثقلین کا خیال نہیں آ رہا تھا۔ اس نے پاس بیٹھے ڈاکٹر ثقلین کی جانب ایک نظر بھی نہیں دیکھا تھا کر ڈاکٹر ثقلین اسے دیکھ کر مسکرا رہے تھے۔

ڈاکٹر ثقلین اس کے پاس آئے اور مسکرا کر اس کی جانب دیکھنے لگے۔

”میں آج بہت خوش ہوں۔۔۔۔۔“ ڈاکٹر ثقلین نے محبت بھرے لہجے میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”اسد از پی۔۔۔۔۔“ اچانک گلین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے

”آپ بہت خوبصورت لگ رہی ہیں“ ڈاکٹر ثقلین نے پھر کہا۔

”کیا اسد کی واقف خوبصورت ہے؟ اس کے اپنے الفاظ اسے یاد آنے لگے
”نہیں..... شی..... از“ نگین کی بات پھر اس کے ذہن میں گونجنے لگی۔

”مجھے یقین نہیں آ رہا..... کہ قدرت ہمیں یوں ملائے گی..... اور برسوں پہلے میرے دل کے اندر جنم لینے والی خواہش یوں پوری ہو جائے
گی..... آج میرا ایک خواب..... خوبصورت حقیقت بن کر میرے سامنے آ گیا ہے“ وہ خاموشی سے ہونٹ چباتی رہی۔ ڈاکٹر نگین کی کسی بات پر نہ
مسکرائی اور نہ ہی خوش ہوئی۔

”کیا آپ کو یاد ہے۔ جب آپ نہ بہت بچی کے ساتھ ہمارے گھر آیا کرتیں تھیں۔ اور ہم کئی کئی گھنٹے کھیلا کرتے تھے۔ آپ اکثر مجھ سے
جھگڑا کرتا تھا۔ بڑا بڑا جھگڑا کرتا تھا۔ پھر..... بچی اور امی ہم دونوں میں صلح کرواتی تھیں..... اور..... مجھے سزا کے طور پر آپ کو اپنی سائیکل پر بٹھا کر
اٹکس کر کے کھلانے لے جاتا تھا..... علیحدہ یاد ہے نا..... آپ کو سب کچھ“ ڈاکٹر نگین نے قہقہہ لگاتے ہوئے پوچھا۔
”نہیں..... مجھے کچھ یاد نہیں“ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

ڈاکٹر نگین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا..... اس کے چہرے پر تڑاؤ اور اضطراب تھا۔

”ہو سکتا ہے آپ کو یاد نہ ہو..... تب آپ بہت چھوٹی تھیں..... اور جب میں میڈیکل کالج میں اسٹوڈنٹ تھا تو میری ایک کلاس فیلو کا
نام علیہ تھا۔ تب آپ مجھے بہت یاد آتیں..... اور کبھی کبھار انجانے میں میرا دل آپ کو پانے کی خواہش کرنے لگتا۔ لیکن میں یہ سوچتا کہ یہ ناممکن
ہے۔ کیونکہ آپ کی اور میری فیملی میں جو رنجش پیدا ہوئی تھی اس کا ختم ہونا ناممکن نظر آتا تھا..... مگر جب قدرت کسی کو ملانے کا فیصلہ کرتی ہے تو راستے
میں حائل تمام رکاوٹیں ختم ہو جاتی ہیں اور چند روز پہلے جب سیمپو پھونے کا چانک مجھے فون کر کے آپ کے بارے میں پوچھا تو مجھے یقین ہی نہیں آ
رہا تھا..... میری خواہش پوری ہونے جا رہی تھی..... میں کیسے انکار کر سکتا تھا..... سچ علیہ..... بعض اوقات قدرت اپنی انہونی باتوں اور فیصلوں سے
اس قدر چمکاتی ہے کہ انسان کو ساری زندگی کچھ نہیں آتی.....“ ڈاکٹر نگین اس قدر خوش تھے کہ ان کی آنکھوں سے خوشی کے آنسو نکل پڑے۔
”میرے سر میں شدید درد ہو رہا ہے“ اس نے خوش ہوتے ہوئے ڈاکٹر نگین کی طرف دیکھے بغیر کہا۔

”ایک منٹ..... میں آپ کو میڈیسن دیتا ہوں.....“ ڈاکٹر نگین نے واش روم کے ساتھ ملحقہ وارڈ روم کے ایک خانے میں ضروری
ادویات رکھی ہوئی تھیں۔ وہ وہاں سے ایک ٹیبلٹ لے آئے۔

”آپ یہ کھالیں..... تھوڑی دیر بعد ٹھیک ہو جائیں گی“ ڈاکٹر نگین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

علیہ نے ٹیبلٹ کھائی اور زہدات اتار کر سائینڈ ٹیبل پر رکھے اور واش روم میں جا کر ڈریس پہنچ کرنے لگی..... وہاں پر اس میں سے
سگریٹ نکال کر اس کے گہرے سش لے..... اپنی سرخ آنکھوں کو آئینے میں دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”یہ شخص یا تو خود بے وقوف ہے یا مجھے بے وقوف بنا رہا ہے جسے میرے چہرے پر اپنے لیے بیزاری دکھائی نہیں دے رہی سنی..... تم.....
اسد کی جگہ کبھی نہیں لے سکو گے..... تم خوبصورت اور سارٹ تو ہو..... مگر ویسے ڈشنگ نہیں..... تم میں نہ چارم ہے اور نہ کوئی انٹرکشن.....“ اس نے

”علیہ بہت سنجیدہ دکھائی دے رہی تھی..... شاید ندروت چچی کے رویے نے اس کو ایسا بنا دیا ہے..... ہمیشہ یہی سننے میں آتا تھا کہ ندروت چچی کا رویہ علی کے ساتھ بہت بُرا تھا..... شاید وہ نفسیاتی دباؤ میں رہنے کی وجہ سے ایسی ہو گئی ہے.....“

ہاں..... جب انسان بہت زیادہ سخت ماحول میں رہنے کے بعد ایک دم پرسکون ماحول میں جاتا ہے تو وہ ایئر جسٹ میں گر جاتا..... علیحدہ
کیا تھمہ بھی کوئی ایسا مسئلہ دکھائی دیتا ہے؟ ڈاکٹر تھقلین اعجازی گہرائی میں جا کر سوچنے لگے۔

”تم..... مجھ پر خواہناؤ..... زہر قوی مسلط کر دیے گئے ہو..... مجھے تم سے بالکل بھی محبت نہیں..... تم مجھے بچپن میں اچھے لگتے تھے اور وہی اب..... ہیرا دل چھپیں قبول نہیں کرو با..... تم سے کیسے نجات پاؤں؟ اور اس نے جان بوجھ کرتے کرنے کی ایک ٹنگ کی۔

”علیہ..... کیا ہوا.....؟“ ڈاکٹر تھلین نے واش روم کے دروازے کے قریب آ کر قہرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا وہ مسکرا کر دروازے کی جانب دیکھتے ہوئے پھرتے کرنے لگی۔ ڈاکٹر تھلین پھر گھبرا گئے اور دروازے پر دستک دی۔

”علیہ... علیہ... آہ... ہاں... آلِ رامت؟ ڈاکٹر تھکین نے انتہائی پریشانی سے کہا اور روانہ ہو چکا۔

”انورہ..... کیا مصیبت ہے؟ اس نے جھنجھلا کر سوچا۔ منہ میں اسپرے کیا اور چہرہ دھو کر دوش روم سے قدموں پر ہانپتی ہوئی باہر نکلی۔

”ہی۔۔۔۔۔ ک۔۔۔۔۔ لگ۔۔۔ کیا ہوا؟ ڈاکٹر فقین کے گویا ہاتھ پاؤں پھولنے لگے۔

”آئی تھمک..... فوڈ ہوائزن ہو گئے“ وہ اکھڑی سانس کے ساتھ بولی۔

”آپ آرام کریں..... میں ابھی چپک کر تباہوں.....“ ڈاکٹر مظہرین نے اسے پیڑ لٹایا اور اس کی نبض چپک کرنے لگے۔

”بعض تو تھکے ہو، آہستہ آواز میں بڑے اور علینہ کے ساتھ چرے کی طرف دیکھنے لگے جو ہر قسم کے تاثرات سے خالی تھا۔

”میرا خیال ہے..... آپ کو آرام کی بہت ضرورت ہے“ ڈاکٹر فکرتین نے قدرے سنجیدہ لہجے میں کہا تو وہ کروٹ بدل کر لیٹ گئی۔

ڈاکٹر تعلیم صوفی پر ہینے کر گہری سوچ میں ڈوب گئے..... وہ کتنے خوش تھے..... اور اب کتنے اداس اور مضطرب..... انہیں کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ آخر ماجرا کیا ہے.....؟ علینہ.....؟ وہ اس کے بارے میں تو کچھ Predict کر سکتے تھے نہ کوئی Guess لگا سکتے تھے..... مگر انہیں جو کچھ

محسوس ہوا تھا..... وہ کچھ اچھا اور خوشگوار نہیں تھا اور اس بات نے ان کے دل میں مایوسی ہی پیدا کر دی تھی..... اور ہرگز روتے لمبے کے ساتھ اس مایوسی میں اضافہ ہونے لگا تھا۔ انہیں ڈپریشن ہونے لگا۔

”ڈاکٹر تھکین..... تم لوگوں کو ڈپریشن سے نکالنے کے لئے اتنی جدوجہد کرتے ہو..... اخبارات میں کالمز لکھتے ہو..... میسینار اور ورکشاپس ارباب کرتے ہو..... اسٹوڈنٹس کو ٹیکچر دیتے ہو..... ایسے مریضوں کا علاج کرتے ہو..... اور..... اب..... تم خود ہی..... لا علاج ہو رہے ہو“

ڈاکٹر تعلیم نے بے بسی سے سوجھا۔

"انسان اپنی تقدیر کے ہاتھوں کس قدر بے بس ہے..... پہلے جس بات کے ہونے کی تمنا کرتا ہے..... اس کے لئے دعائیں کرتا ہے..... جب وہی بات ایک تلخ حقیقت بن کر سامنے آتی ہے..... تو اس سے فرار چاہنے لگتا ہے..... معلوم نہیں..... میں کیا چاہتا ہوں اور کس بات کی تمنا کرتا تھا....." ڈاکٹر تھلین نے قدرے مایوسی سے سوچا اور علیہ کی جانب دیکھا جو پرسکون سو رہی تھی..... انہوں نے آہ بھری اور بیڈ پر جا کر لیٹ گئے..... علیہ نے دوسری جانب کروٹ بدل لی۔ ڈاکٹر تھلین کو اپنے لیے علیہ کی ناپسندیدگی کا یقین ہونے لگا اور وہ مایوسیوں کے سمندر پر غوطہ زن ہو گئے۔

ویسے کی محفل میں بھی ڈاکٹر تھلین زیادہ تر خاموش اور سنجیدہ دکھائی دے۔ علیہ نے سارا دن ان سے کوئی بات نہ کی۔ رات کو بہت دیر سے ڈاکٹر تھلین اپنے بیڈ روم میں آئے تو علیہ بیڈ پر لیٹی تھی..... ڈاکٹر تھلین کی طرف ایک نظر دیکھا اور پھر صمت کو گھورنے لگی۔

"اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟ ڈاکٹر تھلین نے پاس بیٹھ کر قدرے ملائمت سے پوچھا۔

"تمک نہیں....." وہ خوش لہجہ میں بولی۔

"علیہ..... ایک بات پوچھوں" ڈاکٹر تھلین نے اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

علیہ نے ان کی جانب دیکھا اور خاموش رہی۔

"کیا یہ شادی آپ کی مرضی سے ہوئی ہے؟ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا

"نہیں" وہ اٹھ کر بیٹھ گئی۔

"کیا آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتی تھیں؟

"مسئلہ آپ نہیں..... میری شادی تھی....." وہ بولی

"کیا مطلب.....؟ ڈاکٹر تھلین نے چونک کر پوچھا۔

"مگر پاپا..... میری شادی آپ سے نہ کرتے تو کسی اور سے کر دیتے اور پاپا تو مجھ سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے۔" وہ آہ بھر کر بولی۔

"کیوں.....؟ انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"نا پسندیدگی کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں" اس نے جواب دیا

ڈاکٹر تھلین نے اس کی جانب گہری نظروں سے دیکھا۔

"کیا..... آپ مجھے ناپسند کرتی ہیں؟ ڈاکٹر تھلین نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

"آپ کیا جانا چاہتے ہیں؟ علیہ نے پوچھا

"حقیقت....." ڈاکٹر تھلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"میں آپ سے محبت نہیں کرتی" اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین کو امید تھی کہ وہ کوئی بہانہ بنا لے گی مگر یہ بات نہیں کہے گی۔ اتنی تلخ اور چبھنے والی بات اس نے ایک سیکنڈ میں کہہ دی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کی بات سن کر شدید دھچکا لگا۔ وہ ایک ہی وار میں چاروں شانے چت ہو گئے۔..... حریف کچھ کہنا سنتا ہے یا کار تھا۔..... یہ کھیل ان کے ساتھ قدرت کھیل رہی تھی۔..... یا۔..... علیہ۔..... انہیں خود کچھ میں نہیں آ رہا تھا۔ انہوں نے علیہ کی طرف خاموشی سے دیکھا اور اپنے بیڈ روم کے ساتھ ہی انچھڑا سٹڈی روم میں چلے گئے۔

کیسی کیسی لائق، آؤٹ اسٹینڈنگ اور نامور لڑکیاں مجھ پر مرتیں تھیں کیسے کیسے اچھی خاندانوں سے پر پوز ٹراتے تھے۔..... ملک اور بیرون ملک جانی پہچانی شخصیت۔ انسانیت کے لئے انتہائی درودل رکھنے والے نوجوان نسل کو پہانے کے لیے ہر دم سرگرداں ڈاکٹر ثقلین زندگی کے انتہائی اہم میدان میں آتے ہی کلین بولڈ ہو گئے تھے۔

”قدرت نے مجھے کتنی بڑی آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ ابھی حال ہی میں شا کر چچا کی ہاری فیملی سے اتنے برسوں بعد صلح ہوئی ہے اور اگر علیہ کی ذرا سی بات کی بھی بھک فیملی کو ہو گئی تو سارا خاندان پھر منتشر ہو جائے گا۔ اور اس انتشار کی ذمہ داری مجھ پر آئے گی۔..... مجھے بہت مہر سے یہ سب کچھ برداشت کرنا ہے“

ڈاکٹر ثقلین نے صورت حال پر بغور سوچتے ہوئے اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کی اور اسٹڈی روم میں ایک سائیڈ پر بچے سنکل بیڈ پر کروٹ بدلتے ہوئے سوچا۔

”میں آپ سے محبت نہیں کرتی“ علیہ کے الفاظ ان کے ذہن میں گونجنے لگے۔ ان کا دل کٹنے لگا اور آنکھیں نم ہونے لگیں۔
 ”اتنی بڑی بات۔..... اتنی زیادہ تو ہیں۔..... زندگی کے سفر کے آغاز میں ہی ایسی حوصلہ شکنی۔ انہوں نے آؤ بھر کر سوچا۔
 ”انسان کو اندر ہی اندر کیا کچھ سہتا پڑتا ہے اور پھر اسے اپنے دل تک ہی محدود رکھنا ہوتا ہے۔“ انہوں نے دکھ سے سوچا۔
 ”نا پسندیدگی کے لیے کسی وجہ کا ہونا ضروری نہیں ہوتا“

علیہ کے الفاظ پھر اس کے ذہن میں گونجنے لگے۔ انہوں نے پھر کروٹ بدلی۔

”شی ازان ڈپریشن“ ڈاکٹر ثقلین نے اپنے ذہن کا رخ بدلتے ہوئے سوچا۔

”مما۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ پاپا۔۔۔۔۔ تو مجھ سے جان چھڑانا چاہ رہے تھے“

علیہ کے الفاظ نے ان کے دل میں نرم گوشہ پیدا کیا۔

”اس نے ساری زندگی دکھا گئے ہیں۔ شی نیز زبانی ہیملپ۔ میں اس کی زندگی بدلوں گا۔۔۔۔۔ وہ بہت صاف گو ہے وہ بری انسان کبھی نہیں ہو سکتی۔ ڈاکٹر ثقلین نے مثبت اعزاز میں سوچا۔

علیہ انہیں مصحوم اور بے گناہ نظر آنے لگی۔ ان کے دل کے اندر امید ہی پیدا ہونے لگی۔

”میں آپ سے محبت نہیں کرتی“ علیہ کے الفاظ پھر ان کے ذہن میں گونجنے لگے۔

”وہ ٹھیک کہتی ہے..... دو مجھ سے کیسے محبت کر سکتی ہے۔ اتنے برسوں میں نہ ہم نے ایک دوسرے کو دیکھا نہ بات چیت کی نہ کوئی خوبصورت بات کہی اور سنی..... پھر محبت کیسے ہو سکتی ہے یہ اس کی صاف گوئی ہے کہ اس نے مجھے حقیقت بتا دی..... اپنے دل کی بات صاف صاف بتا دی..... اور..... میں خواہ خواہ ہی اس کی بات کو دل سے لگا بیٹھا..... اس کی بات پر رنجیدہ ہو گیا..... انہوں نے مسکرا کر سوچا۔

”ڈاکٹر تھلین..... اگر تم میں Guts ہیں..... تو اس کے دل میں اپنی محبت پیدا کرو..... وہ خود تمہاری طرف دوڑ کر آئے..... تم نظر نہ آؤ تو وہ شدت سے تمہاری ہنسنے لگی..... تم وہیں سے آؤ تو تمہارے انتظار میں بے تاب ہو..... دنیا مانتی ہے کہ تم میں بہت Guts ہیں..... دنیا تمہارے ٹیلنٹ کی مداح ہے..... تو..... پھر اپنا آپ جاہل کر دو“ ڈاکٹر تھلین کے دل نے انہیں چیلنج کیا۔

”ہاں..... میں..... علیحدہ کے دل میں اپنی محبت پیدا کروں گا.....“ وہ پر امید انداز میں سوچتے ہوئے وانہیں اپنے پیڑروم میں گئے۔ علیحدہ ٹھیل لیب کی لائٹ آن کیے پیڑروم دروازہ کھول کر داخل ہوئے۔ ڈاکٹر تھلین نے چونک کر اسے دیکھا۔ انہیں ایک اور شاک لگا۔ اس بات کی انہیں قطعی توقع نہیں تھی۔ علیحدہ نے ایک تک ڈاکٹر تھلین کی جانب دیکھا اور خاموشی سے سگریٹ پینے لگی۔ ڈاکٹر تھلین کی موجودگی نے اس پر ذرا سا بھی اثر نہ کیا..... وہ بے ستور سموکنگ کرتی رہی۔ سگریٹ ختم ہونے کے قریب تھا۔ اس نے اسے الیش ٹرے میں سسٹا اور لیب آف کر کے آنکھیں بند کر لیں۔

”اور..... مائی..... گاؤ..... اگر تمی اور پاپا کو اس بات کی خبر ہوگی تو سب پر کیا قیامت گزرے گی..... جس خاندان کی خواتین بہت لمبی ذہنیت رکھتی ہوں۔ اخلاقیات اور ادب و آداب کا بہت خیال رکھتی ہوں..... وہ..... یہ سب کچھ کیسے برواشت کر پائیں گی“ ڈاکٹر تھلین کے چہرے پر پینہ آنے لگا اور وہ دوبارہ اپنے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

ڈاکٹر تھلین تیار ہو کر ہسپتال جانے کے لیے نچھڑے تو کشور اور ناظر علی نے حیرت سے انہیں دیکھا۔

”سنی..... بیٹا..... کیا تم کہیں جا رہے ہو؟ کشور نے حیرت سے پوچھا

”ہاں..... ہسپتال“ ڈاکٹر تھلین نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”یہ کیا بات ہوئی..... کل تمہارا دلیر ہوا ہے اور آج تم ہسپتال جا رہے ہو؟ ناظر علی نے اخبار پڑھتے ہوئے ایک دم چمک کر کہا۔

”ایک ایمر جنسی کیس آیا ہے“ ڈاکٹر تھلین نے جواب دیا۔

”بروز ایسے ایمر جنسی کیس آتے ہیں..... مگر میں تمہیں جانے نہیں دوں گی..... حد ہوتی ہے..... تمہاری ڈاکٹری کی..... تمہارا پس چلتا تو شاید شادی کے روز بھی ہسپتال چلے جاتے“ کشور نے غلگی سے کہا۔

”اور پھر ہمارا ہسپتال جاتی..... مریضوں اور نرسوں سمیت“ نمرانے ایک دم ہنسنے سے آتے ہوئے کہا۔

ڈاکٹر تھلین نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا

”بھائی جان..... ویسے آپ بھی حد کر رہے ہیں..... خود ہسپتال جا رہے ہیں اور علیحدہ بے چاری کیا کرے گی“ نمرانے پھر کہا۔

”تم..... ہونا..... اس کے پاس..... خوب سرکھا..... اس کا ڈاکٹر تھلین نے ہنستے ہوئے کہا۔
 ”نہیں..... جی..... میں تو شادی کے ہنگامے میں بری طرح تھک گئی ہوں..... خوب سوؤں گی.....“ نمرانے ڈائیٹنگ ٹیبل پر رکھی ٹی
 پاٹ سے کپ میں چائے ڈالتے ہوئے کہا

”جینا..... تمہارا آج جانا مناسب نہیں“ ناظر علی نے نرمی سے سمجھایا
 ”پاپا..... بہت ضروری نہ ہوتا تو میں بھی رک جاتا..... میں بھی سمجھتا ہوں“ ڈاکٹر تھلین نے جواب دیا۔
 ”آپ اس کی باتوں میں آسکتے ہیں..... میں نہیں“ کشور نے غصے سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”مئی..... ایک مریض کی جان خطرے میں ہے اور میرا جانا بہت ضروری ہے۔ ڈاکٹر کی لائف تو ایسی ہی Unpredictable (غیر
 یقینی) ہوتی ہے۔ آپ کو خود ہی سمجھنا چاہیے“ ڈاکٹر تھلین نے ماں کو سمجھانے کے اہماک میں کہا تو وہ خاموش ہو گئیں اور خشکی سے اسے دیکھنے لگیں۔
 ”مئی..... میں جلدی آ جاؤں گا..... پلیز آپ فکر نہیں کریں ڈاکٹر تھلین نے کشور کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا تو وہ خاموش ہو گئیں۔
 ”نمران! بھائی کے لئے گرم چائے لے آؤ“ کشور نے کہا تو نمران کچن میں چلی گئی۔ ڈاکٹر تھلین ناشتہ کرنے میں مصروف ہو گئے۔ تھوڑی
 دیر بعد نمران گرم چائے لے آئی۔

”بھائی جان..... میڈیا آپ کی شادی کے بارے میں جاننے کے لیے کتنا کر بڑی ہورہا ہے“ نمرانے خوش ہو کر بتایا۔
 ”کیا مطلب.....؟ انہوں نے چونک کر پوچھا

”میری دوست کا بھئی جرنلسٹ ہے اور جب اس کو آپ کی شادی کی خبر ملی تو وہ بہت حیران ہوا۔ بار بار شادی کی خبر اخبار میں لگانے کی
 اجازت مانگ رہا ہے مگر میں نے کہہ دیا کہ شادی کو خفیہ رکھا جا رہا ہے..... دو تو آپ کا اور علیہ کا انٹرویو بھی لینا چاہتا ہے“ نمرانے پرجوش اہماک میں کہا۔
 ”بس..... بس..... بس..... ابھی یہ بھی نہ کہنا کہ جیو کی ٹیم بھی آرہی ہے پھر ہائیڈی این این این..... اور ایجنڈ پر نیچل جیو گراؤف کے
 جانوروں کے ساتھ ایک فوٹو“ ڈاکٹر تھلین ہنستے ہوئے کہا تو نمران منہ بنا کر رو گئی۔

”بھائی جان..... اب ایسی بھی بات نہیں.....“ نمران منہ بسورتے ہوئے بولی
 ”نمران! اگر نیچل جیو گراؤف کی ٹیم آئی نا..... تو اس گروپ فوٹو میں تم میرے ساتھ ضرور ہوگی“ ڈاکٹر تھلین نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو
 نمران غصے سے انہیں دیکھتی ہوئی کچن میں چلی گئی

”مئی..... اب میں جا رہا ہوں..... جلدی آنے کی کوشش کروں گا“ ڈاکٹر تھلین نے ناشتہ کرنے کے بعد ٹشو پیپر سے اپنے ہاتھ صاف
 کرتے ہوئے کہا اور کشور ناظر علی کو سلام کرتے ہوئے گھر سے باہر چلا گیا۔

علیہ دو پہر کو عیدار ہوئی تو اس کا سر شہید بھاری ہو رہا تھا اور دل بہت مضطرب..... اسے کس شے کی طلب ہو رہی تھی۔ وہ بے دلی سے ٹی
 اور شاد لینے کے بعد اس نے جنر کے ساتھ سیلو لیس شرٹ پہنی اور میک اپ سے مبرا چہرے کے ساتھ چھونے بالوں کی پونی بنائے، ایک کندھے پر

والے وہ نیچا مٹی۔ کشور کی حیرت کی انتہا نہ رہی اور وہ حیران کن نظروں سے ناظر علی کی جانب دیکھنے لگیں۔ ناظر علی نے شرم سے آنکھیں جھکا لیں۔ کشور نے اس عمر میں بھی اپنے سر سے کبھی دوپٹہ نہ سرکایا تھا۔ اور غرا بھی بہت مہذب لباس پہنتی تھی۔ ان کا گھرانہ خاصا مذہبی گھرانہ سمجھا جاتا تھا۔ وہ کٹر مذہبی تو نہیں لیکن اخلاقیات اور اللہ کے احکامات کے بہت پابند تھے۔ ڈاکٹر تعلین اور غرا کی تربیت میں انہوں نے ان اصولوں کو خاص اہمیت دی تھی۔ ڈاکٹر تعلین کا معاشرے میں بہت نام اور ہر عزت مقام تھا۔ وہ خود بھی نماز روزے اور شریعت کے بہت پابند تھے اور ایسے شخص کی بیوی کا عریاں لباس اور اس میں سے ہمارا جسم..... سب گمراہوں کے لیے ایک زبردست شاگ تھا۔

”جینا..... آؤ..... ناشتہ کرو..... رہمانہ علیہ بیٹی کے لیے ناشتہ لے آؤ“ کشور نے اپنے آپ پر بمشکل قابو پا کر نرمی سے مکتب میں کام کرنے والی ملازمہ سے کہا۔

”جی..... بیگم صاحبہ.....“ رہمانہ نے جواب دیا۔
”ادھر..... آؤ..... میرے پاس بیٹھو.....“ کشور نے اسے محبت سے اپنے پاس صوفے پر بیٹھنے کو کہا تو علیہ خاموشی سے ان کے پاس بیٹھ گئی۔
”جینا..... تم نئی ٹوپلی پہن ہو..... اور ہمارے ہاں نئی ٹوپلی پہن اس طرح کے لباس نہیں پہنتی..... تمہاری داد و دروب میں ایک سے بڑھ کر ایک خوبصورت ہفتی اور اسٹاکش سوٹ ہیں..... تم وہ پہنؤ“ کشور نے محبت سے کہا۔

”آئی..... ایسے چمکیلے لباس میں نے کبھی نہیں پہنے“ علیہ نے جواب دیا
”جینا..... کبھی نہیں پہنے..... کیونکہ تب تمہاری شادی نہیں ہوئی تھی اور شادی کے بعد تو لڑکیاں ایسے ہی ڈر۔ سو پہنتی ہیں کشور نے پھر کہا۔
”پہنتی ہوں گی..... مگر..... میں نہیں پہن سکتی..... مجھے ان کی عادت نہیں“ علیہ نے کٹھن سے اچکاتے ہوئے لاہر و اسی سے جواب دیا
کشر نے ناظر علی کی جانب ایک ننگ دیکھا جولاؤنچ میں بیٹھنے والوں کی باتیں سن رہے تھے۔
رہمانہ ناشتہ لے آئی۔ تو اس نے ایک سلاکس کے ساتھ صرف چائے کا کپ کیا۔

”آئی..... مجھے کچھ شاپنگ کرنی ہے..... گاڑی چاہیے“ علیہ نے چائے ختم کرتے ہوئے کہا
”شاپنگ..... کیسی شاپنگ.....؟ تمہاری ضرورت کی ہر چیز تمہارے کمرے اور واٹس روم میں ہے“ کشور نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔
”مجھے کچھ پرسنل چیزیں چاہئیں“ اس نے جواب دیا

”نہیک ہے..... سنی آتا ہے تو اس کے ساتھ چلی جاتا..... ہمارے ہاں خواتین شاپنگ کے لیے گمروں سے اکیلی نہیں جاتیں..... ہمیشہ مردان کے ساتھ ہوتے ہیں..... چاہے وہ گاڑی میں بیٹھے ہوں“ کشور نے قدرے تنبیہ کی سے جواب دیا۔

”آئی..... مجھے نہ تو اپنی پرسنل لائف میں کسی کی اعتراضیں پسند ہے اور نہ ہی شاپنگ میں..... چاہے وہ سنی ہی کیوں نہ ہو“ اس نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا تو کشور حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔

”جینا..... یہ لومیری گاڑی کی چابی“ ناظر علی نے تنگنکو کی تنبیہ کی کو دیکھتے ہوئے جلدی سے اپنی گاڑی کی چابی اس کے حوالے کی

”جھٹک یو..... ڈیڈی کل میری گاڑی بھیج دیں گے“ اس نے چابی پکڑتے ہوئے کہا اور مگر سے باہر نکل گئی۔

”کشور پھٹی پھٹی تھیں ہوں سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہی..... اور پھر ناظر علی کے پاس آگئی۔

”ناظر..... مجھے محسوس ہو رہا ہے۔ ہم پر کوئی بہت بڑی آزمائش آنے والی ہے..... یہ لڑکی اس قدر بے ہاک اور منہ پھٹ ہے..... کہ

میرا قول ہی وہل گیا ہے..... میں تو مطمئن تھی کہ یہ نزہت کی بیٹی ہے۔ اس میں ضرور نزہت جیسی خوبیاں ہوں گی..... مگر.....“ کشور نے اچھائی ٹکڑے
مندی سے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”کشور..... میں بھی کچھ محسوس کر رہا ہوں..... مگر..... اب جو کچھ بھی ہے۔ ہمیں بہت ہمت اور حوصلے سے برداشت کرنا ہے..... ہم پر

بہت بھاری ذمہ داری آن پڑی ہے۔ ہمیں تو روایتی سسرال بننا ہے..... اور نہ ہی روایتی بہن بھائی بن کر دشمنی کا بدلہ اس کی بیٹی سے لینا ہے اور
..... تمہیں تو معلوم ہی ہے۔ بن ماں کی بیٹی تھی..... غدرت نے اس پر بہت ظلم کیے ہیں..... ہو سکتا ہے..... اس میں کچھ سرکشی آئی ہو“ ناظر علی نے
سمجھاتے ہوئے کہا

”ناظر..... میں اس کی کسی بات پر اعتراض نہیں کروں گی لیکن اس کی بے پردگی مجھے پسند نہیں..... ناظر ہمارے خاندان میں کوئی ایسے
کپڑے پہننے کا سوچ بھی نہیں سکتی اور..... آپ نے دیکھا..... میری تو نظریں ہی شرم سے جھکی جا رہی تھیں“ کشور نے پریشانی سے ماتھے پر ہاتھ
مارتے ہوئے کہا

”کشور..... پلیز..... ابھی کسی بات پر اعتراض نہ کرنا۔ ورنہ باتیں ٹکٹا شروع ہو جائیں گی اور زلزلہ بھر ہم پر گرے گا۔ ابھی اسے دیکھتی
رہو..... پھر..... ہم اس سے بات کریں گے“ ناظر علی نے کشور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

”مجھے سہما آپا کے فیصلے پر اسی وقت اعتراض تھا..... ہم نے لڑکی کو نہ دیکھا نہ بھالا..... اور..... یہی سوچ کر کہ دو نزہت کی بیٹی ہے.....
رشتہ کر لیا..... ناظر..... سہما آپا کو یہ خیال نہ آیا کہ اس میں شاکر علی کا بھی خون ہے اور جس نے ہمیں کتنا بے عزت کیا۔“ کشور نے غصے سے کہا۔

”کشور..... اب ان باتوں کو چھوڑو..... اگر ہم ایسی بات کریں تو پھر ہم ہی قصور وار ٹھہریں گے کہ ہم نے اس کو معاف نہ کیا۔

”پلیز..... تم ایسی باتوں کو مت سوچو..... ورنہ رنجشیں بڑھتی جائیں گی اور مسئلے بگڑتے جائیں گے۔ حوصلے اور صبر سے برداشت کرو.....“

ناظر علی نے کشور کو بہت سمجھایا

”کبھی کبھی انسان اچھا کرنے کے چکروں میں اپنے ہی ہاتھوں بھا کر ڈالتا ہے..... ہم تو بڑے پھنسے ہیں“ کشور بڑبڑانے لگی

”برکام کا ہونا یا نہ ہونا اللہ کے اختیار میں ہے۔ انسان اس کی مرضی کے بغیر سانس بھی نہیں لے سکتا تو اسے بڑے فیصلے کس طرح خود کر سکتا

ہے..... انسان تو اس کے فیصلوں پر عمل کرنے والا معمول ہوتا ہے..... اصل عامل تو وہ ہے۔ اس بیٹی کا نصیب پہلے دن سے یہاں لکھا تھا..... سہما آپا
تو خدا کے فیصلے کو عملی شکل دینے والی تھیں.....“ ناظر علی نے کشور کو بھر سمجھایا۔

”شکر ہے..... سب مہمان جا چکے ہیں ورنہ سب کے سامنے بہت شرمندگی اٹھانا پڑتی“ کشور نے لگرمندی سے کہا اور اٹھ کر کمرے

میں چلی گئیں۔ غرا ابھی تک سو رہی تھی..... مگر میں ہر طرف مبرا سکوت چھا گیا تھا۔
علیہہ نگین کے مگر مگر تو وہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی
”تم اتنے دن کہاں رہی ہو؟ اور تمہارا موبائل بھی آف ملا تھا“ نگین نے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا اور اسے اپنے ڈرائیونگ روم میں
لے گئی۔

”میری شادی تھی“ علیہہ نے آہ بھر کر جواب دیا
”شادی..... کم آن علیہہ..... آریو جو ٹنگ (کیا تم مذاق کر رہی ہو) نگین کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔

”یہ سچ ہے.....“ اس نے جواب دیا
”وہاں اسے سر پرانز؟ نگین نے حیرانگی سے کہا
”سر پرانز تو میرے لیے ہے“ اس نے مگر مگر سانس لیتے ہوئے کہا
”اور تم نے بتایا بھی نہیں“
”کوئی اہم بات ہوتی..... تو..... بتاتی.....“

”کم آن علیہہ..... اتنی بڑی غمزہ..... اور تم نے اکیلی ہی سلیپر بیٹ کر لی“ نگین نے فکوکہ کرتے ہوئے کہا۔
”کیسی غمزہ..... اور..... کیسی سلیپریشن؟ اس نے آہ بھر کر کہا۔

”یہ تو بتاؤ..... کس سے شادی کی..... کون ہے وہ؟ نگین نے حیرت سے پوچھا
”مائی کزن..... ڈاکٹر فھلین“ اس نے جواب دیا۔
”امیزنگ..... یہ کہاں سے آگیا“ نگین نے حیرت سے پوچھا۔

”فھلین اور ہم میں پندرہ سالوں سے ناراضگی تھی۔ میں نے اسے بچپن میں دیکھا تھا..... اور..... اب شادی ہو گئی..... ہائلکل اچانک مجھ
سے پوچھے بغیر..... میری رائے جانے بغیر“ اس نے غم آنکھوں سے جواب دیا۔

”کیسے ہیں ڈاکٹر فھلین..... اولیس، جی یا سلمان جیسے یا پھر مختلف؟ نگین نے مسکرا کر شرارتی لہجے میں پوچھا۔
”جی، اولیس اور سلمان سے اچھے..... مگر اسد سے اچھے نہیں“ اس نے دھکی لہجے میں جواب دیا۔
”علیہہ..... وہ اسد جیسے ہو بھی نہیں سکتے۔ دنیا کا کوئی انسان، کب دوسرے جیسا ہوتا ہے؟ نگین نے کہا
”ہاں..... کوئی بھی اسد نہیں ہو سکتا“ اس نے مایوسی سے جواب دیا

”علیہہ..... چھوڑو..... اسد کو..... جی اڑ پٹی وہ ہروائف (وہ اپنی بیوی کے ساتھ خوش ہے) جاتی ہو۔ اسد اور اس کی دائف ڈنر
پر ہمارے گھر آئے تھے۔ اور..... مائی گاڈ..... علیہہ..... آئی کاٹ ٹیل یو..... شی واڈ ٹلکٹ ڈیگٹون.....“ نگین نے ہنستے ہوئے کہا

”بیگم کو؟ کیا مطلب؟“ علیہ نے حیرت سے پوچھا

ناپ ٹو... ٹو (سر سے پاؤں تک) برقعے میں تھی... چہرہ بھی نقاب سے ڈھکا ہوا... سچ... اسے دیکھ کر تو مجھے محسوس ہونے لگی... اور اس نے ڈیڑی کے سامنے بھی نقاب نہیں کھولا... بلکہ... اسد اور ڈیڑی نے علیحدہ کھانا کھایا... میں نے... ممانے اور مومنہ نے... بس... ہر شے ازمومنہ (اس کا نام مومنہ ہے) علیحدہ کھانا کھایا... نکمین نے اسے بتایا

”لیکن... تم تو بیماری تھی کہ وہ بہت خوبصورت ہے“ علیہ نے حیرت سے پوچھا

”بس... شی از... بٹ ویری ریجنڈ مسلم... میں تو حیران ہوں کہ اسد نے کیسے اس سے شادی کر لی۔ اٹ اڑا سے بڑیک (بیابیک معہ ہے)۔ ممانہ اور میں تو انتہائی حیران ہو رہے تھے۔ پھر میں نے اسد سے پوچھا بھی... کہ... ان کی شادی کی کیا ریجنڈ ہے؟ اور جانتی ہو... اسد نے کیا جواب دیا... نکمین نے علیہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا...؟“ علیہ نے بھی حیرت سے پوچھا۔

”کہنے لگا۔ مومنہ میں سب کچھ تھا۔ خوبصورتی و سادگی، معصومیت، شرم و حیا اور گڈ ریپو (اچھی شہرت، نیک نامی) نکمین نے اسے بتایا۔

”کیا اسد کو ایسی لڑکی چاہیے تھی؟ علیہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں... شاید... اسی لیے تو اس نے مومنہ سے شادی کی... ورنہ سو سائٹی ماڈرن اور فیشن پہل لڑکیوں سے بھری ہوئی ہے۔ اور بہت اسپر کرش (فدا) بھی لیکن... لیکن اس نے مومنہ کو چڑ کیا۔ اسے یقیناً ایسی ہی لڑکی کی تلاش ہوگی... جب اسے مل گئی تو اس نے شادی کر لی“ نکمین نے کہا

”کیا لوگی... سافٹ ڈریک یا...؟“ نکمین نے مسکرا کر پوچھا

”اسی لیے تو آئی ہوں... بہت دنوں سے شدید پریشر ہے...“ علیہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو نکمین مسکراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ علیہ کی آنکھیں نم ہونے لگیں... زندگی کیسے کیسے موڑ پر انسان کو لے آتی ہے۔ جب وہ سادہ، گھریلو لڑکی تھی تو ہر کوئی اس کے وجود کو حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔ لڑکے اس کو ناپسند کرتے تھے۔ کالج میں اس پر مختلف ریپارکس پاس کرتے تھے اور کبھی اسے اماں بی کہہ کر چھیڑتے جب وہ چارولے کر کالج جاتی تھی اور کبھی خالہ جان... اس کے اندر کی شرم و حیا کو لوگوں نے بے ہاکی اور بے حیائی میں بدل دیا تھا۔ وہ اتنے مضبوط اعصاب کی نہیں تھی کہ اپنی اخلاقی قدروں کی خود حفاظت کرتی اور نہ ہی اس کے اندر والدین سے ملنے والی اخلاقیات کی جڑیں اتنی مضبوط تھیں کہ وہ ایسے تند و تیز مجھگوں کا مقابلہ کر سکتی... جس سمت سے بھاؤ آتا... وہ... اس کے ساتھ پہنچے لگتی... اس نے کالج کے لڑکے کے لڑکیوں کے ریپارکس سے تنگ آ کر اپنا حلیہ بدل لیا اور نکمین ملی تو اس نے ہاف سیلوز کی بجائے سیلوز اور فیکل کی بجائے ”منی شرفس“ پہننا شروع کر دیں۔ ہال کٹ گئے... جسم عریاں ہونے لگا... اور اب اسے یہ جان کر تاسف ہونے لگا کہ اسد کی چوٹس کیا تھی۔ اگر وہ اسے اس حلیے میں ملتی تو شاید وہ اسے ٹل جاتا... جس سے نہ ملنے کا قلق اسے ہر لمحہ اذیت دیتا تھا۔ جسے وہ بھلا نہیں پاری تھی۔ جو اپنی زندگی میں خوش اور مطمئن تھا... مگر اس کی زندگی کو بے سکون کر رہا

تھا..... آنسو اس کی آنکھوں سے گر کر صوفے کی پشت میں جذب ہونے لگے جس کے ساتھ دوسرے نائے نیم دراز تھی۔ تین دوپگ بنا کر لائی اور دونوں نے مسکرا کر جام پینے شروع کر دیے۔

شام ہو رہی تھی جب علیہ گھر لوٹی۔ اس کے ہاتھ میں ایک بہت بڑے امپوریم کا براڈڈ شاٹنگ بیک تھا۔ ڈاکٹر ثقلین گھر آچکے تھے اور لاؤنج میں صوفے پر خاموش بیٹھے تھے۔ ناظر علی اور کشور بھی بہت خاموش تھے..... کشور اور ناظر علی۔ علیہ کے بارے میں کوئی ایسی دلی بات کر کے انکو کچھ مت جھنجھٹیں کرنا چاہ رہے تھے..... اس لیے دو جو کچھ پوچھتے۔ اس کا جواب دے کر خاموش ہو جاتے۔ علیہ پورے صوفے کے ساتھ محو سیر میاں چڑھتی ہوئی اپنے کمرے میں چلی گئی اس نے اندر آنے کی زحمت گوارا نہ کی تھی۔ نہ گھر والوں کو اپنے آنے کی اطلاع دی۔ اور نہ ہی ان کی طرف دیکھنے کی کوشش کی۔

”کیا علیہ اسی ڈریس میں باہر گئی تھی؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا تو کشور نے ناظر علی کی طرف اک تک دیکھتے ہوئے منہ پھیر لیا اور دونوں خاموشی سے ٹی وی دیکھنے لگے۔

ڈاکٹر ثقلین اٹھ کر بیڈ روم میں آئے۔ علیہ وارڈ روب کے خفیہ خانے میں کوئی چیز چھپا رہی تھی۔ ڈاکٹر ثقلین کو دیکھ کر اس نے گھبرا کر فوراً وارڈ روب بند کی۔

”علیہ..... آپ کہاں گئی تھیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے طامعہ سے صوفے پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔

”شاٹنگ کرنے.....“ اس نے جواب دیا اور سامنے رکھے صوفے پر بیٹھ گئی اور نظریں چراتے ہوئے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”علیہ..... قدرت نے ہمیں ملایا ہے..... اور..... ہمیں اس ساتھ کو نبھانے کی کوشش کرنی چاہیے“ ڈاکٹر ثقلین نے سمجھانے کا انداز میں کہا۔

”یس..... آئی..... تھنک سو (ہاں۔ میں بھی ایسا سوچتی ہوں) اور وہ اٹھ کر ڈاکٹر ثقلین کے قریب آگئی۔ ڈاکٹر ثقلین نے چمک کر اس کی

مدھوش آنکھوں، کپکپاتے ہوئے اور سرخوش جسم کو حیرت سے دیکھا۔ اس کے دل میں دوسرے سا پیدا ہوا

”آئی ایم سوری“ علیہ نے ان کا ہاتھ پکڑا اور ان کے قریب آگئی اور ان کے شانے پر سر رکھ دیا۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کے منہ سے سخی محسوس

ہوئی۔ انہوں نے ایک جھٹکے سے اسے پیچھے کیا اور کھڑے ہو گئے۔

”آپ نے ڈریک کی ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے غصے سے پوچھا۔

”سب کرتے ہیں.....“ اور وہ ٹکڑا کرتے وجود کے ساتھ اٹھ کھڑی ہوئی اور ڈاکٹر ثقلین کے سینے کے ساتھ لگ گئی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس سے

کراہت سی محسوس ہونے لگی۔

”میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ آپ اس حد تک.....“ ڈاکٹر ثقلین نے اسے پیچھے ہٹاتے ہوئے کہا مگر وہ اس لمحے ان کے لیے بہت

پوزیشن ہو رہی تھی۔

”سب اسی طرح دہکارتے ہیں“ اور وہ بیڈ پر بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی۔

اس کی بات سن کر ڈاکٹر ثقلین کا دل بھرا آیا۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔“ انہوں نے بیڈ پر اس کے قریب بیٹھ کر اسے کے کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے قدرے نرمی سے کہا۔

”علیحدہ۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ چپ ہو جاؤ“ ڈاکٹر ثقلین نے بھر کہا۔

علیحدہ نے ان کی طرف غم آنکھوں سے دیکھا اور پھر ان کے گلے لگ کر رونے لگی اور وہ کراہت و محبت کے ملے جلے جذبات کے ساتھ اس کا سر سہلانے لگے۔

”اس کو مجھ جیسی ہی چاہیے تھی۔۔۔۔۔ ہمیں میں پہلی تھی۔۔۔۔۔ ویسی نہیں۔۔۔۔۔ جو۔۔۔۔۔ میں اب ہوں“ وہ آہستہ آہستہ بڑبڑاتی رہی۔

ڈاکٹر ثقلین حیرت اور توجہ کے ساتھ اس کی باتیں سنتے رہے۔ مگر اس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا کیونکہ وہ اس وقت نشے میں تھی۔

علیحدہ نشے میں قدرے جذباتی ہو رہی تھی اور اپنی محبت بھرپور انداز میں ڈاکٹر ثقلین پر نچھاور کر رہی تھی مگر اب انہیں اس کی محبت کی نہ طلب تھی

نہ ضرورت۔۔۔۔۔ نہ خواہش نہ تنہا۔۔۔۔۔ وہ اس سے ہزار ہا دور ہے تھے۔ انہوں نے اسے نیم مہوشی کے عالم میں بیڈ پر لٹایا اور آہ بھر کر اسے دیکھنے لگے۔ وارڈ

رو ب سے چاند ریس نکالنے کے لیے اسے کھولا تو خفیہ خانے پر نظر پڑی۔ اسے کھول کر دیکھا تو اس میں دسکی، ویئر اور شیمپین کی بوتلیں تھیں۔

”اوہ۔۔۔۔۔ ایلی کاڈ“ ڈاکٹر ثقلین دیکھ کر بڑبڑائے۔ دو حواس باختہ ہونے لگے۔ ان کے ہاتھ پاؤں اور چہرے پر پشیمانی نے نگاہان کا دل

شدید دکھ و غم کے جذبات سے بھرنے لگا۔ وہ اسٹڈی روم میں آئے اور بیڈ پر نیم دراز ہو گئے۔ ان کی آنکھیں بار بار غم ہو رہی تھیں۔ دل اس قدر

مضطرب ہو رہا تھا کہ جیسے پھٹنے کو بے تاب ہو۔ ایسی بے قراری، بے چینی اور اضطراب انہوں نے اس سے قبل کبھی محسوس نہیں کیا تھا۔ وہ کبھی اٹھ کر

بیڈ پر بیٹھتے۔ مٹھیاں بچھ کر بیڈ پر کئے مارے۔ تو کبھی مضطرب ہو کر کمرے کے چکر لگانے شروع کر دیتے انہوں نے ابھی تک عشاء کی نماز نہیں پڑھی

تھی۔ وضو کر کے وہ جا نماز پر کھڑے ہو گئے اور جیسے ہی اَللّٰہُ اَکْبَرُ پڑھا تو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ رکوع و کھرو میں جاتے

ہوئے ان کی آنکھوں سے آنسوؤں بہنے لگتے جیسے ساری رکاوٹیں توڑ کر جہنم کی صورت میں برس رہے ہوں اور جیسے ہی دعا کے لیے انہوں نے

ہاتھ بلند کیے تو آنسوؤں کی روانی میں اور شدت آگئی۔

”یا اللہ! تو نے مجھے کس کٹھن راستے پر ڈال دیا ہے۔۔۔۔۔ میں نے ایسے راستے کی تمنا تو نہیں کی تھی۔۔۔۔۔ مجھے معلوم نہیں تھا کہ میری زندگی کا

یہ انتہائی اہم موڑ مجھے کسی گہری کھائی کی طرف لے جائے گا۔۔۔۔۔ مجھے اپنی زندگی تاریکیوں میں گم ہوتی نظر آ رہی ہے۔ کیا تو میری اتنی سخت آزمائش

کرنا چاہتا ہے۔۔۔۔۔ مجھے ایسا دکھ۔۔۔۔۔ ایسا غم و ربا ہے کہ میں کسی سے اس کا اظہار بھی نہیں کر سکتا ہوں۔۔۔۔۔ یہ غم میرے دل اور میری روح کو کس کس

طرح بے قرار کر رہا ہے۔۔۔۔۔ تو سب جانتا ہے۔۔۔۔۔ میں کیسے اس آزمائش سے نجات پاؤں۔۔۔۔۔ میں کیسے اس بلی صراط پر چل پاؤں گا۔۔۔۔۔؟ کیسے اپنے

آپ کو مضبوط اور ثابت قدم رکھ پاؤں گا۔۔۔۔۔؟ مجھے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ میرے اس غم کو صرف تو جانتا ہے اور مجھے اس غم سے نجات دینے والا بھی

صرف تو ہے۔۔۔۔۔ وہ ہاتھوں کو اپنے چہرے پر رکھے زور زور سے سسکیاں بھرنے لگے۔ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ مگر نہ دل کا بوجھ ہٹا ہوا تھا

اور نہ ہی آنسوؤں غم رہے تھے۔۔۔۔۔ اور بے قراری بدھتی چلی جا رہی تھی۔ رات گزر رہی تھی یا ختم ہوئی تھی۔ انہیں کچھ احساس نہ تھا۔ فجر کی اذانیں شروع

ہو گئیں۔ آہادی کی تمام مسجدوں سے سٹوڈن بلند آواز میں پکار رہے تھے

حیٰ علی الفلاح

فلاح کی طرف آؤ۔۔۔۔۔

فلاح کی طرف۔۔۔۔۔

’فلاح‘ کا خورہ بج رہا تھا اور لوگ اس سے بے خبر اپنی اپنی زندگیوں میں مست اپنی خواب گاہوں میں بے خبر سو رہے تھے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ جو جاگ رہے تھے۔۔۔۔۔ جو بیدار تھے۔۔۔۔۔ جو ’فلاح‘ کی طرف دوڑنے کے لیے بے تاب تھے۔۔۔۔۔ ان کے لیے ’فلاح‘ کا راستہ بہت دشوار اور بہت کٹھن اور بہت صبر آزما ہو رہا تھا۔ ان کی بہتیں ٹوٹ رہیں تھیں۔۔۔۔۔ جو صلے شکستہ ہو رہے تھے اور دل بہت بے قرار ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ مگر قدرت ان پر مہربان تھی جو اتنی مشکلات کے باوجود بھی ’فلاح‘ کے اس غدارے کو سن کر اس کی جانب متوجہ رہے تھے۔۔۔۔۔ کوئی قوت ان کے ٹوٹے دلوں کی ڈھارس بندھا رہی تھی۔۔۔۔۔ اور وہ خود بخود فلاح کے اس راستے پر چلنے کے لئے ہمت، مہر اور امید کی دعائیں مانگ رہے تھے۔

یا اللہ! مجھے ہمت دے۔۔۔۔۔

یا اللہ! میرا ساتھ دے۔۔۔۔۔

یا اللہ! اپنے نور سے میرے ایمان کو منور کر۔۔۔۔۔

یا اللہ! مجھے ثابت قدم رکھ۔

یا اللہ! مجھ کو تیرا آخرت میں ’فلاح‘ کے راستے پر چلا۔۔۔۔۔ اور مجھ سے وابستہ لوگوں کو بھی اس ’فلاح‘ کا شعور دے۔

یا اللہ! انہیں ہدایت دے۔ (آمین)

نہ چہرے پر ہاتھ رکھ کر وہ گڑ گڑا کر خدا کے حضور دعائیں کرتے رہے۔

☆

کاشف تندوری چرخہ، نان، دس ملائیاں اور فروٹ کے بہت سے لفافے لے کر آیا تھا۔ آموں کا موسم کیا آیا تھا۔ ہر دوسرے تیسرے روز مجھے آموں کی بینیاں دو گھر لاتا تھا۔ ان کے گھر میں یہ طریقہ تھا کہ ہر روز رات کو خوب پھل فروٹ کھاتے، پھر سونے سے پہلے دو دو جلیبییاں، کبھی دو دو سوڑا تو کبھی نیم گرم دو دوہ میں ہادام ڈال کر پیتے۔ زائدہ کو تو اتنا کچھ کھائے بغیر نیند ہی نہیں آتی تھی اور کاشف کی بھی یہی عادت تھی۔ سدرہ حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہتی۔ سارا دن چٹ پٹے اور زیادہ تر مرغین کھانے پنانے میں گزر جاتا۔ رات کو پھر خوب کھاپی کر سوتے۔ ہر روز گھر میں کبھی بکرے کا گوشت پکنا یا مرغی بھونی جاتی۔ شام کو اکثر پھل فرائی ہوتی۔ کاشف کھانے پینے کا بہت شوقین تھا۔ دفتر سے گھر لوٹتا تو ہر روز اس کے ہاتھوں میں کھانے پینے کی چیزوں کے بڑے بڑے لفافے ہوتے۔۔۔۔۔ اور سدرہ اکثر ان لفافوں کو دیکھ کر سوچوں میں گم ہو جاتی۔ اس کی ماں بھی شام کو جب گھر لوٹتی تھی تو اس کے ہاتھوں میں شاہجگ بیگن ہوتے۔۔۔۔۔ مگر۔۔۔۔۔ ان میں بچے کچھ کھانے ہوتے تھے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب قدرت اس پر مہربان تھی کیسے

سارا منظر بدل گیا تھا۔ اتنی نعمتیں اس کو مل رہی تھیں کہ اس کا سہاگہ بھرنے لگا تھا۔ وہ کھانے پینے کی زیادہ شوقین نہیں تھی کاشف کا ساتھ دینے کے لیے اسے کھانا پڑتا۔ کاشف کے ہاں ہاں اصرار پر زیادہ خطرہ جملہ چھوڑتی۔

”اس نے بھی اتنا کچھ کھایا نہیں نا۔ اس لیے اسے عادت نہیں“ زاہدہ کے ایسے طریقے حملوں پر وہ اکثر کھلا جاتی مگر کاشف اسے خاموش رہنے کو کہتا۔۔۔۔۔ کاشف نے بہت حد تک زاہدہ کو کنٹرول میں رکھا تھا۔ وہ اسے منع کرتا رہتا کہ وہ سدرہ سے کوئی بات نہ کیا کرے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ زاہدہ بہت مشکل سے اپنی زبان پر تھوڑی بھرتی کر رہا ہے بکا ہے وہ اپنے دل کی بجز اس کسی نہ کسی طرح نکال ہی لیتی۔

سدرہ کو جب سے رشیدہ نے کھری کھری سنا کر مگر سے لگایا تھا اور اسے واضح الفاظ میں کہہ دیا تھا کہ اسے ان کے گھر آنے کی ضرورت نہیں۔ جب سے سدرہ بہت اداں اور چپ چاپ رہتی۔ کاشف اس کی خاموشی کی وجہ جانتا تھا اور وہ اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا وہ ویسے بھی اس کی صحت اور خوشی کا بہت خیال رکھتا تھا جب سے ڈاکٹر نے اسے خوش خبری سنائی تھی کہ وہ باپ بننے والا ہے۔ خوشی سے اس کے قدم زمین پر نہ کھٹکتے تھے وہ ہر وقت اس کی آؤ بھگت میں مصروف رہتا۔ اس کو خود بچل کاٹ کاٹ کر کھلاتا۔ زاہدہ کا رویہ بھی تھوڑا سا بدل گیا تھا۔ کھانے پینے کی چیزوں کے لحافوں میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔ اس کے بیک کی سائینڈ نیٹل پر ہر وقت پھلوں کی باسکٹ بھری ہوئی ملتی۔ اور جب وہ شام کو اور بچل لے کر آتا تو پہلے پڑے پھلوں کو ویسے کا ویسا دیکھ کر خفا ہوتا۔

”سدرہ۔۔۔۔۔ مجھے تمہاری صحت کی بہت فکر ہے۔ ڈاکٹر بچی تھی کہ تم میں خون کی بہت کمی ہے۔ اس لیے بچل زیادہ کھایا کرو۔۔۔۔۔ اپنی صحت کا خیال رکھا کرو“ وہ محبت بھرے لہجے میں اسے کہتا

”کھاتی تو ہوں۔۔۔۔۔ جتنا کھا سکتی ہوں“ وہ آہستہ میں کہتی

”کب کھاتی ہو۔۔۔۔۔ آئیے میں اپنا چہرہ دیکھو۔۔۔۔۔ رنگت کیسی پیلی ہو رہی ہے۔ ذرا سا بھی فرق نہیں آ رہا“ کاشف غصے سے کہتا

”ارے بیٹا۔۔۔۔۔ برسوں کی کمی دو چار دن میں تو نہیں جاتی نا“ زاہدہ کاشف کے اتنے اصرار سے چڑک رہا ہر سے آواز لگاتی تو سدرہ خاموشی سے کاشف کی طرف دیکھنے لگتی۔

”تم اماں کی باتوں کو دل سے نہ لگایا کرو۔۔۔۔۔ بیان کی عادت ہے۔۔۔۔۔“ کاشف اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتا تو وہ خاموش ہو جاتی۔

وہ کاشف کو پا کر بہت خوش تھی اور کاشف اسے پا کر۔۔۔۔۔ کاشف اسے دل و جان سے چاہتا تھا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ وہ اسے۔۔۔۔۔ کاشف کی محبت نے اسے اپنی ہی نظروں میں بہت پر اعتماد اور معتبر بنا دیا تھا اور نہ اماں کے ہاتھوں ہر روز ذلیل ہو کر اس کے اندر احساس کمتری پیدا ہونے لگا تھا۔

”سدرہ جلدی سے آؤ۔ بڑا مہرے دار گرما گرم تندوری چرغ لایا ہوں۔۔۔۔۔“ کاشف نے کہن میں کام کرتی سدرہ کو آواز دی۔ کاشف لاؤنج میں رکھی ٹیبل پر شاؤنگ بیگن رکھتے ہوئے بولا۔

”اتنے مرغ مسلم نہ کھلایا کرو۔۔۔۔۔ اسے کون سا کھلایا گیا لگتا ہے۔ خواہ خواہ میں اتنے پیسے خرچ کر دیتے ہوں“ پاس بیٹھی زاہدہ نے ناک چڑھا کر کہا۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤزنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

"اہاں..... ڈاکٹر کتنی ہے اس کی خوراک کا خاص خیال رکھو..... خون کی بہت کمی ہے۔ بچے کی صحت کو خطرہ ہے" کاشف نے کہا
 "ارے..... رہے بھی دو..... آج کل کی ڈاکٹروں کے چو نچلے..... ہمارے زمانے میں مائیں تو روکھی سوکھی کھا کر درجنوں بچے پیدا کرتی
 تھیں اور وہ بھی صحت مند..... آج کل غریب زیادہ اور بچے دیکھو..... یوں جیسے مر رہے....." زاہدہ نے منہ بنا کر قدرے نخوت سے کہا۔
 سدرہ ہاتھ صاف کرتی ہوئی کچن میں سے آئی۔

"سدرہ یہ پلیٹوں میں ڈال کر لاؤ۔ بڑے مزے کا تھوڑی چرغہ ہے اور یہ دس ملائیاں بھی ہیں اور یہ چلوں کے لفافے بھی کچن میں لے
 جاؤ" کاشف نے اسے کہا تو وہ سارے لفافے اٹھا کر لے گئی۔

"اپنے اپنے نصیب ہیں نا..... میری بچیوں کو تو اس گھر میں کبھی ڈھنگ سے کھانا نصیب نہ ہوتا تھا..... تمہارے بابا کی تنخواہ ہی اتنی کم تھی۔
 مشکل سے گھر کا خرچہ پورا ہوتا اور بچیاں اپنے اپنے سرسراں گئیں تو وہاں بھی ایسے ہی حالات ملے..... اور..... اس کو دیکھو..... میکے میں شاید پوری
 روٹی بھی کھانے کو نہ ملتی ہو..... اور..... یہاں چرغے..... پھل..... اور دس ملائیاں..... واہ وی قسمت! زاہدہ نے کاشف کا اعتبار کیا تو کاشف
 خاموشی سے سن رہا۔

سدرہ پلیٹوں میں سب کچھ ڈال کر لے آئی۔

"خوشبو تو بہت اچھی ہے..... لگتا ہے چرغے کو خوب مزہ ارمضالہ لگایا ہے" کاشف منہ میں پانی بھر کر بولا۔

"ہاں..... اچھی خوشبو آ رہی ہے" سدرہ نے جواب دیا۔

"اہاں..... پہلے تم ڈالو....." کاشف نے ماں کے آگے پلیٹ کرتے ہوئے کہا تو زاہدہ نے جلدی سے اپنی پلیٹ بھر لی۔

"سدرہ..... تم بھی ڈالو....." کاشف نے کہا۔

"نہیں..... آپ ڈالیں"

"لگتا ہے مجھے خود ہی تمہیں کھانا پڑے گا..... اور تم نے میرے ساتھ میری پلیٹ میں سے کھانا ہے..... تاکہ میری نظروں کے سامنے تم
 سب کچھ کھاؤ....." کاشف نے محبت سے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو دھڑا کر مسکرانے لگی۔

ابھی کاشف نے پہلا نوالہ توڑا ہی تھا کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔

"انور..... اب یہ کس کا فون آگیا؟ وہ مجھ بھلا کر بولا۔

گھر میں ایک دم شینا گیا اور موبائل لے کر کمرے میں چلا گیا۔ سدرہ حیرت اور پریشانی سے کمرے کی جانب دیکھتی رہی جبکہ زاہدہ
 حیرے لے لے کر کھاتی رہی۔

کاشف جلدی سے کمرے سے باہر نکلا اور اس کے چہرے پر پریشانی اور گھبراہٹ کے تاثرات تھے۔ اس نے موبائل جیب میں ڈالا اور
 موبائل کی چابی اٹھا کر باہر جانے لگا۔

”کاشف..... آپ کہاں جا رہے ہیں.....؟ پہلے کھانا تو کھائیں.....“ سدروہ نے اس کے پیچھے جا کر پریشانی سے کہا۔
 ”بہت ارجنٹ کال ہے..... میرا جانا بہت ضروری ہے“ کاشف نے کہا اور سدروہ کی بات سننے بغیر وہاں سے چلا گیا۔
 سدروہ پریشانی سے کھانے کی جانب دیکھتی رہی۔

”واپڈا کی نوکری میں یہی برائی ہے..... لندن دیکھتے ہیں..... ندرات..... گھروں سے ملازموں کو بلاتے ہیں..... کہ کبھی ٹرانسپارمر جمل
 گیا ہے..... تو کبھی شارٹ سرکٹ ہو گیا ہے..... اتنا کام اور تنخواہ دیکھو..... صرف نو..... دس ہزار..... انہیں ذرا بھی خدا کا خوف نہیں.....“ زادہ نے
 چکن کی بوٹیاں کھاتے ہوئے کہا تو سدروہ نے چونک کر زادہ کی جانب دیکھا..... کوئی چیز چھانکے سے اس کے اندر ٹوٹی.....
 ”کتنی تنخواہ.....؟ وہ بے خیالی میں پوچھ رہی۔

سرف..... نو..... دس ہزار..... وہ بھی ابھی بڑی ہے۔ پہلے تو پانچ چھ ہزار تھی۔“ زادہ نے ٹیگ نہیں کی ہڈی چباتے ہوئے کہا۔
 سدروہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔ کبھی وہ نیپل پر پڑے کھانوں کو دیکھتی..... کبھی گھر کے دروازے پر کھڑی اور کبھی زادہ کی طرف حیرت
 بھری نگاہوں سے.....

اس کی ماں دن بھر کام کر کے پانچ ہزار کماتی تھی۔ وہ کڑھائی اور نیشن پڑھنا کے بعد چار پانچ ہزار کماتی تھی جو مل ملا کر نو دس ہزار بنتے تھے
 اور اس میں نہ دوپہر کا کھانا، نہ شام کا کھانا، نہ رات کا..... صرف ناشتہ ہوتا تھا اور پھر بھی وہ کتنی تنگدستی سے گزارہ کرتے تھے..... اور کاشف کی تنخواہ میں اتنی
 عیاشی.....؟ اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

اور اسے خود ایک بار بھی خیال نہ آیا کہ وہ کبھی کاشف سے اس کی تنخواہ کے بارے میں پوچھے..... اسے تو پورا یقین تھا کہ کاشف جیسا اچھا
 انسان کبھی رزق حرام نہیں کما سکتا..... اور.....؟ اس کا دماغ پھٹنے لگا۔ وہ اماں سے ہر وقت اسی بات پر الجھتی رہتی تھی۔ اس نے ان کے ساتھ کھانا پینا
 چھوڑ دیا تھا اور شاید اب پھر قدرت اس کو آزمائے جا رہی تھی۔ انسان جس چیز کے بارے میں زیادہ سوچتا ہے۔ جس کے کرنے سے زیادہ ڈرتا ہے۔
 نبھانے وہی چیز کیوں آزمائش بن کر سامنے آ جاتی ہے۔ نبھانے کب اور کیسے ذہن حرام اور طلال کی الجھن میں پڑ گیا تھا اور وہ جب سے اس بات کے
 بارے میں بہت کوششیں رہتی۔

”اس کی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے..... کاشف..... اگر تم حرام کھاتے ہو..... تو..... تم نے میرے ساتھ بہت ظلم کیا ہے..... تمہیں
 میری صحت کی بہت فکر ہے اور اپنے ہونے والے بچے کی ذرا بھی فکر نہیں جس کی پرورش تم حرام کی کمائی سے کر رہے ہو“ آنسو لہلہ کر اس کی آنکھوں
 میں آ رہے تھے۔

”نہیں..... میں..... ایسا نہیں ہونے دوں گی..... میں تمہیں حرام نہیں کمانے دوں گی چاہے کچھ ہو جائے..... شاید اسی لیے میرے لئے
 یہ عزیار اور چٹ پٹے کھانے لاتے ہو..... اور..... کچھ بھی کھانے کو ملی نہیں چاہتا تھا..... شاید قدرت مجھے اس سے بچانا چاہتی تھی..... اور..... آج
 بھی میرے مطلق سے ایک لوا ابھی نیچے نہیں اتر..... اور..... حقیقت کھل کر سامنے آ گئی ہے۔

تھوڑی دیر بعد کاشف گھر آیا تو وہ قدرے مطمئن تھا..... آج ہی اس نے پھر شور مچانا شروع کر دیا۔ زاہدہ اپنے کمرے میں جا چکی تھی۔
 سدرہ..... یعنی..... سدرہ کہاں ہو.....؟ ہاں آؤ کھانا کھاتے ہیں؟ کاشف نے اسے لاؤنچ میں سے آوازیں دیں۔ سدرہ کو کچھ میں نہیں آ
 رہا تھا۔ کیسے اسے انکار کرے..... اگر اس نے کوئی ایسی بات کہہ دی تو کاشف کا دل بچھ جائے گا..... مگر وہ اسے بھی کیسے حرام کھانا ہوا دیکھ سکتی تھی۔ وہ
 عجیب جیسے میں پڑ گئی..... ”کیا کروں..... یا اللہ! میری مدد کر“ اس نے دل میں دعا کی اور دروازے سے باہر قدموں کی چاپ سن کر فوراً بستر میں
 گھس گئی اور جان بوجھ کر آنکھیں بند کر لیں۔ کاشف نے دروازہ کھولا اور آہستہ آواز میں اسے پکارا مگر اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

”اڑ..... ہو..... یہ تو سو گئی..... ناٹم بھی تو بہت ہو گیا ہے نا“ وہ آہستہ سے بڑبڑاتا ہوا دروازہ بند کر کے چلا گیا۔

سدرہ نے شکر ادا کیا مگر وہ بہت مضطرب رہی..... تھوڑی دیر بعد کاشف آیا اس نے ایک دو پارے آوازیں دیں مگر اس نے کوئی جواب
 نہ دیا۔ وہ بھی سو گیا۔ سدرہ سناڑی رات آنکھیں بند کیے جاتی رہی۔ ایک لمحے کے لیے بھی اس کا دماغ سو نہ سکا۔ اتنی باتیں..... اتنی سوچیں..... اتنے
 ٹکرات..... ماضی کی باتیں..... حال کے واقعات..... مستقبل کے اندیشے..... وہ اس قدر پریشان ہو رہی تھی کہ ایک لمحے کے لیے بھی اسے نیند نہیں
 آرہی تھی۔ کاشف کا کچھل باریک ایک فون کال پر گھبرا کر گھر سے چلے جانا اور آج رات بھی..... یہ سب کیا ہے.....؟ کاشف کیا کرتا ہے.....؟ اتنی
 عیشیں تو کوئی اعلیٰ عہدے پر فائز کوئی افسر ہی کر سکتا ہے ایک عام میٹرک پاس لائن میں کیسے یہ سب کچھ انورڈ کر سکتا ہے..... مجھے پہلے ہی کاشف سے
 پوچھنا چاہیے تھا..... ماضی کی وہاں تک تو ان لوگوں کے حالات بہت خراب تھے..... نہ گھر کی حالت اچھی تھی اور نہ ہی کھانا پینا..... اور..... کیسے
 سب کچھ بدل گیا..... جیسے ہی کاشف نے نوکری شروع کی..... ان کی زندگی ہی بدل گئی..... گھر بدل گیا..... رہن بہن بدل گیا..... وہ خود بدل گئے۔

سدرہ نے اٹھ کر فجر کی نماز ادا کی اور خدا سے گزارش کر دیا کہ اس کی آنے والی زندگی کو فتح آزمائشوں سے بچالے۔ اب
 اسے آزمائشوں اور مصائب میں گھرنا بہت مشکل لگ رہا تھا۔ بچپن سے جوانی تک اس نے ایک ایک لمحہ لڑائیوں میں کاٹا تھا۔ شادی کے بعد صرف
 چند ماہ خوشی اور سکون کے میسر آئے تھے۔ جنہوں نے اس کے گھمے ہوئے اعصاب کو قدرے سکون دیا تھا..... اور اسے احساس دلایا تھا کہ پرسکون
 زندگی کتنی بڑی نعمت ہے مگر یہ سکون بہت عارضی ثابت ہو رہا تھا..... اس سکون کے پیچھے کتنا تکلیف دہ اضطراب تھا۔ اس کا علم ہی نہ تھا۔ وہ لاعلمی
 میں جس کو سکون سمجھ رہی تھی۔ وہ حقیقت میں سکون نہیں تھا۔ اگر وہ سکون ہوتا تو وہ اتنا مضطرب اور بے چین نہ ہوتی..... وہ خدا کے حضور رو کر
 دعائیں کرتی رہی۔

کاشف صبح بیدار ہوا تو سدرہ کچن میں اس کے لئے ناشتہ بنا رہی تھی۔ اس کی آنکھیں سوچی ہوئیں اور چہرہ بہت اداس تھا۔ وہ مسلسل
 خاموش تھی۔ کاشف اس کی طرف بغور دیکھتا رہا۔

”سدرہ..... کیا بات ہے..... تمہاری طبیعت تو ٹھیک ہے..... تم نے رات کو کچھ بھی نہیں کھایا تھا..... پھر میں نے بھی نہیں کھایا..... سب
 کچھ فریج میں رکھ دیا ہے“ کاشف نے چائے پیٹے ہوئے کہا
 سدرہ خاموشی سے سنتی رہی..... اور..... کوئی جواب نہ دیا۔

”کیا بات ہے..... کیا مجھ سے ناراض ہو.....؟ کاشف نے تشویش بھرے لہجے میں پوچھا

سدرہ خاموش رہی اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا۔ کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”سدرہ..... میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں..... مجھے کچھ بتاؤ تو سہی“ کاشف نے قدرے غلطی سے کہا تو سدرہ کی آنکھوں سے آنسو گر پڑے

”یہ آنسو.....؟ کاشف نے انتہائی حیرت سے اس کے آنسوؤں کو اپنی انگلی کی پور سے چھوتے ہوئے کہا۔

”تم..... کس بات پر اتنی پریشان ہو رہی ہو.....؟ میرا خیال ہے۔ جب میں رات کو گیا تھا..... تم بالکل ٹھیک تھیں..... پھر کیا ہوا.....؟ کیا

اماں نے کوئی بات کہی ہے؟“ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں.....“ سدرہ نے غلطی میں جواب دیا۔

”پھر..... کیا بات ہے.....؟“ کاشف نے پوچھا۔

”آپ آفس سے آئیں گے تو بات کروں گی“ سدرہ نے جواب دیا۔

”اور..... آفس میں..... میرا یہ وقت کیسے گزرے گا..... کیا تم جانتی ہو؟“ کاشف نے محبت سے پوچھا۔

”یہ آپ کے آفس جانے کا دم ہے..... اور..... میں اس وقت کوئی بات نہیں کرنا چاہتی“ سدرہ نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے..... لیکن..... آج میرا دن بہت برا گزرے گا..... سدرہ تم جانتی نہیں..... میں تم سے سچی محبت کرتا ہوں اور تمہاری آنکھوں

میں آنسو اور چہرے پر ادا سی مجھے کٹا پریشان کرتی ہے..... تم اس کا اندازہ نہیں کر سکتی“ کاشف نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو

سدرہ نے ذہنی مسکراہٹ کے ساتھ اس کی جانب دیکھا کاشف آفس چلا گیا اور وہ سارا دن سوچوں میں گم رہی..... وہ کیا کرے..... کیا نہ کرے؟ کس

طرح کاشف سے بات کرے..... ان کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ سارا وقت اپنی سوچوں میں گم رہی رات کو کاشف آیا تو بہت تھکا ہوا تھا مگر اس نے

آتے ہی سدرہ کے اواس چہرے کی جانب دیکھا۔

”آج میں بھی دن بھر بہت پریشان رہا ہوں..... ادھر بیٹھو میرے پاس تم کیا سوچتی رہتی ہو..... جو..... اس قدر پریشان رہتی ہو..... اور

مجھے بھی پریشان کرتی ہو“ کاشف نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

”پہلے آپ منہ باجمہ دھو کر کھانا کھالیں..... میں پھر بات کروں گی“ سدرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”سدرہ..... کیا تم سوچ سکتی ہو کہ میں نے آج ایک ایک منٹ کیسے گزارا..... لیکن..... میں کھانا کیسے کھا سکتا ہوں؟“ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”بات بہت تفصیل طلب ہے..... اس لیے پہلے آپ کھانا کھالیں“

سدرہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف نے آہ بھر کر اس کی جانب دیکھا اور دواش روم میں چلا گیا۔

تھوڑی دیر بعد سدرہ دُڑے میں کھانا لے کر آئی اور اس کے سامنے ٹیبل پر کھانا رکھا۔

”تم بھی تو کھاؤ نا..... تمہارا چہرہ بتا رہا ہے آج تم نے دن بھر کچھ نہیں کھایا“ کاشف نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے بھوک نہیں..... آپ کھا بیٹے..... میں مامی کو کھانا دے کر آتی ہوں“ سدرہ جان بوجھ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔
کاشف کھانے میں مصروف ہو گیا۔

”سدرہ برتن لے جاؤ“ کاشف نے اسے آواز دی اور وہ آکر برتن لے جانے لگی تو کاشف اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”سنو..... جلدی دالیں آنا..... اب مجھ سے مزید انتظار نہیں ہو رہا“ کاشف نے کہا تو وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

کاشف گہری سوچ میں گم تھا۔ آخر سدرہ کس بات پر پریشان ہے اور مجھ سے کیا بات تفصیل میں کرنا چاہتی ہے..... اس میں اور اماں میں ایسا کوئی جھگڑا بھی نہیں ہوا ہے..... اور..... اگر ہو بھی جائے تو سدرہ نے کبھی مجھ سے ماں کے بارے میں شکایت نہیں کی..... تو..... پھر کیا بات ہو سکتی ہے؟ وہ گہری سوچ میں پڑ گیا۔ سدرہ کمرے میں آئی تو کاشف نے استفسار کیا ہوں سے اس کی جانب دیکھا۔

”ہاں..... اب بتاؤ..... کس بات نے تمہیں اس قدر زیادہ پریشان کر رکھا ہے“ کاشف نے اس کی طرف بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”کاشف..... آپ کی تنخواہ کتنی ہے؟ سدرہ نے انتہائی سنجیدگی سے سوال کیا۔

”کیوں.....؟ کاشف ایک دم ہڑبڑا گیا۔

”مجھے بتائیے گا“ سدرہ نے پراحتا دلچسپی میں پوچھا۔

”مزارعہ ہو جاتا ہے..... کیا تمہیں پیسے کی کوئی کمی ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... پیسے کی زیادتی مجھے پریشان کر رہی ہے“ سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟ کاشف نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”کاشف..... آپ میٹرک پاس لائن میں ہیں..... اور..... آپ کے گھر کے اخراجات کسی اعلیٰ افسر کے گھر کے اخراجات سے بھی زیادہ

ہیں۔ اتنا پیسہ کہاں سے آتا ہے؟ کیا آپ جاب کے علاوہ کوئی اور کام بھی کرتے ہیں.....؟ سدرہ نے مضبوط لہجے میں پوچھا

”تم کیوں ان باتوں میں الجھ رہی ہو؟ کاشف نے گھبراتے ہوئے لہجے میں کہا

”کاشف..... ہم جن باتوں کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش کرتے ہیں..... کبھی کبھی وہ زندگیوں میں ختم کر دیتی ہیں اور رشتے

بھی“ سدرہ نے گہرے سانس لیتے ہوئے کہا۔

”سدرہ..... یہ تم کیسی باتیں کر رہی ہو.....؟ آج تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑ کر خاموش بھرے لہجے میں کہا

”اس سے پہلے مجھے آپ کی تنخواہ کے بارے میں کچھ علم نہ تھا“ اس نے فحوس لہجے میں جواب دیا۔

”پھر.....؟ کاشف نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”پھر..... یہ..... کہ..... کاشف..... میں اپنا اور اپنے بچے کے وجود کو حرام کی کمائی پر نہیں پال سکتی“ سدرہ نے قلعیت سے جواب دیا

”کیا تم جانتی ہو..... کہ..... تنخواہ میں صرف میری سولہ سائیکل کے پٹرول کا خرچہ چلتا ہے..... گھر کا خرچہ کہاں سے چلے گا؟ کاشف نے

قدرے درشت لہجے میں جواب دیا۔

”اور حرام کی کمائیں سے جب جسم اور دھنیں بیمار پڑتی ہیں تو پھر ان کا علاج ناممکن ہوتا ہے“ سدروہ نے جواب دیا۔

”آج کل سب لوگ حرام کھانے پر مجبور ہیں..... نہ کھائیں تو زندہ رہنا ناممکن ہے..... مہنگائی آسمان سے ہاتھیں کر رہی ہے..... ایک عام گھر کا دن بھر کا خرچہ پانچ سو روپے ہے اور صبحے کا صرف چند روپے خرچہ کا دہلی اور دوسرے اخراجات اس کے علاوہ ہیں..... وہ سب انسان کہاں سے پورا کرے.....“ کاشف نے غصے سے کہا۔

”رزقِ حلال کھانا اور کھانا آسان ہوتا تو لوگ رزقِ حرام کیوں کھاتے..... کاشف..... کیا صراحتاً مستقیم آسان راستہ ہے؟ اگر یہ آسان ہوتا تو سب اس پر چل رہے ہوتے“ سدروہ نے گہری سانس لے کر کہا تو کاشف لا جواب ہو کر اس کا منہ دیکھنے لگا۔

”سدروہ..... تم خواہ مخواہ پاگل ہو رہی ہو۔ آج کل کل کی عورتیں کہاں ان باتوں کے بارے میں سوچتی ہیں..... انہیں تو بس عیشیں کرنا ہوتی ہیں..... مرد چاہے جہنم کی مرضی سے پیسہ کما کر لائے“ کاشف نے حیرت سے کہا۔

”کاشف..... میں آج کی عورت ہوں..... مگر..... ان عورتوں سے بہت مختلف..... مجھے عیشیں نہیں کرنی..... مجھے اچھی زندگی گزارنی ہے..... ویسی جیسی..... اللہ کا حکم ہے..... صراحتاً مستقیم پر چلتے ہوئے“ سدروہ نے پرسکون لہجے میں جواب دیا۔

”تم..... اس بات کو مسئلہ کیوں بناد رہی ہو؟ کاشف نے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کاشف..... اگر میں نے قرآن پاک ترے اور تفسیر سے نہ پڑھا ہوتا..... اور اگر مجھے ذکیہ آپا جیسی استاد نہ ملی ہوتیں..... اگر میری تربیت صرف ماں ہی کرتی..... تو شاید میں آپ سے کچھ نہ پوچھتی..... سب کچھ جان کر کیسے اللہ کی باتوں کو نہ مانوں..... جن باتوں سے وہ منع کرتا ہے..... کیسے ان کو کروں..... جن چیزوں کو کھانے سے دور رکھتا ہے..... کیسے کھاؤں.....؟ ہاں میں بہت الجھ گئی ہوں میں بہت زیادہ اپ سیٹ ہوں..... میں نے رات سے ایک نمہ بھی نہیں کھایا..... جب بھی کھانے کی طرف ہاتھ بڑھاتی ہوں تو مجھے کون سی قوت، کون سی بات مجھے روکتی ہے..... کاشف میں بہت پریشان ہوں“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”پلیز..... سدروہ..... ایسا مت سوچ..... تم خود بھی الجھ رہی ہو..... اور..... مجھے بھی الجھا رہی ہو“ کاشف نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

”کاشف..... میں صرف حلال کھانا چاہتی ہوں“ سدروہ نے روتے ہوئے کہا

”کیا تم جانتی ہو..... کہ حلال کی کمائی میں تم کیا کھا سکو گی؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... نہ کپڑے نہ جوتے..... نہ کوئی عیش..... صرف دو وقت کی روکھی سوکھی روٹی..... جو میرے گلے میں کانٹوں کی طرح نہ چبے..... جسے کھاتے ہوئے میرے دل میں دوسرے نہ اٹھیں..... جسے کھا کر میں پرسکون ہو سکوں“ سدروہ نے جواب دیا۔

”نہیک ہے..... میں تم سے وعدہ کرتا ہوں کہ حلال کھانے کی پوری کوشش کروں گا..... اس میں گزارا کرنا تمہارا کام ہے اور پھر مجھ سے

کسی بھی قسم کی شکایت نہ کرتا۔ کاشف نے سنجیدگی سے کہا تو سدرہ آنسو پونچھ کر اس کی جانب مسکرا کر دیکھنے لگی۔

”مجھے منظور ہے۔۔۔۔۔ کاشف میں بھی آپ کے ساتھ محبت کروں گی۔۔۔۔۔ کون کہتا ہے حلال کی کمائی میں پوری نہیں پڑتی۔۔۔۔۔ جب انسان ارادہ پابند رہتا ہے تو اللہ تعالیٰ خود بخود حلال کی کمائی میں برکت ڈالنے لگتا ہے۔۔۔۔۔ میں ٹیوٹر پڑھاؤں گی۔۔۔۔۔ آپ کے ساتھ محبت کروں گی۔۔۔۔۔ بس آپ حرام کا ایک پیسہ بھی گھر نہیں لائیں گے“ سدرہ نے کہا تو کاشف اس کی طرف بغور دیکھنے لگا۔

”سدرہ۔۔۔۔۔ میں پہلے صرف تم سے محبت کرتا تھا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب بہت عزت کرنے لگا ہوں۔۔۔۔۔ یقیناً تمہاری استوا بہت اچھی مسلمان ہیں جنہوں نے تمہاری تربیت کی“ کاشف نے محبت سے اسے گلے لگاتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی۔

”شکر ہے۔۔۔۔۔ تمہارے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔۔۔۔۔ ورنہ میں کتنا پریشان ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ تمہارا اداس چہرہ دیکھ کر کاشف نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

☆

مومنہ ہاسٹل سے گھر لوٹی تو بہت خوش تھی۔ اس کی میڈیکل رپورٹ پازیتھ تھی۔ سلطوت آپا یہ خبر جان کر بے حد خوش ہوئیں۔ خوشی سے ان کے پاؤں زمین پر نہیں پڑ رہے تھے۔ انہوں نے محبت سے مومنہ کا سر منہ چوما۔ انہوں نے اس وقت مومنہ کے سر سے ہزار ہزار کے کئی نوٹ وار کر نظام دین ڈرائیو کو دیے تاکہ وہ غریبوں میں خیرات کر دے۔ گھر کے سب ملازمین کو پیسے دیے فوراً منٹائی کے نوکرے منگوائے اور قیم خاں میں بھجوائے۔

”بہو بیگم۔۔۔۔۔ ہم کس قدر خوش ہیں۔۔۔۔۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں۔۔۔۔۔ تیس برسوں بعد ہمیں یہ خوشخبری مل رہی ہے۔ شکر ہے پروردگار کا۔۔۔۔۔ اب ہم بھی اس گھر میں بچوں کے قہقہے سن سکیں گے۔۔۔۔۔ ان کے ساتھ کھیل سکیں گے۔۔۔۔۔ ان کو اپنی گود میں کھلائیں گے۔۔۔۔۔ سنو۔۔۔۔۔ کیا اسدی بیٹی کو یہ خوشخبری سنائی ہے؟ سلطوت آپا نے خوشی سے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ وہ آج بہت بڑی ہیں۔۔۔۔۔ گند زڈیلیجی کے سلسلے میں۔۔۔۔۔ رات کو میرے آئیں گے“ مومنہ نے بتایا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ ابھی کیا نام ہوا ہے؟ سلطوت آپا نے پوچھا۔

”دو بج رہے ہیں۔۔۔۔۔ مومنہ نے جواب دیا۔

”خیرن یوا۔۔۔۔۔ نظام دین کو بلائیں“ سلطوت آپا نے کہا تو مومنہ حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”جی۔۔۔۔۔ بیگم صاحبہ“ نظام دین نے مسودہ پابند انداز میں پوچھا۔

”گاڑی نکالو۔۔۔۔۔ ہمیں منٹائی لے کر درگاہ پر بھی جانا ہے اور ذکیہ بیگم کی طرف بھی“ سلطوت آپا نے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جی۔۔۔۔۔ بہت بہتر۔۔۔۔۔ آپ تحریف لے آئے“ نظام دین نے کہا۔

”جیسے بیگم۔۔۔۔۔ سب سے پہلے درگاہ پر سلام کرنے چلتے ہیں اور پھر ذکیہ بیگم کو خوشخبری سنانے جائیں گے“ سلطوت آپا نے کہا تو مومنہ

نے دوبارہ برقعہ پہنا اور ان کے ساتھ چل پڑی۔

سارا راستہ سلوت آپا بھت سے اس کی طرف دیکھتیں اور پیار سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرتیں۔ ان کی آنکھیں خوشی سے ہار ہار نم ہو رہی تھیں.....

”اگر آج ہمارا بیٹا اور بیو زندہ ہوتے تو خوشی کی یہ خبر سن کر وہ پھولے نہ مارتے..... بچ..... آج ہمیں ظہیر الدین بہت یاد آ رہے ہیں..... نہ اسد کو جو ان ہوتے دیکھ سکے اور نہ اس کی اولاد کو“ سلوت آپا نے ہم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا تو مومنہ بھی ایک لمحے کے لیے افسردہ ہو گئی۔ انہوں نے درگاہ کے لیے تازہ گلاب کے پھولوں کی چادر خریدی۔ تھمرک کے طور پر مٹھائی خریدی۔ درگاہ پر دعا کرنے کے بعد انہوں نے مومنہ کو کہا کہ وہ سب لوگوں میں مٹھائی بانٹے..... اور مومنہ خوشی خوشی مٹھائی بانٹتی رہی۔

”بہو بیگم..... یہ پیسے بھی آپ فقیروں میں خود دیا ہے“ سلوت آپا نے اپنے پرں میں سے دس دس کے نوٹوں کی گڈی نکال کر مومنہ کو دیے اور وہ سب فقیروں میں بانٹنے لگی۔

وہاں سے فارغ ہو کر وہ مٹھائی لے کر ذکیہ کے گھر پہنچیں تو مریم بچوں کو خوشن پڑھانے میں مصروف تھی جبکہ ذکیہ مغرب کی نماز پڑھ کر فارغ ہوئی تھی۔ دونوں کو اچانک دیکھ کر مریم اور ذکیہ دونوں بہت حیران ہوئیں مگر مومنہ کا مسکراتا چہرہ دیکھ کر وہ قدرے مطمئن ہو گئیں۔ ان کے پیچھے نظام الدین مٹھائی کا ٹوکرا لیے ہوئے داخل ہوا..... اور..... مٹھائی رکھ کر باہر چلا گیا۔

”بسم اللہ..... آئیے آئیے..... اچانک کیسے..... اور کہاں سے آ رہی ہیں؟ ذکیہ نے سلوت آپا کے گلے ملنے ہوئے کہا اور مومنہ کا سر منہ چوم کر بیکار کیا۔

”ذکیہ بیگم..... ہم آپ کو خوشخبری سنانے آئے ہیں..... کہ آپ تانوجننے والی ہیں..... پروردگار ہمارے بچوں کو اولاد کی اتنی بڑی نعمت سے نواز رہا ہے“ داو نے خوش ہو کر ذکیہ کو گلے مل کر مبارکباد دی۔

”ماشاء اللہ.....“ ذکیہ انتہائی خوشی سے بولی اور مومنہ کو پھر گلے سے لگایا۔

مریم نے جلدی سے سب بچوں کو گھنٹی دے دی۔ وہ بھی یہ خوشخبری سن کر بہت خوش ہو رہی تھی۔

”آہی..... واقعی.....؟ مریم کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”رپورٹ تو یہی بتا رہی ہے.....“ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”مریم ایک ٹرے میں سات کپے اناج ڈال کر لاؤ..... ان میں کپے چاول بھی ڈال لیتا“ ذکیہ نے جلدی سے کہا تو مریم حیرانگی سے سن کر لیکن میں چلی گئی اور ایک ٹرے میں مختلف دالیں اور چاول لے کر آئی۔

”مومنہ بیٹی..... یہ تمہارا صدقہ ہے اس اناج پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرو..... صبح پرندوں کو ڈالو گی.....“ ذکیہ نے فرط جذبات سے لبریز آواز کے ساتھ کہا تو مومنہ نے سارے اناج پر اپنے دونوں ہاتھ پھیرے اور مریم نے ٹرے ایک جانب رکھ دی۔

”ذکیہ بیگم..... اب منہ میٹھا کیجئے.....“ سلوت آپا نے مٹھائی کے ٹوکے سے مٹھائی نکال کر ذکیہ کے منہ میں ڈالی۔
 ”مریم..... بیٹا..... چائے بھی بناؤ“ ذکیہ نے کہا تو مریم مسکراتی ہوئی بچن میں چلی گئی۔ مومنہ بھی اس کے پیچھے بچن میں گئی۔
 ”آپنی..... مجھے تو ابھی تک یقین نہیں آرہا..... ہمارے گھر میں بھی اس کی آوازیں سننے کو نہیں گی.....“ مریم نے خوشی سے کہا
 ”اور تمہیں..... اس کو سنبھالنا بھی پڑے گا“ مومنہ نے مسکرا کر کہا
 ”اس کی آپ لگزنہ کریں..... مجھے اس کی آواز کھ لیجے گا..... پڑھی لکھی آیا.....“ مریم نے ہنسنے ہوئے کہا۔
 ”سنو..... تمہارا رزلٹ کب آرہا ہے؟“ مومنہ نے اچانک پوچھا
 ”اگلے ہفتے.....“

”اور میرا.....؟“ مومنہ نے پوچھا۔
 ”شاید اگلے ماہ.....“ مریم نے جواب دیا
 ”مریم..... یہ میں تمہارے لیے موبائل لائی ہوں۔ فون کرنے کی بہت پراٹھم ہوتی ہے۔ اسے رکھ لو“ مومنہ نے اپنے بیگ سے ایک موبائل نکال کر مریم کو دیتے ہوئے کہا۔
 ”آپنی..... ائی ناراض ہوں گی..... کہ..... میں نے کیوں لیا؟ مریم نے کہا
 ”مریم یہ میرا پتا ہے..... اور اس نے مجھے Latent ماڈل کالے کر دیا ہے۔ یہ میرے پاس ایک شرا تھا۔ اس لیے تمہیں دے رہی ہوں“
 مومنہ نے کہا تو مریم نے موبائل رکھ لیا مگر خاموش ہو گئی۔
 ”تم لگزنہ کرو..... میں امی کو سمجھا دوں گی..... دیکھو..... مجھے تم سے اکثر بہت سی باتیں کرنا ہوتی ہیں..... کیسے کروں؟ مومنہ نے کہا تو وہ خاموش ہوئی۔

”مریم..... سدرہ کا کیا حال ہے؟ کیسی ہے وہ.....؟ شادی کے بعد نہ وہ ملی ہے اور نہ ہی میں..... اس کو میرا سلام کہنا“ مومنہ نے سدرہ کے بارے میں پوچھتے ہوئے کہا۔
 ”آپنی..... اس کا شوہر بہت اچھا ہے۔ اس نے سدرہ کو بہت خوش رکھا ہے۔ کبھی کبھار موٹر سائیکل پر اس کے ساتھ آتی ہے۔ شادی کے بعد ایک بار ہمارے گھر آئی تھی۔ بہت سی سنواری اچھی لگ رہی تھی“ مریم نے خوش ہو کر بتایا۔
 ”جلا..... شکر ہے اس کی بھی پریشانیاں دور ہوئیں..... بہت اچھی لڑکی ہے.....“ مومنہ نے خوش ہو کر کہا۔
 ”آپنی..... آپ بھی تو بہت خوش ہیں نا.....“ جج آپ پر تو سارا حملہ رشک کرتا ہے۔ جب بھی آپ ادھر سے ہو کر جاتی ہیں تب سارے محلے کی عورتیں ہادی ہادی آپ کے بارے میں پوچھنے آتی ہیں.....“ مریم نے خوش ہو کر بتایا تو مومنہ اس کی بات سن کر ہلکے سے مسکادی۔
 مریم چائے کی ٹرے لے کر باہر آئی اور سب نے ٹل کر چائے پی۔

تھوڑی دیر وہاں بیٹھنے کے بعد وہ لوگ اجازت لے کر گھر آ گئیں۔

”بہو بیگم اب آپ تھک گئی ہوں گی۔ اپنے کمرے میں جا کر آرام کیجئے۔ میں شام کو بھیجتی ہوں۔۔۔۔۔ آپ کے پاؤں دباؤنے“ سلطوت آپا نے کہا تو مومنہ مسکراتے ہوئے اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔

شام کمرے میں آئی تو مومنہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ چند ہفتوں میں ہی گھر بنی تھی۔ اس نے ہلکے اور گہرے جامنی کو مستحسن میں خوبصورت پر غلہ شنون کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ وہ قیصر اس قدر نامت و سنی تھی کہ جسم بری طرح نمایاں ہوتا تھا۔ دوپٹا آدھے سر پر یوں اوڑھتی کہ دوپٹے لے کر بھی وہ دوپٹے کے بغیر ہی نظر آتی۔ اس میں کسی حد تک ٹاٹا ہالی پن تھا اور وہ دن بدن قدرے شوخ بھی ہو رہی تھی۔ ہات بے بات قیمتی لگاتی تو سلطوت آپا حیرانگی سے اسے دیکھ کر ثروت کو بلاتیں۔

”ثروت..... شام کو سوجھائیے..... گھروں میں یوں بے عظم طریقہ سے قیمتی نہیں لگائے جاتے..... ہم بہو بیگم سے بھی کہیں گے..... اس کی تربیت کریں“ سلطوت آپا قدرے فکر مندی سے ثروت کو کہتیں

”جی..... بیگم صاحبہ..... میں اسے سمجھا دوں گی..... بلکہ اکثر سمجھاتی ہوں مگر ابھی اس میں بچپنا ہے نا..... سمجھتی ہی نہیں“ ثروت بے بسی سے کہتی۔

”ہاں..... وقت لگے گا..... سمجھانے میں..... مگر آپ سمجھاتی رہیں اولاد کی تربیت ایک دن میں تو نہیں ہوتی نا..... بچپن سے وہ جوانی تک سمجھنے سمجھانے میں ہی گزر جاتی ہے“ سلطوت آپا کہتیں تو ثروت ان کی باتیں سن کر مچلی جاتی اور جا کر شام کی خوب کلاس لیتی۔

مومنہ بیڈ پر لیٹی تھی اور شام اس کے پاؤں دبا رہی تھی۔

”چھوٹی بیگم..... آج آپ بہت خوش ہیں نا..... شام نے پوچھا۔

”ہاں.....“ مومنہ نے جواب دیا۔

”آپ کیا چاہتی ہیں..... بیٹا..... یا..... بیٹی.....؟ شام نے پاؤں دباتے ہوئے پوچھا۔

”معلوم نہیں..... جو اللہ کی مرضی“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

وہ پھر خاموشی سے پاؤں دبانے لگی۔ مومنہ کو نیند ہی آنے لگی۔

”چھوٹی بیگم..... آپ برقع کیوں پہنتی ہیں؟ شام نے پوچھا۔

”اللہ کا حکم ہے..... عورتوں کو اپنا جسم چھپانا چاہیے“ مومنہ نے آنکھیں بند کیے ہوئے جواب دیا۔

”صاحب آپ کو منع نہیں کرتے؟ شام نے پھر پوچھا۔

”نہیں..... وہ کیوں کریں گے؟ مومنہ نے آنکھیں کھول کر حیرت سے پوچھا۔

”مرد تو زیادہ تر فیشن اسٹیل لڑکیاں پسند کرتے ہیں نا..... اور آپ؟ شام نے ذہن میں کیا کیا باتیں آ رہی تھیں اور وہ آج موقع دیکھ

کر پوچھی رہی تھی۔

”ثناء..... ابھی تم بہت چھوٹی ہو..... مردوں اور عورتوں کی باتیں مت سوچا کرو..... سنو..... کل سے میں تم کو پڑھانا شروع کروں گی۔ فضول باتوں میں اپنا وقت مت ضائع کیا کرو.....“ مومنہ نے بیٹھ کر اسے قدرے نرمی سے سمجھایا۔ ٹھیک ہے اس نے مثبت میں سر ہلایا۔

”اب تم جاؤ..... مجھے نیندا رہی ہے“ مومنہ نے کہا تو وہ خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

مومنہ نے لائٹس آف کیں۔ صرف ٹیبل لیمپ آن کیا اور سو گئی۔ وہ دن بھر کی کافی تھکی ہوئی تھی۔ گہری نیند سو گئی۔ اسد رات کو قدرے لیٹ گھر آیا تو مومنہ بھر بھی بے خبر سوئی رہی۔ اس نے اس کو اٹھانا مناسب نہ سمجھا اور سائیز ٹیبل کی دراز کھول کر کچھ ٹالٹا چاہا۔ اس میں مومنہ کی میزیکل رپورٹ تھی۔ اس نے رپورٹ نکل کر پڑھی تو مسکرا کر مومنہ کی طرف محبت سے دیکھنے لگا۔ اور رپورٹ واپس رکھ دی۔ وہ مسکراتا ہوا صوفے پر جا کر بیٹھ گیا اور خوش ہو کر انگڑائی لی۔

”اوہ گاڈ..... آئی ایم سو گلیڈ..... (میں بہت خوش ہوں) اس کے چہرے پر مسکراہٹ پھیلنے لگی اور اس نے اپنی خوشی کو انجوائے کرنے کے لیے وہ سکی کا پیگ بتایا اور حیرے لے کر پینے لگا۔ اس کے چہرے پر بہت مسکراہٹ تھی۔ اور وہ نیم بے ہوشی کے عالم میں مومنہ کے پاس آ گیا اور محبت سے مومنہ کے چہرے پر ہاتھ بھرنے لگا مومنہ چونک کر اٹھی اور اس کی جانب بنوڑ دیکھنے لگی۔

”آئی ایم ویری ہپپی (میں بہت خوش ہوں) اسد مسکرا کر بولا۔

مومنہ کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔

”مومنہ..... ہا..... آر..... گریٹ..... تعینکس فار گڈ نیوز“ وہ خوش ہو کر بولا۔

مومنہ خاموشی اور نرم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”کیا بات ہے.....؟ کیا آپ خوش نہیں.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ نے میری خوشی کو دکھ میں بدل دیا ہے“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”وہ..... کیسے.....؟ اسد حیرانگی سے بولا۔

”ڈرنک کر کے.....“ مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”کم آن..... مومنہ..... آپ مجھے خوشی سلیمینٹ بھی نہیں کرنے دیتیں۔ اسد غلطی سے بولا۔

مومنہ نے افسردگی سے اس کی جانب دیکھا اور کچھ کہے بغیر لیٹ گئی۔ اس سے اس لئے کچھ بھی کہنا بے کار تھا..... وہ نشتے میں مست ہو رہا تھا اور وہ اس کی مستی و سرور سے بہت بے قرار اور مضطرب ہو رہی تھی۔

اسد گہری نیند سو رہا تھا جب مومنہ صبح بیدار ہوئی۔ اس نے اس کی طرف بغور دیکھا پھر اپنی رپورٹ نکال کر اسے دیکھنے لگی اور گہری سانس لے کر اسے واپس رکھ دیا۔ حال کی تکنیاں اور مستقبل کے اندیشے اور دوسے اس کی آنکھوں کو نم کرنے لگے۔ سب کچھ ہونے کے باوجود کسی کے نہ

ہونے کا احساس اسے شدید مضطرب کرنے لگا۔ پیار و محبت، دولت اور ہر آسائش بھی انسان کے اندر سکون پیدا نہیں کر سکتی۔

”میں کیا کروں..... یا اللہ! تو ہی اسد کو ہدایت دے..... اس کے ذہن کو اس کی سوچ کو بدل دے..... وہ حرام کو حرام سمجھے..... تیرے علاوہ ذہنوں کو کوئی نہیں بدل سکتا۔ میری باتوں میں ایسی تاثیر بھر دے کہ میں اسے قائل کر کے تیرے راستے پر لاسکوں یا اللہ! میری مدد کر..... اسد کو صراطِ مستقیم پر چلا..... فلاح کے راستے..... جو..... حقیقی کامیابی کا راستہ ہے“ اس نے اسد کی طرف مسلسل دیکھتے ہوئے گونگرا کر خدا کے حضور التجائیں کیں۔ تو نے مجھے کتنے سخت امتحان میں ڈال دیا ہے۔ ایسی آزمائش میں..... جسے صرف تو جانتا ہے اور میں.....“ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ کر اس کے رخساروں کو بھگونے لگے۔ اسد نے کروٹ بدلی اور اچانک آنکھیں کھول کر صوفے پر بیٹھی مومن کو دیکھنے لگا۔ اس کو روٹے ہوئے دیکھ کر وہ بڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”مومی..... کیا ہوا.....؟ وہ قدرے گھبراتے ہوئے لہجے میں بولا

”کچھ نہیں.....“ مومن نے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”آریہ..... آل..... رات؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا“ اسد نے انتہائی پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں“

”پھر..... یہ آنسو..... کیوں.....؟“

”یونہی..... بہہ نکلتے ہیں..... ان پر میرا اختیار نہیں“ وہ آہ بھر کر بولی۔

”یونہی تو نہیں بہہ نکلتے۔ یہ آنکھوں سے تب بہتے ہیں جب دل و کھ ہو جاتا ہے..... یا..... کوئی ہرٹ کرتا ہے..... آپ کو کس نے ہرٹ کیا

ہے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”اس گھر میں..... مجھے کون ہرٹ کر سکتا ہے۔ سب تو بہت محبت کرتے ہیں“ مومن نے اسد کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”کیا آپ..... پھر..... اس لیے ہرٹ ہوئی ہیں..... کہ..... میں نے رات کو ڈریک کی تھی“ اسد نے کچھ سوچتے ہوئے کہا

مومن خاموش ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”مومی..... پلیز..... اس کو اینٹوسٹ بناؤ..... ہماری زندگی Smoothly جاری ہے۔ آئی لوڈ ٹوچ..... اینڈ یو لوڈ نو..... پھر اتنی چھوٹی

سی بات سے زندگیوں میں Bitterness (کٹنی) کیوں پیدا کر رہی ہو؟ اسد نے جھنجھلا کر کہا۔

”چھوٹی سی بات..... کیا یہ چھوٹی سی بات ہے؟ انسان اپنی Senses (حواسوں) میں نہ رہے..... اسے اپنی کبھی ہوئی باتیں یاد نہ

ہوں..... اور وہ ایسوسٹروپ میں اتنا اسٹرونگ آؤٹ آف کنٹرول ہو جائے کہ اس کے انسان ہونے پر بھی شک ہونے لگے..... کیا یہ چھوٹی سی بات

ہے.....؟۔ مومن قدرے جذباتی ہو کر بولی۔

”مومی..... ڈارلنگ..... جسٹ ریلیکس..... میں ڈریک کر کے ہمیشہ اپنی منہر میں ہوتا ہوں..... انسان اپنی منہر جب لوڈ کرتا ہے جب

وہ بہت زیادہ پچا ہے۔۔۔۔۔ میں تو بس تھوڑی سی پچا ہوں۔ اپنے مائنڈ کو فریش کرنے کے لیے۔ Nervous کوریلیکس کرنے کے لیے اور اپنے آپ کو ایکٹو کرنے کے لیے۔۔۔۔۔ اُس اے سوزس آف انرجی اینڈ پلیئر (یہ خوشی کا ذریعہ ہے) وہ اسے سمجھانے کے انداز میں بولا۔

”اور۔۔۔۔۔ جس کا ایک قطرہ اور ایک گھونٹ بھی حرام ہے۔۔۔۔۔“ مومن نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”آپ کیوں حلال و حرام کے چکروں میں پڑ رہی ہیں۔ یو آر این ایجوکیڈ ویمین (آپ ایک تعلیم یافتہ عورت ہیں) اس زمانے کے norms کو سمجھنے کی کوشش کریں۔۔۔۔۔ ورنہ اینڈ جیشنٹ میں بہت پر اہم ہوگی“ اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے سمجھایا۔

”اگر حلال و حرام ہماری سوچ کا مسئلہ ہوتا۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ میں اپنی سوچ فوراً بدل دیتی۔۔۔۔۔ لیکن۔۔۔۔۔ اس نے آہ بھر کر اسد کی طرف دیکھا۔

”لیکن۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔ اسد نے حیرت سے پوچھا

”یہ اللہ کے احکامات کا مسئلہ ہے۔ ایک انسان ساری زندگی ایسی چیزوں سے بچتا ہوا ایک راستے پر چلا ہو۔۔۔۔۔ وہ کیسے اتنی بڑی رکاوٹ کو نظر انداز کر سکتا ہے۔۔۔۔۔ اسد۔۔۔۔۔ اگر میں اس زمانے کی ماڈرن، فیشن ایبل عورت ہوتی تو شاید میری سوچ مختلف ہوتی۔۔۔۔۔ مگر میں کیا کروں میری ہر سوچ میں اللہ کی سوچ بھی شامل ہے“ مومن نے نرمی سے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

”کم آن۔۔۔۔۔ موی۔۔۔۔۔ آپ کو religious mania ہو گیا ہے اور کچھ نہیں۔۔۔۔۔ دنیا میں رہنے کے لیے اپنے آپ میں flexibility (لچک) پیدا کرنی چاہیے ورنہ زندگی بہت مشکل ہو جاتی ہے“ اسد نے قدرے غصے سے کہا۔

”میں کیا کروں۔۔۔۔۔ آپ کو شراب کے پیگ بنا کر دوں۔۔۔۔۔ خود بھی پیوں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ کل کو ہمارے بچے ہوں۔ تو ان کو بھی پلاؤں۔۔۔۔۔ اور یقیناً وہ بھی پئیں گے۔۔۔۔۔ جب وہ اپنے ماں باپ کو ڈرک کرتے ہوئے دیکھیں گے۔۔۔۔۔ ایسی اینڈ جیشنٹ آپ چاہتے ہیں نا۔۔۔۔۔ ایسی ہی flexibility۔۔۔۔۔“ مومن ایک دم ہائپر ہو کر بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے شروع ہو گئی۔

”آئی ایم سوری۔۔۔۔۔ آئی غور مین اٹ (میرا یہ مطلب نہیں)“ اسد نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا اور اس کے آنسو ٹو بہچہ سے صاف کرنے لگا

”اسد۔۔۔۔۔ میں میٹھی اپ سیٹ ہوں پلیز ٹرائے ٹو اینڈ ریٹینڈ“ اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا

”پلیز۔۔۔۔۔ موی۔۔۔۔۔ اس condition میں یوں اپ سیٹ ہونا اچھی بات نہیں۔ اکثر بچے ٹینشن کی وجہ سے امیٹل پیدا ہوتے ہیں کہ مدد بہت زیادہ اپ سیٹ رہتی ہے۔۔۔۔۔ پلیز۔۔۔۔۔ آپ خوش رہیں۔۔۔۔۔ میں پوری کوشش کروں گا۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔ وہ بارہ ایسا نہ ہو“ اسد نے آہستہ آواز میں کہا تو مومن قدرے مطمئن ہو کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”اسد۔۔۔۔۔ آپ بہت اچھے انسان ہیں۔۔۔۔۔ میں آپ کی بہت respect کرتی ہوں۔ آپ کی qualities (خوبیوں) کو دلچسپی کرتی ہوں۔۔۔۔۔ پلیز اپنے ایجوکیشن کو میری نظروں سے کبھی مت گرائنا۔۔۔۔۔ اگر ایسا ہوا تو میں زندہ نہیں رہوں گی“ مومن بھر روئے لگی۔

”اور ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا۔۔۔۔۔ اور اگر۔۔۔۔۔ ایسا ہوا تو میں بھی آپ کے ساتھ۔۔۔۔۔“ اسد نے محبت سے اس

کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ نے جلدی سے اس کے منہ پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔

”خدا ہماری محبت کو نظر بد سے بچائے۔۔۔۔۔“ مومنہ نے کہا اور اسد نے مسکرا کر اسے اپنے گلے لگا لیا۔

میرا بے بی healthy پیدا ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ یو۔۔۔۔۔ آئی ایم ویری ایکسائیٹڈ“ شاپنگ کب سے شروع کرنی ہے۔۔۔۔۔ اکثر بے بی لواٹز (toys) دیکھ کر میرا دل چاہتا تھا کہ فوراً خرید لوں۔۔۔۔۔ پھر سوچتا تھا کس کے لیے۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب تو میں دو دو لواٹز خریدوں گا۔۔۔۔۔ ایک اپنے لیے اور ایک اس کے لیے“ اسد نے قہقہہ لگاتے ہوئے کہا تو مومنہ نے مسکراتے ہوئے سر جھکا لیا۔ اس کا چہرہ شرم سے سرخ ہونے لگا۔

”بس۔۔۔۔۔ آپ نے اپنی صحت کا بہت خیال رکھنا ہے۔۔۔۔۔ کوئی ٹیٹن نہیں لیتی۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ پلیز ایسی باتوں کے بارے میں سوچنا بالکل چھوڑ دیں۔ ایڈرٹینڈ“ اسد نے مسکراتے ہوئے اسے ہدایات دیں۔

”آپ فریش ہو جائیں۔۔۔۔۔ میں آپ کے لیے ناشتہ لگاتی ہوں“ مومنہ نے دوپٹہ ٹھیک طرح سے اوڑھتے ہوئے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ اب آپ کوئی کام نہیں کریں گی۔۔۔۔۔ گھر میں اتنے ملازم تو ہیں۔۔۔۔۔ اگر کم ہیں تو میں اور ملازموں کا اور بچ کر لیتا ہوں“ اسد نے کہا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ اس کی کیا ضرورت۔۔۔۔۔ تمہارا بہت کام کرنا صحت کے لیے اچھا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ باڈی موومنٹ۔۔۔۔۔ دونوں کی صحت کے لیے ضروری ہوتی ہے“ مومنہ نے مسکرا کر کہا

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ جیسے آپ کی مرضی۔۔۔۔۔ ناشتہ لگائیے۔۔۔۔۔ میں آ رہا ہوں“ اسد نے بھی مسکراتے ہوئے کہا تو وہ کمرے سے باہر چلی گئی اور شام کے ساتھ مل کر ڈائننگ ٹیبل پر ناشتہ لگانے لگی۔

شام نے ریڈ اور اورنج کلر کی چھوٹی سی قمیض کے ساتھ اورنج کلر کا چھوٹا سا دوپٹہ لے رکھا تھا۔ قمیض کا گلا خاصا ڈیپ تھا اور سرخ شلوار کے ساتھ وہ خاصی پرکشش لگ رہی تھی۔ دیکھنے والا ایک نظر اسے چومک کر دیکھتا۔

”آج۔۔۔۔۔ تم نے بہت شوق رنگ پہن رکھے ہیں۔۔۔۔۔ خیر تو ہے۔۔۔۔۔“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”اچھی لگ رہی ہوں۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ یہ بتائیے“ اس نے مسکراتے ہوئے پوچھا اور ٹیبل پر کپڑے ترتیب سے رکھنے لگی۔

”اچھی لگ رہی ہو۔۔۔۔۔ اسی لیے تو پوچھ رہی ہوں“ مومنہ نے نوٹس میں سے سلاٹس نکالتے ہوئے کہا۔

”اماں۔۔۔۔۔ خواہ مخواہ ڈانٹ رہی تھی کہ ایسے رنگ مت پہنا کرو۔۔۔۔۔“ شامہ نے بکریوں کی اور فرنیچ میں سے جیم کی شیشی نکال کر ٹیبل پر رکھی۔

”شامہ۔۔۔۔۔ مائیں جو کہتی ہیں نا۔۔۔۔۔ وہ اکثر ٹھیک کہتی ہیں۔ ان کا کہنا مانا کرو۔۔۔۔۔ ثروت بڑا اچھی سمجھدار عورت ہیں۔۔۔۔۔ وہ ضرور کسی نہ کسی

جہ سے کہہ رہی ہوں گی“ مومنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”کوئی وجہ نہیں۔۔۔۔۔ اماں کو خواہ مخواہ مجھ سے جڑ ہے“ شامہ نے بکریوں کی۔

”برہی بات۔۔۔۔۔ ماؤں کے بارے میں ایسی باتیں نہیں کرتے۔۔۔۔۔ ہاں سے بڑھ کر اولاد کا کوئی خیر خواہ نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ اور مائیں جو کچھ

دیکھتی ہیں۔۔۔۔۔ وہ اولاد کو نظر نہیں آ رہا ہوتا“ مومنہ نے اس کا کندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اس کے دوپٹہ کو اس کے گریبان پر ٹھیک طرح سے پھیناتے

ہوئے کہا تو وہ قدر سے شرمندہ ہی ہو گئی۔

اسد فریٹش ہو کر لپچے آ گیا۔ اس نے yellow شرٹ کے ساتھ آف دامنٹ ونٹ پہن رکھی تھی اور انہی شینڈلز میں میچنگ ہائی لاکر رکھی تھی۔ اس کی ٹھکری رنگت، گھنی موٹھیں..... بد ہوش آنکھیں..... وہ بہت خوبصورت اور پر کشش لگ رہا تھا..... مومنہ نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔ ثناء بھی اس کی طرف متاثر کن نظروں سے دیکھنے لگی۔

”سلام صاحب جی.....“ ثناء نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہیکم السلام“ اسد نے جواب دیا اور ایک دم چونک کر ثناء کی جانب دیکھا۔

”ثناء چائے لے آؤ“ مومنہ نے اسد کی نظروں کا محور دیکھتے ہوئے کہا۔

”یہ کون ہے.....؟“ اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ثروت ہوا کی بیٹی ہے..... دادو نے اسے میرے کاموں کے لیے appoint کیا ہے“ مومنہ نے جواب دیا۔

اسد خاموشی سے ناشتہ کرنے لگا۔ ثناء چائے رکھ کر چلی گئی۔

”دادو کہاں ہیں.....؟“ اسد نے لاؤنج کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آج ان کی طبیعت ٹھیک نہیں..... میں ان کے کمرے میں جی تھی تو وہ سو رہی ہیں“ مومنہ نے کپ میں چائے ڈال کر اسد کو دیتے ہوئے کہا۔ اسد ناشتہ کر کے دادو کے کمرے میں گیا تو وہ ابھی تک سو رہی تھیں

”مومی..... ایک بج رہا ہے اور دادو تو کبھی بھی اتنے نہیں سوتیں“ اسد نے تشویش سے کہا اور مومنہ کے ساتھ کمرے میں داخل ہوا

”دادو..... دادو.....“ اسد ان کے بیڈ کے پاس صوفے پر بیٹھ کر بولا تو دادو نے آنکھیں کھول دیں۔

”دادو..... کیا ہوا؟“ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا“ اسد نے محبت سے پوچھا۔

”بس..... بیٹا..... دل میں کچھ درد سا محسوس ہو رہا ہے“ دادو نے فہمت سے بتایا۔ آج وہ پہلے کی طرح تیار بھی نہیں ہوئی تھیں۔ ایک

پلکے رنگ کی ساڑھی پہن رکھی تھی۔ کوئی زیور اور کوئی میک اپ نہیں کر رکھا تھا۔

”دادو..... ابھی اٹھیں..... میں آپ کو ہسپتال لے کر چلتا ہوں“ اسد نے گھبرا کر کہا۔

”نہیں..... بیٹا..... پریشانی کی کوئی بات نہیں“ دادو نے کہا

”بالکل پریشانی کی بات ہے..... بس آپ اٹھیں..... مومنہ..... آپ دادو کا میٹ اپ لٹیک کریں..... میں ہارٹ اسپیشلسٹ سے ٹائم لیتا

ہوں“ اور اسدا اپنے موبائل پر نمبر ملاتا ہوا کمرے سے باہر نکل گیا۔

مومنہ نے دادو کو بستر سے اٹھایا۔

”آپ خیرن ہوا کو بلائیں..... انہیں سب کاموں کا ہاتھ ہے“ دادو نے کہا۔

”داؤد..... ساری زندگی خیرن ہوا آپ کے کام کرتی رہی ہیں..... اب مجھے بھی کچھ کرنے دیجئے‘ مومنہ نے محبت سے داؤد کو کہا۔

”جیتی رہیے..... آپ تو ہمارے گھر کا سکون اور خوشی ہیں“ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا اور مومنہ انہیں سہارا دے کر دوش میں لے گئی۔

”میں نے ڈاکٹر سے اپنا ٹھکانا لے لی ہے..... کیا داد و تحاریر ہیں؟ اسد نے داد کے کمرے میں آ کر پوچھا۔

”ہاں.....“ مومنہ نے دائروں کے ہالوں میں سسٹمی کرتے ہوئے جواب دیا۔

”میں بھی ساتھ چلتی ہوں“ مومنہ نے کہا۔

”ہاں..... اسید نے جواب دیا۔

”میں برقعہ پہن کر آتی ہوں“ اور موند برقع پہننے اسے کمرے میں چلی گئی۔

دونوں داد کو لے کر ارٹ اسٹیلٹ کے پاس آئے..... ان کے سب ٹیٹ کرائے ای کی بی بی اورا کیو وغیرہ جگ کی گئی۔

ان کو بہت افسوسا ایک ہوا ہے..... جس کو رہداشت کر گئی ہیں..... لیکن کسی وقت ایک شہر بھی ہو سکتا ہے۔ ان کی کیا کہہ سکتے اور رہ

منڈی سونا کو باقاعدگی سے استعمال کرنا "ڈاکٹر نے امید کھاتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب..... کوئی ارشاد کیا کہ بات تو نہیں؟ اس نے نہ تو کہا۔

”...میں نے اپنے آپ کو بے اختیار اس کے ہاتھوں میں ڈال دیا۔ اس نے میری طرف سے ہر قسم کی مزاحمت کو دیکھ کر ہنس دیا۔ اس نے کہا: ”میں نے تجھے بے اختیار اپنے ہاتھوں میں ڈال دیا۔“

لَمْ يَكُنْ لَهُ الْوَلَدُ أَنْ يَضَعَهُ وَكَانَ الْوَلَدُ فَكَفَرُوا بِهِ وَكَانُوا كَافِرِينَ

وَأَمَّا الْفُلُ فَأُرْسِلَتْ بِرَحْمَةٍ مِنَّا لِيُبَيِّنَ مَا نَالِ الْغَاثِ وَالْفَاطِثِ

[illegible]

از نغمه آتشکده، سحرگاه

”اے اللہ! ہمیں جو خیر چاہیں، تو اس کو عطا فرما۔ اور جو شر چاہیں، تو اس سے محفوظ رکھ۔“

مسئلہ کا حل : حکمتیں

”اگر تم کو اس کی ضرورت ہو تو اس کو لے لو۔“

دو..... اپنی بات رزمی ہیں..... ہمارے بچے اپ سب کے ام ہیں

بیت سے داد دیا تاکہ پچھلے ہوئے کہا اور ان کی اسوں سے اسو بہ ہے۔

ارے ارے..... ہماری جان..... آپ ہماری ان کی نگاہوں سے پریشان ہوئی ہیں..... کی..... میں مجھ سے ہوا..... جب

ہمارے پاس آپ جیسے محبت کرنے والے بچے ہوں..... اسلئے جیسا آپ دیکھ

میں داد دے مومنہ و محبت سے اپنے ساتھ لائے ہوئے تھا۔

”اور ہمیں اپنے انتخاب پر فخر ہے“ دادو نے مسکرا کر مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مومنہ..... دادو کے کھانے کے لیے کچھ لے آئیں..... میرا خیال ہے فریش جوس لے آئیں..... ویسے ڈاکٹر نے ڈائنٹ چارٹ دیا

ہے اب دادو کو اس کے مطابق ڈائنٹ دینا آپ کا کام ہے“ اسد نے ڈائنٹ چارٹ مومنہ کو دیتے ہوئے کہا۔

”آپ گھر نہیں کریں..... دادو کی ڈائنٹ کا خیال رکھنا میری ذمہ داری ہے“ مومنہ نے ڈائنٹ چارٹ پکڑا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔

”اسد..... بیٹا..... بھو بیگم کی بہت قدر کرنا..... ایسے ناپاب انسان ہر کسی کو کہاں ملتے ہیں..... اور..... اگر ایسے ناپاب انسانوں کو اچھے

قدروان نہ ملیں تو وہ اپنی خوبیاں اور چمک کھو دیتے ہیں..... گینگنوں کی قدر جو ہری جانتا ہے..... لوہار کو اس کی کیا پرواہ.....“ دادو نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو اسد ان کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔

”اسد..... بیٹا..... آپ کو بھو بیگم سے کوئی شکایت تو نہیں.....؟ دادو نے قدر سے راز داری سے پوچھا۔

”نہیں..... دادو..... مومنہ واقعی بہت اچھی اور قابل تعریف ہیں“ اسد نے مومنہ کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”سب سے بڑی خوبی جانتے ہیں..... ان کی..... کیا ہے؟ دادو نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا؟ اسد نے حیرت سے پوچھا

”وہ سچی مومنہ عورت ہیں..... ان کی باتوں اور عمل میں تضاد نہیں..... نہ حسد..... نہ نفیبت..... نہ لالچ..... چھوٹے گھر میں بھرا دل اور

اخلاقی طرف لے کر بچھا ہوا ہوتی ہیں..... جب سے وہ ہمارے گھر میں آئی ہیں ہم نے ان کا بہت مشاہدہ کیا ہے..... سوائے ایک بات کے..... ہمیں ان میں کوئی کمزوری نظر نہیں آ رہی“ دادو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”کیسی کمزوری.....؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔

”جب کبھی..... کسی بات پر پریشان ہوتی ہیں..... تو..... اسے دل کو کاٹ بیٹھتی ہیں..... اور پھر ایک دم خاموش ہو جاتی ہیں کسی سے بات

نہیں کرتیں..... ان کا دل بہت نازک ہے..... اس کی حفاظت کرنا..... ہمارا دل اور اعصاب مضبوط تھے تو اس عریک سا ححوے گلے ہمیں بھو بیگم کے دل کے بارے میں پریشانی ہے“ دادو نے کہا۔

”دادو..... کچھ نہیں ہوگا..... ڈونٹ یو وری..... اب آپ مجھے“ دلوں میں نہ الجھائیں“ اسد نے جتنے ہوئے کہا۔

مومنہ فرے میں جوس لے کر آگئی اور دادو کے سامنے ٹیبل پر رکھا۔

اسد کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے کان سے لگایا

”ہیس..... مس فرزین..... سوری آج میں آفس میں نہیں آسکوں گا..... مائی عذاب یک (میری ماں چار ہے)“ اسد نے کہا تو دادو کے

چہرے پر مسکراہٹ پھیل گئی۔

”بیٹا..... آپ آفس جاسیے..... یہ کیا بات ہوئی.....؟ اتنی چھوٹی سی بیماری کی وجہ سے آپ اپنا آفس مس کر رہے ہیں“ دادو نے معنوی

خلقی سے کہا۔

”دادو..... میرے لیے دنیا میں آپ سے بڑھ کر کچھ بھی نہیں..... بس آج میں سارا وقت آپ کے پاس بیٹھوں گا“ اسد نے محبت سے دادو کو خود جوں کا گلاس پکڑ کر پلاتے ہوئے کہا۔

”جیتے رہیے..... بیٹا آپ جیسی سعادتمند اولاد پروردگار ہر ماں باپ کو دے..... آپ نے ہمیں کبھی تلخیص الدین کی کی محسوس نہیں ہونے دی“ دادو نے پرچم آنکھوں سے اسد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”دادو..... آپ کو آرام کی بہت ضرورت ہے اور اس حالت میں زیادہ باتیں بھی نہیں کرنی چاہئیں..... آپ جوں پی لیں.....“ اسد نے محبت سے دادو کو جوں پلاتے ہوئے کہا تو دادو نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور تھوڑا سا جوں پی کر اسے گلاس واپس کر دیا۔

”اب آپ آرام کریں..... میں نے میڈیسن کو ٹائم لوٹ کر لیا ہے..... اس کے مطابق میں اور مومن آپ کو خود میڈیسن کھلائیں گے“ اسد نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے کہا اور ان کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا۔

”بیٹا..... آپ تکلیف نہ کریں..... ہم ٹھیک ہیں..... خود میڈیسن کھالیں گے..... آپ اپنے آفس جانیے..... اپنا کام کریں..... ہمارے لیے اپنا وقت ضائع نہ کریں“ دادو نے رک رک کر کہا۔

”دادو..... پلیز..... کچھ مت کہیے..... میرے لیے دنیا میں آپ سے زیادہ کچھ بھی اہم نہیں..... نہ وقت..... نہ ٹیکسری..... نہ میرا کام..... میں آپ کے پاس بیٹھ کر سکون اور خوشی محسوس کرتا ہوں“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو دادو کی آنکھوں میں خوشی سے تارے جھلکانے لگے انہوں نے محبت بھری مسکراہٹ سے اسد کی طرف دیکھا اور دل ہی دل میں اسے بے شمار دعا کہیں دیتے لگیں

☆

سیما آپا کئی روز بعد ناظر علی کے گھر آئیں تھیں..... کشور اور ناظر علی انہیں اس محبت اور تپاک سے نہ ملے..... جیسے وہ پہلے ملتے تھے۔ دونوں بہت خاموش تھے اور ان کی آنکھوں میں گویا کئی ہزار شکوے تھے۔ کشور نے ریمان کو چائے لانے کو کہا

”خلیہ کہاں ہے.....؟ وہ کہیں نظر نہیں آ رہی.....؟ سیما آپا نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا

کشور نے ناظر علی کی طرف خونخوار نگاہوں سے دیکھا اور گہری سانس لے کر خاموش ہوئی۔ ناظر علی نے بھی آہ بھری۔

”کیا بات ہے؟ کیا تم لوگ اس سے ناراض ہو..... اور شاکر علی بھی امریکہ جانے سے پہلے تم سے ملنے آئے تو تم لوگوں نے بہت سرد مہری دکھائی.....؟ ناظر علی..... کیا تم لوگوں نے اپنے دل صاف نہیں کیے؟ سیما آپا نے قدرے خلگی سے پوچھا۔

”ریمان..... ہاں آؤ..... جاؤ خلیہ کو بلا کر لاؤ..... سیما آپا اس سے ملنے آئی ہیں“ کشور نے سیما آپا کے جواب میں ریمان کو بچن سے بلا کر اسے کہا تو ریمان اسے بلانے اس کے کمرے میں چلی گئی۔

سیما آپا کشور کی بات سن کر قدرے حیران بھی ہوئیں مگر خاموش ہو گئیں

"ناظر علی..... شا کر علی جانے سے پہلے بہت افسردہ تھے..... ہمیں تم سے یہ امید نہیں تھی..... اور..... کشور..... تم نے بھی "سیما آ پا دونوں سے شکوے کر رہی تھیں کہ علیہ تجزی سے لاؤنچ میں داخل ہوئی اس نے کپڑوں کے ساتھ سیلو لیس ٹی شرٹ پہن رکھی تھی اس کی آدمی بلی ٹانگیں اور نگے باز..... دوپٹے یا اسٹول سے مبرا لگا..... چھوٹے ہالوں کو بہر کچر سے سینے کی انتہائی بیہودہ کوشش میں وہ انتہائی بیہودہ لگ رہی تھی۔ سیما آ پا اسے دیکھ کر ایک دم چونک سی گئیں۔ وہ پہلی بار اسے اس حلقے میں دیکھ رہی تھیں۔

"السلام و علیکم..... چھو پھو آپ کب آئیں؟ علیہ مسکرا کر ان کے پاس بیٹھ گئی۔ سیما آ پانے بھجھول کے ساتھ اس کے سر پہ ہاتھ بھیرا۔

"ابھی..... تھوڑی دیر پہلے..... سیما آ پا آہستہ آواز میں بولیں۔ اور انہوں نے ٹھنڈی آہ بھری۔ اور خاموشی سے اسے دیکھنے لگیں۔

"کیسی ہو تم.....؟ سیما آ پانے قدرے توقف کے بعد گویا اپنے حواسوں پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"ٹھیک ہوں..... علیہ نے رسماً جواب دیا مگر اس کی آواز میں نہ خوشی تھی اور نہ ہی اطمینان۔

کشور اٹھ کر بچن میں چلی گئی اور ناظر علی تو شرم کے مارے نظریں ہی نہیں اٹھا رہے تھے مگر علیہ کو کسی قسم کی کوئی شرم محسوس نہیں ہو رہی تھی۔ وہ بہت پراحتاد لگ رہی تھی اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے فہر دیکھ کر اسے کان سے لگایا۔

"ہائے..... نکسین..... کیسی ہو.....؟ ڈونٹ بی سل یار..... تم نے کیسے assume کر لیا..... میں نہیں آؤں گی..... آئی ایم کسک ٹو پو..... اوکے..... ہائے..... اس نے موبائل آف کیا۔

"چھو پھو..... میں اپنی ایک فریڈ کی طرف جا رہی ہوں..... ہم لوگ باہر ڈنر کرنے جا رہے ہیں "علیہ نے اٹھتے ہوئے کہا اور سیما آ پا حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔

"کیا تم اس وقت اکیلی جا رہی ہو.....؟ سیما آ پانے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... اس میں حیرانگی کی کیا بات ہے چھو پھو؟ علیہ نے مسکرا کر قدرے طنز بھری لہجہ میں پوچھا۔

"ہمارے خاندان کی بہو بیٹیاں رات کو اکیلی گھر سے باہر نہیں جاتیں "سیما آ پانے قدرے سخت لہجہ میں کہا۔

"سوری..... میں کسی کو اپنے لیے bound نہیں کر سکتی..... اور ویسے بھی مجھے کسی کے ساتھ باہر جانا پسند نہیں "کندھے اچکا کر کہتی ہوئی باہر نکل گئی اور سیما آ پا حیرت سے اس کی طرف دیکھتی رہ گئیں

باہر سے گاڑی اشارت کرنے کی آواز سن کر کشور لاؤنچ میں آ گئی۔ سیما آ پا چٹنی چٹنی لگا ہوں سے لاؤنچ کے دروازے کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"کیا ہوا..... آ پا..... آپ خاموش کیوں ہیں؟ "کشور نے انتہائی معنی خیز انداز میں پوچھا

سیما آ پانے پتھرائی ہوئی لگا ہوں سے کشور اور ناظر علی کی جانب دیکھا۔

"ہم بھی اسے دیکھ دیکھ کر یونہی حیران ہوتے رہتے ہیں..... ہمارے مذہبی، پر بیڑ گارہ لائق بیٹے کے لیے آپ نے ایسی لڑکی کا انتخاب

کیا..... آپ کے فیصلے نے اس کی ذمہ داری خراب کر دی ہے..... شادی کے دن سے لے کر اب تک وہ اس قدر خاموش اور افسردہ اور دکھی ہے کہ میں بتا

فہمیں سکتی..... ہم اس کو دیکھ کر کڑھتے رتے ہیں..... مگر کسی کو کچھ کہہ نہیں سکتے..... آپا..... آپ نے اچھائی جلدی میں فیصلہ کر کے ہمارے مگر کاسکون اور ہمارے بیٹے کی زندگی کو برباد کر دیا ہے..... اتنا کچھ دیکھ کر بھی ہم خاموش رتے ہیں..... نہ کچھ کہہ سکتے ہیں..... اور نہ ہی کچھ کر سکتے ہیں" کشور نے افسردگی سے سیما آپا سے شکایتی لہجے میں کہا۔

"مجھے ہانکل بھی انداز نہیں تھا..... کہ..... نزہت کی بیٹی ایسی ہوگی..... پورا خاندان نزہت کی خوبیوں کا اعتراف کرتا ہے" سیما آپا نے آہ بھر کر کہا۔

"آپ ٹھیک کہتی ہیں..... مگر..... نزہت نے اس کو ختم دیا..... اس کی تربیت عدوت نے کی ہے..... جنم دینے اور تربیت کرنے میں بڑا فرق ہوتا ہے..... علیحدہ کے خون پر اس کے ماحول کا اثر غالب آ گیا ہے..... مگر..... آپا..... اس سارے قصے میں..... میرے سنی کی زندگی برباد ہوگئی ہے..... اتنی اچھی اچھی اور اعلیٰ خاندان کی لڑکیوں کے رشتے موجود تھے مگر.....؟ کشور نے آہ بھر کر قدرے فحلی سے سیما پا کی طرف دیکھا اور جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

سیما آپا نے کشور کی طرف اور پھر باظر علی کی طرف بنور دیکھا اور پھر خاموش ہو گئیں جیسے کچھ سوچ رہی ہوں

"کشور..... بچے جب بھگ جائیں تو ہاں باپ کیا کرتے ہیں..... کیا ان کو گھروں سے نکال دیتے ہیں یا پھر ان کو راہ راست پر لانے کی کوشش کرتے ہیں؟ سیما آپا نے قدرے توقف کے بعد پوچھا

"کیا مطلب؟ آپ کیا کہنا چاہتی ہیں؟ کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"مجھ سے بہت بڑی غلطی ہوگئی ہے جو میں نے دونوں بچوں کو دیکھے اور جانے بغیر ان کی زندگیوں کا فیصلہ کر دیا..... باظر علی اور کشور میں تم دونوں سے بے حد شرمندہ ہوں لیکن یہ سب کچھ انجانے میں ہوا..... کبھی کبھی انسان دوسروں کی خیر خواہی میں ہی کتنی بڑی بڑی غلطیاں کر ڈالتا ہے..... میں قصور وار ضرور ہوں مگر گناہگار نہیں کیونکہ میں نے تو سارے خاندان کی بہتری کی خاطر یہ فیصلہ کیا..... لیکن اب جو ہوتا تھا وہ ہو چکا ہے..... ہمیں یہ سوچنا ہے کہ ہم اپنے بچوں کا مستقبل کس طرح بہتر بنا سکتے ہیں..... علیحدہ کو کس طرح ٹھیک کر سکتے ہیں..... اس کے خون میں نزہت کے دودھ کا اثر ضرور ہوگا..... مجھے امید ہے..... علیحدہ ضرور راہ راست پر آ جائے گی..... بس تم لوگ اس سے تھوڑا سا تعاون کرو" سیما آپا نے دونوں کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپا..... یہ تعاون نہیں..... تو..... اور..... کیا ہے..... کہ ہم اسے کچھ کہتے ہی نہیں ہیں..... وہ جو چاہتی ہے..... کرتی ہے اور جہاں چاہتی ہے..... جاتی ہے..... اسے کوئی روک ٹوک نہیں" کشور نے منہ بنا کر کہا۔

"کشور..... اس طرح بچوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا بھی اچھا نہیں ہوتا..... بچوں کی جو ہمنمائی والدین کر سکتے ہیں..... کوئی اور نہیں کر سکتا" سیما آپا نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

"آپ عی بتائیے..... ہم..... اور کیا کر سکتے ہیں..... اس کی حرکتوں اور باتوں پر عمل بھن کر خاموش رتے ہیں..... اس سے زیادہ اور کیا

کریں؟ کشور نے غلطی سے منہ مٹا کر جواب دیا

”کشور..... علیہ کی بجائے نمرایوں بھگ جاتی..... تو..... پھر تم کیا کرتی؟ سیرا آپا نے پوچھا تو کشور نے غصے سے ان کی طرف یوں دکھا جیسے سیرا آپا کی بات اعتنائی ہی نہ تھی۔

”آپا..... میری اولاد یہ سب کچھ کرتی..... تو..... پھر آپ دیکھتی میں کیا کرتی؟ کشور نے عداوت بھرے لہجے میں کہا۔

”کشور..... اولاد..... جہاں اللہ کی نعمت ہے..... وہاں اس کی بہت بڑی آزمائش بھی ہے..... کسی کی اولاد کسی کے لیے آزمائش میں جائے..... کوئی کچھ نہیں کہہ سکتا..... اس لیے اولاد کے بارے میں بڑے بڑے دعویٰ سے بچنا چاہیے..... دعا کرو..... پروردگار کسی کی بھی اولاد کو اس کے ماں باپ کے لیے آزمائش نہ بنائے“ سیرا آپا نے کہا تو کشور خاموش ہو گئی۔

”آپا..... ٹھیک کہہ رہی ہیں..... اب وہ ہماری بہنیں..... بیٹی بھائی اور ہدایت کے بارے میں سوچنا چاہیے“ ناظر علی نے سیرا آپا کی ہاں میں ہاں ملااتے ہوئے کہا تو کشور خاموش ہو گئی۔ اور اٹھ کر مین میں چلی گئی۔

”ناظر علی..... تم..... کشور کو سمجھاؤ..... جب کوئی آزمائش انسان پر آتی ہے..... تو وہ اکیلے انسان پر نہیں آتی بلکہ اس سے وابستہ سارے لوگوں پر آتی ہے کہ اس مشکل گھڑی میں کون، کس کا، کتنا ساتھ دے رہا ہے..... علیہ ہماری بیٹی ہے..... ہمارا خون ہے..... سنی کی بیوی ہونے کے ناتے وہ اس گھر کی عزت ہے اور گھر کی عزت کی حفاظت کی جاتی ہے..... اسے رسوا نہیں کیا جاتا..... سنی کب آئے گا..... آج رات میں بہنیں رکوں گی اور خود اسے سمجھاؤں گی“ سیرا آپا نے کہا تو ناظر علی بھی ان کی بات سن کر خاموش ہو گئے۔

رات کو بارون رگ رہے تھے اور علیہ ابھی تک نہیں لوٹی تھی..... اور سیرا آپا پریشان ہو رہی تھیں۔ سنی بھی ہاسپٹل سے لیٹ آیا تھا اور سب لوگ کھانا کھا کر لاؤنج میں بیٹھے تھے مگر سیرا آپا اندر ہی اندر بے حد مضطرب ہو رہی تھیں۔ انہوں نے تو آج تک اپنی بہن بیٹیوں کو رات کے وقت اکیلے گھر سے باہر جانے کی اجازت نہیں دی تھی اور وہ بھی اتنی دیر تک.....

”سنی..... بیٹا..... علیہ کو فون کرو..... وہ کہیں ہے؟ میرا دل گھبرا رہا ہے“ سیرا آپا نے پریشان ہو کر کہا تو سنی نے علیہ کا موبائل نمبر ملایا..... مگر ہر بار وہ کال ریجیکٹ کر دیتی..... اور ہر بار سنی کے چہرے پر مایوسی کے تاثرات نمایاں ہونے لگتے۔

”کیا ہوا.....؟ وہ فون پر بات کیوں نہیں کر رہی..... خدا خیر کرے..... وہ خیریت سے ہو..... سیرا آپا نے فکر مندگی سے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔ سنی نے ان کی بات کا کوئی جواب نہ دیا اور موبائل ٹیبل پر رکھ دیا۔

تھوڑی دیر بعد علیہ کی گاڑی کا بارن سٹائی دیا اور چوکیدار نے گیٹ کھولا اور وہ گاڑی سے اتر کر میز حیاں چڑھتی ہوئی اوپر اپنے کمرے میں چلی گئی۔ سیرا آپا سمیت سب اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ سیرا آپا کو بھی یہ دیکھ کر قدرے مایوسی ہوئی۔

”سنی بیٹا..... چاؤ..... علیہ کو بلا کر لاؤ.....“ سیرا آپا نے کہا۔

”پہو پہو..... اس وقت وہ نہیں آئے گی“ سنی نے آہ بھر کر مایوس کن لہجے میں جواب دیا۔

"کیوں..... اس وقت کیوں نہیں آئے گی؟ سیمہ آپا نے حیرت سے پوچھا تو سنی نے خاموشی سے نظریں جھکا لیں۔

"ٹھیک ہے..... میں خود اسے جا کر دیکھتی ہوں" سیمہ آپا نے اپنے بھاری بھرکم وجود کو مشکل اٹھاتے ہوئے کہا

"آ..... آپا..... آپ کہاں جا رہی ہیں..... آپ کیسے اتنی بیڑھیں چڑھ سکیں گی؟ ناظر علی نے ان کے بازو کو پکڑ کر سہارا دیتے ہوئے کہا۔

"ناظر علی..... میری گھرمت کرو..... تم لوگوں کو جس آگ میں میں نے جھوٹا ہے..... اسے مجھے ہی ٹھنڈا کرنا ہے" سیمہ آپا قدرے پرعزم

لہجے میں بولیں اور آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ہوئے بیڑھوں کی جانب بڑھنے لگیں۔

"پھوپھو..... مت جائیں....." سنی نے ان کے قریب آ کر ان کو ہازو سے پکڑتے ہوئے کہا۔

"مجھے..... مت روکو..... آج میں اس سے بات کر کے رہوں گی" سیمہ آپا کے لہجے میں خفگی اور پختہ ارادہ تھا۔

"ٹھیک ہے..... میں آپ کو..... اوپر لے کر جاتا ہوں" اور سنی انہیں اپنے مضبوط ہاتھ کی مضبوط گرفت کا سہارا دے کر اوپر اپنے بیڈروم

میں لے گیا۔

علیہ صوفے پر ٹیک لگائے سگریٹ کے گہرے کش لگا رہی تھی۔ سیمہ آپا اسے دیکھ کر چونک گئیں۔

"ع..... ع..... علیہ..... بیٹی..... یہ تم کیا کر رہی ہو.....؟ حیرت کے مارے سیمہ آپا کے حلق سے آواز نہیں نکل رہی تھی

"سگریٹ پی رہی ہوں" وہ سگریٹ کا دھواں منہ سے نکالتے ہوئے بولی اور سیدھی ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی۔

سیمہ آپا اس کی بے باکی پر دل سوس کر رہ گئیں..... کوئی چیز چھنا کے سے ان کے اندر نہ ٹوٹی۔

"بیٹی..... ہمارے خاندان کی....." سیمہ آپا نے اپنے اعصاب پر قابو پاتے ہوئے اور اپنے لہجے کو قدرے نرم کرتے ہوئے اس کے سر پر

ہاتھ پھیرنے کی کوشش کی تو وہ تھلا کر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آپ کے خاندان کی لڑکیاں کیا کرتی ہیں..... مجھے اس سے کوئی سروکار نہیں....." اس کے لہجے میں خفگی، آواز میں ارتعاش اور آنکھوں

میں قدرے سرنخی تھی..... اس کے منہ سے جو ہد ہوا رہی تھی اس نے سیمہ آپا کو چھوٹا دیا۔

"تم بھی اس خاندان کی عزت ہو....." سیمہ آپا نے اس کا ہازو پکڑے ہوئے قدرے سخت لہجے میں کہا۔

"میرا کسی سے کوئی تعلق نہیں....." وہ ہازو چھڑا کر سگریٹ الٹ بڑے میں مسلٹی ہوئی واٹس روم کی طرف چلی گئی۔ اس کے قدم لڑکھڑا رہے

تھے..... سنی سر جھکائے خاموشی سے صوفے پر بیٹھا دونوں کی باتیں سن رہا تھا۔

"سنی..... بیٹا..... اسے کیا ہو گیا ہے.....؟ کیسی ہلکی ہلکی باتیں کر رہی ہے" سیمہ آپا نے حیرت سے پوچھا۔

"پھوپھو..... علیہ نے شراب پی رکھی ہے" سنی آہستہ آواز میں بولا۔

"ش..... شراب.....؟ سیمہ آپا نے قدرے چیخ مارتے ہوئے کہا اور حیرت سے اپنے دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھ لیے۔

"ہاں..... وہ شراب پیتی ہے" سنی نے آدھ بھر کر کہا۔

سیما آپا دھڑام سے صوفے پر گر گئیں۔ حیرت سے ان کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں..... وہ پھرائی ہوئی نگاہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگیں..... انہیں اپنی سانس رکتی ہوئی محسوس ہونے لگی..... وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے کبھی سنی کی طرف دیکھتیں تو کبھی کمرے کی در و دیوار کی طرف..... ان کا سر پیٹنے لگا تھا۔ انہیں محسوس ہو رہا تھا جیسے انہیں الیکٹرک شاخ سے دیے جا رہے ہوں۔

"سنی بیٹا..... مجھے معاف کر دینا..... مجھ سے انجانے میں بہت بھول ہو گئی ہے" وہ ایک دم ہاتھ جوڑ کر سنی کی طرف دیکھنے لگیں اور پھوٹ پھوٹ کر رونے شروع کر دیا..... سنی ان کے یوں اچانک رونے پر یوگھلا گیا اور پریشان ہو کر اپنی جگہ سے اٹھ کر سیما آپا کے قدموں میں بیٹھ گیا۔ ان کے جڑے ہوئے ہاتھوں کو اس نے اپنے ہاتھوں میں مضبوطی سے پکڑ کر اپنے لبوں سے لگا دیا۔

"پلیز..... پھوپھو..... ایسی باتیں مت کریں..... آپ نے تو مجھے اپنی اولاد سے بھی بڑھ کر چاہا ہے..... آپ جان بوجھ کر کیسے یہ سب کر سکتی تھیں..... شاید یہ سب کچھ میری قسمت میں ہی لکھا تھا جو مجھے مل رہا ہے" سنی بھی ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ اس کے اندر بھی کئی روز سے لاوا پک رہا تھا وہ راستہ دیکھتے ہی بہہ نکلا۔ سیما آپا نے اس کے سر پر محبت سے ہاتھ پھیرا اور اس کے سر کو چومنے لگیں۔

دونوں پھوٹ پھوٹ کر رو رہے تھے..... سنی بری طرح سسکیاں بھر رہا تھا۔
واش روم کا دروازہ کھلا اور علیحدہ کمرے میں داخل ہوئی۔ دونوں کو شدت سے روتے دیکھ کر وہ جھکی۔ سنی نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے اور سیما آپا کے قدموں سے اٹھ کر صوفے پر بیٹھ گیا۔ سیما آپا نے بھی اپنی چادر کے پلو سے اپنی آنکھیں صاف کیں اور بے بسی سے علیحدہ کی طرف دیکھنے لگیں۔ علیحدہ کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔ اس نے سنی اور سیما آپا کی طرف بغور دیکھا اور کمرے کا دروازہ کھول کر باہر میسر پر چلی گئی۔

"سنی بیٹا..... کیا گھر میں علیحدہ کی اس عادت کے بارے میں..... کوئی اور جانتا ہے؟ سیما آپا نے آدھ بھر کر پوچھا۔
"شاید..... نہیں" سنی نے جواب دیا۔

"بیٹا..... اس بات کے باہر جانے میں ہماری بڑی بدنامی ہے..... کوشش کرنا..... کسی کو اس بات کی بھک نہ پڑے اور سنی..... تم تو بڑے قابل ڈاکٹر ہو..... تمہارا بہت بڑا اسپتال ہے..... تم علیحدہ کو ٹھیک کرنے کی کوشش کرو" سیما آپا نے قدرے پر امید لہجے میں کہا۔

"پھوپھو..... میں ان مریضوں کا علاج کرتا ہوں جو ٹھیک ہونے کے لیے میرے پاس آتے ہیں..... میں..... علیحدہ کا علاج کیسے کروں..... وہ تو مجھ سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتی..... ہم دونوں بس ظاہری طور پر میاں بیوی کے رشتے میں بندھے ہیں..... ہمارے درمیان کوئی رشتہ نہیں" سنی نے آدھ بھر کر اپنے دل کا زخم دکھایا تو سیما آپا نے تاسف سے اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئیں۔

"بیٹا..... علیحدہ تمہاری بیوی ہے..... اس کا مرض ڈھونڈ کر تمہیں ہی اس کا علاج کرنا ہے..... اس کی عزت اور بدنامی سے سب سے زیادہ فرق تمہیں پڑے گا..... کسی اور کو نہیں..... دوسرے تو بس تماشا دیکھیں گے..... بیٹا..... ایک کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے..... خدا نے ہدایت کے راستے تو کبھی بھی کسی کے لیے بند نہیں کیے..... اور اگر تمہیں تھوڑی سختی بھی کرنی پڑے تو کرو" سیما آپا نے محبت سے سمجھایا تو سنی خاموش ہو کر ان کی

جانب دیکھنے لگا۔

”ہاں..... جیٹا..... بہت کرو..... راستہ مشکل دیکھ کر سزا دھور انہیں چھوڑ دیجئے“ سیما آپا نے لائف بھرے لہجے میں اسے سمجھایا۔ علیحدہ دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں.....

”سنی جیٹا..... مجھے نیچے چھوڑ آؤ“ سیما آپا نے مشکل اٹھتے ہوئے کہا تو سنی نے ان کے ہاڑ کو سہارا دے کر اٹھایا اور دونوں خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

سیما چھو پھو اور سنی کو روکتے دیکھ کر علیحدہ کدول کو دھچکا مارا لگا تھا۔

سیما چھو پھو اور سنی کس بات پر اس قدر شدت سے رو رہے تھے کیا اس کی وجہ سے.....؟ لیکن اس نے تو کسی کو..... کوئی تکلیف نہیں پہنچائی تھی۔ اس نے تو کسی سے کوئی بات نہیں کہی تھی..... پھر..... کیسے.....؟ کسی کو اس سے شکایت ہو سکتی ہے؟“ علیحدہ نے دل میں سوچا اور اپنے آپ کو ہر انزام سے بری الذمہ قرار دیتے ہوئے مطمئن کر دیا..... مگر پھر بھی نبھانے کون سی غلطی تھی جو اس کدول میں اضطراب پیدا کر رہی تھی۔ رفتہ رفتہ اس کدول میں اضطراب مزید بڑھنے لگا..... اس نے اپنے بیک میں سے سگریٹ کی ڈبیا نکالی اور سگریٹ جلا کر اس کے گہرے گہرے کش لگانے لگی۔

سنی سیما آپا کو نیچے بیڈ روم میں لے کر واپس لوٹا تو علیحدہ کو کمرے میں پکڑ لگاتے اور تیزی سے سگریٹ کے کش لگاتے دیکھ کر قدرے غصے میں اس کی جانب بڑھا اور اس کے ہاتھ سے سگریٹ چھین کر اسے الٹش نرے میں مسلا

”باؤ ڈیئر (تمہاری جرأت کیسے ہوئی؟) علیحدہ نے غصے سے قدرے چلاتے ہوئے کہا۔

بی..... کو انٹ (خاموش رہو) سنی آہستہ آواز میں دانت کچکا کر بولا:-

علیحدہ حیرت سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”علیحدہ..... اس ٹوئج“ سنی نے اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈالتے ہوئے کہا۔

”وہاٹ.....؟ علیحدہ نے غصے سے پوچھا۔

”میں تمہیں یوں چاہ رہا ہوں کہ دیکھ سکتا“ سنی نے اپنے لہجے کو نرم بناتے ہوئے کہا۔

”وس از مائی لائف (یہ میری زندگی ہے) وہ قدرے سنجے سے بولی۔

”ایئنڈ..... یو..... آر..... مائی لائف.....“ (اور تم میری زندگی بھی ہو) سنی نے اس کے کندھوں کو مضبوطی سے پکڑتے ہوئے کہا تو اس نے چونک کر سنی کی جانب دیکھا۔ سنی بھی اس کی جانب بغور دیکھ رہا تھا۔ علیحدہ کی آنکھوں میں یقینی اور بے یقینی کی سی کیفیت تھی۔ آج تک زندگی میں کوئی بھی اس کے ہارے میں اتنا پوزہ نہ سوس نہیں ہوا تھا..... وہ بھی نہیں وہ جن سے وہ خود محبت کرتی تھی..... اور وہ بھی نہیں جو اس سے محبت کا دعویٰ کرتے تھے..... وہ اس کے ہارے میں کتنا پوزہ نہ سوس ہو رہا تھا علیحدہ نے اپنے جسم کو حرکت دینے کی کوشش کی مگر اسے یوں لگا جیسے وہ بے جان ہو چکی ہو..... سنی نے گہری سانس لی اور اس کے کندھوں پر اپنی گرفت نرم کرتے ہوئے پیچھے ہٹ گیا۔

لیکن دو مجھے ناپسند کرے گی اور مجھے کوئی اہمیت نہیں دے گی..... میں نے اس کے بارے میں کبھی نہیں سوچا تھا..... میں تو الجھ کر رہ گیا ہوں..... میں اپنے آپ کو کس قدر شکست اور بے بس محسوس کرتا ہوں۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتیں "سنی کی آواز میں اس کے آنسوؤں کی آمیزش اس کے اندر کی کیفیت کو ظاہر کرنے لگی۔

"خدا..... تم پر رحم کرے اور تمہیں بہت دے کہ تم اس آزمائش میں سے سرفراز ہو کر نکلو..... میرا در حوصلے سے سب کچھ برداشت کرنا..... مجھے امید ہے خدا تم پر ضرور اپنا کرم کرے گا..... علیحدہ ضرور....." سیمہ آپ کی زبان کچھ کہتے کہتے رک گئی۔ اور انہوں نے گہری سانس لی۔

"ہاں..... نہیں..... پھوپھو..... کیا ہوگا؟ سنی نے مایوسی سے کہا۔

"سب اچھا ہوگا..... میں تمہارے لیے دن رات دعائیں کروں گی" سیمہ آپ نے اس کے کندھے کو ہتھکی دیتے ہوئے کہا اور اسے حوصلہ دیتے کی کوشش کی مگر وہ اندر ہی اندر منتشر ہو چکا تھا کہ پھوپھو کی تسلی اس کی دلجوئی نہ کر سکی اور اس نے ان کی بات پر کوئی توجہ نہ دی.....

سیمہ آپ کو ان کے گھر ڈراپ کر کے وہاں پہنچا تو اس کا پی اے صیب ایک قفل پکڑے اس کے کمرے میں آیا۔

"ڈاکٹر فکلین..... آج شام آپ کو ایک انٹرنیشنل سیمینار اہلیت کرنا ہے۔ صبح سے فون آرہے ہیں..... میں آپ کو کوئی ٹکٹ کر رہا تھا مگر آپ کا موبائل آف مل رہا تھا" صیب نے جلدی جلدی بتایا۔

"صیب ان کو فون کر کے بتا دو کہ میں سیمینار میں شرکت نہیں کر سکتی" ڈاکٹر فکلین نے سہجیدگی سے جواب دیا۔

"ڈاکٹر فکلین..... یہ..... یہ آپ کیا کر رہے ہیں..... یہ سیمینار آپ کے کیریئر کے لیے کس قدر اہم ہے۔ کیا اس کا آپ کو اندازہ ہے۔ اور ایسے سیمینار کے منعقد ہونے کا تو آپ کئی سالوں سے انتظار کر رہے تھے اور..... اب.....؟ صیب نے انتہائی پریشانی سے کہا۔

"ہاں..... وقت..... وقت کی بات ہوتی ہے..... کبھی ہمیں کسی کا انتظار ہوتا ہے اور کبھی..... کسی کو ہمارا..... مگر میں اس میں شرکت نہیں کر سکتی" ڈاکٹر فکلین نے آہ بھر کر جواب دیا۔

مگر کیوں.....؟ آپ کو کیا ہو گیا ہے..... آپ کئی روز سے نہ کسی کانفرنس میں شرکت کر رہے ہیں نہ کسی سیمینار میں..... نہ کوئی ٹیکسٹ کر رہے ہیں اور نہ ہی ہاسٹل سے ریلیٹڈ ایکٹیوٹیز میں انٹرسٹ لے رہے ہیں..... کیا آپ.....؟ صیب نے معنی خیز انداز میں ڈاکٹر فکلین کی جانب دیکھتے ہوئے جملہ امور اچھوڑ دیا۔

"ہاں..... مجھے تھوڑا سا مددیک چاہیے" ڈاکٹر فکلین نے تعلیمیت سے جواب دیا تو صیب نے ان کی طرف حیرت بھری نگاہوں سے بغور دیکھا اور ان کی بات پر بے یقینی کا اظہار کرتے ہوئے ہارٹل گیا۔

ڈاکٹر فکلین نے آہ بھری اور ان کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔ دوسروں کا علاج کرنے والا سیمہ اپنے آپ کو بے بس اور لاچار سمجھنے لگا تھا۔ اسے اپنا مرض لا علاج محسوس ہو رہا تھا۔ جس کیریئر کو بنانے میں وہ دن رات مصروف رہے تھے۔ اپنے ملک اور بیرون ملک نام بنانے میں انتھک محنت کی تھی۔ کوئی کانفرنس اور کوئی سیمینار ان کی شرکت کے بغیر مکمل نہ ہوتا تھا۔ اپنی بے پناہ مصروفیات کو ترک کر کے وہ ان کانفرنسز میں ضرور شرکت کرتے

تھے۔ اور اب شادی کے بعد وہ اپنی طور پر اس قدر پریشان رہتے تھے کہ ان کا دل کسی کام میں نہیں لگتا تھا۔ مریضوں کا علاج کرتے ہوئے ان کی کبھی ہسٹری سنتے ہوئے وہ خود کہیں کھو جاتے۔ بہت سے مریضوں کی ہسٹری انہیں اپنی ہسٹری معلوم ہوتی۔۔۔۔۔ کئی مریضوں میں نشے کی وجوہات لکھتے ہوئے انہیں علیحدہ بار بار یاد آتی ضرور ان میں سے کوئی وجہ علیحدہ کو کبھی ہوگی۔۔۔۔۔ مگر وہ علیحدہ کی وجوہات جاننے سے قاصر تھے۔۔۔۔۔ رفتہ رفتہ ان کی مریضوں میں بھی دلچسپی کم ہونے لگی۔ وہ اکثر اپنے کمرے میں تنہا بیٹھے اپنی سوچوں میں کھل گم رہتے اور ان کے اسٹنٹ ڈاکٹرز انہیں دیکھ کر پریشان ہوتے۔

”ڈاکٹر ثقلین..... میں یہ کیا خبر سن رہا ہوں؟ ڈاکٹر برلاس قدرے بوکھلائے ہوئے ڈاکٹر ثقلین کے کمرے میں داخل ہوئے ڈاکٹر ثقلین کرسی کی پشت سے سر نکاتے صحت کو مگھور رہے تھے ڈاکٹر برلاس کے چابک کمرے میں داخل ہونے پر بوکھلا گئے اور کرسی پر سیدھے ہو کر بیٹھ گئے۔

”حیب نے مجھے بتایا ہے کہ آپ سیمینار میں نہیں جا رہے..... کیا آپ نہیں جانتے کہ سیمینار کی تاریخ اور وقت ہمارے مختل انتہی نازک وقت پر ڈاکٹر انریکٹرز نے ہم سے پوچھ کر رکھی تھی اور اس وقت میں اہم ملکوں کے ماہرین اس میں شرکت کے لیے آئے ہیں اور اپنے ملک سے نمائندگی آپ کو کرنی ہے..... ڈاکٹر ثقلین کیا آپ چٹوٹن سمجھ رہے ہیں..... آپ کا، ہمارا ہمارے ہاسٹل کا اور ہمارے ملک کا کتنا بڑا نقصان ہوگا..... اگر آپ اس میں شرکت نہیں کریں گے“ ڈاکٹر برلاس قدرے جذباتی ہو کر بولے۔

”میں سب جانتا ہوں مگر میں نے اس کے لیے کوئی ہوم ورک نہیں کیا..... کوئی اسائنمنٹ نہیں بنائی..... کسی نئے ٹاپک پر ریسرچ نہیں کی..... میں سیمینار میں یوں شریک ہو کر اپنا اور اپنے ٹمک کا بیج خراب نہیں کرنا چاہتا“ ڈاکٹر تھلین نے صاف کوئی سے بتایا۔

”آپ کو سب کچھ معلوم تھا..... پھر بھی اس کے باوجود آپ نے کوئی تیاری نہیں کی..... ڈاکٹر تھلین آپ کو کیا ہو گیا ہے..... آپ نے ایسی کوئی تو کبھی نہیں کی..... آپ تو بہت محتاط اور vigilant ہیں۔ ہر بات ہر معاملے کو بہت سوچ سمجھ کر بیان کرتے ہیں..... اور..... اتنے اہم سیمینار کو آپ نے کیسے نظر انداز کر دیا..... آپ کا اس میں شرکت کرنا بہت ضروری ہے.....“ ڈاکٹر برلاس نے قدرے رعب سے کہا۔ دوویسے بھی ڈاکٹر تھلین سے عمر اور تجربے میں بہت سینئر تھے اور ڈاکٹر تھلین ہمیشہ ان کی بہت عزت کرتے تھے۔ ان کے ساتھ بحث و مکران نہیں کرتے تھے۔

”پلیز..... ڈاکٹر برلاس..... آپ چلے جائیے..... میں نہیں جا سکوں گا.....“ ڈاکٹر تھلین نے نظریں جوٹا کر آہستہ آواز میں کہا۔

”میں..... میں..... چلا جاؤں؟“ آپ کیا کہہ رہے ہیں..... کیا آپ جانتے ہیں؟ ڈاکٹر برلاس بوکھا کر انتہائی حیرت سے اپنی کرسی پر سے اٹھتے ہوئے کہا جیسے انہیں کوئی الیکٹرک شاک لگا ہو۔

”مجھے سمجھنے کی کوشش کریں..... میں اس وقت بہت ڈرنے لگا ہوں..... ساری رات سو نہیں سکا..... بلکہ کئی راتوں سے مسلسل جاگ رہا ہوں..... ذہن اس قدر منتشر ہے کہ اپنی ہی کئی ہوائیاں بھولنے لگا ہوں..... ہار ہار نہیں دہراتا ہوں..... سیمینار میں جا کر کوئی ایسا لفظ نہیں کرتا جاتا..... کہ پوری دنیا میں جگ جنسانی ہو..... سیمینار کا موضوع بہت حساس ہے۔ ملکی و غیر ملکی تنظیمیں اور میڈیا اس سیمینار کو منعقد کرانے میں کتنے ایکٹو ہیں..... یہ تو آپ جانتے ہیں نا..... میں نے اپنے ذہن کو کچھ ذکر کرنے کی بہت کوشش کی..... مگر میں نہیں کر پایا.....“ ڈاکٹر فاطمہ نے آہ بھر کر کہا اور ان

کی آنکھوں میں نمی سی اتر آئی۔

”ڈاکٹر تھلین..... آپ اسے کنزرو کب سے ہو گئے.....؟ آپ کی زبان سے ایسی باتیں میں پہلی بار سن رہا ہوں..... اور مجھے شدید حیرانگی کے ساتھ ساتھ الحوس بھی ہو رہا ہے..... اپنے شعبے میں ملک کا نمبر ون ڈاکٹر کیسی باتیں کر رہا ہے..... آخر مسئلہ کیا ہے.....؟ میں نے آہر رو کیا ہے جب سے آپ کی شادی ہوئی ہے۔ آپ بہت اپ سیٹ ہیں..... کیا ایسی کوئی بات ہے.....؟ ڈاکٹر برلاس نے قدرے تشویش سے پوچھا۔

”ڈاکٹر برلاس..... پلیز سیمینار میں جانے کی تیاری کیجئے..... میں صیب کو کہتا ہوں..... وہ میرا کچھ مسئلہ آپ کو دے دیتا ہے میں ایک critical phase (مشکل دور) سے گزر رہا ہوں..... کسی مناسب وقت پر اس کے بارے میں بات کریں گے“ ڈاکٹر تھلین نے نالے کے انداز میں کہا تو ڈاکٹر برلاس سمجھ گئے اور خاموشی سے ان کے کمرے سے چلے گئے۔

ڈاکٹر تھلین نے اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام لیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے اپنی کنپٹیوں کو دبائے گئے۔ ان کا سر بری طرح پھٹ رہا تھا۔ انہوں نے اپنے بیک سے خواب آور گولیوں کی شیشی نکالی اور ایک گولی کھا کر باہر نکل کے ایک پرائیویٹ روم میں جا کر اسے اندر سے لاک کیا اور سونے کی کوشش کرنے لگے۔ مگر دل کی بے سکونی اور اندر کا اضطراب انہیں اس قدر بے قرار کر رہا تھا کہ انہوں نے بیک سے ایک اور گولی نکال کر کھائی اور سونے کی کوشش کی۔ تھوڑی دیر بعد گولیوں نے اپنا اثر دکھایا اور وہ گہری نیند سو گئے۔

”سنی ابھی تک گھر نہیں آیا..... رات کتنی گہری ہو رہی ہے..... میرا دل بہت گھبرا رہا ہے..... ناظر..... اسے فون کر کے پوچھیں کہ وہ کہاں ہے؟ کشور نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں اپنے بیڈ روم کا کلاک دیکھتے ہوئے کہا جو بارہ بج رہا تھا۔

”اس کا موبائل بند ہے..... اور ہسپتال والوں کو بھی کچھ معلوم نہیں کہ وہ کہاں ہے..... آج سارے ڈاکٹر کسی سیمینار میں گئے ہیں مگر سنی سیمینار میں بھی نہیں گیا..... نجانے کہاں ہے؟ میں تو اس کے دوستوں کو بھی فون کر رہا ہوں مگر کسی کو کچھ بھی خبر نہیں“ ناظر علی نے کمرے میں پھر لگاتے ہوئے جواب دیا۔

”ناظر..... کچھ کریں..... سیمہ آپا کو ہی فون کریں..... وہ صبح ان کو گھر چھوڑنے گیا تھا..... اس نے ضرور انہیں کچھ بتایا ہوگا“ کشور نے اچانک کہا تو ناظر علی نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ جیسے کوئی بات سمجھ میں آگئی ہو۔ انہوں نے اسی وقت نمبر ملایا۔

”ہیلو..... فواد بیٹا..... آپ کہاں ہیں؟ ناظر علی نے سیمہ آپا کے بڑے بیٹے سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں خیریت ہے..... تم تو رات آپا سے میری بات کر واؤ..... ٹھیک ہے میں ہولڈ کرتا ہوں“ ناظر علی نے کہا۔

”وعلیکم السلام..... خیر تو ہے ناظر علی..... اس وقت..... تم نے فون کیا ہے“ سیمہ آپا نے گھبرا کر کہا۔

”آپا..... وہ..... بات یہ ہے..... کہ..... سنی..... ابھی تک گھر نہیں آیا..... نہ ہسپتال میں ہے اور نہ ہی کسی دوست کے پاس..... ہم لوگ

بہت پریشان ہو رہے ہیں..... آپ کو گھر چھوڑ کر وہ کہاں گیا تھا.....؟ ناظر علی نے رک رک کر کہا۔

”کیا سنی گھر نہیں آیا..... ابھی تک.....؟ آپا نے قدرے گھبرا کر چلا تے ہوئے کہا اور ایک دم ریسوران کے ہاتھ سے چھوٹ گیا۔

”آپا..... آپا..... کیا ہوا.....؟ بیلو..... بیلو..... آپا.....؟“ ناظر علی نے گھبرا کر سیما آپا کو آواز میں دیں مگر دوسری جانب سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ فون بند ہو گیا تھا۔

”کیا ہوا.....؟ کشور نے گھبرا کر پوچھا۔

”معلوم نہیں..... آپا..... شاید بے ہوش ہو گئی ہیں..... شاید ریسیوران کے ہاتھ سے چھوٹ گیا ہے.....“ ناظر علی نے گھبرا کر جواب دیا۔

”خدا خیر کرے.....“ کشور نے گھبرا کر اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھے۔

ناظر علی نے دوبارہ فون نمبر ملایا۔ مسلسل رنگ جاتی رہی مگر کسی نے فون نہ اٹھایا..... ہر بتل کے ساتھ ناظر علی کے چہرے پر تشویش اور پریشانی کے تاثرات نمایاں ہوتے رہے۔ وہ سنی کو بھول کر سیما آپا کی فکر میں لگ گئے تھے۔

”ناظر..... ہمیں..... سیما آپا کی طرف چلنا چاہیے..... اللہ کرے وہ خیریت سے ہوں“ کشور نے انتہائی فکر مندی سے کہا۔

”ہاں..... میرا بھی کچھ خیال ہے.....“ ناظر علی نے گاڑی کی چابی پکڑتے ہوئے کہا اور دونوں گھر سے باہر نکل گئے۔ نرا گہری نیند سو رہی تھی اور علیہ کو کسی بات کی کوئی خبر نہ تھی۔

”بیلو..... ہاں..... فواد چٹا بیلو..... کیا.....؟ ناظر علی نے ڈرائیونگ کرتے ہوئے فون سنا اور زبردست بریک لگا لی۔

”ک..... ک..... ک..... کیا ہوا.....؟ کشور نے بدحواس ہو کر پوچھا

”سیما آپا کو ہارٹ ایٹک ہوا ہے..... اور..... وہ ہاسپٹل میں ہیں..... ان کی حالت سیریس ہے“ ناظر علی نے بمشکل کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔ کشور کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں۔ ناظر علی بہت مشکل سے ڈرائیونگ کرتے اور ساتھ ساتھ اپنی نم آنکھوں کو پونچھتے رہے۔ کشور بھی سکیاں بھرتی رہی۔ دونوں خاموش تھے مگر ان کے دل شدت جذبات سے مغموم ہو رہے تھے۔ وہ بمشکل ہاسپٹل پہنچے۔ سیما آپا ICU میں تھیں۔ ان کے دونوں بیٹے، بہوئیں اور بیٹی واما واسب پریشان اور رنجیدہ کھڑے تھے

”آپا..... ک..... کیا ہوا.....؟ ناظر علی نے فواد کو گلے لگا کر پوچھا۔

”معلوم نہیں..... آپ کی فون کال کے بعد..... وہ ایک دم گر گئیں..... ماموں آپ نے ان سے کیا پوچھا تھا؟ فواد نے اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے ناظر علی سے پوچھا۔

”میں نے تو..... سنی کے ہارے میں پوچھا تھا..... وہ ابھی تک گھر نہیں آیا..... معلوم نہیں کہاں چلا گیا ہے؟ ناظر علی نے تشویش سے کہا۔

”کیا..... سنی..... ابھی تک گھر نہیں آیا؟ فواد نے انتہائی حیرت سے پوچھا

”نہیں.....“ ناظر علی نے آہ بھر کر جواب دیا۔

ک کشور..... سیما آپا کی دونوں بہنوں ایشلا اور میرا اور ان کی بیٹی فاخرہ کو تسلیاں دے رہی تھی۔ سب بیٹہ کر دعائیں کرنے میں مصروف تھیں۔ اچانک ایک اوجیز عمر ڈاکٹر دونوں جوانوں کے ساتھ ICU سے باہر نکلا۔ سب کے چہروں پر پریشانی و ٹھکرات کے آثار نمایاں تھے سب

لوگ ڈاکٹروں کی طرف دوڑے

"سوری..... ہم انہیں بچا نہیں سکے..... بہت کوشش کی" سینئر ڈاکٹر نے کہا تو سب لوگ رونے اور چلانے لگے..... برطرف کمرام ساج گیا۔ تینوں ڈاکٹر وہاں سے چلے گئے۔ ناظر علی اور کشور سب کو اپنے ساتھ لگا کر دلاسا دیتے رہے۔ اور سیرا آپا کی میت کو گھر لے جانے کا بندوبست کرتے رہے۔ رات بھر میں سب عزیز رشتہ داروں کو اطلاع دے دی گئی تھی۔ جیلا آپا اور صدیقہ آپا بھی خوراکی پہنچ گئیں تھیں۔ شاکر علی کا امریکہ سے پہنچنا ممکن نہیں تھا مگر وہ بار بار فون کر رہے تھے۔ ندرت بھی آگئی تھی۔ اگر نہیں آیا تھا تو سنی..... بر کوئی سنی کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔ جس کے غم میں سیرا آپا اس دنیا سے چلی گئی تھیں۔ اس کو کوئی خبر ہی نہ تھی۔ اگلے روز شام کو سیرا آپا کے جنازے کا وقت رکھا گیا اور ساتھ ساتھ سنی کی جنازہ بھی جاری رہی۔

سہ پہر ہو رہی تھی جب سنی کی آنکھ کھلی اور وہ دروازہ کھول کر باہر نکلا تو ہسپتال کا عملہ اسے دیکھ کر چوڑا۔

"ڈاکٹر تھلین..... آپ..... کہاں تھے.....؟ ان کے پی اے حسیب نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"میں لاسٹ روم میں سو رہا تھا..... میری طبیعت ٹھیک نہیں تھی" ڈاکٹر تھلین نے جواب دیا۔

"اودہ..... بالی گاڑ..... کیا آپ نے روم اندر سے لاک کیا تھا؟ حسیب نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... کیوں..... کیا ہوا؟ ڈاکٹر تھلین نے اپنی سرخ اور حتم آنکھوں کو پٹختے ہوئے پوچھا۔

"پلیز..... آپ جلدی سے اپنے مہر فون کریں..... آپ کو شاید معلوم نہیں کہ آپ کتنا سوئے ہیں اور آپ کے گھر والے کس قدر پریشان ہو رہے ہیں؟ حسیب نے کہا تو ڈاکٹر تھلین نے اپنا آف موہائل آن کیا جو آن ہوتے ہی بجنے لگا۔

"ہیلو..... ہاں..... اودہ..... فو....." ڈاکٹر تھلین کے چہرے پر ایک دم گہری اداسی اور ناہوئی چھانے لگی..... اور ان کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"نک..... کیا ہوا..... ڈاکٹر تھلین.....؟ حسیب نے ان کی بدلتی ہوئی افسردہ حالت دیکھ کر پوچھا۔ ڈاکٹر تھلین نے کوئی جواب نہ دیا اور اپنی غم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے ہاسپٹل سے باہر نکل گئے ان کی گاڑی بھی درکشاپ میں تھی جس کی وجہ سے کوئی ہاسپٹل میں ان کی موجودگی کے بارے میں نہ جان سکا۔

جنازہ اٹھانے کا وقت ہو رہا تھا جب سنی پہنچا..... سب اس کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے اور وہ خود بھی شدت غم سے مڑ حال ہو رہا تھا..... اس کے اندر یہ غم بیٹھ گیا تھا کہ پھوپھو اس کے غم کی وجہ سے مر گئی ہیں اور سیرا آپا اس خوف کو دل میں سما کر اس دنیا سے چلی گئیں کہ سنی نے گھبرا کر کوئی انتہائی قدم نہ اٹھا لیا ہو۔ سنی کے آنسو کسی طرح بھی غم نہیں رہے تھے سب اسے دلا سے دیتے رہے مگر اس کے لیے تمام تسلیاں اور دلا سے فضول تھے۔ اسے بہت پیار کرنے والی ہستی اس سے چھڑ گئی تھی۔ خاندان بھر کی بزرگ..... سب کے درمیان رنجشیں دور کرنے والی اور سب کو باہم جوڑ کر رکھنے والی سب سے جدا ہو گئی تھی..... سب بہن بھائیوں کی محترم اور سب کی اولادوں کو جی جان سے چاہنے والی نے سب کو خیر باد کہہ دیا تھا۔

سب آئے تھے..... اور سب دھاتیں مار مار کر رو رہے تھے۔ سوائے علیہ کے..... جو سب سے الگ تھلک ایک کونے میں خاموش بیٹھی تھی..... اس کی آنکھوں میں اداسی تھی مگر نمی نہیں تھی..... جنازہ اٹھتے ہی دو اپنی گاڑی لے کر گھر آگئی تھی۔ سب کی آنکھوں میں اس کے لیے ان گنت سوالات تھے۔ وہ سب کو حیران و پریشان چھوڑ کر چلی آئی تھی۔

☆

صدر نے جلدی سے گرم گرم روٹی توڑے سے اتاری اور پلیٹ میں سالن ڈال کر لاؤنج میں بیٹھی زاہدہ کے آگے رکھا۔

”کیا پکایا ہے.....؟ زاہدہ نے غصے سے پوچھا۔

”آلو کی بھجیا.....“ صدر نے آہستہ آواز میں کہا۔

”اٹھا..... اس کو لے جا..... خود کھا اور اپنے پچھلوں کو کھلا..... کیکال کہیں کی..... اپنی غربت کا منہوس سایہ میرے گھر پر بھی ڈال دیا..... کاشف اچھا خاصا کھانا تھا..... گھر میں کسی شے کی کمی نہ تھی..... ہر روز پھل، گوشت، مچھلی..... ہزار نعمتیں آتی تھیں..... اور تو کیا آئی..... سب کچھ ختم ہو گیا..... کچھ نہیں کھانا بچے.....“ زاہدہ نے بڑبڑاتے ہوئے سالن کی پلیٹ اٹھا کر فرش پر پھینکی۔ صدر و حیرت اور انہوں سے کبھی پلیٹ کو دیکھتی تو کبھی زاہدہ کو..... جس کو مرغن اور چٹ پٹے کھانوں کی عادت پڑ چکی تھی اور جس سے معمولی و سادہ غذا انہیں ہضم نہ ہوتی تھی۔

”کبھی..... آلو پکا لیتی ہے..... کبھی دسی لے آتی ہے..... کبھی اچار..... کبھی کہیں کی..... پورے دس دن ہو گئے ہیں..... گوشت کو پختے ہوئے..... نہ کوئی پھل گھرا آیا ہے اور نہ ہی کوئی حریدار کھانا.....“ زاہدہ بڑبڑاتی رہی اور صدر فرش سے سالن صاف کرتی رہی۔

”آ..... لے کاشف..... اے صاف صاف بتا دوں گی..... کہ مجھ سے یہ کچھ نہیں کھایا جاتا..... یہی کھائے غریبوں والے کھانے..... جنہوں نے ساری زندگی دوسروں کے بچے کچے کھائے ہوں..... انہیں کہاں اچھے اور لذیذ کھانے ہضم ہوتے ہیں“

زاہدہ طنز یا نماز میں بڑبڑاتی تھی اور صدر وہی آنکھوں میں بار بار نمی آ رہی تھی..... اس نے آہ بھری اور برتن اٹھا کر کچن میں لے گئی۔ اس کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ آنسو رواں ہو گئے۔

کتنا مشکل ہے..... صراطِ مستقیم پر چلنا..... اور حرام چھوڑ کر حلال کھانا..... مگر اس نے جو بھی فیصلہ کیا تھا..... اپنی ذات کے لیے نہیں بلکہ سب کی بہتری کا سوچ کر کیا تھا۔

رات گہری ہو گئی تھی اور زاہدہ نے دوپہر سے لے کر اب تک کچھ نہ کھایا تھا اور صدر بھی صبح کی بھوک تھی کھانا ویسے کا دیا ہی پڑا تھا۔ کاشف رات کو دیر سے گھرا آیا..... اس کا چہرہ بہت اداس اور اترا ہوا تھا۔

”کھانا لاکس.....؟ صدر نے اسے آتے ہی پوچھا۔

”ہاں..... بڑا قورمہ پلاؤ پکا ہے..... نا..... جو پوچھ رہی ہے“ زاہدہ نے بڑبڑا کر کہا تو کاشف نے صدر کی طرف دیکھا تو اس نے نظریں

جھکا لیں۔

”اہاں..... اللہ کا شکر ادا کرنا چاہیے..... جو میرا آئے“ کاشف نے آہستہ آواز میں کہا۔

”بولنے لگا..... تو بھی اس کی زبان..... ہم سے ہمارا کھانا چنا تو چھین لیا..... اب کیا رو گیا ہے..... دو پہر کی بھوکی بیٹی ہوں..... کبخت بر روز سوکھے سڑے الو بنا لاتی ہے۔ کبھی دال تو کبھی مہزی راسیہ..... میں تو بیزار ہو گئی ہوں ایسے کھانوں سے..... سن لے کاشف..... کل سے میرے گھر میں ایسی سوغاتیں نہیں نکلیں گی..... ارے زندگی ہے کتنی.....؟ دو چار دن کی زندگی میں کھانا چنا بھی ڈھنگ کا نہ ہو..... تو..... لعنت ہے ایسی زندگی پر.....“ زاہد قہر بھری لگا ہوں سے سدرہ کو کہنے لگی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور وہ وہاں سے چلی گئی۔

”اہاں..... میری تحفہ میں ایسا کھانا ہی پک سکتا ہے“ کاشف نے نرم لہجہ میں کہا۔

”پہلے بھی تو یہی تحفہ آتی تھی۔ اب اسے کیا ہو گیا ہے۔ سکر کرائی تو ڈی ہو گئی ہے کہ ہم عرش سے فرش پر آ گئے ہیں“ زاہد نے غصے میں کہا تو کاشف کا چہرہ سرخ پڑنے لگا۔ اسے اندری اندر شرمندگی ہونے لگی۔ اس کی زبان پر جیسے کسی نے ٹالا لگا دیا ہو..... اور..... وہ ماں کو یہ بتانہ چاہتا ہو..... کہ..... ایک تحفہ کے ساتھ بہت سی تحفہ ہیں لانا تھا..... جس کے بارے میں اس نے کبھی پوچھا ہی نہ تھا کہ کتنا پیسہ وہ کہاں سے لاتا ہے..... اور اب اصل تحفہ اس سے ہم نہیں ہو رہی تھی۔

”میں کچھ نہیں جانتی..... کل بکرے کی ران کا گوشت لے کر آنا..... اور پھل کھائے بھی بہت دن ہو گئے ہیں..... پھل کھائے ہوئے تو پورے پندرہ دن گزر چکے ہیں..... خدا کی پتاہ..... کیسی کبختی آ گئی ہے..... ہر طرف غربت کا نفوس سایہ چھا گیا ہے“ زاہد بڑبڑاتے ہوئے لاؤنج سے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

کاشف انتہائی پریشانی کے عالم میں کمرے میں آیا۔ سدرہ پریشان بیٹھی تھی۔ کاشف خاموشی سے منہ ہاتھ دھو کر اور کپڑے بدل کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

”کاشف کیا بات ہے.....؟ آپ بہت پریشان لگ رہے ہیں کھانا لاکں.....؟ سدرہ نے کاشف کے افسردہ چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”جہنم..... مجھے بھوک نہیں“ اس نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا..... آپ کو بھی..... ہائی کی طرح یہ کھانا پسند نہیں؟ سدرہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”جہنم..... مجھے.....“ کاشف رکا..... اور پھر ہنٹ چبانے لگا۔

”کیا..... کیا ہوا.....؟ سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”مجھے Suspend کر دیا گیا ہے“ کاشف نے غم آنکھوں اور رندھی ہوئی آواز میں کہا۔

”مس..... سپسٹ..... کیوں.....؟ سدرہ نے بے شکل پوچھا۔

”سدرہ..... صراط مستقیم پر چلنا بہت مشکل ہے..... جو لوگ شروع میں ہی یہ راستہ چن لیتے ہیں ان کو اتنے سستے پیش نہیں آتے۔ جتنے ہم

جیسے بھٹکے ہوؤں کو..... پیش آتے ہیں..... ہماری ایمانداری اور بے ایمانی دونوں ہی مشکوک ہو جاتی ہیں..... جب ہم جیسے بے ایمان..... ایماندار بننا چاہتے ہیں تو کوئی ہم پر یقین نہیں کرتا..... ہمارا بدلا ہوا راستہ ہمارے اپنے لیے بہت کٹھن اور مشکل ہو جاتا ہے" کاشف نے آہ بھر کر کہا۔

"مگر..... آپ Suspend کیوں کیا گیا.....؟ سدرہ ابھی تک اس شش دن سے نہیں نکل رہی تھی۔

"پہلے میں انہروں کے تعاون سے بجلی چوری کرتا تھا..... بجلی کی تاریں چھتا تھا..... رشوت لے کر فلا میٹر بڑھک کرتا تھا۔ بجلی کے ناجائز کنکشن دیتا تھا..... اور اس میں سے آواحد میرے انہروں کو جاتا تھا۔ وہ مجھ سے خوش تھے..... میں جہاں پکڑا جاتا تھا وہ مجھے پہا لیتے تھے..... مگر اب جیسے ہی میں نے راستہ بدلنے کا فیصلہ کیا اور ان کا حکم ماننے سے انکار کر دیا تو انہوں نے مجھے پھنسا دیا..... اور آج مجھے suspend کر دیا گیا ہے....." کاشف نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"کاشف..... اب تو آپ قصور وار نہیں؟ سدرہ نے فکرمندی سے پوچھا

"نہیں....." اس نے لمبی سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"تو پھر گھبرانے کی بات نہیں..... میں آپ کے ساتھ ہوں..... جب تک آپ کی نوکری بحال نہیں ہو جاتی..... میں آپ کے ساتھ مل کر کام کروں گی..... میں آپ کا ساتھ بھی نہیں چھوڑوں گی" سدرہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے کہا تو کاشف نے محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا اور مسکرانے لگا۔ اس نے سدرہ کو اپنے ساتھ لگایا۔

"تھینک یو..... میں اس وقت اپنے آپ کو بہت ٹوٹا پھوٹا اور منتشر محسوس کر رہا تھا..... تمہاری باتوں نے میری ہمت بندھا دی ہے" کاشف نے محبت سے کہا۔

"کاشف..... اب اگر ساری دنیا بھی آپ کی ایمانداری پر شک کرے تو میں بھی نہیں کروں گی..... میں آپ کی پہلے سے بھی زیادہ عزت کروں گی" سدرہ نے بھی محبت سے جواب دیا۔

"مگر ماں کا کیا کروں.....؟ انہیں تو کھانے کو گوشت اور پھل چاہیے" کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"آپ گھر نہ کریں..... میں نے ڈاکٹری فیس بچا کر رکھی ہے۔ آپ ان پیسوں سے کل گوشت اور پھل لے آنا" سدرہ نے کہا۔

"نہیں..... نہیں..... تمہارا چیک اپ زیادہ ضروری ہے..... اس حالت میں تمہاری صحت کا یوں نظر انداز کرنا ٹھیک نہیں" کاشف نے کہا۔

"انشاء اللہ سب ٹھیک ہوگا..... اللہ ہماری نیوٹوں کو جاتا ہے" سدرہ نے مسکرا کر کہا اور ایمانداری میں سے پیسے نکال کر کاشف کے سامنے رکھے۔

"سدرہ..... میں اتنا خوش نصیب ہوں کہ خدا نے مجھے تم جیسی نیک سیرت اور ایماندار بیوی دی ہے" کاشف نے فخریہ انداز میں کہا۔

"ہاں..... بالکل..... شکر تو آپ کو ادا کرتے رہنا چاہیے....." سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو کاشف بھی مسکرانے لگا۔

"کھانا لادیں.....؟" سدرہ نے مسکراتے ہوئے پوچھا

"کیا تم نے کھایا ہے.....؟ کاشف نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے سوال کیا

”نہیں.....“ سدروہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”کیا کہا.....؟ تم نے کھا نہیں کھایا.....“ سدروہ تم جانتی نہیں کہ.....“ کاشف نے فکر مندی سے کہا۔

”سب جانتی ہوں..... مگر..... کیسے کھالتی..... جب تک میں ذہنی طور پر مطمئن نہ ہوتی.....“ کاشف..... میں آج سارا دن بہت پریشان

رہی ہوں.....“ سدروہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”جلدی سے کھانا لاؤ.....“ کاشف نے کہا تو سدروہ کچن میں چلی گئی اور جلدی سے سالن مگر م کیا اور تازہ روٹیاں بنا کر لائی دونوں بیٹھ کر

کھانے لگے۔

”واہ..... بہت مزے کے آلو پکے ہیں“ کاشف نے تعریف کی۔

”تو مزے کا حراز ہے رہے ہیں نا.....“ سدروہ نے شرارتا مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... ہاں.....“ لہلہہ ہلاؤ اور حلوے کا بھی حراز ہے رہے ہیں“ کاشف نے جیسے ہوئے کہا تو سدروہ بھی کھٹکھٹا کر ہنسنے لگی

”سدروہ..... تم نے مجھے ذہنی طور پر بہت سکون دیا ہے۔“ تھیک یاد دہری ٹچ“ کاشف نے کھانا ختم کر کے سدروہ کی جانب منظر و مناظر انداز میں

دیکھتے ہوئے کہا تو سدروہ مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور کاشف نے اطمینان سے آنکھیں بند کر لیں۔

☆

زاہدہ نے کئی روز بعد پیٹ بھر کر کھانا کھایا تھا۔ سدروہ نے بکرے کے گوشت کو خوب اچھی طرح بھون کر ڈونگا اس کے سامنے رکھا تھا اور وہ

ایک ہی اسے چٹ کر گئی تھی۔ نہ کاشف کا خیال رکھا نہ سدروہ کا..... زاہدہ کو کھانے پینے کا ایسا لالچ اور طمع تھی جو کبھی ختم نہ ہوتی تھی۔ جو کھانا پیٹ بھر کر

کھاتی..... باقی کا نکال کر اسے شام یا اگلے روز کیلے سنبھال کر رکھ دیتی۔ کھانے پینے کی تھوڑی تھوڑی چیزوں پر بڑا بڑا رتی..... کوئی چیز کم ہو جاتی تو

سارا دن اس کے ہارے میں ہلاتی رہتی..... سدروہ اس کی ان حرکتوں پر چلتی کڑھتی رہتی..... اور..... کاشف کو اوپر کی کمائی کی عادت بھی زاہدہ نے ہی

ڈالی تھی۔ وہ جب بھی تنخواہ گھر لاتا تو زاہدہ اٹھا کر پیسے اس کے سامنے بچھتی۔

”اتنے سے پیسوں سے گھر کا خرچہ کہاں سے چلے گا.....؟ کالونی میں فلاں کا بیڑا اتنی کمائی کرتا ہے..... فلاں کا شوہر اتنا کماتا ہے کہ گھر

والے میٹھ کرتے ہیں..... تو کیوں نہیں کماتا.....؟“

زاہدہ ان تمام لوگوں کے نام گوانی جو رشوت لینے اور نمبر و کام کر کے حرام کمانے میں ماہر سمجھے جاتے تھے۔ کاشف کا شعور ابھی اتنا پختہ

نہیں ہوا تھا..... اس کے روبرو آفس کے ان لوگوں سے بڑھنے لگے جو ایسے کاموں کے ماہر تھے..... اور ایسے افسروں سے تعلقات بڑھنے لگے جو

رشوت کو حرام نہیں بلکہ اپنا جائز حق سمجھ کر بڑے رعب سے اسے مانگتے تھے۔ ان میں سے اکثریت بھاری بھر کم جسموں اور مردہ سوچ کے ساتھ اعلیٰ

حکومتی کرسیوں پر بیٹھے عوام کا خون چوسنے میں مصروف تھے..... رفتہ رفتہ کاشف ان کا خاص کارندہ بنتا گیا..... شروع شروع میں ایسی کمائی سے اس

کے اندر عجیب سا احساس پیدا ہوتا تھا۔ جیسے کوئی چود یا چرائی ہوئی چیز کو کھانے میں بہت محتاط ہوتا ہے مگر جلدی جلدی کھا کر اسے اہم نہیں ہوتی۔ اسی

شرح لوگوں سے ناحق پیسے لے کر اس کے اندر عجیب سی بے اطمینانی پیدا ہوتی تھی مگر رفتہ رفتہ اس کے جسم کے صاف خون میں حرام کی آمیزش ہونے لگی اور اس کمائی کی خباثت نے اس کی متحرک روح کو خوابیدہ اور ست کرنا شروع کر دیا کہ اس کے شعور نے اچھائی اور برائی..... جائز و ناجائز کا سوال کرنا ہی چھوڑ دیا..... وہ حرام کی خباثت پر مطمئن ہونے لگا۔ وہ جیتیں بھر بھر کر لوٹ گھر لاتا تو زاہدہ کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ ہوتا۔ وہ اس کی اس کمائی میں اور برکت کی دعا کرتی۔ اور اس دعا کی برکت کا اثر وہ روز بروز بڑھتی ہوئی کمائی میں دیکھتا۔

سدرہ کے احساس دلانے پر وہ چونک گیا تھا۔ سدرہ نے پہلی بار میں ہی جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ اسے قطعی احساس نہ تھا کہ سدرہ بالکل مختلف ذہنیت اور سوچ کی لڑکی ہوگی۔ اس کی ماں بینس انتہائی لالچی اور کھانے پینے کی شوقین تھیں۔ انہیں حلال و حرام کی نہ کوئی تیز تھی اور نہ ہی کوئی غرض..... ہر کھانے کی چیز حلال ہوتی ہے اس لیے وہ ہر چیز کو چٹ کرنا اپنا حق سمجھتیں..... کھانا کھا کر ان کے جسم انتہائی بھرے اور موٹے ہو گئے تھے مگر ان کو کوئی پروا نہ تھی۔ نہ شغفے گرم کی تیز تھی جو ملتا ہے تماشا کھایا جاتا..... اس سے کبھی سدرہ سے گڑبڑ ہو جاتے تو کبھی بی بی ہائی ہو جاتا..... زیادہ کے سدرہ سے میں ہر وقت ملتی رہتی مگر وہ مرغن اور چٹ پٹے کھانوں سے باز نہ آتی۔ سدرہ ان کو دیکھ دیکھ کر حیران ہوتی مگر خاموش رہتی۔

سدرہ اپنے موقف پر چٹان کی طرح ڈٹی رہی تھی کہ وہ کاشف کی حرام کی کمائی سے ایک ٹوالہ بھی نہیں کھائے گی۔ اور کاشف کے لیے فراہم کوئی راستہ نہیں رہا تھا۔ سدرہ کی باتوں میں وزن تھا..... کیونکہ وہ قرآن وحدیث کے پیمانے میں رکھ کر بیان کی گئیں تھیں۔ اللہ اور اس کے نبی کے احکامات کے سامنے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا موائے سدرہ کی بات ماننے کے..... اور اس کی بات ماننے ہی سب سے پہلا عتاب نوکری سے معطلی کی صورت میں اس پر نازل ہوا تھا..... وہ تو کبھی سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے ساتھ کبھی ایسا ہوگا۔ وہ تھا تو لائن مین..... مگر اندر کھاتے انسر بھی وہی کرتے تھے جو وہ کہتا تھا اس کی پلاننگ کو کھاتے تھے وہ وہ نمبر کاموں میں ماہر تھا۔ کس طرح..... اور کہاں سے..... زیادہ سے زیادہ پیسہ آسکتا ہے سب طرح سے آتے تھے اور وہ اپنی پلاننگ میں کبھی ناکام نہ ہوا تھا۔ بڑے بڑے سرمایہ کاروں..... اور فیکٹریوں و کارخانوں کے مالکان سے کس کس طرح پیسہ بٹورا جاسکتا ہے۔ اسے سب خبر تھی..... ایسے فیض کا توبہ کر کے راستہ بدلنا جہاں خود اس کے لیے نقصان کا باعث تھا وہاں تمام اعلیٰ انسران کے لیے بھی بہت خطرے کا باعث تھا..... اگر وہ کسی کیس میں ملوث ہوتا تھا تو ان کا نام آنا بھی ضروری تھا۔ اس لیے اسے اسٹیل میلنگ کر کے سمجھایا..... جب وہ نہ مانتا تو اسے معطل کر دیا گیا..... وہ خاموشی سے ان کے تفس سے ہار لگ گیا۔

گھر کے مالی حالات دن بدن خراب ہو رہے تھے۔ وہ بہت سوچ سوچ کر ذکیہ آپا کی طرف گئی۔ وہ بے حد پریشان تھی۔ ذکیہ آپا اور مریم اسے بہت محبت سے ملیں۔ مریم فوراً اس کے لیے کھانا لے آئی۔

”سدرہ بیٹی..... آج کیسے آتا ہوا.....؟ ذکیہ آپا نے محبت سے اسے پوچھا۔

”آپا جی..... میں بہت مشکل میں ہوں۔ اللہ نے مجھے بہت سخت آزمائش میں ڈال دیا ہے..... اور..... اس مشکل گمزی میں مجھے آپ کے سوا کوئی اور نظر نہیں آیا..... جس کے پاس میں رہنمائی اور سکون کے لیے جاسکوں“ سدرہ نے آہ بھر کر کہا اور ذکیہ آپا کو ساری بات تھیں بات دی۔

”ماشاء اللہ..... تم نے بڑا اچھا فیصلہ کیا..... گو..... کہ یہ بہت مشکل فیصلہ ہے مگر اس میں اللہ کی رضا اور آخرت کی کامیابی ہے۔ بہت سے

لوگ قرآن پڑھتے ہیں۔ احکامات کو سنتے ہیں مگر عمل نہیں کرتے..... اور بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کے دلوں کو پروردگار اپنی رحمت سے مخصوص کر دیتا ہے وہ صرف سچائی کو قبول کرتے ہیں اور سچائی کے لیے جان قربان کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے..... انشاء اللہ یہ مشکل وقت بھی گزر جائے گا۔ بس تم ثابت قدم رہنا..... میں اور مریم تمہارے لیے کوشش کریں گے کہ کوئی ٹیوشنل جائیں“ ذکیہ آپ نے اسے محبت سے سمجھایا۔

اسی لمحے مریم کمرے میں چائے کی ٹرے لے کر داخل ہوئی۔

”سدرہ ہاجی..... کیا آپ کو ٹیوشنل چاہئیں؟ مریم نے پوچھا

”ہاں.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”ایک منٹ ٹھہریے.....“ اور مریم نے کمرے سے باہر جا کر اپنے موبائل سے اپنی کسی دوست کا نمبر ملایا..... اور اس سے باتیں کرنے لگی۔

”سدرہ ہاجی آپ کا کام ہو گیا ہے..... آپ کے گھر کے پاس میری دوست کے بھائی اکیڈمی چلا رہے ہیں..... میں آپ کو ایڈریس لکھ

دیتی ہوں۔ کل آپ وہاں چلی جائیں۔ انشاء اللہ آپ کو ضرور جاب مل جائے گی“ مریم نے ایک کانڈ پر ایڈریس لکھ کر اسے پکڑ لیا۔

”بہت شکریہ..... آپ لوگوں نے ہمیشہ میری مدد کی ہے“ سدرہ کی آنکھیں اشک کے احساس سے غم ہوئے نکلیں۔

”ارے..... بیٹی..... ایسے نہیں کہتے..... میں نے تمہیں ہمیشہ مومنہ اور مریم جیسا سمجھا ہے۔ اس گھر کے دروازے تمہارے لیے کھلے

ہیں..... جب چاہو آؤ.....“ ذکیہ آپ نے مسکرا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ رونے لگی۔

”آپاجی..... آج میں بہت پریشان تھی..... یہاں آ کر مجھے بہت حوصلہ ملا ہے“ سدرہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”ہر پریشانی اور مصیبت اللہ کی طرف سے آتی ہے..... بس اللہ سے سنبھلنے کا حوصلہ دے“ ذکیہ آپ نے کہا۔

”اب میں چلتی ہوں..... کاشف پریشان ہو رہے ہوں گے“ سدرہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”کیا تم اپنی اماں سے ملنے نہیں جاؤ گی؟ ذکیہ آپ نے حیرت سے پوچھا۔

”جہیں اس نے نظر نہیں چراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیوں.....؟ ذکیہ آپ نے چونک کر پوچھا

”بچہلی ہاراماں نے مجھے بے عزت کیا تھا اور کہا تھا کہ دوبارہ ان کے گھر نہ آؤں.....“ سدرہ نے شرمندگی سے بتایا

”ارے..... ماں باپ سے بھی کوئی ناراضگی ہوتی ہے..... مائیں تو دن میں کتنی بار بچوں کو ڈانٹتی ہیں..... کیا اس کا مطلب ہے کہ ان سے

قطع تعلقی کر لی جائے..... بیٹا..... یہی تو سچے رشتے ہوتے ہیں۔ ماں باپ اور اولاد کا..... تم ضرور ماں سے مل کر جاؤ..... اس نے پہلے ہی زندگی میں

بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں۔ تمہاری وجہ سے اور پریشان ہو گی..... اب تو تم خود ماں بننے والی ہو۔ ان جذبات اور احساسات کو سمجھو..... جو ماں اولاد کے

لیے اپنے دل میں رکھتی ہے“ ذکیہ آپ نے اسے محبت سے سمجھایا تو وہ ان کی باتیں سن کر خاموش ہو گئی۔

”نہیک ہے..... میں ان سے ملنے جاتی ہوں“ سدرہ نے جواب دیا۔

”مجھے تم سے یہی توقع تھی..... ماں کو میرا سلام کہنا..... جاؤ..... فی امان اللہ“ ذکیہ آپا نے اس کا سر منہ چم کر اسے رخصت کیا۔ وہ گھر پہنچی تو شام ہو رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکھٹایا تو کوئی دروازہ ہی نہیں کھول رہا تھا۔ وہ حیران ہو رہی تھی کہ ان کے گھر کا دروازہ کبھی بند نہیں ہوتا تھا..... اور اب کوئی اسے کھول ہی نہیں رہا تھا۔

”کون..... کون ہے..... راشد گھر پر نہیں“ منی نے بہت دیر سے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”منی..... میں ہوں..... دروازہ کھولو.....“ سدرہ نے کہا

”کہانا..... راشد گھر پر نہیں..... جاؤ یہاں سے“ منی نے گھبرا کر جواب دیا۔

”منی..... میں سدرہ ہوں..... دروازہ کھولو..... تجھے کیا ہو گیا ہے.....؟ سدرہ نے اونچی آواز میں کہا تو منی نے دروازے کی سوراخوں

میں سے دیکھنے کی کوشش کی۔ باہر اندھیرا ہو رہا تھا اور اسے کچھ صاف دکھائی نہ دے رہا تھا۔

”منی..... دروازہ کھول..... میں سدرہ ہوں“ سدرہ پھر غصے میں بولی تو منی نے ڈرتے ڈرتے دروازہ کھولا۔ سدرہ اندر داخل ہوئی اور

حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ منی قدرے گھبرائی ہوئی تھی اور اس کا جسم بری طرح کانپ رہا تھا۔

”ک..... کیا..... ہوا تجھے.....؟ اور تو دروازہ کیوں نہیں کھول رہی تھی؟ سدرہ نے حیرت سے اسے اپنے ساتھ لگا کر پوچھا تو منی پھوٹ

پھوٹ کر رونے لگی۔

”کیا ہوا..... کچھ تاؤ تو سہی“ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

منی نے جلدی سے دروازے کو کنڈی لگائی اور اس کے ساتھ کمرے میں چلی گئی۔

”تو اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے.....؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا جواب میں منی سسکتے لگی۔

”کیا ڈر گئی تھی.....؟ سدرہ نے اسے پیار سے پوچھا

”ہاں.....“ منی نے روتے ہوئے جواب دیا۔

”کس سے.....؟ سدرہ نے حیرت سے سوال کیا

”اپنے آپ سے..... مجھے ہر وقت اپنے آپ سے ڈر لگا رہتا ہے“ منی نے جواب دیا۔

”کیسی بہکی بہکی باتیں کر رہی ہو..... اور ہاں کہاں ہے.....؟“ سدرہ نے ادھر اُدھر دیکھتے ہوئے پوچھا

”کوٹھی والوں کے گھر فوٹکی ہو گئی ہے۔ ان کے بہت مہمان آئے ہیں..... اس لیے ماں چار پانچ دنوں سے دیر سے گھر آتی ہے“ منی نے

اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے جواب دیا۔

”اور..... راشد..... کہاں ہے.....؟ کیا کرتا ہے وہ.....؟“ سدرہ نے پوچھا

”آپا..... راشد شراب پیتا ہے“ منی نے قدرے توقف کے بعد جواب دیا

”کیا..... کیا.....؟ راشد..... شراب.....؟“ سدروہ نے ایک دم بدحواس ہو کر پوچھا جیسا سے منی کی بات پر یقین نہ آ رہا ہو۔

”راشد..... ہر روز شراب پی کر گھبراتا ہے..... اور..... پھر..... اماں..... کو.....؟ منی سسکتے گی۔

”اماں..... کو..... کیا.....؟ بتا..... وہ کیا کرتا ہے.....؟ سدروہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہ..... اماں کو مارتا ہے.....“ منی نے روتے ہوئے بتایا۔

”اماں..... کو.....؟ کیا راشد..... اماں پر ہاتھ اٹھاتا ہے؟ سدروہ نے حیرت سے آنکھیں کھول کر پوچھا۔

”ہاں.....“ منی ہلک ہلک کر رونے لگی

”وہ اماں کو مارتا ہے۔ جس نے.....؟ جو..... اس کے لیے.....؟ سدروہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی اور اسکی آنکھیں حیرت سے پھیل کر اور

بڑی ہونٹیں تھیں۔ وہ پتھرائی ہوئی آنکھوں سے مسلسل منی کو گھور رہی تھی۔

”آپا..... وہ ہر وقت آوارہ لڑکوں کے ساتھ پھرتا ہے..... اماں اسے منع کرتی ہے تو وہ اماں کو مارتا ہے.....“ منی نے بتایا تو سدروہ جہاں

کھڑی تھی وہیں بیٹھ گئی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ وہ اپنا جو غم لے کر آئی تھی وہ اسے بھول گئی تھی..... اس کا کیجہ بھٹنے کو تھا۔

”آپا..... چپ کرو..... ہم تو اب اس کے عادی ہو گئے ہیں..... ہر رات ہمارے گھر میں جی کچھ ہوتا ہے..... محلے والے پہلے تو سمجھانے

آتے تھے اب وہ بھی نہیں آتے..... راشد ہر ایک سے لڑ پڑتا ہے..... آپا..... وہ مجھے اور اماں کو گالیاں بھی دیتا ہے..... آپا تو اس کے گھرانے سے

پہلے یہاں سے چلی جا.....“ منی نے ڈرتے ڈرتے کہا تو سدروہ نے چونک کر اسے دیکھا اور پھر رونے لگی۔

”آپا..... حوصلہ کر..... ٹھہر میں تیرے لیے پانی لاتی ہوں“ منی باہر سے پانی کا گلاس لینے چلی گئی۔

کوئی دروازہ زور زور سے کھٹکھٹانے لگا..... منی بدحواس ہو کر گلاس کچن میں چھوڑ کر سدروہ کے پاس کمرے میں آ گئی

”آپا..... وہ..... پھر آیا ہوگا.....؟ منی نے گھبرا کر کہا۔

”کون..... راشد.....؟ سدروہ نے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”جہنم..... وہ..... میں باہر نہیں جاؤں گی..... آپا مجھے کہیں چھپا دو“ منی نے گھبرا کر کہا۔

”ٹھہرو..... میں دیکھتی ہوں.....“ سدروہ نے باہر جاتے ہوئے کہا۔

”آپا..... دروازہ مت کھولنا.....“ منی زیر لب بڑبڑائی۔

”کون ہے.....؟ سدروہ نے بلند آواز میں پوچھا۔

”دروازہ کھول.....“ رشیدہ نے باہر سے آواز لگائی تو سدروہ نے دروازہ کھولا۔ رشیدہ اس کے سامنے کھڑی تھی بہت کمزور..... یوزمی.....

اواس آنکھیں..... اترا ہوا جھریوں زدہ چہرہ..... گندے کپڑے..... اسے اس کو دیکھ کر رونا آ گیا۔

”سلام اماں.....“ سدروہ اس کے گلے لگ کر بولی۔

”تو سب آئی.....؟ رشیدہ نے اس کے سر پر بدلی سے ہاتھ پھرتے ہوئے کہا

”تھوڑی دیر ہوئی ہے.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”مٹی کہاں ہے.....“ رشیدہ نے پوچھا۔

”اندر ہے.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”مٹی..... ارے..... مٹی..... باہر آ.....“ رشیدہ نے آواز لگائی۔ مٹی جلدی سے کمرے سے باہر آگئی۔

”یہ پکڑ..... اس میں دیگ کے چاول ہیں۔ آج مرغ پلاؤ بنا تھا۔ تمہارے اور راشد کے لیے لائی ہوں..... یہ تو کھائے گی نہیں.....“

اماں نے سدرہ کی طرف دیکھ کر قدرے طریقہ لکھ میں کہا تو سدرہ نے خاموشی سے نظریں ہٹائیں۔

”من..... مرغ کی دو چار پونیاں راشد کے لیے رکھ دینا۔ باقی تم کھا لو..... میں کھا آئی ہوں“ رشیدہ نے کہا تو سدرہ حیرت سے ماں کی

طرف دیکھنے لگی جواب بھی راشد سے پہلے جتنی محبت کرتی تھی..... جس کی محبت میں ذرا بھر کی نہ آئی تھی۔ کیا ماں کی محبت ایسی ہی شدید اور اتنی ہی بے لوث ہوتی ہے جس کے راستے میں کوئی مٹتی جذبہ حائل نہیں ہوتا..... دنیا کی کوئی شے اور کوئی بھی بڑی سے بڑی بات ماں کو اپنی اولاد سے محبت کرنے سے نہیں روک سکتی“ سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی۔

”اماں..... تو راشد کو پونیاں کھلا..... تاکہ وہ تجھے اور مارے“ مٹی منہ بنا کر بولی۔

”کچھ اس نہ کر..... وہ بچہ ہے..... نا سمجھ ہے..... پائل پنے میں مجھے ماں نہیں سمجھتا..... تو کیا میں بھی اسے بیٹا نہ سمجھوں.....“ ٹھیک ہو

جائے گا..... بے وقوف ہے“ رشیدہ کے لہجے میں پھر پہلے جیسی محبت اور اس کی چھاپ محسوس ہونے لگی۔ سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھتی رہ گئی۔

”اماں..... تیرا بڑا حوصلہ ہے..... تو کیسی ماں ہے.....؟ میں تجھے نہیں سمجھ سکتی“ سدرہ نے آہ بھر کر سوچا۔

سدرہ کا موہاٹل بچتے لگا..... اس نے موہاٹل دیکھا۔ کاشف کا نمبر تھا۔

”کاشف..... میں ماں کی طرف ہوں..... ہاں آپ ادھر ہی آجائے“ سدرہ نے موہاٹل بند کر کے مٹی اور ماں کی طرف دیکھا۔

”کاشف آ رہے ہیں..... اب میں چلتی ہوں.....“ سدرہ نے کہا تو اماں نے کوئی ٹوٹس نہ لیا۔ جیسے نہ اس کے آنے سے اور نہ ہی جانے

سے اسے کوئی فرق پڑتا تھا۔ اماں چار پائی پر لیٹ گئی۔ سدرہ نے کمرے میں جا کر چادر اوڑھی اور دیکھی لگا ہوں سے مٹی کی طرف دیکھا اور اسے پیار کیا

”اپنا خیال رکھنا..... اور سن گھر سے باہر جاتے ہوئے چادر اچھی طرح اوڑھ کر جایا کرو..... اب تم بچی نہیں.....“ سدرہ نے اس کے گلے

میں جمولتے ہوئے چھوٹے سے دوپٹے کو دیکھ کر کہا تو مٹی نے سر جھکا دیا۔

”اگر کوئی مسئلہ ہو تو ذکیہ آپا کے ہاں چلی جایا کرو..... میں اماں سے زیادہ آپا پر اعتبار کرتی ہوں..... وہ بہت اچھی ہیں“ سدرہ نے اسے

سمجھایا۔

باہر کاشف کی موٹر سائیکل کا دارن ٹائی دیا اور وہ گھر سے باہر چلی گئی۔ اماں آنکھیں بند کیے لیٹی رہی..... سدرہ کا دل کڑچی کڑچی ہو رہا

تھا۔ وہ اپنا غم بٹکا کرنے آئی تھی دکھوں کا بوجھ سینے میں چھپائے جا رہی تھی۔

”پھر پھول ٹھیک ہے نا۔۔۔۔۔“ کاشف نے ہائیک چلاتے ہوئے پوچھا
”ہاں۔۔۔۔۔“

”اور۔۔۔۔۔ راشد آج کل کیا کر رہا ہے؟ کاشف نے پھر پوچھا۔
”کچھ نہیں۔۔۔۔۔“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”سدرہ۔۔۔۔۔ راشد کی یاری دوستی اچھے لڑکوں کے ساتھ نہیں اس کو سمجھانا تھا کاشف نے پھر کہا۔
مگر سدرہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش بیٹھی رہی۔ کاشف بھی خاموش ہو گیا۔

سدرہ مگر کچھ تو زیادہ غصے میں بھری بیٹھی تھی۔۔۔۔۔ اس نے شام سے کچھ نہیں کھایا تھا اور بھوک کی وجہ سے غڑھال ہو رہی تھی۔
سدرہ نے جوتا اتارا اور جلدی سے ہاتھ دھو کر روٹی بنانے چلی گئی۔

صبح وہ آدھ کلو چکن کا سالن بنا کر کھتی تھی اور مطمئن تھی کہ شام کو آ کر روٹیاں بنالے گی۔ اس نے ہنڈیا کھول کر دیکھی تو سارا سالن غائب تھا۔
وہ خالی پڑی تھی۔۔۔۔۔ وہ حیرانگی سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ کبھی فریج کھول کر دیکھتی کبھی مائیکرو ویو۔۔۔۔۔

”وہ۔۔۔۔۔ ہنڈیا میں سالن رکھا تھا۔۔۔۔۔“ اس نے ڈرتے ڈرتے زیادہ سے پوچھا۔

”دیکھ پکا کر کھتی تھی۔۔۔۔۔ جو ختم نہیں ہوتا تھا۔۔۔۔۔ مجھے بھوک لگی تو کھالیا۔۔۔۔۔“ زیادہ نے منہ بنا کر کہا۔
سدرہ پریشان ہوئی اور کاشف کی طرف دیکھنے لگی۔

”فریج میں کل کا کوئی سالن ہوگا۔۔۔۔۔ وہی گرم کر کے لے آؤ“ کاشف نے کہا۔

”واہ۔۔۔۔۔ چٹا۔۔۔۔۔ اچھی کبھی۔۔۔۔۔ کو اچھا پس کی چال۔۔۔۔۔ اپنی چال بھی بھول گیا۔۔۔۔۔ وہ تو بچا کچا کھانے والی تھی۔۔۔۔۔ تو بھی اس کے ساتھ مل
کر دیکھی ہی بولی ہو لگے گا ہے۔۔۔۔۔ تھہ میں بھی ویسی ہی عادتیں آ رہی ہیں۔۔۔۔۔ میں تو ہرگز نہ کھاؤں گی۔۔۔۔۔ چاہے بھوک سے مر جاؤں“ زیادہ غصے سے
چلاتے ہوئے بولی سدرہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں اور اس نے کاشف کی طرف بے بسی سے دیکھا۔

”امی۔۔۔۔۔ انسان کو کھانے پینے کے علاوہ بھی سوچنا چاہیے“ کاشف غلگی سے بولا۔

”لو۔۔۔۔۔ اب تم میرے کھانے پینے کو بھی نظر لگانے لگے۔ اس سے پہلے تو تم ایسی باتیں نہیں کرتے تھے۔۔۔۔۔ اس لڑکی نے تمہارا دماغ
خراب کر دیا ہے۔ بھوکے گھر سے لڑکی بھاہ لاؤ۔۔۔۔۔ تو اس کی نظریں ہی نہیں بھرتیں۔۔۔۔۔ کتنا تجھے سمجھایا تھا۔۔۔۔۔ اچھے خاصے کھانے پینے گھروں کے
رشتے موجود تھے مگر تجھے تو اسی کا خبا تھا۔۔۔۔۔ لے اب بھگت۔۔۔۔۔ مگر بھر میں کسی خواست پھیلائی ہے۔ اس نے۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔ ہم تو کھانے پینے سے بھی رو
گئے“ زیادہ نے خوب کو سنہ دیتے ہوئے کہا

”امی۔۔۔۔۔ اب بس بھی کرہ۔۔۔۔۔ سدرہ نے مجھ سے کچھ نہیں کہا اب مجھے اتنا ہی کرنا ہے۔ جتنا میری جیب میں ہوگا۔۔۔۔۔ پتا نہیں اب کتنا ابھی

لتی ہے یا نہیں؟" کاشف نے مایوسی سے کہا۔

"کیا مطلب.....؟ کیا ہوا تیری نوکری کو.....؟ زابدہ نے چونک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں....." وہ غصے میں کہہ کر وہاں سے اٹھ گیا۔

"تو بتا سدرہ..... کیا ہوا اس کی نوکری کو.....؟ زابدہ نے سدرہ سے بارعبا انداز میں پوچھا۔

"معلوم نہیں....." وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"تجھے سب معلوم ہے..... بڑی گھٹی ہے تو..... بتا..... ورنہ..... اور اگلے ہی لمحے زابدہ نے تراخ سے تھپڑ سدرہ کے چہرے پر مارا۔ سدرہ

کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ وہ تورا کر پاس پڑی کرسی پر گر گئی۔

"بول..... کیا ہوا..... اس کی نوکری کو.....؟ زابدہ نے پھر ہاتھ اٹھایا۔

"وہ..... suspend ہوئے ہیں" سدرہ بے شکل بولی۔

"ہائے..... میں..... مر جاؤں" زابدہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارنے شروع کر دیے

"اری..... کھلوئی جب سے تو آئی ہے..... میرا گھر برباد ہو رہا ہے۔ اری..... تو کسی بزرگ قدم ہے جو میرے گھر میں محبت ڈال رہی ہے۔

کبنت..... کب جان چھوڑے گی زابدہ اسے غصے سے گالیاں دینے لگی اور وہ روتی ہوئی وہاں سے اٹھ کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

"کیا ہوا.....؟ کیا امی نے کچھ کہا ہے.....؟ کاشف نے پریشانی سے پوچھا۔

"نہیں....." اور سدرہ منہ پھیر کر بینڈ پر لیٹ گئی۔

"سدرہ..... بتاؤ..... کیا بات ہوئی ہے.....؟ کاشف نے اس کے اوپر دھکتے ہوئے کہا۔

"کچھ نہیں..... اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

کاشف نے اسے محبت سے اپنے ساتھ لگا دیا اور اسے تسلیاں دینے لگا۔

"میری ہمت بندھاتے بندھاتے..... خود ہمت ہارنے لگی ہو....." کاشف نے محبت سے اس کے سر کو سہلاتے ہوئے کہا۔

"میں نے ہمت نہیں باری..... مگر.....؟ وہ پھر سسکنے لگی

"پھر کیوں رو رہی ہو.....؟

"یہ امید نہیں تھی..... کہ زندگی میں مجھے اتنا کچھ تنہا دیکھنے کے لیے ملے گا..... کاشف..... نہاں کے گھر سکون ملا..... اور نہ ہی یہاں.....

کیا میں اتنی بری ہوں کہ مجھے یہ سب کچھ سہنا پڑ رہا ہے" سدرہ نے سسکنے ہوئے کہا۔

"کس نے کہا..... کہ..... تم بری ہو..... تم بہت اچھی ہو..... بہت نیک انسان ہو..... تم جیسی عورتیں بہت کم ہیں..... اور جانتی ہو..... جن

عورتوں کے شوہر دل سے ان کی عزت اور تعریف کرتے ہیں..... وہ عورتیں جتنی ہوتی ہیں کاشف نے مسکرا کر کہا تو وہ ہم آنکھوں کے ساتھ مسکرانے لگی۔"

”دو..... جو..... بیویوں کی ان کے سامنے تعریفیں کرتے ہیں؟ سدرہ نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”نہیں..... جو ان کی غیر موجودگی میں ان کی تعریفیں کرتے ہیں..... جیسا کہ میں“ کاشف نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔ اور پرسکون ہو کر لیٹ گئی۔

☆

دادا اپنے کمرے میں آرام کر رہی تھیں۔ مومنہ اور مریم لاؤنج میں بیٹھی باتیں کر رہی تھیں۔ جب اسد بلیک کمر کے قہری بیس سوٹ میں لمبے میز میاں اترتے ہوئے نیچے آیا۔ وہ بہت گریس فل اور پرکشش لگ رہا تھا۔ اس نے مریم اور مومنہ کی جانب دیکھا
 ”السلام علیکم اسد بھائی.....“ مریم نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا اور اپنے سر پر اوڑھے دوپٹے کو درست کیا۔
 ”علیکم السلام..... آپ کب آئیں؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”میرا خیال ہے ایک گھنٹہ ہو چکا ہے.....“ مریم نے جواب دیا۔
 ”آپ بیٹھیں..... باتیں کریں..... مجھے ایک مینجنگ میں جانا ہے..... ورنہ میں رک جاتا“ اسد نے رست واضح دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ارے..... نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... آپ جانیے“ مریم نے کہا۔
 ”آپ شام تک ادھر ہی رک جانا..... ڈنر باہر کریں گے“ اسد نے مسکرا کر مومنہ اور مریم کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”نہیں اسد بھائی..... ای کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں..... میں تو آپ کی خیریت پوچھنے آئی ہوں..... ای ان کے بارے میں بہت فکر مند رہتی ہیں۔ اس لیے مجھے بھیجا ہے“ مریم نے جلدی جلدی کہا۔
 ”امی کو میرا سلام کہنا..... اب میں چلتا ہوں..... خدا حافظ“ اسد کہہ کر باہر نکل گیا اور مریم اسے جاتے ہوئے دیکھ کر قدرے مرعوب انداز میں بولی۔
 ”آپنی..... آپ بہت خوش قسمت ہیں کہ آپ کو اسد بھائی جیسا شوہر ملا۔ ونڈم، سارٹ..... ویل آف..... ویل کر وڈ..... ساری خوبیاں تو ہیں ان میں“ مریم رشک کرتے ہوئے بولی۔
 ”مریم..... ضروری نہیں کہ جو چیز دیکھنے میں اچھی لگے..... وہ واقعی ہی اچھی ہو.....“ مومنہ نے اداس لہجے میں جواب دیا۔
 ”چلیں..... کوئی بات نہیں وہ چیز زیادہ نہیں..... کچھ نہ کچھ تو اچھی ہوگی تا“ مریم نے اپنی ہی لے میں جواب دیا تو مومنہ خاموش ہو گئی۔
 شام چائے، لوازمات کے ساتھ ٹرائی میں سجائے ان کے پاس لے آئی۔ شام نے سبز اور سرخ بڑے بڑے پھولوں والا سوٹ پہن رکھا تھا۔
 اچھائی ٹائٹ قمیض کے ساتھ جھولتا ہوا چھوٹا سادہ پنڈ، ناک میں موتیوں کی تار..... کاٹل سے بھری آنکھیں اور گہرے خمدار ابرو..... چھن چھن کرتی چوڑیاں..... انگوٹھیاں کاٹنے..... دو تھوٹی جوائی ایکٹرس لگ رہی تھی۔
 ”آپنی..... یہ کون ہے؟ مریم نے شام کی طرف بنور دیکھ کر سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔

”میری ملازمہ ہے۔ ثروت بوا کی بیٹی“ مومنہ نے جواب دیا۔

”آپنی۔۔۔۔۔۔ یہ ملازمہ کہاں سے لگتی ہے۔ اس کا تو فیشن ہی بہت عجیب ہے۔۔۔۔۔۔ یوں۔۔۔۔۔۔ جیسے کسی پنجابی قسم کی بیروئن ہو“ مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ابھی بچی ہے۔۔۔۔۔۔ سولہ سترہ سال کی ہے۔۔۔۔۔۔ اتنی سمجھدار نہیں۔۔۔۔۔۔ تم سناؤ۔۔۔۔۔۔ امی کی طبیعت کیسی ہے۔۔۔۔۔۔؟ مومنہ نے پوچھا۔

”نہیں تو بس آپ کی گھر رہتی ہے۔ آپنی۔۔۔۔۔۔ انہوں نے بے بی کے لیے اتنے زیادہ کپڑے بھی یے ہیں۔۔۔۔۔۔ چھوٹے چھوٹے سویٹرز، ٹوپیاں اور پیڈیٹ بھی بتائے ہیں“ مریم نے خوش ہو کر بتایا۔

”امی کو کہا تھا۔۔۔۔۔۔ کیوں یہ سب کر رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ ایک روز میں شاہک ہو جائے گی۔۔۔۔۔۔ ویسے اسد بھی بہت اکیسا پنڈہ ہیں۔۔۔۔۔۔ ہر روز مجھے شاہک کے لیے کہتے ہیں۔۔۔۔۔۔ مگر میں ان کے ساتھ نہیں جاؤں گی“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔۔؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”اسد یوں شاہک کراتے ہیں۔ جیسے کوئی کنٹینر بھر رہے ہو۔ بے تحاشا چیزیں خریدتے جاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ وہ بھی۔۔۔۔۔۔ جن کی ضرورت نہیں ہوتی۔۔۔۔۔۔ شاہک میں بہت پیسا لاتے ہیں۔۔۔۔۔۔ میں دادو کے ساتھ جاؤں گی“ مومنہ نے اپنی ہی لے میں کہا تو مریم حسرت بھری نگاہوں سے اس کی طرف دیکھنے لگی۔

”آپنی۔۔۔۔۔۔ آپ واقعی بہت خوش نصیب ہیں۔۔۔۔۔۔ اسد بھائی جیسا اچھا انسان دنیا میں کوئی اور ہو۔۔۔۔۔۔ ہی نہیں سکتا وہ آپ سے واقعی بہت محبت کرتے ہیں“ مریم نے کہا اور چائے پینے لگی۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔ یہ تو ہے۔۔۔۔۔۔ اس میں شک نہیں“ مومنہ نے چائے پیتے ہوئے جواب دیا۔

”امیر بندہ ہو۔۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔۔ وہ بھی کھلے دل کا۔۔۔۔۔۔ سچ مزاحی آ جاتا ہے۔۔۔۔۔۔ امیر مگر کبھی لوگ تو مجھے زہر لگاتے ہیں۔۔۔۔۔۔“ مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا۔۔۔۔۔۔ اللہ کرے تمہیں بھی کوئی رچ جھڑس (امیر خئی) ملے“ مومنہ نے شرارتی لہجہ میں مسکرا کر کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔۔ اسد بھائی جیسا“ اس نے خوش ہو کر پرامید لہجہ میں کہا مومنہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔

”تم چائے پیو۔۔۔۔۔۔ یہ ایک بھی لو“ مومنہ نے بات بدلنے کی کوشش کی۔

”آپنی۔۔۔۔۔۔ امی آج کل میرے لیے زور شور سے رشتہ تلاش کر رہی ہیں۔۔۔۔۔۔ کل بھی صنفیہ خال کو بلایا تھا اور وہ دو تین رشتے بتا رہی تھی۔۔۔۔۔۔ مگر سب معمولی تھو دار۔۔۔۔۔۔ آپ امی کو سمجھا دیجئے۔۔۔۔۔۔ میں نے اسد بھائی جیسے کسی امیر بندے سے شادی کرنی ہے۔۔۔۔۔۔ امی کے گھر عجمد سی دیکھی ہے شہر کے گھر تو کوئی خوشحالی دیکھوں۔۔۔۔۔۔ ہر وقت پیسے گن گن کر خرچ کرنا مجھے اچھا نہیں لگتا۔۔۔۔۔۔ پرس میں اتنے لوٹ ہونے چاہئیں کہ گنتی کی ضرورت ہی نہ پڑے“ مریم نے مسکرا کر کہا۔

”مریم..... تم کسی باتیں کر رہی ہو..... پہلے تو تمہاری ایسی سوچ نہیں تھی.....“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔
 ”آہی..... پہلے ایسا کوئی انکیپوڈر بھی تو نہیں ہوا تھا..... آپ کی اتنے امیر گھر میں شادی ہوئی ہے..... دارے دارے ہو گئے ہیں.....
 محلے والے کتنے مروجہ ہو گئے ہیں۔ ہر طرف آپ کی باتیں ہوتی ہیں..... ظاہر ہے دولت میں اتنی کشش ہوتی ہے لوگ خود بخود کھینچے چلے آتے ہیں“
 مریم نے جلدی جلدی کہا تو مومنہ کی آنکھیں حیرت سے پھیلنے لگیں۔

”مریم..... تم کیا پانا چاہتی ہو.....؟ دولت یا اچھا انسان؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔
 ”آہی دولت کسے بری لگتی ہے..... اور ہم نے دولت کی کمی کی وجہ سے ہی کتنی محرمیاں اور پریشنیاں دیکھی ہیں..... میں امیر اور اچھا انسان
 دونوں چاہتی ہوں“ مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”خدا کرے..... تمہیں دیسی ہی ملے..... جیسا تم چاہتی ہو“ مومنہ نے دعائیہ انداز میں کہا۔
 ”چھوٹی بیگم..... کھانے میں آپ کیا لیں گی.....؟ اماں پوچھ رہی ہے؟ ثناء نے چائے کی ٹرائی میں برتن سیٹھے ہوئے کہا۔
 ”خیرن بوا کہاں ہیں؟ مومنہ نے پوچھا
 ”بڑی بیگم صاحبہ کے پاس“ ثناء نے جواب دیا۔

”ثروت بوا کو یلو..... تو رب، غلاڈ اور سویش ڈش بتالیں..... اور سنوڈ اوو کے لیے بھی کچھ بتالیں“ مومنہ نے کہا تو ثناء ٹرائی لے کر اندر چلی گئی۔
 ”ای..... کو..... تمہارے رشتے کی کیا جلدی پڑی ہے۔ پہلے تم ایم ایس ہی تو کھل کر لو“ مومنہ نے قدرے جھنجھلا کر پوچھا۔
 ”آہی..... ای کی طبیعت بہت خراب رہنے لگی ہے..... بی بی بروقت بائی رہتا ہے..... شاید اس لیے وہ میری شادی جلدی کرنا چاہتی
 ہیں..... میں تو خود چاہتی ہوں کہ پہلے تعلیم مکمل ہو جائے..... مگر..... ای..... سمجھتی ہی نہیں“ مریم نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔
 ”تم فکر نہ کرو..... میں کچھ روز تک گھر آؤں گی اور ای سے بات کروں گی“ مومنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔
 ”دوپہر کا کھانا کھا کر مریم کو ڈرائیو گھر ڈراپ کرنے چلا گیا اور مومنہ اپنے بیڈ روم میں آگئی..... بیڈ پر لیٹے ہی وہ سو گئی۔

☆

اسد اپنے آفس میں بہت بڑی رہنے لگا تھا۔ اسے ناروے کی ایک کنسٹنٹ کے سلسلے میں رات ملے تک آفس میں بیٹھنا پڑتا تھا۔ مل میں
 انوکھل قسم کا سوتی کپڑا تیار ہو رہا تھا۔ جس کی تیاری کے لیے وہاں سے ماہرین کی ایک ٹیم آئی تھی اور ان کی زیر نگرانی سارا پروجیکٹ مکمل ہو رہا تھا۔ دو
 ٹیکسٹائل انجینئرز اور ایک ٹیکسٹائل ڈیزائنر پر مشتمل ٹیم ہر اسٹیپ پر کپڑے کی کوالٹی کو چیک کرتی تھی۔ آفس سے ملحد ڈائننگ روم میں سب اسد کے
 ساتھ مل کر بیچ اور ڈیزائن کرتے..... اور ہر کھانے کیساتھ وہ وہاٹ ڈائن اور وکی پیٹے۔ اسد بھی ان دنوں بہت زیادہ پینے لگا تھا۔ کام کے دوران پیتے
 ہوئے وہ اپنے آپ کو بہت اچھا اور فریٹس محسوس کرتا۔ سب لوگوں نے مل کر ایک ماہ کے اندر پروجیکٹ مکمل کرنا تھا۔ اس لیے دن رات وہ کام میں
 بڑی تھے اور اسد ان کے کام کرنے کی رفتار اور ہمت دیکھ کر دل ہی دل میں ان کا معترف ہونا جاتا۔ ڈیوڈ..... میک..... اور جیفری کا تعلق آئرلینڈ سے

تھا..... اور تینوں اپنے اپنے شعبوں میں انتخابی مہارت رکھتے تھے۔ اسد خود بھی ان سے بہت کچھ سیکھ رہا تھا۔

اسد کو اس پرنس ڈیل سے کروڑوں کا قائدہ ہوا تھا..... ٹیم واپس جا رہی تھی..... مگر وہ لوگ جانے سے پہلے اس کی فیملی سے ملنا چاہ رہے تھے۔ خصوصی طور پر بیٹری مومنہ سے ملنے کے لیے بہت ایکساٹجڈ ہو رہی تھی۔ بیٹری 27 سالہ، یکہ سمارٹ کیوٹ سیٹریکی تھی اور ٹیکسٹائل ڈیزائننگ میں کمال مہارت رکھتی تھی۔ اسد نے مومنہ سے ان کے گھر آنے کے بارے میں پوچھا تو مومنہ خفا ہو گئی۔

”آپ پرنس کو آفس تک ہی رکھیے..... مگر میں کسی کو بلا نے کی کیا ضرورت ہے؟“ مومنہ نے منہ بنا کر کہا۔

”مومنہ..... وہ سب میرے بہت اچھے دوست ہیں اور بیٹری از دیری ہائیں..... آپ اس سے مل کر خوش ہوں گی.....“ اسد نے کہا۔

”اسد..... پلیز..... آپ کو معلوم بھی ہے کہ میں پردہ کرتی ہوں اور غیر مردوں کے سامنے نہیں جاتی..... پھر بھی آپ مجھے ایسا کرنے کو کہہ

رہے ہیں“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا

”کم آن مومنہ..... ڈونٹ بی سو ریجڈ (اتنی تنگ نظر نہ بنو) آپ کے پردہ کرنے یا نہ کرنے سے ان کی morality پر کوئی فرق نہیں آئے

گا۔ اپنے ذہن اور سوچ کو وسیع کریں..... انسانوں سے انسان بن کر ملیں۔ اپنے آپ کو مومنہ Goddess مت بنائیں یہ زندگی ہے اور زندگی کو اتنا ریجڈ بن کر نہیں گزارا جاسکتا اسد بھی غلطی سے بولا۔

مومنہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور کچھ سوچنے لگی۔

”آپ کیا چاہتے ہیں.....؟ مومنہ نے آہستہ آواز میں پوچھا۔

”آپ ان لوگوں سے مل لیں..... یہ میری عزت کا معاملہ ہے اب میں ان کو یہ کہہ کر کیسے روک سکتا ہوں کہ میری بیوی پردہ کرتی ہے اور

وہ ان کے سامنے نہیں آسکتی..... یہ کہنا Ridiculous (مضحکہ خیز) لگے گا“ اسد نے اپنے لہجے کو نرم کرتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے..... میں سلام لے کر ڈرائنگ روم سے باہر آ جاؤں گی بیٹری باہر میرے پاس آکر بیٹھ سکتی ہے“ مومنہ نے کہا۔

”اوکے..... اوکے.....“ اسد نے مسکرا کر کہا۔

”وہ لوگ کب آئیں گے؟ مومنہ نے پوچھا۔

”ایک دو روز میں..... پلیز اسٹیل قسم کی ڈشز کھانے میں ہونا“ اسد نے کہا تو مومنہ خاموش ہو گئی۔

جب سے دادو کے بارٹ کو پرالیم ہوئی تھی۔ وہ زیادہ وقت اپنے کمرے میں ہی گزارتی تھیں۔ خیرن یواہر وقت ان کے ساتھ ساتھ

رہتیں۔ مومنہ خود ان کی میڈ۔ سٹور اور خوراک کا خیال رکھتی۔ انہیں صبح و شام واک کرواتی۔ اسد ان کو ڈاکٹر کے پاس چمک اپ کے لیے لے کر جاتا

لیکن ان سب باتوں کے باوجود وہ اپنا وقت بہت بے دلی اور مایوسی سے گزار رہی تھیں۔ ان جیسی ہامت، مشان و شوکت والی خاتون سے ایسے توقع

فہم کی جاسکتی تھی مگر نبھانے کیوں وہ کسی بے سکونی کا شکار تھیں۔ مومنہ جب بھی پوچھتی تو وہ جواب میں خاموش رہ جاتیں کبھی کبھی مومنہ کو شک ہونے

لگتا جیسے دادو کو اسد کے بارے میں کچھ معلوم ہو گیا ہو مگر وہ ظاہر نہ کر رہی ہوں..... وہ اپنے آپ سے الجھتی رہتیں..... ان کی آنکھوں میں اداسی اور نمی

سے مومن اکثر پریشان ہو جاتی۔

مومن صبح سے تیار ہوں میں مصروف تھی اور انتہائی پر تکلف ڈنر کا اہتمام کیا گیا تھا۔ مومن نے شاہ کے ساتھ مل کر ہر چیز بہت اہتمام و ترقی سے سہائی تھی۔ ڈرائنگ روم سے ملحقہ ڈرائنگ روم میں خوبصورت اور نفیس کراکری و کٹری اریج کی مٹی تھی۔ مہمان ڈرائنگ روم میں بیٹھے تھے۔ ڈیوڈ اور میک درمیانی مردوں کے درازہ قد خوبصورت آدمی تھے۔ دونوں نے شلوار قمیض پہن رکھی تھیں جو اسد نے خصوصی طور پر انہیں منگوائی تھیں۔ اور وہ انہیں انتہائی عجیب لگ رہی تھیں مگر وہ انہیں بہن کر بہت خوش لگ رہے تھے۔ جیزی نے بھی شلوار قمیض کے ساتھ بڑا اسادو پنٹے گلے میں ڈال رکھا تھا جو بار بار گرتا ہوا اس کے پاؤں میں آ جاتا اور دو جا تک خیال آنے پر اسے اٹھا کر جلدی سے گلے میں ڈال لیتی۔

دادو بہت دنوں بعد اہتمام سے تیار ہوئی تھیں۔ سلک کی ہلکے سبز رنگ کی ساڑھی کے ساتھ پرل کی جیلری پہنے وہ پہلے کی طرح ہی گریس فل لگ رہی تھیں۔ اسد نے مہمان سے ان کا تعارف کرایا۔

دادو نے محبت سے سب کے سر پر ہاتھ پھیرا اور ان کے پاس کچھ دیر کے لیے بیٹھ گئیں۔ تھوڑی دیر بعد مومن آئی۔ اس نے سر سے لے کر پاؤں تک چادر اوڑھ رکھی تھی۔ اس کا چہرہ بمشکل نظر آ رہا تھا۔

"مائی وانگ..... مومن اسد اس نے دروازے میں سے داخل ہوتی ہوئی مومن کو دیکھ کر کہا۔ تینوں اسے دیکھ کر کھڑے ہو گئے اور مودبانہ انداز میں سر ہلایا۔ مومن نے بھی ہلکے ہائے کی اور تھوڑی دیر بیٹھ کر وہاں سے چلی گئی۔ ڈنر تیار تھا۔ اسد، ڈیوڈ، میک اور جیزی مل کر ڈنر کرتے رہے۔ اسد نے ان کے لیے آتش ل ڈرنک منگوائی تھی اور سب لوگ کھانے کے ساتھ خوب انجوائے کر رہے تھے۔ اس دوران کوئی بھی ڈرائنگ روم میں نہ آیا۔ تھوڑی تھوڑی وائن گلاسز میں تھی..... جنہیں دیکھ کر خیرن یو اور ثروت بری طرح چٹکیں تھیں..... خیرن یو تو بار بار گلاسوں کو دنگھ رہی تھی۔"

"ہوا..... مجھے پہلے بھی ایک دو ہار شک پڑا تھا..... کہ اسد میاں.....؟" ثروت برتن سیٹے ہوئے رک کر خیرن یو کی طرف دیکھنے لگی۔

"نہیں نہیں..... جنہیں دہم ہوا ہوگا..... اسد میاں ایسے نہیں ہو سکتے..... اس خاندان کی پشتوں میں سے کسی نے اس حرام شے کو ہاتھ نہیں لگایا..... اسد میاں..... کیسے.....؟ نہیں نہیں میرا دل نہیں مانتا..... اری آج کل ویسے بھی تو نیت نئے جوس آگئے ہیں..... یہ میرا اور تمہارا دہم ہے..... ان گلاسوں کو اچھی طرح دھو ڈالو..... اور..... سنو..... اس کا ذکر کسی سے نہ کرنا..... خاندان کی عزت کا معاملہ ہے..... ہمارے زمانے میں ایسے لوگوں کے سامنے سے بھی دور بھاگا جاتا تھا..... خدا کی پناہ..... اللہ معاف کرے..... ہمارے بزرگ کہا کرتے تھے۔

کہ شراب پینے والا کالامت ہو کر اللہ سے ملے گا۔ اس کی زبان سینے میں ہوگی اور اس سے پیپ اور خون بہتا ہوگا"

اللہ..... تو یہ استغفار..... اللہ معاف کرے" ہوا نے سر کوئی کرتے ہوئے ثروت کو بتایا اور اپنے کانوں کو ہاتھ لگانے لگی۔

"ہوا..... میں نے تو سوچ لیا ہے کہ اپنی شاہ کو اب یہاں نہ آنے دوں گی..... ارے شرابیوں کا کیا پتا ہوتا ہے..... کیا سے کیا کر جائیں..... نہ بابا..... نہ..... ہم غریبوں کے پاس تو عزت ہی سب کچھ ہوتی ہے اور اگر اس کو بھی خطرہ ہو..... تو..... نہ..... ہوا..... نہ ثروت انتہائی خوفزدہ ہو کر یولی۔

"اری بے وقوف مت بن..... برسوں سے اس خاندان کا تمک کھایا ہے۔ ان کی غلامی کی ہے۔ ہم ان کے حکم کو نہ مانیں یہ کبھی ہو نہیں

سکتا..... بڑی بیگم صاحبہ پوچھیں گی..... تو کیا کہو گی کہ ثناء کو کیوں نہیں لاری..... ثروت..... عقل کے ناخن لو! خیرن بوانے قدرے نکلی سے اسے سمجھاتے ہوئے کہا

”بوا..... جو مرضی کہہ لو..... اب میں اپنی ثناء کو یہاں نہیں آنے دوں گی“ ثروت نے قطعیت سے کہا تو خیرن بوا خاموش ہو گئی۔
”میرا دل تو نہیں چاہ رہا کہ ان گلاسوں کو دھونے کو..... ثروت بڑبڑاتے ہوئے بولی تو خیرن بوا خاموشی سے مچن سے ہار نکل گئی۔
”اسد اپنے کمرے میں آیا تو مومنہ نے اس کی طرف دیکھ کر گہری آدھمیری۔

”جھینک یو..... موی..... میرے فرزند! آپ کی بہت تعریفیں کر رہے تھے.....“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔
مومنہ نے کوئی جواب نہ دیا۔

”ڈیوڈو جی کیا کہہ رہی تھی؟ اسد نے مسکرا کر کہا۔
مومنہ نے خاموشی مگر استہمامیہ لگا ہوں سے اسد کی جانب دیکھا
”آئی ایم کلی ٹو ہیو بیج اے کیوٹ وائف (میں خوش قسمت ہوں جسے اتنی پیاری بیوی ملی) اسد نے مدہوش نظروں سے مومنہ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

مومنہ خاموشی سے اس کے پاس سے اٹھ گئی۔ اسد نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

”کیا آپ کو ہمالوں کا آنا اچھا نہیں لگا؟ اسد نے اس کے نازک ہاتھ کو اپنے چہرے کے گرد پھیرتے ہوئے کہا۔
”آپ کو اچھی طرح معلوم ہے..... مجھے کیا اچھا نہیں لگتا“ مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

”کم آن..... موی..... لیو دس! پک..... پلیز..... اس کو ایڈمٹ بناؤ..... ایک ڈرنک کی خاطر میرے اور اپنے فخر خراب مت کرو..... آج خود پی کر دیکھو..... دیکھو..... اور بتاؤ اس میں کیا برائی ہے.....؟ اسد مدہوشی میں اٹھا اور بیترکی بوتل نکال کر اس کا پیگ بنا کر مومنہ کی طرف بڑھایا۔ مومنہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے اسد کی جانب دیکھتی رہی۔

”یہ..... یہ..... پی کر دیکھو..... پھر بتاؤ“ اسد نے گلاس اس کی جانب بڑھایا۔ مومنہ غصے سے کاٹنے لگی اور گلاس پکڑ کر زور سے دھڑ دھڑا کر اس کی طرف پیٹھا۔

”آج..... یہ یو بہت بھی آگئی ہے..... اسد..... یہ برائی ہے اس میں کہ آپ کے اندر سے اچھائی برائی کا احساس ہی ختم ہو گیا ہے..... آج آپ اپنے ہاتھوں سے اپنی بیوی کو شراب پینے پر مجبور کر رہے ہیں..... کل کو کیا ہوگا؟ مومنہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”آئی..... آئی..... ایم سوری..... میرا یہ مطلب نہیں تھا..... میں تو صرف taste کرانا چاہ رہا تھا۔“ اسد بدحواس ہو کر بولا۔
”اگر آپ اپنی سٹرس میں ہوتے تو ایسا کبھی نہ کہتے.....“ مومنہ روتے ہوئے بولی۔

”اس میں برائی کیا ہے.....؟ کیا برائی ہے.....؟ مہلا کیا برائی ہو سکتی ہے؟ اسد خود ہی بڑبڑاتے لگا اور اپنے آپ سے سوال کر کے الجھنے لگا۔

مومنہ نے بے بسی سے اسد کی جانب دیکھا۔ اس لمحے وہ کوئی احساس، دوپٹا اور پاجامے، لنگ رہا تھا جو اپنے آپسے ہی بولنا چلا جاتا ہے اور جسے کسی کی خبر نہیں ہوتی.....

مومنہ اس کی طرف دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

اسد جیسا ویل گروڈ، ڈیسنٹ انسان اس لمحے کس قدر بے وقوف اور احساس نگ رہا تھا اور اسے کسی بھی قسم کا کوئی شعور نہ تھا۔ مومنہ کا دل پیٹنے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر واش روم میں چلی گئی اور گلاس کی کرسیاں اٹھا کر ڈسٹ بین میں ڈالنے لگی۔ کئی کرسیاں اس کے ہاتھ میں چبھ گئیں اور اس کے ہاتھوں سے خون رسنے لگا۔ مگر جو خون اس کے دل سے دس رہا تھا اس کی جھجھن اور تکلیف کہیں زیادہ تھی جو وہ اپنے ہاتھوں میں محسوس کر رہی تھی۔ وہ واش روم سے باہر نکلی تو اسد صوفے پر ہی سو رہا تھا۔ وہ مسلسل اس کے چہرے کی جانب دیکھتی رہی اور پھر مسلسل آنسو بہاتی رہی۔

بحر کی نماز کے بعد وہ سب سے پہلے دادو کو واک کے بعد ناشتہ کراتی تھی۔ اور ان کے پاس ہی بیٹھی رہتی تھی جب تک اسد بیدار نہیں ہو جاتا تھا اور اسد کو ناشتہ دے کر پھر وہ اپنے پیڑروم میں آکر سوتی تھی۔ خیرن بوا اور ثروت صبح سویرے ہی آ جاتیں تھیں جب کہ ثناء دس گیارہ بجے آتی تھی۔ وہ دادو کو ناشتہ کرا کے ان کے پاس بیٹھی تھی۔ دادو بہت خاموش تھیں۔

’دادو..... کیا بات ہے.....؟ میں دیکھ رہی ہوں آپ بہت خاموش رہنے لگی ہیں کیا بات ہے؟ مومنہ نے محبت سے ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... بہو بیگم..... آپ کو وہم ہو رہا ہے۔ بس دل پونجی ادا اس اور پریشان رہتا ہے“ دادو نے بے زاری سے کہا۔

”دادو..... یہی تو پوچھ رہی ہوں کہ دل کیوں ادا اس اور پریشان رہتا ہے..... کوئی نہ کوئی وجہ تو ہوگی“ مومنہ نے پوچھا۔

”بہو بیگم..... اداسی تو آپ کی آنکھوں میں بھی ہے“ دادو نے اس کی آنکھوں کو بغور دیکھتے ہوئے کہا تو مومنہ نے جلدی سے آنکھیں جھکا لیں اور نہ جانے کہاں سے آنسو اس کی آنکھوں سے پھٹنے لگے۔

”بہو بیگم..... یہ کیا ہے.....؟ ان آنسوؤں کا کیا مطلب ہے.....؟ خدا کے لیے کچھ ایسی بات مت بتانا..... جسے ہمارا دل برداشتہ نہ کر سکے..... سب ٹھیک تو ہے نا..... اسد بیٹا آپ سے.....؟ دادو نے جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”سب ٹھیک ہے..... بس آپ کو ادا اس دیکھ کر میں پریشان ہو جاتی ہوں“ مومنہ نے ان سے لپٹے ہوئے کہا۔

”خدا آپ کو زندگی کی ساری خوشیاں دے..... آپ ہم سے ملنے اور ادا جیسی محبت کرتی ہیں..... ہم آپ کے شکر گزار ہیں“ دادو نے محبت سے اس کا گل سہلاتے ہوئے کہا۔

”دادو..... پلیز..... آپ پہلے جیسی زندگی گزاریں..... ہنسی مسکراتی خوش ہاش..... پر سکون..... اور کفر نال“ مومنہ جان بوجھ کر مسکراتے ہوئے کہا تو دادو اس کی بات سن کر مسکرا دی۔

”کوشش کروں گی.....“ دادو نے محبت سے کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

”اب آپ جا کر خود بھی ناشتہ کر لیں..... ہر وقت ہماری ہی دیکھ بھال میں لگی رہتی ہیں“ دادو نے کہا تو وہ چیزیں سمیٹ کر کچن میں آگئی۔

”ثروت ہوا..... آج ٹاء نہیں آئی.....؟ مومنہ نے کچن میں ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا جو مونا اس وقت کچن میں ہوتی تھی۔

”آپ تشریف رکھیں..... میں ناشتہ بنا دیتی ہوں“ ثروت ہوائے کہا۔

”ٹاء کیوں نہیں آئی؟ مومنہ نے پھر پوچھا۔

”اس کی طبیعت ٹھیک نہیں“ ثروت نے جلدی سے جواب دیا۔

مومنہ ڈانٹنگ ٹنل پر بیٹھ گئی اور ثروت ناشتہ لے آئی..... تھوڑی دیر بعد اسد بھی آگیا۔ اس کی آنکھیں قدرے سرخ ہو رہی تھیں اور

چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے۔

”آپ ناشتہ میں کیا لیں گے؟ مومنہ نے اسد کی طرف دیکھے بغیر پوچھا۔

”کچھ نہیں..... بس چائے کا ایک کپ..... سر بہت بو جمل ہو رہا ہے“ اسد نے اپنی آنکھوں کو بار بار کھول کر اور بند کرتے ہوئے کہا۔

”ثروت ہوا..... چائے لے آئیے“ مومنہ نے کہا ثروت ٹرے میں چائے لے آئی۔ اس نے اسد کی طرف عجیب، مہکوک لگا ہوں سے

دیکھا۔

”سلام صاحب جی.....“ ثروت نے چائے کی ٹرے رکھی اور جلدی سے وہاں سے چلی گئی مومنہ کو اس کا ہوں دیکھنا بہت عجیب لگا۔ اس

نے اسد کو چائے کپ میں ڈال کر دی اور اسد جلدی سے چائے پیئے لگا۔ مومنہ خاموشی سے بیٹھی رہی۔

”دادو..... کیسی ہیں؟ اسد نے پوچھا

”ٹھیک ہیں..... سو رہی ہیں.....“ مومنہ جواب دے کر خاموش ہو گئی

”کیا آپ..... ناراض ہیں؟ اسد نے سرگوشی کرتے ہوئے پوچھا۔

”اس سے کیا فرق پڑتا ہے؟ مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

”مومی..... آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں..... اور مجھ سے کیوں ناراض ہیں..... آئی ڈونٹ ریمبر (مجھے یاد نہیں) وہ دماغ پر زور ڈالتے

ہوئے ہوا۔

”اس وقت آپ کمنرس میں نہیں تھے“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”کیا..... میں نے کچھ ایسا کہہ دیا..... کہ آپ ناراض ہو گئیں..... آئی ایم سوری..... ریکی سوری“ اسد نے مومنہ کے ہاتھوں پر اپنے

اپنے ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”ہر بار سوری.....؟ مومنہ نے غم آنکھوں کے ساتھ کہا تو اسد چونک گیا اور مومنہ نے اپنے ہاتھوں کو اس کے ہاتھوں کے نیچے سے نکال

لیا۔ اسد کو شدید شرمندگی کا احساس ہونے لگا اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ تھا۔ وہ خالی نظروں سے اسے دیکھتا رہا اور پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔ مومنہ نے

گہری سانس لی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔

لاؤنج میں رکھے فون کی بیل بجنے لگی۔ مومنہ نے بڑبڑا کر فون اٹھایا۔ دوسری جانب مریم تھی۔

”آپنی..... آپ کہاں ہیں؟ کب سے آپ کے موبائل پر فون کر رہی ہوں آپ فون ہی نہیں اٹھا رہیں.....“

”وہ اوپر کمرے میں ہی ہے اور میں نیچے ہوں..... خیریت تو ہے؟ مومنہ نے پریشانی سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... امی کی طبیعت کچھ ٹھیک نہیں..... آپ کو یاد کر رہی ہیں کیا آپ آج آئیں گی؟ مریم نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے..... میں تھوڑی دیر بعد آؤں گی..... ڈرائیور کو فون کر کے بلانا پڑے گا..... وہ اسد کو آفس چھوڑنے گیا ہے“ مومنہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے..... ہم انتظار کر رہے ہیں“ مریم نے کہا اور فون بند کر دیا۔

”ثروت ہوا..... آپ ثناء کو بلا لائیں..... مجھے اپنی امی کی طرف جانا ہے“ مومنہ نے لیجن میں آکر ثروت بھاسے کہا جو برتن دھونے میں

مصروف تھی۔ ثروت نے چونک کر مومنہ کی طرف دیکھا اور خاموشی سے ہونٹ چبانے لگی جیسے کسی غصے کا دکھار ہو۔

”کیا بات ہے..... ثروت ہوا..... کیا کوئی مسئلہ ہے؟“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”چھوٹی بیگم..... ہم غریب لوگوں کے پاس صرف عزت ہی ہوتی ہے..... اگر ہم اپنی عزت کی بھی حفاظت نہ کر سکیں تو یہ زندگی کس کام

کی.....؟ ثروت بھاسے گول مول جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟ مومنہ نے چونک کر پوچھا۔

”چھوٹی بیگم..... ہم آپ کے شک خوار ہیں..... ہم آپ کے لیے جان تو دے سکتے ہیں..... مگر عزت نہیں“ ثروت نے آہستہ آواز میں کہا

”آپ کیا کہنا چاہ رہی ہیں..... مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا آپ واضح انداز میں بات کریں“ مومنہ نے جھنجھلا کر کہا۔

”ثناء اب یہاں نہیں آئے گی.....“ ثروت نے قطعیت سے کہا۔

”کیوں.....؟ مومنہ نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”چھوٹی بیگم..... جس گھر میں لوگ حرام پینا شروع کر دیتے ہیں..... ان کی آنکھوں میں شاپنوں کے لیے عزت رہتی ہے نہ دوسروں کے

لیے..... آپ میرا مطلب سمجھ گئی ہوں گی“ ثروت نے گہری سانس لے کر کہا۔ مومنہ کو یوں لگا جیسے ثروت بھانے اس کے چہرے پر سرعام طمانچہ مارا

ہو..... اور اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچی ہو شرمندگی کے احساس سے اس کے کانوں کی ٹوئیں تک سرخ ہو گئیں اور اس کی آنکھیں پتھر اٹکیں۔

اسے قطعی اندازہ نہ تھا کہ اسد کی شراب نوشی کی ہلک بیزارم کے بند کمرے سے نکل کر گھر کے کونے کھدروں میں بھی سرعام گردش کرنے لگے گی۔ وہ تو

اس راز کو اپنے سینے میں چھپائے اندر ہی اندر تھماتی رہتی تھی اور اسے پتا بھی نہ چلا اور یہ راز خود بخود افشا ہو گیا۔ وہ ملازمین جو ان کو کبھی اپنے ہم پلہ

سمجھنے سے بھی ڈرتے تھے آج وہ ان سے زیادہ عزت دار ہو گئے تھے۔ آج ان کی عزتوں کو اونچی شان و شوکت اور اعلیٰ خاندان کے باعزت کنبوں

سے ڈر لگ رہا تھا۔ مومنہ کا دل چاہا کہ وہ پھوٹ پھوٹ کر روئے اس کے چہرے پر ایک رنگ آ رہا تھا اور ایک چارہ تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے کمرے

وہ اتنی دیر رو رہی تھی۔ اسے وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اس کے سوا ناکل پر بھر مریم کی کال آ رہی تھی۔ وہ اٹھ کر دوش روم میں چلی گئی اور اچھی طرح اپنی متورم آنکھوں کو دھونے لگی مگر آنکھوں کی سرفخی کسی طرح کم نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے بہت مشکل سے اپنے آپ کو نادل کرنے کی کوشش کی اور تیار ہو کر ڈراما بیور کو فون کیا۔

دو گھر پہنچی تو ذکیہ آپا اور مریم شدت سے اس کا انتظار کر رہی تھیں۔ ذکیہ بہت محبت سے اسے ملی۔ مریم بچن میں چلی گئی اور ذکیہ اسے کمرے میں لے آئی۔

”اتنی دیر لگادی..... کب سے تمہارا انتظار کر رہی ہوں“ ذکیہ نے غصہ کرتے ہوئے کہا۔

”ہاں... بس طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔“ مومنہ نے بچھے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیا ہوا طبیعت کو.... تم مریم کو بتا دیتی تو میں تمہیں آنے سے منع کر دیتی“ نوکیہ نے بنو اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہوں“ مومنہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

”میری بھی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی..... مریم کے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ اچھے نیک شریف لوگ ہیں۔ لڑکا ایک کہنی میں ملازم ہے۔ مگر وہ زیادہ کھاتے پیتے لوگ نہیں..... مریم مانتی نہیں..... اے تو تمہارے سرال جیسے اچھے اور امیر لوگ چاہئیں..... میں تو سمجھا سمجھا کر تھک گئی ہوں کہ ہر ایک کا اپنا نصیب ہوتا ہے..... اللہ نے جو جس کے نصیب میں لکھا ہے اسے مل کر رہتا ہے..... تمہارے نصیب میں اسد تھا..... تو..... اللہ نے خود ہی راستے بنائے..... ہمارے تو وہم و گمان میں بھی نہیں تھا..... اب صبر جتنے بھی رشتے لائی ہے ان میں سے کوئی بھی تمہارے سرال جیسا نہیں..... اور وہ خود بھی کہتی ہے کہ ایسے نایاب رشتے لاکھوں میں کسی ایک کو ملتے ہیں..... مومنہ خوش قسمت تھی..... جسے وہ لوگ مل گئے“ ذکیہ نے کہا تو مومنہ نے ان کی بات سن کر گہری سانس لی۔

”ٹڑکا کیا ہے.....؟ مومنہ نے قدرے توقف کے بعد پوچھا

”بہت ٹیک اور شریف ہے۔ پانچ وقت کا نمازی، پرہیزگار ہے۔ بی۔ اے پاس ہے۔ ملازمت پیشہ ہے۔ ظاہر ہے اس کے ہم پلہ کیسے ہو سکتا ہے۔ شکل و صورت بھی ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ صرف ایک بیوہ ماں ہے۔ گھر کی کوئی زیادہ ذمہ داری بھی نہیں“ ذکیہ نے بتایا۔

”تو..... پھر آپ انہیں ہاں کہہ دیں“ مومنہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

"مجھے تو خود یہ رشتہ بہت پسند آیا ہے لیکن مریم کو تو اسد جیسا لڑکا چاہیے..... تمہیں میں نے اس لیے بلا یا ہے کہ اسد سے بات کرو..... ہو سکتا ہے اس کا کوئی دوست بھی اس جیسا ہو اور مریم کی بھی خواہش پوری ہو جائے" ذکیہ نے قدرے ملامت سے کہا۔

”مریم نادان ہے۔۔۔۔۔ اسے سمجھ نہیں“ مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

”اس سے کہہ لینے میں کیا حرج ہے؟ ذکیہ نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

”اسے کیا کہوں۔۔۔۔۔ کہ۔۔۔۔۔ وہ اپنے جیسا لڑکا میری بہن کے لیے بتائے۔۔۔۔۔؟ مومنہ نے قدرے تلخ لہجے میں پوچھا۔

”جیسا۔۔۔۔۔ بات کرنے میں کیا جاتا ہے؟ ذکیہ نے کہا۔

”امی۔۔۔۔۔ کبھی آپ نے مجھ سے پوچھا کہ اسد کیسا ہے؟ مومنہ نے غم آنکھوں سے اتفاق چاہا کر کہا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟ کیا ہے۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔؟ ذکیہ نے گھبرا کر پوچھا

”وہ بہت اچھا انسان ہے۔۔۔۔۔ امیر ہے۔۔۔۔۔ محبت کرنے والا ہے۔۔۔۔۔ میرا بہت خیال رکھتا ہے۔۔۔۔۔ دوسروں کا خیال رکھنے والا ہے۔۔۔۔۔

مگر۔۔۔۔۔؟ مومنہ کے ہونٹ کپکپانے لگے۔

”مگر۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔؟ ذکیہ نے بمشکل تھوک نچکتے ہوئے پوچھا

”مگر۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ شراب پیتا ہے“ مومنہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”آ۔۔۔۔۔ و۔۔۔۔۔“ ذکیہ نے ہلکی سے چیخ مار کر اپنے منہ پر دونوں ہاتھ رکھنے اور خوف و حیرت سے مومنہ کی طرف دیکھنے لگی۔ اسے سمجھ میں

نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس سے کیا پوچھے۔ کیا کہے۔۔۔۔۔ وہ کتنی ہی دیر اسے پٹٹی پٹٹی نگاہوں سے دیکھتی رہی۔

”تم نے پہلے کبھی نہیں بتایا۔۔۔۔۔؟ ذکیہ نے آہ بھر کر پوچھا۔

”آج بھی نہ بتاتی۔۔۔۔۔ اگر۔۔۔۔۔ آپ اس جیسا دوسرا ماڈھوٹھ نے پراسرار نہ کرتیں“ مومنہ نے آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

”کب سے پل رہا ہے۔۔۔۔۔؟ کیا شادی سے پہلے۔۔۔۔۔؟ ذکیہ نے پوچھا

”ہاں۔۔۔۔۔ شاید“

”کیا سوت آپ کو معلوم ہے؟ ذکیہ نے حیرت سے پوچھا

”شاید نہیں۔۔۔۔۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کیا تم نے اسے روکنے کی کوشش نہیں کی؟ ذکیہ نے پوچھا

”بہت کوشش کی ہے۔۔۔۔۔ مگر وہ یہ ماننے کو تیار ہی نہیں کہ اس کے پیٹے میں کوئی برائی ہے“ مومنہ نے جواب دیا۔

”جس کو اللہ کے نبیؐ نے ام النبیاتؑ (تمام برائیوں کی جز) کہہ کر حرام کیا ہے۔ اس میں کیسے برائی نہیں ہو سکتی۔۔۔۔۔ یہ تو ایسی بُرائی

ہے۔۔۔۔۔ جو رفتہ رفتہ تمام برائیوں کا دروازہ کھولتی ہے اور اللہ کے نبیؐ پاک کا فرمان ہے۔

”تمام برائیاں ایک گھر میں جمع ہیں۔ اس کا قفل زنا اور کھٹی شراب ہے“

بر شرابی ضرور زانی بھی ہوتا ہے جس نے کیا زنا وہ ہوا تھا۔۔۔۔۔ اور جو شخص زنا کو نہ سمجھے تو اس سے کسی عورت کی بھی عزت محفوظ نہیں

راتی..... چاہے وہ گھر کی ہو..... یا..... باہر کی“ ذکیہ نے روتے ہوئے کہا تو مومنہ کو ثروت کے الفاظ یاد آنے لگے۔ جو وہ اس سے کھل کر نہیں کہہ سکی تھی..... مگر اس کے دل میں بھی وہی بات تھی جو ذکیہ اسے کہہ رہی تھی.....

”اسد..... ایسا نہیں..... وہ دوسری عورتوں کو ایسی لگاؤ سے نہیں دیکھتا“ مومنہ نے ماں کی اس بات کو دل میں برا ماننے ہوئے اسد کا دفاع

کرنا چاہا۔

”آج نہیں..... تو..... کل کو وہ یہ سب ضرور کرے گا..... ہم نے بھی زمانہ دیکھا ہے..... برائی دیکھ کر آنکھیں بند کر لیں تو اس کا مطلب یہ نہیں کہ برائی کو نہ اور محسوس نہیں کیا..... ایسے شخص سے کچھ بھی ہو سکتا ہے..... میں اب مریم کو تنہا رہے مگر نہیں سمجھوں گی“ ذکیہ نے اپنی ہی لے میں کہا تو مومنہ نے چونک کر ہاں کی جانب دیکھا اس وقت ثروت بڑا اور اس کی اپنی ماں کی سوچ میں ذرا بھر فرق نہ تھا۔ دونوں اپنی عزتوں کو اس کے گھر میں غیر محفوظ سمجھ رہی تھیں..... دونوں اس کی خیر خواہ تھیں مگر اس پر اعتبار نہیں کر رہیں تھیں..... دونوں کو اس کے شوہر سے خطرہ تھا اور دونوں ہی عزتیں اس سے بچانا چاہتی تھیں۔ مومنہ ثروت کی باتوں سے پہلے ہی دنگی ہو کر آئی تھی اور اب اپنی ماں سے بھی ایسی ہی باتیں سن کر وہ بری طرح ٹوٹ پھوٹ گئی تھی۔

”ہم باز آئے..... ایسے امیر زادوں کے رشتوں سے..... جنہیں نہ اللہ کے حکموں کی پرواہ ہے اور نہ ہی اپنی اور گھروالوں کی عزت کا لحاظ“ ذکیہ نے منہ بنا کر کہا۔

مومنہ نے چونک کر ماں کی جانب معنی خیز انداز میں دیکھا۔

”مومنہ..... بچانے کیوں اس رشتے کو قبول کرتے ہوئے میرا دل ڈرتا تھا..... ایسی بے چینی اور بے قراری تھی کہ دل کو سکون نہیں ملتا تھا۔ صرف تنہا رہی پسندیدگی دیکھ کر میں نے ہاں کہہ دی۔ ذکیہ نے اپنی جانب سے اس کا ذہن صاف کرتے ہوئے کہا تو مومنہ خاموش ہو گئی اور کسی شکست خوردہ پنچھی کی طرح اس کی جانب بے بسی سے دیکھنے لگی مریم اس کے لئے کھانا لے کر آئی تو دونوں کو آنکھیں صاف کرتے ہوئے دیکھ کر وہ حیران رہ گئی۔

”کیا ہوا.....؟ آپ دونوں کیوں رورہی ہیں؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

مومنہ، ذکیہ کی طرف اور ذکیہ مومنہ کی طرف دیکھنے لگیں

”مجھے معلوم ہے آپ لوگ میرے رشتے کی بات کر کے رورہی ہوں گی..... اس کے علاوہ رونے کی اور کوئی وجہ ہو ہی نہیں سکتی..... اسد بھائی جیسے زبردست، ڈیٹنگ ویل آف انسان کے ساتھ بھلا کون خوش نہیں رہ سکتا“ مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”مریم..... چیزوں کو ظاہری طور پر دیکھنا چھوڑ دو..... تمہیں کیا معلوم کہ کوئی انسان اندر سے کیا ہو سکتا ہے؟ مومنہ نے قدرے تلخ لہجے

میں کہا۔

”آپنی..... انسان اندر سے جو کچھ ہوتا ہے..... وہ بھی نظر آ جاتا ہے اور ہمیں تو آج تک ان میں کوئی برائی نظر نہیں آئی“ مریم نے کہا تو

مومنہ اور ذکیہ نے ایک دوسرے کی طرف بغور دیکھا

”مریم..... امی نے جو رشتہ بنایا ہے..... وہ مجھے معقول لگ رہا ہے..... میرے خیال میں..... تمہارے لیے یہ بہت مناسب ہے“ مومنہ نے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آپنی..... کیسے معقول ہے۔ نہ آپ جیسا گھر..... نہ گاڑی..... نہ پیر.....“ مریم نے سختی سے جواب دیا۔

”مریم..... تم ہر بات میں مجھے لو اسد کو معیار کیوں بناری ہو؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آپنی..... جب آپ کو سب کچھ مل سکتا ہے..... تو..... مجھے کیوں نہیں؟ مریم نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

”مریم..... دنیا کے سارے انسانوں کو ایک جیسی چیزیں نہیں ملتیں اور جو ملتی ہیں ان میں بھی کہیں نہ کہیں کوئی کمی ضرور ہوتی ہے“ مومنہ نے نرمی سے سمجھایا۔

”آپنی..... آپ یوں کیسے..... کہ..... آپ نہیں چاہتی کہ میں آپ کے ہم پلہ ہوں..... میں بھی ایسے خوش رہوں جیسے آپ..... میں بھی ایسے عیش کروں..... جیسے آپ کرتی ہیں“ مریم نے غلطی سے شکایتی لہجے میں کہا تو ذکیہ اور مومنہ کے منہ کھلے کھلے رو گئے۔ دلوں اس کے خیالات سن کر حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”کیا تم مجھے اپنا دشمن سمجھتی ہو.....؟ میں کیوں نہیں چاہوں گی کہ میری بہن کو بہت اچھا اور خوشحال سسرال ملے.....؟ میں تمہاری خوشیاں دیکھ کر کیوں خوش نہیں ہوں گی..... مریم..... تم نے ایسا سوچا ہی کیوں.....؟ مجھے یہ سب سن کر بے حد دکھ ہو رہا ہے“ مومنہ نے غم آنکھوں سے مریم کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

”آئی ایم سوری.....“ مریم نے آہستہ آواز میں کہا۔

”مریم..... ضروری نہیں کہ ہر دکھائی دینے والا منظر قریب جا کر دیکھنے میں بھی ویسا ہی خوبصورت نظر آئے..... ہم تمہارے اپنے نہیں..... تم ہمارا خون ہو..... تم ہماری جان ہو..... تم ہماری خوشی ہو..... تم مسکراؤ گی تو ہم مسکرائیں گے..... تمہاری آنکھوں میں آنسو ہمیں بھی بے سکون کر دیں گے..... اس لیے ایسی تمام سوچوں کو ذہن سے نکال دو..... اور ہمارے فیصلے کھول سے قبول کر لو..... کہ..... ہم نے تمہاری بہتری کے لیے ہی یہ فیصلہ قبول کیا ہے..... تم خوش رہو گی..... ایک نیک اور شریف انسان دوسروں کے لیے کبھی اذیت کا باعث نہیں بنتا..... وہ شخص تمہیں خوش رکھے گا“ مومنہ نے محبت سے اسے سمجھایا تو مریم اس کے گلے لگ کر رونے لگی۔ ذکیہ کی آنکھیں بھی نم ہونے لگیں اور اس نے اٹھ کر دونوں کو محبت سے گلے لگا لیا اور انہیں پیار کرنے لگی۔ ہر ایک کے دل میں جو درد پنپا تھا۔ وہ انہیں بہت محسوس ہو رہا تھا مگر وہ ایک دوسرے سے نہیں کہہ رہے تھے۔

شام ہو رہی تھی جب ڈرائیور مومنہ کو لینے آیا اور وہ جیسے ہی گھر سے باہر نکلے۔ محلے کی تمام چھتوں اور کمر کیوں سے عورتوں نے جھانک جھانک کر اسے دیکھا اور اس کے اچھے نصیب کو دیکھ کر اپنی بیٹیوں کے لیے بھی ایسی ہی تمنائیں کی۔ مومنہ نے اتنی رشک بھری نگاہوں کو دیکھ کر گہری سانس لی اور اس کا دل خون کے آنسو روئے لگا۔

وہ گھر پہنچی تو ہر طرف عجیب سا ساٹنا چھایا ہوا تھا۔ اتنی گہری خاموشی سے اسے وحشت ہونے لگی۔ واوہ اپنے کمرے میں بیڈ پر لیٹی آرام کر

ری تھیں۔ خیرن بواجن میں مصروف تھیں۔ لاؤنج میں بہت کم لائیں آن تھیں۔ ماحول میں رچی بسی انفرادی اس کے دل کو دہلائے گی۔
خیرن بواجن سے دیکھ کر لاؤنج میں آئیں اور ساری لائیں آن کیں۔

”خیرن بواجن..... شام ہوتے ہی ساری لائیں آن کروا کریں۔ ورنہ.....“ وہ گہری سانس لے کر بولی اور پھر خاموش ہو گئی
”بڑی پیگم صاحب آپ کے ہارے میں پوچھ رہی تھیں.....“ خیرن بواجن نے بتایا
”کیوں.....؟ ان کی طبیعت تو ٹھیک رہی نا، مومنہ نے گھبرا کر پوچھا

”معلوم نہیں..... مگر ان کے دل کو کچھ بے چینی ہی محسوس ہو رہی تھی..... دوائیں تو میں نے دے دیں..... اور..... وہ سو بھی گئیں..... مگر
چھوٹی بہو..... ایک بات کہوں..... یوں لگ رہا ہے جیسے اس گھر سے خوشیاں اور برکت کہیں گم ہو رہی ہے..... عجیب سی بے گلی سی پھیل رہی ہے۔
نجانے کیا ہو رہا ہے.....؟ خیرن بواجن نے کہا تو مومنہ ان کی بات سن کر چونکی اور حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگی۔

یہی بات وہ اپنے دل میں کئی روز سے محسوس کر رہی تھی۔ گھر کی روح میں نجانے کہاں سے خباثت اور کراہت کا احساس پیدا ہو رہا تھا۔
اسے بھی سمجھ نہیں آ رہا تھا۔ کل جیسے خوبصورت گھر میں بے اطمینانی اور بے قراری پیدا ہو رہی تھی۔
مومنہ خیرن بواجن کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گئی..... اسے خاموش دیکھ کر خیرن بواجن بھی خاموشی سے وہاں سے چلی گئی۔ مومنہ خالی خالی نظروں
سے گھر کے دروازے پر آ کر کود پڑ گئی۔

ہر برے عمل سے صرف انسان کی ہی نہیں..... گھر کی روح بھی متاثر ہوتی ہے۔ جیسے ایک انسان کی روح دوسرے کی روح پر اثر انداز ہو
تی ہے۔ کہیں اسد کے برے کاموں کی خباثت میرے بچے کی روح پر اثر انداز نہ ہو جائے کہیں اس کی روح میں بھی بے اطمینانی اور بے سکونی نہ بھر
جائے..... کہیں وہ بھی.....؟
نہیں..... میں ایسا نہیں ہونے دوں گی..... میں اپنے پاک جسم میں جنم لینے والے وجود کو پاک رکھوں گی..... میں اسد کے سائے سے بھی
اس کو دور رکھوں گی.....

مگر..... کیسے.....؟ میں اسد کو کیسے روک سکوں گی..... وہ تو اس کا باپ ہے..... اور اس کے وجود پر اس کا بھی حق ہے..... اور اس حق کو
کون چھین سکتا ہے..... میں کیا کروں.....؟ وہ اپنے آپ سے الجھنے لگی..... عجیب و غریب سوچیں اس کے ذہن کو منتشر کرنے لگیں۔ وہ مزید الجھنوں
کا شکار ہونے لگی۔ عجیب و غریب وہم و صو سے اور اندیشے اس کے سکون کو تہہ دہلا کرنے لگے۔ اسکی آنکھوں سے آنسو رواں ہو گئے۔ وہ اٹھ کر اپنے
کمرے میں چلی گئی۔ وہ پیڈر پریٹ کر دو دروازے کو گھونڈنے لگی..... برادریار سے اسے وحشت اور کراہت محسوس ہو رہی تھی۔
اسد کی گاڑی پورچ میں آ کر رکی..... اور وہ تھوڑی دیر بعد اوپر کمرے میں آیا۔ وہ قدرے فریٹش لگ رہا تھا۔ اس کا موڈ بھی خوشگوار تھا۔ وہ
بہت خوش دکھائی دے رہا تھا۔

”مومی..... مائی سویٹ ہارٹ..... آئی ایم ویری پی۔ جلاو با برڈز پر چلتے ہیں.....“ وہ مومنہ کے قریب آ کر بولا۔ مومنہ نے حیرت

سے اس کی جانب دیکھا۔

”مجھے لگتا ہے..... آج کل خدا مجھ پر بہت مہربان ہے..... آج میں نے ایک اور کوئٹہ سائن کیا ہے۔ کروڑوں کا بزنس طے گا.....
تھیک گارڈ.....“ وہ انتہائی خوشی سے بولا تو مومنہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

”آپ خوش نہیں ہوئیں.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”بہت خوش ہوں“ مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”یہ سب آپ کی وجہ سے ہے۔ پورا دوری کی ٹوی (آپ میرے لیے بہت خوش قسمت ہیں) شادی کے بعد میرا بزنس بہت
Flourish (ترقی) کر رہا ہے..... آئی لو پوسٹج“ اسد وارنگلی میں اس کی جانب بڑھا اور اسے اپنی ہانپوں میں لینا چاہا مگر مومنہ نے قدرے نرمی
سے اس کے بازو اپنے کندھے سے ہٹائے..... جیسے وہ لاشعوری طور پر اس کے وجود کی خباثت کا اثر اپنے بچے کی روح پر پڑنے سے روک رہی ہو۔
”کیا ہوا.....؟ کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... اس نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

”تو..... پھر..... اس بدلے ہوئے رویے کا کیا مطلب ہے؟ اسد نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... بس..... میں آج بہت اپ سیٹ ہوں.....“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

”اپ سیٹ.....؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا“ اسد نے ایک دم پریشان ہو کر پوچھا؟

”ہاں..... طبیعت تو ٹھیک ہے۔“

”پھر..... کیا بات ہے.....؟ آپ ادھر بیٹھیں..... میرے پاس..... پلیز مومنہ مجھ سے اپنی ہر پریشانی اور ٹشون شیئر کیا کریں..... میں
ہوں نا آپ کے پاس..... اینڈ پلو..... آئی کانٹری بوسینڈ (اور آپ جانتی ہیں میں آپ کو اداس نہیں دیکھ سکتا)..... مومنہ آئی لو پوسٹج.....“ وہ اسے
اپنے قریب صوفے پر بٹھا کر انتہائی محبت سے یوں بولا جیسے کوئی باپ اپنے بچے کو پاس بٹھا کر محبت سے اس کی پریشانی کی وجہ پوچھتا ہے۔ “مومنہ
نے گہری سانس لی اور اسد کی طرف دیکھنے لگی۔

”پلیز..... مجھے بتائیے..... آپ کو کیا پریشانی ہے؟ اسد نے محبت سے اس کے کندھوں پر اپنا مضبوط بازو پھیلا کر اسے اپنے ساتھ لگاتے

ہوئے کہا۔

”امی..... نے آج مجھے گھربلا دیا تھا..... انہوں نے مریم کے لیے ایک رشتہ پسند کیا ہے۔“ مومنہ نے کہا۔

”ہائس..... (اے گڈنڈو) (یا جی خبر ہے) اسد مسکرا کر بولا۔

”مگر.....؟ مومنہ کچھ کہتے ہوئے رکی۔“

”مگر..... کیا.....؟ کیا کوئی فائنل پر ایلیم ہے؟ مومنہ آپ اپنی کوتاہیوں کو مریم کی شادی کی وہ بالکل ٹھیک کریں۔ ساری payments

میں کروں گا..... مریم میری بھی تو بہن ہے نا۔" اسد نے محبت سے کہا تو مومنہ نے چونک کر اسد کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

"کیا یہی پریشانی تھی.....؟ اسد نے پوچھا۔

"نہیں....." مومنہ نے گہری سانس لے کر جواب دیا۔

"پھر..... کیا بات ہے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"مریم آپ جیسے ویل آف شخص سے شادی کرنا چاہتی ہے..... اور..... ای کے نزدیک اس شخص کا ٹیک شریف اور پاکہاز ہونا زیادہ اہم ہے..... انہوں نے مریم کے لیے جولا کا پسند کیا ہے وہ ڈل کلاس سے ہے مگر بہت شریف ہے..... مریم اس کے لئے نہیں مانتی۔" مومنہ نے قدرے تفصیل سے بتایا۔

مریم اذراٹ..... زندگی اس نے گزارنی ہے..... وہ بہتر جانتی ہے کہ وہ کس طرح کے شخص کے ساتھ اچھی زندگی گزار سکتی ہے..... آنٹی کو فورس نہیں کرنا چاہیے۔" اسد نے بخیرگی سے کہا۔

"چاہے وہ امیر شخص ڈرنک بھی کرنا ہو؟ مومنہ نے حیرت سے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"مومنہ..... پلیز..... آپ ہر بات میں ڈرنک کا ذکر کیوں کرتی ہیں۔ اتنی معمولی سی بات کو آپ ہر پر اہم کے ساتھ جوڑ دیتی ہیں۔ آپ خود ہی بتائیے..... میرے ڈرنک کرنے سے آپ کو کیا پر اہم ہے..... کیا میں آپ کے رائٹس پورے نہیں کرتا.....؟

"کیا میرے گھر میں آپ کو کوئی تکلیف ہے؟"

کیا میں آپ کو کہیں آنے جانے سے روکتا ہوں؟

کیا میں نے کبھی آپ کو ہرٹ کیا ہے؟

کیا میں آپ کی عزت نہیں کرتا.....؟

کیا میں آپ سے محبت نہیں کرتا.....؟

کیا میں نے آپ کو کبھی کسی شے کی ہونے دی ہے؟

پھر..... ہر بار ڈرنک کیوں مسئلہ بن جاتی ہے..... آپ کو میں کہیں نظر نہیں آتا..... صرف میرا ڈرنک کرنا نظر آتا ہے اور میں محسوس کر رہا ہوں کہ آپ مجھ سے بیزار بھی ہو رہی ہیں۔ میں جب بھی آپ کو چھونے کی کوشش کرتا ہوں..... آپ مجھ سے جان چھڑانا چاہتی ہیں..... یہ محبت کم ہوتی جا رہی ہے..... آپ صرف میرے ساتھ رشتہ بھاری ہیں..... اور ایسا کرنا شاید آپ کی بھجوری ہے۔" اسد نے قدرے جذباتی ہو کر وہ ٹوک الفاظ میں کہا تو مومنہ حیران رہ گئی۔ اسد نے اس سے پہلے کبھی بھی اس لب و لہجے میں اس سے بات نہ کی تھی..... اور آج وہ یوں بول رہا تھا جیسے کئی روز کے بعد اسے موقع ملا ہو اور اس کے اندر کا آتش فشاں پھٹ پڑا ہو۔ اس کا موڈ بھی آف ہو گیا تھا اور اس کا لہجہ بھی تلخ ہو گیا تھا..... یوں لگ رہا تھا جیسے مومنہ پر بہت غصہ ہو اور جس کا اظہار وہ یوں بول کر کر رہا ہو۔

”مجھے آپ سے کوئی شکایت نہیں..... آپ بہت اچھے انسان ہیں آپ میں سب خوبیاں ہیں..... مگر جو برائی آپ میں ہے وہ برائیوں کی جڑ ہے..... یہ میں نہیں کہتی..... اللہ کے رسول کا فرمان ہے..... اسی لیے ڈرتی ہوں کہ آپ کی ساری خوبیوں کو یہ برائی اپنی لپیٹ میں نہ لے لے۔ اور..... میں آپ کو ایسا ہوتے نہیں دیکھ سکتی..... اس لیے ڈرتی ہوں..... اسد..... میں آپ سے کتنی محبت کرتی ہوں..... شاید آپ کو اس کا اندازہ نہیں..... اور میری محبت کبھی یہ برداشت نہیں کر سکے گی کہ.....“ مومنہ اس کی طرف دیکھ کر سسکنے لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”یہ..... صرف آپ کا وہم ہے..... اندیشے ہیں اور کچھ بھی نہیں..... پورا عرب اور ویسٹ ڈرنک کر رہا ہے..... سب خوشحال ہیں..... کسی کو کوئی پرالہم نہیں۔ آپ خواہ مخواہ الجھ رہی ہیں۔“ اسد نے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

”عرب خوشحال ہیں تو کسی اور وجہ سے..... ویسٹ ترقی کر رہا ہے تو اور باتوں کی وجہ سے..... اگرچہ بات میرے وہم اور اندیشوں کی ہوتی تو میں اسے فوراً جھٹا دیتی..... مگر اللہ کے نبی کا فرمان کیسے جھٹا دوں..... جن کی ہر بات میں سچ ہے..... اسد کیا آپ ان کے کسی فرمان کو جھٹلا سکتے ہیں؟ مومنہ نے اسد کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا تو اسد بولکھٹا گیا اور اس کی طرف دیکھ کر ایک دم خاموش ہو گیا جیسے اس کے پاس کہنے کو نہ کوئی لفظ رہا ہو..... اور..... نہ ہی کوئی بات دو خاموشی سے اپنا ہونٹ کاٹنے لگا۔

”کبھی کبھی انسان کو پتا بھی نہیں چلتا اور وہ گناہوں کی ولدل میں پھنس جاتا ہے..... اور پھر اس کے لئے واپسی یا فرار کا کوئی راستہ بھی نہیں رہتا.....“ مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

”میرا وعدہ ہے..... ایسا کچھ نہیں ہوگا۔“ اسد نے اس کو اپنے بازوؤں میں بھر کر اپنے سینے سے لگاتے ہوئے کہا۔

”اور اگر ایسا کچھ ہو گیا..... تو..... مومنہ زندہ نہیں رہے گی۔“

مومنہ اس کے سینے کے ساتھ ٹک کر سسکنے لگی۔

اور مومنہ کو میں کبھی مرنے نہیں دوں گا..... وہ زندہ رہے گی..... صرف میرے لیے۔“ اسد نے محبت سے اس کی پیشانی پر لب رکھتے ہوئے کہا تو مومنہ روتی ہوئی زہر لب مسکرا دی۔

”ڈاکٹر تھلین میں ہوتے کے لیے آپ کا خاص اعتراف..... اور محبت دیکھ کر آپ کے ساتھ کام کرنے کے لیے تیار ہو گیا تھا..... ورنہ میرے پاس بھی اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں ہیں..... میں آج چاہوں تو اپنا ہسپتال اسٹبلش کر سکتا ہوں..... مگر میں نے اس وقت یہی سوچا کہ آپ نوجوان ہیں۔ آپ قوم کے نوجوانوں کا مستقبل سنوارنے کی جدوجہد کر رہے ہیں۔ آپ نوجوانوں کی زندگیوں کو بچانے میں مصروف عمل ہیں..... میری عمر کم اور تجربے سے اگر آپ کے مشن کو مدد مل سکتی ہے تو مجھے ضرور آپ کا ساتھ دینا چاہیے..... اور ہم لوگوں کو اکٹھے کام کرتے ہوئے پانچ سال ہو گئے ہیں..... ہم نے بہت مشکل کیسز کو بہت اچھی طرح ہینڈل کیا۔ زندگی کی آخری اسٹیج تک پہنچے ہوئے مریضوں کو بھی ٹھیک کیا..... اب کیا ایسا مسئلہ ہو گیا ہے کہ آپ نے ہمت ہار دی ہے..... آپ اپنے کیس کو خود ہی ہینڈل نہیں کر رہے..... مجھے آپ کو دیکھ کر بہت پریشانی ہو رہی ہے..... آپ بہت ٹیلنٹڈ، ویل گر وڈ اور بہت اعلیٰ انسان ہیں..... آپ کو کیا ہو گیا ہے..... کہ آپ کی اپنی ذات بکھر رہی ہے..... آپ کے کیریئر کو نقصان پہنچ رہا ہے اور آپ کی صحت بھی ٹھیک نہیں رہتی..... کیا آپ Tranquilizers استعمال کرنا شروع ہو گئے ہیں؟

ڈاکٹر برلاس نے موقع دیکھ کر ہسپتال میں ڈاکٹر تھلین کے کمرے میں ان کے سامنے بیٹھنے ہوئے کہا۔

”ایسی کوئی بات نہیں..... بس یونہی بے چینی سی رہتی ہے۔“

ڈاکٹر تھلین نے گہری سانس لے کر نالے کے انداز میں کہا۔

”ڈاکٹر تھلین..... میری عمر اور تجربہ آپ سے زیادہ ہے..... آپ میرے بھائیوں کی طرح ہیں..... میں بھی آپ کے پروفیشن سے تعلق رکھتا ہوں..... اور پانچ سال آپ کے ساتھ کام کرنے کے بعد آپ کو بہت اچھی طرح جان گیا ہوں..... دن رات مشین کی طرح کام کرنے والا شخص..... صبح اندرون ملک تو شام کو بیرون ملک سفر کرنے والا بھی نہ تھکے والا شخص کیسے یونہی بے چین ہو کر اپنا سارا کچھ خود ہی ختم کرنے لگا ہے..... ڈاکٹر تھلین..... آپ مجھے حقیقت بتائیے..... اس وقت میں ڈاکٹر ہوں اور آپ مریض..... اور دنیا کی کسی کتاب میں یہ لکھا کہ ڈاکٹر بیمار نہیں ہو سکتا یا اسے کسی سیمیا کی ضرورت نہیں پڑ سکتی..... ڈاکٹر بھی انسان ہوتا ہے اور انسانی احساس..... جتنا کہ دوسرے لوگ ہوتے ہیں پلیز مجھے اپنے اضطراب اور بے چینی کی وجہ بتائیں۔“ ڈاکٹر برلاس نے بہت محبت سے ڈاکٹر تھلین کے کندھے کو تھپتھپاتے ہوئے کہا تو ڈاکٹر تھلین کی آنکھوں کے گوشے نم ہونے لگے۔ وہ ڈاکٹر برلاس کی جانب دیکھنے لگے۔

”پلیز..... صحت کیجئے..... یہ تو میں جانتا ہوں کہ مسئلہ واقعی بہت سیریس قسم کا ہو گا جو آپ کے اعصاب پر سوار ہے..... ورنہ آپ جیسا مضبوط اعصاب کا شخص عام مسئلوں سے نہیں گھبرا سکتا..... پلیز ٹرسٹ می۔“ ڈاکٹر برلاس نے محبت سے کہا۔

ڈاکٹر تھلین نے کچھ کہنا چاہا..... پھر رک گئے..... ان کے ہونٹ کپکپانے لگے..... یوں لگ رہا تھا جیسے ان کی زبان ان کا ساتھ نہ دے رہی ہو..... وہ پریشانی میں ہونٹ چبانے لگے۔

”پلیز..... ڈاکٹر تھلین۔“ ڈاکٹر برلاس نے نرم لہجے میں کہا۔

”کیا بتاؤں.....؟ اور..... کہاں سے شروع کروں؟ ڈاکٹر تھلین نے آہ بھر کر کہا۔

”وہیں سے..... جہاں سے مسئلے کا آغاز ہوا ہے۔“ ڈاکٹر برلاس نے جواب دیا۔

ڈاکٹر تھلین کچھ دیر خاموش رہے..... جیسے اپنی سوچوں کو ترتیب دے رہے ہوں..... ذہن کو کمپوز کر رہے ہوں..... اور پھر آہستہ آہستہ

علیحدہ کے بارے میں بتانے لگے.....

ڈاکٹر برلاس خاموشی سے ساری باتیں سنتے رہے۔

”میں بہت الجھ کر رہ گیا ہوں..... سمجھ میں نہیں آ رہا کیا کروں؟ ڈاکٹر تھلین نے آہ بھر کر کہا۔

”اور..... آپ ہمت ہار گئے..... مریض کا علاج کیے بغیر.....؟ ڈاکٹر برلاس نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”یہی تو ممکن نہیں..... شی ازنائٹ ریڈی ٹو سن ی (وہ مجھے سننا نہیں چاہتی) شی ازلر بک ٹوی (اے تو مجھ سے الگ ہے) ڈاکٹر تھلین

نے قدرے بے بسی سے کہا۔

”ڈاکٹر تھلین آپ کیوں بھول رہے ہیں کہ شروع میں ہرنٹس کا مریض ایسے ہی ریکٹ کرتا ہے..... نہ وہ ہم سے علاج کرانا چاہتے ہیں

اور نہ ہی ہم پر ٹرسٹ کرتے ہیں..... کتنی مشکل سے ہم ان کو کنٹرول میں کرتے ہیں..... اور وہ بھی تب..... جب ہم ان کی مکمل کیس ہسٹری جان لیتے

ہیں..... ان کے گھروالوں سے ان کی عادت، مزاج اور ان کی سرگرمیوں کے بارے میں اچھی طرح انکواریشن لے لیتے ہیں..... جب ہم ان پر یہ

ظاہر کرتے ہیں کہ ہم ان کے دوست ہیں تب وہ ہم پر ٹرسٹ کرتے ہیں۔ تب ہماری باتیں مانتے ہیں..... اور آپ کو تو اپنی وائف کے بارے میں

کچھ بھی معلوم نہیں..... جن سے آپ چند روزہ سناؤں کے بعد ملے ہیں.....“ ڈاکٹر برلاس نے کہا تو ڈاکٹر تھلین نے انہیں چونک کر یوں دیکھا جیسے ان

سے کوئی اہم پوائنٹ مٹ ہو گیا ہو..... اور جس کو وہ جانتے بھی ہوں مگر جس کی طرف دھیان نہ دیا ہو۔

”اس میں آپ کی بھی غلطی نہیں..... دراصل آپ اپنی میریڈ لائف کا آغاز روایتی سوچ کے مطابق محبت اور چاہت سے کرنا چاہ رہے

تھے مگر وہ آغاز بالکل مختلف unpredictable انداز میں ہوا ہے..... اور اوپر تلے تین چار چیزیں اکٹھی ہو گئیں۔

وہ آپ سے محبت نہیں کرتیں..... وہ ڈر تک کرتی ہیں..... سوچ کر کرتی ہیں..... اور نیو ڈارٹر سہنتی ہیں..... آپ کی morality اور

ولٹیوڈان سے بالکل مختلف ہیں..... ان سب باتوں سے برنارڈ ٹل شخص ضرور اپ سیٹ ہوگا اور آپ کا اپ سیٹ ہونا بھی منجھل ہے..... مگر اس المیہ کو

ایز اٹ از چھوڑ کر اپنے آپ کو..... اور اپنے کیریئر کو خطرے میں ڈالنا کہاں کی جھمندی ہے۔“ ڈاکٹر برلاس نے قدرے شفقت سے سمجھایا۔

”ان سب باتوں کی کوئی justification نہیں پاتا۔“ ڈاکٹر تھلین نے آہ بھر کر کہا۔

”کم آن ڈاکٹر تھلین..... یو نو ہاٹ ازلائف.....“

It is name of long intricate factual crevis.

(یہ لے، چھپو، جھٹی، واقعات کا نام ہے)

کیا کبھی ایسا ہوا ہے کہ کوئی صبح دیکھی ہی طلوع ہوئی ہو..... جیسی آپ رات کو سوچ کر سوئے تھے..... کیا برون آپ کو اپنی سوچ اور پلاننگ سے مختلف events اور باتوں کا سامنا نہیں کرتا پڑتا..... زندگی ایسا Phenomenon ہے۔ جس میں آپ ہیں بھی اور نہیں بھی..... یہ آپ کو Elevate (بلند) بھی کرتی ہے اور (نقی) بھی..... کبھی آپ کی سوچوں کے مطابق سب چلتا ہے اور کبھی یکدم ساری پچھکن بدل جاتی ہے۔ آپ کسی Justification کی بات کر رہے ہیں.....؟ لائف اداے بک ٹرائل (زندگی بہت بڑی آزمائش ہے) اور یہ کسی کو کوئی Justification نہیں دیتی..... یہ آپ کے جوش و جذبے، سوچوں اور اعصاب کو تھکا دیتی ہے..... مگر کسی بھی بات کی کوئی Justification نہیں دیتی..... "ڈاکٹر برلاس نے سمجھانے کے انداز میں کہا۔

"میں شدید ڈپریشن کا شکار ہو رہا ہوں۔" ڈاکٹر تھکین نے کہا۔

"آپ اسی لیے ڈپریشن کا شکار ہو رہے ہیں کہ آپ نے لوگوں کے ساتھ mishaps ہوتے دیکھے ہیں اور جب آپ کے اپنے ساتھ ایسا ہوا تو آپ اس کے لئے کوئی Justification نہیں پاسکتے..... یہی بات ہے نا.....؟ ڈاکٹر برلاس نے پوچھا۔

"ہاں..... شاید" ڈاکٹر تھکین نے آدھ کر اپنے چہرے پر ہاتھ پھیرا۔

"شاید نہیں..... یقیناً..... مسئلہ یہ ہے کہ جب دوسروں کے ساتھ mishaps ہوتے ہیں تو ہم انہیں تسلیاں دیتے ہیں اور انہیں بہادری سے مشکل وقت اور آزمائش کا سامنا کرنے کو کہتے ہیں مگر جب ہمارے اپنے ساتھ کوئی ایسا واقعہ ہوتا ہے تو اس کے لئے Justification نہ پا کر ڈسٹرب ہو جاتے ہیں..... پلیز آپ اس Nutshell سے تھکین اور آپ کی وائف کو جو بھی پراہلو ہیں ان کی وجوہات جاننے کی کوشش کریں.....

ہمت مت ہاریں..... پوری پلاننگ سے اس مسئلے کو حل کریں..... ڈاکٹر تھکین انسان کے لیے دوسروں سے لڑنا آسان ہوتا ہے مگر سب سے بڑا چیلنج اس کے لئے اپنی ذات ہوتی ہے..... یہ کیس آپ کے لیے آپ کی زندگی کا سب سے بڑا چیلنج ہے..... اب اس کو کس طرح tackle (حل) کرنا ہے اس کو آپ بہتر جانتے ہیں۔ بٹ ڈونٹ لوز ہد ہارٹ (لیکن اپنا دل نہ چھوٹا کریں) آئی ایم وی..... (میں آپ کے ساتھ ہوں) پلیز اسٹیپ فور ورڈ (پلیز آگے بڑھیں) ڈاکٹر برلاس نے فہر امید انداز میں اسے جھکی دی اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے تھکین پوری مچ "ڈاکٹر تھکین نے قدرے مسکراتے ہوئے ہر امید لہجے میں کہا۔ ان کے چہرے پر اب پہلے جیسا اضطراب نہیں تھا۔

"بیٹ آف لک۔" ڈاکٹر برلاس نے انہیں گلے سے لگاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔

ان کے جانے کے بعد ڈاکٹر تھکین گہری سوچوں میں ڈوب گئے اور عقف پچھکن کی کڑیاں آپس میں ملانے لگے۔ وہ جو پہلے ہمت بار کر بیٹھے تھے اور زندگی کا حقیقی و تاریک پہلو سوچ سوچ کر ذہن کو تھکا رہے تھے اب پازینو سوچتے ہوئے اور پلاننگ کرتے ہوئے ذہن اس قدر ایکٹو اور مستعد ہو گیا کہ وہ خود بھی حیران رہ گئے۔ ذہن اب کئی سوچیں سوچ رہا تھا۔ کئی الجھی ہوئی باتوں کو آپس میں ملانے کی پلاننگ کر رہا تھا اور سوچتے سوچتے وہ بہت دور نکل گئے..... پندرہ سال پہلے والی علیحدگی کے گھر..... اس کے ہمراہ لڑتے جھگڑتے ہوئے، سائیکل چلاتے ہوئے، آنکس کریم کھاتے ہوئے..... وہ زہر لب مسکرانے لگے۔ ہانسی کی یادوں کے درمیان اندر ہی اندر کھلنے لگے۔ باتوں سے باتیں اور واقعات سے واقعات ہانسی

پرت پرت کھٹنے لگا..... نزہت چچی کا مسکراتا ہوا۔ محبت بھرا چہرہ اس کی آنکھوں کے سامنے محکوم کیا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ وہ کس قدر محبت کرنے والی، نیک اور بارگاہ عورت تھیں..... اور..... علیحدہ.....؟ اس نے فکری سانس لی۔

”یسا چوچو..... ان کی ہاتیں..... ان کی محبتیں..... اور ان کا اس کے لئے دکھی ہونا..... اور اس کے غم میں اپنی جان دینا..... سب اس کو دکھی کرنے لگا..... اور وہ سوچوں کے صندوق میں ڈوبتا چلا گیا۔ اس سے پہلے کہ میرا حال تلخ ماضی بن کر میرے لیے کسی اذیت کا باعث بنے۔ مجھے اس کو تاریکی میں گم ہونے سے بچانا ہوگا..... مجھے اپنی پوری کوشش کرنی ہوگی..... تاکہ وہ مستقبل میں میرے لیے آدہ بن سکے۔“ ڈاکٹر علقین نے سوچا اور اپنے حال کو بھانسنے کی پلاننگ کرنے لگے۔

یونہی رہی جس میں حالیہ سیلاب سے متاثرین کے لیے فنڈز اکٹھے کیے جا رہے تھے۔ اسٹوڈنٹس نے ایک فن فنڈ کا بھی اہتمام کیا تھا اور عزرا جی ٹی کے اس کام میں آگے تھی۔ اس نے سب گھر والوں سے خوب پیسہ اکٹھے کیے تھے اور وہ اسی مقصد کے لئے علیحدہ کے کمرے میں لگی تھی۔ علیحدہ کی جب سے شادی ہوئی تھی۔ بہت کم عزرا اور اس کا آنا سامنا ہوا تھا اگر کبھی ہوتا بھی تو علیحدہ اسے لفٹ نہ کراتی۔ پاس سے گزر جاتی مگر کبھی ریلوے بھی نہ کرتی ویسے بھی وہ بہت کم اپنے کمرے سے باہر نکلتی تھی۔ دیکھنا وہ اس کے کمرے میں کھانا پہنچا آتی تھی۔ اس کے عادات اور اس کے وجود سے سب گھر والے سخت تنگ تھے مگر خاموش تھے۔ شاید کسی معجزے کے منتظر تھے۔ جو علیحدہ کو بدل دے۔ ورنہ علیحدہ سے سب بہت مایوس ہو چکے تھے۔ رفتہ رفتہ اس کی باتوں اور حرکتوں کے بارے میں سارے خاندان میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں تھیں اور ایسی باتیں سن کر ندرت بہت خوش ہوتی..... اور اندر ہی اندر اسے پختہ یقین ہو گیا تھا کہ صرف چند روز میں علیحدہ طلاق کا پروانہ ہاتھ میں لیے واپس آ جائے گی۔ تب وہ شاکر علی کو اکڑ کر بتائے گی کہ اس کے خاندان والے کس قدر ڈیپریسڈ ہیں۔ جنہوں نے اس کا بدلہ اس کی بیٹی سے لیا اور ندرت پر جو الزامات لگائے جاتے تھے وہ سب بے بنیاد تھے۔ وہ اپنی پلاننگ کرنے میں مصروف تھی اور اس مقصد کے لیے اس نے سب آ پا کی بھونٹا کر ساتھ لایا ہوا تھا جو ندرت کی طرح ہی مکار تھی اور ہر وقت سسرال کی خامیوں اور برائیوں پر نظر رکھتی تھی۔ ندرت چپکے چپکے انیلا کو فون کرتی اور اس سے ساری خبریں لیتی۔ کون کیا کر رہا ہے.....؟ کیا ہاتھیاں ہو رہی ہیں.....؟ کون کس کے خلاف ہے.....؟ ہر وقت دونوں کسی نہ کسی معاملہ پر جانے کے لیے تیار رہتیں..... اور انیلا کمال ہوشیاری سے عزرا سے گھر کی باتیں پوچھتی رہتی۔ عزرا اتنی ہوشیار نہ تھی جو انیلا کی چالاکیوں کو سمجھ سکتی۔ وہ علیحدہ کی مصروفیات اور اس کے رویے کے بارے میں انیلا کو سب کچھ بتاتی رہتی اور انیلا سب باتیں حراے لے لے کر ندرت کو بتاتی..... اور..... دونوں کشور و تاجر علی کے گھر کی بے سکونی پر خوش ہوتیں۔

عزا..... علیہ کے کمرے میں گئی تو وہ بیڈ پر ایک میگزین پھیلانے اسے پڑھنے میں مصروف تھی اور ساتھ ساتھ سگریٹ بھی پی رہی تھی۔ عزا کی آنکھیں حیرت سے کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس نے چونک کر علیہ کی جانب دیکھا اور پھر سگریٹ کی جانب..... اس کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

”کیا اس سے پہلے کسی لڑکی کو سرکریٹ تھے ہمیں دیکھا؟ علیہ نے اس کی گھورتی آنکھوں سے خائف ہو کر کہا۔“

”عزائے بمشکل تھوک نکل ادا رہے آپ کو مارا کرنے کی کوشش کی۔

”کس لیے آئی ہو؟ علیہ نے قدرے سختی سے پوچھا۔

”وہ..... یونہی دہلی میں فنڈ ریزنگ ہو رہی ہے..... اس لئے..... آپ سے فنڈ لینے آئی ہوں۔“ عزائے رک رک کر کہا۔

”علیہ بیڈ سے اٹھی اور اپنی وارڈ روپ کھولی۔ چیزیں ادھر ادھر کر کے دیکھنے لگی۔ عزائے کی نظریں علیہ پر ہی تھیں جو وارڈ روپ میں کچھ تلاش کر رہی تھی۔ اچانک عزائے کی نظر بڑی ایک بوتل پر پڑی تو حیرت سے اس کی آنکھیں پھرا گئیں.....

عزائے بھر بغور جھانکنے کی کوشش کی..... دو تین اور بوتلیں دیکھ کر چونک گئی۔ اس کی سانس رکنے لگی دو دم بنو علیہ کی طرف دیکھنے لگی۔

”یہ لو.....“ علیہ ایک چھوٹے سے پرس میں سے پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اس کی جانب بڑھایا۔ عزائے گویا سکتے میں تھی۔ وہ نوٹ کو نہیں ہلکے وارڈ روپ کو دیکھ رہی تھی۔

”کیا ہوا.....؟ وہاں کیا دیکھ رہی ہو؟ علیہ نے وارڈ روپ کو اس کی آنکھوں کا محور بنے دیکھ کر پوچھا۔

”عزائے اس کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی۔

”جھینک یو.....“ اس نے نوٹ پکڑا اور خاموش قدموں سے نیچے آ گئی۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا اور چہرے پر عجیب سی اداسی چھائی تھی۔

آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ آواز میں کپکپاہٹ سی تھی۔ ”جہیں کیا ہوا ہے.....؟ کشور نے عزائے کو یوں پریشان دیکھ کر پوچھا۔

”ک..... ک..... کچھ نہیں۔“ وہ بمشکل بولی۔

”کیا علیہ نے کچھ کہا ہے؟“ کشور نے پریشان ہو کر پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے نفی میں سر ہلایا۔

”تو..... پھر..... یہ سب کیا ہے.....؟ اپنی حالت دیکھو یوں لگ رہا ہے جیسے کسی بھوت یا چڑیل کو دیکھ لیا ہو۔“ کشور نے سختی سے کہا۔

”مئی..... وہ..... علیہ.....؟ وہ بمشکل بولی۔

”ہاں..... ہاں..... کیا ہوا اسے.....؟ کشور نے حیرت سے پوچھا۔

”مئی..... وہ..... ڈرک بھی کرتی ہے..... اور..... سو کلک بھی عزائے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”ہائے..... میں مر گئی۔“ کشور نے اپنا سینہ پنتے ہوئے کہا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”یا اللہ! یہ تو ہمارے ساتھ کیا کر رہا ہے؟ کس بات کا بدلہ لے رہا ہے..... ہم نے کونسا گناہ کیا ہے..... جو اس لڑکی کی صورت میں ہم کو

بگھٹنا پڑ رہا ہے.....

آج ناظر اور سنی آتے ہیں..... تو آج میں یہ رشتہ ختم کر کے رہوں گی..... ایسی بہت تو پورے خاندان میں بدنامی کا باعث ہے..... ہم حرید

بے عزتی برداشت نہیں کر سکتے..... اس کے نکلے جسم کو تو برداشت کیا مگر اب اس کی اس کھلی بے حیائی کو ہرگز بھی نہیں۔“ کشور غصے میں بڑبڑاتی رہی

اور عزائے کراپنے کمرے میں آ گئی۔ وہ اسقدر حواس باختہ ہو رہی تھی کہ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے اور کس سے کوئی بات کہے.....؟ اس نے

ناوانسہ طور پر ایٹلا کا نمبر ملا یا اور انتہائی پوچھلائے ہوئے انداز میں اسے ساری بات سنائی۔ وہ بھی مزے لے لے کر ہر بات پر حیرانگی کا اظہار کرتے ہوئے چیخ سی بلند کرتی اور کشور کی کبھی ہوئی باتوں میں ہاں میں ہاں ملاتی جو اسے عزائماری تھی۔

”بھابھی..... کوئی چٹا نہیں..... شام تک طلاق ہو ہی جائے۔“ عزائم نے قدرے سادگی سے اور انتہائی مگر مندی سے ایٹلا کو بتایا۔

”ہاں..... تو..... ایسی بہو کو اتنے دنوں تک گھر میں رکھنا کشور آئی کا ہی حوصلہ ہے..... ہمارے خاندان میں ایسی لڑکی کسی کی ہوتی تو ماں باپ نے خروہی اسے گولی سے اڑا دیتا تھا۔ اس میں آپ لوگ بالکل ہی بے قصور ہیں..... علیحدہ ہے ہی بہت تک چڑھی..... یاد ہے اماں جان کی دھجھ پر بھی سب سے الگ تھلگ بیٹھی رہی۔ کسی سے نہ کوئی بات کی..... نہ کوئی انسو..... اور جنازہ اٹھتے ہی چلی گئی..... قاریلٹی پوری کرنے آئی تھی..... اماں جان نے خواہ مخواہ یہ رشتہ کرا کے آپ لوگوں کو چھسا دیا..... اور مجھے زیادہ تر سن تو سنی بھائی پر آتا ہے..... کیسے خاموشی سے سب کچھ برداشت کر رہے ہیں..... بچا رہے۔“

ایٹلا نے انتہائی تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

”بھابھی..... چٹا نہیں اب کیا ہوگا.....؟ سچ میرا دل تو بے حد گھبرا رہا ہے..... آپ دعا کریں نا۔“ عزائم نے گھبرا کر کہا۔

”لو..... بھلا..... میں کیا دعا کروں.....؟ کیا یہ دعا کروں..... کہ علیحدہ کو طلاق نہ ہو اور اس کا گھر بچ جائے..... تو..... عزائم..... اب اس طلاق کو کوئی نہیں روک سکتا..... یہ ہو کر ہی رہے گی۔ اور اچھا ہے..... روز روز کے رونے سے ایک باری رو لیا جائے کشور آئی کو یہ فیصلہ بہت پہلے کر لینا چاہیے تھا..... خواہ مخواہ میں اتنا انتہار کیا۔“ ایٹلا نے کہا تو عزائم خاموش ہو گئی اور فون بند کر دیا۔

”عزائم سے بات کرنے کے بعد ایٹلا بار بار ندرت کا نمبر ملائی رہی مگر ہر بار یہی جواب ملا کہ وہ ڈرائنگ روم میں کسی مہمان کے پاس بیٹھی ہیں..... بعد میں بات کریں گی۔ ایٹلا کو یہ جواب سن کر سخت الجھن ہونے لگی تھی۔ ایسی مصالحوں اور چٹائی خبر سنا کر وہ ندرت کے ترش رہی مگر کس بن کر بھی لطف اندوز ہونا چاہتی تھی مگر ندرت کا فون پر نہ آتا اور اس سے بات نہ کرنا اس کی بے قراری میں اضافہ کرنے لگا تھا۔

ڈاکٹر تھلین رات کو کافی دیر سے گھر آئے تو کشور اور ناعریل ان کے شدت سے مختصر تھے۔ کشور نے رو رو کر اپنی آنکھیں سرخ کر لیں تھیں اور ناعریل کے چہرے پر انتہائی افسردگی اور تھکن کے آثار تھے۔ دونوں نے چپکے سے ڈاکٹر تھلین کو اپنے کمرے میں بلایا۔

”مئی آپ کو کیا ہوا ہے.....؟ آپ انتہائی پریشان لگ رہی ہیں۔“ ڈاکٹر تھلین نے کشور کی طرف دیکھ کر انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”سنی بیٹا..... آج ہمیں جو خبر ملی ہے اس نے تو ہمارے دلوں کو چھنڈ کر رکھ دیا ہے..... ہم پر تو کوئی آفت ہی نازل ہونے والی ہے۔“

کسور نے انتہائی تاسف سے ہاتھ ملٹے ہوئے کہا۔

”کیوں..... کیا ہو گیا ہے؟ ڈاکٹر تھلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”کیا تمہیں واقعی کچھ معلوم نہیں.....؟ باہر ہم سے چھپاتے رہے ہو؟ کشور نے قدرے خشکی سے پوچھا۔

”کیا مطلب.....؟ آپ کیا پوچھنا چاہ رہی ہیں؟

"علیہ شراب اور سگریٹ بھی چلتی ہے..... اتنی بڑی بات..... ہمارے گھر میں سرعام حرام شے بی جا رہی ہے..... وہ ہمارے گھر کی پاکیزہ فضا کو بر باد کر رہی ہے..... اور ہمیں خبری نہیں اور تم نے بھی ہم سے یہ سب کچھ چھپایا۔" کشور نے غصے سے کہا۔ تاکر کیا کرتا؟

"ہم اسے اسی وقت طلاق دے کر اس گھر سے رخصت کر دیتے کشور غصے سے بولی۔

"اور یہ میں نہیں چاہتا تھا..... کچھ برسوں کی صلح کے بعد پھر خاندان میں رنجشیں بڑھیں اور خاندان پھر سے ٹکھڑا جاتا۔" اس نے کہا۔

"اور میرا گھر..... میرے گھر کا سکون..... میرے گھر کی عزت خاک میں مل رہی ہے..... کیا اس کی کوئی اہمیت نہیں؟ کشور نے کہا۔

"مہی..... اب آپ کیا چاہتی ہیں؟ ڈاکٹر تھلین نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"اس کو ابھی اور اسی وقت طلاق دے کر اس گھر سے قارغ کرو..... ہمیں قرانی کا کبرا بننے کا کوئی شوق نہیں..... میں اب اس کا ناپاک وجود اس کی گندی حرکتیں اس گھر میں مزید برداشت نہیں کر سکتی۔" کشور نے دھوک لہجے میں کہا۔

"مہی..... مجھے کچھ روز کا وقت دیجئے..... مجھے اس کو ٹھیک کرنے کی ایک کوشش کر لینے دیجئے۔" ڈاکٹر تھلین نے کہا۔

"نہیں..... بالکل بھی نہیں۔" کشور نے واضح انداز میں انکار کیا۔

"پلیز..... مہی....." ڈاکٹر تھلین نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

"کشور..... کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے؟ گھر ٹوٹ تو لٹھوں میں جاتے ہیں..... مگر بننے میں بہت وقت لیتے ہیں۔" ناظر علی نے کشور کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

"اس کا گھر بتائی کہاں ہے.....؟ وہ نہ اس گھر کو اپنا گھر سمجھتی ہے اور نہ ہم میں سے کسی کو اپنا..... پھر اسے گھر کے ٹوٹنے کی کیا فکر ہوگی۔"

کشور نے غصے سے کہا۔

"پھر..... مہی..... کشور..... ہمیں سنی کو ایک موقع دینا چاہیے تاکہ کل کو یہ ہم سے کوئی شکوہ نہ کرے کہ ہم نے اس کا گھر بر باد کیا تھا۔" ناظر علی نے سنی کی طرف دیکھ کر کہا تو کشور کے دل کو بھی یہ بات لگی..... وہ کچھ سوچنا شروع ہو گئی۔

"ٹھیک ہے..... لیکن ایک دو ماہ سے زیادہ وقت میں تمہیں نہیں دوں گی۔" کشور نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"تھینک یو..... ویری مچ۔" اس نے مسکرا کر کہا اور اپنا ہریف کیس اٹھا کر اپنے بیڈروم میں چلا گیا۔ علیہ بیڈ پر ٹیک لگائے ٹی وی دیکھنے میں مصروف تھی۔ اس کے ہاتھ میں ریوٹ تھا اور وہ تیزی سے مٹلوجینج کرنے میں مصروف تھی۔ اس نے ڈاکٹر تھلین کے کمرے میں آنے کا کوئی نوٹس نہ لیا۔

"السلام علیکم۔" ڈاکٹر تھلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ اس نے سلام کا کوئی جواب نہ دیا اور ٹی وی کی طرف دیکھتی رہی۔

"کیسی ہیں آپ.....؟ ڈاکٹر تھلین نے قدرے محبت سے پوچھا۔

"اس نے پھر کوئی جواب نہ دیا اور بیڈ پر سے اٹھ کر کہیں جانے لگی۔

”آپ کہاں جا رہی ہیں..... یہ دیکھے میں آپ کے لیے کیا لایا ہوں؟ ڈاکٹر ثقلین نے نرمی سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے کہا تو اس نے اپنا ہاتھ چڑا لیا اور غصے سے ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھنے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین نے اپنے برف کس میں سے اس کی ماں کی ایک بڑی سی فریم میں لگی تصویر نکال کر اسے دکھائی۔
علیہ حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی۔

”اس تصویر کو کمرے کی اسی دیوار پر لگا دیجئے..... جہاں پر آپ کی نظروں کے سامنے رہیں..... سنا ہے نہ بہت چنگی بہت نیک عورت تھیں..... خاندان میں ان کی بہت عزت تھی..... اور یہ بھی سنا ہے کہ بہت اچھی مومن عورت تھیں..... ان کی دعائیں پوری ہوتی تھیں..... بہت محبت کرنے والی شفیق خاتون تھیں۔“

ڈاکٹر ثقلین تصویر کو اپنے ہاتھوں میں پکڑے نہ بہت چنگی کی تحریض کرتے رہے اور علیہ کے چہرے پر مختلف رنگ آتے جاتے رہے۔ وہ بخور منی رہی اس کی نظریں مسلسل ماں کی تصویر پر تھیں۔

”دیکھیے..... کسی نورانیت ہے من کے چہرے پر..... ویسی سی..... جو نیک..... سچے اور بے غلوں لوگوں کے چہروں پر ہوتی ہے..... سچ کہتے ہیں انسان کا ایمان اس کے چہرے سے جھلکتا ہے۔“

”مسکندہ رخصت، روشن پیشانی ہے.....“ ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو علیہ نے انتہائی غور اور حیرت سے ماں کی پیشانی کو یوں دیکھا جیسے پہلی بار دیکھ رہی ہو۔

”اللہ کے پیارے رسول کا فرمان ہے..... کہ میرے لیے ایمان کے بعد سب سے بڑا نیک عورت ہے..... اور اس بات میں سچی حقیقت ہے..... نیک عورت اپنے پاک وجود اور اچھی سوچ سے اپنے گھر کو ہی نہیں..... بہت سے گھروں کو منور کرتی ہے..... اپنے شوہر، اولاد، سرال اور بہت سے لوگوں کے لیے وہ سکون کا باعث بنتی ہے..... نہ بہت چنگی کو فٹ ہوئے اٹھارہ سال ہو گئے ہیں۔ مگر وہ اپنی اچھائی اور نیک نامی کی وجہ سے آج بھی سب کے دلوں میں زندہ ہیں..... اور جانتی ہیں..... میری اور آپ کی شادی بھی ان کی وجہ سے ہی ہوئی ہے..... اس لئے میں ان کی تصویر اپنے کمرے میں لگانا چاہتا ہوں تاکہ.....“

”تاکہ..... آپ ان کی صورت میں مجھے آئینہ دکھاتے رہیں..... مجھے میری ماں کے سامنے شرمندہ کرتے رہیں..... مجھے احساس دلاتے رہیں کہ..... اتنی نیک عورت کی بیٹی مجھ جیسی ہو سکتی ہے۔“ وہ ایک دم ہاتھ ہو کر بولی اور ماں کی تصویر پکڑ کر پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈاکٹر ثقلین ایک دم حیران رہ گئے..... وہ ٹھیک کہہ رہی تھی..... وہ جو پلاننگ کر کے آئے تھے۔ وہ اس کی تہہ تک پہنچ چکی تھی..... وہ ایک دم پوکھلا گئے..... ان کا پہلا مہرہ ہی بری طرح پٹ گیا تھا۔

”علیہ..... پلیز..... ایسا مت کہیں..... میں آپ کو بھلا کیوں شرمندہ کروں گا.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے اپنے چہرے کو مگر سے کھڑا کرنے کی کوشش کی۔

”میں..... سب جانتی ہوں..... سب لوگ مجھے جن نظروں سے دیکھتے ہیں..... اس کا کیا مطلب ہے.....؟ سب کو میں بری لگتی ہوں..... سب مجھ سے نفرت کرتے ہیں.....“ وہ تصویر کو اپنے چہرے کے ساتھ لگا کر بولی۔

”کوئی نفرت نہیں کرتا..... میں..... آپ سے محبت کرتا ہوں..... بہت محبت۔“ ڈاکٹر تھلین نے اسے اپنے ساتھ لگا کر کہا تو وہ بری طرح سسکنے لگی۔

”مگر..... میں آپ سے محبت نہیں کرتی۔“ وہ ایک دم کہہ کر پیچھے ہٹ گئی۔

”کیوں.....؟ ڈاکٹر تھلین کو بھرا ایک جھٹکا لگا۔

”معلوم نہیں۔“ وہ نظریں جراتے ہوئے بولی۔

”کیا آپ مجھے پسند کرتی ہیں؟ ڈاکٹر تھلین نے قدرے سنجیدگی سے نرم لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔“ اس نے لٹی میں سر ہلایا۔

”کیا میں بہت برا ہوں.....؟

”نہیں۔“ اس نے پھر لٹی میں سر ہلایا۔

”تو..... پھر..... محبت نہ کرنے کی کوئی وجہ تو ہوگی؟ ڈاکٹر تھلین نے نہ سکون لہجے میں اس کے کندھوں کو اپنے مضبوط ہاتھوں سے پکڑتے ہوئے پوچھا۔

”میں سمجھن سے ہی آپ کو.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی اور..... میں سمجھن سے ہی آپ کو پسند کرتا تھا۔“ ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو وہ اس کے چہرے کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

ایک لمحے کے لیے چوکی اور پھر چہرہ دوسری جانب پھیر لیا۔

”علیحدہ..... محبت کرنے کے لیے وجہ کا ہونا ضروری نہیں مگر محبت نہ کرنے کے لیے وجہ کا ہونا ضروری ہوتا ہے..... تاکہ محبت کرنے والے کو مظلوم تو ہو..... کہ..... اس سے ان وجوہات کی بنا پر محبت نہیں کی جارہی..... ہو سکتا ہے..... وجوہات جاننے کے بعد وہ ان ٹیکو ہاتوں کو شتم کر دے اور پھر محبت کے قابل بن جائے۔“ ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس نے گہری سانس لی اور اس کی طرف پشت کر کے دیوار کی جانب دیکھنے لگی اور اس پر ماں کی تصویر لگانے کی کوشش کی کیل قدرے ادا نچا تھا۔ ڈاکٹر تھلین نے پیچھے سے آ کر تصویر کو اپنے ہاتھوں سے بلند کر کے دیوار پر لگا دیا۔

”دیوار کا انتخاب اچھا ہے..... آتے جاتے نزہت چچی ہم پر نظر رکھیں گی۔“ ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اس کے چہرے پر بھی ہلکا سا تبسم پھیل گیا۔

”جھٹک گا..... آپ مسکرائیں تو..... یہ سب چچی کی نظر کرم ہے..... دیکھیے تصویر لگاتے ہی کمرے کا ماحول بدلنے لگا ہے۔“ ڈاکٹر تھلین

نے کہا تو علیحدہ بھرا ایک دم سنجیدہ ہو گئی اور وہاں سے پیچھے ہٹ گئی۔

”مئی جانتی ہیں کہ زہمت چچی ہمیشہ سفید چادر سر پر اوڑھے رکھتی تھیں..... اس تصویر میں بھی انہوں نے سفید چادر اوڑھے رکھی ہے..... اور سستی پاکیزہ لگ رہی ہیں۔“ ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

”آپ مجھے کیوں یہ realize (احساس دلا) کرا رہے ہیں کہ مئی چادر اوڑھتی تھیں..... میں نہیں..... مہاپاکیزہ تھیں کیونکہ وہ فل ڈر۔ سز پہنٹی تھیں اور میں نیو ڈریس پہنٹی ہوں۔ لیکن جب میں چادر اوڑھتی تھی..... تو تب سب لوگ مجھے تنقید کا نشانہ بناتے تھے۔ کالج کے لڑکے لڑکیاں مجھ پر ہنستے تھے..... میں سارا دن کالج میں سر پر چادر اوڑھے پھرتی تھی تو سب کتنا ذاق اڑاتے تھے اور جب میں نے وہ گیٹ اپ بدلایا اور ماڈرن ڈر۔ سز پہنے تو پھر سب کو پراہم شروع ہو گئی..... آئی ڈونٹ نو..... کہ سب کو مجھ سے کیا پراہم ہے۔ ہر کوئی مجھ سے ناراض ہے..... ہر کوئی مجھ پر ہی تنقید کرتا ہے۔ علیحدہ ایک دم غصے سے پھٹ پڑی اور ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا اور حیرت سے دیکھتے رہ گئے۔

”علیہ..... کیا آپ چادر اوڑھتی تھیں.....؟

”ہاں.....“ اس نے غصے سے جواب دیا۔

”اور کلاس ٹیوٹرز کے tease کرنے پر آپ نے چادر اوڑھنی چھوڑ دی.....؟

”ہاں۔“

”اور پھر آپ نے ایسے ماڈرن ڈر۔ سز پہننا شروع کر دیے۔“ ڈاکٹر ثقلین نے اس کی سلیو لیس شرٹ اور جھوکی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....“ اس نے قدرے ڈھٹائی سے جواب دیا۔

”آپ اپنی پہچان اور شخصیت لوگوں کے کہنے میں آکر بدلتی رہیں آپ کی اپنی پرستانی کہاں ہے؟ آپ خود کیا ہیں؟ اور کہاں ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا تو وہ چونک کر انہیں دیکھنے لگی۔

”علیہ..... آپ کہاں ہیں.....؟ آپ کون ہیں.....؟ اور کس کلاس سے تعلق رکھتی ہیں.....؟ آپ کی دلچسپی کیا ہیں؟ کیا آپ یہ سب جانتی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے نرمی سے مگر اس کے بازوؤں کو جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔

”آئی ایم تھنک (میں کچھ نہیں ہوں) آئی ایم ایسٹنی (میں خالی ہوں) آئی ایم زیرہ..... آئی ایم..... آئی ایم ناٹ۔“ اور وہ پھر سکے لگی۔

”کیا آپ ایسکی ہائیں سوچتی رہتی ہیں.....؟ اور کون آپ کو یہ سب کچھ کہتا ہے.....؟ کیا یہ آپ کی اپنی assumption (خیالات) ہیں۔

علیہ..... آپ اس قدر بکھو کیوں سوچتی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے اسے اپنے پاس صوفے پر بٹھاتے ہوئے کہا اور اس کے کھمرے ہالوں کو محبت سے سنوارنے لگا۔

”آئی..... نو ویل..... وہاٹ..... آئی ایم؟ (میں جانتی ہوں۔ میں کیا ہوں) اس نے آہ بھر کر کہا اور اپنے آنسو پونچھے۔

”دعی..... جتا آپ نے بتایا ہے..... علیہ..... یو آ رائگ..... ٹوٹی رائگ..... آئی ٹیل یو..... کتا آپ کیا ہیں.....؟

"ہیو! رو میری آتش لٹو..... میری سہیلہ جنب..... اینڈ آئی ایم رائٹ ان مائی آبز رویشن (آپ بہت ذہین ہیں اور میری آبز رویشن ٹھیک ہے) ڈاکٹر فکلین نے کہا تو علیہ کی آنکھوں میں جھٹکے چمکے..... مگر اگلے لمحے وہ ہمارا اس ہو گئی..... اس کا چہرہ ہمارا جھکا گیا۔"

"کیا ہوا.....؟" ڈاکٹر فکلین نے محبت سے اس کے چہرے پر ہاتھ بھرتے ہوئے کہا۔

"آئی ڈونٹ ٹرسٹ ایمنی دن (مجھے کسی پر اعتبار نہیں) وہ مری سانس لے کر بولی اور اس کی آنکھیں ہمارا آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

"علیہ..... آپ کو مجھ پر اعتبار کرنا ہوگا....." ڈاکٹر فکلین نے مضبوط لہجے میں کہا..... تو..... علیہ نے چونک کر استغیاہ میہ لگا ہوں سے ان کی جانب دیکھا۔

"آئی ایم یور سیینٹ..... اینڈ یو نو وہاٹ سیینٹ.....؟ ڈاکٹر فکلین نے کہا۔

"Yes-a fake person-who deceives his wife and loves other.

(ہاں..... جو اپنی بیوی کو دھوکا دیتا ہے اور کسی دوسری سے محبت کرتا ہے)

وہ ہونٹ چبا کر بولی اور اپنی ماں کی تصویر کی طرف بغور دیکھنے لگی۔

"ہر شو ہر شا کر چچا کی طرح نہیں ہوتا..... میں صرف اور صرف آپ سے محبت کرتا ہوں۔" ڈاکٹر فکلین نے کہا تو اس نے خاموشی سے ان کی جانب دیکھا اور گہری سانس لی۔

اچانک ڈاکٹر فکلین کا موبائل بجنے لگا..... انہوں نے نمبر دیکھا۔

"لیس..... ڈاکٹر براؤن....." اور وہ ہات کرتے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئے۔ علیہ..... ماں کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو کر ہن کی

جانب بغور دیکھنے لگی۔ اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے آج سے قبل اس نے ماں کو ایسی نظروں سے کبھی نہ دیکھا ہو..... وہ تو بہت چھوٹی تھی جب اس کی

ماں فوت ہو گئی تھی اور اس کے حافطے میں موجود اس کی تصویر قدرے دھندلا بھی گئی تھی..... اس نے تو اپنے قہیل میں..... ماں کی اور تصویر بنا رکھی تھی جو

فریم میں لگی اس تصویر سے قدرے مختلف تھی۔

اس کے قہیل میں سائی..... ماں کی تصویر میں وہ ہاتیں نہیں تھیں جو سنی اسے تیار ہاتھا..... اور نہ ہی کبھی اس نے ان ہاتوں کے بارے میں

سوچا تھا۔

مما کی سفید چادر سے ڈھکا سر..... روشن پیشانی..... چمکتی ہوئی آنکھیں..... چہرے سے جھلکتا نور..... ایمانداری..... پاکیزگی.....

نقدس..... ممما..... واقعی ویسی تھیں..... جیسا کہ سنی اسے تیار ہاتھا۔

ویسی نہیں..... جیسا وہ انہیں سوچتی تھی..... وہ ممما کے بارے میں جب بھی سوچتی تھی تو ان سے شکوے ہی کرتی تھی اور ویسی ہی ہاتیں کہتی

تھیں جو عذرت نے اس کے اور علی کے ذہنوں میں ان کی ماں کے خلاف بنائی تھیں..... کہ وہ ان کے باپ سے بروقت جھگڑتی رہتی تھی..... بروقت

نصے میں رہتی تھی اور بچوں کا خیال نہیں رکھتی تھی۔ ماں کی زندگی میں بھی عذرت ان کا خیال رکھتی تھی۔ اس لیے علیہ کے دل میں ماں کے لیے کبھی نرم

گوشہ اور وہ محبت نہ پیدا ہو سکی جو وہ اب محسوس کر رہی تھی..... اور وہ بھی سنی کے تھلانے پر اور اس کے احساس دلانے پر..... وہ مسلسل تصویر کی طرف دیکھتی جا رہی تھی اور روتی جا رہی تھی۔

”سوری..... ماما.....“ وہ دیوار پر لگی تصویر کے ساتھ یوں لگی کہ اس کا سراں کے سینے کے ساتھ لگ گیا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اس لمحے اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ ماں کی آغوش میں ہو اور وہ محبت سے اس کا سر ہلاتی ہو۔ اک انوکھا احساس، اک عجیب سی سرشاری اور محبت کا نہ لطف لمس اس کے وجود میں سرایت کرنے لگا۔ رات کو ڈاکٹر تھلین کافی دیر سے اپنے بیڈ روم میں آئے تو علیحدہ بیڈ پر سوری تھی..... وہ اس کی جانب دیکھنے لگے۔ میں اس وقت تک تمہارے پاس نہیں آؤں گا جب تک تمہارے دل میں میرے لیے محبت پیدا نہ ہو جائے..... اور وہ دن بہت جلد آئے گا..... جب تم محبت سے مجھے اپنے پاس بلاؤ گی۔ ڈاکٹر تھلین نے پر امید ہو کر سوچا اور مسکراتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔

”اگلے روز علیحدہ کافی دیر سے بیدار ہوئی تو ڈاکٹر تھلین ہاسٹل جا چکے تھے مگر اب وہ پہلے سے قدرے مطمئن اور ہر سکون تھے انہیں یوں محسوس ہونے لگا تھا کہ علیحدہ جلدی رادو مست پر آ جائے گی۔

علیحدہ نے اپنا موبائل دیکھا۔ اس پر ٹکین کی کال تھیں۔ اس نے ٹکین کا نمبر دیکھا مگر اس کا تیل آف تھا۔ اس نے گھر کے نمبر پر بلایا تو کوئی بھی فون نہیں اٹھا رہا تھا۔ وہ بہت پریشان ہونے لگی اور اس نے خود ٹکین کے گھر جانے کا فیصلہ کیا۔ اس نے وارڈ روم سے بلیک کیمرہ اور سیٹیوٹس مٹی بلاؤز پہن کر واش روم سے نکل کر تادانستہ اس کی نظریں ماں کی تصویر کی جانب اٹھ گئیں جو چادر اوڑھے انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھ رہی تھیں..... جیسے اس سے سوال کر رہی ہوں۔

”علیحدہ..... یہ تم نے کیا پہن لیا ہے..... کیا مسلمان لڑکیاں ایسے لباس پہنتی ہیں؟

”علیحدہ نے جلدی سے چہرہ دوسری جانب یوں پھیرا..... جیسے ماں سے نظریں چار رہی ہو..... اس کے چہرے پر پینہ سا آنے لگا۔ یہ میرا دنم ہے..... بھلا..... ماما کو میرے ان ڈراموں سے کیا کام ہے اور ماما کونسا زعمہ ہیں جو ان کو میرا یہ ڈریس نظر آئے گا..... آئی ایم اے بک فول اینڈ اسٹوڈنٹ۔“ اس نے اپنا سر جھکا اور ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر میک اپ کرنے لگی..... مگر گا ہے بگا ہے اس کی نظریں تصویر پر پڑ جاتیں..... اور اس یوں لگتا جیسے ماما اسے حیرا لگی سے دیکھ رہی ہوں اور خفا بھی ہو رہی ہوں..... علیحدہ عجیب سی الجھن کا شکار ہونے لگی تھی۔ اس کے دل کے اندر شدید احساس زیاں اور کسی غلط کام سے پیدا ہونے والی کشش اسے بہت بے قرار کر رہی تھی۔ اس نے اپنے سر اپے کی طرف بھر پور نظر دوڑائی..... اس کے جسم کا ہر حصہ نمایاں طور پر نکلا اور نمایاں ہو رہا تھا۔ اسے خود بھی کچھ احساس نہ ہوا..... مگر اس نے اپنی سوچ کو جھک دیا۔

”میں خواہ مخواہ پاگل ہو رہی ہوں..... اس نے اپنی سوچوں کو جھکا اور لپ اسٹک کو نٹو پیپر سے صاف کر کے دوسری شڈ کی ڈارک لپ اسٹک لگائی۔ لپ اسٹک لگاتے ہوئے اس کی نظر اپنے پیچھے لگی تصویر پر پڑی جو ڈریسنگ کے آئینے میں واضح طور پر نظر آ رہی تھی اور علیحدہ کو یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے اس کی ماں اس کے پیچھے کھڑی ہو کر اسے غلگی سے دیکھ رہی ہو۔ وہ ان نظروں سے خائف ہونے لگی اور جھنجھلا کر تصویر کو اتارنا چاہا مگر تصویر میں ماں کے چہرے پر پھیلی ہلکی سی مسکراہٹ سے وہ چونک گئی..... اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ماں اس کی اس حرکت پر مسکرا رہی ہو اور اس

لے اسے..... اس سکرابٹ میں اپنے لیے طر محسوس ہونے لگا۔ اس نے ہنسنیلا کر تصویر کی جانب دیکھا اور جو مٹی اسے اتارنے لگی تو اسے سکرابٹ کا زاویہ بدلا ہوا محسوس ہونے لگا۔

اسے یوں لگا جیسے ماں اسے محبت سے مسکرا کر دیکھ رہی ہو..... اب اس کی سکرابٹ میں اس کے لئے طر نہیں تھا۔ بڑے خلوص پیار تھا..... وہ تصویر اتارتے ہوئے رک گئی۔ اور ہمدردی سے تصویر کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے نہ جانے کیا ہوا کہ اس نے وارڈروب کھولی اور اس میں سے جینز نکالی..... اور اس کے ساتھ ایک ٹی شرٹ اور قدرے بڑا سا اسٹول نکالا۔ دوبارہ کپڑے بھیج کیے۔ اسٹول کو اپنے کندھوں پر پھیلا یا تصویر کی جانب ایک نظر دیکھا تو اس کی مسکراتی آنکھوں کو دیکھ کر اس نے گہری سانس لی اور بیک اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

”ناظر علی اور کشور نے اسے گاڑی میں بیٹھتے ہوئے دیکھا۔ آج اس کا لباس استدر کا نل اعترض نہ تھا جتنا کہ پہلے ہوا کرتا تھا دونوں کے چہروں پر سکون کا سایہ سالہا گیا۔

وہ نگین کے گھر پہنچی تو نگین گہری نیند سو رہی تھی۔ آج اس کے ڈیڑی بھی گھر پر تھے اور مٹی بھی۔ وہ علیہ کو یوں اچانک دیکھ کر حیران رہ گئے۔ دونوں لاڈلے میں بیٹھے چائے پی رہے تھے۔

”ہیلو آنی..... نگین کہاں ہے.....؟ اس نے مجھے کال کیا تھا..... مگر میں اس کی کال اٹینڈ نہ کر سکی۔“ علیہ نے کہا۔

”دوسری ہے..... آج اس کی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ اس کی مٹی نے جواب دیا۔

”کیوں..... کیا ہوا؟ اس نے حیرت سے پوچھا۔

”نگین کے والدین نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئے۔ ان کے چہروں پر پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

”علیہ باری باری ان کے چہروں کی جانب سوالیہ انداز میں دیکھنے لگی۔

”اس کے Liver میں پرائیلم ہو گئی ہے۔“ اس کی مٹی نے آہ بھر کر کہا۔

”کیا پرائیلم.....؟ اور..... کب.....؟ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ ٹھیک ہو جائے گی..... ڈونٹ یو وری۔“ نگین کے ڈیڑی جلدی سے بولے تو اس کی مٹی کی آنکھوں میں نمی ہی اتر آئی۔

”آؤ..... چٹا..... چائے پی..... آپ تھکاؤ..... آجکل کیا کر رہی ہو.....؟

اسٹڈین..... کہ..... کچھ اور.....؟ جواد صاحب نے جلدی سے بات کا رخ بدلنے کی کوشش کی اور اس سے اس کے ہارے میں پوچھنے لگے۔

”میری شادی ہو گئی ہے.....“ علیہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”ہائس..... اسے گڈ نائٹ..... وہاٹ از یور مسویڈ؟ جواد صاحب نے پوچھا۔

”ڈاکٹر ہیں۔“

”کیا نام ہے ان کا.....؟ اس کے ڈیڑی نے پوچھا۔

”ڈاکٹر تھلین.....“ اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”ڈاکٹر تھلین..... وہی جو ڈرگزار ایڈکٹڈ نو جوانوں کے لیے ہاسپٹل بنا رہے ہیں..... انگریزی میں پرنس پر سنا لی۔“ جواد صاحب نے پوچھا۔

”نہیں.....“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”وٹر رفل..... اس رفل اے گنڈ نیوز..... یو آر کی..... ڈاکٹر تھلین از این ایکسیلنٹ ڈاکٹر..... ایڈ ویری ہائس میں..... ویری

انسلپ جنف..... میں نے اکثر ان کے کالمر اور ریسرچ رپورٹس نیوز پیپرز میں پڑھی ہیں اور میں تو ان سے بہت متاثر ہوں۔

ان کو میرا سلام کہیے گا..... اور میں کسی وقت ان سے ملنے آؤں گا۔“ تھلین کے ڈیڑی نے ڈاکٹر تھلین کی تعریفوں کے بل ہانڈ سے شروع

کر دیئے..... اور علیحدہ کے اندر خوشی کے احساسات کے ساتھ اک اطمینان سا بھی پیدا ہونے لگا۔ وہ جو ڈاکٹر تھلین کو کچھ نہیں سمجھتی تھی اب ان کی

تعریفیں سن کر چونک گئی تھی..... اسے ان کی تعریف سننا اچھا لگ رہا تھا۔

”ہماری این جی اوڑ کو بھی وہ کافی سپورٹ کرتے ہیں..... میری ایک دوبار میٹنگز میں ان سے ملاقات ہوئی ہے..... ویری سمارٹ

میں..... کیا وہ آپ کے نزن ہیں؟ تھلین کی مٹی نے بھی دھکیلیے ہوئے پوچھا۔

”ہاں..... وہ میرے تایا بابا کے بیٹے ہیں۔“ تھلین نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”اس لیے.....“ مسز جواد نے تھلین کی طرف بغور دیکھتے ہوئے اچانک کہا تو تھلین نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ اسے یوں محسوس

ہونے لگا جیسے ان کی آنکھوں میں اس کے لئے قدرے حیرانگی کے ساتھ ساتھ حقارت بھی ہو..... جیسے وہ اسے ڈاکٹر تھلین کے ہم پلہ نہ سمجھتی ہوں۔

”مسز تھلین..... آج ہم آپ سے ڈاکٹر تھلین کے ریفرنس سے مل کر بہت خوش ہوئے ہیں.....“ جواد صاحب نے انتہائی خوشی کا مظاہرہ

کرتے ہوئے کہا تو وہ جیسے سے مسکرا دی۔

”آئی تھلین..... کب؟ اس نے استغناء سے لہجے میں پوچھا۔

”ابھی کچھ معلوم نہیں..... بجائے کب آتی ہے؟ مسز جواد نے جواب دیا ٹھیک ہے میں اب چلتی ہوں..... بھر آؤں گی۔“ تھلین نے بیک

کنڈ سے پر ڈالتے ہوئے کہا۔

”اوکے.....“ مسز جواد نے اس سے ملنے ہوئے کہا اور لاؤنج سے باہر نکل گئی۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے سارا راستہ اس کے کالوں میں

تھلین کے ڈیڑی کے الفاظ کو گونجتے رہے۔ وہ ڈاکٹر تھلین کا نام کس قدر عزت سے لے رہے تھے..... اور اس کی محی علیحدہ کو ہانکل بھی ان کے قابل نہیں

سمجھ رہی تھی..... اور اس نے کبھی ڈاکٹر تھلین کو کچھ سمجھا ہی نہیں تھا..... وہ کیا ہیں.....؟ کیا کرتے ہیں.....؟ کتنے مشہور ہیں.....؟ کتنے قابل

ہیں.....؟ اسے نشان سے سروکار تھا نہ ان کی کسی بات سے..... اور نہ ہی کسی خوبی سے..... مگر..... اب..... تھلین کے ڈیڑی کی باتوں نے اس کے دل

پر بہت گہرا اثر کیا تھا..... اور..... وہ ویسے بھی کالوں کی بجائی رہی تھی جو کوئی بھی اسے کچھ کہتا وہ فوراً اس پر یقین کر لیتی..... اور اس کی رائے فوراً بدل

جاتی..... اس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اسی طرح گزارا تھا جس طرح لوگ اس سے کہتے تھے..... اس کی اپنی سوچ..... نہ تو اتنی پختہ تھی اور نہ ہی

وٹیز اتنی اسٹرونگ کر دیا اپنی سوچ اور اپنے آپ کو خانے کے لیے ثابت قدمی سے کھڑی ہو جاتی۔ اس کے دل میں ڈاکٹر تھلین کے لیے نرم گوشہ پیدا ہونے لگا ڈاکٹر تھلین کے بارے میں سوچتے ہوئے وہ زبردست مسکرائے گی۔

عزرا کے سوہاگل پر بار بار ایٹلا کا فون آرہا تھا۔۔۔۔۔ عزرا کچن میں رہمانہ کے ساتھ مل کر شام کی چائے پانے میں مصروف تھی۔ سوہاگل کی آواز سن کر وہ جلدی سے اپنے کمرے میں آئی۔

”السلام علیکم۔۔۔۔۔ بھابھی۔“ وہ قدرے ہانپتے ہوئے بولی۔

”عزرا۔۔۔۔۔ کہاں رو گئی تھی۔۔۔۔۔ کب سے فون کر رہی ہوں۔۔۔۔۔ تم اٹھائی نہیں رہی۔۔۔۔۔ سناؤ سنی اور علیہ میں طلاق ہو گئی۔۔۔۔۔ کج۔۔۔۔۔ میں تو یہ جاننے کے لیے بے تاب ہو رہی ہوں۔“ ایٹلا نے قدرے تجسس لہجے میں پوچھا۔

”ارے۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ سنی بھائی نے مہاسے توڑا سنا نا، نکالے ہے عزرا نے صاف گوئی سے بتایا۔“

”لو۔۔۔۔۔ بھلا۔۔۔۔۔ چم لے کر کیا کرے گا۔۔۔۔۔ آج نہیں توکل۔۔۔۔۔ طلاق تو ہوئی ہی ہے۔۔۔۔۔ علیہ نے کہاں سے عزرا ہے اور سنی کب تک اسے برداشت کرے گا۔“ ایٹلا نے مشینا کر کہا۔

”بس۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ پاپا نے ان کو ڈنم دے دیا ہے۔“ عزرا نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ اگر کوئی اور گڑبڑ ہوئی تو مجھے فون کر کے بتا دینا۔“

عذرت ممانی کو متا نا ہوتا ہے۔۔۔۔۔ وہ بچپن ہی علیہ کے غم میں ہر وقت پریشان رہتی ہیں۔“ ایٹلا نے کہا اور فون بند کر دیا۔

عزرا فون سن کر کمرے سے باہر نکلے تو رہمانہ چائے ٹرائی میں سجا کر لے آئی تھی۔ ناظر علی اور کشور چائے پینے میں مصروف تھے۔

”کس کا فون تھا۔۔۔۔۔؟ کشور نے حیرت سے پوچھا۔

”ایٹلا بھابھی کا۔۔۔۔۔“ عزرا نے جواب دیا۔

”کیا کبرہی تھی۔۔۔۔۔؟“

”سنی بھائی اور علیہ کے بارے میں پوچھ رہی تھی۔۔۔۔۔ کہ ان کی طلاق ہوئی یا نہیں۔“ عزرا نے صاف گوئی سے بتا دیا۔

”کشور اور ناظر علی نے اجماعی حیرت سے چمک کر عزرا کی طرف دیکھا۔

”کیوں۔۔۔۔۔ اس کو کیا مسئلہ ہے۔۔۔۔۔ یہ ہمارے گھر کی پرابلم ہے اور ایٹلا کون ہوتی ہے یہ خبریں رکھنے والی۔۔۔۔۔ اور اس کو کس نے یہ ساری باتیں بتائیں؟ کشور ایک ہی سانس میں غصے سے بولنے لگی۔

”وہ۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ اس روز مجھ سے پوچھ رہی تھی تو میں نے بتایا تھا۔۔۔۔۔“ عزرا نے ڈرتے ہوئے مگر صاف گوئی سے بتا دیا۔

”عزرا۔۔۔۔۔ عزرا۔۔۔۔۔ تمہیں میں کیسے سمجھاؤں۔۔۔۔۔ گھر کی باتیں مت کسی کو بتایا کرو۔۔۔۔۔ مگر تمہیں سمجھ نہیں آتی۔۔۔۔۔ اور تم جانتی ہو۔۔۔۔۔ وہ کیا کرتی ہے۔۔۔۔۔؟ وہ ساری باتیں عذرت کو بتاتی ہے اور دونوں مل کر ہمارے گھر کا تماشا دیکھنا چاہتی ہیں۔۔۔۔۔ نبھانے تمہیں کب سمجھ آئے گی؟ کشور نے

نصے سے اپنے ماتھے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

”سوری..... ماما.....“ عزائم آہستہ آواز میں کہا۔

”بیٹا..... ایسے مت کیا کرو..... مگر میں ہزار باتیں اور ہزار مسئلے ہو جاتے ہیں۔ اس کا مطلب یہ تو نہیں کہ ایک ایک بات کی رپورٹ دوسروں کو دی جائے..... لوگ دوسروں کی کمزوریوں پر ہستے ہیں..... بہت کم لوگ دوسروں کے مسئلے حل کرتے ہیں.....“ ناظر علی نے عزائم کو نرمی سے سمجھایا۔

”آئی ایم سوری“ وہ شرمندگی سے بولی۔

”ٹھیک ہے..... آئندہ ایسا مت کرنا..... اب چائے پیو.....“ ناظر علی نے محبت سے اسے سمجھایا تو وہ چائے پینے لگی۔

”علیہ اپنے کمرے میں بیٹھی ٹی وی دیکھ رہی تھی اور قدرے سرور بھی تھی۔ اس کے ذہن میں عقلمن کے ڈیڑی کی باتوں کی بازگشت جاری تھی۔ وہ ٹی وی دیکھتے ہوئے بار بار مسکرا رہی تھی۔ ڈاکٹر عقلمن پر اسے پیار آنے لگا تھا۔ وہ ان کی آمد کی شدت سے خشن تھی۔ کافی دیر سے ڈاکٹر عقلمن اس کے کمرے میں آئے۔ وہ بلیک پینٹ اور ٹی پنک شرٹ میں کافی ڈیسنٹ لگ رہے تھے یا پھر علیہ کا آج انہیں دیکھنے کا زوا یہ بدل گیا تھا وہ آج اسے پہلی بار اچھے لگ رہے تھے۔ ان کے چہرے پر بھی قدرے لطافت تھی۔ علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی اور چہرے پر سرنخی سی دوڑ گئی۔

”کیسی ہیں آپ.....؟ ڈاکٹر عقلمن نے محبت سے اس کے قریب آ کر پوچھا۔

”ٹھیک ہوں.....“ اس نے نظریں جھکا کر قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں جواب دیا۔

”ہائس..... علیہ میں یہ کچھ کتابیں اور آرٹیکلز آپ کے لیے لایا ہوں..... آپ قدرے وقت میں ان کو پڑھا کریں بہت معلوماتی اور انٹرٹیننگ ہیں۔“ ڈاکٹر عقلمن نے اپنے ہنڈ بیگ میں سے ایک بڑا سا انتخاب نکال کر دیا جس میں کافی زیادہ کتابیں اور میگزینز تھے۔ علیہ نے لفافہ پکڑ کر سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا۔

کیا آپ نے کھانا کھایا ہے.....؟ ڈاکٹر عقلمن نے پوچھا۔

”ہاں.....“ اس نے مثبت میں سر ہلایا۔

”علیہ..... پلیز..... پیچ جا کر ماما..... پاپا کے پاس بیٹھا کریں..... مسلسل اس کمرے کے اندر..... اپنی سوچوں میں گم اپنے آپ سے باتیں کر کے آپ بیمار ہو جائیں گی۔“ ڈاکٹر عقلمن نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی اور کوئی جواب نہ دیا۔ وہ کچھ کہہ بھی چاہتی تھی مگر کہہ نہیں پا رہی تھی۔ ڈاکٹر عقلمن کچھ دیر اس کی جانب دیکھتے رہے اور پھر اٹھ کر دوش روم میں چلے گئے اور ڈریس چینج کر کے اسٹڈی روم میں چلے گئے جہاں وہ کام کرنے کے بعد سوتے تھے۔ علیہ کا دل چاہ رہا تھا کہ آج وہ انہیں کسی طرح اسٹڈی میں جانے سے روک لے۔ وہ ان کے پاس بیٹھ کر باتیں کریں..... آج وہ ان کو محسوس کرنا چاہتی تھی۔ انہیں اپنے دل کی کیفیت بتانا چاہتی تھی..... مگر وہ کچھ نہ کہہ سکی اور نہ ہی انہیں روک سکی۔

ڈاکٹر عقلمن کو اسٹڈی میں گئے ہوئے تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا تھا اور علیہ اپنے آپ سے الجھنے میں مصروف تھی۔ وہ شدید تکلیف کا شکار ہو

ری تھی۔ آج وہ اپنے آپ پر قابو نہیں کر پاری تھی۔ اس کے دل میں اک عجیب سی بے چینی اور بے قراری پیدا ہو رہی تھی۔ جو اسے کسی پل بھی سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔

”کیا وہ ڈاکٹر تھلین سے محبت کرنے لگی ہے؟ اس نے اپنے آپ سے پوچھا۔

”شاید..... ہاں..... شاید..... نہیں..... شاید..... معلوم نہیں۔“ اس نے ہنسنے لگا اور دل پھر سے بے قرار ہونے لگا۔ وہ اٹھ کر اسٹڈی روم میں چلی گئی۔ ڈاکٹر تھلین کیپوٹر پر کچھ کام کرنے میں مصروف تھے..... علیحدہ دروازہ کھول کر اندر داخل ہوئی۔ اس کے چہرے پر اضطراب اور آنکھوں میں بے چینی تھی۔ ڈاکٹر تھلین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

”علیحدہ..... آپ.....؟“ ڈاکٹر تھلین نے حیرت سے پوچھا جو شاید پہلی بار ان کے پیچھے اسٹڈی روم میں آئی تھی۔

علیحدہ ان کی جانب دیکھ کر بوکھلائی۔

”خیریت تو ہے۔ کیا بات ہے؟“ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

”ک..... کچھ نہیں.....“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا..... کچھ دیر کھڑی رہی اور پھر وہاں سے چلی گئی۔ ڈاکٹر تھلین زیر لب مسکرانے لگے۔

علیحدہ کو عجیب سا ڈپریشن ہونے لگا۔ اس کا اندر بہت زیادہ مضطرب اور بے چین ہونے لگا۔ وہ کمرے میں چکر لگاتی رہی اور پھر دارڈروب میں سے بیئر کی بوتل نکالی اور اس کا جام بنا کر صوفے پر بیٹھ کر جیسے ہی پینے لگی۔ اس کی نظریں کی تصویر پر پڑی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ماں اس کی اس حرکت پر اس سے ناراض ہو رہی ہوں اور قدرے غلٹی سے دیکھ رہی ہوں۔ علیحدہ نے نظریں چرا لیں اور پھر جام کو ہونٹوں سے لگانے کی کوشش کی تو نادانستہ پھر اس کی نظریں تصویر پر پڑیں۔ اسے یوں لگا جیسے ماں اسے انتہائی غصے سے گھور رہی ہو..... اس نے جام واپس رکھ دیا اور اپنا سر دونوں ہاتھوں میں قلم کر بیٹھ گئی۔ اس کا سر درد سے پھٹ رہا تھا اور دل اضطراب سے بے قرار و بے چین ہو رہا تھا۔ اس کا دل، دماغ اور جسم بری طرح مضطرب ہو رہے تھے..... اور ماں سے نظریں ملاتے ہوئے اس کی روح میں بھی بے چینی بھر رہی تھی۔ اس نے انتہائی مضطرب ہو کر تصویر کی جانب دیکھا کہ جام ہونٹوں سے لگا یا اور جیسے ہی ایک دو گھونٹ لیے اسے بیئر انتہائی بد مزہ اور کڑی لگی۔

”یہ ایسی خوشی نہیں تھی..... آج میں نے اس میں کیا کس کر دیا ہے۔“

وہ خود ہی بڑبڑائی اور کراہت سے جام کی جانب دیکھنے لگی۔ اس نے پھر پینے کی کوشش کی اور پھر اسے ایسا ہی محسوس ہوا۔ اس نے غصے میں آ کر بیئر واش روم میں گئے بیسن میں گرا دی۔ اور جیسے ہی وہاں سے باہر نکلے تو پھر اس کی نظریں ماں کی تصویر پر جا پڑیں۔

”علیحدہ..... بہت بری بات۔“ اسے یوں محسوس ہوا..... جیسے اس کی ماں نے تصویر میں ہی سرگوشی کی ہو اور اس سرگوشی کی ہاداشت اسے کمرے میں سنائی دینے لگی..... وہ اور بے چین ہونے لگی۔

”علیحدہ..... بہت بری بات۔“ آواز کی ہاداشت اس کے دماغ پر ہتھوڑوں کی مانند برسنے لگی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی اور

اندرا کاڈ پریشن..... غم دھند..... اور اضطراب آنسوؤں کی صورت میں باہر نکلنے لگا۔

اس نے تصویر کی جانب بے بسی سے دیکھا اور بستر پر اوڑھے منہ لیٹ کر بکھنے لگی..... آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ بہہ کر بستر میں جذب ہو رہے تھے۔ اس نے اچانک اپنے بالوں میں لطیف سانس محسوس کیا۔ اس نے چونک کر سر اٹھا کر دیکھا تو دیکھتی ہی رو گئی۔ ڈاکٹر تھلین محبت سے اس کے اوپر جھکے ہوئے تھے۔ اسے یقین نہ آیا اور وہ مہر ورنے لگی۔

”آئی ایم ہیئر..... دوپہ..... ڈیز“ ڈاکٹر تھلین نے سرگوشی کی۔ علیحدہ نے پھر ان کی جانب دیکھا اور ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔

”آئی ٹو یو سوچ..... آئی ٹو یو.....“ وہ وارنٹی میں بڑبڑانے لگی..... اسے کسی لمس کا احساس نہ ہوا..... اس نے چونک کر دیکھا..... وہاں کوئی نہ تھا..... وہ بچے کے ساتھ لپٹ کر رو رہی تھی..... اس نے غصے سے ٹکیہ اٹھا کر زور سے کارپٹ پر پھینکا اور بیڈ پر بیٹھ کر رونے لگی۔ اس کا ڈپریشن مزید بڑھنے لگا تھا..... اور اس کی ماں حیرت سے اسے دیکھتی جا رہی تھی۔

☆

سدرہ نے کنزرو اور پیاز جیسے کو جنم دیا تھا۔ جس میں خون کی کمی تو تھی ہی..... وہ یہ جان کا بھی بری طرح شکار تھا..... سدرہ نے اس کی پیدائش تک انتہائی ہمت سے محنت و مزدوری کی تھی۔ رات گئے تک وہ لوگوں کے کپڑے سیتی، ٹیڈی ہٹس پڑھاتی، گھر کا خرچہ چلانے کے علاوہ جو تھوڑی بہت رقم جمع کی تھی وہ بچے کے پیدا ہونے اور ہسپتال میں اس کی دوائیوں پر خرچ ہو گئی تھی۔ انتہائی تنگدستی کا دور شروع ہو گیا تھا۔ سدرہ میں ابھی اتنی ہمت نہ تھی کہ وہ بیٹہ کر سلائی کا کام کرتی..... اور کاشف کو تو کئی ماہ سے تنخواہ ہی نہیں مل رہی تھی۔ وہ اپنی طرف سے بہت ہاتھ پاؤں مارنے کی کوشش کرتا مگر یوں لگ رہا تھا جیسے قدرت بھی اس کے ساتھ ناراض ہو گئی ہو..... ایک دو دوستوں سے اس نے ادھار مانگا۔ انہوں نے وعدے تو کیے مگر کسی نے کچھ نہ دیا۔

سدرہ بیٹے کو لے کر کبھی کسی حکیم کے پاس جاتی کبھی کسی ہومیوپیتھی ڈاکٹر کے پاس..... کیوں کے اس کے پاس اتنے پیسے نہ تھے کہ وہ اسے کسی اسپیشلسٹ ڈاکٹر کے پاس لے کر جاتی۔ بچے کی مجبوری حالت دیکھ کر زاہدہ ہر وقت سدرہ کو کوٹنے دیتی رہتی..... زاہدہ کو تو قدرت نے ایک اور موقع فراہم کر دیا تھا جس سے وہ بھرپور فائدہ اٹھا رہی تھی اور ہر وقت..... ہر مل اسے کوٹی رہتی۔

”کاشف..... تو نے دیکھ لیا بھوک کا نتیجہ..... ایسا سر مل اور پیاز بچہ پیدا کیا ہے اس نے..... چنا کھایا یا اسی کام آتا ہے۔ اگر ٹھیک طرح سے کھاتی پیتی..... تو آج بچہ محنت مندا اور تندرست ہوتا۔“

زاہدہ نے غصے میں کاشف کو ڈانٹتے ہوئے کہا۔

”اماں..... جتنا وہ کھا سکتی تھی..... اس نے کھایا تو ہے..... اب قدرت کی طرف سے ہی ڈیٹان ایسا پیدا ہوا ہے..... تو وہ کیا کرے۔“

”کاشف نے جھنجھلا کر کہا۔

”بس کرو۔..... پیوی کی طرف دریاں کرنا..... آج یہ دن..... جو ہم دیکھ رہے ہیں نا..... یہ سب اس کی وجہ سے ہے..... ایسی منہوں آئی

ہے کہ میرے گھر سے رحمتیں برکتیں..... رزق کی ریل پل ہی خم ہوگئی ہے..... اتنا خبط تھا حلال کی کمائی کھانے کا..... تو بچہ پیدا کرنے کے بعد کھاتی..... اب بچے کے اندر جوگی ہے وہ کیسے پوری ہوگی..... اب لگاؤ ڈاکٹروں اور سیکسوں کے پاس چکر.....“

زاہدہ نے غصے سے بڑبڑاتے ہوئے کہا تو کاشف خاموش ہو گیا اور اٹھ کر کمرے میں آ گیا۔ جہاں سدرہ بیڈ پر بیٹھی زاہدہ کی ساری گفتگو سن رہی تھی اور بہت افسردہ ہو رہی تھی۔

”اب کیسی طبیعت ہے اس کی؟ کاشف نے آدھ کر کہا اور دونوں خاموش ہو گئے جیسے کہنے کے لئے ان کے پاس کچھ نہ ہو۔

”میں نے ایک دوست سے او حار پیسے مانگے تو ہیں..... اگر مل گئے تو اسے کسی اچھے سے ڈاکٹر کے پاس لے جائیں گے۔“ کاشف نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

”جواب کا کچھ بنا.....؟ سدرہ نے پوچھا۔

”نہیں.....“ اس نے افسردہ لہجے میں جواب دیا۔

”افسوس کیا کہتے ہیں.....؟

”وہی..... ان کی ایک بات..... کہ ان کا ساتھ دوں..... تو آج ہی بحال کروادیں گے۔“ کاشف نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا سدرہ

بھی خاموش ہو گئی اور اس کے چہرے پر مایوسی پھیلنے لگی آپ فکر نہ کریں..... اللہ..... مسبب الاسباب ہے۔ وہ ہماری نیتوں کو جانتا ہے۔ وہ ضرور ہماری مدد کرے گا۔“ سدرہ نے اسے حوصلہ دینے کی کوشش کی۔ مگر اس کے لہجے کی کمزوری اس کے اندر مکملی مایوسی اور پریشانی کا پتہ دے رہی تھی۔

کاشف نے اس کی بات کا کوئی جواب نہ دیا۔ اسے معطل ہوئے چھ ماہ گزر گئے تھے اور وہ ابھی تک سدرہ کی تسلیوں اور دلاسون پر چل رہا تھا۔ شروع شروع میں تو یہ دلا سے اور تسلیاں اس کی بہت بندھاتے رہے مگر اب وہ اسے محض کوکھلے الفاظ کہتے تھے اور وہ الفاظ اس کی کوئی ضرورت پوری نہیں کر رہے تھے..... وہ پہلے سدرہ کی تسلیوں پر مطمئن ہو جاتا تھا..... پُر امید ہو جاتا تھا اور اب مزید مایوسی کا شکار ہونے لگا تھا بلکہ بعض اوقات سدرہ کو محسوس ہونے لگا جیسے وہ اس کی باتوں سے الجھنے لگا ہو..... وہ اپنے اندر نہ تو پختہ شعور رکھتا تھا اور نہ ہی یقین کامل اس لئے حیرت اور مضطرب رہتا.....

زاہدہ کی باتوں سے ختم لینے والے اندیشے اور دوسرے اسے مزید کھردر کرنے لگتے۔ چھ ماہ کے اندر اس نے جو چند سی مایوسی اور پریشانی دیکھی تھی اس نے اسے اندر سے مضبوط نہیں بلکہ بہت کھوکھلا کر دیا تھا کوئی بھی ایسی بات مثبت انداز میں نہیں ہوتی تھی جو سدرہ کی باتوں پر اس کا یقین پختہ کرتی..... سدرہ جو بھی کہتی تھی..... ایسا کچھ بھی نہیں ہوا تھا۔ وہ اندر سے ڈم گانے لگا تھا۔

”جوں جوں رات گہری ہونے لگی۔ ذیشان کے بخار اورتے میں اضافہ ہونے لگا۔ اس کی حالت بہت خراب ہونے لگی۔ سدرہ اسے دیکھ کر رون شروع ہو گئی۔ کاشف بھی گھبرا گیا۔

”سدرہ اٹھو..... اسے ہسپتال لے کر چلتے ہیں..... مجھ سے اس کی یہ حالت دیکھی نہیں جا رہی۔“ کاشف نے اجماعی پریشانی سے کہا۔

”مگر..... کاشف..... میرے پاس کوئی بھی پیسہ نہیں۔“ سدرہ نے فکر مندی سے جواب دیا۔

"میں ابھی اپنا سوبائیل بیچ کر آتا ہوں..... اتنی دیر میں تم تیار ہو جاؤ۔" کاشف سوبائیل ہاتھ میں پکڑ کر باہر نکلا تو زاہدہ اپنے کمرے سے

باہر نکلے۔

"کاشف..... تو..... اس وقت کہاں جا رہا ہے؟ زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"اماں..... ڈیٹان کی حالت بڑی خراب ہے..... اسے ہسپتال لے کر جا رہا ہوں۔" کاشف نے غم آنکھوں سے جواب دیا۔

"کیا..... کوئی پیسہ ہے۔ تیرے پاس؟ زاہدہ نے پوچھا۔

"نہیں..... اپنا سوبائیل بیچنے جا رہا ہوں۔" کاشف نے آدھ بھر کر جواب دیا۔

"واہ..... بیٹا..... اب لو بت دیا گئی ہے..... تیری نصیحوں والی بیگم صاحبہ اب گھر کی ایک ایک چیز بکوائے گی..... بس..... بہت میں نے

برداشت کر لیا..... خبردار تو نے آئندہ اس کی کوئی بات سنی۔ غصہ میں نے کچھ پیسے سنبھال کر رکھے ہیں..... وہ لاتی ہوں..... بچے کا اس سے علاج کرا لے....." زاہدہ اپنے کمرے میں گئی اور پانچ ہزار روپے لا کر اسے پکڑائے کاشف چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگا۔

"تو نے بہت من مانی کر لی..... بہت اس کی باتیں مان لیں..... نتیجہ سوائی۔ بے روزگاری اور تنگدستی کے علاوہ کیا نکلا ہے۔ جانے کو

لے جا....." زاہدہ نے کہا تو کاشف کی آنکھیں اس کے لئے تشکر کے احساس سے بھرنے لگیں۔

"اماں..... تو....." کاشف کے من سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے۔

"بس..... بس..... اب..... جا....." زاہدہ نے کہا تو کاشف سدرہ اور ڈیٹان کو لے کر ہسپتال چلا گیا۔ رات بھر وہ ICU میں رہا ڈاکٹر

اور نرسیں اسے تھوڑی تھوڑی دیر بعد چیک کرتے رہے۔ دن ہوتے ہی اس کی حالت کچھ بہتر ہو گئی اور دونوں نے خدا کا شکر ادا کیا۔ رات بھر جاگنے سے ان کی آنکھیں سرخ اور طبیعت بوجھل ہو رہی تھی۔ مگر ڈیٹان کی طبیعت کا سن کر وہ خوش ہو گئے۔ دو دن ہسپتال میں رہنے کے بعد وہ بچے کو لے کر آگئے۔ ڈیٹان پہلے سے بہت بہتر تھا۔

"میں بھی سوچتا ہوں..... پیسہ کتنی بڑی ضرورت ہے.....؟ جیب میں نہ ہو تو انسان کتنی مار کھاتا ہے..... کتنا ذلیل و خوار ہوتا ہے..... یہ

بھصاب اندازہ ہو رہا ہے۔" کاشف نے بیڈ پر لیٹے ہوئے غم آنکھوں سے کہا۔

"ہاں..... پیسہ..... اللہ کی بہت بڑی نعمت اور عطا ہے..... اسی لیے وہ اسے فضول خرچی میں اڑانے سے منع کرتا ہے۔" سدرہ نے

جواب دیا۔

"اب وہ دن گئے..... جب ہم فضول خرچی ہوا کرتے تھے..... اب تو پانچ روپے خرچ کرنے سے پہلے پانچ سوچنا ہوں۔" کاشف

نے آدھ بھر کر مایوسی سے کہا۔

"کاشف..... محنت اور حلال کی کمائی سے کمایا ہوا پیسہ اسی طرح سوچ سمجھ کر خرچ کیا جاتا ہے۔ دیکھیں ماس میں کتنی بڑی حکمت ہے کہ

جب انسان محنت سے کمایا ہوا پیسہ سوچ سمجھ کر خرچ کرتا ہے تو خود بخود فضول خرچی اور نمود و نمائش سے بچ جاتا ہے اور معاشرے میں زیادہ خرابیاں نمود

نمائش کی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں۔ سدرہ نے کہا تو کاشف کے چہرے پر ہزاروں کے تاثرات نمایاں ہونے لگے مگر اس نے سدرہ کو کوئی جواب نہ دیا اور منہ پھیر کر سو گیا۔

چھٹی کا دن تھا۔ سر پہر کا وقت تھا۔ کاشف اور سدرہ کچن میں کھانا پکانے میں مصروف تھے۔ بہت دنوں بعد ڈیشیان کی طبیعت سنبھلی تھی اور دونوں نے سکون کا سانس لیا تھا۔..... ورنہ پورے ایک ماہ سے دو ڈاکٹروں اور نرسیوں کے پاس جا جا کر تھک گئے تھے نہ کھانے کی ہوش تھی اور نہ آرام کرنے کی فرصت۔ اب ڈیشیان قدرے بہتر ہوا تو انہیں بھوک نے بھی ستانا شروع کر دیا اور دونوں نے مل کر بریانی بنانے کا پروگرام بنایا۔ دونوں قدرے خوش تھے۔

باہر ڈور بیل بجی..... تو زاہدہ نے جا کر دروازہ کھولا۔ ایک ویل ڈیرینڈ شخص جو طے سے تعلیم یافتہ اور امیر دکھائی دے رہا تھا اپنی بڑی سی سفید کار سے باہر کھڑا تھا۔

”کون.....؟ زاہدہ نے دروازہ کھولتے ہوئے پوچھا۔

”میں بیدار صدیقی ہوں..... کاشف علی کا گھر یہی ہے۔“ آدی نے پوچھا۔

”جی ہاں.....“ زاہدہ نے حیرت سے جواب دیا۔

”میں ان کے آفس سے آیا ہوں۔ کیا وہ گھر پر ہیں؟ آدی نے پوچھا۔

”جی..... اندر آ جائیے۔“ زاہدہ نے جواب دیا اور اس شخص کو ڈرائنگ روم میں لے جا کر بیٹھایا اور آ کر کاشف کو اطلاع دی کاشف چونک

سا گیا۔

”بیدار صاحب..... اور..... یہاں.....؟ کاشف نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

”ہاں..... اور میں نے ان کو ڈرائنگ روم میں بیٹھایا ہے..... سدرہ گلاس میں بوتل ڈال..... کوئی بڑا انصرعی لگتا ہے..... زاہدہ نے

قدرے مرفوب انداز میں کہا تو سدرہ نے فرق میں سے پیپی نکال کر ایک گلاس میں ڈالی۔

کاشف ڈرائنگ روم میں بیدار صدیقی کے پاس بیٹھا ہاتھیں کمرہا تھا۔

”سر..... آپ نے کیسے تکلف کیا؟ کاشف نے حیرانگی سے پوچھا۔

”کاشف..... جو بات یہاں ہو سکتی ہے۔ وہ آفس میں نہیں ہو سکتی تھی..... کاشف تم سے مجھے اپنے بچوں جیسی محبت ہے..... اور مجھے خبر ملی

ہے کہ تمہارا بچہ بنا رہے..... یقین مانو..... یہ خبر سن کر میں رو نہیں پایا..... اور فوراً تمہاری طرف آ گیا۔“ بیدار صدیقی نے قدرے محبت جتنا تے

ہوئے کہا۔

”تھیک یو..... سر..... اب وہ کافی بہتر ہے۔“ کاشف نے بتایا۔

خدا اس کو صحت اور زندگی دے..... لیکن..... کاشف زندگی میں صحت کو بحال رکھنے کے لیے اچھی خوراک بہت ضرورت ہے..... اور

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

آجکل تو بچے اس قدر ذیما ذمہ ہیں کہ پوچھو مت..... ہر بچے کو luxurious لائف اسٹائل (میش و مشرت والی طرز زندگی) چاہیے۔

تعلیم بہت مہنگی ہے..... اور دوسری ضروریات زندگی بہت مہنگی ہیں..... اور ہم لوگ بھی تو اپنے بچوں کی خاطر سب کچھ کرنے پر مجبور ہیں جو شاید دل سے ہم بھی نہیں چاہتے..... تمہارے بچے کو بھی سب کچھ چاہیے..... اچھی زندگی..... اچھی تعلیم اور ہر سہولت..... جب والدین اپنی اولاد کو یہ سب کچھ نہیں دے سکتے تو بچے احساس محرومی کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ والدین کا یہ فرض ہے کہ وہ اولاد کو یہ سب کچھ مہیا کریں..... اس لئے کاشف میں تمہیں سمجھانے آیا ہوں کہ اپنی ضد چھوڑ دو..... اور پہلے کی طرح کام کرو..... میں خود تمہاری نوکری بحال کر اؤں گا اور اسے مہینوں سے جو بھی تمہارے dues (ادائیگی) ہیں وہ سب تمہیں دلاؤں گا۔"

بیدار صدیقی نے کہا..... تو اسی لئے زاہدہ بیٹی کا گلہاں فرے میں لیے اندر داخل ہوئی۔ وہ باہر کھڑی ان کی باتیں سن رہی تھی۔ کاشف گہری سوچوں میں گم خاموش بیٹھا تھا۔ زاہدہ نے گلاں بھیل پر رکھا۔

"ماں جی آپ ہی کاشف کو سمجھائیے..... آجکل کونسا زمانہ ہے..... پرانی باتوں اور روایات سے چپے رہنے کا..... آجکل زندگی اس قدر مشکل ہو گئی ہے کہ اس کو مناسب انداز سے گزارنا..... گویا..... کوئی چوٹی سر کرنے کے برابر ہے..... نبھانے اسے کیا ہو گیا ہے..... اچھا خاصا کام کر رہا تھا۔" بیدار صدیقی نے زاہدہ سے کہا تو وہ کاشف کی جانب دیکھنے لگی۔ یہ وہی کرے گا..... جو آپ کہیں گے۔" زاہدہ نے فیصلہ کن انداز میں کاشف کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو کاشف نے چونک کر ماں کی طرف دیکھا۔

"یہی تو میں اس کو سمجھا رہا ہوں۔" بیدار صدیقی قدرے خوش ہو کر بولا۔

"اس نے بہت اپنی من مانیں کر لیں..... اب وہی کچھ کرے گا جو میں اسے کہوں گی..... آپ مہربانی کر کے اس کی نوکری بحال کرائیں۔ ہمیں آپ کی عزت کا پاس ہے۔ اب یہ آپ کے کسی حکم کی نافرمانی نہیں کرے گا۔" زاہدہ نے دھوکہ انداز میں کہا تو بیدار صدیقی خوش ہو گیا۔

"آپ بہت سمجھدار خاتون ہیں..... بہت زمانہ شناس ہیں..... اسی لیے میرا دل چاہتا تھا کہ میں گھر آ کر کاشف کو سمجھاؤں..... آپ کا بہت شکریہ کہ آپ میری بات سمجھ گئی ہیں۔ امید ہے کاشف کو بھی یہ بات سمجھ میں آگئی ہوگی کہ ہم لوگ اس کے دشمن نہیں..... اس کے اصلی خیر خواہ ہیں۔" بیدار صدیقی نے بیٹی پتے ہوئے کہا۔

"کیوں نہیں..... کیوں نہیں..... یہ بتاؤں ہے..... خواہ وہ لوگوں کی باتوں میں آ کر بھٹک گیا..... اب تو اس کی عقل بھی ٹھکانے آگئی ہوگی اور ہوش بھی زاہدہ نے جواب دیا۔

"بہت شکریہ..... اب میں چتا ہوں۔" بیدار صدیقی نے صوفے سے اٹھتے ہوئے کہا تو کاشف اور زاہدہ بھی اس کے ہمراہ اٹھے۔

"شاہاش..... اب اپنے ذہن کو ہر گز اور بوجھ سے آزاد کر دو..... ہاں اکل مطمئن ہو جاؤ..... سب..... کام ٹھیک ہو جائیں گے۔" بیدار صدیقی نے کاشف کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا اور تپاک سے اسے مل کر..... زاہدہ کا شکر یہ ادا کرتے ہوئے باہر نکل گیا۔

"اماں..... یہ تو نے کیا کیا.....؟ تو نہیں جانتی..... ہمارے واہڈ آفس میں ساری بے ایمانیاں..... چوریاں اور دغبر کام کروانے میں یہ بندہ ماہر ہے اور تو نے مجھے اس کے حوالے کر دیا..... میری اتنے مہینوں کی اکثر..... اور ثابت قدمی پر تو نے پانی پھیر دیا..... میں جو اس کی بات سننے

کو تیار نہیں تھا۔۔۔۔۔ آج تو نے مجھے اس کے سامنے بے بس کر دیا۔" کاشف نے قدرے غصے سے کہا۔

"بس۔۔۔۔۔ کہاں کی اکڑ۔۔۔۔۔ اور کہاں کی ثابت قدمی۔۔۔۔۔ کل اتنا مجبور اور بے بس ہو گیا کہ اپنا موبائل بیچنے جا رہا تھا۔۔۔۔۔ میں تم لوگوں کو بہت دیکھتی رہی ہوں۔۔۔۔۔ پورے چھ ماہ میں حلال کی روٹیاں کھا کر تم لوگوں نے جو تیر مارا ہے نا۔۔۔۔۔ وہ مجھے دکھا دو۔۔۔۔۔ یا اور مرلی بچہ پیدا کیا ہے۔۔۔۔۔ یہ ہے اس کا کمال۔۔۔۔۔؟ ہوا آیا باتیں بنانے والا۔ تیرا داغ اس نے ہی خراب کیا ہے۔ اچھا خاصا ہمارا گھر جل رہا تھا۔۔۔۔۔ نجانے کیسے تو اس کی باتوں میں آ گیا۔ بڑی آئی کسی مٹا کی اولاد۔

ماں لوگوں کا بچا کچھا سیٹھے میں لگی رہتی ہے۔۔۔۔۔ اور بیگم صاحبہ حلال کی کمائی کے پکڑوں میں پڑی ہیں۔۔۔۔۔ خبردار آئندہ تو نے اس کی کوئی بات سنی اور مانی۔۔۔۔۔ اس کی ماں کو جو تمہیں مجھے ملتا تھا وہی ہمارے لیے کافی ہے۔" زاہدہ نے غصے سے کہا تو کاشف خاموش ہو گیا اور پوچھل قدموں سے باہر نکل گیا۔ سدرہ نے برائی لگا کر بڑے اہتمام سے راسخ اور سلاک کے ساتھ ٹھیل پر سجائی تھی۔ مگر کاشف نے ایک نوالہ بھی نہیں کھایا تھا۔ وہ پلیٹ اپنے آگے رکھے گچ سے چادلوں کو ادھر ادھر کرتا رہا۔ سدرہ بغور اس کی جانب دیکھتی رہی۔ البتہ زاہدہ خوب ڈٹ کر کھا رہی تھی۔ سدرہ زاہدہ کی موجودگی میں اس سے کچھ بھی نہیں پوچھ سکتی تھی۔ وہ بس کاشف کی جانب دیکھتی رہی۔

"میرا دل نہیں چاہ رہا۔۔۔۔۔" وہ پلیٹ چھوڑ کر کمرے میں چلا گیا۔

سدرہ نے برتن سینے اور اس کے پیچھے کمرے میں چلی آئی۔

"کاشف کیا بات ہے۔۔۔۔۔ اچانک آپ کو کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔؟ آپ تو اعلیٰ خانے تھے۔۔۔۔۔ اور وہ کون محض تھا۔۔۔۔۔ کیا کہہ کر گیا ہے کہ آپ یوں پریشان ہو گئے ہیں۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"بیدار صدیقی۔۔۔۔۔ میرے پاس۔۔۔۔۔ مجھے پھر سے اپنے ساتھ بے ایمانی میں ملانے کے لئے آئے تھے۔" کاشف نے آدھ بھر کر کہا۔

"پھر۔۔۔۔۔ آپ نے کیا فیصلہ کیا۔؟ سدرہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

"کاشف اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا اور نظریں چرانے لگا۔

"کاشف میں آپ سے پوچھ رہی ہوں۔" سدرہ نے غصے سے کہا۔

"اہاں نے ان کو ہاں کہہ دی۔۔۔۔۔" کاشف نظریں جھکا کر بولا۔

"ہاں۔۔۔۔۔؟ کس بات کی ہاں۔؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ان کے ساتھ کام کرنے کی۔" کاشف نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"کیا۔۔۔۔۔ کیا۔۔۔۔۔؟ کیا آپ پھر ان کے ساتھ وہی پرانے کام کریں گے۔

وہی بے ایمانیاں۔۔۔۔۔ وہی بھلی کی چوریاں اور۔۔۔۔۔ مگر میں پھر سے حرام کی کمائی آئے گی۔" سدرہ نے غصے سے لرزتی آواز سے کہا تو

کاشف نے خاموشی سے سر جھکا لیا۔

”کاشف..... اگر آپ نے یہی کچھ کرنا تھا..... تو پھر کیا ضرورت تھی اسے Suspend رہنے کی..... آپ اندر سے اتنے کمزور ہو سکتے ہیں۔ مجھے قطعی یقین نہیں تھا۔ میں تو آزمائش کے آخری لمحے تک آپ کا ساتھ نبھانے کو تیار تھی..... اور..... آپ نے چند قدم چل کر ہی ہمت ہار دی اور اسی پرانے راستے پر لوٹ گئے.....“ سدرو نے نرم آنکھوں سے کہا اور اس کے لہجے میں ہلا کی شکستگی تھی۔

”میں..... کیا کروں..... میں مجبور ہوں..... اور ڈیٹین کی حالت تم نے دیکھی تھی نا..... میں اپنے بچے کو ساری خوشیاں دینا چاہتا ہوں..... میں اسے کسی بھی شے سے محروم نہیں دیکھ سکتا۔“

کاشف نے سوائے ہوئے ڈیٹین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”حرام کی کمائی کھلا کر..... اس کے خون میں گندگی بھر کر..... اور اس کی معصوم روح کو ناپاک کر کے آپ اسے کوئی خوشی دینا چاہتے ہیں؟“

سدرو نے غصے سے کہا۔

”بس کرو..... سدرو..... ان چھ ماہ میں حلال کمانے کی جو کوشش کی ہے..... اس سے کیا ملا.....؟ سوائے شکستگی اور مفلالت کے۔“

کاشف بھی غصے سے بولا۔

”اور اتنے سال حرام کی کمائی کھا کر آپ نے کیا کیا.....؟ سوائے اپنے پیٹ پالنے اور گھروں میں ہر وقت خوف سے ڈر سہم کر رہے ہوئے.....“ سدرو نے درشت لہجے میں کہا۔

”ٹھیک ہے..... کم از کم کھانے پینے کو ملتا تھا نا۔“ کاشف غصے سے بولا۔

”بس..... زندگی کا مقصد صرف کھانا پینا ہی ہے..... اور کچھ نہیں۔“ سدرو نے حیرت سے پوچھا۔

”دنیا کا ہر کام پیسے سے ہوتا ہے.....“ کاشف نے جواب دیا۔

”اللہ نے انسان کو صرف پیسہ کمانے اور پیٹ بھرنے کے لیے تو دنیا میں نہیں بھیجا۔“ سدرو نے مزید کرتخی سے کہا۔

اللہ..... اللہ..... ہر بات میں اللہ کو مت لایا کرو۔“ کاشف نے انتہائی غصے سے کہا۔

”اللہ کو کیسے نہ لاؤں..... جو کہتا ہے تمہارا الھنا بیٹھنا کھانا پینا..... ملنا جلنا..... سونا اور آرام کرنا بھی میرے لیے ہونا چاہیے۔ کیسے نہ لاؤں..... جو کہتا ہے..... تمہیں میں نے اپنی عبادت کے لیے پیدا کیا ہے اور کاشف حرام کی کمائی کھا کر اور حرام کی کمائی سے لباس پہن کر وہ اپنی عبادت بھی قبول نہیں کرتا.....“ سدرو نے بھی غصے سے جواب دیا۔

”زیادہ ٹرنز نہ کرو..... بڑی دیر سے تیری بک بک سن رہی ہوں..... ہم نے جو کرتا ہے وہ ہم نے فیصلہ کر لیا ہے..... تو نے جو کرتا ہے..... وہ کر کے دکھا..... یہاں رہتا ہے تو چپ کر کے رہ..... اب کسی معاملے میں تیرا دخل میں منھور نہیں..... نہیں رہنا..... تو جا..... اپنی ماں کے گھر دفن ہو جا..... دیسے بھی تو نے آ کر ہمارے کو نے نصیب سنوا دیئے ہیں..... کنگال کر کے رکھ دیا ہے۔“ زاہدہ ایک دم کمرے میں آ کر بولنے لگی جو کافی دیر سے باہر بیٹھی دونوں کی باتیں سن رہی تھی۔ کاشف اور سدرو کا منہ حیرت سے کھلے کا کھلا رہ گیا۔ سدرو اس کی باتیں سن کر رونے لگی۔

”خبردار..... جو..... یہ نسوے یہاں بہائے..... اپنے رونے کی نوحہ اپنی ماں کے گھر جا کر ڈال..... میرے گھر کی خوشیوں کو تو نے ہی دسا ہے۔“ زاہدہ نے غصے سے کہا۔

”اماں اب بس کر۔“ کاشف نے زاہدہ کو یوں مشتعل دیکھ کر کہا۔

”تو..... بس کر..... میں نے ہی تجھے ڈھیل دے رکھی تھی اور بڑا اچھا اس کا نتیجہ دیکھ لیا..... خبردار..... جواب تو اس کی باتوں میں آیا۔“ زاہدہ نے غصے سے کاشف کو بھی ڈانٹا اور وہ خاموش ہو کر بے بسی سے سدروہ کی طرف دیکھنے لگا۔ زاہدہ غصے سے بددلتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”سدروہ..... پلیز چپ کر جا۔“ کاشف نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”مگر وہ پھوٹ پھوٹ کر رو رہی۔“

”جسمیں ہتا تو ہے..... اماں غصے کی تیز ہے..... مگر.....“ کاشف نے آدھ بھر کر جملہ ادھورا چھوڑ دیا۔

”میں اب یہاں ہرگز نہیں رہوں گی۔“ وہ روتے ہوئے بولی۔

”پلیز..... سدروہ..... ایسا مت کرنا..... اماں کا طعنے جلدی ٹھنڈا ہو جائیگا۔“ کاشف نے اسے دلاسا دینے کی کوشش کی۔

”میں آپ کے گھر حرام کی کمانی کھانے نہیں آئی..... میرے ہاتھوں میں ابھی اتنی جان ہے کہ میں طحال کی روزی کھا کر اپنے جیسے کو بھی پال سکتی ہوں..... اور..... کاشف میں اس کے پاک اور معصوم وجود کے اندر حرام کی کمانی سے خریدنا ہوا اور وہ کایک قطرہ بھی نہیں جانے دوں گی.....“ سدروہ نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

”کیا تم..... میرے بچے کو مجھ سے جدا کر دو گی.....؟ نہیں..... سدروہ.....“ کاشف نے گھبرا کر کہا۔

”اس کی بہتری کے لیے آپ سے جدائی ضروری ہے..... جب چاہے آ کر مل لینا..... لیکن میرا اب اس گھر سے کوئی تعلق نہیں۔ سدروہ نے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”اور..... مجھ سے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کا فیصلہ آپ کو کرنا ہے.....“ اس نے دونوں لہجے میں جواب دیا اور اٹھ کر اپنا سامان الماری میں سے نکالنے لگی۔

”سدروہ..... پلیز..... سمجھنے کی کوشش کر..... میں بہت مجبور ہوں۔“ کاشف نے بے بسی سے التجا کرتے ہوئے کہا۔

”آپ مجبور نہیں..... آپ کمزور ہیں۔ آپ کے اندر کا انسان بہت کمزور ہے..... وہ تیز ہوا کے جمو کے برداشت نہیں کر سکا تو آنسو اندھیروں کا سامنا کیسے کرے گا..... اور میں نے جب سے آنکھ کھولی ہے۔ تندہ تیز ہواؤں کے چھیڑے سرد رہی ہوں..... مجھ میں صحت ہے کہ آندگی میں بھی چل سکوں اور ٹو میں بھی۔“ سدروہ نے پراعتماد لہجے میں جواب دیا تو کاشف نم آنکھوں کے ساتھ اسے دیکھنے لگا۔

صبح کاشف بہت بے دلی اور مایوسی سے دفتر چلا گیا..... وہ سدروہ اور ذیشان کی طرف حسرت بھری نگاہوں سے دیکھتا رہا۔ سدروہ نے اس سے کچھ بھی نہ کہا اور نہ ہی اس کے پاس سدروہ کو کچھ کہنے کے لیے تھا۔ کاشف کے جانے کے بعد سدروہ نے ذیشان کو لیا اور گھر سے باہر جانے لگی۔

زاہدہ نے غصے سے بھری نگاہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا۔

"اگر طلاق لینی ہوگی تو تیار رہنا..... تیرے گھر پہنچ جائے گی۔"

زاہدہ نے ترش لہجے میں کہا تو سدرہ نے آہ بھر کر غم آنکھوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھا اور خاموشی سے باہر نکل گئی۔

"رشیدہ اور منی کام پر جانے کی تیاری کر رہی تھیں جب سدرہ بیک اٹھائے ماس کے گھر پہنچی..... رشیدہ نے حیرت سے بچے اور بیک کی

جانب دیکھا۔

"تو..... سویرے سویرے کہاں سے آ گئی ہے؟" اور یہ بیک کیوں لائی ہے؟" رشیدہ نے قدرے غصے سے پوچھا۔

"کیوں..... میں یہاں آ کر نہیں رہ سکتی؟ سدرہ نے پوچھا تو رشیدہ خاموش ہو گئی۔

"آپا..... کیوں نہیں..... یہ تیرا بھی تو گھر ہے..... اور تیرا بیٹا کتنا پیارا ہے؟ کاشف بھائی کہاں ہیں؟" وہ نہیں آئے؟ منی نے ذیشان کو اٹھا

کر کندھے سے لگاتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں..... وہ دفتر گئے ہیں۔" سدرہ نے جواب دیا۔

"تو کتنے دنوں کے لیے یہاں آئی ہے؟ رشیدہ نے خشک لہجے میں پوچھا۔

"معلوم نہیں۔" سدرہ نے دو ٹوک لہجے میں جواب دیا۔

"کہیں تو زاہدہ سے لڑ جھگڑ کر تو نہیں آ گئی..... تو ہے ہی ایسی..... کسی کے ساتھ رہی نہیں سکتی..... اپنے آپ کو بڑا کچھ سمجھتی ہوگی....."

اور وہ بھی زاہدہ ہے..... اپنے سامنے بڑی کڑی کو پر مار رہی نہیں دیکھ سکتی..... تو کیا شے ہے؟ رشیدہ خود ہی بڑبڑاتی رہی۔

"آپا..... چاودا تار..... میں تیرے لیے چائے لاتی ہوں۔" منی نے محبت سے کہا اور کچن میں جانے لگی۔

"اے منی..... جلدی کر کام میں دیر ہو رہی ہے اور جہاں بھی دیر سے جائیں..... لوگ سنسناتاے لگتے ہیں۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"منی..... تو..... جا..... میں خود چائے بنا لوں گی۔" سدرہ نے کہا۔

"ٹھیک ہے آپا..... اب ہم چلتے ہیں..... ڈیٹن کا خیال رکھنا۔" منی نے محبت سے ڈیٹن کا ہاتھ چومتے ہوئے کہا جو گہری نیند سو رہا تھا۔

"چل..... چل..... جلدی کر..... اب چھ نپلے چھوڑ..... یہ ادھر ہی ہے۔" کونسا آج ہی چلا جائے گا۔" رشیدہ نے قدرے طنز پر لہجے میں کہا

تو سدرہ نے گہری سانس لے کر ماس کی جانب دیکھا اور ڈیٹن کو بستر پر لٹا دیا۔

دونوں کام پر جا چکی تھیں۔ ان کے جانے کے بعد وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ اب اسے کیا کرنا ہوگا..... رشیدہ کی تلخ باتوں اور لہجے سے

وہ بہت مایوس ہو گئی تھی۔ اسے امید تھی کہ لو اساد کچھ کر دے اسے محبت سے گلے لگائے گی مگر نجانے اس کے اندر اس کے لئے کون سی غلطی تھی جو کسی طرح

کم ہونے پر ہی نہیں آتی تھی۔

نجانے وہ کیسی ماں تھی.....؟ جس نے کبھی اسے محبت سے اپنے ساتھ نہیں لگایا تھا اور وہ کیسی بیٹی تھی..... جس کے دل میں اپنے لیے نہ جگہ

بنا پائی تھی اور نہ محبت پیدا کر سکی تھی۔ دونوں کے درمیان عجیب سا رشتہ تھا۔۔۔۔۔ نہ محبت تھی۔۔۔۔۔ نہ جاہت تھی اور نہ ہی کسی قسم کا لحاظ۔۔۔۔۔ صرف نام کا رشتہ تھا۔ احساسات و جذبات سے عاری۔ دو اتنا خشک۔۔۔۔۔ ویران اور بھریوں تھا۔۔۔۔۔ یہ اسے خود بھی کبھی معلوم نہیں ہو سکا تھا۔

سدرہ ویشان کو گود میں اٹھائے رکھتا تھا۔ اس کے ہاں بچی تو انہوں نے بھرپور طریقے سے اس کا خیر مقدم کیا۔ اسے گلے سے لگایا اور بچے کو بہت پیار کیا۔ مریم یونور سٹی گئی تھی اور آگھر پر اکیلی تھی۔

”میں تمہارے لیے چائے بنا کر لاتی ہوں۔“ زکیہ پانے محبت سے کہا۔

”نہیں آپاجی۔۔۔۔۔ میں ابھی چائے پی کر آئی ہوں۔“ سدرہ نے کہا۔

”لیکن کچھ تو پیٹھا ہونا چاہیے۔۔۔۔۔ تم بچے کو پہلی بار ہمارے گھر لے کر آئی ہو۔“ اور وہ پلیٹ میں بیٹھے بسکٹ ڈال کر لے آئیں اور سنا۔۔۔۔۔

اس کا باپ کیسا ہے؟ زکیہ پانے پوچھا۔

”آپاجی۔۔۔۔۔ میں اسے اور اس کے گھر کو چھوڑ آئی ہوں۔“ سدرہ نے قدرے افسردہ لہجے میں کہا۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ انہوں نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

اور سدرہ نے انہیں ساری تفصیل سنائی۔ وہ خاموشی سے سنتی رہیں۔

”پہلے روگا کا تم پر بڑا خاص کرم ہے کہ اس نے تمہارے دل کو حق کا طہر دار بنایا ہے اور تمہیں اتنی محبت، طاقت اور حوصلہ دیا ہے کہ تم اپنے

موقف پر ٹٹی رہتی ہو۔۔۔۔۔ ماشاء اللہ۔۔۔۔۔ ماشاء اللہ بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں۔۔۔۔۔ صرف وہی جن پر پہلے روگا خاص طور پر مہربان ہوتا ہے۔

زکیہ پانے اسے محبت سے سمجھایا۔

آپاجی۔۔۔۔۔ یہ آزمائش بہت کٹھن ہے۔۔۔۔۔ جو ظاہری طور پر لوگوں کی نظر میں کچھ بھی نہیں۔۔۔۔۔ ہر سننے والا مجھے ہی قصور وار ٹھہرائے گا۔۔۔۔۔

کہ اتنی معمولی سی بات پر میں نے اپنا شوہر اور گھر چھوڑ دیا۔ لیکن حقیقت میں یہ کتنا تکلیف دہ تھا۔ یہ میں ہی جانتی ہوں۔۔۔۔۔ میں اپنی اس ذہنی اور

روحانی اذیت کے بارے میں کس کس کو بتاؤں؟ سدرہ نے آہ بھر کر کہا اور اس کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

”بیٹی۔۔۔۔۔ کسی کو بتانے کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ وہ جو اوپر ہے تا۔۔۔۔۔ وہ سب کچھ جانتا ہے۔۔۔۔۔ وہ دلوں میں جنم لینے والے دوسروں اور

اندریوں تک سے واقف ہوتا ہے۔۔۔۔۔ تو۔۔۔۔۔ کیا وہ انسان کی اتنی بڑی آزمائش کو نہیں جان پائے گا۔۔۔۔۔ تم فکر نہیں کرو۔۔۔۔۔ اپنے دل کو مضبوط رکھو اور یہ

یقین کامل رکھو کہ وہ سب سے بڑا قادر دان ہے۔۔۔۔۔ اگر وہ انسان کو آزماتا ہے تو اسے لوازمات بھی ضرور ہے اس لئے اپنے فیصلے پر مطمئن ہو جاؤ۔۔۔۔۔

انشاء اللہ وہ تمہارے لیے خود سارے راستے کھولے گا۔ اور تمہارے لیے کٹھن منزل کو آسان بنائے گا۔“ زکیہ پانے اسے بھرپور انداز میں تسلی دی تو

اس کا دل مطمئن ہونے لگا۔

”آپاجی۔۔۔۔۔ مجھے سلائی کے لیے کپڑے اور ٹیوٹن کے لیے بچے بھجوا دیا کریں۔ میں انہیں پر جو نہیں بننا چاہتی۔“ سدرہ نے گہری

سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... کیوں نہیں..... مریم آتی ہے تو میں اس سے بات کرتی ہوں..... اور..... میں یہ بھی چاہوں گی کہ تم اپنی تعلیم کو بڑھاؤ.....
پرائیویٹ بی اے کرلو..... عورت کے لیے اگر مشکل وقت میں کوئی چیز کام آتی ہے تو وہ صرف اس کی تعلیمی ڈگریاں ہیں جو اسے کبھی دھوکا نہیں
دیتیں....." ذکیہ آ پانے کہا تو دوسری میں پڑ گئی۔

میں تو خود ایم اے تک پڑھنا چاہتی تھی مگر حالات ایسے ہو گئے کہ میں مزید نہ پڑھ سکی..... لیکن اب کوشش کروں گی۔" سدرہ نے جواب دیا۔
"اور سنو..... کسی بھی شے اور روپے پیسے کی ضرورت ہو..... تو تم بالکل بھی مت ہچکچانا..... یہ تمہارا اپنا گھر ہے اور اس گھر کے دروازے
ہمیشہ تم پر کھلے ہیں۔" ذکیہ آ پانے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دی۔

"اب میں چلتی ہوں۔" سدرہ اٹھتے ہوئے بولی۔

"ایک منٹ ٹھہرو....." ذکیہ آ پا کر سے میں چلی گئیں اور دوسروں کو بچے کو دینے۔
"یہ تانوں کے گھر پہلی بار آیا ہے نا..... ایسے تھوڑا جانے دوں گی..... اور..... میں جلدی ہی اس کے کپڑے بھی سی کر بھیجوں گی۔" ذکیہ آ پا
نے محبت سے ڈیٹان کو چومتے ہوئے کہا اور محبت سے دونوں کو رخصت کیا۔

رات گہری ہو رہی تھی مگر راشدا ابھی تک گھر نہیں آیا تھا اور سدرہ اس کے لئے پریشان ہو رہی تھی۔ پچھلی رات بھی وہ گھر نہیں آیا تھا۔
"مٹی..... راشدا کل سے گھر نہیں آیا۔ کہاں ہوتا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"آپا..... اس کا کچھ پتا نہیں ہوتا..... اب تو کئی کئی روز گھر نہیں آتا اور اچھا ہے نہ ہی آئے۔ جب بھی آتا ہے۔ لڑائی مار کٹائی کرتا ہے۔" مٹی
نے آہستہ آواز میں جواب دیتے ہوئے کہا۔

"اچانک بندہ دروازہ کے اوپر سے پھلانگ کر راشدا مکن میں کودا..... تو مٹی اور سدرہ بھاگ کر کمرے سے باہر نکلیں وہ مکن میں کھڑا تھا۔
"راشد..... یہ..... تو کیسے گھر آیا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے اس کے قریب جا کر پوچھا۔

آگلی..... تو..... لڑائیاں کرنے کو..... کیوں آئی ہے یہاں..... بول کیوں آئی ہے یہاں..... اس کی آواز قدرے بھاری اور آنکھیں
سرخ ہو رہی تھیں..... اور اس کے منہ سے گندی ہلوا آ رہی تھی۔

"راشد..... کیا تو نے شراب پی رکھی ہے؟" سدرہ نے اس کا ہانڈھے سے جھنجھوڑتے ہوئے پوچھا۔
"ہاں..... پی رکھی ہے..... تجھے کیا تکلیف ہے..... تیرے پیسوں سے تھوڑی پٹی ہے۔" راشد نے اپنا ہانڈھ جھڑا کر سدرہ کو دھکا دیتے
ہوئے کہا تو وہ اس کی حرکت پر چونک گئی۔

"اے مٹی..... اماں کہاں ہے؟ راشد نے غصے سے مٹی سے پوچھا۔
"اُمید سو رہی ہے....." مٹی نے کمرے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ وہ لڑکھڑاہٹا ہوا اندر چلا گیا۔

"اماں..... تیرے پاس کتنے پیسے ہیں.....؟ جلدی سے نکال۔ مجھے بڑی ضرورت ہے۔" راشد نے ماں کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”م..... میرے پاس کوئی پیسے نہیں..... ابھی تجھواہی نہیں ملی۔“ راشد نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”تو..... ہر بار یہی کہتی ہے..... تو بڑی جھوٹی ہے۔“ راشد نے کہا تو سدرہ نے چونک کر راشد کی جانب دیکھا جو ماں کو جھوٹی کہہ رہا تھا۔

”شرم کر بے حیا..... ماں کو جھوٹی بول رہا ہے۔“ سدرہ نے غصے سے راشد کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”جھوٹی کو..... جھوٹی نہ کہوں تو اور کیا کہوں..... اور سن تیری اماں چور بھی ہے۔ کوٹھی والوں کے گھر سے چیزیں چرا کر بھی لاتی ہے..... اور تیری اماں مکار بھی ہے۔ کیوں اماں ہے نا تو یہ سب کچھ۔“ راشد نے بھرپور قہقہہ لگا کر کہا۔

”تھوڑی سی شرم کر..... کچھ تو اس کے بڑھاپے کا خیال کر..... اگر وہ کچھ چرا کر لاتی تھی تو تیرے لیے..... اس نے جتنے بھی جھوٹ بولے تو صرف تیرے لیے..... اور تو آج یہ بکواس کر رہا ہے۔“ سدرہ ماں کی حمایت میں بولی۔

”گناہ ہے..... اماں سے تیری صلح ہو گئی ہے.....“ راشد نے ہنستے ہوئے کہا۔ تو سدرہ نے اسے گھور کر دیکھا۔

”جل اماں..... جلدی کر..... نکال پیسے..... میں بڑی جلدی میں ہوں۔“ راشد نے ماں کے سر سے چادر کھینچتے ہوئے کہا۔

تو سدرہ کو غصا گیا اس نے آگے بڑھ کر ایک زوردار تھپڑ راشد کو لگایا۔

”تیری یہ جرات..... کہ بڑھی ماں کے سر سے چادر کھینچ رہا ہے۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”راشد نے غصے سے ماں کو زوردار تھپڑ لگایا۔ رشیدہ تورا کر چادر پائی پر گر گئی۔

”اب بول..... کیا کر لگی تو.....؟ راشد نے غصے سے سدرہ کی جانب بڑھتے ہوئے کہا۔ سدرہ نے پاس پڑاوا تیراٹھا کر اس کی کمر میں مارا۔

”آج میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گی۔“ سدرہ نے غصے سے کہا۔

”خبردار..... تو کون ہوتی ہے..... میرے بچے پر ہاتھ اٹھانے والی۔ میں تیرے نکلے کر دوں گی..... اگر تو نے بھائی کو ہاتھ بھی لگایا۔“

رشیدہ فرا کر بولی اور سدرہ کو خونخوار نظروں سے دیکھنے لگی۔ سدرہ کی حیرت کی انتہا نہ تھی۔ وہ خاموش کھڑی دونوں کو دیکھتی رہی۔

راشد..... تیرے سر کی قسم..... آج میرے پاس پیسے نہیں۔

”رشیدہ نے اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے کہا۔

”اماں..... مجھے تم پر اتنا نہیں..... تو بڑے جھوٹ بولتی ہے..... نکال پیسے ورنہ.....“ راشد نے ماں کی چٹیا کھینچتے ہوئے کہا۔

”بائے..... مر گئی..... چھوڑ دے میرے بالوں کو۔“ رشیدہ چلائی۔

”پیسے نکال..... ورنہ تجھے چٹیا سے گھسیٹنا ہوا ہا بھر لے جاؤں گا۔“ راشد نے پھر ماں کی چٹیا کو زور سے کھینچا..... تو وہ درد سے ہلجانے لگی

راشد کی آنکھوں میں گویا خون اتر اٹھا تھا اور اس لیے وہ کچھ بھی کر سکتا تھا۔ سدرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ اس نے جلدی سے پرس میں سے ذکیا پا کے دیئے ہوئے دوسرے نکال کر انہیں راشد کی جانب پھینکا۔

”چھوڑ اماں کو..... اور دفعہ ہو جا یہاں سے۔“ سدرہ نے غصے سے کہا تو راشد نے ماں کی چٹیا چھوڑ کر جلدی سے دوسرے پٹے اور

مسکراتا ہوا دیوار کو دگر گھر سے باہر چلا گیا..... رشیدہ نے زمین پر مگری اپنی چادر اٹھائی اور ہانوں پر ہاتھ پھیر کر چار پائی پر لیٹ گئی۔ سدرہ بھی لٹا ہوں سے ماں کی جانب دیکھتی رہی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

”یہ جب بھی گھبراتا ہے..... یہی کچھ کرتا ہے۔ اس نے تو ہماری زندگی عذاب میں ڈال رکھی ہے۔“ منی بیڑا تے ہوئے بولی۔
 ”اور..... ماں.....؟ کیا اماں ہر رات یہی کچھ سنتی ہے..... اتنی بے عزتی..... اتنی ذلت..... اپنی اولاد کے ہاتھوں۔“ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آپا..... یہ تو کچھ بھی نہیں..... وہ تو اماں کو ڈنڈوں سے بھی پیٹتا ہے اور ٹھڈے بھی مارتا ہے..... مگر اماں اسے کچھ نہیں کہتی۔“
 منی نے بتایا تو سدرہ نے انتہائی حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ ”اتنا سب کچھ۔“ سدرہ بیڑا تے ہوئی۔
 ”آپا..... راشدہ بہت بگڑ گیا ہے۔“ منی نے آؤ بھر کر کہا۔

کہاں رہتا ہے اور کہاں جاتا ہے؟ اماں نے پتا کرایا۔
 ”نہیں.....“ منی نے نلی میں سر ہلایا۔

”میں کل ہی اس کا پتا کرواتی ہوں.....“ سدرہ نے کہا اور اسروگی سے ماں کی جانب دیکھا۔ جس کے جھریوں زدہ چہرے پر دکھ کر لکیریں اور تاثرات واضح طور پر نمایاں تھے۔

”اماں..... تو نے کیا کمایا.....؟ اس اولاد کی خاطر دنیا بھی برباد کی اور آخرت بھی..... جوانی بھی اور بیڑا چا بھی..... اپنی ایمانداری اور نیک نامی کو انداز کر لیا..... تجھے کیا فائدہ ہوا؟
 سدرہ کی آنکھوں سے آنسو نکل پڑے اور وہ سسکنے لگی..... مگر اماں بے خبر سو رہی تھی۔ سدرہ کو ساری رات نیند نہ آئی اور وہ پریشانی سے کروٹیں بدلتی رہی۔

اماں نے اپنی محنت اور حق حلال کی کمائی میں حرام کی تھوڑی سی مقدار ملا کر اپنی ساری محنت پر پانی پھیر دیا ہے اور راشدہ جس قدر خباثت پر اتر آیا ہے..... وہ حرام شے پینے کا نتیجہ ہے۔ اور..... اماں کس قدر ہدف نصب عورت ہے..... جس کی محبت میں اپنی عاقبت خراب کر لی۔ وہ اس کی دنیا بھی برباد کرنے پر تلا ہے..... خدا ایسی اولاد کسی کو نہ دے۔“ سدرہ کی آنکھوں سے آنسو ٹپکے میں جذب ہونے لگے اور وہ اپنے وجود کے ساتھ لپٹے ننھے ذیشان کو خوف اور محبت کی نظروں سے دیکھنے لگی..... اس کے دل میں ڈر اوانے اندیشے جنم لینے لگے۔

”میں..... تجھے ایسا کوئی نوالہ نہیں کھلاؤں گی..... جو تم سے تمہارے اندر کی مصومیت اور شرافت چھین لے۔“ سدرہ نے سہم کر اسے اپنے سینے کے ساتھ چٹا لیا اور اسے یوں پیار کرنے لگی..... جیسے اسے چھیننے کی کوشش کر رہا ہو اور وہ اسے اپنے مضبوط ہانڈ میں جکڑ کر بچانے کی کوشش کر رہی ہو۔

”صبح منی اور رشیدہ کام پر جانے کی تیاری کر رہیں تھیں جب دروازے پر زور زور سے دستک ہوئی۔ رشیدہ نے دروازہ کھولا تو سامنے

ایک اونچا لبا، محمدر نو جوان کھڑا موٹھوں کو تادو سے دہاتھا۔ وہ چلیے سے ہی قدرے آوارہ لگ رہا تھا۔

"خالہ..... راشد تھانے میں بند ہے..... جا کر اسے چھڑالے۔" ٹڑکے نے کہا۔

"ہائے..... میں..... سرگئی..... ک..... کون..... اسے پکڑ کر لے گیا؟ رشیدہ نے ایک دم سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

"لے..... کوئی نہیں گیا..... پولیس اسے پکڑنے کر لے گئی ہے۔" ٹڑکے نے جواب دیا۔

"کیوں.....؟ رشیدہ نے کپکپاتی آواز کے ساتھ پوچھا۔

"رات کو ڈکیتی کی واردات میں پکڑا گیا ہے۔" ٹڑکے نے بتایا۔

"ڈک..... ڈکیتی..... نہیں..... میرا رشیدہ ایسا نہیں کر سکتا۔" رشیدہ گھبرا کر بولی۔

"لو..... بھلا..... کر کیوں نہیں سکتا..... موقع واردات سے پکڑا گیا ہے..... ڈاکو ڈالنے ہوئے..... پولیس نے اسے رکتے ہاتھوں پکڑا

ہے۔" ٹڑکے نے کہا۔

"تو..... کون ہے۔" رشیدہ نے اس سے پوچھا۔

"میں اس کا یا ربیلی سلطان ہوں..... تو..... کتنی ہے تو میں اسے چھڑا لیتا ہوں۔" سلطان نے معنی خیز انداز میں مسکراتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... ہاں..... خدا تیرا بھلا کرے..... خدا تجھے لمبی زندگی دے..... خدا۔"

رشیدہ اسے دعائیں دینے میں مصروف تھی جب اچانک منی نے پیچھے سے آکر آواز دی۔

"اماں..... کون ہے؟ منی نے پوچھا اور اس کی نظر سلطان پر پڑی۔ وہ ایک دم گھبرا کر اندر بھاگی..... سلطان زربلب مسکرانے لگا۔

"خالہ..... تیرے کہنے پر اسے چھڑا کر لیتا ہوں۔" سلطان نے مسکراتے ہوئے اندر کی جانب جھانک کر کہا اور چلا گیا۔

آپا..... وہ..... وہ آیا ہے۔" منی نے گھبرا کر کہا۔ اس کا رنگ فق ہو رہا تھا۔

"کون..... اور تو اتنی گھبرائی ہوئی کیوں ہے؟ سدرہ نے اسے حواس باختہ دیکھ کر کہا۔

"وہ بہت برا انسان ہے..... وہ جو ہاں پر آیا ہے۔" منی نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

"پچ کر..... وہ تو اس وقت فرشتہ بن کر آیا ہے۔ راشدہ کو پولیس سے چھڑانے گیا ہے..... اور ہمارا کون ہے..... جو اس مشکل وقت میں

ہمارا ساتھ دے۔" رشیدہ نے روتے ہوئے کہا۔

"کیا..... راشدہ کو پولیس پکڑ کر لے گئی ہے..... اور..... کیوں.....؟

سدرہ کے چہرے پر ایک دم پریشانی اور خوف کے تاثرات نمودار ہوئے۔

"ہائیں..... کنبہ بھٹوں نے میرے بچے کو کس ڈکیتی میں پھنسا دیا ہے..... وہ..... ہرگز ایسا نہیں۔" رشیدہ نے جین کرتے ہوئے کہا۔

"ڈکیتی..... اور..... راشدہ.....؟ سدرہ نے بمشکل قہقہے ہنسنے کہا۔

"ہاں..... سب جھوٹ ہے..... بہتان ہے..... میرا بیٹا کبھی بھی ایسا نہیں ہو سکتا..... میں نے اسے حق حلال کی کمائی کھلائی ہے..... میں نے اس کو اپنی محنت اور خون پسینے کی کمائی پر پالا ہے..... وہ..... ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا۔" رشیدہ بین کرنے لگی اور سدرہ حیرت سے ہاں کا منہ دیکھنے لگی۔

"اماں..... تو..... پھر جھوٹ بول رہی ہے۔"

"تو نے اسے کیا کیا کھلایا ہے..... شاید تجھے خود بھی یاد نہیں۔ جسے تو حلال سمجھتی تھی وہ حرام تھا..... اور جسے تو جائز سمجھتی تھی..... وہ ناجائز تھا..... اماں تمھ سے سستی بڑی غلطی ہو گئی ہے اور تجھے پھر بھی سمجھ نہیں آئی۔" سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگی اور اس کی حیرت زدہ کھلی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ مرنے لگے۔

☆

مومنہ اور ذکیہ آپا بھتیجی کے گھر سے ہو کر آئیں تھیں اور انہیں معیرو اور اس کی ماں بہت اچھی لگی تھیں۔ مریم کا دل کچھ افسردہ تھا۔ وہ مومنہ اور ذکیہ کے قائل کرنے پر کسی حد تک مان لگی تھی مگر اس کا دل قدرے بچھا بچھا سا تھا۔

"مریم..... تم بہت خوش قسمت ہو..... معیرو بہت اچھا لڑکا ہے۔ خوبصورت سمارٹ، ذلیل گردن، شریف اور مذہبی پرہیزگار..... یہ دیکھو..... میں اس کی تصویر لائی ہوں۔" مومنہ نے اپنے پرس میں سے تصویر نکال کر مریم کو دکھائی۔

"یہ دیکھو..... معیرو ویسا ہی ہے..... نا..... جیسا تم نے سوچ رکھا ہے..... مومنہ نے معیرو کی تصویر اسے دکھاتے ہوئے کہا۔ مریم نے ایک نیک تصویر کی جانب دیکھا تو زیر لب مسکرا دی۔

"مریم..... معیرو میں سب کچھ ہے۔ وہ تمہیں بہت خوش رکھے گا..... رہی بات دولت کی..... تو وہ عورت کے نصیب سے سروکھلتی ہے ہو سکتا ہے تمہارے نصیب سے معیرو کو قدرت اتنا نواز دے کہ ہم سب تم پر رشک کرنے لگیں..... صرف دولت کی کمی کی وجہ سے یہ رشتہ ٹھکرا نا اچھا ہی نامناسب بات ہے۔" مومنہ نے مریم کو محبت سے سمجھایا۔

"اور آج کل کے زمانے میں مرد کا شریف اور نیک ہونا سب سے بڑی خوش نصیبی ہے..... وہ عورت بہت خوش نصیب ہوتی ہے جسے اچھا، نیک مرد ملتا ہے..... مریم تم بہت خوش قسمت ہو۔" ذکیہ نے محبت سے مریم کے سر پر چادر سے ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔

تو مریم نے خاموشی سے سر جھکا دیا۔

"مریم..... اب تم اپنی رائے متادو..... اگر اب بھی تم نہیں چاہتی تو پھر ہم اس رشتہ سے انکار کر دیں گے۔" مومنہ نے استغہامیہ لہجے میں اس سے پوچھا۔

"نہیک ہے..... تم ایک دو دن میں فیصلہ کر لو..... ہم تمہیں کسی بات کے لئے فورس نہیں کرتے..... شادی کا فیصلہ تمہارا اپنا ہونا چاہیے لیکن کوئی بھی فیصلہ کرنے سے پہلے ہر بات کے اچھے اور خفی پہلو پر اچھی طرح غور و فکر کر لیتا..... دنیا کا کوئی انسان دوسرے سے کبھی بھی نہیں ملتا..... اسد جیسا کوئی دوسرا اس دنیا میں نہیں ہو سکتا اور نہ ہی معیرو..... مریم اور مومنہ جیسا..... سب اپنی اپنی خصوصیات اور قسمیں لے کر پیدا ہوئے ہیں..... اس

لئے ایک انسان میں نہ دوسرے کا گھس ڈھونڈ اجا سکتا ہے اور نہ ہی اس جیسی کوئی شکل۔ مومنہ نے نرمی سے اسے سمجھا یا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"اب میں چلتی ہوں..... داؤد کی طبیعت بھی ٹھیک نہیں..... اور اسد بھی گھر پر نہیں..... وہ پرنس نور کے سلسلے میں فرانس، جرمنی اور امریکہ گئے ہیں۔" مومنہ نے موہاں کس پر ڈرا نیوڈ کا نمبر ملاتے ہوئے کہا۔

”اور اسد بیٹا..... کب آئے گا؟ زکیہ نے پوچھا۔

”ایک دور وزنگ..... اور..... مجھے دادو کے چمکاپ کے سلسلے میں ہاسٹل بھی جانا ہے۔“ مومنہ نے بتایا۔

”اللہ سلطت آپ کو صحت و تندرستی دے۔ ان جیسی خاتون کا وجود تو دنیا والوں کے لئے باعثِ رحمت ہے۔“ زکیہاؓ نے کہا۔

”ہاں..... وہ واقعی تعریف کے قابل ہیں..... میں نے کبھی انہیں غصے میں نہیں دیکھا اور نہ کسی ملازم کو ڈانٹتے ہوئے دیکھا ہے۔ کبھی کبھی غلط کام پر مجھے فحشا جاتا ہے مگر داد و ہرگز ناراض نہیں ہوتیں..... ان کے حراج میں اتنا قہقہہ ادا اور پیارا ہے۔ کہ میں اکثر ان پر رشک کرتی ہوں۔“

مومنہ نے داد کی تعریف کرتے ہوئے کہا۔

”واقعی... وہ ایسی ہی ہیں... تعریف کے قابل... احرام کے قابل۔“

زکیا پانے بھی مسکراتے ہوئے ان کی تعریف کی۔

تھوڑی دیر بعد راجپوت گیا اور موت چلی گئی۔

مریم رات کو تنہائی میں میز کی تصویر سامنے رکھے اس پر غور و خوض کرتی رہی۔ اس کے سرخ و سفید چہرے پر چھوٹی چھوٹی داڑھی تھی۔ خوبصورت بڑی بڑی براؤن آنکھیں، لمبی، خرد و پختگی ناک، براؤن بال، وہ تصویر میں اچھا خاصا ہینڈ سٹم اور سمارٹ لگ رہا تھا۔ ظاہر اس میں کوئی ایسی برائی نظر نہ آ رہی تھی جس کو بنایا دینا کر وہ اس رشتے سے انکار کر دیتی۔ مگر اس کا آئیڈیل تو اسد تھا۔ خوبصورت سمارٹ، ویل گر وڈ، ویل ایجوکیٹڈ اور 'امیر'..... نبھانے کیوں مریم مومن کی دولت اور اس کی شان و شوکت سے اتنی مرعوب ہو گئی تھی کہ حیثیت میں مومنہ سے کم کسی طرح بھی اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ میز میں سب کچھ تھا مگر وہ اتنا امیر نہیں تھا جتنا کہ اسد.....

اور مصیہ خالہ بھی یہی کہہ رہی تھیں کہ اسد جیسا جوڑ تو لاکھوں میں کسی ایک کو نصیب ہوتا ہے اور مومنہ کس قدر خوش نصیب تھی کہ اسے ایسا رشتہ نصیب ہوا تھا..... اور وہ کتنی بد نصیب تھی جس کے لئے ایک بھی ایسا رشتہ نہیں آیا تھا۔ اس کے اندر شدید احساس کمتری پیدا ہونے لگا..... مگر وہ اس بات کو بنیاد بنا کر اس رشتے سے انکار نہ کر سکی اور کس امید پر انکار کرتی..... اس بات کی کیا گارنٹی تھی کہ اس کے لئے اسد جیسا رشتہ کبھی آئے گا.....

ذکیہا نے بھی اسے بہت قائل کیا تھا اور اس نے معیر سے شادی کے لئے ہاں کہہ دی تھی..... اور..... محفلی کی سادہ سی رسم کے ساتھ ہی ٹھیک ایک ماہ بعد نکاح کی تاریخ رکھ لی گئی..... محفلی پر مریم کی ساس ایک کاغذ اسوٹ کے ساتھ سونے کی پتلی سی انگوٹھی لائیں تھیں اور جسے دیکھ کر مریم کا دل کتنا کٹنا تھا۔ اسے مومنہ کی ڈائمنڈ کی رنگ یاد آنے لگی جو سلوٹ آپا نے رشتہ طے کرتے ہی اسے پہنائی تھی اور محفلی کی رسم کس قدر شان و شوکت سے کی تھی..... وہ ایک ایک لمحہ اور وہ چیزیں اس کی آنکھوں میں ریت بھرنے لگیں اور وہ حیرت زدہ ہونے لگی..... وہ اپنی قسمت سے مایوس نظر آنے لگی۔

اسد بزنس فور سے واپس لوٹا تو ہونے والے بے بی کے لیے ڈھیر دن کپڑے کھلونے اور چیزیں لے کر آیا۔ مومن حیرانگی سے انہیں دیکھتی رہی۔

”یہ دیکھیں..... یہ Doll سستی خوبصورت ہے..... اور یہ کچی ماڈس موی..... میرا تو دل چاہ رہا تھا۔ بچوں کی ساری چیزیں خرید لوں.....“

گمراہ آپ کے ذہن سے نہیں لیں..... کہ آپ ناراض ہوں گی۔“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... تو اتنی ڈھیر چیزیں خریدنے کا کیا فائدہ ہے؟ بچے کو نسا ہر وقت ان کے ساتھ کھیلتے ہیں۔“ مومن نے جواب دیا۔

”بچے نہ سکی..... ان کے ماما پاپا تو کھیل سکتے ہیں نا۔“ اسد نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اسد..... آپ کو ابھی تک کھلونوں کا شوق ہے۔“ مومن نے مسکرا کر پوچھا۔

”نہیں..... آئی ایم اے کے کٹڈ (ہاں میں بھی بچہ ہوں) اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومن نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”داؤد کا.....“ اسد نے کھلکھلاتے ہوئے کہا تو مومن بھی ہنس دی۔

”اور..... یہ آپ کے لیے.....“ اسد نے انتہائی خوبصورت وائٹ گولڈ کلاسیٹ اس کے سامنے کیا تو اس نے ہاتھ میں پکڑ کر اسے دیکھا۔

”جھٹک پو.....“ اس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”اور آپ اپنے لیے کیا لائے ہیں؟ مومن نے تجس انداز میں پوچھا۔

”کچھ نہیں..... اپنے لیے کیا لانا..... سب کچھ تو ہے۔“ اسد نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”اور اس بیک میں کیا ہے.....؟ مومن نے اس کے پاس رکھے چھوٹے سے بیک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

”ک..... کچھ نہیں..... ایک دفتری جڈز کے لیے گفٹس ہیں۔“ اور اسد نے جلدی سے اٹھ کر اسے اپنی الماری میں رکھ دیا۔ مومن کے لیے اس کے لہجے کی گھبراہٹ میں بہت تعجب تھا۔

”داؤد کی طبیعت کیسی ہے.....؟ اسد نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں..... میں انہیں چپک آپ کے لیے ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی تھی..... ایوری جھٹک اذ نارمل..... لیکن جانے کیوں داؤد ہر وقت ڈپریشن میں رہتی ہیں..... بہت ادا اس اور کھوئی کھوئی.....“

”اسد آپ نے ایک بات لوٹ کی ہے.....“ مومن نے انتہائی سنجیدگی سے پوچھا۔

”کیا.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”ہمارے گھر کی فضا میں کتنی ادا سی اور دیرانی سی محسوس ہونے لگی ہے۔“ مومن نے کہا۔

”ارے نہیں..... ایسی کوئی بات نہیں..... یہ آپ کا دہم ہے..... مجھے تو کبھی بھی ایسا محسوس نہیں ہوا ہے۔“ اسد نے جواب دیا۔

”اسد..... کچھ ہے..... اور مجھے اس دیرانی اور افسردگی سے خوف آتا ہے۔ عجیب سی وحشت اور کراہت محسوس ہوتی ہے۔“ مومن نے آہ

بھر کر کہا۔

"ایسا کچھ بھی نہیں..... اور کیا ہو سکتا ہے..... امپا سٹل..... اچھا آپ ہی بتائیں..... یہ سب کیا ہے اور آپ کو کیوں ایسا محسوس ہوتا ہے؟"

اسد نے انجائیٹی سنجیدگی سے اس سے پوچھا۔

"معلوم نہیں..... لیکن مجھے یوں لگتا ہے..... جیسے....." وہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

"جیسے..... کیا..... جیسے.....؟" اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"جیسے....." وہ پھر ہونٹ چبانے لگی۔

"کیا..... بھی.....؟" اسد نے جھنجھلا کر پوچھا۔

"جیسے آپ کے ڈریسنگ کرنے سے گھر کی فضا بوجھل ہو رہی ہو۔" مومنہ نے ڈرتے ہوئے کہا۔

"کیا..... کیا کہا.....؟ وہاٹ ڈان سٹس (کیا بے وقوفی ہے) کیا آپ کی اس بات میں کوئی لاجبک (منطق) ہو سکتی ہے..... نور.....

نور..... آپ کو Mania (خبط) ہو گیا ہے۔ یو آر اے لوٹل..... (آپ ٹیک ہیں) اوٹلی یو آر اے ور چوڈس (صرف آپ ہی پاکباز ہیں) اور کوئی نہیں..... آئی ایم سب آف یور ڈان سٹس ٹاک (میں تمہاری بیوقوف باتوں سے ٹھگ آ گیا ہوں) اٹس ٹو بچ..... اب آئندہ آپ نے ایسی باتیں کیں تو پھر مجھ سے....." وہ ہنسنے لگا۔ اس نے آپ کو کنٹرول کرتے ہوئے بولا اور انجائیٹی غصے میں مومنہ کی جانب دیکھا۔ وہ اس قدر مشتعل ہو گیا تھا کہ مومنہ حیران رہ گئی..... اس طرح کے غصے میں اس نے اسد کو آج تک نہیں دیکھا تھا اس کی آنکھیں غصے سے سرخ ہو رہی تھیں اور وہ شعلہ برساتی لگا ہوں سے مومنہ کی جانب دیکھنے لگا۔ مومنہ کو خوف سا آنے لگا۔ aggressiv (مشتعل) اس نے آج سے پہلے اسد کو کبھی نہیں دیکھا تھا..... وہ خاموشی سے ہونٹ چبانے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے اس سے بہت بڑی غلطی ہو گئی ہو..... اس نے اسد کو..... کوئی بہت غلط اور ناقابل معافی بات کہ دی ہو..... جس کا اس نے اتنا برا مان لیا ہو..... مگر وہ اندر سے جانتی تھی کہ اس نے کوئی غلط بات نہیں کہی تھی اس لئے اس نے اسد سے معافی نہ مانگی بلکہ خاموش رہی۔

اسد غصے سے واش روم میں چلا گیا..... اور وہ پریشان بیٹھی رہی۔

"مومنہ..... ایک ٹراڈر ڈر اور ٹی شرٹ پکڑاؤ" اسد نے واش روم سے اسے آواز دی اور مومنہ اس کی الماری کھول کر پیچر سے اس کے کپڑے نکالنے لگی۔ کپڑے نکالتے ہوئے اس کی نظر اس بیک پر پڑی جو اسد نے تھوڑی دیر پہلے الماری میں رکھا تھا۔ اس کے دل میں دوسرے سا پیدا ہوا اور اس نے بیک کھول کر اس میں ہاتھ ڈالا۔ اور اگلے ہی لمحے اس کی حیرت کی انجائیٹی نہ رہی۔ امپورٹڈ واٹن کی ہائٹس اس میں پڑی تھیں۔ مومنہ کو شدید دھچکا لگا۔ اسد نے اس سے کبھی جھوٹ نہیں بولا تھا اور اب وہ اس سے جھوٹ بھی بولنے لگا تھا۔

"مومنہ..... پلیز..... میرے کپڑے۔" اسد نے پھر آواز دی تو مومنہ نے بڑبڑا کر الماری بند کر دی اور اسے جا کر کپڑے پکڑا دیئے۔

مومنہ کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ وہ مومنہ پر بیٹھ گئی۔ مگر اس کی نظر اس الماری پر ہی تھیں۔ اسد واش روم سے باہر نکلا تو بہت نکھر نکھر اور سارٹ لگ رہا تھا۔ اس نے ہم مومنہ کی جانب دیکھا۔

"آر..... یو..... آل رائٹ (کیا تم ٹھیک ہو؟) اسد نے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں....." اس نے آہستہ آواز میں کہہ کر ثبت میں سر ہلایا۔

"مریم کا کیا ایسا بیڑہ کیا ہے؟ اسد نے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑے ہو کر ہالوں میں برش کرتے ہوئے پوچھا۔

"اس کی انگو چھٹ (منگنی) کر دی ہے۔ ایک ماہ بعد شادی ہے۔" مومن نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"اسی کے ساتھ..... جو کسی کپنی میں جاب کرتا ہے۔" اسد کے لہجے میں قدرے طعنا۔

"ہاں....."

"یہ بہت اسٹوڈیو فعل ہے..... وہ بولا۔

"اسٹوڈیو..... کیوں.....؟

"بھئی..... ایک لڑکی کے لیے آپ اس کی چوئس کے مطابق شوہر نہیں ڈھونڈتے اور اس پر اپنی مرضی (مسلا) کرتے ہیں تو یہ

اسٹوڈیو فعل نہیں..... تو..... اور کیا ہے؟ وہ قدرے خشکی سے بولا۔

"مریم نادان ہے..... اسے کیا معلوم کہ خوبصورت اور چمکتی چیزیں کبھی کبھی سونا نہیں ہوتیں۔" مومن نے آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ کہنا کیا چاہتی ہیں؟ اسد نے برش ٹیبل پر دکھ کر قدرے چمک کر پوچھا۔

"کچھ نہیں۔" مومن نے منہ پھیر کر جواب دیا۔

"مومن..... میں آبدرد کر رہا ہوں..... آپ مجھے ڈس گریس (بے عزت) کرنے لگی ہیں اور اس لوچ کا ری..... میں ایسا attitude

(رویہ) برداشت نہیں کر سکتا..... پلیز..... اس سے پہلے کہ..... وہ انتہائی غصے میں بولا۔ وہ پھر ایک دم مشتعل ہو گیا تھا۔

"اسد..... اس سے پہلے..... آپ بھی تو کبھی اتنے ہائپر نہیں ہوئے تھے۔" مومن نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

"نہیں..... ہاں..... ہاں..... مجھے معلوم ہے..... میں بائپر ہونے لگا ہوں۔ مگر آپ مجھے ایسا کرنے پر مجبور کرتی ہیں..... آپ مجھے tease

(تک) کرتی ہیں..... بہت irritate کرتی ہیں....." وہ غصے سے بولا۔

"کس لیے..... کرتی ہوں..... آپ جانتے ہیں۔" مومن نے جواب دیا۔

"اور میں آپ کو بار بار کہتا ہوں..... اس ناٹ اے بک پرائلم (یہ کوئی بڑا مسئلہ نہیں) اس ناٹ این الٹو (یہ کوئی مسئلہ نہیں) پھر بھی

آپ..... اپنے آپ کو چھیچھی نہیں کرتیں..... آخر آپ کے ساتھ پرائلم کیا ہے؟ اسدا یکدم غصے سے جھنجھلا کر بولا۔

مومن خاموشی سے اس کی جانب دیکھتی رہی اور اس کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں..... اسد کو اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔

"آئی ایم سوری..... میں آپ کو ہرٹ نہیں کرنا چاہتا..... پلیز فرائے ٹوائٹر سٹیجڈی (مجھے سمجھنے کی کوشش کریں)

اور ہنٹیں..... میرے پاس....." اس نے اسے اپنے پاس مومن پر بٹھایا۔

”دیکھیں..... مومنہ..... زندگی میں اور بہت سے ایٹمز اور پراٹھز ہیں۔ ہمیں ان کو Solve (حل) کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔۔۔۔۔ نہ کہ ایسے چھوٹے چھوٹے پراٹھم کو..... اور یہ ہر انسان کی پرسنل (ذاتی) باتیں ہوتی ہیں..... اور ہر ایک کو رامت ہے کہ اسے جو چیز پسند ہے..... جو اسے اچھی لگتی ہے..... جو اسے خوش کرتی ہے..... وہ اسے کرے..... اتنی تو اس کو لبرٹی (آزادی) ملنی چاہیے نا۔“ اسد نے نرمی سے سمجھایا۔

”ہاں..... اور میں اس کے خلاف نہیں..... میں تو صرف اس کے خلاف ہوں جو صحت کو بھی خراب کرتی ہے اخلاق کو بھی اور روح کو بھی۔“ مومنہ نے بھی نرمی سے جواب دیا۔

”دیکھیں..... ایسا کچھ نہیں ہوا..... اور نہ ہی ہوگا.....“ اسد نے اس کا ہاتھ پکڑ کر سمجھایا۔

”اسد..... میں اسی بات سے تو ڈرتی ہوں کہ ایسا کچھ ہونے لگا ہے۔“ مومنہ نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”کیا مطلب.....؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔

”آپ نے مجھ سے کبھی جھوٹ نہیں بولا نا.....؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”ہاں.....“ اسد نے اپنے ہونٹوں پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

”نیکن اب.....؟ مومنہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔

”آپ کا خیال ہے کہ میں آپ سے جھوٹ بولنے لگا ہوں؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”اسد..... الماری میں بیک کے اندر جو کچھ ہے..... وہ میں نے دیکھ لیا ہے۔“ مومنہ نے آدھ بھر کر کہا تو اسد ہڑا گیا۔

”اوہ..... وہ.....؟ وہ میں نے اسی لیے نہیں بتایا تھا کہ آپ پھر ناراض ہو جائیں گی۔“ اسد نے کھسکا کر جواب دیا۔

”کیا وہ جھوٹ نہیں تھا.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی ڈونٹ تھنک سو (میرا خیال ہے نہیں)۔“ اس نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

”ڈرنک کرنے سے آہستہ آہستہ پوٹیمی انسان کی سوچ اور Morality (اخلاقیات) میں فرق آنے لگتا ہے۔ وہ اپنی ہر فلت بات کو ج

سمجھتا ہے۔ اور اس کے لئے Justification دیتا ہے۔“ مومنہ نے غصے سے لہجے میں جواب دیا۔

”مومنہ..... انس نو ٹو ڈی..... بہتر ہے آپ میری پرسنل باتوں میں انٹرفیئر (مداخلت) نہ کریں۔“ اسد نے بھی قطعیت سے کہا اور

کمرے سے باہر نکل گیا۔

مومنہ حیرت سے اسے جاتے ہوئے دیکھتی رہ گئی..... اسد میں کتنا زیادہ فرق آ گیا تھا۔ وہ بہت بدل گیا تھا اور رفتہ رفتہ بدل رہا تھا۔ وہ جو

ہمیشہ..... مومنہ سے دھیمے اور محبت بھرے لہجے میں بات کرنے کا عادی تھا۔ اب بات بات پر مشغول ہونے لگا تھا۔ وہ جو اس کی عزت کرتے نہ تھکتا

تھا اب اس سے متغیر ہونے لگا تھا۔ وہ جو اس کے دلائل پر اکثر خاموش ہو جاتا تھا اب ہاتھ ہو کر بخشش کرنے لگا تھا..... وہ اپنی فلت باتوں کو ج جاننے لگا

تھا..... وہ جھوٹ بولنے لگا تھا اور اللہ کی حرام کردہ اشیاء کو اپنے لیے خوشی اور سکون کا باعث سمجھنے لگا تھا اور اس پر کبھی تاؤ بھی نہ ہوا کرتا تھا..... اب اس

کے اندر شرمندگی کا احساس بھی ختم ہو رہا تھا۔۔۔۔۔ وہ کس قدر عجیبی سے بدل رہا تھا۔ گندی شے کی خباثت اس کی پاکیزگی کو آہستہ آہستہ ختم کر رہی تھی اور مومنہ انہی باتوں سے ڈرتی تھی۔ اسے یہی دوسے اور اندیشے بروقت اندر ہی اندر مضطرب دیکھتے تھے کہ کہیں اسد جیسا اچھا انسان مٹ نہ جائے اور گندی کی دلدل میں نہ اتر جائے۔۔۔۔۔ اور اسے احساس بھی نہ ہو۔۔۔۔۔

”ہر شرابی۔۔۔۔۔ ذاتی بھی ہوتا ہے۔“ اس کی ماں کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگیں۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ایسا کبھی نہیں ہوگا۔۔۔۔۔ اسد یہ نہیں کر سکتا۔۔۔۔۔ مجھے اس پر پورا یقین ہے۔“ اس نے اپنے اندر کے دوسے کو دہرایا۔

”کہیں اسد۔۔۔۔۔؟ ایک دم اس کا ذہن متنی سوچنے لگا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ یہ نہیں ہو سکتا۔“ اس نے خود ہی تردید کی۔

”اس نے کبھی جھوٹ بھی تو نہیں بولا تھا۔۔۔۔۔ اور وہ کبھی یوں aggressive بھی نہیں ہوا تھا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ اب وہ جھوٹ بھی بولنے لگا ہے

اور۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ میرا دل نہیں مانتا۔۔۔۔۔ یا خدایا! اسد کو ہدایت دے۔۔۔۔۔ اس کو صراطِ مستقیم پر چلا۔۔۔۔۔ اس کی زندگی اور روح کو ہر طرح کے گناہوں سے بچاؤ میں تیرے آگے ہاتھ جوڑ کر التجا کرتی ہوں۔“ اور مومنہ اپنے دونوں ہاتھ باندھ کر خدا کے حضور التجا کرنے لگی۔۔۔۔۔ اس کے حضور گڑگڑا کر اسد کے لیے ہدایت مانگنے لگی۔

میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔۔۔۔۔ میری محبت کو میرے لیے آزمائش مت بنا۔۔۔۔۔ میں اس کو یوں بکھرتا اور برباد ہوتا ہوا نہیں دیکھ سکتی۔۔۔۔۔ اس کو بچالے۔۔۔۔۔ اس پر کرم کر دے۔“ مومنہ صوفی پر پٹیلی بیٹھی خدا کے حضور رورو کر گڑگڑانے لگی۔

دادو کو مریم کی شادی کی خبر ملی تھی تو وہ جان کر بے حد خوش ہو گئیں تھیں۔ انہوں نے دس بہترین کاہدار سوت، سونے کا انتہائی نفیس سیٹ اور دو لاکھ روپے مریم کو تحفے میں دیے تھے اور اسد کو خاص ہدایت کی تھی کہ شادی کے سارے اخراجات وہ خود برداشت کرے۔ زکیہ آپا بہت منع کرتی رہیں مگر مومنہ نے انہیں دادو کا حکم بنا کر خاموش کر دیا۔

مریم اور معیز کی شادی مقامی ہوئی، میں انتہائی احسن طریقے سے سرانجام پائی تھی۔ مریم بہت خوبصورت لگ رہی تھی اور معیز بھی بہت سارٹ لگ رہا تھا۔ دونوں کو ہر کوئی رشک بھری نگاہوں سے دیکھتا۔ اسد کو بھی معیز بہت پسند آیا تھا۔۔۔۔۔ مگر وہ بہت سادگی سے آئے اور زیادہ نمود و نمائش کا مظاہرہ نہ کیا۔ حق مہر کی رقم بھی دس ہزار مقرر کی گئی جسے سن کر مریم کا دل بڑی طرح الجھ گیا۔۔۔۔۔ اسے اپنی اہمیت اور کم مائیگی کا احساس دلانے لگا۔

وہ معیز کے پانچ مرلے کے چھوٹے سے گھر میں بیاہ کر آئی تو پرانی چھتیں اور خستہ حال دیواریں دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔ اس کا بیڑہ دم بھی انتہائی پرانا کمرہ تھا اور اس میں سہااس کا مہنگا اور اسٹائش فرنیچر انتہائی عمدہ لگ رہا تھا۔ وہ حیرت اور حسرت سے درو دیوار کو دیکھتی رہی اور خون کے آنسو بہتی رہی۔

میز کرے میں آتا تو بے حد خوش تھا۔۔۔۔۔ اور اس نے اس خوشی میں اپنی جیب سے سرخ ڈیپاکال کر سونے کی انگوٹھی اسے پہنائی اور انتہائی خوشی سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔ وہ ہنسنے لگا کہ وہ اس کی انگوٹھی کی تعریف کرے گی مگر وہ خاموش رہی، آپ کو انگوٹھی کیسی لگی۔۔۔۔۔ معیز نے مسکرا کر پوچھا۔

"اچھی ہے۔" اور مریم نے انگلی سے اتار کر اسے ڈیپا میں واپس رکھ دی۔

"آپ نے اتار کیوں دی.....؟ معیز نے حیرت سے پوچھا۔

"بہت قیمتی ہے..... خاص موقعوں پر پہنوں گی۔" مریم نے اپنے اندر کا طوطا چھپا کر مسکراتے ہوئے کہا۔

"تھیک یو ویری جج..... کیا اس کا ڈیزائن آپ کو پسند آیا.....؟ میں نے اپنی چٹاؤں کا خیال ہے۔" معیز نے انگوٹھی اپنے ہاتھ میں پکڑ کر

محبت بھرے لہجے میں پوچھا۔

"بہت اچھا ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا تو وہ مسکرانے لگا..... اور اس کی مسکراہٹ دیکھ کر مریم کے دل پر نشتر چلنے لگے۔

"اتنی چھوٹی سوچ اور بات پر خوش ہونے والا شخص زندگی میں کس حد تک آگے جاسکتا ہے۔ مجھے اس کا اندازہ ہو گیا ہے۔"

اس نے مایوسی سے سوچا اور اس کا دل ڈوبنے لگا۔

"معیز اپنی محبت کے پھول اس کے حضور پیش کرتا رہا..... اس کی بھرپور پذیرائی کرتا رہا مگر وہ نہ تو اس کی محبت سے سرشار ہوتی رہی اور نہ

ی اس کی پذیرائی سے سرور..... معیز اسے اپنے سے بہت دور کھڑا نظر آتا رہا..... اور اسے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ وہ کبھی بھی ایک

دوسرے سے باغ و بہار کی طرح نہ مل سکیں گے۔ وہ محبت اور چاہت..... دونوں کے دلوں میں جنم لینی چاہیے تھی..... وہ مریم کے دل میں مقنوع و

تھی..... مریم کے دل میں معیز کے لیے تمام لطیف جذبے اور نرم و پیٹھے احساسات سرور پڑ گئے تھے۔ جن کے بغیر یہ رشتہ مکمل نہیں ہوتا..... اور.....

ساری زندگی تنگی کا احساس و دونوں کے دلوں کو اندر ہی اندر مضطرب رکھتا ہے۔

"معیز..... بس ٹھیک تھا..... اس میں کچھ بھی ایسا خاص نہیں تھا..... جس سے مریم کا دل خوش ہوتا اور وہ معیز پر اپنی چاہت کے خزانے

نچھاور کرتی..... اس کی نظر میں معیز کی نہ کوئی حیثیت تھی۔ نہ اہمیت اور نہ ہی کوئی وقعت..... اور اس کا تھین اس نے شادی کی پہلی رات ہی کر لیا تھا۔

"میں کبھی بھی مومنہ آبی کے ہم پل نہیں ہو سکتی..... اس شخص میں Guts ہی نہیں کہ وہ کبھی اسد بھائی جیسا بن سکے..... یہ معمولی سوچ کا

معمولی انسان ہے۔" اس نے آہ بھر کر سوچا..... اور معیز اس پر قربان ہوتا جا رہا تھا..... وہ اس کو ہر طرح سے خوش کرتا چاہتا تھا۔ وہ بات کرتی تو وہ

دامن پھیلائے اس کے الفاظ سینے کی کوشش کرتا..... وہ کسی بات پر ہلکا سا بھی مسکراتی تو اس کا دل خوشی سے پھٹنے لگتا وہ اپنے تمام جذباتوں اور چاہتوں کو

پوری شدت کے ساتھ اس پر لٹا رہا تھا..... اور وہ یوں اظہار کر رہی تھی جیسے اسے کسی کی بھی ضرورت نہ تھی..... نہ معیز کی محبت کی..... اور نہ ہی اس کی

چاہت کی.....

وہ شادی کے بعد ماں کے گھر آئی تو بہت خاموش تھی..... اور زکیہ آ پا کا دل و مومنوں کا شکار ہو رہا تھا..... مومنہ بھی وہیں تھی۔ وہ بھی مریم کو

یوں خاموش دیکھ کر بہت مضطرب ہو رہی تھی۔ البتہ معیز بہت خوش تھا۔ وہ مومنہ اور زکیہ کے ساتھ بہت مہذب انداز میں گفتگو کرتا۔ ہر نماز مسجد میں ادا

کرنے جاتا تو زکیہ آ پاسے دیکھ دیکھ کر خوش ہوتی۔

"ماشاء اللہ..... کس قدر نیک بچہ ہے..... نمازی..... پرہیزگار..... مومنہ تم نے دیکھا۔ اس کے چہرے پر کیسا نور ہے۔" زکیہ آ پانے

انجائی خوشی سے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئیں۔

”ہاں..... معیز واقعی بہت اچھا ہے۔“ مومنہ نے بھی تعریف کی۔ مریم خاموشی سے ان کی باتیں سن رہی تھی اس کا چہرہ ہر قسم کے تاثرات سے عاری تھا۔

”مریم..... کیا بات ہے؟ تم بہت خاموش ہو..... معیز تمہارے ساتھ ٹھیک ہے نا۔“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں.....“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”پھر تمہاری آنکھوں میں اتنی اداسی کیوں ہے؟“

”آپا وہم ہے..... ایسی کوئی بات نہیں۔“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”مریم پلیز..... جو بھی بات تمہیں پریشان کر رہی ہے..... مجھے بتاؤ۔“ مومنہ نے اس کا ہاتھ محبت سے پکڑتے ہوئے کہا۔

”آپ کیا کریں گی؟ مریم نے سوئی آنکھوں سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”میں..... میں تمہاری پریشانی دور کرنے کی کوشش کروں گی۔ مومنہ نے محبت سے جواب دیا۔

”آپ کچھ نہیں کر سکتیں۔“ مریم نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”یہ تم سوچتی ہو..... ہو سکتا ہے..... میں کچھ.....“ مومنہ نے کچھ کہنا چاہا۔

”آپ کچھ بھی نہیں کر سکتیں..... کوئی بھی کسی کے لیے کچھ نہیں کر سکتا۔“ وہ قدرے ہزاری سے بولی۔

”مریم..... شادی کے شروع میں ہی اتنی اداسی..... اتنی بے زاری..... اچھی بات نہیں..... پلیز اپنے آپ کو سمجھاؤ.....“ مومنہ نے نرمی سے کہا۔

”اب تو ساری زندگی اپنے آپ کو سمجھانے میں ہی گزرے گی.....“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”کیا تمہیں معیز سے کوئی شکایت ہے؟ مومنہ نے کرپنا چاہا۔

”مجھے کسی سے کوئی شکایت نہیں۔“ مریم نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”یہ کیا بات ہوئی؟ نہ تم کچھ بتا رہی ہو..... اور نہ ہمیں کچھ سمجھ آ رہا ہے..... یہ سب کیا ہے.....؟ تم جانتی ہو..... کہ تمہاری ذرا سی

پریشانی..... اور اداسی ہمیں کس قدر بے چین کر دیتی ہے..... پھر بھی تم یوں مصیبت کر رہی ہو۔“ مومنہ نے پریشانی سے کہا۔

”کسی کو..... کسی کی پریشانی سے کچھ نہیں ہوتا..... یہ سب کہنے کی باتیں ہیں..... اس لیے آپ بھی پریشان ہونا چھوڑ دیں۔“

”مریم نے اس لہجے میں کہا اور اٹھ کر دباں سے چلی گئی۔ مومنہ اس کی باتیں سن کر بے حد پریشان ہو گئی تھی..... وہ کچھ بتا نہیں رہی تھی۔

مکروہ بہت مضطرب تھی..... اس کا دل بے حد بے چین اور اس پریشان تھا..... اور..... اس کی آنکھیں اس دکھ کی غماز تھیں۔ مریم خوش نہیں تھی.....

مومنہ کو اس بات کا پکا یقین ہو گیا تھا اور اس بات نے اسے بے حد پریشان کر دیا تھا..... اسے وہ دن یاد آنے لگے جب وہ شادی کے بعد یونہی

منظر ہمتی مگر اس کے منظر اب کی وجہ اس کی ڈرنک کی عادت تھی۔ لیکن میز جیسا ایک شخص کبھی ڈرنک نہیں کر سکتا..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... کیا اس کو دیکھ کر کوئی سوچ سکتا تھا کہ وہ بھی ڈرنک کر سکتا ہے..... مگر اس کی حقیقت میں جانتی ہوں..... کہیں میز بھی ایسا تو نہیں..... نہیں..... نہیں..... وہ کبھی ڈرنک نہیں کر سکتا..... اور میں مریم سے بھی یہ بات نہیں پوچھ سکتی..... اف میں کیا سوچ رہی ہوں۔ اس نے اپنی سوچوں کو جھٹکا..... اور خود ہی اپنی باتوں کی تردید کی..... مگر مریم کو یوں پریشان دیکھ کر وہ خود بہت پریشان ہو گئی تھی۔ اس کا دل بکھ گیا تھا۔

ہم دونوں بہنوں کے نصیب کیسے ہیں..... ظاہری کچھ نظر آتے ہیں اور اندر سے کچھ اور..... ظاہری طور پر خوش اور مطمئن..... اور اندرونی طور پر مضطرب و بے قرار..... "مومن کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے جنہیں اس نے جلدی سے صاف کیا کہ کہیں کوئی اور انہیں دیکھ نہ لے۔

"مریم دو دن بعد سب کو اس اور افسردہ چھوڑ کر میز کے ساتھ چلی گئی..... مومن اور زکیہ آپا بھی اس کے جانے کے بعد بہت پریشان ہوئیں۔

"مومن..... کیا تم نے ایک بات پر غور کیا ہے.....؟ زکیہ آپا نے کچھ سوچتے ہوئے اس سے پوچھا۔

"کیا.....؟ مومن نے حیرت سے پوچھا۔

"مریم خوش نہیں لگتی..... بہت اداسی ہے اس کی آنکھوں میں..... جیسے وہ کہیں الجھ گئی ہے..... کھوئی کھوئی سی لگتی ہے" زکیہ آپا نے اس کو لہجہ میں کہا۔

"نہیں..... امی..... یہ آپ کا وہم ہے..... مریم نے مجھے بتایا ہے کہ وہ بہت خوش ہے اور میز بہت اچھا ہے..... اس کا بہت خیال رکھتا ہے۔" مومن نے جلدی سے بتایا۔

"کیا واقعی مریم نے تم سے یہ سب کہا ہے؟ زکیہ آپا نے بے یقینی سے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں....." مومن نے ہنسون پر زبان پھیرتے ہوئے کہا۔

"تم کہتی ہو..... تو..... مان لیتی ہوں..... ورنہ میرا دل نہیں مانتا" زکیہ آپا نے افسردگی سے جواب دیا اور ایک دم خاموش ہو گئیں۔

"مومن کا موہاں بچے لگا۔ اس نے چمک کر نمبر دیکھا تو گھبرا سی گئی۔ دادو کا موہاں نمبر تھا۔ جب کبھی وہ میکے آئی ہوتی..... تو..... دادو نے اسے کبھی بھی فون نہیں کیا تھا..... اور آج اچانک۔

"جی..... دادو....." اس نے گھبرائی ہوئی آواز میں کہا۔

"بہو بیگم..... مگر جلدی نہیں..... اسد بیٹے کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے ہم ڈرائیور کو بھیج رہے ہیں..... آپ ان کے ساتھ آ جائیں..... ہم بہت پریشان ہیں۔" دادو نے گھبرائے ہوئے لہجہ میں کہا۔

"میں..... میں..... آ رہی ہوں..... اور اسد کہاں ہیں؟ مومن نے بمشکل تھوک نلکتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں اہل میں..... جلدی نہیں..... ہم آپ کا انتظار کر رہے ہیں۔" دادو نے کہہ کر فون بند کر دیا۔

مومن انتہائی پریشان ہو گئی تھی۔ اس کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا تھا اور اس کے ہاتھ کاپٹنے لگے تھے۔

"کیا ہوا..... تم اتنی گھبرائی ہوئی کیوں لگ رہی ہو؟ زکیہ پانے بھی پریشانی سے پوچھا۔

"امی..... اسکا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ ہاسپٹل میں ہیں۔" مومن نے پریشانی سے بتایا۔

"خدا..... خیر کرے....." زکیہ آپا کے منہ سے بے ساختہ نکلا۔

مومن کی جان پر بین گئی تھی۔ وہ بڑی مشکل سے اپنے آنسو ضبط کر رہی تھی اور اس کا دل بری طرح دھڑک رہا تھا۔ وہ اندر باہر بے چینی میں چکر لگا رہی تھی اور ڈرائیور کا انتہار کر رہی تھی۔ اسکا موبائل نمبر لاتی تو اس کا موبائل بند ملا۔ تو وہ اور پریشان ہو جاتی تھی ویسے بعد ڈرائیور آگیا اور وہ اس کے ساتھ ہاسپٹل چلی گئی۔ دادو بھی وہیں تھیں۔

"دادو..... اسد....." وہ بمشکل بول پائی اور ان کے گلے لگ کر رونے لگی حوصلہ کریں..... بہو بیگم..... اب وہ ٹھیک ہیں..... ڈاکٹر نے ہمیں ابھی بتایا ہے۔" دادو نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"لیکن ایکسیڈنٹ کیسے ہوا.....؟ اور کہاں ہوا.....؟ کیا اسد نے آپ کو فون کیا تھا.....؟ وہ روتے ہوئے بولی۔

"ہائیں..... ہمیں تو ہاسپٹل سے فون کیا تھا..... اور یہ نہیں معلوم کہ کیسے ہوا.....؟ دادو نے جواب دیا۔

ایک ڈاکٹر ICU سے باہر نکلا تو مومن بے صبری سے اس کی جانب بڑھی۔ اس نے نقاب سے اپنے چہرے کو ڈھانپ رکھا تھا۔

ڈاکٹر صاحب..... میرے مسوئد اسد ظہیر الدین اب کیسے ہیں.....؟ مومن بے تاب سے پوچھا۔

"ہی ان فائن..... ہم نے ان کے سارے ٹسٹ لے لیے ہیں..... ہمیں ڈر تھا کہ سر میں جو چوٹیں لگی ہیں..... وہ زیادہ سیریس نہ ہوں آپ دعا کریں..... ان کی رپورٹس ٹھیک آئیں۔" ڈاکٹر نے نرمی سے کہا۔

"کیا ان کو سر میں زیادہ چوٹیں آئی ہیں؟ مومن نے گھبرا کر پوچھا۔

"ہاں....." ڈاکٹر نے جواب دیا۔

"مگر..... یہ ایکسیڈنٹ کیسے ہو گیا..... اسد تو بہت محتاط ڈرائیور تک کرتے ہیں۔" مومن نے حیرت سے پوچھا۔

"میرا خیال ہے..... انہوں نے ڈرنک کر رکھی تھی..... اور غالباً سامنے سے آنے والا ٹرک اچانک دیکھ کر وہ کنٹرول نہیں کر پائے.....

لیکن آپ خدا کا شکر کریں کہ وہ معجزانہ طور پر بچ گئے ہیں ورنہ اسقدر سیریس ایکسیڈنٹ میں ان کا بچنا مشکل تھا۔" ڈاکٹر نے کہا تو مومن نے گھبرا کر کچھ قاصدے پر کھڑی دادو کی جانب دیکھا جو دونوں کو جھٹک کر تے ہوئے دیکھ رہی تھیں۔ مومن کو ڈر سا لگنے لگا کہ کہیں دادو نے ڈاکٹر کی ڈرنک کرنے والی بات سن نہ لی ہو۔

"آپ دعا کریں..... انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" ڈاکٹر اسے تسلی دے کر چلا گیا اور مومن پریشان ہو کر دادو کے پاس آ گئی۔ دادو

کے چہرے پر اچھائی پریشانی کے تاثرات تھے۔

"بہو بیگم..... ہم نے اسد بیٹے کے بارے میں جو کچھ سنا ہے کیا وہ بچ ہے؟ دادو نے اچھائی حیرت سے پوچھا تو مومن نے خاموشی سے

نظریں جھکا لیں۔

”بتائیے بہو بیگم..... کیا اسد؟ دادو نے گھبرا کر پوچھا تو سونہر دنا شروع ہو گئی۔

”اتنی بڑی بات..... آپ نے ہمیں بتائی ہی نہیں۔“ دادو نے بھی غم آنکھوں سے کہا۔

کیا بتاتی.....؟ سونہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

”اتنی بڑی بات..... ہمارے خاندان کے لیے یہ کتنی رسوائی کی بات ہے ہمارے خاندان کی عزت تو ہمارے بزرگوں کی چمک نامی

شرافت اور پرہیزگاری کی وجہ سے تھی۔ لوگ ہمارے خاندان کی شرافت کی قسمیں کھاتے تھے..... اور اسد..... اس کا مطلب ہے ہماری تربیت میں کہیں کوئی کمی رہ گئی ہے۔ یعنی کہ ہم گھبرا رہے ہیں۔“ دادو نے پٹی پٹی لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے انتہائی مایوسی سے کہا۔

”جی نہیں..... دادو..... اس میں آپ کا کوئی قصور نہیں..... نبجانے کیسے؟ سونہ نے ان کا ہاتھ قلم کر انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”ہم کیسے گنہگار نہیں..... اولاد کی اچھائیوں اور بدرائیوں کے ذمہ دار والدین ہوتے ہیں..... کیسے ہم سے یہ کوتاہی ہو گئی.....؟ کیسے.....

شاید نبجانے میں اتنی بڑی بھول ہو گئی۔“ دادو نے سسکتے ہوئے کہا۔

”دادو..... پلیز..... آپ غم نہ کریں..... وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔“ سونہ نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

”بہو بیگم..... ہم اپنے شوہر اور بیٹے کو کیا منہ دکھائیں گے..... کہ ہم ان کی اولاد کو صراطِ مستقیم پر نہ چلا سکے..... ہم انہیں اللہ کے احکامات نہ

چلا سکے..... بہو بیگم..... ہم سے کتنی بڑی غلطی ہو گئی..... ہم نے تو اپنی طرف سے پوری کوشش کی کہ انہیں اچھا مسلمان بنا سکیں..... پھر یہ کیسے ہو

گیا..... ہمیں پتا ہی نہیں چلا.....“ دادو آہستہ آہستہ مایوسی سے بولیں اور آنسو ان کی چہرے کی آنکھوں سے ٹپ ٹپ کرنے لگے۔

”دادو..... پلیز..... آپ ایسا مت سوچیں..... یہ اللہ کی طرف سے ہماری آزمائش بھی تو ہو سکتی ہے۔“ سونہ نے بھی روتے ہوئے کہا۔

”معلوم نہیں..... کیا ہے..... مگر ہم بکھر رہے ہیں..... ہمارا دل اب ٹوٹ رہا ہے۔“ دادو نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا۔

”دادو..... پلیز..... آپ ایسی مایوسی کی باتیں مت کریں..... آپ بہت بار دیں گی تو مجھے کون حوصلہ دے گا..... دادو..... ہمیں اسد کو

بچانا ہے..... اور ہمیں آپ کے ساتھ کی..... آپ کی محبت اور دعاؤں کی ضرورت ہے۔“ سونہ نے ان کے ہاتھوں کو چومتے ہوئے کہا جو بالکل

ڈھیلے پڑ گئے تھے اور ان کے اندر کی توڑ پھوڑ سے بے جان ہو رہے تھے۔

”دادو نے اس کی جانب دیکھا..... اور ایک لمحے کو ان کی آنکھوں میں چمک پیدا ہوئی۔

”ہاں..... دادو..... ہم مل کر اسد کی یہ برائی ختم کریں گے..... اسد بہت اچھے انسان ہیں..... نبجانے کیسے اس بری عادت کا شکار ہو

گئے۔“ سونہ نے پرامید لہجے میں کہا۔

”بہو بیگم..... یہ بری عادت نہیں گناہ کی بات ہے..... اور گناہ انسان کو تباہ و برباد کر کے رکھ دیتے ہیں..... دنیا میں بھی اور آخرت میں

بھی۔“ دادو نے پریشانی سے کہا۔

”آپ گھر نہیں کریں..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... بس آپ یہ دعا کریں کہ اللہ ان کو صحت دے اور ان کی رپورٹس ٹھیک آئیں۔“ مومنہ نے پرامید لہجے میں دادو کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ تو دادو نے غم آنکھوں کے ساتھ دیر لمب مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

”ہماری تو ساری دعائیں ہی آپ لوگوں کے لیے ہیں.....“ دادو نے محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا تو وہ بھی مسکرا دی اور دونوں مل کر اسد کی صحت یابی کے لیے دعائیں کرنے لگیں۔ اگلے روز اسد کی رپورٹس آ گئیں تھیں۔ سب کچھ نارمل تھا..... اور وہ بھی ہوش میں تھا۔ چند روز بعد اسے ہاسپٹل سے چھٹی مل گئی..... دادو نے گھر آتے ہی سات بکروں کا صدقہ دیا..... گھر قرآن خوانی کی محفل کرائی گئی۔ یتیم خاتون میں نیاز بانٹی گئی۔ مسجدوں میں پیسے بھیجے گئے۔ درگاہوں پر نذرانے بھیجے گئے۔ اسد کو خدا نے دوبارہ زندگی دی تھی..... اور وہ خدا کا شکر ادا کرتے نہ تھک رہیں تھیں..... مومنہ اور دادو نے نوافل ادا کیے..... مگر اسد کو دیکھتے ہی دادو خاموش ہو جاتیں..... ان کی آنکھیں غمناک ہونے لگتیں اور ان کے چہرے پر عجیب طرح کی المیہ کی سی چھا جاتی۔

مومنہ کی اپنی حالت بھی بہت خراب تھی مگر وہ دن رات اسد کی خدمت میں لگی رہتی..... اس کی دوائیوں اور خوراک کا بہت خیال رکھتی..... اس سے اٹھنا بیٹھنا محال ہی ہو رہا تھا مگر اسد کی خدمت میں وہ ذرا سی بھی کوتاہی نہ کرتی۔

وہ اسد کے لیے سوپ بنانے مکن میں آئی تھی اور بہت مشکل سے چلن پھر رہی تھی۔ خیرن بوا اور ثروت بھی اس کی مدد کر رہیں تھیں۔ خیرن بوا کو اس کی حالت دیکھ کر بہت ترس آ رہا تھا۔ وہ سوپ نہ رے میں رکھے اور لے جانے لگی تو خیرن بوا نے آگے بڑھ کر نہ بکڑی۔

”چھوٹی یتیم..... بہت ہو گیا..... اب مجھ سے برداشت نہیں ہوتا کہ آپ اس حالت میں کچن میں آئیں..... آپ کو نیچے آنے کی بالکل ضرورت نہیں..... میں خود اہم آ جا یا کروں گی ہم آپ کے پرانے نمکناور ہیں..... ہم نے آپ کے ساتھ اچھے وقت گزارے ہیں اور اب مشکل وقت میں ہم آپ کا ساتھ نہیں دے سکتے ہم سے بڑھ کر ملک حرام اور کون ہو گا۔“ خیرن بوا نے قدرے بطریہ لہجے میں کہتے ہوئے ثروت بوا کی طرف دیکھا تو اس نے شرمندگی سے سر نیچے کر لیا۔

خیرن بوا اترے اٹھا کر اوپر لے گئی اور مومنہ بھی آہستہ آہستہ اوپر چلی گئی۔

”بہت شکریہ..... خیرن بوا..... ٹرے یہاں رکھ دیں۔“ مومنہ نے کمرے میں جا کر خیرن بوا کو نہ اپنے سامنے بچل پر رکھنے کو کہا۔ اسد نیچے کے سہارے بیٹھا تھا۔

”سلام صاحب جی.....“ خیرن بوا نے کہا۔

”و علیکم سلام..... بوا کیسی ہیں آپ؟ اسد نے مسکرا کر پوچھا۔

”کرم ہے..... مولا کا..... آپ کی صحت کے لیے دن رات دعائیں کرتے ہیں۔“ خیرن بوا نے دونوں ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”بہت شکریہ..... بوا..... آپ لوگوں کی دعائیں کام آ گئیں اور اللہ نے بچا لیا۔“ اسد نے مسکرا کر کہا اور اپنے والٹ میں سے دو ہزار نکال

کر خیرن ہوا کو پکڑائے۔

”نہیں صاحب جی..... رہنے دیں۔“ خیرن ہوانے والہاں کرتے ہوئے کہا۔
”کچھ لیجئے.....“ اسد نے کہا۔

”شکریہ.....“ خیرن ہوا مسکرا کر بولیں اور دروازے کی جانب جانے لگی۔
”ہوا..... سنئے.....“ اسد نے چیخے سے آواز دی۔

”جی..... صاحب جی“ ہوانے چونک کر چیخے دیکھتے ہوئے کہا۔
”یہ ثروت ہوا کو بھی دے دیں۔“ اسد نے دو ہزار خیرن ہوا کو پکڑائے۔
”جی..... بہت بہتر۔“ ہوا مسکراتے ہوئے باہر نکلی گئی۔

ثروت کھانا پانے میں معروف قسمی اور اس کے چہرے پر پریشانی کے تاثرات تھے۔
”یہ نے پکڑ..... اسد میاں نے تجھے یہ دو ہزار بیسے ہیں۔“ خیرن ہوانے دو ہزار روپے ثروت کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔
”کس بات کے...؟ ثروت نے چونک کر پوچھا۔

”اپنی محنت یا پانی کی خوشی میں..... مجھے بھی دیجے ہیں اور تجھے بھی۔“ خیرن ہوانے اسے پیسے پکڑائے۔

”ثروت..... ویسے یہ کوئی اچھی بات نہیں..... کہ بڑی بیگم صاحبہ چھوٹی بیگم صاحبہ اور اسد میاں ہم لوگوں کا اتنا خیال رکھیں اور ہم اپنی غرض کے بندے بنے رہیں.....“ خیرن ہوانے معنی خیز انداز میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟ ثروت نے حیرت سے پوچھا۔

”میں پوچھتی ہوں..... ثناء کو گھر میں بٹھا کر تو کون سا تیر مار رہی ہے..... یا..... وہ کون سے تیرے کام سنوار رہی ہے جو تو اسے یہاں نہیں آنے دیتی..... سارا دن گھر میں چار پائی توڑتی رہتی ہے کبوت“ خیرن ہوانے غصے سے کہا۔

”آپ بہتر جانتی ہیں کہ میں اسے یہاں کیوں نہیں آنے دیتی..... میرے اندر خوف ہے..... ہر وقت مجھے اسد میاں سے ڈر لگتا ہے۔“
ثروت نے آہستہ آواز میں کہا۔

”بے وقوف مت بن..... خواہ مخواہ ان پر شک مت کیا کر..... ان جیسے اچھے اور شریف انسان پر ایسے الزام لگا رہی ہے..... کیوں تک حرامی کر رہی ہے..... ثروت ابھی بھی سمجھ جا اور چھوٹی بیگم کی حالت پر دم کھا..... بھاری سے ایک قدم اٹھانا بھی مشکل ہو رہا ہے..... ثناء آ جائے گی تو کم از کم چھوٹے موٹے کام کر دے گی..... بڑی بیگم صاحبہ ہر روز مجھ سے ثناء کے بارے میں پوچھتی ہیں اور میں بھانے ہاتی ہوں..... ثروت کل سے اس کو یہاں آنے دے..... اسے یہ پھر اپنا گھر ہے..... دوسرا وقت ہماری نظروں کے سامنے رہے گی۔ پتا نہیں تجھے کس بات کا ڈر ہے؟ خیرن ہوانے قدرے غلٹی سے کہا تو ثروت خاموش ہو کر کچھ سوچنے لگی۔

”جھوٹی بیگم کی حالت دیکھ کر مجھے بھی ترس آتا ہے۔۔۔ مگر۔۔۔“ ثروت بھرا لہجے لگی۔

”اگر۔۔۔ مگر۔۔۔ جھوڑ۔۔۔ اور کل سے شام کو اپنے ساتھ لانا۔۔۔ اگر تجھے زیادہ خوف ہے تو اس پر کڑی نظر رکھنا۔۔۔ کچھ نہیں ہوگا۔۔۔ برسوں سے اس گھر میں رہ رہے ہیں۔۔۔ اللہ کا بڑا کرم رہا ہے۔“ خیرن بوانے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو ثروت خاموش ہو گئی۔

”اب میں بڑی بیگم صاحبہ کے پاس جا رہی ہوں۔۔۔ ان کی بھی طبیعت ٹھیک نہیں۔“ خیرن بوانا کہہ کر کچن سے باہر نکل گئی اور ثروت اپنے اندر کے دوسروں اور اندیشوں سے الجھنے لگی، پراسید ہو کر ان کو بھڑاتی تو کبھی شراب کے گلاس دھونے کا منظر یاد کر کے پریشان ہونے لگتی۔

شام اگلے ہی روز کام پر آ گئی۔ وہ پہلے سے زیادہ بکھری بکھری لگ رہی تھی۔ جسم بھی قدرے بھرا بھرا لگ رہا تھا اس کے فیشن اور جمن جمن کرتی چوڑیوں کی تعداد میں بہت اضافہ ہو گیا تھا۔ آنکھوں میں گھٹے کا جل کی خوبصورتی میں اور نکھارا گیا۔۔۔ مگر، کھٹکتے ہوئے رگوں کے پرنٹ اور چادری نظر ہو گئے تھے، مومنہ نے اسے دیکھا تو حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔

”جھوٹی بیگم۔۔۔ آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں تو اس لیے اسے کچھ روز کے لیے لائی ہوں۔“ ثروت بوانے مومنہ سے کہا۔

”شکریہ۔۔۔ بوا۔۔۔ کہ آپ نے میرا اتنا خیال رکھا۔۔۔ واقعی آج کل میں بہت تکلیف میں ہوں۔۔۔“ مومنہ نے نرم لہجے میں جواب دیا۔

”اب آپ آرام کریں۔۔۔ جس چیز کی ضرورت ہوگی۔۔۔ شام پہنچا دے گی۔ ثروت بوانے کہا تو مومنہ شکر یا دعا کرتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ اس کی طبیعت کافی تسخیل گئی تھی اور اس نے دوبارہ آفس جانا شروع کر دیا تھا۔ اس کے بہت اہم پرائیکٹس پینڈنگ میں تھے۔ اس لیے اس کا آفس میں جانا اور کام کی نگرانی کرنا بہت ضروری تھا۔ دورات کو تھکا ہارا آتا تو ضرور ڈرنک کرتا۔۔۔ اور مومنہ پریشانی و مایوسی سے اسے دیکھتی رہتی۔

”اسد پلیز اب تو اسے چھوڑ دیں۔“ مومنہ نے پریشانی سے کہا۔

”اب۔۔۔؟ کیوں اب کیا ہو گیا ہے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا آپ کو نہیں معلوم۔۔۔ صرف چھ دن ہو گئے ہیں۔“ مومنہ کی آنکھوں میں نمی اتر آئی۔

”میرے ڈرنک کرنے سے اسے کیا فرق پڑے گا۔؟ مومنہ نے آہ بھر کر پوچھا۔

”پڑنا تو نہیں چاہیے۔“ اسد نے کندھے اچکاتے ہوئے جواب دیا۔

”بہت فرق پڑتا ہے۔۔۔ آپ سے وابستہ لوگ کتنے برٹ ہوتے ہیں۔۔۔ شاید آپ کو معلوم نہیں۔“ مومنہ نے مایوسی سے کہا۔

”کس کو فرق پڑا ہے؟ آپ کو؟ اسد نے مسکرا کر کہا۔

”نہیں۔۔۔ دادو۔۔۔ کو۔“ مومنہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”دہاٹ۔۔۔؟ دادو۔۔۔ کو۔؟ دادو کو کس نے بتایا۔۔۔؟ یقیناً آپ نے ہی بتایا ہوگا۔۔۔“ وہ ایک دم مشتعل ہونے لگا نہیں۔۔۔ ڈاکٹر نے

بتایا تھا۔ آپ کا ایکسیڈنٹ کی وجہ بتائی تھی۔۔۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”اسٹوپ۔۔۔ ہان پنس مین۔“ اسد قدرے چلاتے ہوئے بولا اور مومنہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”دادو۔۔۔ یہ سن کر کتنا برٹ ہوئی ہیں۔۔۔ آپ سوچ بھی نہیں سکتے۔“ مومنہ نے دھکی لہجے میں اسے بتایا۔

”آئی ڈنٹ انڈر سٹینڈ (مجھے سمجھ میں نہیں آتا) کہ اس میں برٹ ہونے والی کوئی بات ہے..... جیسا آپ نے دادو کو اس کے بارے میں ٹیکھ باتیں بتائی ہوں گی۔“ اسد نے مشکوک لہجے میں کہا۔

”کیا.....؟ کیا.....؟ کیا آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟ کیا آپ جانتے ہیں.....؟ کتا آپ کیا کہہ رہے ہیں.....؟ مونٹا یکدم غصے سے بولی۔ اسد نے منہ دوسری جانب پھیر دیا۔

”آپ مجھ پر شک کر رہے ہیں..... آج تک آپ نے مجھ پر شک نہیں کیا اور آج..... اوہ..... مائی گاڈ.....“ مونٹا اپنے سر کو پکڑ کر صوفے پر بیٹھ گئی..... اس کا سر غصے سے پھٹنے لگا..... اس کا چہرہ دایکدم سرخ ہونے لگا..... اس کی طبیعت خراب ہونے لگی اسدا یکدم گھبرا گیا۔

”آئی ایم سوری..... میرا یہ مطلب نہیں تھا۔“ اسد گھبرا کر بولا مگر مونٹا کی پی بہت ہائی ہو گیا تھا اور اس کی طبیعت بہت بگڑنے لگی تھی۔ اسد نے جلدی سے ایسیو ٹینس منگوائی اور اسے ہاسپٹل لے جایا گیا۔ ذکیہ اور مریم کو فوراً اطلاع کی گئی وہ بھی ہاسپٹل پہنچ گئیں۔ دادو اور خیرن بوا بھی ان کے ساتھ تھیں۔ اسے ICU میں لے جایا گیا۔ ڈاکٹر اور نرسیں ادھر ادھر بھاگتے رہے اور ان کی گھبراہٹ دیکھ کر اسد حریف پریشان ہونے لگا۔ اسے شدت سے اپنی غلطی کا احساس ہونے لگا۔ مونٹا کی اس حالت کا وہی ذمہ دار تھا..... ورنہ سب کچھ نارمل جا رہا تھا۔ وہ پرسکون لہجے میں باتیں کر رہی تھی اور مونٹا کی حالت اس کے چلانے اور اس پر الزام لگانے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اسے اپنی غلطی اور گناہ کا احساس شدت سے ہونے لگا۔ اس کی آنکھیں بار بار نرم ہو رہی تھیں اور وہ دل ہی دل میں خدا سے مونٹا کی زندگی کے لیے دعا مانگ کر رہا تھا۔

”مبارک ہو..... اللہ نے آپ کو بچی دی ہے۔“ ایک نرس نے اسد کے قریب آ کر کہا۔

”جی.....“ وہ خوش ہو کر بولا۔

”ہاں..... بہت کیوٹ ہے.....“ نرس مسکرائی۔

”اور..... مونٹا کیسی ہیں؟ اسد نے جلدی سے پوچھا۔

”ٹھیک ہیں..... اب ان کی حالت خطرے سے باہر ہے.....“ نرس نے کہا۔

”کیا میں ان سے مل سکتا ہوں؟ اسد نے پوچھا۔

”نہیں..... ابھی وہ ہوش میں نہیں۔“ نرس کہہ کر چلی گئی اور دادو اور ذکیہ آپا کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔

بچی لا کر دادو کی گود میں ڈالی گئی تو فرط جذبات سے ان کی آنکھوں میں آنسو آ گئے اور وہ اس پر سے ہزار ہزار کے نوٹ وار کر خیرن بوا کو پکڑا رہی ہیں۔

”خدا کرے..... یہ مونٹا جیسی ہی ہو..... نیک..... صابر..... اور قحط مزاج۔“ دادو نے بچی کا ہاتھ چوم کر اسے دعا دیتے ہوئے کہا۔

”اور اسد بھائی کی کوئی خواہیاں اس میں ہوں.....؟ مریم نے مسکرا کر شرارتی لہجے میں پوچھا۔ تو..... دادو نے اسد کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا اور خاموش ہو گئیں..... اسد ان کی نظروں سے گھبرا گیا..... اور اسے اپنے اندر شدید احساسِ ذہاں محسوس ہونے لگا۔

تقلین کی طبیعت بہت زیادہ خراب رہنے لگی تھی..... مسٹرائیڈ مسز جواد سے پاگلوں کی طرح مختلف ہسپتالوں اور ڈاکٹروں کے پاس لے کر جا رہے تھے..... اور ہر ایک کی جانب سے مایوسی کن جواب ملتا تھا..... جواد صاحب ڈاکٹر تقلین کے پاس بھی مشورے کے لیے گئے تھے۔ ڈاکٹر تقلین اور ڈاکٹر برلاس نے اپنی پوری ٹیم کے ساتھ تقلین کی تمام میڈیکل رپورٹس کا بھرپور جائزہ لیا تھا اور ان کا جواب بھی کوئی تسلی بخش نہیں تھا۔

”ڈاکٹر تقلین..... اگر میں تقلین کو امریکہ..... انگلینڈ یا کسی بھی ایسے ملک میں لے جاؤں جہاں جدیدہ طریقہ علاج، میڈیسنز یا آپریشن سے اس کی صحت بڑی ممکن ہو..... تو میں وہاں جانے کو تیار ہوں..... پلیز..... مجھے گائیڈ کیجیے..... میں اپنی بیٹی کو بچانے کے لیے کچھ بھی کرنے کو تیار ہوں۔“ جواد صاحب نے قدرے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

”سوری..... ان کا علاج کہیں بھی ممکن نہیں..... اگر ہسپتال میں (ممکن) ہوتا تو ہم خود ایسے ہسپتال سے رابطہ کرتے..... مگر.....“ ڈاکٹر تقلین نے مایوسی سے جواب دیا۔

”مگر..... کیوں.....؟ آخر کوئی توجہ بتائیے.....؟ کوئی بھی وجہ نہیں بتاتا۔“ جواد صاحب بھنبھلا کر بولے۔

”در اصل..... قدرت نے انسان کے جسم کا نظام اس قدر پیچیدہ اور حساس بنایا ہے کہ انسانی عقل و نگاہ رو جاتی ہے..... قدرت نے اس کے Digestive system (نظام ہضم) کو بہت حیران کن بنایا ہے..... یہ ایک مخصوص مقدار میں چیزوں کو ناخالص حالت میں قبول کر سکتا ہے پہلے تو یہ نظام خود ہی ان impurities (ناخالص چیزوں) کو صاف کرنے کی کوشش کرتا ہے جب وہ مقدار حد سے بڑھنے لگتی ہے تو پھر یہ بیمار ہو جاتا ہے اور جب احتیاط و علاج نہ کیا جائے تو یہ نظام Damage ہو جاتا ہے۔ تقلین نے بہت چھوٹی عمر میں ڈرنک کرنا شروع کی۔ شاید یہ آپ کے باج (علم) میں ہے یا نہیں..... پھر ان کو کسی نے روکا بھی نہیں..... اور اس کے بعد ایک انتہائی اریٹشل (غیر مختلط) کام یہ کیا کہ وہ دہسکی کے ساتھ دوسری مختلف قسم کی وائٹرنکس کر کے ڈرنک کرتی رہیں..... ان کا معدہ اور جگر پہلے ہی خراب تھا۔ ایسی مکسڈ شراب میں الکوحل کی مقدار بہت زیادہ بڑھنے سے ان کا جگر بری طرح Damage ہو گیا ہے..... اس میں کینسر پھیل چکا ہے اور اس کو remove (ختم) کرنا ناممکن ہے ڈاکٹر برلاس نے تفصیل سے انہیں بتایا۔

”کینسر.....“ جواد احمد حیرت سے چلائے۔

”اور یہ بہت زیادہ پھیل چکا ہے.....“ ڈاکٹر برلاس نے آدھ بھر کر کہا۔

”اوہ..... گاؤ.....“ جواد احمد نے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیوں کو ایک دوسرے میں جکڑتے ہوئے انہیں شدت سے دہرایا جیسے وہ اپنے اندر کی دکھی کیفیت کا اظہار کر رہے ہوں۔

”شراب ہمیشہ صحت کو برباد کرتی ہے..... جلدی بڑھ رہی..... لیکن اس کے اثرات ہمیشہ بیماری کی صورت میں ظاہر ہو کر رہتے ہیں..... نجانے کیوں لوگ اس اہم بات کو نظر انداز کر دیتے ہیں۔“ ڈاکٹر برلاس نے کہا۔

”میں کیا کروں.....؟ کیا میں ہاتھ پر ہاتھ رکھے اسے مرنا ہوا دیکھوں..... آئی کانٹ ڈوائٹ (میں یہ نہیں کر سکتا) آئی کانٹ..... آئی

کانٹ۔" جواد احمد بری طرح سسکنے لگے۔

"ہم ہر ممکن طریقے سے ان کی زندگی کو ان کی ڈیٹھ تک smooth (آسان) بنانے کی کوشش کریں گے۔"

ڈاکٹر برلاس نے ان کا کندھا چھپتاتے ہوئے کہا۔

ڈیٹھ..... ڈاکٹر آپ کیسے ڈیٹھ کی بات کر رہے ہیں؟ میری بیٹی مر جائے گی..... نو..... نو..... میں اسے مرنے نہیں دوں گا....." جواد احمد

قدرے جذباتی ہو کر چلانے لگے۔

"یہ حقیقت ہے..... تعلیم کے پاس بہت کم وقت ہے اور آپ کو یہ وقت بہت حوصلے اور صبر سے برداشت کرنا ہے اور یہ وقت یہ بہت

اذیت میں گزاریں گی۔ مگر ہم کوشش کریں گے کہ..... وہ....." ڈاکٹر تعلیم نے انہیں تسلی دینے کی کوشش کی۔

"امپائل..... میں اسے اپنی آنکھوں کے سامنے مرتا ہوا کیسے دیکھوں گا..... نہیں..... میں ایسا نہیں کر سکتا..... نور..... نور....." جواد احمد

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

"پلیز..... حوصلہ کریں..... ہم سب بے بس ہیں..... اگر کسی طرح بھی تعلیم کا علاج ممکن ہوتا تو ہم ضرور کرتے..... مگر وہ ہمارے پاس

پیارے کی آخری اسٹج میں لائی گئی ہیں..... ہم کچھ نہیں کر سکتے۔" ڈاکٹر برلاس نے انہیں محبت سے اپنے ساتھ لگا کر سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں کیسے اسے مرتا ہوا دیکھ سکوں گا..... شی ازویری میلنڈا السلیو جسیڈنڈ (وہ بہت لائق اور ذہین ہے اور) وہ پھر سسکنے لگے۔

"کاش آپ اس کی ایکٹوٹیز اینڈ ٹینش (سرگرمیوں اور حادثوں) پر نظر رکھتے تو شاید یہ سب نہ ہوتا۔"

ڈاکٹر برلاس نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"نہیں..... اس آئی فالٹ (ہاں..... یہ میری غلطی ہے) میں نے اسے اسی طرح کی لبرٹی دی تھی..... اور پھر میں اور میری وائف بھی

اس کے سامنے اکثر ڈرک کرتے تھے..... پس اسے آئی فالٹ..... فالٹ (ہاں یہ میری ہی غلطی ہے..... بہت بڑی غلطی) جواد احمد رد ہال سے

آنسو پونچھ کر انتہائی دکھ بھرے لہجے میں بولے۔

"انسان کا بھی الیہ ہے..... چیزوں کے ظاہری پہلوؤں سے متاثر ہو کر اس کی حقیقت کو جاننے کی کوشش نہیں کرتے..... ڈاکٹر تعلیم اسی

لیے میگزینز اور اخبارات میں تمام intoxicated (نشا آور) اشیاء کی برائیوں اور ان سے جنم لینے والی بیماریوں کے بارے میں لکھتے رہتے ہیں تا

کہ لوگوں کو awareness (معلومات) ہو مگر..... لوگ جان بوجھ کر حقائق کو نظر انداز کرتے ہیں اور جب ذہنی و جسمانی طور پر بالکل مفلوج اور بیمار ہو

جاتے ہیں..... تب روتے اور آنسوؤں سے کہتے ہیں "ڈاکٹر برلاس نے نرم لہجے میں کہا۔

"جواد احمد نے شرمندگی سے سر جھکا لیا..... اور آہ بھرتے ہوئے اٹھے تھینک یو میری مائے....." جواد احمد نے دونوں کے ساتھ ہاتھ ملائے

ہوئے کہا۔

"ہمت اور حوصلے سے کام لیجئے..... لائف ازویری ان سرٹن (زندگی بہت غیر یقینی ہے) کسی بھی لمحے کسی کے ساتھ کیا کچھ ہو جائے.....

کسی کو مطمئن نہیں ہوتا..... انسان کو برہات کے لیے اپنے آپ کو کافی طور پر تیار رکھنا چاہیے۔“ ڈاکٹر برلاس نے جواد احمد کا کندھا چھتھپاتے ہوئے کہا۔

”آپ لوگ بہت اچھے انسان ہیں..... دوسروں کے دکھوں کو محسوس کرنے والے..... ان کا علاج کرنے والے..... گاڈ بلیس یو آل (اللہ آپ سب پر رحم کرے)۔“ جواد احمد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”گاڈ بلیس یو۔“ (اللہ آپ پر بھی رحم کرے) ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

”جھینک یو..... ایجنڈا پلیر انکارم یو (روانف ابا ڈاٹ ٹیلیمن) (شکریہ..... اور..... پلیر اپنی بیوی کو ٹیلیمن کے بارے میں بتا دینا) جواد احمد نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین نے انتہائی حیرت سے چونک کر جواد احمد کی جانب دیکھا۔

”ہو تمہ آ رکوز فرینڈز (دونوں گہری دوشیں ہیں) جواد احمد نے ڈاکٹر ثقلین کے چہرے پر حیرت کے آثار دیکھتے ہوئے کہا۔

”آئی..... سی“ ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”او کے..... بائے..... جواد احمد دونوں سے ہاتھ ملا کر اور انہیں خدا حافظ کہہ کر باہر نکل آئے۔

”آپ کی وائف اب کیسی ہیں؟ جواد احمد کے جانے کے بعد ڈاکٹر برلاس نے ڈاکٹر ثقلین سے پوچھا۔

”شی ازا پر ونگ (وہ بہتر ہو رہی ہیں) ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

”ہائکس.....“ ڈاکٹر برلاس نے مسکرا کر جواب دیا۔

”جھینکس.....“ فار یور سپورٹ (آپ کے تعاون کا شکریہ) ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیئے۔

”علیہ میں کافی تبدیلی آگئی تھی۔ لباس کے بارے میں وہ قدرے محتاط ہو گئی تھی..... ہر لباس پہننے سے پہلے اس کے بارے میں کچھ دیر

کے لیے ضرور سوچتی اور پھر دیوار پر لگی ماں کی تصویر کی جانب دیکھتی..... ماں کے چہرے پر مسکراہٹ اسے اچھی لگتی تو وہ لباس پہن لیتی ورنہ کوئی اور

چہنٹی..... جب سے تصویر اس کے کمرے میں لگی تھی ایک عجیب سا احساس اس کے اندر پیدا ہونے لگا تھا۔ اسے ہر وقت اپنے ساتھ اپنی ماں کی

موجودگی کا احساس بہت محتاط رکھنے لگا تھا۔ کبھی وہ جان بوجھ کر نظر انداز کرنے کی کوشش بھی کرتی تو اس کے دل کے اندر کبھی اضطراب پیدا ہونے

لگتا۔ اسے کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا جیسے اس کے کمرے میں ماں کی تصویر نہ لگی ہو بلکہ وہ خود موجود ہوں اور ان کے وجود سے محبت اور پیار کی نرم گرم

شعاعیں کمرے کے ماحول کو خوشگوار بنا رہی ہوں۔ اسے زندگی کا احساس ہونے لگا..... اچانک محبت کا احساس ہونے لگا اور محبت کی اس فضا میں وہ

اپنے آپ کو قدرے پرسکون محسوس کرنے لگتی۔ برسوں سے جو اضطراب اور ڈپریشن اس کے اندر آگ بھڑکا رہا تھا اب وہ قدرے کم ہونے لگا

تھا..... ڈاکٹر ثقلین کے بارے میں بھی اس کی سوچ کچھ کچھ بدلنے لگی تھی۔ وہ ڈاکٹر ثقلین کا لایا ہوا لٹریچر پڑھنے میں مصروف تھی جب ڈاکٹر ثقلین

کمرے میں داخل ہوئے اور اسے پڑھتا دیکھ کر مسکرانے لگے۔ اس نے جلدی سے سب کچھ نوڈ کر کے سائیڈ ٹیبل کی دراڑ میں رکھ دیا۔

”کیسا لگا..... یہ لٹریچر..... اس میں ٹیبلٹ ریسیپٹ بھی ہیں جو انٹرنیشنل میگزینز میں شائع ہونے والے ہیں۔ اس میں ان کی فوٹو

سٹیٹ بھی ہے۔" ڈاکٹر تھلین نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

"میں نے ابھی پڑھے نہیں۔" اس نے قدرے لاپرواہی سے جواب دیا۔

"اوسے..... ہم ملے تو ضرور پڑھنا....." ڈاکٹر تھلین نے کہا اور ایک تنک اس کی جانب دیکھا۔ اس نے بلیو جینز کے ساتھ سیلیولس وائٹ ٹی شرٹ پہن رکھی تھی۔

"علیہ..... آپ سے ایک بات کہوں....." ڈاکٹر تھلین نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"علیہ نے ان کی جانب دیکھا اور منہ دوسری جانب پھیر دیا۔

انسان کی ڈریسنگ سے اس کی اندر کی شخصیت کا پتا چلتا ہے..... اس کی سوچ..... اور....." ڈاکٹر تھلین نے مزید کچھ کہنا چاہا۔

"آپ کیا کہنا چاہتے ہیں یہ کہ میری ڈریسنگ..... میری طرح immoral ہے..... میری کوئی ویلیو ز اور کوئی آنٹھکس (اخلاقیات) نہیں....." علیہ قدرے چلاتے ہوئے بولی۔

"آئی ندر مینٹ (میرا کبھی بھی یہ مطلب نہیں) ڈاکٹر تھلین نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں جب سے یہاں آئی ہوں۔ ہر کوئی مجھے یہ یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہے کہ مجھ سے زیادہ vulgar (بیہودہ) اس گھر میں اور کوئی نہیں۔" وہ ایک دم غصے سے مشتعل ہو کر بولی۔

"پلیز..... علیہ..... ایسی کوئی بات نہیں..... کول ڈاؤن۔ پلیز۔"

ڈاکٹر تھلین نے اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر نرمی سے کہا۔

"آئی ایم مس فٹ ہنر (میں یہاں مس فٹ ہوں) اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"نہو..... آر..... ناٹ..... ایٹ آل (تم ہرگز نہیں ہو) اور ڈاکٹر تھلین نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگایا اور وہ پہلی بار ان کے گلے لگ کر رونے لگی۔ انہوں نے محبت سے اپنا رومال نکال کر اس کے آنسو پونچھے۔

"محبت کرنے والے کسی کی آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتے۔ آئی یو سوچ (میں تم سے محبت کرتا ہوں) اور انہوں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا تو وہ بھی زیر لب مسکرا دی۔

"ڈشٹ..... یو..... آپ کی سہل (مسکراہٹ) بہت سوٹ ہے..... لایک یو (آپ کی طرح)۔" ڈاکٹر تھلین نے محبت سے کہا تو

اس نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں بے یقینی تھی۔ ایسی محبت اور ایسی پڑیرائی۔ تو آج تک کسی نے اس کی نہیں کی تھی..... جی..... سلمان..... اولیسا..... اور..... اس نے تو بالکل ہی اس کو کسی قابل نہیں سمجھا تھا اور ڈاکٹر تھلین کی اتنی پڑیرائی اس کے دل میں شکوک پیدا کرنے لگی۔

"کیا..... یہ ظاہری طور پر میرے سامنے..... ایسے الفاظ استعمال کر رہے ہیں..... مجھے خود غریبی میں جتنا کرنا چاہتے ہیں..... کہیں یہ مجھے

خوبصورت لفظوں میں الجھا کر..... مجھے خوش فہموں میں مبتلا کر کے وہی کچھ تو نہیں کرنا چاہتے جو سب نے میرے ساتھ کیا..... مجھے یہ قوف بنایا اور میں محبت کی پیاسی، محبت کی ستلاشی ان کی باتوں کے بحر میں کھو کر اپنی حقیقت بھی کھو بیٹھی..... اس نے اچانک دکھ سے سوچا..... اور ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا جو اپنے بریف کیس میں سے کچھ فائلز نکال کر دیکھ رہے تھے۔

”علینہ از ناں سنیں..... اس سے محبت تو نہیں..... البتہ قرٹ کیا جاسکتا ہے۔“ جی کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجے اور اس کی آنکھوں کے گوشوں کو کم کرنے لگے۔

”یار..... شی از اسٹوڈنٹ..... اس سے بس ایک بار آئی لو یو کو..... تو پھر جیسے چاہو انکسپلائٹ کر دو..... شی از کریزی۔“ سلمان نے جی کے ہاتھ پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔

علینہ کا دل بری طرح چلا یا اور اس کی آنکھوں میں غم پانی کی مقدار بڑھنے لگی..... اس نے گہری سانس لی۔

”علینہ..... مجھے تم سے کبھی محبت ہوئی نہیں سکتی..... البتہ ترس ضرور آتا ہے..... کہ کوئی تم سے زیادہ دیر محبت نہیں کر سکتا..... کیونکہ تم بہت cynic (چڑچڑی) اور موڈی ہو..... تم سے اچھی بات کے جواب میں اچھی نہیں البتہ انتہائی بری بات کی توقع کی جاسکتی ہے..... اینڈ یونو..... لڑکیوں کی ایسی habits (عادیں) انہیں لڑکوں میں ان پاپولر کر دیتی ہیں..... اور وہ ان کی نظر میں زیر و تن جاتی ہیں..... جیسا کہ تم.....“ (اویس کی باتیں اس کے ذہن میں گونجنے لگیں اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپ ٹپ کرنے لگے۔ ڈاکٹر ثقلین نے اپنا بریف کیس بند کر کے اچانک اس کی جانب دیکھا تو چونک گئے۔

”علینہ..... کیا ہوا..... آپ کو.....؟ آپ کیوں رو رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے بدحواس ہو کر پوچھا اور اس کے قریب بند پر بندہ کر اس کے کندھوں پر اپنا بازو رکھ کر اسے ساتھ لگایا آپ مجھ سے جھوٹ بولتے ہیں۔ سب جھوٹ بولتے ہیں سب دھوکے باز ہیں۔ محبت کے نام پر دھوکہ“ وہ ایک دم ہائپر ہو گئی اور ڈاکٹر ثقلین کا بازو غصے سے پیچھے ہٹا دیا۔ علینہ کا لہجہ قدرے ہلکا آواز تھا۔ ڈاکٹر ثقلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔

”یہ..... آپ کس لہجے میں بات کر رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین بمشکل غصے پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

”آئی تو ویل (میں خوب جانتی ہوں) یو آ رے بگ فراڈ بہت بڑا دھوکہ ہیں..... آپ“ وہ غصے سے بولی۔

”اگلے ہی لمحے ڈاکٹر ثقلین نے تراخ سے ایک تھپڑ اس کے چہرے پر مارا وہ محکم کر رہ گئی۔

”یہ تھپڑ میں نے آپ کو ہوش دلانے کے لیے مارا ہے..... نبھانے آپ کہاں گم ہیں اور کیا ناں سٹیس بول رہی ہیں..... بی ان یور سٹیز (اپنے حواسوں میں رہو)“ ڈاکٹر ثقلین نے لہجے کو نرم کرتے ہوئے اس کو سمجھایا تو وہ خاموش اور پٹٹی پٹٹی لگا ہوں سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔ اسے شوق ایسے تھپڑ کی امید تھی اور نہ ہی ایسے رویے کی۔

”آپ مجھ پر اور میری محبت پر اعتبار کیوں نہیں کرتیں؟ آپ کو کیا اندیشے اور دھوکے ہیں.....؟ کیا بات ہے کہ آپ ایک دم موڈی اور ہائپر ہو جاتی ہیں؟

آپ کے اندر کوئی تکلیفیں ہیں جیسا کہ مجھ پر اعتبار نہیں کرنے دیتیں اور آپ میرے قریب آ کر پھر دور چلی جاتی ہیں..... علیہ علیہ.....
مجھ پر اور میری محبت پر اعتبار کرو..... آئی ایم یور سپر ہیرو۔ "ڈاکٹر تھلین نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے ہادر کرانے کی کوشش کی۔

"آئی کاف ٹرسٹ (میں اعتبار نہیں کر سکتی) اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"کیوں اعتبار نہیں کر سکتی..... کیا آپ مجھ پر اعتبار نہیں کر سکتیں؟ ڈاکٹر تھلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا کسی پر بھی نہیں..... اسنے
آپ پر بھی نہیں۔" وہ آہستہ آہستہ بڑبڑانے لگی۔

ڈاکٹر تھلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ اس وقت بالکل مختلف پرنالٹی تھی۔ وہ ایک گھنٹہ پہلے والی علیہ نہیں تھی اور آدھا
گھنٹہ پہلے والی علیہ بھی نہیں تھی۔ اب وہ بالکل مختلف تھی۔ نارمل انسان سے جنونی اور جنونی سے نفسیاتی..... اس کے اندر عجائبی تھی پرنالٹی جمیع ہو
گئیں تھیں اور ڈاکٹر تھلین کے لیے یہ انتہائی غیر متوقع اور حیرت کی بات تھی۔ وہ اسے دیکھ کر گہری سوچ میں ڈوب گئے اور خاموش لگا ہوں سے مسلسل
اس کی جانب دیکھنے لگے۔ وہ غلامیں کہیں گھوڑی تھی اور اس کے ذہن میں محی، مسلمان اور اویس کی باتوں کی بازگشت..... ان کی تسخیرانہ جملے اور ان
کی طریقہ باتیں اس کے چہرے کے تاثرات کو بری طرح متاثر کر رہی تھیں۔

"آج تھلین کے والد میرے پاس آئے تھے..... تھلین بہت بیمار ہے۔" ڈاکٹر تھلین نے جان بوجھ کر اس کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا تو اس
نے چونک کر ڈاکٹر تھلین کی جانب دیکھا۔

"تھلین..... کیا ہوا تھلین کو.....؟ وہ تو بالکل ٹھیک تھی۔" علیہ نے ا یکدم چونک کر پوچھا۔

"وہ بہت بیمار ہے..... اسے liver cancer (جگر کا سرطان) ہے" ڈاکٹر تھلین نے آہستہ آہستہ بتایا۔

liver cancer وہ حیرت سے بڑبڑانے لگی..... جیسے یقین نہ آ رہا ہو..... اس کی آنکھیں حیرت سے کھلی ہوئیں تھیں۔

"ہاں..... اور..... کینسر بھی آخری اسٹیج پر ہے..... آئی مین کس بھی وقت ڈیٹھ ہو سکتی ہے۔" ڈاکٹر تھلین نے انتہائی سنجیدگی سے آہستہ

آہستہ سے بتایا۔

"ڈیٹھ.....؟ اس نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"ہاں....." ڈاکٹر تھلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"تھلین کی ڈیٹھ..... نو..... نو..... نیور..... یہ کبھی نہیں ہو سکتا یہ جھوٹ ہے..... اسے کیسے کینسر ہو سکتا ہے..... امپا سلی (ناممکن) وہ خود ہی

بڑبڑانے لگی۔

"بہت زیادہ ڈرنک کرنے سے..... اسے کینسر ہوا ہے۔" ڈاکٹر تھلین نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے کہا تو وہ حیرت سے ان کی

جانب دیکھنے لگی۔

"ڈرنک سے..... اس نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں.....“

”میں نہیں مانتی..... بہت سے لوگ ڈرنک کرتے ہیں..... سب زندہ ہیں..... سب چلتے پھرتے ہیں..... پھر..... تمہیں کیسے مر سکتی ہے..... وہ نہیں مر سکتی۔“ وہ حیرت سے بولی۔

”سب ہمارے ہوتے ہیں..... جو ڈرنک کرتے ہیں..... کسی کا مسجد، کسی کا جگر، کسی کے گردے، کسی کا دل، کسی کا دماغ اور کسی کا خون..... مگر سب ہمارے ہوتے ہیں..... چاہے وہ ہمارے نظر نہ آتے ہوں.....“ ڈاکٹر تھلین نے معنی خیز انداز میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”مگر تمہیں..... اتنی جلدی کیسے مر سکتی ہے..... ابھی تو ایم پی اے کے قاتل، انگریز امیر ہونے والے ہیں..... ابھی تو اس کی شادی بھی ہوئی ہے اور اس نے پڑھنے کے لیے امریکہ بھی جانا تھا..... اس نے تو.....“ اور ایک دم علیحدہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”پلیز..... علیحدہ..... اپنے آپ کو سنبھالیں..... اپنے آپ کو سمجھائیں ڈیڑھ..... انسان کی ساری پلاننگ میں کبھی بھی مرمت کو شامل نہیں کرتا..... اور جب موت ایک حقیقت بن کر سامنے آتی ہے تو انسان خود ہی چونک جاتا ہے..... اسے خود بھی یقین نہیں آتا..... اور دوسروں کو بھی نہیں..... مگر یہ ایک حقیقت ہے۔“ ڈاکٹر تھلین نے آدھڑک کر کہا۔

”میں کیسے یقین کروں.....؟ تمہیں میرے ساتھ باتیں کرتی تھی..... میرے ساتھ ہنسی تھی..... میرے دکھ شہز کرتی تھی..... اور..... تمہیں نہیں رہے گی..... آئی کانت ایکسیپٹ انٹ (میں یہ قبول نہیں کر سکتی) اس کے لئے تمہیں کی موت کی خبر جنہی روح فرما تھی..... اتنی ہی ناقابل قبول بھی..... چلتی پھرتی..... باتیں کرتی اس کے ساتھ ڈرنک کرتی..... پیگ بناتی تمہیں اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگی..... اس کی پر سٹائی میں چارم تھا..... اس کی باتوں میں ایک خاص اسٹائل تھا..... وہ چیزوں کو اپنے مخصوص زاویے سے دیکھتی تھی..... اس کی سوچ، اس کی باتیں اس کا دلجو سب کچھ بہت مختلف تھا اور بہت بڑے کشش تھی..... اور وہ تمہیں مر جائے گی..... اس کے بھی ڈیڈی اس سے بہت محبت کرتے ہیں..... وہ اسے کیسے مرنے دیں گے..... اور وہ بھی تو اس سے بہت محبت کرتی تھی..... کیسے اس کے بغیر رہ سکے گی۔“ علیحدہ سوچ سوچ کر رونے لگی۔

”کیا تمہیں آپ کی گلو فریڈ ہیں؟“ ڈاکٹر تھلین نے اسے تمہیں کے لیے یوں شدت سے روتے دیکھ کر پوچھا تو اس نے چونک کر ان کی جانب یوں دیکھا..... جیسے انہوں نے کوئی انتہائی عجیب اور انہونی بات پوچھ لی ہو۔

”لگتا ہے آپ کو تمہیں سے بہت محبت ہے۔“ ڈاکٹر تھلین نے پھر پوچھا تو وہ اور شدت سے رونے لگی۔ جیسے اس کے لئے یہ غم سنبھالنا نہ جا رہا ہو۔ اس کے دل کے اندر غم اور دکھ کا اک طوفان حشر برپا کر رہا ہو۔ اس کے پیٹ میں مروڑ سے اٹھنے لگے..... وہ ہچکچایاں لینے لگی۔

”پلیز..... علیحدہ اپنے آپ کو سنبھالیں..... مجھے محسوس ہو رہا ہے کہ آپ ان سے بہت محبت کرتی ہیں..... جن سے محبت کرتے ہیں..... ان کے لیے دل سے دعائیں بھی کرتے ہیں۔ ہو سکتا ہے آپ کی دعاؤں میں اثر ہو..... اور.....“ ڈاکٹر تھلین یوں ر کے جیسے اگلے جملے کی صداقت پر انہیں یقین نہ ہو..... یا کہنے سے ڈر رہے ہوں کہ کہیں علیحدہ اس پر یقین ہی نہ کر لے۔ اور اپنا ہونٹ کاٹنے لگے۔ علیحدہ روتی رہی وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دینے کی کوشش کرتے رہے۔

"دعا کریں..... سچے دل کے ساتھ..... پورے غلوں اور محبت کے ساتھ..... شاید..... کوئی معجزہ ہو جائے۔" ڈاکٹر ثقلین نے جلدی سے جملہ ادا کیا اور خاموش ہو گئے۔ علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا..... جیسے یقینی اور بے یقینی کی کیفیت میں ہو.....

"کیا معجزے دعاؤں سے وابستہ ہوتے ہیں؟ اس نے حیرت سے سوچا۔

"نہیں..... اس کی دعائیں کبھی پوری نہیں ہوتیں۔" وہ سوچ کر بھر روئے لگی۔

"ایسے نہیں کہتے" ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر سہلایا۔

"آپ دعا کریں۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھر رک گئے..... جیسے کسی ناممکن بات کے ممکنہ ہونے میں انہیں بھی شک ہو رہا ہو..... اور اگر علیہ کی

یہ دعا بھی پوری نہ ہوئی تو وہ بہت مایوس ہو جائے گی..... اور وہ اسے بھر مایوسی کے کنوئیں میں نہیں دھکیلنا چاہتے تھے۔

"علیہ سسکتی رہی اور وہ اسے دلا سے تسلیاں دیتے رہے۔

"ہم دونوں ثقلین سے ملے چلیں گے..... لیکن وعدہ کریں وہاں جا کر آپ روئیں گی نہیں..... اس طرح وہ ڈسٹرب ہو جائے گی۔ ہمیشہ

مریض کے پاس بیٹھ کر ہر امید باتیں کرنی چاہئیں۔ یا اللہ کے نبی کا بھی فرمان ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجہ میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

"پلیز..... اپنے آپ کو کمپوز کریں..... زندگی کی طرح موت کو بھی اہل حقیقت سمجھ کر قبول کریں..... اگر ہم زندہ ہیں اور سانس لے رہے

ہیں تو ہماری سانسیں رک بھی سکتی ہیں..... اور اسی کا نام موت ہے..... جب آپ اپنے آپ کو نارمل کر لیں گی اس روز ہم ثقلین کو ملے چلیں گے.....

مگر آپ کو جلدی نارمل ہونا پڑے گا کیونکہ ثقلین کے پاس شاید زیادہ وقت نہ ہو۔" ڈاکٹر ثقلین نے آہستہ آواز میں کہا تو علیہ نے پھر چونک کر ان کی

جانب دیکھا اور آنسو پھر اس کی آنکھوں سے گرنے لگے۔

"بس..... اب اور نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے اپنی انگلی کی پور سے اس کے آنسو صاف کرتے ہوئے کہا تو اس نے غم آنکھوں سے ان کی جانب

دیکھا اور سر جھکا لیا۔

"اب آپ آرام کریں..... مجھے بھی ایک اہم سائنٹسٹ تیار کرنی ہے۔" ڈاکٹر ثقلین نے اپنا بریف کیس اٹھا لے ہوئے کہا اور کمرے

سے باہر نکل گئے۔

"علیہ کی ہسٹری میں ضرور کچھ ایسے Mishaps ہوئے ہیں جنہوں نے اس کی پرنسپل کو شیڈ ڈر کے رکھ دیا ہے۔ مجھے ان کی ریویوز

(وجوہات) جاننے کی کوشش کرنی چاہیے۔" ڈاکٹر ثقلین نے کمپیوٹر پر سائنٹسٹ تیار کرتے ہوئے سوچا۔

"علیہ ساری رات بے حد مضطرب رہی۔ اسے ایک ہل بھی سکون نہیں مل رہا تھا۔ نہ نیند آ رہی تھی اور نہ ہی دل کو ٹراول رہا تھا..... ثقلین کی

باتیں..... ثقلین کی سرگوشیاں، ثقلین کی مسکراہٹیں..... ثقلین کا چٹنا بھرنا..... ایک ایک لمحہ..... ایک ایک ہل..... جو دونوں نے اکٹھے گزارا تھا۔ اس کی

آنکھوں کے سامنے گھوم رہا تھا۔ وہ جب بہت زیادہ مضطرب ہو جاتی تو بیڈ پر سے اٹھ کر بیٹھ جاتی۔ کمرے میں چکر لگانا شروع کر دیتی۔ بار بار ماں کی

تصویر کے سامنے جا کر رک جاتی اور غم آنکھوں سے تصویر کی جانب دیکھتی۔

”مما..... آپ نگین کے لیے دعا کریں..... سب کہتے ہیں آپ بہت نیک تھیں۔ آپ کی دعائیں پوری ہوتی تھیں..... لوگ آپ سے دعائیں کراتے تھے..... پلیز میری دوست کے لئے بھی دعا کریں وہ بہت اچھی ہے..... بہت اچھی..... میری ایک بی تو دوست ہے..... اور وہ بھی مر جائے گی..... میں اس کے بغیر کیسے زندہ رہوں گی۔“ اور وہ تصویر سے لپٹ کر رونے لگی..... روتے ہوئے اس نے تصویر کو بغور دیکھا اور اسے یوں لگا جیسے ماما کی آنکھوں میں بھی آنسو ہوں اور انہیں بھی نگین کے بارے میں سن کر بہت غموں میں مبتلا ہو رہا ہو۔

”مما..... آپ اس کے لئے دعا کریں گی نا.....“ اس نے روتے ہوئے تصویر کی جانب دیکھ کر سوچا۔

”ہاں..... میں ضرور دعا کروں گی۔“ اسے یوں غموں میں جھونک رہا تھا اسے دلاسا دے رہی ہوں اور وہ آہستہ آہستہ پرسکون ہونے لگی اور بستر پر آ کر بیٹھ گئی اور غصے کے ساتھ ایک لگا کر آنکھیں بند کر لیں۔

”آپ دعا کریں..... ہو سکتا ہے کہ“ نیم مد ہوشی میں ڈاکٹر نگین کی آواز کہیں سے گونجی۔

”میری دعائیں پوری نہیں ہوتیں۔“ وہ زیر لب بڑبڑاتی۔

”ہشٹ..... ایسے نہیں کہتے.....“ کہتا سے کسی نے سرگوشی کی۔

”ہاں..... کبھی پوری نہیں ہوتیں..... میں نے جب بھی دعا کی..... کبھی پوری نہیں ہوئی..... ماما کے مرنے کے بعد میں ان کے زندہ ہونے کی دعا کرتی تھی..... وہ بھی پوری نہیں ہوئی..... میں عذرت آئی کے مرنے کی دعا کرتی تھی..... وہ بھی پوری نہیں ہوئی..... میں اسد کو پانے کے لیے بہت دعا کرتی تھی..... وہ بھی پوری نہیں ہوئی..... کبھی بھی کوئی دعا پوری نہیں ہوئی..... اور نگین کے لیے بھی میری کوئی دعا پوری نہیں ہوئی۔“ اس نے بند آنکھوں سے ہی سوچا۔

”جن سے محبت کرتے ہیں..... ان کے لیے دعائیں کرتے ہیں۔“

کسی نے پھر سرگوشی کی..... اور اس نے بڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور ادھر ادھر دیکھنے لگی..... ارد گرد کوئی بھی نہیں تھا۔ یہ الفاظ کس نے کہے تھے..... ڈاکٹر نگین نے..... نگین نے جی نے، سلمین نے، کس نے.....؟ وہ گہری سوچ میں ڈوب گئی۔

”میں نگین سے بہت محبت کرتی ہوں..... بہت محبت.....“ وہ اٹھ کر بیٹھ گئی..... اور اپنی سوتی ہوئی سرخ آنکھوں سے ارد گرد دیکھنے لگی۔

”مما..... آپ دعا کر رہی ہیں نا۔“ وہ پھر تصویر کے پاس جا کر بڑبڑاتی اور تصویر کی طرف بغور دیکھتی رہی۔

”میں..... کیسے.....؟ آئی ڈونٹ ٹرسٹ ان گاڈ (مجھے خدا پر اعتبار نہیں) میں نے جب بھی اس سے کچھ مانگا..... اس نے نہیں دیا..... وہ مجھے نگین کی زندگی بھی نہیں دے گا..... آئی ایم شیور (مجھے یقین ہے) اس نے انجانی مایوسی سے سوچا۔

”جن سے محبت کرتے ہیں..... ان کے لیے دعائیں بھی کرتے ہیں۔“ آواز کی بازگشت اسے مضطرب کرنے لگی اسے مزید الجھانے لگی۔

”کیا تم اپنی بہت پیاری دوست کے لیے دعائیں کرو گی.....؟ کیا تم اس سے محبت نہیں کرتی.....؟ کیا جن سے محبت کرتے ہیں ان کے لیے دعائیں نہیں کی جاتیں“ کئی لمبی چلی آوازیں اسے پریشان کرنے لگیں۔

”وہ صوفے پر جا کر بیٹھ گئی..... اور الماری میں سے دو پنڈ نکال کر دھو کر نہ لگی۔ دھو کر تے ہوئے بھی اسے خیال نہ رہا کہ اس کا آدھا جسم تو بچ تھا۔ اس نے سیلوئس شرٹ پہن رکھی تھی۔ وہ دھو کر کے دو پنڈ اوڑھ کر صوفے پر بیٹھ گئی اور دونوں ہاتھ اٹھا کر نگین کے لیے دعا کرنے لگی۔ اس کی آنکھوں سے جھڑی سی رواں ہو گئی۔ اسے کچھ کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ نگین کے لیے کیا دعا کرے..... اس کی بیماری کے ختم ہونے کی..... اس کی ڈرنک کی عادت ختم ہونے کی یا پھر صرف اور صرف اس کی زندگی کی..... وہ سختی و بر غاموش آنکھیں بند کیے بیٹھی رہی۔

”نگین کو زندہ رہنا چاہیے..... میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں۔“ اس نے گڑ گڑا کر صرف یہ دعا کی۔

اچانک دروازہ کھلا اور ڈاکٹر فکلین اپنے کوئی ڈاکو میٹلس لینے کمرے میں آئے..... اور اس کو یوں دعا مانگنا دیکھ کر ٹھٹھکے..... اس کا حلیہ دیکھ کر چوٹے، ٹنگے بازو..... اور ڈیپ گلا..... صرف سر پر چھوٹا سا کالے رنگ کا دوپٹہ..... انہوں نے وارڈ روپ کھولی اور اس میں سے قدرے بڑا دوپٹہ نکال کر اس کے کندھوں پر پھیلا دیا۔ اس نے چونک کر آنکھیں کھولیں جیسے اس کی دعا اس کا تسلسل ٹوٹ گیا ہو۔

”ہر محفل کے آداب ہوتے ہیں..... اور اس کی محفل میں جانے کے لیے بھی محبت..... اور ادب بہت ضروری ہے۔“ ڈاکٹر فکلین نے نرم لہجہ میں کہا تو اسے ان کی بات سن کر ایک دم غصہ آ گیا اور دوپٹہ کھینچ کر دور پھینکا۔ سر پر اوڑھنا وہ پنڈ بھی اتارا اور غصہ منگھٹ آنکھوں سے ڈاکٹر فکلین کی جانب دیکھنے لگی۔

پلیئر..... غرائی ٹوانڈر شیڈ..... (پلیئر سمجھنے کی کوشش کرو) ڈاکٹر فکلین نے شائستہ لہجہ میں اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

”آل آف یو۔ آر۔“ وہ غصے سے چلاتے ہوئے بولی اور دروازہ کھول کر بیڑس پر چلی گئی۔ ڈاکٹر فکلین اس کے پیچھے جانے لگے مگر اس نے دروازے کو لاک لگا دیا ڈاکٹر فکلین پریشان ہو کر اسٹڈی روم میں چلے گئے مگر اب ان سے اسائنمنٹ کھل کر بے مشکل ہو رہا تھا وہ ساری رات مضطرب رہے۔ ایک لمحے کے لیے بھی انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔

علیہ ان کو شدید ذہنی الیت وے رہی تھی..... ایسی الیت جس کا شاید اسے خود بھی کوئی اندازہ نہیں تھا اور جسے وہ خود بھی محسوس نہیں کرتی تھی..... مگر ڈاکٹر فکلین کس قدر اپ سیٹ تھے یہ صرف وہی جانتے تھے۔

اگلے روز بیدار ہوتے ہی علیہ..... نگین سے ملنے اس کے گھر چلی گئی..... نگین ایک پرائیویٹ ہسپتال میں ایڈمرٹ تھی..... گھر پر کوئی نہیں تھا۔ سوائے ملازمین کے..... جنہوں نے اسے ہسپتال کا ایڈریس بتایا۔ وہ ہسپتال کے مطلوبہ روم میں پہنچی تو نگین کو دیکھ کر حیران رہ گئی۔ وہ بیڈ پر پڑی بالکل دکھائی نہ دے رہی تھی۔

ہڈیوں کا ڈھانچہ، نحیف و ناز جسم جو سکر کر کسی کسمن بچی کے انتہائی لاغر و چار جسم میں تبدیل ہو گیا ہو۔ اس کی سانولی رنگت جل کر سیاہ ہو چکی تھی۔ اس کو کوئی ہوش نہ تھی۔ علیہ اسے دیکھ کر رونے لگی تو اس کی می می اسے ہار لے آئیں۔

”نگین شدید تکلیف میں ہے..... ورنہ کی شدت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ اس سے برداشت نہیں ہوتی..... ابھی ڈاکٹر نے اسے انجکشن لگا کر سلا یا ہے.....“ نگین کی می نے اسے روتے ہوئے بتایا۔ علیہ بھی ان کی باتیں سن کر رو رہی تھی۔

"یہ سب کچھ..... کیسے ہو گیا.....؟ اتنی اچانک..... مجھے تو یقین ہی نہیں آ رہا۔" علیہ نے آہ بھر کر کہا۔
 "دو تین ماہ سے بیمار ہے..... پہلے اس کو ہارٹم ہوتی تھی تو وہ ہمیں بتاتی ہی نہیں تھی..... نہ جانے کیسے یہ سب ہو گیا؟ وہ افسردگی سے بولیں۔"

"ڈرنک کرنے سے یہ سب ہوا ہے..... اور اس کی ذمہ دار تم ہو..... تم نے اس پر نظر نہیں رکھی..... اور اس کو ہر بات کی اجازت دے دی۔"
 اچانک پیچھے سے جواد احمد آ کر بیوی پر چلانے لگے۔
 "جواد..... پلیز..... ڈونٹ بلیم می (مجھے الزام مت دینا)۔ یو۔ آر سپانسل ٹو (آپ بھی ذمہ دار ہیں) آپ اس کے سامنے ڈرنک کرتے تھے جب وہ ابھی فرسٹ ایئر میں تھی۔" اس کی کمی غصے سے چلاتے ہوئے بولیں۔
 "شٹ اپ....." جواد احمد بھی چلائے۔

علیہ حیرت سے دونوں کو ایک دوسرے پر چلاتے ہوئے اور الزام تراشی کرتے ہوئے دیکھ کر حیران ہوتی رہی۔
 "آج میری بیٹی کی یہ حالت تمہاری وجہ سے ہے..... دوسری ہے اور میں اس کے لیے کچھ نہیں کر سکتا ہے..... وہ تکلیف میں ہے اور میں اس کی تکلیف دور نہیں کر سکتا۔ آئی ہیٹ یو....." جواد احمد پر مشتعل ہو کر بیوی پر چلانے لگے۔
 "بی..... بیو..... پور سیلف (اپنے آپ کو سنبھالیں)۔" وہ کمرے سے کمرے کے اندر چلی گئی اور جواد احمد ديوار کے ساتھ سرکا کر سسکتے لگے اور مٹیاں سمجھ کر اس پر کے مارنے لگے۔

"پلیز..... انکل..... ڈونٹ ڈواٹ (ایسا مت کریں) نگلین کے لیے دعا کریں۔" بے ساختہ اس کے منہ سے نکلا اور وہ خود ہی چمک گئی۔
 "میری دعائیں..... اب..... اس کو نہیں بچا سکتیں۔" وہ مایوسی سے روتے ہوئے بولے تو علیہ خاموش ہو گئی..... وہ کمرے میں جا کر نگلین کو دیکھتی رہی اور روتی رہی..... کافی دیر بیٹھنے کے بعد وہ واپس آ گئی۔ اس کا دل بے حد پریشان ہو رہا تھا۔ وہ گمراہ نہیں جانا چاہتی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کا رخ بے خیالی میں اپنے ماں باپ کے گھر کی جانب موڑ دیا۔ وہ استعدا پ سیٹ تھی کہ اسے کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ وہاں کیوں جا رہی ہے..... وہ بس جاری تھی..... اور اسے خود بھی خبر نہیں تھی۔ وہ شادی کے بعد ایک بار بھی ندرت سے ملے نہیں گئی تھی اور نہ ہی ندرت اس سے کبھی ملنے آئی تھی۔ وہ شاکر علی سے اکثر فون پر بات کر لیتی تھی۔ علی بھی اس کو کبھی کبھار امریکہ سے فون کر لیا کرتا تھا۔ دونوں بہن بھائی کبھی بھی ایک دوسرے سے کسی محبت نہیں کر پائے تھے جیسی گئے بہن بھائیوں میں ہوتی ہے اور وہ ندرت تھی۔ ندرت نے بچپن سے ہی دونوں کے درمیان چھوٹے چھوٹے لڑائی جھگڑوں اور اختلافات کو اتنا طول دیتی تھی کہ وہ کبھی ہا ہم ملنے نہ پائے تھے۔ دونوں میں قاصطنے پڑتے گئے اور علی کو میٹرک کے بعد ہی ندرت نے امریکہ باپ کے پاس بھجوا دیا کہ وہ جوان ہو رہا ہے اور ندرت اس کی ذمہ دار ہاں بھائی نہیں سکتی یوں اسے امریکہ گئے ہوئے کافی سال ہو گئے تھے۔ اس کے ڈاکو میٹس بننے میں ہی پانچ چھ سال لگ گئے..... اور پھر اس کا دل واپس آنے کو بالکل نہیں چاہتا تھا۔ نہ اسے ندرت میں دلچسپی تھی اور نہ ہی علیہ میں..... وہ صرف شاکر علی کے قریب تھا اور وہ اس کے پاس ہی تھا۔

گیت کھاتا اور پورچ میں ڈاکٹر فکلین کی گاڑی کھڑی تھی۔ علیحدہ کو شدید جھٹکا لگا۔ اس کے لیے یہ بات انتہائی حیران کن تھی۔
 ”سنی اور یہاں..... اس گھر میں..... ندرت آنٹی کے پاس، اس کے دماغ میں بتیاں چلنے بچھنے لگیں۔ حیرت اور تجسس کے انتہائی جذبات اس کے اندر جنم لینے لگے۔ اس نے اپنی گاڑی کھٹی سے باہر کھڑی کی اور آہستہ آہستہ دبے قدموں سے چلتی ہوئی گھر کے اندر چلی گئی۔ گھر میں مکمل خاموشی تھی۔ اس کے چہرے پر بینہ سا آگیا۔

اچانک ڈرائنگ روم سے باتوں کی آوازیں آرہی تھیں..... ڈرائنگ روم کا دروازہ کھولا ہوا تھا، وہ کان لگا کر سننے لگی۔
 ”سنی بیٹا..... یہ تو تمہاری بہت ہے جو تم نے ابھی تک علیحدہ کو اپنے گھر میں رکھا ہے۔ ورنہ وہ تو انتہائی سرگھری، خود سر، ہندی، آوارہ اور اوباش ہے..... لڑکوں کے ساتھ اس کے چکر تھے..... آج ایک توکل دوسرا..... بس پوچھو مت..... کیا کچھ کرتی رہی ہے۔ شراب وہ پیتی ہے۔ سوکھ وہ کرتی ہے..... کون سا عیب ہے جو اس میں نہیں..... اور بے حیا لباس پہن کر جب گھومتی تھی تو میرے تن بدن میں آگ لگ جاتی تھی..... میں تو اس سے استفادہ رکھتی تھی کہ کیا تاؤں..... شکر کیا ہے..... جب سے اس گھر سے گئی ہے..... میں نے سکون کا سانس لیا ہے..... تمہاری بھی زندگی یونہی ابھرنے لگے گی..... بہتر ہے جلدی کوئی فیصلہ کرلو..... فیصلے کا مطلب ہرگز یہ نہیں ہوگا کہ میں اسے طلاق کے بعد اپنے گھر میں بٹھنے دوں گی..... سوال ہی نہیں پیدا ہوتا..... جہاں مرضی جائے مگر یہاں ہرگز نہیں..... کبھی بھی نہیں۔“ ندرت نے کہا تو علیحدہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے اور اس سے وہاں مزید رکنا محال ہو گیا۔ وہ پاؤں پٹختی ہوئی باہر نکل آئی اور اپنی گاڑی میں بیٹھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

آپ کو کس نے کہا کہ میں علیحدہ کو طلاق دوں گا..... ہرگز نہیں وہ میری بیوی ہے اور مجھے اس سے بہت محبت ہے.....“ ڈاکٹر فکلین نے ندرت کی طرف دیکھ کر قہرے مضبوط لہجے میں کہا تو ندرت پر جیسے گھڑوں پانی پڑ گیا۔

”م..... م..... میرا یہ مطلب نہیں تھا..... دراصل انیلانے مجھے بتایا اس لیے میں کہہ رہی تھی۔ اور میں کیوں چاہوں گی کہ علیحدہ کا بسا بسایا گھر اجڑے..... وہ میری سگی بیٹی نہ کسی غریبی بہن اور شوہر کی اولاد تو ہے..... میں ہرگز بھی اس کا برا نہیں چاہوں گی۔“ ندرت نے ایک دم جینتر بدلا اور اس کا لب و لہجہ یکدم بدل گیا۔ ڈاکٹر فکلین کو اپنے ارادے میں مضبوط دیکھ کر اسے اپنا آپ کزور پڑتا دکھائی دے رہا تھا۔

”انیلا بھابھی کو بھی ہمارے معاملات میں دخل دینے کا کوئی حق نہیں..... اور میں تو آپ کے پاس کسی اور مقصد کے لیے آیا ہوں۔“ ڈاکٹر فکلین نے قہرے سنجیدگی سے کہا۔

”کیا مقصد..... میں سمجھی نہیں۔“ ندرت نے بات کا رخ بدل کر اپنا لب و لہجہ شائستہ بناتے ہوئے کہا۔
 ”میں یہ جانتا چاہتا ہوں کہ علیحدہ کی شخصیت کے کئی پہلو ہیں۔ وہ کبھی ایکدم پریشان ہو کر رونا شروع کر دیتی ہے..... کبھی غصے میں آ جاتی ہے..... اور کبھی.....“ انہوں نے جملہ اوجھڑا چھوڑا اور ندرت کی جانب دیکھنے لگے۔

”ہاں..... وہ شروع سے ہی ایسی ہے۔“ ندرت نے آہستہ آواز میں کہا۔
 ”میں یہی جانتا چاہتا ہوں کہ وہ کب کیسی تھی.....؟ بچپن میں اس کی کیا عادتیں تھیں جب کالج جاتی تھی تو کیسی تھی اور یونیورسٹی میں جا کر

اس میں کیا تبدیلیاں آئیں۔ میں خود اس کا علاج کرنا چاہتا ہوں..... اس لیے آپ سے پوچھنے آیا ہوں..... کیونکہ ان سب باتوں کا جواب آپ ہی بہتر طور پر دے سکتی ہیں۔" ڈاکٹر تھلین نے قدرے نرمی سے عذرت کو کہا۔

"ہاں..... ہاں..... میں کیوں نہیں بتاؤں گی۔ اس کی علاج اور صحت بہت ضرورت ہے اور میں بھی چاہتی ہوں کہ اس کا علاج ہو۔ وہ اپنے گھر میں خوش رہے۔ کشور بھابھی کو بھی چند روز خوشی کے دیکھنے نصیب ہوں..... علیحدہ نہ بہت آپا کی وفات تک تو ایک مارل بچی تھی۔ یہ بڑی تھی اور بلی اس سے چھوٹا تھا۔ اس کی ماں سے اتنی ہی محبت تھی جتنی کہ ہر بچہ اپنی ماں سے کرتا ہے..... نہ بہت آپا کی وفات کے بعد یہ بہت بدل گئی۔ بروقت خاموش اور چپ رہتی تھی۔ جب بچے کھیلتے تو یہ کسی نہ کسی کمرے کے کونے میں چپ چاپ بیٹھی روتی رہتی۔ پھر میں نے اس کی توجہ ہٹانے کے لیے اس کو گھر کے کاموں کا جون میں لگا دیا۔ کلاس 6 میں تو یہ گھر کا ہر کام سنبھال لیتی تھی..... مگر یہ کسی سے بھی بات نہیں کرتی تھی بلی سے بھی بہت جھگڑتی رہتی تھی۔ میٹرک میں اس میں بہت تبدیلی آئی۔ یہ بہت مذہبی ہو گئی۔ سر پر بہت بڑی چادر لیتی، مگر میں بڑے بڑے دوپٹے لیتی، بہت نمازیں پڑھتی اور اکثر روزے بھی رکھ لیتی۔ رات کو بھی اکثر نمازیں پڑھتی۔ پھر کالج چلی گئی۔ بلی اسے تک یہ یونہی رہی۔ مگر جیسے ہی یونیورسٹی پہنچی اس کے رنگ و منک بدل گئے۔ اس کا طبع اس کی باتیں، اس کے کپڑے، اس کی ہر بات بدل گئی۔ میں تو اس کو بروقت حیران ہو کر رہ جاتی تھی، کہاں سر پر چادر اوڑھ کر کالج جاتی تھی اور اب دوپٹے سے دور کا بھی تعلق نہیں تھا۔ یہ وہ لباس پہنتی۔ نماز تو بھول ہی گئی۔ شراب پینے لگی۔ سونگ کرنے لگی۔ کوئی برائی تھی جو اس میں موجود تھی۔ کینٹ کا خود بھی ستیا ناس ہوا تھا۔ اس کو بھی لے ڈوبی..... یہ سہیلیاں ہی براہ کرتی ہیں۔ اس لڑکی نے طبع کو بہت بے باک اور بے حیاء بنا دیا اور نہ طبع ہرگز ایسی نہ تھی۔" عذرت اس لڑکی کو کوسنے دینے لگی۔

"کون تھی وہ.....؟ ڈاکٹر تھلین نے جان بوجھ کر پوچھا۔ تھی امیر اور مجھے ماں باپ کی بھڑی ہوئی اولاد۔" عذرت نے منہ مٹا کر کہا۔

"تھلین.....؟ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

"ہاں..... ہاں..... وہی..... علیحدہ کی ساری باتیں کی امداد دیتی ہے..... خدا اس کو عافیت کرے۔" عذرت نے جدو جادو سے کہا۔

"آئی..... چلیز..... اس کو چھوڑیں۔" ڈاکٹر تھلین نے جھنجھلا کر کہا۔

"طبع دیکھتے ہی دیکھتے بہت بدل گئی..... کسی زمانے میں بہت اچھی اور فرما تیرا ہوتی تھی۔ میری ہر بات سنتی اور نانتی تھی..... لیکن..... پھر ایسی بدل گئی کہ میری بات تو کیا مجھے دیکھنا بھی گوارا نہ کرتی..... مجھے تو خود سمجھ میں نہیں آیا..... کہ اسے کیا ہو گیا تھا۔" عذرت نے خابری طور پر تاسف کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

"آئی..... کوئی اور خاص بات..... جو آپ سمجھتی ہوں کہ علیحدہ میں تبدیلی اس کی وجہ سے بھی آ سکتی ہے۔" ڈاکٹر تھلین نے کہا تو عذرت سوچ میں پڑ گئی۔

"ہاں..... نہ بہت آپا کی وفات کے بعد علیحدہ بہت کم صدمہ رہتی تھی اور کچھ عرصہ بعد یہ بہت بیمار پڑ گئی..... ہم لوگ بہت علاج کراتے رہے مگر یہ ٹھیک نہ ہوئی۔ شاکر علی اس کو ہر روز باہر گھمانے کے لیے بھی لے کر جاتے۔ ایک روز واپسی پر شاکر علی نے علیحدہ کو ایک بہت بڑی گڑیا خرید کر

دی جو قد میں تقریباً علیحدہ جتنی تھی۔ اس وقت اس کی عمروں سال تھی محمد علی پتلی ہونے کی وجہ سے یہ چھوٹی لگتی تھی۔ گڑیا اس سے بڑی لگتی تھی۔ علیحدہ اس سے بہت محبت کرنے لگی۔ بروقت اسے اٹھائے اٹھائے بھرتی اور اکثر اس کو نہت آپا کے دوپٹے سے لپٹے رکھتی۔ اس کو اپنے ساتھ سلاتی اور اس سے باتیں کرتی۔ اکثر میں نے اور شا کر علی نے علیحدہ کو اس سے باتیں کرتے اور روتے ہوئے سنا۔ یہ ہمیشہ اسے نہت آپا کے دوپٹے اور چادریں اوڑھاتی..... دو سال بعد ہم نے گھر شفٹ کیا تو سامان میں وہ گڑیا کہیں ادھر ادھر ہو گئی۔ میں نے اور شا کر علی نے بہت تلاش کی مگر وہ نہ ملی۔ علیحدہ اس کے گم ہونے کے بعد پھر گم مہم ہو گئی۔ اس کے بعد اس نے بہت نمازیں شروع کرویں..... مجھے بعد میں پتا چلا کہ جن قاری صاحب سے یہ قرآن پاک پڑھتی تھی۔ انہوں نے اس کے ذہن میں یہ بات بٹھا دی تھی کہ جب کوئی چیز کھو جاتی ہے تو اللہ کے سامنے بہت گڑگڑا کر دعائیں کرنے سے وہ چیز مل جاتی ہے۔ یہ جب بھی قاری ہوتا یا بچا کر رو کر دعائیں کرتی۔ اس کے کچھ عرصہ بعد جب یہ کالج گئی تو آہستہ آہستہ اس نے نمازیں کم کر دیں اور بات بے بات غصے میں آنے لگی۔ بی اے تک یہ نمازیں پڑھتی تھی۔ یونیورسٹی میں جانے کے بعد تو پھر سب کچھ بدل گیا۔ علیحدہ..... پہلے والی علیحدہ نہ تھی..... "ندرت نے انتہائی مایوسی سے کہا تو ڈاکٹر تھلکین گہری سوچ میں ڈوب گئے۔

"جینک یویری بچ آئی..... اگر مجھے اور کسی سہیلپ کی ضرورت ہوگی تو میں آپ سے رابطہ کروں گا۔" ڈاکٹر تھلکین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں..... میں تو چاہتی ہوں کہ اس کا گھر بسا رہے..... بس ایتلا کے منہ سے سنی ہوئی بات میں نے تم کو بتا دی۔ میرا اس میں کوئی قصور نہیں۔" ندرت نے اپنے بارے میں تمام شکوک رفع کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔

"شکریہ" ڈاکٹر تھلکین نے اٹھتے ہوئے کہا اور اجازت لے کر آ گئے..... وہاں سے وہ اپنے ہاسٹل چلے گئے..... علیحدہ کے بارے میں بہت سی معلومات کو انہوں نے ایک فائل میں لکھا تھا تا کہ اس کی کیس ہسٹری کا ہر زاویہ سے مطالعہ کریں۔

علیحدہ کا دماغ غصے سے پھٹ رہا تھا..... اسے یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس کا شوہر..... جو اس سے محبت کے دعوے کرتا تھا۔ اس کو متائے بغیر اس کی اس ماں سے ملنے جاتا ہے جو کبھی بھی اس کی خیر خواہ نہیں رہی تھی۔ جس نے ہمیشہ اس کے ساتھ زیادتیوں کیس تھیں..... جس نے اس کی ماں کی جگہ لینے کی کوشش کی تھی اور اس کے باپ کو اتار غلا یا تھا کہ وہ اس کی ماں کو چھوڑنے کے لیے تیار ہو گیا تھا اور وہ یہ صدمہ برداشت نہ کر سکی اور اس غم کا بوجھ لیے دنیا سے چلی گئی..... ماں کے بعد اس کی زندگی کو لمحہ پہ لمحہ اذیت میں تبدیل کرنے والی ماں اب اس کے شوہر کو درغلا رہی تھی۔ علیحدہ کو طلاق دینے کو کہہ رہی تھی۔ اس نے اس کی ماں کی زندگی کو بھی عذاب بنائے رکھا اور اب اس کو بھی بے گھر کرنا چاہ رہی تھی۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اور سنی..... اس کی باتوں میں آ گیا تھا..... خاموشی سے سب کچھ سن رہا تھا..... اس کا مطلب ہے اس کے بھی یہی ارادے ہیں وہ اسے چھوڑنا چاہتا ہے..... طلاق دینا چاہتا ہے اور ظاہری طور پر اس سے محبت جتنا تا ہے..... کہتا ہے اس نے اس کے علاوہ کسی سے محبت نہیں کی۔ اتنا بڑا دھوکہ..... اتنا بڑا فراڈ اتنا جھوٹ..... اتنا فریب..... ہر کوئی اس کے ساتھ یونہی کیوں کرتا ہے۔ وہ آہستہ آہستہ ڈاکٹر تھلکین پر اعتبار کرنے لگی تھی..... اور اس کے ساتھ یہی ہوتا آیا تھا..... وہ جس کی طرف بھی پازیتو ہو کر قدم بڑھاتی..... وہی اس کے قدموں تلے سے زمین کھینچنے کی کوشش کرتا۔ وہی اس کو ایسا دھوکہ دیتا کہ پھر اس سے سنبھال مشکل ہو جاتا..... ڈاکٹر تھلکین نے اسے اپنے اور اس کے درمیان رشتے پر اعتبار کرنے کو کہا تھا..... اسے کتنا یقین دلایا تھا کہ وہ اپنے شوہر

پر اعتبار کرے۔۔۔۔۔ ان کے رشتے پر یقین کرے۔۔۔۔۔ اور اب دور رشتہ بھی اسے دھوکا دے گیا تھا۔ اس کا اسیاد کرہی کسہی ہو گیا تھا۔۔۔۔۔ اس کا یقین ہوا میں کہیں گم ہو گیا تھا۔ وہ اس بار پہلے سے بھی زیادہ ڈوٹی تھی۔۔۔۔۔ پہلے جس نے بھی اس کا دل توڑا تھا۔ اس سے اس کا کوئی رشتہ نہ تھا۔۔۔۔۔ اور اب کی بار قریبی رشتے نے بھی اس کے ساتھ وی کیا تھا۔ جو دوسرے لوگ کرتے آئے تھے۔

”آئی ایم اے بگ فول (میں بہت بڑی بے وقوف ہوں) کو ہمارا پنے سر کے ہال لوچتی۔ اس کی آنکھیں دوردور سرخ ہو رہی تھیں۔ اس کا سر اس قدر دھکے لگا تھا کہ اس سے آنکھیں کھلنا مشکل ہو رہا تھا۔ اس نے اٹھ کر دسکی کا پیگ بنایا اور گلاس پڑ کر ماں کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

”آج آپ مجھے پینے سے نہیں روک سکتیں۔۔۔۔۔“ اور اس نے گلاس منہ کے ساتھ لگا کر آنکھیں بند کر لیں تاکہ ماں کی تصویر کو نہ دیکھ سکے

پیگ ختم کرنے کے بعد اس نے ماں کی تصویر کی جانب دیکھا تو اسے یوں لگا جیسے فریم میں سے تصویر غائب ہو وہ ایک دم گھبرا گئی۔

انتہائی سراسیمگی کے عالم میں تصویر پر ہاتھ بھرنے لگی۔

”مم۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ مم۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ کہاں چلی گئی ہیں؟“

”ابھی۔۔۔۔۔ تو ادھر ہی تھیں۔۔۔۔۔ ادھر۔۔۔۔۔ یہاں۔۔۔۔۔ فریم میں۔۔۔۔۔ دیوار کے ساتھ۔۔۔۔۔ اب کہاں۔۔۔۔۔؟ وہ ہونٹوں کی طرح ساری دیواروں کے قریب جا کر ان پر ہاتھ بھرنے لگی۔۔۔۔۔ اور ہر دیوار کو خالی پا کر گھبرانے لگی۔ اس کے چہرے پر انتہائی گھبراہٹ اور خوف کے آثار تھے۔ وہ مایوسی سے پھر فریم کے پاس آ گئی اور اسے فریم خالی نظر آنے لگا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”مم۔۔۔۔۔ پھر چلی گئیں۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ مجھے چھوڑ کر۔“ وہ کارپٹ پر بیٹھ گئی اور ہنٹوں پر سر رکھ کر شدت سے رونے لگی۔ اس کے ہال بکھرے ہوئے تھے۔ آنکھیں ڈرک کرنے اور رونے سے سرخ ہو رہی تھیں۔ وہ کتنی ہی دیر اس حالت میں بیٹھی رہی۔۔۔۔۔ اسے وقت گزرنے کا بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا۔

”دروازہ کھلا اور ڈاکٹر ٹھلین کمرے میں داخل ہوئے۔ کمرے میں بہت اندھیرا ہو رہا تھا۔ رات کے بارہ بج رہے تھے اور وہ آج ہسپتال میں بہت معروف رہے تھے۔۔۔۔۔ اس لیے تھوڑی دیر پہلے وہ گھر آئے تھے۔ کمرے میں چھائی تاریکی نے انہیں پریشان کر دیا۔ انہوں نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی تو دیکھ کر حیران رہ گئے۔ علیحدہ کارپٹ پر ہنٹوں پر سر رکھے بیٹھی تھی۔ اسے بالکل بھی احساس نہیں ہوا تھا کہ کوئی اس کے کمرے میں آیا تھا۔ وہ اس کے قریب ہنٹوں کے محل بیٹھ گئے اور بہت نرمی سے اس کے کندھے کو پکڑ کر بلایا۔

”علیحدہ۔۔۔۔۔ آپ۔۔۔۔۔ یہاں کیوں بیٹھی ہیں؟ ڈاکٹر ٹھلین نے محبت سے پوچھا اس نے سر اٹھا کر غور اور نگاہوں سے ان کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھیں مسلسل رونے سے سرخ اور کھار ہو رہی تھیں۔ اس نے غصے سے ڈاکٹر ٹھلین کی جانب دیکھا۔

”ک۔۔۔۔۔ کیا ہوا آپ کو؟ ڈاکٹر ٹھلین نے انتہائی حیرت سے پوچھا اور اس کے کندھے پر اپنے ہاتھ کی گرفت مضبوط کی اس نے غصے سے ان کا ہاتھ پیچھے جھک کر اپنا کندھا چھو لیا اور لڑکھڑاتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی۔

”آ۔۔۔۔۔ آپ نے پھر ڈرک۔۔۔۔۔ ڈاکٹر ٹھلین نے انتہائی حیرت اور مایوسی سے پوچھا۔

"ہاں..... لی ہے..... کسی کو دھوکا تو نہیں دیا..... کسی کے ساتھ فراڈ تو نہیں کیا..... کسی کو....." اور وہ سسکتے لگی۔

"کس نے..... کس کو دھوکا دیا ہے..... یہ آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں؟ ڈاکٹر تھلکین نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"آپ نے..... آپ دھوکے باز ہیں..... جھوٹے ہیں اور فراڈ ہیں۔" وہ غصے سے چلائے لگی۔

"شٹ اپ..... علیحدہ۔" ڈاکٹر تھلکین غصے سے چلائے۔

"یو..... شٹ اپ۔" وہ بھی ویسے ہی چلائی۔

"آئی دل....." ڈاکٹر تھلکین غصے سے کہتے کہتے رکے۔

"آئی..... لو..... ویل..... یوں ڈائریورس کی (میں جانتی ہوں آپ مجھے طلاق دے دیں گے) وہ غصے سے بولی تو ڈاکٹر تھلکین نے غصے سے اس کی جانب دیکھا اور بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے اسٹڈی روم میں چلے گئے۔ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے شروع ہو گئی۔ اسے محرومت کی باتوں پر یقین آنے لگا..... جو اس نے خود اپنے کالوں سے سنی تھیں۔

"ڈاکٹر تھلکین کے لیے اس کا رویہ ناقابل برداشت تھا۔ وہ اسٹڈی روم بائیر بھی ہو سکتی ہے کہ اسے نہ کسی رشتے کا لحاظ رہتا ہے اور نہ ہی کسی کی عزت کا..... وہ اس کے بارے میں کتابتاً پازینو سوچ کر آئے تھے اور اس کے ٹرینٹ کے بارے میں مکمل پلاننگ کر کے آئے تھے اور انہیں اس کے ٹھیک ہونے کا پورا یقین بھی ہو گیا تھا لیکن وہ ایک بار پھر زیرو پر آ گئی تھی۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ جذباتی اور مشتعل ہو گئی تھی۔ ڈاکٹر تھلکین کو اس کے رویے سے بے حد ناامنی اور ڈپریشن ہو رہا تھا۔ انہیں یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے ان کی ساری محنت اکارت گئی ہو..... اور اس محنت کے ساتھ ساتھ جو امید کے دیے روشن ہوئے تھے وہ بھی ایک دم بجھ گئے تھے۔ وہ اسٹڈی روم میں کپیٹر کے سامنے بیٹھے تھے مگر ان کا ذہن بری طرح منتشر ہو گیا تھا۔ کوئی سوچ بھی پازینو نہیں رہی تھی اور نہ ہی ایک دھارے میں بہہ رہی تھی۔ بہت سی منتشر نوٹی، بکھری، سوچیں ان کے ذہن کو شدید ڈسٹرب کرنے لگیں تھیں..... وہ آج یوں بکھرے تھے جس طرح شادی کی پہلی رات بکھرے تھے۔ بہت ٹوٹے تھے، بہت شکست ہوئے تھے۔ جب بھی زندگی بہت الجھی ہوئی اور منتشر دکھائی دی تھی اور آج بھی ویسے ہی نظر آ رہی تھی۔ ان کی شادی کو صرف چھ ماہ ہوئے تھے اور ان چھ مہینوں کا ایک ایک لمحہ انتہائی اذیت سے بڑھا تھا۔ بہت صبر آزما اور کٹھن تھا..... انہوں نے آہ بھری اور کپیٹر آف کیا..... مضطرب ہو کر پھر اسے آن کیا..... بار بار یہی عمل دہراتے رہے اور پھر جھنجھلا کر کپیٹر آف کر کے ساری لائیں آف کر دیں اور اندھیرے میں سگریٹ جلا کر اس کے گہرے کش لگانے لگے۔ جھنجھلا کر اسے بھی الٹش ٹرے میں مردوڑ دیا۔ پھر لائٹ آن کی..... کپیٹر آن کیا اور اس کے سامنے بیٹھ گئے۔ کرسی کی پشت سے سرٹکا کر بیٹھ گئے اور غم آنکھوں سے اسٹڈی روم کی چھت کو گھورنے لگے اور پھر آنکھیں بند کر کے سونے کی ناکام کوشش کرنے لگے۔

کچھ روز پہلے علیحدہ کے لباس میں جو شب تہہیلی رونما ہوئی تھی اس سے کشور قدرے پراسید ہو گئی تھی کہ وہ راہ راست پر آ جائے گی مگر پھر اس نے ناہنس، کپیریز، سیلیولس بلاؤڈ منی ٹرنس پینا شروع کر دیں تھیں بلکہ اب تو لباس پہلے سے بھی زیادہ پییدہ ہو گیا تھا اور کشور کو اس پر اتنا غصہ تھا کہ اس کا بس نہیں چلتا تھا وہ اسے ایسے لباس پہننے پر تھپڑ لگاتی وہ اندر ہی اندر بیچ دتا تھا کہ اتنی رہتی..... ناظر علی کے سمجھانے پر وہ خاموش ہو جاتی۔

”صرف ایک دو ماہ کی بات ہے..... پھر سنی خود ہی فیصلہ کر لے گا۔ ہمیں اس میں الٹا ہونے کی ضرورت نہیں۔“ ناظر علی کے سمجھانے پر وہ چپ ہو جاتی مگر اندر ہی اندر کڑھتی رہتی۔

”علیہ ایک شاہجگ سنٹر میں اکیلی محوم رہی تھی۔ اس نے بلیک کپور بڑ کے ساتھ بلیک مگر انتہائی مٹی بلاؤز پہن رکھا تھا۔ بالوں کی چھوٹی سی پونی بنا رکھی تھی۔ ایک لمبے بالوں والا، انتہائی کریمہ شخص کا لڑکا اس کے پاس سے گزرا اور اسے دیکھ کر چلا۔

”ہائے..... علیہ..... یو۔“ لڑکے نے چونک کر کہا۔

”جی..... یو.....“ علیہ کے چہرے پر انتہائی حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

”ہائے..... سوئی..... کیسی ہو.....؟“ اور..... تم کہاں چلی گئی..... یو..... لڑکے نے مسٹر یو ٹیج..... تمہیں کوئی کٹ کرنے کی بھی کوشش کی۔ بٹ یور نمبر وائز چھوڑ (لیکن تمہارا نمبر بدل گیا تھا) جی انتہائی پر جوش انداز میں اپنے بالوں اور ہاتھوں کو ہلا ہلا کر بولا۔

”آئی ایم فیلنگ سوچی ٹوسی یو ہیر (میں بھی تمہیں یہاں دیکھ کر بہت خوش ہو رہی ہوں) بھلیے نے بھی خوش ہو کر کہا۔

”اوکے..... گوی..... یوز نمبر فرسٹ (تھینک ہے..... پہلے مجھے اپنا نمبر دو) جی نے اپنا موبائل نکالا اور علیہ نے اس کو اپنا نمبر لکھوا دیا۔

”آئی ایم ان ہری (میں جلدی میں ہوں) آئی دل کال یو..... (میں تمہیں فون کروں گا) اوکے فیک کیئر سوئی۔“ اس نے انتہائی بیہودہ انداز سے اس کے گال کو چھوتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دی اور آگے چلی گئی۔

ڈاکٹر تھلین کو چند روز بعد ایک انٹرنیشنل ورکشاپ کے سلسلے میں انگلینڈ جانا تھا جو خصوصی طور پر نفسیات کے عادی افراد کے جدید طریقہ علاج اور مختلف قسم کی سائیکو تھراپی کے متعلق تھی۔ ورکشاپ کے بعد ایک کانفرنس میں انہوں نے شرکت کرنی تھی۔ وہ دن رات اپنی ریسرچ رپورٹس لکھنے میں مصروف تھے۔ رات گئے تک وہ کپہیڑ پر کام کرتے رہے اور صبح فجر کی نماز پڑھ کر کچھ دیر کے لیے آرام کرتے اور دس گیارہ بجے وہ ہاسٹل چلے جاتے۔ جب ہاسٹل جاتے تو علیہ سورہی ہوتی۔ جب واپس آتے تو تب بھی وہ سورہی ہوتی تھی۔ کئی روز ہو گئے تھے اس سے ملاقات ہوئے اور اس روز کے جھگڑے کے بعد تو ویسے ہی ان کا دل اس سے ٹھکر ہو گیا تھا۔ پہلے وہ تمام باتوں کو نظر انداز کر کے اس کے ساتھ محبت سے پیش آتے تھے اور اب اس روز کی تلخ گفتگو کے بعد ان کے دل میں اس کے لیے لطیف احساس قدرے کم ہو گیا تھا۔ وہ بھی اس سے لاتعلقی رہنے لگے تھے۔ وہ ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھے ناشتہ کر رہے تھے۔

”جب کشور من پھلائے ان کے پاس بیٹھی تھی۔ عزا اور عمانہ کے ساتھ ٹل کر ان کے لیے ناشتہ لگانے میں مصروف تھی۔

”سنی..... آج کل تم بہت مصروف رہنے لگے ہو..... یہ مصروفیت کب تک چلے گی۔“ کشور نے قدرے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں..... بس اگلے ماہ..... انگلینڈ میں ایک کانفرنس ہو رہی ہے..... اس کے بعد۔“ ڈاکٹر تھلین نے چائے پیتے ہوئے کہا۔

”علیہ کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے.....؟ کشور نے نظریں چراتے ہوئے پوچھا۔

”اب کانفرنس کے بعد ہی کچھ سوچوں گا۔“ ڈاکٹر تھلین نے شکستہ لہجے میں جواب دیا۔ آج وہ پہلے کی طرح پر امید نہیں تھیں اور نہ ہی آواز

میں اطمینان اور خوشی تھی۔

”کیا تم اس لڑکے کو جانتے ہو..... جس کے ساتھ علیہ آج کل محوم پھر رہی ہے۔“ کشور نے خشک لبوں پر ہار بار زبان پھیرتے ہوئے کہا۔
”کون لڑکا.....؟ ڈاکٹر فکلین نے چونک کر کپ منہ سے ہٹایا اور وہاں نمل پر رکھ کر ماں کی طرف بغور دیکھنے لگے۔

”معلوم نہیں..... کون ہے..... مگر شکل سے ہی انتہائی آوارہ سا لگتا ہے اس لڑکی کو تو ہماری عزت کی ذرا سی بھی پرواہ نہیں..... ہمارے خاندان کی بہو بیٹیاں، انتہائی شریف مذہبی اور باپردہ لگتی جاتی ہیں اور اس ایک لڑکی نے سب کی نیک نامی کو مشکوک کر دیا ہے..... کیا کروں؟ نجانے کس گناہ کی سزا ملی ہے.....“ کشور بڑبڑانے لگی اور ڈاکٹر فکلین کا دل ایک دم ڈوبنے لگا۔ انہیں اس بات کی قطعی توقع نہ تھی کہ علیہ اس حد تک بھی جا سکتی ہے۔ ان کے پورے خاندان میں کسی بھی لڑکی کی ایسی دوستیاں نہ تھیں..... اور وہ سرعام، سسرال میں نجانے کس لڑکے کے ساتھ گھومتی تھی۔
ڈاکٹر فکلین کا پارہ غصے سے ہائی ہونے لگا۔ وہ غصے میں کرسی سے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”علیہ کب سے اس لڑکے کے ساتھ محوم پھر رہی ہے؟ ڈاکٹر فکلین نے غصے سے پوچھا۔

”کئی روز ہو گئے ہیں..... میں تو سمجھی کہ تمہیں سب معلوم ہو گا..... لیکن سنی بتائے دیتی ہوں..... اب میں اسے نہیں رکھنے کی..... وہ لڑکا دندناتا ہوا آتا ہے۔ گاڑی میں ہارن دیتا ہے اور علیہ اس کے ساتھ بیٹھ کر چلی جاتی ہے..... اور آج کل لباس تو ایسے پہنتی رہی ہے کہ تمہارے پاپا کو بھی شرم آ جاتی ہے..... ہم تو صرف تمہاری خاطر خاموش ہیں۔ ورنہ میں اسے ایسے تھپڑ لگاتی اسے سب کچھ بھول جاتا۔“ کشور نے غصے سے کہا۔
”نہیں آپ سے کچھ مت کہیے گا۔ ورنہ بات خاندان میں پھیل جائے گی اور خواہ مخواہ تمہیں بدھیں گی۔ مجھے اب کوئی نہ کوئی فیصلہ کرنا ہو گا اور یہ فیصلہ کانفرنس سے آنے کے بعد ہی ہو گا۔“

ڈاکٹر فکلین نے انتہائی سنجیدگی سے کہا اور ہاسپٹل چلے گئے۔

علیہ واٹس روم میں تھی اور اس کا موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ ڈاکٹر فکلین اسٹڈی میں کپیڈر پر اپنا کام کرنے میں مصروف تھے۔ رات کا ایک بج رہا تھا..... اور موبائل کی بیل نے ہر جانب شور مچا رکھا تھا۔ ڈاکٹر فکلین نے کچھ دیر انتظار کیا پھر اٹھ کر بیڈ روم میں گئے۔ علیہ کمرے میں نہیں تھی۔ انہوں نے موبائل پکڑ کر نمبر دیکھا چاہا تو اس پر جی، نظر آیا ڈاکٹر فکلین نے کچھ دیر انتظار کیا اور پس کہا۔ موبائل فوراً بند ہو گیا علیہ واٹس روم سے باہر نکلی اور ڈاکٹر فکلین کے ہاتھ میں اپنا موبائل دیکھ کر چوکی اور غصے سے موبائل چھین کر کالٹر چپک کرنے لگی۔

”ہائے..... جی..... یو کالڈی..... سوری آئی واٹس بڑی“ (جی تم نے مجھے کال کیا۔ میں مصروف تھی) علیہ نے اپنے لیے کو قدرے خوشگوار بناتے ہوئے کہا اور وہ کان لگائے اس سے باتیں کرتی رہی۔

”اوہ..... جسٹ لیواٹ..... (پھوڑا اسے) ڈونٹ وری (فکر نہیں کرو) اوکے شیور..... کل لچ اکٹھے کریں گے۔ ہائے علیہ نے سکرانے ہوئے موبائل بند کر دیا۔

”نہیں ہے یہ..... جس کو اتنی تیز نہیں..... کہ“ ڈاکٹر فکلین نے غصے سے کہا۔

"ہی از مائی۔ ٹریڈ جی" وہ الفاظ چاچا کر بولی۔

"علیہ..... بی ان پورٹس (اپنے آپ میں رہو) ڈاکٹر تھلین نے غصے سے کہا۔

"آئی ایم۔ (میں کیوں) وہ پھر الفاظ پر زور دیتے ہوئے بولی۔

"یو۔ آر کراسنگ دیم۔" ڈاکٹر تھلین نے..... تنگی سے کہا۔ سو۔ واٹ..... اس نے غصے سے جواب دیا۔

"یو۔ آر۔ اے۔ میریڈ ویمن..... ڈویو (تم شادی شدہ عورت ہو..... کیا تم جانتی ہو)؟ ڈاکٹر تھلین نے غصے سے کہا۔

"اود..... ریکل..... آئی ڈونٹ نو" (واقعی..... میں تو نہیں جانتی تھی) علیہ طرہ ہیسی سے بولی۔

"علیہ..... پلیز۔" ڈاکٹر تھلین اپنے غصے کو دباتے ہوئے بولے۔

"آئی کانٹ چیٹ اینی دن..... (میں کسی کو دھوکا نہیں دے سکتی) بہت سے لوگوں کی طرح۔" وہ غصے سے بولی۔

"کون..... کس کو دھوکا دے رہا ہے.....؟ ڈاکٹر تھلین نے حیرت سے پوچھا۔

"یو۔ آر۔ چیٹنگ (آپ دھوکہ دے رہے ہیں) کو دچلائی۔

"شٹ اپ۔" ڈاکٹر تھلین بھی چلائے۔

"یو۔ شٹ اپ۔" علیہ پھر چلائی۔

"ڈاکٹر تھلین نے غصے سے اسے بیز پر دھکا دیا۔

"اب میں آپ کو طلاق دے کر ہی رہوں گا..... جسٹ ویٹ کل میں انگریز جا رہا ہوں..... واپس آ کر آپ کا مسئلہ میٹ کے لیے ختم کر دوں گا..... لیکن تب تک آپ گھر سے باہر نہیں جائیں گی اور کسی سے نہیں ملیں گی۔" ڈاکٹر تھلین نے غصے سے اس کے اوپر جھک کر دھمکی کے انداز میں کہا اور غصے سے کمرے سے باہر نکل گئے۔

"آئی ڈونٹ کیئر....." علیہ بن کے جانے کے بعد بڑبڑائی اور غصے سے اسٹڈی روم کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی۔

☆

کاشف شام کو گھر لوٹا تو اس کے ہاتھ میں کھانے پینے کی چیزوں کے لفافے تھے۔ زاہدہ انہیں دیکھ کر خوش ہو گئی۔ اور اس کے منہ میں پانی

بھرنے لگا۔

"ماشا اللہ..... ماشا اللہ..... لگتا ہے..... آج تنخواہ مل گئی ہے۔" شکر ہے پروردگار کا..... پھر سے گھر میں برکتیں آرہی ہیں....."

زاہدہ نے چھت کی طرف دیکھ کر شکر ادا کرتے ہوئے کہا تو کاشف اس کی بات سن کر خاموش ہو گیا۔ اس کے چہرے پر سنجیدگی کے

تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ پہلے جب بھی وہ چیزیں لاتا تھا اور زاہدہ خوشی سے اس کا استقبال کرتی تھی تو اس کا حوصلہ اور ہمت بڑھنے لگتی تھی۔ وہ

عجیب سی خوشی اور سرشاری اپنے اندر محسوس کرتا تھا۔ اسے یوں محسوس ہوتا تھا کہ ماں کی دعاؤں سے اس کی روزی میں برکت پیدا ہو گئی مگر جب سے

اس نے معطلی کے بعد دوبارہ نوکری شروع کی تھی۔ اس کے دل و دماغ پر اک بوجھ سارہتا تھا۔ زاہدہ اسے دعائیں دیتی تھی تو اسے وہ دعائیں کم بدوعائیں زیادہ محسوس ہوتیں تھیں۔ کھانے پینے کی چیزوں میں بالکل حیرانہ آتا تھا زاہدہ کے اصرار پر وہ کچھ کھانے کی کوشش کرتا تو جلدی ہی ہاتھ کھینچ لیتا۔ وہ کھانا پیتا اسے ذہری مانند لگتا اس کے اندر عجیب سی کیفیت پیدا ہونے لگی تھی۔ کسی شدید احساسِ زباں کا احساس ہونے لگا تھا۔ کوئی گناہ۔۔۔۔۔ کوئی جرم۔۔۔۔۔ کوئی قصور کوئی غلطی۔۔۔۔۔ یا پھر کوئی بچھتاوا۔۔۔۔۔ مگر جو کچھ بھی تھا۔ اسے اندر ہی اندر مضطرب رکھتا۔

”لے تو بھی کھا۔۔۔۔۔ چرغہ تو تجھے بڑا پسند ہے نا۔۔۔۔۔ کھانا کیوں نہیں دیکھ۔۔۔۔۔ اگر تو نہیں کھائے گا نا۔۔۔۔۔ تو پھر میں سارا کھا جاؤں گی۔۔۔۔۔ پھر مجھے مت کچھ کہنا۔“ زاہدہ نے بے ہنگم قہقہہ لگاتے ہوئے کہا۔

”اہاں۔۔۔۔۔ کھالے۔۔۔۔۔ کھالے۔۔۔۔۔ تیرے لیے ہی تو لایا ہوں۔“ اس نے آدھ بھر کر بخیدگی سے جواب دیا۔

”وہ تو میں کھا ہی لوں گی۔۔۔۔۔ پھر تیری شکل پر بارہ کیوں بخ رہے ہیں۔۔۔۔۔ پھر تجھے وہ یاد آ رہی ہوگی۔۔۔۔۔ بھوکی نکلی۔“ زاہدہ نے غصے سے کہا۔

”اہاں۔۔۔۔۔ کبھی اس کا ذکر چھوڑ بھی دیا کر۔۔۔۔۔ وہ تجھے اتنا یاد نہیں کرتی ہوگی۔ جتنا تو اسے یاد کرتی رہتی ہے۔“ کاشف نے منہ بنا کر کہا۔

”کیہتا کروں۔۔۔۔۔ ایک سال میں میرے گھر کا سارا محتہ الٹ کر چلی گئی۔ اور تو کہہ رہا ہے میں ذکر بھی نہ کروں۔ ایسا تو کبھی نہیں ہو گا۔“ چل اٹھ۔۔۔۔۔ میرا سوڈا خراب کر۔۔۔۔۔ اور قصور اس کا کھالے۔۔۔۔۔ مصالحوں کی خوشبو کتنی اچھی ہے نا۔۔۔۔۔“ زاہدہ نے منہ میں پانی بھر کر کہا تو کاشف نے ایک ٹک ہاں کی جانب دیکھا اور گھر سے باہر نکل گیا۔ زاہدہ نے منہ بنا کر اسے دیکھا۔

”بد نصیب۔۔۔۔۔ رزق کو چھوڑ کر چلا گیا۔ جاتا ہے تو جائے۔۔۔۔۔ میں تو کھاؤں۔“ زاہدہ مرے لے لے کر کھانے لگی۔

شام ہو رہی تھی۔ منی اور رشیدہ ابھی تک گھر نہیں لوٹی تھیں سدرہ بچوں کو نشیون پڑھانے میں مصروف تھی۔ جب دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے ایک بچے کو دروازہ کھولنے کے لیے بھیجا۔ تھوڑی دیر بعد کاشف اندر آ گیا۔ سدرہ اسے دیکھ کر چوٹک گئی۔

آپ۔۔۔۔۔؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کیسی ہو۔۔۔۔۔؟ کاشف نے اس کی طرف بھرپور نگاہوں سے دیکھا۔

”ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”ذیشان کہاں ہے۔۔۔۔۔؟ میرا دل اس کے بغیر بہت اداں ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ آج اپنے آپ کو نہیں روک سکا۔“ کاشف نے عجیبہ لہجے میں کہا اور سدرہ کی جانب دیکھنے لگا۔

”آپ باہر آ جائیے۔۔۔۔۔ یہاں بچے پڑھ رہے ہیں۔“ اس نے ارد گرد زمین پر بیٹھے بچوں پر نگاہ ڈالتے ہوئے کہا تو کاشف باہر برآمدے میں آ گیا۔ سدرہ نے ہچکھا لگایا۔

”جائے لاؤں۔۔۔۔۔“ سدرہ نے پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ ذیشان کہاں ہے؟ کاشف نے دوبارہ پوچھا تو سدرہ دوسرے کمرے میں چلی گئی اور سوئے ہوئے ذیشان کو اٹھا لائی اور لا کر

کاشف کی گود میں ڈال دیا۔ وہ پہلے کی طرح ہی نحیف و لاغر اور بیمار دکھائی دے رہا تھا۔

اس کی طبیعت تو ٹھیک ہے نا..... رحمت کتنی بلی ہو رہی ہے۔" کاشف نے پریشانی سے پوچھا۔

"ہاں..... ویسے تو ٹھیک ہے لیکن برادر سے تیسرے دن بعد تے آنے لگتی ہیں۔" سدروہ نے جواب دیا۔

"کسی ایچھے ڈاکٹر کو دکھانا تھا۔" کاشف نے محبت سے ذیشان کو چومتے ہوئے کہا۔

"دکھا دیں گی۔" وہ آہستہ آواز میں بولی۔

"یہ..... پیسے رکھ لو۔" کاشف نے پانچ ہزار روپے کال کر اسے پکڑائے۔

"اگر میں نے ان ہی پیسوں کو استعمال کرنا تھا..... تو..... پھر مجھے یہاں رہنے کی کیا ضرورت ہے۔" سدروہ نے دلوک لہجے میں جواب دیا۔

"سدروہ..... ضد چھوڑ دو۔" کاشف غلگی سے بولا۔

"کاشف..... کیا میں ضدی ہوں.....؟ بتائیے..... کب میں نے آپ سے کسی بات کے لیے ضد کی ہے..... بولی" سدروہ نے حیرت سے پوچھا۔

"یہ ضد نہیں تو اور کیا ہے.....؟ تم نے میرے پیسے کو اپنے اور میرے بچے پر حرام کر لیا ہے۔" وہ غصے سے بولا۔

"آپ کے پیسے کو نہیں..... صرف آپ کی حرام کی کمائی کو..... اگر آج بھی آپ اپنی حلال کی کمائی میں سے سو روپے بھی لاتے ہیں تو وہ

میرے لیے جائز ہوں گے..... لیکن یہ پیسے ہرگز نہیں....." سدروہ نے قطعیت سے جواب دیا۔

"سدروہ..... پیر ضرورت ہے..... ہم اس کے بغیر نہیں رہ سکتے..... تم سمجھتی کیوں نہیں۔" کاشف جھنجھٹا کر بولا۔

"یہ آپ مجھے بتا رہے ہیں..... جو اپنی ضروریات کے لیے ایک ایک روپیہ اکٹھی کرتی رہی ہے..... اور اکثر پیسے نہ ہونے سے اپنی

ضروریات اور خواہشات کو ہی چھوڑنا پڑا ہے..... کاشف مجھ سے زیادہ پیسے کی اہمیت کون جانے گا..... میرا پیٹ بھوکا رہ سکتا ہے..... مگر حرام نہیں کھا

سکتا..... اس لیے آپ اصرار نہ کریں تو بہتر ہے۔" سدروہ نے غصے سے لہجے میں کہا تو کاشف نے ہالوی سے پیسے واپس اپنی جیب میں رکھ لیے۔

"تم نے مجھے بہت مایوس کیا ہے۔" کاشف بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"میں نے تو آپ کے لیے امید کا راستہ بھی کھولا ہے..... آپ کی جائز کمائی میرے سر آنکھوں پر۔" وہ زبردست مسکرا کر بولی تو کاشف

نے اس کی جانب دیکھ کر گہری سانس لی۔ جیسے کسی گھمبیر الجھن کا شکار ہو۔ تھوڑی دیر بعد رشیدہ اور منی آگئیں۔ ذیشان کاشف کے ساتھ کھیلنے میں

مصرف تھا اور کاشف اس کو دیکھ کر خوش ہو رہا تھا۔

"السلام علیکم پھر پھر....." کاشف نے اٹھ کر رشیدہ کو سلام کیا۔

و علیکم السلام" جیتے رہو..... کب آئے ہو؟ رشیدہ نے اسے پیار دیا۔

"ابھی تھوڑی دیر پہلے....." کاشف نے جواب دیا۔

"مٹی..... یہ غافے میں زردہ ہے..... جاکاشف کے لیے پلیٹ میں ڈال کر لائے۔" رشیدہ نے مٹی سے کہا تو وہ اٹھ کر کچن میں جانے لگی۔
 "نہیں..... نہیں..... مجھے بالکل بھی بھوک نہیں۔" کاشف نے کہا۔

"جب سے سدرہ اور ڈیشان آئے ہیں..... نہ تم نے خبر لی اور نہ ہی زاہدہ نے..... کیا سدرہ روٹھ کر آئی ہے..... جو تم لوگوں نے اسے یوں لاوارث چھوڑ رکھا ہے..... کم از کم بچے کی خبر تو لینی چاہیے۔" رشیدہ نے شکوہ کرتے ہوئے کہا تو کاشف نے سدرہ کی جانب دیکھا..... تو..... سدرہ نے سر کے اشارے سے لٹی میں سر ہلایا۔ کاشف اس کا مطلب سمجھ گیا۔ سدرہ کمرے میں چلی گئی۔

"پھوپھو..... اماں کی طبیعت ٹھیک نہیں رہتی..... اور..... آج کل گرمیاں ہیں۔ کام بہت بڑھ جاتا ہے۔ کہیں بجلی لیل ہو گئی۔ کہیں ٹرانسمارمر جل گئے..... بس ایسی ہی مصروفیت رہی کاشف نے جواب دیا۔

"وہ تو سب ٹھیک ہے..... مگر اپنی جگہ یہ تو سوچنا چاہیے کہ اتنی مہنگائی کے دور میں بیوی اور بچے کو کہیں چھوڑنا..... اور پھر کسی کی خبر بھی نہ لینا کیسی بے عقلی کی بات ہے..... بندے کو خود سوچنا چاہیے کہ گھروالے اپنے خرچے پرے کریں یا آنے والوں کے..... زاہدہ کو تو اتنی سمجھ ہونی چاہیے....." رشیدہ نے معنی خیز انداز میں کہا تو کاشف اس کا مطلب سمجھ گیا اور پانچ ہزار کا نوٹ نکال کر اسے چپکے سے پکڑ لیا۔

"پھوپھو..... میں یہی دینے آیا تھا..... مگر سدرہ نہیں لیتی..... آپ رکھ لیں۔" کاشف نے کہا تو رشیدہ نے جلدی سے جھپٹ کر روپے اپنے دوپٹے کے پلے باندھ لیا۔

"وہ تو بے وقوف ہے۔ دو ہفتے کیا پڑھ لیں۔ دماغ خراب ہو گیا ہے۔ اپنے آپ کو بڑا پاک صاف سمجھتی ہے..... باقی سب تو مینا ہوں میں تھڑے ہوئے ہیں..... گھر سے باہر نکل کر کام کرے تو پھر پتا چلے کہ پیرہ کتنا کتنا مشکل ہے..... تو اس کو نہیں..... بلکہ مجھے دے جایا کر۔" رشیدہ نے سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو کاشف مسکراتے لگا اس کے سر سے مٹی بوجھا کر گیا اس کا دل مطمئن ہو گیا۔

"اب میں چتا ہوں....." تھوڑی دیر بعد کاشف نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"سنو..... سدرہ سے پیسوں کا ذکر ہرگز نہ کرنا۔ خواہ مخواہ مجھ سے جھگڑے گی۔ اب اسے کیا معلوم کہ گھر کے کتنے خرچے ہوتے ہیں۔" رشیدہ نے رازداری سے کاشف کو کہا۔

"آپ کل نہیں کریں۔" وہ مسکرا کر بولا۔

"سدرہ..... ڈیشان کو پکڑو..... میں جا رہا ہوں۔" کاشف نے قدرے اونچی آواز میں کہا تو سدرہ کمرے سے باہر آئی اور ڈیشان کو اس سے لے لیا..... اور اسے دروازے تک چھوڑنے آئی۔

"تم دونوں کے بغیر میں بہت اداس رہتا ہوں..... گھر آ جاؤ۔" کاشف نے اس کے کان کے قریب سرگوشی کرتے ہوئے کہا تو سدرہ نے گہری سانس لی اور اس کی طرف بنو روک کر خاموش ہو گئی۔

"اپنا اور ڈیشان کا خیال رکھنا..... میں پھر آؤں گا۔" خدا حافظہ کاشف کہہ کر دروازے سے باہر نکل گیا اور سدرہ واپس لوٹ آئی۔

”کاشف بڑا ہی اچھا ہے..... ایسا اچھا لڑکا آج کل کے زمانے میں کہاں.....؟ نصیب والی ہے زاہدہ..... جیسے اتنا کما کپوت ملا۔ خوب کما کما کر اسے دیتا ہے..... زاہدہ کو کسی شے کی کمی نہیں ہونے دیتا۔“ رشیدہ چار پائی پر بیٹھی کاشف کی تعریفیں کرنے لگی اور سدرہ حیرت سے ماں کی طرف دیکھنے لگے جو اس سے قبل اٹھتے بیٹھتے زاہدہ اور کاشف کو کونسنے دیتی تھی۔

”آج کاشف کو کیا ہوا ہے.....؟ آج کیوں اچھا لگنے لگا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے رشیدہ کی جانب دیکھ کر پوچھا۔

”کیا مطلب ہے حیرا.....؟ تو ہمیشہ ماں پر شک ہی کیا کر۔“ رشیدہ غصے سے بولی۔

”میں تو یونہی پوچھ رہی ہوں۔“ سدرہ نے منہ بٹا کر کہا۔

”منی پلیٹ میں گرم گرم زردو لے آئی۔

”واہ..... کیا اچھی خوشبو ہے..... راشدہ کے لیے بھی چاول رکھے ہیں کہ نہیں۔“ رشیدہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... رکھ دیئے ہیں..... تجھے تو بس اسی کی فکر رہتی ہے۔ وہ کما کر لائے..... تو پتا نہیں تو کیا کرے۔“ منی نے ٹاک چڑھا کر کہا۔

”جلی..... زیادہ بکواس نہ کر۔ وہ کمائے نہ کمائے..... میں تو اس کے لیے کما رہی ہوں نا..... تم لوگوں کو کیا معلوم..... میں نے کتنی منتوں

مرادوں سے راشدہ کو اپنے رب سے لیا ہے..... روز تیرے ابا کے ساتھ چالیس میل دور ایک دو گاہ پر جاتی تھی..... اور پورے چالیس دن جا کر دعا کرتی تھی..... نجانے کتنے دغینے پڑھے کتنے روزے رکھے..... کہاں کہاں سے دعائیں نہیں کرائیں..... پھر جا کر کہیں راشدہ پیدا ہوا..... اس کی قدر تو مجھ سے پوچھو.....“ رشیدہ نے ماضی کو یاد کرتے ہوئے قدرے غم آنکھوں سے کہا۔

”اسی لیے اب وہ خوب حرا پٹکا رہا ہے۔“ منی منہ بٹا کر بولی۔

”ارے بیٹے تو ایسے ہی ہوتے ہیں..... اکھڑ بد مزاج..... جی دار..... راشدہ بھی بڑا جی دار ہے..... کسی سے نہیں ڈرتا۔“ رشیدہ نے

قدرے یہ انداز میں کہا۔

”اماں..... کسی کے بیٹے ایسے نہیں..... صرف راشدہ بگڑا ہوا ہے..... اور اسے تو نے خراب کیا ہے..... اس کے لاڈ پیار دیکھو کچھ کر۔“ منی

نے کہا۔

”چپ حرام خور..... تو بھی بڑی کی طرح بولنے لگی..... وہ کوئی بگڑا ہوا نہیں ہے..... آج کل تو سب ہی پیتے پلاتے ہیں۔

امیر لوگ کروں میں بیٹھ کر بیٹے ہیں اور غریب لوگ گھیلوں اور سڑکوں پر..... خواہ خواہ ہی نظروں میں آ جاتے ہیں۔“ رشیدہ نے چادر

کھاتے ہوئے کہا تو سدرہ کو ماں کی باتیں سن کر خصہ نے لگا۔ مگر..... وہ خاموشی سے سنتی رہی۔

”آپا..... تو بھی کھالے۔“ منی نے ایک پلیٹ میں چاول ڈال کر اس کی جانب بڑھائے۔

”مجھے..... بھوک نہیں۔“ سدرہ نے کہا اور کمرے میں چلی گئی۔

”یوجھ تو وہ ہے ہی..... مانے یا نہ مانے.....“ رشیدہ نے ٹھک کر کہا اور اٹھ کر ہاتھ دھوئے غسل خانے کی جانب چلی گئی۔ اس کا وہ پنہرے سے اتر کر زمین پر گر گیا۔ منی نے آگے بڑھ کر جلدی سے دوپٹا اٹھایا تو اس کا کونسا سے بھاری لگا۔ اس نے کھول کر دیکھا تو اس میں پانچ ہزار روپے تھے۔ رشیدہ جلدی سے واپس مڑی اور اس کے ہاتھ سے روپے چھینے۔

”مگر..... یہ کہاں سے آجائے؟ مہنی نے حیرت سے پوچھا۔

”کیسا فرجہ... آ...!... اپنے اور دشمن کا فرجہ خود کرتی ہے“ منی نے حیرت سے کہا۔

”لو۔۔۔ بھلا۔۔۔ بھلی۔۔۔ گیس۔۔۔ اور پانی نہیں خرچ کرتی۔۔۔“ رشیدہ نے کہا تو منی حیرت سے ماں کی جانب دیکھنے لگی جس کی سوچ کس قدر گھٹیا تھی۔ رشیدہ نے نوٹ جلدی سے اندر لے جا کر بچے کے غلاف میں چھپایا اور سر باندھ کر لپٹ گئی اور منی حیرت سے ماں کے بارے میں سوچتی رہی۔

آدمی رات کا وقت تھا جب راشد و یار پہلا گک کر گھر کے کچن میں کودا۔ اس نے خوب شراب پی رکھی تھی اور بری طرح بدست ہو رہا تھا۔ منی اور سدروہ نے کمرے کی کھڑکی میں سے جھانکا تو کچن میں بھی چار پائی پر لیٹا تھا۔ دونوں پھر سو گئیں۔ رشیدہ بھی گہری نیند سو رہی تھی اچانک راشد کے قے کرنے کی آواز سنائی دے گئیں وہ قے کرتے ہوئے چلا رہا تھا۔

”اہاں..... مجھے پکڑ لے..... بائے میں مر گیا۔“ رشیدہ بیویہ اکراٹھی اور گھبراہٹ کی جھونکی محسن میں آئی۔ سسرہ اور منی بھی جلدی سے اٹھ کر باہر آ گئیں۔ وہ بیٹ کو دونوں ہاتھوں سے پکڑے چلا رہا تھا۔

"ماں صدقے..... تو نے کیا کھا لیا ہے..... کیوں اتنی التلیاں کر رہا ہے..... ہزار بار بولا ہے..... ہر سے کھانے مت کھایا کر۔" رشیدہ اپنی ہی لے میں بولی۔

”چپ کر..... میں مر رہا ہوں اور تو اپنی بکواس کرتی جا رہی ہے۔“ وہ ماں کو ڈانٹ کر بولا۔ سدرہ کو اس کی بات سن کر فصحا گیا مگر وہ خاموش رہی۔ راشد بھرتے کرنے لگا۔

”اے..... ہائے..... بتا تو سہی..... کہا کیا ہے رشید نے بوجھا۔

”کہا۔۔۔ کچھ نہیں۔۔۔ بس دوستوں کے ساتھ مل کر تھوڑی سی پی ہے۔۔۔ کینجٹ دیسی تھی۔۔۔ یہی میں بھاری ہے۔“ چلاتے ہوئے بولا۔

”مجھے لگتا ہے اس نے کوئی زہریلی شراب پی ہے..... اس کو جلدی سے ہسپتال لے جانا پڑے گا۔“ سدرہ نے کہا۔
 ”ہاں..... اس کی حالت تو بڑی خراب ہو رہی ہے..... دیکھو تو سبھی چہرے کی رنگت کیسی ہو رہی ہے..... کہیں زہر جسم میں ہی نہ پھیل جائے..... اس وقت کس کو بلاؤں؟“ رشیدہ نے تشریش سے کہا۔
 ”غصہ نہ..... میں ساتھ والوں کے گڈو کو بلا کر لاتی ہوں..... چل منی..... میرے ساتھ۔“ سدرہ چادر اوڑھ کر منی کے ساتھ گڈو کو بلا کر لائی۔
 رشیدہ گڈو اور سدرہ اسے لے کر ہسپتال جانے لگے۔

”اماں..... کیا حیرے پاس پیسے ہیں؟ سدرہ نے سرگوشی کے انداز میں پوچھا۔
 ”ہاں..... ہیں..... آج ہی کوٹھی والوں نے دیئے ہیں۔“ ننھاہ کے پانچ ہزار روپے۔ رشیدہ نے کہا اور جا کر نیچے کے خلاف میں سے پیسے نکال کر لے آئی۔ راشدہ کو ہسپتال لے جایا گیا..... اسے ایمر جنسی روم لے جایا گیا اور اس کا معہہ دواش کیا گیا..... ساری رات اسی میں گزری۔
 صبح ہوئی تو ڈاکٹر ایمر جنسی روم سے باہر نکلا..... وہ بھی چہرے سے انتہائی تھکا ہوا لگہ ہاتھ۔
 ”شکر کریں..... آپ وقت پر اپنے بچے کو لے آئیں..... ورنہ ہر بہت بھل چکا تھا۔“ ڈاکٹر نے رشیدہ سے کہا۔
 ”ڈاکٹر صاحب..... اسے ہوا کیا تھا؟ رشیدہ نے حیرت سے پوچھا۔
 ”جی ہاں..... کیا آپ کو واقعی معلوم نہیں.....؟ آپ کے بچے نے انتہائی مقدار میں زہریلی شراب پی تھی..... اور ہمیں اطلاع ملی ہے کہ اس کے اکثر ماحیوں کی ہسپتال میں آتے آتے موت واقعی ہو چکی ہے..... آپ خوش قسمت ہیں کہ اس کی جان بچ گئی۔ لیکن آپ کو اپنے بچے پر نظر رکھنی چاہیے۔ خدا نخواستہ کچھ بھی ہو سکتا ہے۔“ ڈاکٹر نے انتہائی سنجیدگی سے کہا تو رشیدہ نے گہرا کر دونوں ہاتھ اپنے منہ پر رکھے۔
 ”بائے..... میں..... مر جاؤں۔“ وہ گہرا کر بولی۔
 ”اماں..... اگر اب بھی یہ نہ سنھلے تو پھر..... کب سنھلے گا؟ سدرہ نے نم آنکھوں سے کہا تو رشیدہ خاموش ہو گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

راشدہ دو تین دن ہسپتال رہا۔ اس کو انتہائی کمزوری ہو چکی تھی اور چہرے کی رنگت بھی بد چکی تھی۔
 ”راشدہ..... شکر کر..... مولانا نے تجھے غمی زدگی دی ہے..... اب توجہ کر اور اس حرام شے کو ہاتھ نہ لگانا..... کھنت جان کی بھی دشمن ہے اور مال کی بھی۔“ رشیدہ نے اسے گہرا کر محبت سے سمجھایا۔
 ”اری..... اماں..... شراب سے کچھ نہیں ہوتا..... لے بھلا میں روز نہیں پیتا..... یہ تو حرامی دو کا عمار نے ہمیں لوکل دے دی۔ ہم نے سوچا..... چلو..... اس کو بھی کچھ لیتے ہیں..... ہمیں کیا معلوم کہ وہ کہاں سے آئی تھی اور کب سے پڑی تھی۔“ راشدہ منہ بنا کر بولا۔
 ”لیکن..... بیٹا..... ہے تو میری چیز نا..... ڈاکٹر بھی ناراض ہو رہا تھا کہ راشدہ کیوں پیتا ہے؟ رشیدہ نے پھر اسے سمجھانے کی کوشش کی۔
 ”اوپہ..... آیا بڈا ڈاکٹر..... چاہے خود بھی پیتا ہو..... یہ سب پیتے ہیں۔ دوسروں کو نصیحتیں کرتے ہیں.....“ وہ منہ بنا کر بولا۔

"ہاں..... تو..... چھوڑ دے۔ اسے..... تجھے میری قسم۔" رشید نے اس کا ہاتھ اپنے سر پر رکھتے ہوئے کہا۔

"ابو!..... چھوڑ دوں..... تجھے کیا پتا..... کتنا حرا آیا ہے..... کسی دن تجھے پلاؤں گا نا..... بھرتانا....." وہ ہتھکڑیاں لگا کر بولا۔

"تھوڑی سی شرم کر..... بے حیا..... یہ کس کو کہہ رہا ہے..... تجھے اتنی شرم نہیں رہی کہ بوڑھی ماں کو حرام شے پینے کو کہہ رہا ہے..... لعنت ہے تجھ پر..... اور تجھ جیسوں پر تو اللہ نے خود ہی لعنت بھیجی ہے۔" سمدو سے مدہانہ گیا اور دو ڈانٹ کر بولی۔

"اے آپا..... تو ہم ماں بیٹے کے درمیان نہ بولا کر..... ورنہ تیرا لہو یا بستر گول کر کے گھر سے نکال باہر کروں گا۔ تجھے یہاں رہنے دے رہا ہوں..... تو..... اس کا یہ مطلب نہیں کہ تو ہمارے سر چڑھ کر بولے۔" راشد خضے سے بولا۔

"اچھا..... تو مجھے یہاں رہنے دے رہا ہے..... یہ میری ماں کا گھر ہے..... میں تیرے گھر میں نہیں رہ رہی..... سنا تو نے؟" سمدو بھی خضے سے بولی۔

"اور اماں وہی کرے گی..... جو میں کہوں گا..... کیوں اماں؟ وہی کرے گی نا۔" راشد قدرے رعب سے بولا۔

"ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں۔" رشید اس کی ہاں میں ہاں ملائے ہوئے بولی تو سمدو خنم آنکھوں سے دونوں کی جانب دیکھنے لگی اور کمرے میں جا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"آپا چپ کر..... مت رو..... تو دیکھنا..... ایک دن اماں اسی کی وجہ سے روئے گی....." منی نے سمدو کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اے منی..... اٹھ بھائی کو بخشنے بنا کر روے..... دیکھ تو سبھی کتنا کمزور ہو گیا ہے..... میں کوٹھی والوں کی طرف جا رہی ہوں..... کئی روز سے نہیں گئی۔ بار بار پیغام بھیج رہے ہیں۔" رشید نے کہا۔

"ہاں..... جا..... چلی جا..... پھر تنخواہ میں سے پیسے کاٹ لیتے ہیں۔" منی نے منہ نہ کر کہا۔

"اور نہیں تو کیا؟ ابھی انہوں نے تنخواہ بھی نہیں دی۔" نادانستہ رشید کے منہ سے نکلا تو سمدو نے حیرت سے ماں کی طرف چونک کر دیکھا۔

"اماں..... تو..... تو کہہ رہی تھی کہ تجھے تنخواہ مل گئی ہے۔" سمدو نے حیرت سے پوچھا تو رشید ہلکا سا ہلکا ہوا۔

"ہاں..... وہ..... وہ..... میں نے کسی سے ادھار لے کر رکھے تھے کہ تنخواہ ملنے پر چکا دوں گی۔" رشید وہانہ بٹاتے ہوئے بولی۔

"اماں..... کچھ بتا..... یہ پیسے تو نے کہاں سے لیے.....؟ مجھے شک پڑ رہا ہے کہ کاشف نے تجھے یہ پیسے دیئے ہیں۔" سمدو نے غلگی سے پوچھا۔

"ہاں..... دیئے ہیں..... تو..... بھہر.....؟ کیا ہم پر کوئی احسان کیا ہے.....؟ اس کا ہال بچہ یہاں نہیں مل رہا۔" رشید قدرے ڈھٹائی سے بولی۔

"اماں..... یہ..... یہ تو نے کیا کیا.....؟ اس نے خضے سے اپنے سر میں ہاتھ مارے۔

”آپا..... کیا کر رہی ہے؟“ منی نے اسے روکا۔

”پتا نہیں..... اماں کو مجھ سے کیا دشمنی ہے..... میری عزت کا ذرا سا بھی اسے خیال نہیں..... وہ مجھے پیسے زبردستی دے رہا تھا اور میں نہیں لے رہی تھی..... اور اماں نے لے کر مجھے اس کی نظروں میں بھی گرادیا اور اپنی میں بھی..... اماں تجھے ذرا سا بھی خدا کا خوف نہیں..... نبھانے کیوں تو میرے ساتھ سو تیلی ماؤں سا سلوک کرتی ہے..... شاید ان کو بھی کبھی رحم آ جاتا ہوگا مگر تجھے کبھی نہیں آیا۔“ وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”بس کر..... رونا دھونا..... تنخواہ ملتی ہے تو اسے واپس کر دوں گی..... اس کی اور اپنی عزت کی بڑی پرواہ ہے..... دوسروں کا کوئی خیال نہیں۔“ رشیدہ بڑبڑاتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی اور سدرہ منی کے گلے لگ کر سسکنے لگی۔ منی اسے دلا سے اور تسلیاں دیتی رہی مگر اس کے آنسو تھمنے پر ہی نہ آ رہے تھے۔

راشد نے دو تین دن خوب عیش کی رشیدہ نے رو رو کر کوشی والوں کو راشد کے ایکسیڈنٹ کے بارے میں بتایا اور انہوں نے خوب مالی مدد بھی کی۔ بلکہ پھل اور جوس کے ڈبے بھی دیئے ان کے تو وارے نیارے ہو گئے۔ راشد..... ماں کو داد دیتا اور قلعے لگا لگا کر چیزیں ہڑپ کرتا رہا۔ رشیدہ بھی اپنی سمجھداری اور چالاکی پر خوب ہنستی..... جبکہ سدرہ کا دل بری طرح کٹتا۔ وہ ان کی حرکتوں پر خون کے آنسو روٹی ان کے ہاں رہتا اس کی مجبوری تھی..... اس کے علاوہ اس کے پاس کوئی اور ٹھکانہ نہ تھا جہاں وہ جا سکتی۔ اس لیے صبر اور انتہائی مشکل سے وہاں رو رہی تھی..... دن بھر وہ لوگوں کے کپڑے سستی شام کو ٹیوشن پڑھاتی مگر کے کام کرتی ڈیٹان کی دیکھ بھال اور رات کو اپنی کتابیں لے کر بیٹھ جاتی۔ اس نے پرائیویٹ بی اے کا داخلہ بھیجا تھا اور امتحانات کی تیاری میں مصروف تھی۔ اس کی زندگی ایک مشین بن کر رہ گئی تھی۔ دن کب شروع ہوتا۔ کب ختم ہوتا، کب رات ڈھنکی اور کب دوسرے دن کا سورج ظہور ہوتا۔ اسے کچھ خبر نہ تھی..... بس ذمہ داریاں ہی ذمہ داریاں تھیں۔

”کاشف میں تو سوچ رہی ہوں کہ کسی ایسے کھاتے پیتے گھرانے میں تہباری شادی کر دوں..... میں نے کسی سے بات بھی کر رکھی ہے اور وہ ایک دیوی ایچی خوبصورت اور امیر گھرانوں کی لڑکیاں بھی دکھانے کو تیار ہے۔“ زاہدہ نے کاشف کو ناشتہ کراتے ہوئے قدرے سدا زواری سے کہا۔

”اماں..... یہ تو کیا کہہ رہی ہے؟ اس نے چمک کر ماں کی طرف دیکھا اور چائے کا کپ واپس میز پر رکھ دیا۔

”کو..... بھلا..... تو اس میں برائی کیا ہے؟ کیا مرد و دوسری شادیاں نہیں کرتے؟ زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کرتے ہوں گے..... مگر میں کیوں کر دوں.....؟ میری بیوی ہے اور میرا بچہ بھی ہے..... مجھے کیا مسئلہ ہے کہ دوسری شادی کر لوں۔“

کاشف نے زنگلی سے کہا۔

”وہ اب یہاں کبھی نہیں آئے گی..... اس کی ہم سے کبھی من ہی نہیں سکتی..... وہ اپنے آپ کو بڑی تیس مار سمجھتی ہے۔ بڑی پڑھی لکھی اور

اللہ والی ہے..... ہم سب تو ان پڑھ اور جاہل ہیں..... کاشف تو مجھ سے لکھوالے..... وہ یہاں نہیں آئے گی اگر یہاں رہتا ہوتا تو جاتی ہی

کیوں.....؟ اور اس کے انتہار میں اپنی جوانی یوں برباد کرنا انتہائی بے وقوفی ہوگی۔“ زاہدہ نے غصے سے کہا۔

”اماں..... تو..... جو مرضی کہہ لے..... میری زندگی میں سدرہ کے علاوہ کوئی اور عورت آ ہی نہیں سکتی۔“ کاشف نے دو ٹوک لہجہ میں کہا۔

”اور میں بھی دیکھتی ہوں..... کب تک.....؟ زابدہ نے غصے سے کہا۔

”جب تک میری سائیس باقی ہیں۔“ اس نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ تو زابدہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی۔ مگر اندر ہی اندر اس نے اپنی کوششیں جاری رکھیں اور ہر دوسرے تیسرے روز کوئی نہ کوئی رشتہ دیکھنے چلی جاتی۔ جیسے ہی لڑکی والے رضامندی ظاہر کرتے تو یہ لڑکی میں کوئی نہ کوئی نقص نکال کر اٹکار کر کے جان چھڑاتی۔ لوگ اسے گالیاں اور کونے دیتے۔ رشتے والیاں بھی اس سے ٹک پڑ گئیں تھیں مگر اسے تو یہ ابھی مصروفیت ہاتھ لگی تھی۔ ہر دوسرے تیسرے روز تیار ہو کر لوگوں کے گھروں میں جاتا۔ خاطر مدارت کرانا اور آ کر اٹکار کر دینا..... اس کا تو ایسا دل لگا تھا کہ وہ خود ہی خوش ہوتی رہتی۔ کاشف کو جب معلوم ہوتا تو وہ انتہائی غصے میں آ جاتا اور زابدہ سے جھگڑ پڑتا..... کاشف کے ڈر سے وہ کچھ روز باہر نکلتا بند کرتی اس کے بعد پھر وہی معمول۔

کاشف آفس سے اچانک جلدی گھر آ گیا تھا..... زابدہ اس کی غیر متوقع آمد سے ہلکا لگی تھی۔ وہ نیا جوا پہنے ادھر ادھر محو مری تھی۔ جیسے کہیں جانے کی تیار کر رہی ہو۔

”آج..... تم کیسے جلدی آ گئے؟ زابدہ نے حیرت سے پوچھا۔

ایسے ہی طبیعت کچھ خراب ہو رہی تھی..... اماں تو کہاں جا رہی ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ..... میں..... کہیں نہیں..... بس..... یونہی..... ساتھ والی جیلہ آئی تھی..... تو کہیں اپنی سہیلی کے ہاں جانے کو کہہ رہی تھی۔“ زابدہ نے بہانہ گھڑا۔

باہر گیٹ پر بٹل بگی..... زابدہ ایک دم گھبرا گئی۔

”میں دیکھتا ہوں.....“ کاشف اٹھنے لگا۔

”نہیں..... نہیں..... تم کمرے میں جا کر آرام کرو..... میں دیکھ لیتی ہوں۔“ زابدہ نے قدرے گھبرائے ہوئے اسے کہا تو کاشف حیرت سے اسے دیکھنے لگا اور کمرے میں چلا گیا۔ زابدہ جلدی سے گیٹ پر چلی گئی۔ واپس آئی تو اس کے ساتھ چار پانچ غولہ تھیں اور مرد تھے۔ ان کے ساتھ جیلہ تھی جو ان کو رشتہ دکھانے لائی تھی۔ زابدہ نے انہیں ڈرائنگ روم میں بٹھایا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنے لگی۔ وہ چائے لے کر امداد گئی تو اچانک کاشف بھی بہت سی آوازیں سن کر ادھر چلا گیا اور اتنے بہت سے لوگوں کو دیکھ کر حیران رہ گیا۔ اچانک کاشف کو وہاں دیکھ کر زابدہ کا رنگ فق ہو گیا..... سب لوگ حیرت اور بے شوق لگا ہوں سے کاشف کی جانب دیکھنے لگے۔ جو بیوی جنم اور کریم کلر کی شرٹ میں قدرے سمارٹ لگ رہا تھا۔

”یہ..... میرا بیٹا ہے..... کاشف۔“ زابدہ نے بمشکل تھوک نکلنے ہوئے کاشف کا تعارف کرایا۔

”ماشاء اللہ..... ماشاء اللہ.....“ ایک اویسز عورت نے ایک سفید ہارلش بزرگ کی جانب دیکھا تو انہوں نے بھی مسکرا کر سر ہلایا۔

”بہن..... ہمیں آپ کا بیٹا بہت پسند آیا ہے..... ہماری طرف سے رشتہ بکا سمجھیں۔“ اور بزرگ نے اپنی جیب میں سے دس ہزار روپے

نکال کر کاشف کے ہاتھ میں تھمانے کی کوشش کی۔ کاشف ہڑبڑا گیا۔

"یہ..... آپ لوگ کیا کر رہے ہیں.....؟ آپ کو غلط فہمی ہو رہی ہے۔ میں شادی شدہ ہوں میری بیوی اور ایک بچہ بھی ہے۔" کاشف نے سنجیدگی سے بتایا تو بزرگ دہن کے وہیں رک گئے سب لوگوں کے چہرے اتر گئے اور وہ حیرانگی سے ایک دوسرے کی جانب دیکھنے لگے۔ زاہدہ کھسیا کر جیلہ کی طرف دیکھنے لگی۔

اتنا بڑا دھوکہ..... اتنا فراڈ..... کوئی یوں بھی دن کے اجالے میں کسی کی آنکھوں میں دھول جھونکتا ہے..... آپ کی والدہ انتہائی کمینہ اور لالچی عورت ہیں۔" ایک درمیانی عمر کے آدمی نے انتہائی غصے میں کاشف کو کہا۔

"اپنی ماں کے بارے میں ایسے تو جین آمیز الفاظ نہ کر کاشف کے تن بدن میں آگ لگ گئی۔

"آپ منہ سنبھال کر بات کریں..... آپ کو بڑے چھوٹے کا کچھ ادب لحاظ ہے کہ نہیں۔" کاشف غصے سے بولا۔

"بالکل ہے..... مگر آپ کی والدہ کے لیے نہیں..... جو دو ماہ سے ہمارے جذبات کے ساتھ کھیلتی رہی ہیں..... پوچھیے ذرا یہ کب سے ہمارے ہاں آ رہی ہیں اور ہر بار کیا کہہ کر آتی ہیں اور آج بہت اصرار سے ہمیں بلایا ہے۔ یہ تو ہماری بہن کے ساتھ آپ کا رشتہ بھی پکا کر چکی ہیں..... اور اگر آج آپ ہمیں اتفاق سے نہ ملنے تو شاید ہم ان کی جھوٹی زبان پر یقین کر کے رشتہ پکا کر دیتے..... ان کو احساس ہی نہیں کہ بیٹی والوں کے جذبات کے ساتھ یوں کھیلنے سے اس کے گھر والوں کے دلوں پر کیا گزرتی ہے..... کاش انہیں اس بات کا احساس ہوتا۔" وہ آدمی غصے سے چلاتے ہوئے بولا تو زاہدہ نے کھسیا کر سر شرم سے جھکا لیا۔

"اماں..... یہ سب کیا ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"تیرا گھر سامنے کی کوشش کر رہی ہوں..... میرا اس میں کیا کچھ ہے؟ زاہدہ اپنے آپ کو پچاتے ہوئے بولی۔

"جب میں نے کہہ دیا تھا کہ مجھے شادی نہیں کرنی..... تو اس کے باوجود بھی۔" کاشف بھی غصے سے بولا۔

"میں ماں ہو کر تیرا گھر کیسے غیر آباد دیکھ سکتی ہوں..... میں نے کوئی غلطی نہیں کی۔" زاہدہ قدرے اکر کر بولی۔

"آپ کتنی ظالم عورت ہیں۔ ہماری بچی کا احساسات سے کھینچ رہیں اور آپ نے کوئی غلطی نہیں کی۔" ایک محترمہ درمیانی عمر کی عورت خوشنوار لگا ہوں سے زاہدہ کی جانب بڑھ کر غصے سے بولی۔

"تو..... پھر کیا ہو گیا.....؟ لوگ تو اس سے بھی زیادہ کرتے ہیں..... میں نے کیا کر لیا ہے۔" زاہدہ نے پھر اکر کر جواب دیا۔

"عورت کو انتہائی غصہ آ گیا اور اس نے دو چار چھپڑ زاہدہ کو لگائے..... کاشف کے ہاتھوں کے طوطے اڑ گئے۔ زاہدہ نے بھی اس عورت کو مارنے کی کوشش کی۔

"یہ..... یہ..... آپ کیا کر رہی ہیں؟ کاشف نے پریشان ہو کر اس عورت کو روکنے کی کوشش کی۔

"تمہاری یہ جرات..... تم نے ہماری عورت کو ہاتھ لگایا۔" درمیانی عمر کے شخص نے کاشف کو پیچھے دھکیل کر دو تھپڑ لگائے۔ کاشف کے تو

ہوش ہی اڑ گئے۔ دو ہکا بکا اپنا گال سہلانے لگا۔ دونوں عورتوں نے مل کر زاہدہ کی کوز میں

پر زور سے دھکا دے کر بڑا تے اور گالیاں دیتے ہوئے چلے گئے۔ جیل بھی گھبرا کر پیچھے چلی گئی۔ زاہدہ بمشکل اٹھی اور صوفے پر بیٹھ کر اونچی آواز میں رونے لگی۔ کاشف بھی صوفے پر بیٹھا ہوا تھا۔ اس کا دماغ بری طرح گھوم رہا تھا۔ اچانک سب کچھ کیا ہو گیا تھا۔ اتنی ذلت..... اتنی بے عزتی..... اتنی رسوائی ان لوگوں کے ہاتھوں دونوں ہاں بیٹے نے سہی تھی اور اس کو اپنی ماں کی بے عزتی بہت رلا رہی تھی۔

”یہ..... سب میری وجہ سے ہوا ہے..... اگر تو یہاں نہ آتا تو کچھ بھی نہ ہوتا..... میری اتنی بے عزتی آج تک کسی نے نہیں کی۔ جتنی تو نے آج کرائی ہے۔“ زاہدہ غصے سے بڑا کر کاشف کی جانب دیکھ کر بولی اور کاشف کو تو ایسا شاک لگا تھا کہ اسے زاہدہ کی کوئی بات سنائی ہی نہ دی۔ اس کا ہاتھ اس کے گال پر تھا اور وہ گہری سوچوں میں گم تھا۔

”خدا عاقبت کرے ان لوگوں کو..... ایسی مار ماری ہے..... پورا جسم بری طرح دکھ رہا ہے۔“ زاہدہ کہنا سچے ہوئے بولی اور صوفے پر ہی لیٹ گئی۔

”ہائے..... میں مر گئی..... یہ کیا؟“ زاہدہ نے ایک دم چلا کر کہا تو کاشف گھبرا کر اس کی جانب لپکا۔ زاہدہ بھی پریشان ہو کر صوفے پر بیٹھ گئی اور اپنے دوپٹے کو گھور رہی تھی جس پر خون لگا تھا جو اس کی ناک سے بہہ رہا تھا۔ کاشف گھبرا گیا اور اسے جلدی سے ڈاکٹر کے پاس لے جانے لگا کہ اچانک کاشف کا موبائل بجنے لگا۔

”ہیلو..... ہاں..... نہیں میں اس وقت نہیں آ سکتا..... میری ماں بیمار ہے..... کہنا..... نہیں آ سکتا.....“ کاشف نے غصے سے موبائل بند کیا۔

”کس کا فون آیا ہے؟“ ایک علاقے میں ٹرانسفا مر جل گیا ہے۔

”وہاں لائٹ آف ہے..... مجھے بلار ہے ہیں۔“ کاشف نے کہا۔

”جا..... چلا جا..... میری خبر ہے۔“ زاہدہ نے ناک میں دوپٹہ ٹھونسنے ہوئے کہا۔

”کیسے چھوڑ کر چلا جاؤں..... اپنی حالت تو دیکھ۔“ کاشف نے کہا اور پھر اس کا موبائل بجنے لگا۔ اب کوئی افسر اسے غصے سے ڈانٹ رہا تھا۔

”اچھا..... پہنچنے کی کوشش کرتا ہوں۔“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”اماں..... چل پہلے تجھے ڈاکٹر کے پاس چھوڑتا ہوں..... وہاں سے چلا جاؤں گا۔“ کاشف نے کہا اور کراہتی ہوئی زاہدہ کو اپنے ساتھ

موٹر سائیکل پر بٹھا کر ڈاکٹر کے پاس لے گیا۔ ڈاکٹر نے اسے انجکشن اور ضروری ٹریٹمنٹ دے کر لٹا دیا۔ کاشف کا موبائل بار بار بج رہا تھا۔

”اماں اب میں چلتا ہوں..... جب ڈاکٹر فارغ کرے تو جیسی کروا کر گھر چلی جانا میں نے گیت کبہ کو کہہ دیا ہے وہ تجھے جیسی کروادے گا۔“ کاشف کہہ کر چلا گیا مگر اس کا ذہن بری طرح الجھا ہوا تھا۔ راستے میں بھی کئی بار اس کی ہائیک دسٹے اور گاڑی سے ٹکراتے ہوئے پئی۔ وہ موقع

پر پہنچا تو واپس آئی نیم اس کی منتظر تھی۔ وہ جلدی سے گھوڑا اور جیکٹ پہن کر اوپر چڑھ گیا اور ٹرانسفا مر کی تاروں کو دیکھنے لگا۔ اس کا ذہن کبھی ماں کی

طرف چلا جاتا کبھی ان لوگوں کی طرف جو مار کٹائی کر کے گئے تھے اور کبھی اپنے چہرے پر گئے تھے اس کے سینے میں آگ لگانے لگتے شام ہو رہی تھی

اور وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔ اسے کچھ میں نہ آیا اور اس کے ہاتھ سے تار چوٹ گئی۔ وہ تار پکڑنے میں مگن رہا اور اپنے قدم مضبوط پا کر اوپر

سے نیچے آگرا۔ ہر طرف بھگدڑ مچ گئی۔ جلدی سے ایسپو لنس منگوائی گئی اور اس کو ہسپتال لے جایا گیا۔ زائدہ ابھی تک گھر بھی نہیں پہنچی تھی اور وہ ہسپتال پہنچ گیا تھا۔

”زائدہ جیسے ہی گھر پہنچی تو اسے خبر ملی اور وہ روتی جیٹتی ہوئی ہسپتال پہنچ گئی۔ کاشف ICU میں تھا۔ کاشف کی بہنوں کو بھی اطلاع کی گئی مگر سدرہ کو کسی نے بھی بتانا گوارا نہ کیا۔

شام گہری ہو رہی تھی مٹی تیز تیز قدم اٹھاتی ہوئی گھر کی طرف جا رہی تھی۔ رشیدہ کوٹھی والوں کے ہاں رک گئی تھی کیونکہ رات کوٹھی والوں کے ہاں دعوت تھی۔ مٹی دیکھنے میں قدرے دراز قدم اور دلی پتلی مگر پرکشش لگتی تھی۔ اسی لیے سدرہ اسے اچھی طرح چاؤر اوڑھا کر باہر بھیجتی تھی۔ مگر جو مٹی باہر نکلتی گئی آوارہ نظریں اس کا تعاقب کرتیں اور وہ ان نظروں سے گھبرا کر اور تیز تیز چلنے لگتی۔ وہ اپنی گلی کی جانب مڑی تھی کہ سلطان اسے سامنے کھڑا نظر آیا۔ وہ بروز شام کو گلی کی گلی پر کھڑا ہوا جاتا تھا اور اسے دیکھ کر مسکراتا تھا کبھی سگریٹ کے گہرے کش لگاتا تو کبھی پشچا جملہ اس کی جانب پھینک کر قہقہہ لگاتا مٹی گھبرا جاتی اور قہر آلود نظروں سے اس کی جانب دیکھتی۔ ابھی بھی وہ اس کے انتظار میں کھڑا تھا اور مٹی کو اکیلے دیکھ کر خوش ہو کر مسکرایا۔ مٹی کا دل زور زور سے دھک دھک کرنے لگا۔ وہ گلی مڑتے ہی بھاگنے کے انداز میں چلنے لگی۔

اے... سن... بھاگ کیوں رہی ہے؟ تجھے کھاتو نہیں جاؤں گا۔“ وہ اس کے پیچھے لپکا تو مٹی نے ڈر کر گلی میں بھاگنا شروع کر دیا اور بھاگ کر گھر پہنچی۔ دروازہ کھلا تھا وہ جلدی سے اندر داخل ہو گئی۔ سدرہ بچوں کو ٹیوشن پڑھانے میں مصروف تھی۔ مٹی جاتے ہی اس کے گلے لگ کر زور زور سے رونے لگی۔ اس کا جسم پوری طرح کانپ رہا تھا اور دل کی دھڑکن بے قابو ہو رہی تھی۔ وہ اونچی آواز میں رونا شروع ہو گئی۔

”کیا ہوا... تجھے... کیوں رو رہی ہے؟“ سدرہ نے اسے محبت سے پوچھا۔

”آپا... وہ... وہ... پھر پیچھے آ رہا تھا۔“ اور مٹی سننے لگی۔

”وہ کون...؟ تو ہمیشہ اسی طرح کرتی ہے... کھل کر بتاتی نہیں... کون آیا تھا... اور کیوں آیا تھا...؟“ سدرہ نے غلطی سے کہا۔

”آپا... وہ... سلطان... راشد کا دوست... وہ میرے پیچھے پڑا ہوا ہے... مجھے تک کرتا ہے... اور جب تو گھر نہیں ہوتی تو گھر میں آ جاتا ہے...“ مٹی پھر رونا شروع ہو گئی۔

”اور... تو... مجھے اب بتا رہی ہے... کیا تو نے اماں کو بتایا ہے؟“ سدرہ نے فہم سے پوچھا۔

”نہیں...“ وہ گلی میں سر ہلا کر بولی۔

”کیوں...؟“

”مجھے ڈر لگتا ہے... بہت ڈر لگتا ہے... اگر اماں نے اسے کچھ کہا تو وہ... مجھے...“ مٹی پھر سسکنا شروع ہو گئی۔

”اری... بے خوف نہ بن... ایسا کچھ نہیں ہوگا... تو فکر نہ کر... تو اکیلی آیا جانا نہ کر۔“ سدرہ نے اسے سمجھایا۔

”آپا... سلطان اچھا لڑکا نہیں ہے... بہت بد تمیز اور بگڑا ہوا ہے۔ پہلے بھی وہ بڑکیوں کو چیمیز تار رہا ہے... اور ایک کو انگوٹھ کرنے کی

کوشش بھی کی تھی..... مجھے اس سے بہت اذگتا ہے۔“ منی نے سہمے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کہانا..... تجھے..... ٹگر نہ کر.....“ سدرہ نے اس کے کندھے پر ہتھی دیتے ہوئے کہا۔

”آپا..... بس..... تو کہیں نہیں جاتا..... جب تو گھر نہیں ہوتی تو مجھے لگتا ہے وہ روزانہ تو ذکر آ جائے گا جب سے تو آئی ہے وہ گھر کی

طرف نہیں آتا۔ ورنہ بہت تنگ کرتا ہے..... بس تو کہیں مت جاتا۔“ منی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر بے صبری سے کہا۔

”اچھا..... اچھا..... نہیں جاؤں گی۔“ سدرہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

اچانک سدرہ کا موبائل بجنے لگا وہ کمرے میں بھاگ کر مٹی اور موبائل کان سے لگا یا دوسری جانب کسی نرس کی آواز تھی جو ہاسٹیل سے بول

رہی تھی۔

”آپ سز کاشف بات کر رہی ہیں..... میں ہاسٹیل سے سسٹریبٹات کر رہی ہوں۔ آپ کے سپیڈ کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے اور وہ ہاسٹل

میں ہیں..... انہیں کافی چوٹیں آئی ہیں..... اس لئے آپ سے بات نہیں کر سکتے..... پلیز آپ ہاسٹل پہنچنے کی کوشش کریں۔ فون بند ہو گیا اور سدرہ

رونا شروع ہو گئی۔

”کیا ہوا..... آپا..... آپ کیوں رو رہی ہیں؟ منی نے اس سے پوچھا۔

”کاشف کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور مجھے ابھی ہاسٹل پہنچنا ہے۔“ سدرہ نے روتے ہوئے کہا۔

”نیکن..... ابھی..... اس وقت تو رات ہو رہی ہے..... اماں کو آنے دو..... پھر چلی جاتا۔“ منی نے کہا۔

”ابھی..... میں نہیں رک سکتی..... کاشف بہت تکلیف میں ہیں۔“ وہ آنسو صاف کرتے ہوئے بولی۔

”ٹھیک ہے پھر میں بھی تیرے ساتھ چلتی ہوں..... گھر کی چابی گڈو کے گھر دے دیتے ہیں۔“ منی نے کہا تو سدرہ اس کی بات سن کر

خاموش ہو گئی اور دونوں ڈیشان کو لے کر گھر سے باہر نکل گئیں۔

وہ ہاسٹل پہنچیں تو کاشف بیڈ پر پڑا تھا۔ اس کے سر اور سارے جسم پر پٹیاں بندھی تھیں اور اس کی ایک ٹانگ پر پلاسٹر چڑھا تھا۔ اس کے

پاس زاہدہ بیٹھی تھی۔ اس کے سارے چہرے پر نکل پڑے تھے اور سوچنے سے وہ بری طرح بکڑا ہوا تھا۔ کاشف صرف ادھر ادھر دیکھ سکتا تھا یا تھوڑی

بہت بات کر سکتا تھا۔

سدرہ اسے دیکھ کر رونا شروع ہو گئی۔

”تھیں کس نے بتایا..... اور یہیں کیوں آئی ہو؟ زاہدہ نے غصے سے سدرہ کو کہا مگر سدرہ نے کوئی جواب نہ دیا۔ کاشف کا ہاتھ پکڑ کر روتی رہی۔

”اگر آئی مٹی ہو..... یہ رونا دھونا مت ڈالو..... ہم پہلے ہی بہت پریشان ہیں۔“ زاہدہ نے پھر غصے سے کہا تو سدرہ نے خاموشی سے اپنے

آنسو پونچھ لیے اور کاشف کے بیڈ کے پاس بٹھ بیٹھی۔ منی نے ڈیشان کو اٹھا کھا تھا وہ بھی بچہ پر اس کے ساتھ بیٹھ گئی۔

کاشف..... یہ سب کیسے ہو گیا؟ سدرہ نے غم آنکھوں سے پوچھا۔

”کو..... بھلا..... ہے اس کی حالت ک..... کچھ بتا سکتے۔“ زاہدہ نے شک کر کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔

”پھر..... بھی..... ماما..... ایکسیڈنٹ کیسے ہوا؟ مٹی نے زاہدہ سے پوچھا۔

”موئے..... واہڈاوا لوں نے بچے کو ایک منٹ سانس نہ لینے دیا..... فون پر فون کرتے رہے کہ جلدی پہنچو..... لڑا سفار مر جمل گیا ہے وہ ٹھیک کرنے اور چڑھا ہے نبھانے کیسے پاؤں پھسلا اور دھڑام سے نیچے آگرا..... کو لہے کی ہڈی ٹوٹ گئی ہے ایک ٹانگ کی ہڈی تین جگہ سے ٹوٹی ہے۔ شکر ہے سرفنگ گیا ہے چوٹیں تو آئی ہیں مگر بچت ہو گئی ہے۔“ زاہدہ نے کہانی سنائی۔

”اور..... آپ کے چہرے کو کیا ہوا ہے.....؟ کیا آپ بھی گری ہیں؟ مٹی نے زاہدہ کا چہرہ دیکھ کر پوچھا تو وہ ایک دم ہڑبڑا گئی اور دوپٹے پر پھونکیں مار کر چہرے پر رکھے مگر ہاں ہاتھ روم میں گر گئی تھی۔“ زاہدہ نے جلدی سے جواب دیا اور کاشف کی طرف چورلا ہوں سے دیکھنے لگی۔

”کاشف..... آپ ٹھیک ہیں نا۔“ سدرہ نے کاشف کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....“ وہ بمشکل بولا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”اب تم لوگ جاؤ..... رات بہت ہو رہی ہے۔ پھر گھر جانا مشکل ہو جائے گا۔“ زاہدہ نے مٹی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو سدرہ اور مٹی نے چونک کر زاہدہ کی جانب دیکھا۔

”مگر..... ہم تو ابھی آئی ہیں..... ابھی تو کاشف بھائی کی خیریت بھی نہیں پوچھی۔“ مٹی نے حیرت سے جواب دیا۔

”کیا اس کی حالت ایسی ہے کہ تم لوگوں سے باتیں کرے..... ایک نظر دیکھنا تھا..... سو دیکھ لیا..... ویسے بھی ڈاکٹر راکھڑ پر آنے والا ہے.....“ زاہدہ نے منہ بنا کر جواب دیا۔

”کاشف..... کیا میں آپ کے پاس رک جاؤں؟ سدرہ نے زاہدہ کی باتوں کو نظر انداز کر کے کاشف سے پوچھا تو اس نے آنکھوں کے اشارے سے ہاں میں سر ہلایا۔

”کو..... بھلا..... یہ کہاں رک سکتی ہے۔ وہ بھی بچے کے ساتھ..... بچے کے ساتھ کسی کو بھی یہاں رکنے کی اجازت نہیں..... اور ویسے بھی میں ہوں نا..... یہاں۔“ زاہدہ نے شک لہجے میں کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔

دونوں تھوڑی دیر بعد واپس آ گئیں۔ سدرہ کی آنکھیں نم ہو رہی تھیں۔ کاشف کو اس حالت میں چھوڑ کر جانے کو..... اس کا دل ہانکل بھی نہیں چاہ رہا تھا مگر زاہدہ کا شک رویہ دیکھ کر وہ خاموشی سے واپس آ گئی۔ اس کا دل بہت بے چین تھا۔ کاشف کو اس کی ضرورت تھی اور وہ اس کی ضرورت پوری نہ کر سکتی تھی۔

”آپ..... کیا نامی زاہدہ..... تم سے ناراض ہے.....؟ مٹی نے ہاسٹل سے نکلتے ہوئے پوچھا۔

”نہیں.....“ سدرہ نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”نہیں..... ان کے رویے سے تو ایسے ہی لگ رہا تھا..... کہ وہ آپ سے بہت ناراض ہیں۔“ مٹی نے حیرت سے پوچھا۔

”معلوم نہیں..... وہ کس سے کس بات پر ناراض ہیں۔“ سدروہ نے آدھ بھر کر جواب دیا۔

”آپا..... ویسے تو گھر کیوں چھوڑ کر آئی ہو.....؟ کیا کاشف بھائی سے کوئی جھگڑا ہوا تھا؟ منی نے رکشے میں بیٹھ کر پوچھا۔

”نہیں..... بہت سی باتیں..... تم نہیں سمجھو گی۔“ سدروہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا اور خاموش ہو گئی۔ سارا راستہ اسی خاموشی

کی نذر ہو گیا۔

”وہ گھر پہنچیں تو رشیدہ محسن میں بھی چار پائی پر خصے میں بھری بیٹی تھی۔ کہاں مرگئی تھیں اس وقت؟ رشیدہ نے خصے سے پوچھا۔

”اماں کاشف بھائی کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے..... ہسپتال سے فون آیا تھا۔ ہم لوگ ادھر چلی گئیں..... پچارے کاشف بھائی کو بہت چڑھیں

آئی ہیں۔ کو لہے کی ہڈی بھی ٹوٹ گئی ہے اور ٹانگ کی بھی۔“

منی نے قدرے پریشان کن انداز میں آنکھیں کھول کر بتایا۔

”یہ کیسٹ..... لے بیٹی اسے بھی۔“ رشیدہ نے سدروہ کی جانب دیکھ کر کہا تو سدروہ نے حیرت سے ماں کی جانب دیکھا۔

”یہ مجھ سے پوچھتی ہے نا..... کہ میں اس کے ساتھ سو تلی ماں جیسا سلوک کیوں کرتی ہوں..... تو اسی لیے کرتی ہوں..... اس کی نحوست

کی وجہ سے..... جس دن یہ پیدا ہوئی تھی اس کے باپ کا سڑک پر ایکسیڈنٹ ہوا تھا..... اس کی سائیکل کی گاڑی کے ساتھ ٹکرا ہو گئی تھی۔ اور اس کی

دونوں ٹانگین ٹوٹ گئیں تھیں۔ بڑے مہینوں بعد ٹھیک ہوا تھا..... اور اس کے پیدا ہونے کے بعد گھر میں وہ تنگدستی آئی کہ فاقوں کی نوبت آ گئی.....

پھر خیر سے چار سال بعد راشدہ ہوا تو گھر میں رزق آنا شروع ہوا..... تمہارا باپ بھی ٹھیک ہو کر کام پر جانے لگا۔ میں نے بھی تھوڑا بہت کام شروع کر دیا

اور یوں گھر کی دال روٹی چلنے لگی۔ ورنہ یہ تو ہمیں لے دے بیٹی تھی۔ راشدہ کو باتیں کرتی ہے..... تو اس کے آنے سے ہم نے کون سے سکھ دیکھ

لیے.....“ رشیدہ نے قدرے نوحہ سے کہا تو سدروہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔ وہ خاموشی سے اندر کمرے میں چلی گئی اور کندے کے

ساتھ سوئے لیٹان کو چار پائی پر لٹا کر خود رون شروع ہو گئی۔ اسے اپنی قسمت پر رونا آنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے وہ واقعی منحوس ہو۔ زائدہ

بھی یہی کہتی رہتی تھی کہ اس کے آنے سے اس کے گھر میں سے رزق ختم ہو گیا ہے۔ برکت اٹھ گئی ہے اور اب اس کی اپنی ماں بھی یہی کہہ رہی تھی۔ وہ

پھوٹ پھوٹ کر رونا شروع ہو گئی..... وہ پہلے ہی کاشف کی وجہ سے پریشان تھی اور اب اماں کے انکشاف پر دھکی ہو رہی تھی۔

”آپا..... چپ کر..... اس میں تیرا کیا قصور ہے..... پاگل نہ ہو تو۔“ منی نے کمرے میں آ کر اس کو اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا تو وہ اور

شدت سے رونے لگی۔

”تو..... تو..... پر دھی لکھی ہے..... خواہ مخواہ اماں کی باتوں پر یقین کر رہی ہے..... اماں تو وہی عورت ہے..... وہ مجھے دن میں کیا کچھ بولتی

رہتی ہے..... اگر نہیں کہتی تو راشدہ کو کچھ نہیں کہتی“ منی نے اس کے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔

”شاید..... اماں ٹھیک ہی کہتی ہے..... میری نحوست کا سایہ کاشف کی زندگی پر بھی پڑ گیا ہے..... وہ بالکل ٹھیک تھا..... پھر اچانک کیسے یہ

سب ہو گیا..... اور وہ بھی جلدی ٹھیک ہونے والا نہیں..... وہ بھی شاید آپ کی طرح بہت مہینوں بعد ٹھیک ہو..... مجھے معلوم ہوتا..... تو میں کاشف سے

شادی ہی نہ کرتی۔" اور دو بھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ "آپا..... آپا..... کیا کر رہی ہو..... تم..... تو..... پڑھی لکھی ہو..... اور پڑھے لکھے لوگ ایسی باتوں پر کہاں یقین کرتے ہیں..... اماں نے جو کہہ دیا..... تو نے سچ مان لیا..... اماں کے دماغ میں تو ہٹا نہیں کیا کچھ آثار ہوتا ہے..... بس تو فکر نہ کر..... سب ٹھیک ہو جائے گا..... اور سن..... تو اپنے گھر چلی جا..... کاشف بھائی کو تیری ضرورت ہے۔ وہ چاہتے ہیں کہ تو ان کے پاس رہے..... تو نے دیکھا..... انہوں نے آنکھوں کے اشارے سے تجھے رکنے کو کہا تھا..... بھلے..... ماما جو مرضی کہے..... مگر تو چلی جا..... کل صبح چلی جانا..... شاؤ کو میں رکھ تو لیتی مگر مجھے کام پر جانا ہوتا ہے۔" منی نے نرمی اور محبت سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو سردرونے پر مطمئن ہو کر اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

باہر دروازے پر زور سے دستک ہوئی تھی۔ دونوں چونک گئیں اس وقت کون آیا ہے.....؟ منی نے ایک دم گھبرا کر پوچھا اور چار پائی سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تو فکر نہ کر..... اماں باہر ہی ہے..... اور راشد بھی تو ہو سکتا ہے۔" سردرونے اسے دلا سادیتے ہوئے کہا مگر منی کا رنگ ایک دم فاق ہو گیا تھا۔ دروازہ مسلسل بج رہا تھا۔ رشید و بیڑا تے ہوئے ابھی اور جا کر دروازہ کھولا۔ راشد شراب کے نشے میں دھت گھر میں داخل ہوا۔ وہ بری طرح لڑکھڑا رہا تھا۔

"راشد..... تو نے آج بھر شراب پی ہے..... میں نے تجھے منع کیا تھا نا....." رشید و قدرے خشکی سے بولی۔

"اماں..... مجھے معاف کر دے..... اللہ کے واسطے معاف کر دے۔"

راشد..... ماں کے پاؤں کو پکڑ کر گڑ گڑانے لگا۔

"اے..... بائے..... کس بات کی معافی مانگ رہا ہے..... تو نے کیا کیا ہے؟ رشید و نے حیرت سے پوچھا۔

"بس تو مجھے معاف کر دے..... تو میری ماں ہے..... ہاں ہے نا۔" وہ پھر گڑ گڑانے لگا۔

"ہاں..... ہاں..... میں ہی تیری ماں ہوں..... لگتا ہے تو نے بہت پی لی ہے تیرے دماغ کو چڑھ گئی ہے کمبخت۔" رشید و نے بیڑا تے ہوئے اسے اٹھایا اور چار پائی تک لے کر آئی۔ وہ بمشکل چل رہا تھا اور بار بار گر رہا تھا۔

"اماں..... میں بہت برا ہوں..... بہت برا۔" رونے لگا تو رشید و بھی اس کے ساتھ رونے لگی۔

"نہیں..... نہیں..... تو برا نہیں..... تو..... تو..... میرا چاند ہے۔" رشید و نے اس کے چہرے کو اپنے دوپٹے کے پلو سے صاف کیا۔

"نہیں..... تو نہیں جانتی میں بہت برا ہوں..... بس تو مجھے معاف کر دے۔" وہ پھر چار پائی سے اٹھ کر ماں کے قدموں میں بیٹھ گیا اور اس کے پاؤں زور سے پکڑ لیے۔

"راشد..... یہ تو کیا کر رہا ہے..... اٹھ..... ادھر لیٹ جا..... اب سو جا۔" رشید و نے اسے دو بارہ چار پائی پر لٹایا تو وہ پرسکون ہو کر لیٹ گیا۔

"آپا..... راشد دن بدن عجیب و غریب حرکتیں کرنے لگا ہے..... تو نے ابھی دیکھا..... کتنا پاگل لگ رہا تھا۔" منی نے کمرے کی کھڑکی

میں سے ہا ہر جھانکتے ہوئے کہا۔

”شراب عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے..... اس لیے تو اللہ نے اسے حرام کیا ہے..... انسان اپنی سمجھ بوجھ کو چھوڑتا ہے..... اس کو پتا ہی نہیں چلا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے اور کیا کر رہا ہے۔“ سدرہ نے اسے بتایا۔

”آپا..... یہ کتنے گناہ کی بات ہے؟..... کہ جس چیز کو اللہ نے حرام کہا ہے..... لوگ اس کو کھاتے پیتے ہیں..... انھیں اللہ سے ڈر نہیں لگتا..... کتنے گناہ کا کام کرتے ہیں۔“ منی نے حیرت سے پوچھا۔ ”اللہ سے ڈرتے..... تو ایسا کیوں کرتے..... جو اللہ سے نہیں ڈرتے وہ ایسے کام کرتے ہیں۔“ سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

”ہاں..... راشد کو بھی کسی کا ڈر نہیں..... سنا ماں کا..... سنا اللہ کا اور آپا تو نے دیکھا ہے..... راشد نے جب سے شراب پینی شروع کی ہے وہ بہت بد تمیز ہو گیا ہے۔ ماں کی تو بالکل بھی عزت نہیں کرتا..... اس سے پہلے بھی ماں کے ساتھ مار پیٹ نہیں کرتا تھا اور اب کیسے ماں کو گالیاں بھی دیتا ہے اور اس کے بال بھی تو چتا ہے..... اسے ذرا بھی شرم نہیں آتی۔“ منی نے حیرت سے کہا۔

”شراب انسان کو بے حیا اور بے شرم بنا دیتی ہے..... وہ کسی کی بھی عزت نہیں کرتا۔ نہ اپنی ماں کی..... نہ کسی اور عورت کی۔“ سدرہ نے رنجیدگی سے جواب دیا۔

”آپا..... کیا اب راشد ساری زندگی یونہی شراب پیتا رہے گا۔ کبھی نہیں اسے چھوڑے گا.....؟ منی نے قدرے مصویت سے پوچھا۔

”یہ بہت بڑی بات ہے..... یہ جسم..... ذہن اور روح کو برباد کر دیتی ہے۔ یہ دیکھ کی طرح اندر ہی اندر انسان کو کھوکھلا کر دیتی ہے..... بہت کم پینے والے سے چھوڑتے ہیں۔ یا تو بیمار ہو کر مر جاتے ہیں یا پھر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر جرائم کا شکار ہو جاتے ہیں..... راشد بھی تو دن بدن جرائم کا شکار ہو رہا ہے..... اللہ ہی اس کے حال پر رحم کرے اور یہ خود ہی اسے چھوڑ دے۔ ہم لاکھ سمجھائیں مگر وہ باز نہیں آئے گا جب تک کہ وہ خود نہ اسے چھوڑے۔“ سدرہ نے پریشانی سے جواب دیا۔

”آپا..... یہ تو بہت پریشانی کی بات ہے..... اگر راشد کو کچھ ہو گیا..... تو ماں کا کیا بنے گا..... وہ تو راشد سے بے حد محبت کرتی ہے اس کے بغیر تو.....؟ منی نے ایک دم سوچا اور گھبرا گئی۔

”معلوم نہیں..... اللہ ہی راشد کو ہدایت دے..... وہ تو کسی کی نہیں سنتا۔“ سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا اور دونوں کی آنکھیں مستقبل کے اندیشوں اور دوسروں کو سوچ کر نرم ہونے لگیں۔

سدرہ صبح سویرے ہی ہاسٹل جانے کی تیاری کرنے لگی۔ منی اور رشیدہ کے کام پر جانے سے پہلے ہی ڈیٹان کو لے کر ہاسٹل چلی گئی۔ راشد ابھی تک سو رہا تھا۔

”اے منی..... جلدی تیار ہو جا..... بڑا نیم ہو رہا ہے..... پھر کوٹھی والی بیگم صاب بڑبڑ کرے گی۔“ رشیدہ نے منہ بنا کر کہا۔ تیار تو ہو رہی ہوں..... منی نے اپنے لیے بالوں کی پٹیا بٹائی اور دیوار پر لگے چھوٹے سے ٹوٹے ہوئے آئینے میں اپنا چہرہ دیکھتے ہوئے جواب دیا۔

ایک دم دروازہ کھلا اور سلطان دو آوارہ قسم کے آدمیوں اور مولوی کے ساتھ گھر میں داخل ہوا۔

"اے..... راشد..... اٹھ جا..... بارات آئی ہے۔" سلطان نے چارپائی پر پڑے راشد کو جھوڑتے ہوئے کہا تو وہ ہنر بڑا کراٹھ بیٹھا۔

"ت..... ت..... تو یہاں کیسے آیا؟ رشیدہ نے گھبرا کر پوچھا۔

"خال..... میں تیرا ہونے والا داماد ہوں..... نکاح کرنے آیا ہوں۔ ہمیں عزت سے بٹھا..... یہ دیکھ..... ساری بارات منہ اٹھائے کھڑی

ہے۔" سلطان مونچھوں کو تادوہتے ہوئے بولا۔

مٹی نے کمرے کی کھڑکی کا کھوڑا سا پٹ کھول کر دیکھا تو سلطان کو آدمیوں اور مولوی کے ساتھ صحن میں کھڑے دیکھ کر گھبرا گئی۔ اس کو خندے پیٹنے آنے لگے۔ اس نے آہستہ آہستہ آگے بڑھ کر دروازے کو چھٹی لگا دی اور کھڑکی میں کھڑی ہو کر باتیں سننے لگی۔

"ارے..... چل..... منہ ہو کر رکھ..... ایک نمبر کا آوارہ اور لنگا..... آیا..... میرا داماد بننے۔" رشیدہ نے غصے سے کہا۔

"خال..... تیرا بیٹا تو بڑا مولوی ہے نا..... اگر میں ایک نمبر ہوں تو یہ دس نمبر ہے..... سن..... میں اپنی ولین لے کر ہی جاؤں گا..... اور میں

کوئی مفت میں اسے لینے نہیں آیا..... ہارے ہیں ہزار میں خریدی ہے۔" سلطان نے غصے سے کہا۔

بیس ہزار میں....." رشیدہ نے گھبرا کر راشد کی جانب دیکھا تو وہ ادھر ادھر دیکھنے لگا۔

"دیکھا مجھے اپنی جینس....." رشیدہ نے راشد کی قمیض کی جینس دیکھنی شروع کیں جو بالکل خالی تھیں۔

"اے..... بتاتا کیوں نہیں..... وہ پیسے تو نے کہاں چھوڑے..... سن خال..... رات کو اس نے جوئے میں بیس ہزار روپے ہارے..... اور

جیب میں اس کے ایک پیسہ بھی نہیں تھا۔ اگر میں وہاں جا کر بیس ہزار روپے کراے چھڑا کر نہ لاتا تو اس وقت تیرے گھر میں اس کی لاش ہوتی اور تو ماتم کر رہی ہوتی۔" سلطان نے خفگی سے کہا تو رشیدہ نے حیرت سے راشد کی جانب دیکھا۔

"اب تو نے جو اٹھایا بھی شروع کر دیا ہے۔ راشد تو سمجھتا کیوں نہیں۔ بوڑھی ماں اب کہاں تک تیرا ساتھ دے۔ رشیدہ رونے لگی۔

"اماں..... خواہ مخواہ..... میں رونا نہ ڈال۔ تو نے مٹی کو کہیں نہ کہیں تو شادی کرنی ہی ہے نا..... اگر سلطان نے سے کروے گی تو کیا قیامت

آ جائے گی..... جا..... اس کو سمجھا اور اس کے ساتھ بھیج دے..... مولوی صاحب آپ ادھر بیٹھیں۔" راشد نے چارپائی پر چادر لٹیک کر کے بچاتے ہوئے کہا۔ رشیدہ ہونٹوں کی طرح کبھی راشد کی طرف دیکھتی۔ کبھی سلطان اور اس کے لائے ہوئے آدمیوں کی جانب..... اس کی آنکھیں گویا پتھر کی گئیں تھیں۔

"چلو..... اب جلدی کرو..... زیادہ ٹیم نہیں۔" سلطان نے زیر لب مسکرا کر راشد سے کہا۔

"اماں..... جا..... مٹی کو تیار کر۔" راشد نے ماں سے کہا تو رشیدہ بے بسی سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"جا..... بھی..... کیا دیکھ رہی ہے....." راشد غصے سے بولا تو رشیدہ ڈرتی ہوئی کمرے کی جانب گئی۔ کمرے کا دروازہ بند تھا۔ وہ آہستہ

آہستہ سے کلکھانے لگی۔

"منی.....منی..... دروازہ کھول..... میری بات سن..... دروازہ کھول۔" رشیدہ آہستہ آہستہ دروازہ بجاتے ہوئے سرگوشیاں کرنے لگی مگر اندر سے کسی قسم کی آواز نہیں آ رہی تھی۔ رشیدہ کا دل دھک دھک کرنے لگا اور وہ ایک دم پریشان ہو گئی۔ اس نے بے بسی سے راشد کی جانب دیکھا جو ماں کی نظروں کا مطلب سمجھ کر اس کی جانب آیا۔

"کیا بات ہے..... دروازہ کیوں نہیں کھول رہی؟ راشد نے ماں سے پوچھا پتا نہیں۔" رشیدہ نے گھبرا کر جواب دیا۔
 "راشد نے زور زور سے دروازہ بجا یا مگر کوئی جواب نہ آیا۔ اسے بھی پریشانی لگ گئی۔ اس نے زور زور سے دروازے کو دھکا دیا تو وہ کھل گیا۔ دونوں کمرے میں گئے مگر وہاں کوئی نہیں تھا گلی کی جانب کھٹنے والی کھڑکی کا پٹ ٹوٹا ہوا پڑا تھا۔
 "منی بھاگ گئی ہے....." راشد نے آہستہ آواز میں کہا۔

"ہائے..... میں مر گئی..... میری منی بھاگ گئی..... مگر سے بھاگ گئی ہے۔" رشیدہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مارتے ہوئے کہا۔
 "کیسی کو بھائی کی عزت کا بھی خیال نہ آیا..... میں اسے چھوڑوں گا نہیں..... اس کے کٹوے کٹوے کر دوں گا..... اس کی پوٹیاں کٹوں گے آگے ڈال دوں گا....." راشد غصے سے چلانے لگا..... سلطان اور اس کے گواہ بھی گھبرا کر کمرے میں آ گئے۔
 "کیا ہوا.....؟ سلطان نے گھبرا کر پوچھا۔

"رشیدہ نے روتے ہوئے راشد کی جانب دیکھا اور راشد نے مایوسی سے سر جھکا لیا۔
 "سلطان نے میں جلد اسے ڈھونڈ نکالوں گا..... تو فکر نہ کر..... میرا حق ہے دھوکہ ہے۔" راشد نے آہ بھر کر کہا۔
 "جل..... جا..... بڑا آیا..... دھوکہ پھرا کرنے والا..... دو دن تک میرے بیس ہزار روپے واپس کر..... یا..... اسے ڈھونڈ کر میرے حوالے کر..... ورنہ....." سلطان نے اسے دھمکی لگاتے ہوئے کہا۔

جل..... سلطان نے تیری ڈیپن تو بھاگ گئی..... اب ہمارا اور کتنا ٹیم برباد کرے گا۔" ساتھ آئے ہوئے ایک گواہ نے غصے سے کہا۔
 "چلو..... چلتے ہیں..... راشد..... اب اپنی خیر منا..... صرف دو دن کا ٹیم ہے تیرے پاس۔" سلطان نے اس کے قریب آ کر دھمکی دی اور غصے سے اپنے آدمیوں کو لے کر باہر چلا گیا۔

رشیدہ دھمازیں مار مار کر روتا شروع ہو گئی۔
 "اماں اسے ڈھونڈ..... ورنہ میں تجھے زندہ نہیں چھوڑوں گا..... نہ تو نے....." راشد نے ماں کو دھمکی لگائی۔
 "کہاں ڈھونڈوں..... اس کی تو کوئی سیلی بھی نہیں..... وہ تو کہیں آتی جاتی بھی نہیں..... نہ مسایوں میں اور نہ ہی..... کہیں اور۔" رشیدہ پھر اونچی آواز میں رونے لگی۔

"میں کچھ نہیں جانتا..... اگر تجھے میری زندگی چاہیے تو اسے ڈھونڈ کر لا..... ورنہ سلطانا میری پوٹیاں کر دے گا۔" راشد نے جھنجھلا کر کہا۔
 "اللہ نہ کرے..... اللہ تیری خیر کرے..... میں اس نامراد کو ڈھونڈنے کی کوشش کرتی ہوں۔" رشیدہ نے راشد کی جانب دیکھ کر نرم لہجے

میں کہا اور راشد مگر سے باہر نکل گیا۔ منی کارو رو کر برا حال ہو رہا تھا۔ انتہائی شدت سے رونے سے اس کے گلے میں پھندا لگ رہا تھا اور اس کی سانس بحال نہیں ہو رہی تھی۔

”ذکیہ! جلدی سے پانی کا گلاس لے کر آئیں اور اس کے منہ کے ساتھ لگا یا پس کرو۔۔۔۔۔ بیٹی۔۔۔۔۔ بتاؤ تو سہی۔۔۔۔۔ مسئلہ کیا ہے۔۔۔۔۔ اس طرح رونے سے تو مسئلہ حل نہیں ہوتے۔“ ذکیہ! پانے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔ تو وہ ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے تپتے صحرائیں نکلے پاؤں چلتے چلتے وہ اچانک کسی شجر سایہ دار کے نیچے آ گئی ہو۔ جس کی ٹھنڈک نے اس کے آبلہ پا جسم کو چند ساتوں کے لیے پرسکون کر دیا ہو۔۔۔۔۔ سچی محبت کا لمس کتنا پُر کیف۔۔۔۔۔ کتنا لطیف اور کتنا مسخو کن ہوتا ہے یہ اسے اب محسوس ہو رہا تھا۔ ماں کی آغوش میں سستی ٹھنڈک ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس کے سینے میں کتنا سرور اور کتنی خوشی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ ذکیہ! آپا کے سینے کے ساتھ لگ کر اسے یہ ٹھنڈا میٹھا احساس ہو رہا تھا۔ اپنی ماں نے تو نہ کبھی اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا کر پیار کیا تھا اور نہ ہی سدرہ کو۔۔۔۔۔ وہ تو ماں کی ماما کے خوبصورت احساس اور لمس سے کبھی بھی محظوظ نہ ہوئیں تھیں اور اب ماما جیسی آغوش ملی تو برسوں کا دکھ اور تلخی جو اندر ہی اندر کسی لاوے کی طرح ابال کھا رہا تھا وہ قطرہ قطرہ آنسوؤں کی صورت میں بہہ کر اس کے دل کو پرسکون کر رہا تھا۔

”چپ۔۔۔۔۔ میری بیٹی۔۔۔۔۔ مجھے بتاؤ تو سہی کیا بات ہے؟ ذکیہ! پانے محبت سے اس کی پیشانی چومی تو اس نے سرخ انگارہ آنکھوں سے ان کی جانب دیکھا اور پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”آپا بیٹی۔۔۔۔۔ سدرہ! آپا نے کہا تھا کہ جب کبھی پریشانی کی کوئی بات ہو تو آپ کی طرف چلی جاؤں۔۔۔۔۔ اور اس وقت مجھے آپ کے علاوہ اور کوئی نظر نہیں آیا۔۔۔۔۔ جس کے پاس میں جاتی۔ اس لیے میں ادھر آ گئی ہوں۔“ منی نے روتے ہوئے کہا۔

”بہت اچھا کیا۔۔۔۔۔ یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔۔۔۔۔ یہاں تم آرام سے رہو۔۔۔۔۔ لیکن مجھے ڈر ہے کہیں تمہاری ماں اور بھائی تمہیں تلاش کرتے ہوئے ادھر آ گئے تو۔۔۔۔۔؟ ذکیہ! آپا کہتے کہتے رکس اور گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔

”نہیں۔۔۔۔۔ نہیں۔۔۔۔۔ وہ ادھر کبھی نہیں آئیں گے کیونکہ میں آج سے پہلے کبھی بھی آپ کے گھر نہیں آئی۔“ منی نے کہا تو وہ مطمئن ہو گئیں۔ پھر ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ جب تک حالات بہتر نہیں ہوتے تم یہاں رہو۔۔۔۔۔ پریشان ہونے کی کوئی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔“ ذکیہ! آپا نے کہا اور وازہ پر دستک ہوئی تو منی ڈر گئی اور گھبرا کر وازہ کی جانب دیکھنے لگی۔

”گھبراؤ نہیں۔۔۔۔۔ بچے سپاہرہ پڑھنے آ گئے ہیں۔۔۔۔۔ ان کے سامنے محتاط رہنا۔ اندر کمرے میں ہی بیٹھی رہنا۔۔۔۔۔ باہر مت آنا۔ بچے ہیں۔۔۔۔۔ کہیں باہر جا کر نہ بتا دیں۔“ ذکیہ! آپا نے اسے محتاط رہنے کا مشورہ دیا تو وہ اٹھ کر اندر کمرے میں چلی گئی اور ذکیہ! آپا بچوں کو باہر بٹھا کر سپاہرے پڑھانے میں مصروف ہو گئیں۔

راشد منی کو پاگلوں کی طرح ڈھونڈ رہا تھا۔ اسی تلاش میں وہ ہسپتال بھی گیا مگر سدرہ کو کسی بھی بات کی کوئی خبر نہ تھی۔ کاشف ابھی تک بیڈ پر تھا۔ سدرہ اسے ہسپتال میں دیکھ کر بہت چوکی اور اس کے آنے کی وجہ پوچھتی رہی مگر وہ یونہی ڈال مٹول کرتا رہا اور تھوڑی دیر بعد اٹھ کر وہاں سے چلا

آیا۔ سدرہ کو اس کا یوں اچانک آنا بہت کھٹکے لگا مگر وہ خاموش رہی۔

رشیدہ بھی اسے جگہ جگہ تلاش کرتی رہی۔ مسایوں کے گھروں میں بہانے سے جا جا کر ٹیٹھی رہی تاکہ کہیں سے کوئی خبر کوئی بات سنائی دے۔ مگر سب کوششیں بے کار ثابت ہو رہی تھیں۔ رشیدہ شام کو تنگی ہاری اور ماہیاں گھرونی تو راشدہ بھی تھوڑی دیر بعد اندر داخل ہوا۔ ماں کو دیکھ کر گرجے لگا۔

”اماں..... تجھے کچھ خبر ملی..... وہ کہاں مر گئی ہے.....؟ راشدہ نے چلاتے ہوئے کہا۔

”ساری جگہ ڈھونڈ کر آئی ہوں..... کچھ پتا نہیں چل رہا۔“ رشیدہ نے ماہی سے جواب دیا۔

”اماں..... مجھے تو لگ رہا ہے تو نے ہی اسے کہیں چھپایا ہے دروازے کے ساتھ لگ کر اس سے آہستہ آہستہ باتیں کر رہی تھی..... دیکھ

سیدھی طرح بتا..... تو نے اسے کہاں چھپایا ہے..... ورنہ“ راشدہ نے غصے سے دمکی بھرے انداز میں کہا۔

”پاگل ہو گیا ہے..... میں بھلا اسے کیوں چھپاؤں گی..... اور اگر میں نے ہی اسے چھپایا ہے تو پھر سارا دن اسے ڈھونڈنے میں کیوں

لگاتی۔“ رشیدہ نے غصے سے جواب دیا۔

”اماں..... تو بھی ایک نمبر کی جھوٹی اور مکار ہے..... تو لوگوں کے گھروں سے چیزیں اٹھا کر کہیں نہیں مانی..... بیٹی کو چھپا کر کہاں مانے

گی..... دیکھ سیدھی طرح بتا دے..... میرے پاس صرف ایک دن رہ گیا ہے۔ سلطانے نے مجھے قتل کر دیتا ہے..... پھر مجھے بھی ڈھونڈتی رہ جاؤ گی۔“ راشدہ نے ماہی سے کہا۔

”اللہ نہ کرے اسکی باتیں نہ کر..... تیرے سر کی قسم مجھے نہیں پتا..... وہ حرام خور کہاں بھاگ گئی ہے۔ اپنے ساتھ میرا بھی منہ کالا کر گئی

ہے۔ ایک بار مل جائے تو میں خود ہی اس کی بوٹیاں فوج ڈالوں۔“ رشیدہ نے غصے سے کہا۔

”اماں..... مجھے نہیں پتا..... اسے ڈھونڈ کر لا..... جہاں سے مرضی..... اور راشدہ موت کے ڈر سے پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”کہاں ڈھونڈوں..... تو ہی بتا.....“ رشیدہ نے بے بسی سے جواب دیا اور اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ پھیرنے لگی۔ وہ رونے لگا تو

اسے اپنے ساتھ لگا کر خود بھی رونے لگی۔

”اماں..... سلطانہ مجھے نہیں چھوڑے گا..... وہ..... وہ مجھے قتل کر دے گا..... وہ بڑا خال ہے..... تو اسے نہیں جانتی..... اس نے پہلے بھی دو

قتل کیے ہیں.....“ راشدہ روتے ہوئے بولا۔

”تو ہی بتا..... میں کیا کروں.....؟ رشیدہ نے پریشان سے جواب دیا۔ راشدہ غصے میں اٹھ کر باہر چلا گیا اور رشیدہ سوچوں میں گم ہو رہی تھی۔

ٹپٹپ رہی۔

”دور اتریں مگر رہتی تھیں اور راشدہ گھر سے غائب تھا..... رشیدہ کا دل بڑی طرح بے قرار تھا۔ ہر آہٹ پر چمک کر دروازے کی جانب

بھاگتی۔

ساری رات آنکھوں میں کانٹے..... راشدہ کے لیے ہر پہل، ہر لمحہ عائنیں لگتی کہ وہ خیریت سے ہو..... مٹی یا دالتی تو اس کے لیے دل بھر

آتا مگر اسے کوئی بھی خوب دیتی۔ زندگی نے ایسا کھن موز لیا تھا کہ اس کی بہت جواب دے گئی تھی۔ اس کے لیے عرصہ حیات تنگ ہو رہا تھا۔ اتنی پریشانی، اتنی مایوسی، اتنا دکھ اور اتنا کرب اس کے اندر بھیل گیا تھا کہ اس سے سانس لینا دشوار ہو رہا تھا۔ وہ ایسی بے بس ہو گئی تھی کہ کچھ بھی نہ کر سکتی تھی۔ نہ راشد کو ڈھونڈ کر گھر لاسکتی تھی اور نہ ہی مٹی کو..... وہ محبت کے ہاتھوں مجبور ہاں تھی۔ اور اس سے محبت کی وجہ سے ہی اس نے اتنی تکالیف اٹھائیں تھیں کہ وہ اسے جھوٹی اور دکھ کا کہتا تو وہ خاموشی سے سنتی جاتی۔ وہ اس کی مار پٹائی کرتا تو وہ اف تک نہ کہتی..... اب وہ لکھ لکھ اس سے دور جا رہا تھا اور وہ اس کے لیے بے انتہا ترپ رہی تھی..... بے قرار ہو رہی تھی۔ اسے کسی ہل سکون نہیں آ رہا تھا۔ نہ آنکھیں خشک ہو رہیں تھیں اور نہ ہی دل مطمئن ہو رہا تھا۔

”تیسری رات وہ منہ اندھیرے دیوار پھلانگ کر مٹن میں کودا رشیدہ جلدی سے مٹن کی طرف بھاگی۔

”راشدہ..... میرے لال..... کہاں تھا..... تو.....؟ رشیدہ نے محبت سے اس کا سراپے سینے کے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔ وہ بری طرح ہانپ رہا تھا اور یوں لگ رہا تھا وہ کئی دنوں کا بیمار ہو..... اور ایک لمحے کے لیے بھی نہ سویا ہو۔

”اہاں..... مجھے چھپالے..... وہ..... میرے پیچھے ہے.....“ راشدہ نے ماں کے گلے لگ کر روتے ہوئے کہا۔

”کون.....؟“

”سلطان..... اور اس کے بندے.....“ راشدہ نے بمشکل جواب دیا۔

”جل..... اندر میں تجھے کہیں چھپاتی ہوں۔“ رشیدہ نے سر کوٹی کرتے ہوئے کہا اور اسے کمرے کی جانب لے کر جانے لگی۔

اچانک کوئی مٹن میں کودا اور اس نے جلدی سے دروازے کی کنڈی کھولی۔ سلطان اور اس کے دو ساتھی ہاتھوں میں پستولیں پکڑے گھر میں داخل ہوئے۔ راشدہ اور رشیدہ گھبرا گئے۔

”راشدہ اب تو نہیں بچ سکتا..... میرے پیسے نکال یا پھر.....؟ سلطان نے اس کی جانب پستول تان کر کہا۔

راشدہ نے گھبرا کر ادھر ادھر دیکھا..... اسے فراں کا کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ وہ ماں کے پیچھے کھڑا ہو گیا۔

”آج میں تجھے نہیں چھوڑوں گا۔“ سلطان غصے سے بولا۔

راشدہ نے دیوار کے ساتھ لگی لکڑی کی سیڑھی کی جانب بھاگا رشیدہ سلطان کے اوپر گری تو اس نے اسے اٹھا کر دوسری جانب پھینکا وہ فرش پر گر کر کراہنے لگی۔ سلطان راشدہ کے پیچھے بھاگا راشدہ سیڑھی کے آخری ڈبے پر کھڑا تھا جب سلطان نے اسپر گولی چلا دی اور وہ کافی اونچائی سے فرش پر آ گیا گولی اس کے پیٹ میں لگی تھی۔ اس کے جسم سے خون کے فوارے اعلیٰ پڑے۔ وہ رشیدہ کے قریب فرش پر آ گرا۔ رشیدہ سے برداشت نہ ہو سکا۔ وہ اونچی آواز میں چلانے لگی۔ سلطان کو گالیاں بکتے لگی۔ اونچی آواز میں ماتم کرنے لگی۔ سلطان اور اس کے ساتھی بھاگ گئے۔ رشیدہ، راشدہ کے کبھی ہاتھ پکڑتی۔ کبھی اس کی آنکھیں کھول کھول کر دیکھتی۔ کبھی اس کے منہ میں انگلی ڈال کر زبان ہلا کر دیکھتی۔ کبھی اس کی ناک کے آگے ہاتھ بلا کر سانس چیک کرنے کی کوشش کرتی..... وہ ترپ ترپ کر مرنے لگا تھا اور رشیدہ اس کو ترپتے دیکھ کر مرنے لگی۔ وہ اونچی آواز میں چلا رہی تھی۔ مین کر

ری تھی۔ ارد گرد سے لوگ اکٹھے ہونے شروع ہو گئے۔ ہر طرف کبرام مچ گیا۔ پولیس آئی اور راشد کی لاش پوسٹ مارٹم کے لیے لے گئی۔ پورے علاقے میں خبر پھیل چکی تھی۔

ذکیہ آپا نے مٹی کو راشد کے تعلق ہونے کی خبر سنا لی تو وہ بھی وحشت میں مار مار کر رونے لگی۔

"میں ابھی گھر جاتی ہوں..... ماں کا تو برا حال ہو رہا ہوگا..... اپا جی ماں کو کون قتل دے گا..... مجھے جانا چاہیے۔" مٹی نے روتے ہوئے کہا۔
 "نہیں بیٹا..... اس وقت تمہارا جانا مناسب نہیں، ہو سکتا ہے سلطان وہیں کہیں ہوگا..... صورت حال دیکھ لینے دو..... پھر چلی جانا۔" ذکیہ آپا نے اسے سمجھا یا تو وہ خاموش ہو گئی اور سارا وقت روتی رہی۔ راشد اس کی آنکھوں کے سامنے گھومتا رہا۔ جب وہ دونوں چھوٹے تھے دونوں مل کر خوب کھیلے تھے۔ وہ اسے سائیکل پر بٹھا کر گھمانے لے کر جاتا تھا۔ اس کے لیے چیزیں لاتا تھا۔ دونوں پڑھتے ہوئے کتناڑتے تھے پھر صلح کر کے پڑھنے لگتے..... پھر کھیلنے لگتے..... کبھی لڑتے لڑتے ہنس پڑتے اور کبھی ہنستے ہوئے رونا شروع کر دیتے۔ دونوں میں بہت محبت تھی مٹی اور دونوں بہت جھگڑتے بھی تھے..... اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے راشد بگڑ گیا۔
 سدرہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"شراب انسان کی عقل پر پروہ ڈال دیتی ہے..... اسی لیے تو اللہ نے اسے حرام کیا ہے..... اسے سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ وہ کیا کر رہا ہے بہت کم پینے والے اسے چھوڑتے ہیں..... یا بیمار ہو کر مر جاتے ہیں..... یا پھر نفسیاتی الجھنوں کا شکار ہو کر جرائم کا شکار ہو جاتے ہیں اور راشد بھی تو دن بدن جرائم کا شکار ہو رہا ہے۔" سدرہ کے الفاظ اسے مزید دلانے لگے۔ ذکیہ آپا ان کے گھر گئی تو سدرہ بھی آچکی تھی اور راشد کی لاش بھی پوسٹ مارٹم کے بعد شام کو گھر آئی تھی۔ رشیدہ اپنے حواسوں میں نہیں تھی۔ وہ بھاگ بھاگ کر دروازے کو کنڈی لگانے کی کوشش کرتی اور مرے ہوئے راشد کے منہ کے اوپر چادر ڈال کر اسے اپنے سینے کے ساتھ لگا کر چھپانے کی کوشش کرتی۔ اس کی راشد سے والہانہ محبت دیکھ کر ہر آنکھ نم ہو رہی تھی۔ سدرہ ماں کو ایسا کرنے سے روکتی تو وہ اسے ڈانٹتی اسے گالیاں دیتی۔

سلطان کہیں فرار ہو گیا تھا۔ ہر طرف چھینکونیاں ہو رہی تھیں۔ لوگ بیٹھے ہوئے راشد کے بارے میں باتیں کر رہے تھے۔ اس کی حرکتوں کا ذکر کر رہے تھے۔ اس کی شراب نوشی، چوریاں، ڈکیتیاں، جوا بازی ہر ہر بات کو سرگوشیوں میں بیان کر رہے تھے اور سدرہ ان سرگوشیوں کو سن سن کر رورہی تھی۔ لوگ بہانے بہانے سے مٹی کے بارے میں بھی پوچھتے مگر سدرہ کوئی جواب نہ دیتی۔ کیونکہ ذکیہ آپا نے اسے مٹی کے بارے میں بات کرنے سے منع کیا تھا۔ جب راشد کا جنازہ اٹھایا گیا تو ہر طرف کبرام مچ گیا۔ رشیدہ کسی کو اس کی چارپائی اٹھانے نہ دے رہی تھی۔ بہت مشکل سے جنازہ اٹھایا گیا اور وہ بھاگ بھاگ کر اس کے پیچھے جاتی..... وہ ننگے سر اور ننگے پاؤں سے قبرستان تک اس کے پیچھے چلی گئی۔ کسی کو بھی راشد کو قبر میں اتارنے نہ دے رہی تھی۔ خود قبر میں لیٹ گئی۔ بڑی مشکل سے اسے ہٹایا گیا اور محلے والوں نے اسے گھر بھیجا..... مگر اسے کسی ہلی چین نہیں آ رہا تھا جنازے کے بعد ذکیہ آپا نے آہستہ آہستہ سدرہ کو مٹی کے بارے میں ساری بات بتائی تو وہ چونک گئی۔

"اتنا کچھ ہو گیا..... اور مجھے کسی نے بھی نہیں بتایا۔" سدرہ نے حیرت سے پوچھا کون بتاتا.....؟ رشیدہ کی حالت تو تم دیکھ رہی ہو..... وہ تو

اپنے حواس میں ہی نہیں..... مٹی کو میں نے حفاظت سے رکھا ہے..... اگر اس حالت میں گمراہ آگئی..... تو..... شاید رشیدہ ہی اسے زندہ نہ چھوڑے۔“ ذکیہ آ پائے کہا۔

”نہیں..... اس کو وہیں رہنے دیں..... میں دو تین دن بعد اسے لینے آؤں گی۔“ سدرہ نے کہا تو ذکیہ آ پاموش ہو گئیں۔
کاشف کو گھر شفٹ کیا جا رہا تھا اور اس حالت میں سدرہ کا اس کے پاس ہونا بہت ضروری تھا۔ کاشف نے اسے فون کیا تو وہ سوچ میں پڑ گئی۔
”کیا بات ہے..... سدرہ..... کیا تم نہیں آنا چاہتی؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”نہیں..... ایسی بات نہیں..... کاشف۔ اماں..... راشدہ کے غم میں اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھی ہے۔“ اور.....“ سدرہ بات ادھوری چھوڑ کر خاموش ہو گئی۔

”اور..... مٹی کہاں ہے..... اس کو پھوپھو کے پاس چھوڑ دو۔“ کاشف نے کہا۔
”ہاں..... دیکھتی ہوں۔“ سدرہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”سدرہ وہ پلیر..... گمراہ آ جاؤ..... مجھے تمہاری ضرورت ہے..... میں بہت اذیت میں ہوں..... اماں مجھے سنبھال نہیں سکتی۔“ کاشف نے انتہائی مایوس کن لہجے میں کہا۔

”آپ گھر نہیں کریں..... میں کچھ کی کوشش کرتی ہوں۔“ سدرہ نے جواب دیا اور موبائل آف کر کے مٹی کو لینے ذکیہ آ پائے گھر چلی گئی۔
مٹی اسے دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔ دونوں ہمیش گلیاں کر خوب روتی رہیں اور ذکیہ آ پادونوں کو تسلیاں دیتی رہیں چل..... میں تجھے لینے آئی ہوں..... اب تجھے ہی گھر سنبھالنا ہے۔ اماں کی حالت بہت خراب ہو چکی ہے۔ اسے سوائے راشدہ کے کچھ یاد نہیں.....“ سدرہ نے روتے ہوئے کہا تو مٹی اس کے ساتھ چل پڑی۔ دونوں گھر پہنچیں تو گھڑا یا سونا لگ رہا تھا جیسے برسوں سے یہاں کوئی آباد ہی نہ ہوا ہو..... ہر طرف ویرانی سی چھائی نظر آئی۔

”آپا..... ہمارے گھر کو کیا ہو گیا ہے..... اتنی ویرانی اور اداسی تو کبھی یہاں نہیں ہوتی تھی اور اب..... ہر طرف کٹی اداسی اور پریشانی ہے۔“ مٹی نے ارد گرد دیکھتے ہوئے کہا تو سدرہ جو اب کچھ نہ کہہ سکی بس خاموش اور غالی نظروں سے ادھر ادھر دیکھتی رہی۔

”اچانک دروازہ زور سے کھلا اور رشیدہ گھر میں داخل ہوئی۔ اس کے ہال بکھرے ہوئے تھے۔ کپڑے اور پاؤں مٹی سے اٹے ہوئے تھے۔ چادر گئے میں تک رہی تھی جس میں جگہ جگہ جمید ہو رہے تھے۔ پاؤں میں جوتی تک نہ تھی اور جگہ جگہ سے خون رس کر خشک ہو گیا تھا۔ کہیں چھالے بن گئے تھے اور کہیں ڈھم۔ اس کے ہاتھ میں مٹی سے بھرا لٹافہ تھا۔ مٹی ماں کی حالت دیکھ کر ادنیٰ آواز میں رونے لگی اور اس کی جانب چکی۔
”اماں..... یہ تو نے کیا حالت بنا رکھی ہے؟ مٹی روتے ہوئے اس کے گلے لگی۔

”پڑے ہوٹ..... کون ہے تو..... مجھے بڑی جلدی ہے..... مجھے اپنے بیٹے کی قبر بنانی ہے۔ یہ دیکھ میں وہاں سے مٹی لائی ہوں روز ادھر جانا پڑتا ہے۔ اب میں اپنے گھر میں اس کی قبر بنائوں گی۔ وہ میرے ساتھ سونے گا..... وہاں اسے اکیلا سونا پڑتا ہے اور اسے بہت ڈر لگتا ہے..... یہ

دیکھ..... میں یہ مٹی لائی ہوں....." اور رشیدہ نے کمرے میں جا کر سوکھے گلاب کی پتیوں والی مٹی قبر کی ڈھیری کی شکل میں اپنی چارپائی کے ساتھ پھیلا دی..... مٹی اور سدرہ یہ معجزہ دیکھ کر رونے لگیں۔

"خبردار..... درناست..... وہ سو رہا ہے۔" اس نے دونوں کو ڈانٹتے ہوئے کہا اور انہیں کمرے سے باہر نکال دیا۔ دروازہ بند کر کے مٹی کی ڈھیری پر اپنا ہانڈ پھیلا کر وہ لیٹ گئی۔

"آپا..... یہ..... سب کیا ہو گیا ہے.....؟ اماں..... اور اس حالت میں....." مٹی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

"اماں کا خیال رکھنا..... اور اسے گھر سے باہر مت جانے دینا۔ اور اپنا بھی خیال رکھنا..... دروازے کو کٹڈی لگائے رکھنا میں گڈو کی ماں کو کہہ کر جاتی ہوں..... تمہارا خیال رکھے اور تن..... میرا یہ موبائل اپنے پاس رکھ..... کوئی مسئلہ ہو تو مجھے فون کر دینا..... اب میں جا رہی ہوں۔" سدرہ نے مٹی کے گلے لگ کر اسے نصیحتیں کرتے ہوئے کہا اور ڈیشان کو اٹھا کر روتی ہوئی رخصت ہو گئی۔

"مٹی دروازہ بند کر کے لوٹی تو رشیدہ حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔ تو..... کون ہے..... اور میرے گھر میں کیوں گھس آئی ہے..... نکل باہر نکل..... نہیں تو شور مچا دوں گی۔" اور رشیدہ نے اسے دھکے دے کر گھر سے باہر نکال دیا اور دروازے کو اندر سے کٹڈی چڑھا دی۔ رات ہونے کو تھی۔ مٹی گھبرا رہی تھی۔ اس نے دروازہ کھٹکٹایا مگر رشیدہ نے دروازہ نہ کھولا۔ مٹی نے بے بسی سے ارد گرد دیکھا۔ کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ کوئی محفوظ پناہ گاہ دکھائی نہ دے رہی تھی سوائے زکیہ آپا کے..... اور وہ روتی ہوئی ان کے گھر کی طرف چل پڑی۔

☆

جب سے بابا پیدا ہوئی تھی مگر بھر میں خوشی کا سماں تھا۔ دادو تو اس پر صدقے واری ہوتے نہ جھکی تھیں۔ ہر وقت اسے گود میں بٹھائے رکھتیں..... ہر روز صبح سویرے اس پر سے پیسے دار کر دیتیں..... ماما کی حقیقت کی رسم بہت شایانہ انداز سے کی گئی۔ اسدا اور مومن بھی ماما کی وجہ سے بہت خوش تھے۔ اسدا نے اس کے پیدا ہونے کے بعد ڈھیروں شاپنگ کی تھی۔ ماما کا خوبصورت سا بے لپ روم انتہائی خوبصورتی سے ڈیکوریت کیا گیا تھا..... اسدا نے ماما کے لیے اسنے فرائک اور کھلونے خریدے تھے کے مومن حیران رہ گئی۔

"اسدا..... آپ بھی حد کرتے ہیں..... پورے پچاس فرائک ماما کے لیے خرید کر لے آئے ہیں..... کیا ضرورت تھی اتنی کپڑوں کی۔" مومن نے اپنے بیٹدم میں ہر طرف رنگ برنگی فرائکوں کا ڈھیر دیکھ کر حیرت سے کہا۔

"بھئی..... ابھی تو یہ کچھ بھی نہیں..... میں نے تو اپنی پرنس کے لیے رائل ڈریس بنوانے ہیں۔" اسدا نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"پلیز..... اسدا..... یہ فضول خرچی ہے..... مت کریں..... اتنے ڈریس پہننے تک وہ بڑی ہو جائے گی۔" مومن نے نرم لہجے میں کہا۔

"بڑی ہوگی..... تو..... اور کپڑے آجائیں گے..... کیوں میری سویٹ ڈال (Doll)؟" وہ ماما کو محبت سے ہوا میں اچھال کر اپنے سینے کے ساتھ چمکا کر بولا اور اسے والہانہ انداز میں چومنا شروع کر دیا۔ مومن اس کو یوں محبت کرتے دیکھ کر مسکرائے لگی۔

"مجھے اندازہ نہیں تھا۔ کہ آپ ماما سے اتنی محبت کریں گے۔" مومن نے مسکرا کر کہا۔

"اور جانتی ہیں..... میں آپ سے..... اس سے بھی زیادہ محبت کرتا ہوں..... پہلے آپ..... بعد میں میری dolly۔"

اسد نے مسکرا کر مومنہ کے کندھے پر اپنا بازو دھینکتے ہوئے کہا۔

"اسی لیے....." مومنہ کہہ کر ایک دم خاموش ہو گئی۔

"پلیز..... مومی..... مجھے مت یاد دلائیں۔ آئی فیل سوگلی (میں اپنے آپ کو قصور وار محسوس کرتا ہوں) اس رات جب آپ کا پی پی

شوٹ کر گیا تھا۔ ہائے گا..... میں بہت اپ سیٹ رہا تھا۔ بہت رو دیا تھا۔ بہت زیادہ..... میں نے تو کبھی سوچا بھی نہیں تھا کہ میں آپ کو ہرٹ کروں

گا..... سب کچھ اچانک ہو گیا..... اور کیسے ہو گیا..... مجھے ابھی تک سمجھ میں نہیں آتا۔ آئی ایم سوری..... سویت ہارٹ..... ریلی سوری۔" اسد نے

مومنہ کا ہاتھ پکڑ کر محبت سے اپنے دونوں ہاتھوں میں یوں قلم کر کہا جیسے اس سے معافی مانگ رہا ہوں۔

"اوکے....." مومنہ نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے لٹال لیا اور انتہائی شکستہ لہجے میں جواب دیا۔

"آئی لو یو سوچ....." اسد نے اسے یقین دلانے کے انداز میں کہا۔

"آئی..... نو۔" مومنہ نے جواب دیا اور ماہاکو فیڈر سے دودھ چلانے لگی۔

"کیا آپ مجھ سے ناراض ہیں.....؟ اسد نے پوچھا۔

"نہیں....." مومنہ آہ بھر کر جواب دیا۔

"آپ کا لہجہ تار ہلے گا آپ مجھ سے خفا ہیں۔" اسد نے کریدتے ہوئے پوچھا۔

"اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔" مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا۔

"مومی..... پلیز..... آپ ایسی باتیں مت کیا کریں..... جب آپ خفا ہوتی ہیں تو میں کتنا ہرٹ ہوتا ہوں..... کتنا اپ سیٹ ہو جاتا

ہوں..... پلیز..... مومی..... مجھ سے کبھی ناراض مت ہونا۔" اسد نے اس کے ہاتھ سے فیڈر پکڑ کر ایک جانب رکھا اور اس کے ہاتھ کو مضبوطی سے تھاما۔

"مومنہ نے کوئی جواب نہ دیا اور خاموش نظروں سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"مومی..... آپ کی آنکھوں میں..... میرے لیے اتنے شکوے کیوں ہیں؟ اسد نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"آپ اس کیوں کا جواب اچھی طرح جانتے ہیں۔" مومنہ نے ہاتھ چمڑا کر فیڈر پکڑا اور ماہاکو دودھ چلاتا شروع ہو گئی۔

"مومنہ..... پلیز..... آپ اس بات کو سوچنا چھوڑ دیں..... اٹ از تھنگ (یہ کچھ نہیں ہے) اسد نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"اب عی تو زیادہ سوچنا شروع ہوئی ہوں۔" مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"اب.....؟ کیا مطلب.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"ماما..... کی..... پیدائش کے بعد..... کیا آپ جانتے نہیں کہ ہماری سوسائٹی میں جن بچیوں کے باپ ڈرنک کرتے ہیں۔ انہیں سختی

پر ابھریں کرنی پڑتی ہیں..... لوگ ان سے رشتے کرتے ہوئے ڈرتے ہیں۔" مومنہ نے مایوس کن لہجے میں کہا۔

”کم آن..... مومن..... کیا فضول اور دقتاً نوی سوچ ہے..... زمانہ ترقی کر کے اوپر جا رہا ہے اور آپ کی سوچ مزید بیک ورڈ ہوتی جا رہی ہے۔“ اسد قدرے غلگی سے بولا۔

”اسد..... زمانہ ترقی کرے یا سوچ..... ہارل ولیمز (اخلاقی قدریں) کبھی نہیں بدلتیں۔“ مومن نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”آپ کیسی ولیمز کی بات کر رہی ہیں.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا آپ نے اپنی ولیمز میں پہنچ (فرق) محسوس نہیں کیا؟ مومن نے حیرت سے پوچھا۔

”کیسا پہنچ.....؟ آئی ایم ہنڈ رڈ پرسنٹ ہم پر سن (میں سو فیصد ہی انسان ہوں) ایڑہ آئی رازان پاسٹ (جو میں ماضی میں تھا) اسد نے

پراعتاً دلچسپی میں جواب دیا۔

”مومن خاموشی سے اس کی جانب دیکھنے لگی اور پھر فیڈر سائیز ٹیبل پر رکھ کر بابا کو سلائے لگی۔

”مومن..... آپ کی خاموشی مجھے ہرٹ کرتی ہے۔“ اسد نے غلگی سے کہا مومن اس کی بات سن کر پھر بھی خاموش رہی۔

”پلیز..... سوی..... ایسا مت کریں۔ مجھے بتائیں..... میں نے ایسا کیا کرو یا ہے جو آپ مجھ سے یوں ناراض ہیں اور پھر مجھ سے بات

کرنا بھی پسند نہیں کرتیں۔“ اسد نے جھنجھلا کر کہا۔

”اسد..... چاہتے ہیں تاکہ ہمارے درمیان سارے اختلافات ختم ہو جائیں..... ہم خوش رہیں..... ایک دوسرے سے بہت محبت کریں

کوئی شکوہ نہ کریں..... تو..... پلیز..... بابا کی خاطر..... میری خاطر ڈرنک کرنا چھوڑ دیں..... آج وعدہ کریں میرے ساتھ..... کتا بکھدہ آپ کبھی

بھی ڈرنک نہیں کریں گے۔“ مومن نے اسد کا ہاتھ تھامتے ہوئے اٹھاکرتے ہوئے کہا۔

”جو..... ایٹو..... نہیں..... اس کو ایٹو مت بتائیں..... اور میرے ڈرنک کرنے سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا۔“ جب

کوئی نقصان پہنچے گا تو میں چھوڑ دوں گا۔“ اسد نے فیسے سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے چھڑا کر کہا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ مومن مایوسی سے اس

کی جانب دیکھنے لگی اور اس کی آنکھوں سے آنسو گر کر بابا کے رخساروں پر گرے۔ بابا نے اچانک آنکھیں کھولیں اور رونا شروع ہو گئی۔ مومن نے

اسے کندھے سے لگا لیا اور اسے پیار کرنے لگی۔

☆

مریم اور حمزہ میں ہر روز جھگڑا ہوتا تھا۔ ہر دوسرے روز چھوٹی چھوٹی باتوں کو طول دے کر جھگڑا کرنا، ہر روز کا معمول تھا۔ حمزہ روز روز کی

اس جھگڑے سے عجب آگیا تھا۔ بات کچھ بھی نہ ہوتی تھی مگر بہت بڑی ہو کر سامنے آتی تھی۔ مریم ہر وقت مشغول رہتی۔ اس کے اندر ایک اضطراب تھا

جو اسے چھن نہیں لینے دیتا تھا۔ اس کا ذہن ہر وقت الجھنوں کا شکار رہتا۔ حمزہ فطرتاً فیک اور شریف انسان تھا جو مریم سے ہر ممکن تعاون کی کوشش کرتا

مگر مریم کو اس میں کوئی اچھائی نظر ہی نہ آتی۔ اس کی اچھائیاں اسے حمزہ کی کمزوریاں نظر آتیں۔ وہ ہر وقت کسی ناگن کی طرح پھن پھلائے بیٹھی

رہتی۔ حمزہ کی ماں خدیجہ کمزور اور بیمار عورت تھی جس سے مریم کو بہت چڑچڑی۔ حمزہ چاہتا تھا کہ مریم اس کی ماں کی خدمت کرے مگر مریم نے شادی کے

فوراً بعد ہی دوبارہ بخود نشی جانا شروع کر دیا اور خدیجہ گھر میں پھر اکیلی ہو گئی۔ معجزہ بار بار دفتر سے ہاں کو فون کر کے ان کا حال پوچھتا۔ ضرورت محسوس ہوتی تو خود گھر آ کر ماں کو ہسپتال لے کر جاتا۔ خدان کی ساری دیکھ بھال کرتا مگر مریم کو ذرا خیال نہ آتا۔ وہ شادی کے بعد استغدر بدل گئی تھی کہ ذکیہ بیگم خود بھی حیران ہوتیں کہ ان کی سکھائی ہوئی تربیت کہاں ضائع ہو گئی ہے۔ مریم بالکل مختلف روپ میں ان کے سامنے آئی تھی۔ ان کا سمجھنا اس پر قطعی اثر نہ کرتا۔ کبھی وہ بالکل خاموش ہو جاتی..... یا..... پھر رونا شروع کر دیتی..... اور کبھی کبھی تو مشتعل ہو کر بولنا شروع کر دیتی اور ذکیہ بیگم حیرانگی سے اسے دیکھتی رہتیں۔

”مریم..... تم خدا کا شکر کیوں نہیں ادا کرتیں کہ خدا نے تمہیں اتنا نیک میرٹ اور شریف شوہر دیا ہے۔ ساس بھی بہت اچھی ہیں..... تمہیں ان لوگوں کی طرف سے کوئی روک ٹوک نہیں، کوئی لینش نہیں۔“ ذکیہ بیگم سے محبت سے سمجھاتیں۔

”شکر کے ساتھ ممبر بھی کر رہی ہوں..... وہ آپ کو دکھائی نہیں دیتا۔“ مریم غلطی سے منہ بنا کر بولی۔

”کس چیز کی کمی ہے..... معجزہ میں..... خوب صورت اور خوب میرٹ انسان ہے..... اور کیا چاہیے تمہیں؟ ذکیہ بیگم نے نرمی سے کہا۔

”مجھے کچھ بھی نہیں چاہیے..... اور..... میری اتنی اوقات ہی کہاں کہ کچھ چاہ سکوں..... میں آپنی تموزی ہی ہوں۔“ مریم نے آہ بھر کر بٹلے بننے لہجے میں جواب دیا۔

”مریم..... تم کس طرح کی باتیں کرنے لگی ہو..... تمہیں کیا ہوتا جا رہا ہے۔ پہلے تو تم ایسی نہیں تھیں..... مجھے تم دونوں پر فخر محسوس ہوتا تھا۔ تم دونوں میں اپنی تربیت کا رنگ دیکھ کر خوشی ہوتی تھی۔ ذکیہ بیگم نے کہا۔

”اور..... اب..... مجھے ذکیہ کو آپ کو دکھ ہوتا ہے..... تا..... مجھے بھی اپنے آپ کو دیکھ کر بہت دکھ ہوتا ہے..... جس کی قسمت میں پہلے بھی محرومیاں تھیں اور آگے بھی محرومیاں ہیں..... کیا میری زندگی میں ہمیشہ محرومیاں ہی رہیں گی.....“ مریم پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”اتنی جلدی..... بہت ہارٹھشی ہو..... ابھی تو لمبی زندگی پڑی ہے کیا معلوم تمہاری قسمت کیسا موڑ لے اور ایک ہی قسمت میں تم کہاں سے کہاں پہنچ جاؤ۔“ ذکیہ بیگم نے اسے حوصلہ دیتے ہوئے کہا۔

”ای..... مفروضے ہمیشہ مفروضے ہی رہتے ہیں..... حقیقت نہیں بنتے..... کیا آپ کی قسمت میں ایسا موڑ آیا جس نے آپ کی زندگی کو بدلا ہو..... آپ بچپن سال پہلے جہاں کھڑی تھیں اب بھی وہیں کھڑی ہیں..... آپ کی زندگی میں کیا تبدیلی آئی ہے..... مسائل، مشکلات اور تکلیاں بڑھی ہیں..... کم نہیں ہوئیں تو پھر میری زندگی میں کیسے تبدیلی آ سکتی ہے..... کبھی بھی نہیں مجھے بھی ان محرومیوں کے ساتھ ساری زندگی گزارنا ہوگی۔

مریم روتے ہوئے بولی تو ذکیہ بیگم اس کی باتیں سن کر خاموش ہو گئیں کیونکہ اس کی باتوں میں سچائی تھی..... اور ایسا ہی ہوا تھا۔ ہر آنے والا دن تکلیفوں اور پریشانوں سے بھرپور تھا۔ زندگی نے کبھی چند دن بھی ہنس نہ سکون نہیں ہونے دیا تھا۔ پہلے مالی پریشانیاں اور گھر پریشانیاں تھیں۔ اب وہ ہر وقت موت اور مریم کی وجہ سے دائمی پریشانوں کا شکار رہتیں۔ مریم کو کیا کہہ کر تسلی دیتیں کہ اس کی قسمت بدل جائے گی جبکہ قسمت بدلنے کا کوئی معنی ان کے پاس نہیں تھا اور ان کی اپنی قسمت آج تک نہیں بدلی تھی۔ وہ خاموشی سے مریم کی طرف دیکھتی رہ جاتیں۔

مریم کے پارٹ دن کے الیگز انڈر شروع ہونے والے تھے اور وہ دن رات پڑھائی میں مصروف تھی۔ نہ وہ ڈھنگ سے کھانا پاتی نہ گھر کی صفائی سترائی کا اسے خیال تھا اور نہ ہی سانس کو وقت پر کھانا اور دوائیں دیتی۔ اس کی سانس گھٹنوں اور جوڑوں کی شدید تکلیف میں جلا تھی۔ گھر کا کوئی کام کاج نہ کر سکتی تھیں اور نہ ہی کھانا وغیرہ بنا سکتی تھیں۔ معزز خود ان کو وقت پر دوائیں وغیرہ دیتا تھا۔ وہ آفس کی طرف سے تین روز کے لیے اسلام آباد گیا تھا اور مریم دن رات اپنی پڑھائی میں مصروف تھی۔ وقت پر دوائیں نہ ملنے کی وجہ سے سانس کے جوڑوں کے درد میں زیادہ شدت آ گئی تھی اور وہ اٹھتے بیٹھتے کراہتی تھیں۔ ان کے کراہنے سے بھی مریم کو فضا آتا تھا کہ وہ جان بوجھ کر اسے ڈسٹرب کرتی ہیں۔ معزز تین روز بعد گھر آیا تو گھر کی حالت دیکھ کر حیران رہ گیا۔ فرش اور ہاتھ روم گندے ہو رہے تھے۔ اس کے کپڑے بھی تبدیل نہیں کیے گئے تھے۔ اور دوائیں بھی ویسی پڑی تھیں۔۔۔۔۔ خدیجہ ان پڑھ بڑھی عورت تھی۔۔۔۔۔ اسے خود دوائیں کھانی پڑتی تھیں اور معزز مریم کو ہدایت کر کے گیا تھا کہ وہ اماں کو دوائیں وقت پر کھائے ایک دن کے تانے سے بھی ان کی تکلیف بڑھ جاتی تھی۔۔۔۔۔ معزز کو دوائیں دیکھ کر فضا آ گیا۔۔۔۔۔ ورنہ وہ کبھی بھی مریم سے ناراض نہیں ہوتا تھا۔ اس کی ہر تلخ بات پر خاموش ہو جاتا تھا۔

”اماں۔۔۔۔۔ آپ نے کھانا کھایا تھا۔۔۔۔۔ تو دوائیں کیوں نہیں کھائیں؟ معزز نے اس سے پوچھا۔

”ابھی تک کھانا ہی نہیں کھایا۔۔۔۔۔ دوائیں کیسے کھاتی؟ خدیجہ نے جواب دیا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟ شام ہو رہی ہے اور آپ نے کب سے کھانا نہیں کھایا؟ معزز نے حیرت سے پوچھا۔

”تمہارے جانے کے بعد صرف ناشتہ کرتی ہوں۔۔۔۔۔ اور پھر رات کو کھانا اگر وہ بھی کسی کو یاد آ جائے تو۔۔۔۔۔“ خدیجہ نے غم آنکھوں سے

جواب دیا۔

”کیا۔۔۔۔۔ آپ نے کھانا بھی ٹھیک طرح سے نہیں کھایا اور ابھی تک آپ بھوکے ہیں۔۔۔۔۔ مریم کہاں تھی؟ معزز نے غصے سے پوچھا۔

”پتا نہیں۔۔۔۔۔ کمرے کے اندر ہی رہتی ہے۔۔۔۔۔ باہر تو نکلتی نہیں۔“ خدیجہ نے بتایا۔

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ میں کھانا لاتا ہوں۔۔۔۔۔“ معزز نے اپنے آپ پر بمشکل قابو پاتے ہوئے کہا اور اٹھ کر بیڈ روم میں چلا گیا۔ مریم بیڈ پر

کتا تیں پھیلائے پڑھائی میں مصروف تھی۔ معزز کے چہرے پر غصے کے آثار تھے۔ وہ تھکا ہارا اسلام آباد سے لوٹا تھا اور گھرا آئے ہی اسے اماں کی حالت دیکھ کے فضا آ گیا۔

”مریم۔۔۔۔۔ اماں کو دوائیں کیوں نہیں دیں۔۔۔۔۔ معزز نے غصے سے پوچھا۔

”یاد نہیں دیں۔۔۔۔۔ میں اپنی اسٹڈی میں مری ہوں۔“ مریم نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

”تمہاری پڑھائی سے زیادہ اماں کی صحت ضروری ہے۔“ وہ بولا۔

”میرے لیے میری اسٹڈی زیادہ ضروری ہیں۔“ وہ بھی غصے سے بولی۔

”اسٹڈی کم کرنے سے کسی کو درد نہیں ہوتا اور وہ تین روز سے درد میں جلا ہیں۔۔۔۔۔ ڈاکٹر نے انہیں سختی سے ہدایت کی ہے کہ وہ دوائیں مس

نہ کریں..... اور..... معیض بولتے ہوئے رکا۔

”اور..... انہوں نے آتے ہی شکایت لگا دی.....“ مریم نے غصے سے کہا۔

”شکایت کی کیا بات ہے..... میں نے میڈیسنز خود بخوبی پر پڑی دیکھی ہیں اب جاؤ..... ان کے لیے کھانا لے کر آؤ..... میں خود انہیں کھانا کھاتا ہوں..... اور پھر میڈیسنز کھلاؤں گا۔“ معیض منہ ہکا کر بولا۔

”میں نے کھانا نہیں پکایا؟ اس نے ہٹ دھرمی سے جواب دیا۔

”کیوں.....؟ معیض نے حیرت سے پوچھا۔

”میرے پاس نام نہیں..... پرسوں میرے ایگزامین ہیں.....“ اس نے اکڑ کر جواب دیا۔

”مریم..... تم..... اس قدر غیر ذمہ دار بھی ہو سکتی ہو اور اتنی خود غرض..... کہ جسے اپنے علاوہ کسی اور کا احساس ہی نہیں تمہیں معلوم تھا کہ میں نے بھی گھر آنا ہے اور ماں کے لیے کھانا کتنا ضروری ہے..... پھر بھی تم نے کچھ نہیں پکایا۔“ معیض غصے سے دھاڑا۔

”ہاں..... میں غیر ذمہ دار بھی ہوں..... اور خود غرض بھی۔

”اپنی جیسی کوئی ذمہ دار لے آؤ..... میں تم لوگوں کے کسی کام کی نہیں..... اب میرا اور تمہارا ساتھ زیادہ دیر نہیں چل سکتا..... تم نے میری جتنی انسٹل کرنی تھی..... کر لی..... اب اتنی انسٹل کے بعد میں اس گھر میں نہیں رہ سکتی..... میں صبح ہی یہاں سے چلی جاؤں گی۔“ وہ غصے سے بولی۔

”معیض ایک دم حیران رہ گیا۔ اسے قطعی توقع نہ تھی کہ وہ یوں گھر چھوڑنے پر تیار ہو جائے گی وہ اس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگا۔

”پلیز..... بات کو سمجھنے کی کوشش کرو..... میرا یہ مطلب ہرگز نہیں کہ تم گھر چھوڑ کر چلی جاؤ..... معیض نے ایک دم اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

”مطلب جو بھی ہو..... اب میں تمہارے ساتھ نہیں رہ سکتی..... اور ویسے بھی ساتھ رہنے کا فائدہ ہی کیا ہے.....؟“ شادی شدہ کے لیبل۔“ کے علاوہ نہ تمہیں مجھ سے کوئی فائدہ ہے اور نہ مجھے تم سے..... اس لیے بہتر یہی ہے کہ اس سوکالڈ میرج کو ختم کر دیا جائے۔“ وہ دو ٹوک لہجے میں بولی تو معیض حیرت سے اس کی جانب دیکھتا رہ گیا اور وہ غصے سے کمرے سے باہر نکل گئی۔

اگلے روز وہ معیض کے آفس جانے کے بعد اپنا ضروری سامان سمیٹ کر یکے چلی گئی۔ زکیہ آقا کو اسے یوں دیکھ کر حیران رہ گئیں۔

”معیض کہاں ہے..... اور..... تم.....؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”میں اسے چھوڑ آئی ہوں..... ہمیشہ کے لیے۔“ وہ اکڑ کر بولی۔

”چھوڑ آئی ہو..... کیوں.....؟ زکیہ آقا نے گہرا کر پوچھا۔

”میرا اور اس کا ساتھ نا ممکن ہے۔“ وہ بولی۔

”کیا بچوں جیسی باتیں کر رہی ہو..... تمہارا دماغ تو ٹھیک ہے۔“ زکیہ آقا فحشی سے بولیں۔

”جو مرضی تمہیں..... مگر میں ابن کے ساتھ نہیں چلی گی۔“ وہ ہاتھ پیچھ کھولتے ہوئے بولی۔

”کیا تم دونوں میں کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ زکیا پانے پوچھا۔

”وہ تو ہر روز ہوتا ہے۔۔۔۔۔“ وہ دھڑکیا انداز میں جیسے ہوئے بولی۔

”مریم۔۔۔۔۔ تمہیں کیا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ اچھا خاصا۔۔۔۔۔ اپنا بسا بسا مگر خود اپنے ہاتھوں سے اجاڑنے پر تکی ہو۔۔۔۔۔“ وہ غصے سے بولیں۔

”آپ کی نظر میں بسا بسا یا ہے نا۔۔۔۔۔ میری نظر سے دیکھیں۔ جو ایک ہار بھی نہیں بسا۔“ وہ غصے سے بولی۔

”اور تمہاری نظر میں وہ کیسے بسنا چاہیے؟ زکیا پانے پوچھا۔

”مگر میں خوشی، سکون اور خوشحالی ہو تو وہ بستا ہے اور جس گھر میں محرومی، اداسی، بیماری، اور تنگدستی ہو۔۔۔۔۔ وہ مگر نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ عسرت کدوہ

ہوتا ہے۔۔۔۔۔ میرا وہاں دم گھٹتا ہے۔ معیہ بخود لاتا ہے تو سب سے پہلے اماں کی دوائیں اور مگر کا خرچہ لگاتا ہے۔۔۔۔۔ میرے لیے کچھ بچے یا نہ بچے۔۔۔۔۔

شادی کے بعد میں نے اس کے مسائل ہی دیکھے ہیں۔۔۔۔۔ کبھی ایک دن کی خوشحالی نہیں دیکھی۔۔۔۔۔ وہاں صرف حسرتوں کے ساتھ زندہ رہ سکتے ہیں۔۔۔۔۔

خواہشات کا پورا ہونا تو بہت دور کی بات ہے۔۔۔۔۔ میں نے اپنی بہت سی خواہشات کا خود گلا گھونٹا ہے اور بہت سی خواہشات کو پیدا ہی نہیں ہونے دیا۔

کتی چھوٹی چھوٹی خواہشات تھیں کہ شادی کے بعد یوں ہو گا میں یوں کروں گی۔۔۔۔۔ وہ سب حسرتیں بن کر میرے سامنے آئیں۔ امی۔۔۔۔۔ ایک

خواہش ہوتی ہے نا۔۔۔۔۔ میری ایک خواہش بھی پوری نہیں ہوئی۔۔۔۔۔ میں ایک زندہ لاش کی طرح اس گھر میں ہوں۔۔۔۔۔ میں کیا ہوں؟ کسی کو اس

سے سروکار نہیں۔۔۔۔۔ میں کیوں ہوں؟ کسی کو اس سے غرض نہیں۔۔۔۔۔ میں ہوں یا نہیں؟ اس سے بھی کسی کو کوئی فرق نہیں پڑے گا۔۔۔۔۔ اس لیے میرا

وہاں نہ ہونا ہی بہتر ہے۔ کم از کم میں یہاں سکون سے تو رہوں گی نا۔۔۔۔۔ ہر وقت محرومیاں اور بیماری مجھے بے چین تو نہیں کرے گی۔“ مریم نے سسکتے

ہوئے کہا تو زکیا پا کا دل بچک گیا اور انہوں نے محبت سے اسے اپنے ساتھ لگ لیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”شاید۔۔۔۔۔ مجھ سے غلطی ہو گئی ہے۔“ زکیا پانے آہستہ آواز میں کہا۔ اور اپنی غم آنکھوں کو اپنے دوپٹے کے پلو سے رگڑنے لگیں۔

☆

مہاجن جوں بڑی سو رہی تھی۔ سارے گھر والوں کی آنکھوں کا تاریا بقی جاری تھی۔ دادو تو اس کے بغیر سانس نہیں لیتی تھیں۔ ہر وقت ان کے

کمرے میں بن کے بیڈ پر چڑھ کر بیٹھ جاتی اور ان کی چیزوں کو چھیڑتی راتی۔ مومنہ کبھی کبھار ناراض ہو کر اسے لڑائی تو وار دینا ہونے لگیں۔ دادو کے علاوہ

ملازم بھی اسے اٹھائے اٹھائے پھرتے۔۔۔۔۔ جب سے مہاجن پیدا ہوئی تھی۔ شام اس کا بہت خیال رکھتی تھی۔ اس کو نہلا نا، دھلا نا، جمولے جھلا نا سب اس کی ذمہ

داری تھی۔ مومنہ۔۔۔۔۔ شام کا بہت خیال رکھتی تھی۔ جب سے ثروت ہوانے اپنے اندیشے ظاہر کیے تھے تب سے وہ بہت محتاط ہو گئی تھی اور شام کو کہیں بھی اسے

نہیں بیٹھنے دیتی تھی۔ خصوصی طور پر اپنے بیڈ روم میں اسے بالکل بھی نہیں آنے دیتی تھی۔ صرف اس وقت بلاتی جب وہ اس کی بیڈ روم میں ہوتی۔

دن بدن شام میں بہت نکھار آتا جا رہا تھا۔ پہننے اوڑھنے میں بھی سلیقہ نمایاں ہو رہا تھا۔ پہلے وہ گہرے شوخ رنگوں کے پرٹس پہنتی تھی اب

ان کی جگہ ٹھنڈے، خوشگوار اور ڈیزائنڈ پرٹس پہننے لگی تھی۔ اس کی صحت بھی بہت بہتر ہو گئی تھی اور ادب و آداب میں بھی نمایاں تبدیلی آئی تھی۔ یا پھر

مومنہ کو کچھ دیکھ کر اس میں کچھ مثبت تبدیلیاں آرہیں تھیں۔۔۔۔۔ مگر وہ اپنے اوڑھنے کے بارے میں وہ ابھی بھی غیر محتاط تھی۔ فیشن بھی اس کا کرتی تھی۔

پہلے اس کی ہر بات میں مردوں کا ذکر نہیں نہ کہیں سے آ جاتا تھا۔۔۔۔۔ اب وہ ذکر تو کرتی تھی مگر قدرے محتاط انداز میں۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ پھر مومنہ کے سامنے غلط رہتی۔۔۔۔۔ کیونکہ مومنہ اکثر اسے ایسے تذکروں سے ڈانٹتی تھی۔ مومنہ نے اس کو ہمیشہ غاصلے پر رکھا تھا۔ کبھی بھی اس کے ساتھ انتہائی گہرے اور دوستانہ تعلقات نہیں بنائے تھے۔۔۔۔۔ اس لیے وہ بھی مومنہ سے زیادہ باتیں کرنے سے گریز کرتی تھی۔

اسد نے رفتہ رفتہ زیادہ ڈرنک کرنا شروع کر دیا تھا۔ کبھی کم کر دیتا۔۔۔۔۔ کبھی زیادہ۔۔۔۔۔ کبھی ہنسنے میں ایک بار۔۔۔۔۔ کبھی دو بار اور اب ایک ہنسنے سے ہر دوسرے روز کرنے لگا اور مومنہ کو اس بات سے سخت تشویش ہونے لگی تھی۔ اس بات سے دلوں میں ہر روز بحث و تکرار ہوتی۔ دلوں غصے میں آ جاتے اور بات تلخی پر ختم ہو جاتی۔ مومنہ یا تو رونے لگتی یا پھر کمرے سے باہر نکل جاتی۔ اسد جب بھی کمرے میں ڈرنک کرتا تو مومنہ کو اس کی موجودگی سے کراہت محسوس ہونے لگتی۔ اس کا سانس گھٹنے لگتا۔۔۔۔۔ مگر وہ مجبوراً بیٹھی رہتی کہیں دادو اس سے اسد کے بارے میں کچھ پوچھ نہ بیٹھیں اور اس نے یہ بات شدت سے محسوس کی تھی کہ جب سے دادو کو اسد کے ڈرنک کرنے کے بارے میں معلوم ہوا تھا وہ مومنہ سے نظریں ملا کر بات نہیں کرتیں تھیں اور مومنہ کو بار بار محسوس ہوا جیسے وہ اس سے شرمندہ ہوں اور اسد سے تو انہوں نے زیادہ بات چیت ہی چھوڑ دی تھی۔۔۔۔۔ صرف ضرورت کے وقت اس سے بات کرتیں ورنہ اسے دیکھ کر خاموش ہو جاتیں اور ان کی آنکھیں غم ہونے لگتیں اسد نے بھی اس بات کو محسوس کیا تھا مگر وہ یہ بات ان سے ڈسکس نہیں کرنا چاہتا تھا۔ یا اس میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ وہ ان کے سامنے کھڑا ہو کر اس بات کا اعتراف کرنا کہ وہ واقعی ڈرنک کرتا ہے نہ دادو اپنے آپ میں اتنی جرأت اور ہمت محسوس کر رہیں تھیں کہ اس سے کچھ پوچھتیں اور نہ ہی وہ۔۔۔۔۔ گھر میں عجیب قسم کی افسردگی اور مردنی سی چھائی رہتی تھی۔

شاید رشتوں میں تازہ بخار بڑھتا جا رہا تھا۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔ دل ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے۔۔۔۔۔ یا پھر رو جس مضطرب ہو رہی تھی۔ مگر کچھ ایسا تھا جس نے گھر کی فضا کو قدرے بے قرار بنا دیا تھا اور اس بے قراری کی وجہ کسی کو سمجھ میں نہ آ رہی تھی۔

شام گہری ہو رہی تھی۔ مومنہ۔۔۔۔۔ ہال کے ساتھ بیڈروم میں اس کے کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ بابا نے جب سے چھوٹے چھوٹے قدم اٹھا کر چلنا شروع کیا تھا۔ وہ ایک منٹ کے لیے نہیں بیٹھتی تھی۔ کبھی کسی چیز کو پکڑ کر کھینچتی اور اسے گرا دیتی مومنہ ایک چیز اس کے ہاتھ سے پکڑ کر رکھتی تو وہ دوسری پکڑ لیتی۔ مومنہ سارا وقت اسی کام میں مصروف رہتی۔

”اسد کمرے میں داخل ہوا تو دونوں کو کھینٹا ہوا دیکھ کر مسکرانے لگتا ہے۔۔۔۔۔ میں ٹھیک ناٹم پر آیا۔۔۔۔۔ اب تینوں بل کر کھلیں گے۔۔۔۔۔ آج میں بھی بہت خوش ہوں۔“ اسد نے اپنا کوٹ اتار کر صوفے پر رکھتے ہوئے کہا۔ اور مسکرا کر مومنہ کی جانب دیکھنے لگا۔

”خیریت۔۔۔۔۔؟ کس بات پر اتنا خوش ہو رہے ہیں“ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”اٹس اے سر پرانز۔۔۔۔۔ آپ پہلے دادو کے پاس جائیں۔۔۔۔۔ وہ آپ کو یاد فرما رہی ہیں۔۔۔۔۔ پھر جلدی سے واپس آئے تو پھر میں آپ کو خوشخبری سناؤں گا۔“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا تو مومنہ جلدی سے بیڈ پر سے اٹھی اور اپنے دوپٹے کو ٹھیک طرح سے سر پر لپیٹے ہوئے کمرے سے باہر نکل گئی۔

”جی۔۔۔۔۔ دادو۔۔۔۔۔ آپ نے یاد کیا ہے۔“ مومنہ نے دادو کے پاس صوفے پر بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

"بہو بیگم..... ہم نے ایک بہت برا خواب دیکھا ہے اور اس کی وجہ سے بہت پریشان ہیں..... لگتا ہے..... ہماری زندگی کے دن پورے ہو چکے ہیں۔" دادو نے آہ بھر کر کہا۔

"پلیز..... دادو..... آپ ایسی بات مت کریں..... پلیز....." اور مومنہ ونا شروع ہو گئی۔

"بہو بیگم..... ہم تو اب چراغ سحر ہیں..... کسی بھی وقت گل ہو جائیں گے..... اور یہ حقیقت بھی ہے..... حقیقت سے انکار ممکن نہیں..... ہم نے آپ کو اس لیے زحمت دی ہے کہ ہم اب اپنا سب کچھ آپ کے حوالے کرنا چاہتے ہیں..... بلاوے کا کیا ہے..... کسی بھی وقت آ سکتا ہے۔" دادو نے غم آنکھوں سے کہا۔

"دادو..... مجھ سے یہ سب نہیں ہوگا..... آپ کے بغیر یہ گھر..... اور ہماری زندگیاں کتنی ادھوری رہ جائیں گی۔ کیا آپ نے اس کے بارے میں سوچا ہے.....؟ خدا کے لیے ایسی باتیں مت کریں..... یہ گھر اور اس کی ہر شے آپ کی ہے..... اور آپ ہی ان سب کی مالک ہیں..... مجھے کچھ نہیں چاہیے..... سوائے آپ کی دعاؤں کے مومنہ نے ان کا ہاتھ پکڑ کر چہرے سے ہونے کہا۔

"آپ کی مجلسوں کا شکریہ..... مگر ہم بھی کوئی بوجھ سینے پر لے کر اس دنیا سے جانا نہیں چاہتے..... ادھر آئیے....." دادو نے اپنے کمرے کی ایک دیوار پر لگے ٹیبلٹ کو دیکھا تو ایک پردہ پیچھے سرکا اور اس کے پیچھے ایک بڑی ٹیبلٹ کی الماری نظر آنے لگی۔ دادو نے اسے کھولا اور اس کے اندر سے چابیوں کا بہت بڑا گچھا نکالا اور ایک ایک چابی مختلف خانوں میں لگاتی رہیں..... کسی میں ڈائمنڈ کے سیٹ انہماکی قرینے سے سجے تھے کسی میں سونے کے زیورات، کسی میں نگین، کسی میں سونے کے کھپ، پازیں اور ایک بڑے خانے میں کافی زیادہ پیش تھا۔

"یہ سب آپ کا ہے....." دادو نے سب کچھ کھول کر اس کو دکھاتے ہوئے کہا۔ مومنہ کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔

"اتنا سب کچھ..... دولت، زیورات، نعمتیں، آسائش قدرت اس پر کتنی مہربان ہو رہی تھی۔

"دادو..... مجھے کچھ نہیں چاہیے۔ مجھے ان چیزوں کی بالکل بھی ضرورت نہیں۔" مومنہ نے ان کی طرف پشت کرتے ہوئے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ سب چیزیں قدرت کی حمایت میں ہوتی ہیں اور اس کے کرم سے ملتی ہیں..... یہ سب کچھ ہر ایک کے نصیب میں کہاں؟ اور جس کو ملے..... اسے اپنے رب کا شکر ادا کرنا چاہیے..... نعمتیں آہستہ آہستہ زچہ جتنیں جب جتنی ہیں جب انسان ان کی ناشکری کرتا ہے ان کا استعمال ٹھیک طریقے سے نہیں کرتا..... اس میں سے دوسروں کا حق ادا نہیں کرتا..... اور ہم بھی یہی چاہتے ہیں کہ آپ نعمتوں کا شکر ادا کرنے والی بنیں..... اور ہمیں امید ہے آپ ایسا ہی مظاہرہ کریں گی۔" دادو نے اسے محبت سے سمجھایا۔

"مگر دادو..... میرے پاس پہلے ہی بہت کچھ ہے..... مجھے ان کی ضرورت نہیں۔" مومنہ نے کہا۔

"بہو بیگم..... یہ آپ کی اعلیٰ طرفی ہے..... اور قدرت کا آپ پر بہت بڑا انعام ہے کہ آپ کا دل بھرا ہوا ہے ورنہ انسان کے حرص، طمع اور لالچ کی کوئی حد نہیں ہوتی۔ ایک چیز پاس ہوتی ہے تو دوسری کے حصول کی طمع اسے چھین نہیں لینے دیتی۔ میری دو باتوں کو یاد رکھیے تو نعمت کبھی بھی آپ کے لیے زحمت نہیں بنے گی۔ ایک یہ کہ ایسی چیزوں کو اپنے مشکل وقت کا ساتھی سمجھیں کبھی کبھی انسان پر بہت ہماری وقت بھی آ جاتا ہے۔ تب یہ

جیزیں ساتھ دیتی ہیں..... اور دوسرا یہ کہ مال و دولت کو پیش و پشت اور فضول خرچی میں اڑانے کی بجائے اللہ کی راہ میں خرچ کریں تو سکون قلب کے ساتھ ساتھ ثواب بھی ملتا ہے اور مال میں بھی اضافہ ہوتا ہے۔

بس ہمیں یہی کہنا تھا..... ہماری خاندانی روایات کا خیال کیجئے اور ہم سے انجانے میں جو کوتاہیاں ہو گئی ہیں..... ہمیں معاف کیجئے۔“
دادو نے مومنہ کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر محبت سے کہا تو مومنہ رونا شروع ہو گئی۔

”بس..... ہماری جان..... ہم آپ سے بہت شرمندہ ہیں..... ہمیں مظلوم نہیں تھا..... اگر مظلوم ہوتا تو شاید.....“ دادو نے جملہ ادھر وڑا مچوڑ کر اس کی جانب بغور دیکھا اور ان کی آنکھوں سے آنسو گرنے لگے۔

”دادو..... آپ کے آنسو مجھے کمزور بنا دیں گے۔ مجھے آپ کی محبت اور حوصلہ افزائی چاہیے.....“ اس نے دادو کے آنسوؤں کو اپنی انگلیوں کی پوروں سے صاف کرتے ہوئے کہا۔

”جیتتی رہیے..... ہمارا سب کچھ آپ کے لیے ہی تو ہے۔“ اور دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چوی اور اسے اپنے گلے کے ساتھ لگا کر پیار کرنے لگیں..... دونوں سسکتے لگیں۔

اسد بے حد خوش تھا اور بار بار کچھ ڈاکو سنسن نکال کر انہیں دیکھ رہا تھا۔ اسی خوشی میں اس نے دہسکی کا پیگ بنایا اور اسے نیمل پر رکھا۔ جیسے ہی دو ڈرنک کرنے لگا تو موہاگل پر اس کی کال آ گئی اور وہ کال سننے میں مصروف ہو گیا۔ موہاگل اس کے ہاتھ میں تھا اور وہ چلتا ہوا بیڈروم کی بڑی سی کھڑکی کے پاس جا کر باتیں کرنے لگا۔ بابا بیڈ پر بیٹھی کھلونوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔ وہ آہستہ آہستہ نیچے اتری اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی ہوئی دہسکی کے گلاس کی طرف لگی اور گلاس میں اپنا چھوٹا سا ہاتھ ڈال کر اس کو پکڑنے کی کوشش کی مگر بھاری ہونے کی وجہ سے وہ اس سے پکڑا نہ گیا۔ دہسکی اس کے ہاتھ کو لگ گئی اور جوبی اس نے ہاتھ اپنے منہ میں ڈالا تو آنکھوں کو عجیب انداز سے جھپکایا۔ اسی لمحے مومنہ کمرے میں داخل ہوئی اور بابا کو دہسکی میں انگلیاں ڈال کر پھر منہ میں لے جاتے دیکھ کر بولی ”ماما.....“ وہ پوری شدت سے چلائی۔ اسد نے بھی ہڑا کر پیچھے دیکھا اور بابا کو دہسکی کے گلاس کے پاس دیکھ کر گھبرایا۔ جلدی سے موہاگل بند کر کے بابا کے ہاتھ سے گلاس ہٹایا اور چورنگ ہوں سے مومنہ کی طرف دیکھا۔
مومنہ نے غصے سے بابا کو دھپٹر لگائے۔

”آپ اس کو کیوں مار رہی ہیں؟ اسد شرمندگی سے ہنسنے لگا۔

”پھر..... کس کو ماروں.....؟ اپنے آپ کو..... جو اسے اس کمرے میں چھوڑ کر گئی..... اور یہ نہ سوچا کہ اس کمرے کی خلافت اسے بھی اپنی لپیٹ میں لے لے گی۔“ مومنہ انتہائی غصے سے جذباتی ہو کر بولی۔

”شٹ اپ مومنہ“ اسد نے غصے سے کہا۔

مومنہ..... روتی چلاتی بابا کو اپنے سینے کے ساتھ چمکا کر رونا شروع ہو گئی اسد کو اپنے رویے پر قدرے شرمندگی محسوس ہونے لگی۔

آئی ایم سوری..... آئی بندر بیناٹ (میرا یہ مطلب نہیں) اسد نظر میں جھکا کر بولا۔

”مومن پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”پلیز..... مومنہ..... آئی ایم سوری“ وہ نرم لہجے میں بولا۔

”مومنہ بابا کو اپنے گلے کے ساتھ لگائے روئی اور سسکتی رہی۔ بابا یونہی روتے روتے سو گئی تو اس نے اسے اٹھا کر اس کے پیڑ پر لٹا دیا۔

اسد بھی بہت اب سیٹ ہو رہا تھا۔ اس نے وہ وائس گلاس اٹھا کر واش بیسن میں گرادیا۔ مومنہ کے لیے یہ بہت حیرت کی بات تھی۔ اسد کی

اس حرکت سے اس کے اندر ایک امید سی پیدا ہوئی مومنہ کے دل میں خوشی کا احساس سا پیدا ہونے لگا۔

”اسد..... آج آپ خود ثابت کر رہے ہیں کہ ڈرنک کرنا اچھی بات نہیں.....“ مومنہ نے آہستہ آواز میں کہا تو اسد نے چونک کر اسے دیکھا۔

”اگر یہ اچھی بات ہوتی تو آپ بابا کو دیکھ کر نہ توجہ کھتے اور نہ ہی گلاس وہاں سے ہٹاتے..... کیا آپ چاہیں گے..... کہ آپ کی بچی بھی

ڈرنک کرے۔“ مومنہ نے عجیبی سی پوچھا۔

”کبھی نہیں۔“ اسد نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”کیوں.....؟ کیوں نہیں چاہیں گے؟ مومنہ نے اپنے الفاظ پر زور دیتے ہوئے پوچھا۔

”یہ بچوں کے لیے اچھی چیز نہیں۔“ اسد نے جواب دیا۔

”بڑوں کے لیے بھی یہ بہت بری چیز ہے..... اس میں صرف اور صرف نقصان ہے..... اگر یہ انسان کے لیے تھوڑی سی بھی بہتر ہوتی تو

اللہ اس کو کبھی حرام نہ سمجھاتا یہ بال، دولت، عزت، صحت، انسان اور پورے معاشرے کے لیے نقصان دہ ہے..... پلیز آج جس گلاس کو آپ نے

گرایا ہے..... اسے ہمیشہ کے لیے گرا رہے دیں..... پلیز..... میری خاطر..... بابا کی خاطر..... اور..... دادو کی خاطر..... دادو آپ کے بارے میں

جان کر کس قدر ہرٹ ہوئی ہیں..... آپ کو شاید اندازہ نہیں۔“ مومنہ نے کہا تو اسد خاموش ہو گیا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”پلیز..... اسد..... وعدہ کریں..... آپ آئندہ اسے ہاتھ نہیں لگائیں گے..... یہ خبیث شے ہے..... روح اور جسم کو ناپاک کرتی ہے۔“

مومنہ نے اسد کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اچھا یہ انداز میں کہا۔ اسد اس کی جانب دیکھتا رہا۔

”آئی دل ٹرائے (میں کوشش کروں گا) اور اسد نے خاموشی سے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھوں سے نکال لیا اور اٹھ کر پیڈ پر لیٹ گیا۔ مومنہ کو

قدرے بالی ہوئی مگر مایوسی کے ساتھ ساتھ دل میں قدرے امید بھی پیدا ہوئی کہ شاید وہ اس کی باتوں پر توجہ دے..... شاید اس کی دعاؤں کو اللہ

شرف قبولیت بخشے اور اسد کو اس کی درگاہ سے ہدایت مل جائے۔ ہو سکتا ہے اس کا دل اس خبیث شے سے بھر جائے..... اگر ایسا ہو جائے تو اس کی

زندگی سے ساری پریشانیاں دور ہو جائیں..... ان کا جوڑا آئیڈل جوڑا نظر آئے وہ کتنے خوش اور مسرور ہوں گے۔ دادو کی ساری فکریں ختم ہو جائیں

گی اور ان کے لہجے میں جواو سی اور آنکھوں میں جونی بھر گئی ہے وہ ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گی۔ وہ انتہائی پر امید ہو کر سوچنے لگی اور یونہی سوچتے

سوچتے اسے نیند آ گئی۔

معیز ذہنی طور پر بے حد پریشان تھا۔ مریم کے انگیزہ مزید بڑھ چکے تھے اور وہ اسے بار بار لینے جاتا تھا مگر وہ آنے سے صاف انکار کر دیتی تھی فون کرتا تو کال ریجیکٹ کر دیتی۔ معیز کو گھر میں خاصی پریشانی کا سامنا تھا۔ بڑھی، بھاریاں کو کس کے سہارے چھوڑ کر جاتا..... اور کوئی قریبی عزیز و رشتے دار تھا۔ ایک کام والی کو چند ضروری کاموں اور کھانا بنانے کے لیے رکھا تھا مگر وہ بھی اکثر چھٹی پر رہتی۔ معیز اس صورت حال سے سخت پریشان ہو گیا تھا۔ آفس میں بھی اسے بروقت ماں کی فکر لگی رہتی۔ بار بار فون کر کے ماں کو پوچھتا کبھی کھانا اور دوائیں کھلانے اسے خود آفس سے چھٹی لے کر آتا پڑتا تو کبھی ہمسائے میں کسی کو فون کر کے گھر بھیجتا..... مریم تھی کہ ایک ہی ضد لگائے بیٹھی تھی کہ اب وہ معیز کے گھر نہیں جائے گی اور معیز وہ پوچھتا تو سوائے شکووں کے اس کے پاس کوئی ٹھوس وجہ نہ ہوتی۔

معیز آفس سے واپسی پر ذکیہ آپا کے ہاں گیا تھا۔ مریم لیجن میں تھی اور ذکیہ آپا مغرب کی نماز پڑھ رہی تھیں۔ معیز برآمدے میں لگے تخت پوش پر بیٹھا اور مریم لیجن میں کام کرتی رہی۔ اس نے ایک بار بھی باہر نکل کر اس کی جانب دیکھنا گوارا نہیں کیا تھا۔ ذکیہ آپا نماز پڑھ کر اس کے پاس آئیں اور محبت سے اس کے سر پر ہاتھ بھیرا۔

”مریم..... چائے لے کر آؤ۔“ ذکیہ آپا نے مریم کو آواز دی۔

کوئی تکلف نہ کریں۔“ معیز نے کہا۔

”نہیں بیٹا..... تکلف کی کیا بات ہے..... یہ تمہارا اپنا گھر ہے۔“ ذکیہ آپا نے محبت سے کہا۔

”آئی..... میں بے حد پریشان ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں..... آپ مریم کو سمجھائیں وہ میرے ساتھ گھر چلے..... اماں گھر پر اکیلی ہوتی ہیں اور.....“ معیز کچھ کہنے لگا تو مریم چائے کا کپ ٹرے میں رکھے باہر آئی۔ مریم کو دیکھ کر وہ خاموش ہو گیا۔

”اور..... یہ کہ آپ کو نوکرائی کی ضرورت ہے..... میں کوئی ملازمہ نہیں کہ آپ کے گھر جا کر آپ لوگوں کی خدمتیں کروں۔“ مریم ترش لہجے میں بولی۔

”مریم..... یہ تم کس لہجے میں اپنے شوہر سے بات کر رہی ہو..... آواز نیچی رکھو۔“ ذکیہ آپا نے اسے ڈانٹا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”آئی..... آپ مریم سے پوچھیں..... میں نے اس کو کیا تکلیف دی ہے۔ کبھی اس کو کسی بات پر نہیں ڈانٹا..... کبھی اس پر اپنی مرضی مسلط نہیں کی..... کبھی اس پر اپنی اور اپنی ماں کی ذمہ داریاں نہیں ڈالیں..... میں اپنے اور ان کے کام زیادہ تر خود کرتا ہوں۔“ مریم کو آخرا کیا شکوے ہیں؟ یہ میرے ساتھ کیوں نہیں رہنا چاہتی؟ معیز نے قدرے بے بسی سے مریم اور ذکیہ آپا کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مجھے آپ سے کوئی شکوے نہیں..... لیکن آپ کے ساتھ خوش بھی نہیں ہوں۔“ مریم دھوک لہجے میں بولی۔

”مجھے بتاؤ..... میں کس طرح تمہیں خوش رکھ سکتا ہوں میں تو اپنی طرف سے ہر ممکن کوشش کرتا ہوں کہ.....“ معیز جھنجھلا کر بولا۔

”یہ آپ کے بس سے باہر ہے۔“ مریم نے قدرے طنز لہجے میں کہا۔

”کیوں.....؟ کیا میں اس کا مل نہیں..... کہ میں خوش رکھ سکوں۔“ معیز نے حیرت سے پوچھا۔

”اگر اس کاٹل ہوتے..... تو..... میں آج یہاں نہ ہوتی۔“ مریم نے پھر مٹریہ لہجے میں جواب دیا۔

”بس کرو..... مریم.....“ ذکیہ پانے پھر اسے ڈانٹا۔

حیو نے اس کی طرف نم آنکھوں سے دیکھا اور خاموشی سے اٹھ کر چلا آیا۔

”تم اس قدر بے ہاک اور بدتمیز ہو گئی ہو کہ تمہیں اتنا بھی خیال نہیں آیا کہ تم اپنی ماں کے سامنے بیٹھ کر اپنے شوہر کی بے عزتی کر رہی ہو.....

میری تربیت کو بھی ذلیل کر رہی ہو اور اس کی عزت کو بھی..... حد کر دی ہے تم نے..... مجھے اپنی ہی نظروں میں تم نے شرمندہ کر دیا ہے..... محلے بھر کی

بچیوں کو والدین شوہروں اور بڑوں کا احترام سکھانے والی کی اپنی بیٹی اس کی تربیت کا مذاق اڑا رہی ہے..... تم نے اسے نہیں مجھے بے عزت کیا ہے۔“

ذکیہ پاؤں اٹھی آواز میں رونے لگیں۔

”مریم! تھوڑی سی شرمندگی محسوس ہوئی..... اور وہ ذکیہ پانے کے کھٹوں پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔“

”آپ اور آپلی پہلے دن سے حیو کی فہم میں بولتے ہیں۔“

میرے اندر کے دکھ اور پریشانی کو سمجھنے کی کوشش نہیں کرتے میں اس گھر میں کس طرح ایک ایک لمحہ اذیت میں گزارتی ہوں۔“ مریم نے

روبانسی آواز میں کہا۔

”کیا قیامت تم پر ٹوٹی ہے..... کیا حیو تمہیں مارنا، پیٹنا ہے..... ساس تمہیں طعنے دیتی ہے۔ کام کرواتی ہے۔ گالیاں بکتی ہے کیا کرتی ہے

دو.....؟ تمہیں جو دولت اور آسائشوں کا خطبہ ہوا ہے نا وہ تمہیں لے ڈوبے گا۔ تم نے دولت اور آسائشوں کی خاطر اپنی زندگی کو داؤ پر لگایا ہے..... وہ

زندگی کا حصہ ضرور ہیں زندگی نہیں..... تمہیں پیسے کا جنون ہو گیا ہے..... اور اس جنون میں تم رشتوں کو خراب کر رہی ہو..... مریم بہت پچھتاؤ گی۔“

ذکیہ پانے دوپٹے سے اپنی آنکھوں کو پونچھتے ہوئے کہا تو مریم خاموش ہو گئی۔

”اور اگر تمہارے ذہن میں یہ کینر اسو جو دے کہ تم حیو سے طلاق لو گی..... تو..... میرے جیتے جی ایسا کبھی نہیں ہو گا..... میں حیو میں جو

دیکھتی ہوں وہ تم نہیں دیکھ رہی ہیں۔ وہ اچھا اور اعلیٰ ظرف انسان ہے اور تم بہت کم ظرف..... جس کو اس کی اعلیٰ ظرفی نظر نہیں آ رہی۔ تم اسے ذلیل کر

کے یہ سمجھتی ہو کہ تم اس پر حاوی ہو گئی ہو..... تو..... یہ غلط بات ہے..... اس کی خاموشی میں ہی اس کی اعلیٰ ظرفی ہے۔ میں اس کی ماں کو داؤد دیتی ہوں

جس نے اپنے بیٹے کی اتنی اعلیٰ تربیت کی..... اور اپنے آپ کو کوکتی ہوں جو اس کے مقابلے میں اپنی بیٹی کی کچھ بھی تربیت نہ کر سکی۔“ ذکیہ پانے طے

سے کہا تو مریم نے خاموشی سے ادھر ادھر نظریں چرا کر دیکھنا شروع کر دیا۔

”مریم..... بر انسان میں خاموشیاں ہوتی ہیں اور جس کو تم آئینڈیل سمجھتی ہو..... وہ دور سے آئینڈیل نظر آتے ہیں۔ پاس جا کر معلوم ہوتا

ہے کہ اصل میں وہ کیا ہیں؟ ذکیہ پانے بلا واسطہ انداز میں کہا تو مریم ان کی بات سن کر چونک گئی اور اسے کچھ بھی سمجھ میں نہ آیا۔

☆

دادو کی طبیعت کئی روز سے خراب تھی۔ دل میں ہلکا ہلکا درد محسوس ہوتا اور طبیعت میں بھی بوجھل پن تھا۔ وہ ہر شے سے بیزار ہو گئیں تھیں نہ

کھانے کو دل چاہتا۔ نہ کپڑے بدلنے کو نہ کہیں آنے جانے کو..... ہر وقت پیڑ پر لپٹی رہتیں۔ صرف ماہ کو پاس بٹھا کر اس سے کبھی کھیلتیں..... کبھی اس کو پیاد کرتیں۔ تو کبھی حسرت سے اس کی طرف دیکھتی رہتیں۔ مومنہ نے اسد کو ان کی طبیعت کے بارے میں بتایا تو وہ بھی پریشان ہو گیا۔ اس نے ڈاکٹر سے اپنا ٹھکانہ لی۔ مگر دادو ڈاکٹر کے پاس جانے کو تیار ہی نہیں تھیں۔ مومنہ نے بھی سمجھا یا بلکہ بہت خجس کیں مگر دادو کی ایک ہی ضد تھی کہ وہ وہاں جا کر کیا کریں گی۔ ان کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں..... مومنہ..... ماہ کو لے کر اوپر چلی گئی اور اسد کو اصرار کیا کہ وہ دادو کو زبردستی ڈاکٹر کے پاس لے کر جائے اسد کے ایکسیڈنٹ کے بعد دادو اور اس میں ایک عجیب طرح سے دوری پیدا ہو گئی تھی۔ شاید وہ ان سے شرمندہ تھا..... یا پھر دادو واقعی زیادہ ہرٹ ہو گئیں تھیں کہ وہ اس سے بات ہی نہیں کرنا چاہتی تھیں۔ وہ جب بھی ان کے پاس آتا تو دونوں ضروری باتوں کے علاوہ کوئی دوسری بات نہ کرتے۔ پہلے جیسی محبت، لاڈ پیار نہیں، مذاق، شرارتیں سب کچھ نبھانے کہاں کھو گیا تھا۔ دادو جب بھی اس کی جانب دیکھتیں تو ان کے منہ سے آہ نکلتی اور آنکھیں غم ہوئے نکلتیں۔

اسد دادو کے کمرے میں آیا تو وہ آنکھیں موندھے سونے کی کوشش کر رہی تھیں..... اسد ان کے پاس آکر صوفے پر بیٹھ گیا اور ان کو آہستہ سے آواز دی۔

دادو نے آنکھیں کھول دیں اور اسد نے جلدی سے پکھیاں ان کے پیچھے دکھا اور اس کے سہارے ان کو بٹھایا۔
 ”دادو..... میں نے ایک اسپیشلسٹ ڈاکٹر سے آپ کے لیے اپائنٹمنٹ لی ہے..... اٹھیے..... ان کے پاس چلتے ہیں۔“ اسد نے محبت سے کہا۔

”ہمیں کہیں نہیں جاتا۔“ دادو نے دیر کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا۔
 ”آپ کیسی باتیں کر رہی ہیں..... ہر بیماری کا علاج ممکن ہے۔“ اسد نے جھنجھلا کر کہا۔
 ”ہاں..... قدرت نے ہر بیماری کا علاج کیا ہے..... مگر اندر کے دکھ اور روح کی بے قراری کا علاج ڈاکٹروں کے پاس نہیں۔“ دادو نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”دادو..... آپ.....“ اسد نے کچھ کہنا چاہا۔
 ”آپ نے ہمیں بہت مایوس کیا ہے..... ہماری روح کو زخمی اور دل کو چھلنی کر دیا ہے۔“ دادو نے اس کا جملہ کاٹتے ہوئے کہا۔
 ”م..... میں..... نے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔
 ”آپ نے ہماری برسوں کی عزت کا محرم توڑ دیا ہے۔ ہماری تربیت کو داغدار کر دیا ہے..... ہمیں اپنے اسلاف کے سامنے شرمندہ کر دیا ہے..... اور بھونچک کے سامنے بے حیثیت“ دادو نے غم آنکھوں سے جواب دیا۔

”دادو..... آپ نے کس بات کو اپنی جان کا روگ بنا لیا ہے۔“ اسد نے اپنے دفاع میں کچھ کہنا چاہا مگر اس کی زبان نے ساتھ نہ دیا۔
 ”ہمارے خاندان کا وقار اور عزت مذہب، تعلیم اور شریعت کی پاسداری سے تھا۔ ہمیں اپنی اخلاقی قدریں ہر شے سے زیادہ عزیز

تھیں..... ہمارے ہاں حلال و حرام..... جائز و ناجائز، پاکیزگی اور تقدس کا برہات میں خیال رکھا جاتا تھا..... ہمارے شوہر فرید الدین..... وظی عرف، نیک اور پاکردار انسان تھے..... آپ کے والد ظہیر الدین کی اخلاقی قدروں اور تربیت پر ہمیں فخر تھا..... اور آپ.....؟ کیا ہم آپ کی کوئی تربیت نہ کر سکے ہم آپ کو مذہب اور شریعت کی پاسداری نہ سکھاسکے..... ہم نے آپ کو کوئی اخلاقی قدریں نہیں سکھائیں..... ہمیں اپنے آپ پر افسوس ہوتا ہے..... کہ ہم کتنے نا اہل ثابت ہوئے جو آپ کو اللہ کی حدود کے بارے میں نہ بتا سکے..... اسد میاں..... یہ وہ دکھ ہے جو ہر وقت ہمارے دل میں نشتر چھونتا رہتا ہے اور ہماری روح کو پریشان رکھتا ہے..... آپ ہی بتائیے کیا ہمارے اس مرض کا علاج کسی ڈاکٹر کے پاس ہے؟

دادو نے مایوس کن لہجے میں پوچھا تو اسد نے شرمندگی سے نظریں جمکا لیں۔

”آئی ایم سوری.....“ اسد بے شکل بولا۔

”جیہا..... آپ کی ’سوری‘ کافی نہیں..... جب انسان بھٹک جاتا ہے اور کسی غلط راستے پر چل نکلتا ہے تو اسے واپس آنے کے لیے محض ’سوری‘ کی نہیں..... مضبوط قوت ارادی کی ضرورت ہوتی ہے۔ اپنے آپ کو سمجھنے اور اللہ سے معافی مانگنے کی ضرورت ہوتی ہے..... اور جس راہ پر آپ چل نکلے ہیں دوسرا سربا ہی کی جانب جاتا ہے۔

جیہا شراب عقل کو زائل کر دیتی ہے۔ عقل پر پردہ ڈال دیتی ہے اور اچھے خاصے انسان سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جو اسے معاشرے میں ذلیل و رسوا کر دیتے ہیں۔

”یہ شریف انفس انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے اس کی عزت اور وقار کو ایسا نقصان پہنچاتی ہے کہ ساری زندگی کی جدوجہد بھی اس وقار کو بحال نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے اور اس میں بہت مصلحتیں ہیں اور سب سے بڑھ کر جو بات ہمیں دیکھی کرتی ہے..... وہ یہ ہے کہ انسان اللہ کا فرمان اور گمراہ رہتا ہے..... جو اس کے احکامات کی پابندی نہیں کرتا..... اس پر وہ اپنا غضب نازل نہیں کرے گا تو اور کیا کرے گا..... اور یہ غضب کبھی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ذلت و رسوائی کی صورت میں..... اور ہم نے ہر پینے والے کے ساتھ یہی کچھ ہوتے دیکھا ہے..... اس لیے ہمیں ہر وقت ڈر لگا رہتا ہے..... ہمیں آپ سے بہت محبت ہے۔ شاید ظہیر الدین سے بھی زیادہ ہم نے آپ کے لانا ڈھائے ہیں۔ آپ کو تکلیف ہو تو کیا ہم ہمیں سے بیٹھ سکتے ہیں..... اور آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں اس کے بارے میں اللہ کے نئی کا فرمان ہے کہ لیلۃ القدر کی رات ہر ایک کی بخشش ہوگی مگر کچھ لوگوں کی نہیں..... جن میں سے ایک شرابی بھی ہے۔“ آپ ہی بتائیے یہ فرمان ہمیں سکون لینے دے گا کہ ہمارے دل کا تھکا پھردار گرد گردگار کی بارگاہ میں ایک مجرم بن کر کھڑا ہو..... بخشش کا طلبگار ہو اور اسے وحکار دیا جائے۔ مغفرت مانگئے..... تو..... مغفرت نہ ملے..... معافی مانگئے اور اسے معافی نہ ملے..... سوچئے اس وقت ہماری آپ کے والد اور ہمارے بزرگوں کی کیا حالت ہوگی..... جب ہم آپ کے لیے کچھ بھی نہ کر سکیں گے۔“ دادو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ اسد کے دل پر بھی ان کی باتوں کا گہرا اثر ہونے لگا اور وہ بھی رونے لگا۔

”معلوم نہیں..... دادو..... یہ سب کچھ کیسے انجانے میں ہو گیا؟ اسد نے نظریں جمکائے ہوئے شرمندگی سے کہا۔

”ہم نہیں مانتے..... اگر آپ کا غصہ اندر سے مضبوط ہوتا تو پہلی بار ہی اپنے ہاتھ کو جھٹک دیتے..... ہاتھ بڑھا کر پکڑنے اور پیچنے تک

نفس کی ککھش آپ کے عمل پر حاوی نہ ہو سکی تو اس کا مطلب ہے ہماری تربیت آپ کے نفس کو مضبوط نہ بنا سکی۔ ہم اسی لیے تو اپنے آپ کو تنہا رکھ رہے ہیں اور پھر ایک بار بڑھا ہوا ہاتھ بار بار بڑھنے لگا۔۔۔۔۔ اور آپ کا نفس کمزور سے کمزور تر ہوتا گیا۔۔۔۔۔ اسد ہم تو آپ کو مضبوط دیکھنا چاہتے تھے اور آپ اسے کمزور لکھتے کہ ایک بار کے گناہ کو اپنی عادت بنا لیا۔“ دادو نے تشویش بھرے لہجے میں کہا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ مجھ سے بہت بڑی غلطی سرزد ہو گئی ہے۔“ اسد نے آدھ بھر کر کہا۔

”غلطی نہیں۔۔۔۔۔ گناہ۔۔۔۔۔ بہت بڑا گناہ۔۔۔۔۔ ہے یہ۔۔۔۔۔ اللہ کی حرام کی ہوئی شے کو اپنے لیے حلال سمجھنا۔۔۔۔۔ کیا یہ کم بات ہے۔۔۔۔۔ اس کی ایک حد کو۔۔۔۔۔ اس کے حکم کو اور اس کے قانون کو توڑ کر آپ ایک چیز کو اپنے لیے کیسے حلال اور جائز قرار دے سکتے ہیں۔ کیا آپ کے پاس اس کی کوئی وضاحت ہے۔۔۔۔۔ کبھی بھی نہیں ہو سکتی اسد آپ بن لیجئے کہ آپ گناہ کر رہے ہیں۔۔۔۔۔ اور اب لپٹے آپ کو۔۔۔۔۔ اس گناہ سے بچانے کے لیے مضبوط قدم اٹھانا ہو گا۔۔۔۔۔ دادو نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”میں کوشش کروں گا۔“ اسد نے نم آنکھوں سے کہا اور دادو کا ہاتھ چڑکراہٹیں آنکھوں سے لگا کر سسکتے لگا۔ دادو کی بھی آنکھیں بھرا آئیں اور انہوں نے محبت سے اس کے سر پر پیار دیا تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”انسان سے بھول چوک، غلطیاں اور گناہ ہو جاتے ہیں۔۔۔۔۔ اور وہ بھٹک بھی جاتا ہے۔۔۔۔۔ مگر پروردگار کو اس کا گناہوں کو چھوڑ کر معافی مانگ کر اور توبہ کر کے اپنی طرف لوٹ آنا بہت پسند ہے وہ توبہ کو پسند کرتا ہے اور اس انسان سے پہلے سے بھی زیادہ محبت کرتا ہے جو اس کی خاطر برے کام اور گناہ چھوڑتا ہے۔۔۔۔۔ آپ بھی ایسی توجہ کیجئے کہ پروردگار کی نظر میں محبوب ہو جائیں وہ آپ سے محبت کرنے لگے اور آپ پر اپنا نظر کرم کر دے دادو نے محبت سے اس کی پیشانی چومتے ہوئے کہا تو ندامت سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

”ہمارے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔۔۔۔۔ بہت دنوں سے دل کے اندر جو جھجھک اور رک رک تڑپا رہی تھی اب وہ بہت کم ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ ہم نے کہا تھا نا۔۔۔۔۔ ہمیں کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں۔۔۔۔۔ آپ تائب ہو جائیں گے تو ہم ٹھیک ہو جائیں گے۔“ دادو نے محبت سے کہا تو وہ مسکرا دیا اور دادو کے ہاتھ چوم کر اور ان سے بہت سی دعائیں لیکر واپس آ گیا مومنہ مختصر تھی کہ اسد کب اسے ڈاکٹر کے پاس جانے کے لیے بلاتے ہیں۔ وہ تیار ہو کر بیٹھی تھی۔ اسد کمرے میں آیا تو اس کی آنکھیں قدرے متورم اور سرخ ہو رہی تھیں۔ چہرہ اترا ہوا تھا۔

”کیا بات ہے۔۔۔۔۔ دادو ٹھیک تو ہیں؟ مومنہ نے بے صبری سے پوچھا۔

”ہاں۔“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”آپ۔۔۔۔۔ آپ او اس کیوں ہیں؟

”کچھ نہیں۔“ اس نے فکرت لہجے میں جواب دیا۔

”کیا دادو کو ڈاکٹر کے پاس نہیں لے کر جانا؟

”نہیں۔۔۔۔۔“

”کیوں.....؟“

”اب دھکیک ہیں۔“ اسد کہہ کر دواں روم میں چلا گیا اور موت حیرت سے اس کے بارے میں سوچنے لگی۔

☆

میو کی ماں کی حالت دن بدن خراب ہو رہی تھی۔ گریہ مشکلات استدر بڑھ رہی تھیں کہ اس سے نوکری کرنا مشکل ہو رہا تھا۔ کبھی وہ آفس سے چھٹی لیتا..... تو کبھی آفس جا کر دوبارہ گھر واپس آتا۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کرے آفس والے بھی اس سے تنگ پڑ رہے تھے اور یہ خبر بھی اس کو سننے میں ملی تھی کہ شاید اسے نوکری سے فارغ کروایا جائے..... اس لیے وہ چھٹی کے محالے میں قدرے محتاط ہو گیا تھا۔ چھٹی نہ کرتا تو ماں بیمار ہو جاتی۔ وہ بہت مشکل میں پھنس گیا تھا۔ مریم تھی کہ اس کی کسی بھی بات کو سننے کو تیار نہ تھی۔ اور..... اس روز کی بے مزنی کے بعد تو اس نے دوبارہ نہ اس سے کوئی رابطہ کیا تھا نہ ہی کوئی پیغام بھیجا تھا مگر صورت حال دن بدن بگڑ رہی تھی۔ ہر وقت کی سوچیں وہی طور پر اسے پریشان رکھتیں..... آفس سے تھکا ہارا گھر آتا تو ماں کی دیکھ بھال اور گھر کی صفائی ستر کی اور کھانا بنانے میں مصروف ہو جاتا۔ شادی سے پہلے زندگی اتنی تلخ نہیں تھی جتنی اب ہو گئی تھی۔ مریم نے اسے وہی طور پر بہت بے سکون کر دیا تھا۔ اس کا ذہن ہر وقت اس کی خطرہ باتوں اور شکوکوں میں الجھا رہتا۔ وہ جو قناعت پسندی کی دولت سے مالا مال تھا اور دوست و احباب اس کے اس وصف کی تعریف کرتے تھے۔ وہی خوبی اس کے لیے بہت بڑا طعنہ بن گئی تھی۔ مریم کے نزدیک یہ خوبی نہیں بلکہ کمزور اور غیر ترقی پسند مردوں کی بہت بڑی خامی تھی..... جس میں وہ اپنی خامیاں چھپاتے ہیں۔ میو کی ہر خوبی..... مریم کی نظر میں خامی تھی..... اس کا کم بولنا اس کا کوکلمکس تھا..... اس کا بحث و مباحثہ نہ کرنا..... اس میں خود اعتمادی کی کمی کی وجہ سے تھا..... اس کا انتہائی شریف اور پاکباز ہونا اس کی قدامت پسندی تھا..... اس کا سوشل نہ ہونا اس کے آگے پیچھے بھرنے..... اس کی حاکمانہ سوچ کی وجہ سے تھا۔

مریم کو اس کی ہر بات میں خامیاں ہی خامیاں نظر آتیں۔ وہ خوبصورت اور سارٹ تھا..... جب بھی ایسے کمزورے پہننا تو وہ لباس اس پر بہت چٹا۔ وہ محبت سے مسکرا کر مریم کی جانب دیکھتا تو مریم کو اس میں وہ گریس نظر نہ آتی جو اسد میں نظر آتی تھی۔ ٹیلی بیک گراؤنڈ اور گرومنگ کا انسان کی شخصیت پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے۔ وہ شخصیت کو چمکدار اور مؤثر بناتی ہے۔ جیسے چمکتے دیکھتے ستارے چاند کی خوبصورتی اور تابانی میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔ اس طرح چہرے کی خوبصورتی کو کوالیٹی کیشن، گرومنگ، اسٹائل اور ایسے خاندانی تاثرات بڑھاتے ہیں..... اور میو کے پاس چہرے کی خوبصورتی کے علاوہ صرف ایجوکیشن تھی اور کچھ بھی نہیں اس لیے اس کی خوبصورت میں پھیکا پن تھا۔ گریس نہیں تھی۔ چارم نہیں تھا..... اس لیے وہ کبھی بھی اس کی نظر میں نہیں چٹا تھا۔ اس نے کبھی بھی اس کی تعریف نہیں کی تھی۔ کبھی پڑائی میں خوبصورت الفاظ نہیں بولے تھے۔ کبھی اس کی جانب مسکرا کر اور شرمناک نہیں دیکھا تھا۔ کبھی اسے دیکھ کر اس کی آنکھیں محبت سے نہیں چمکیں تھیں۔ کبھی اس کی قربت میں اس کے چہرے پر سرنخی نہیں آتی تھی..... کبھی اس کے وجود سے خوشی محسوس نہیں ہوتی تھی..... وہ ہمیشہ اس کی جانب سپاٹ نظروں سے دیکھتی تلخ لہجے میں بات کرتی..... اس کی باتوں میں اکثر اتنی کات ہوتی کہ میو آہ بھر کر رہ جاتا۔

اس کی محبت کا جواب وہ اتنی سرومہری سے دیتی کہ اس قربت سے خوشی کم..... کسک زیادہ پیدا ہوتی..... اور وہ سمجھ نہیں پایا تھا کہ مریم ایسا

کیوں کرتی ہے.....؟ کبھی کبھی اسے گمان ہوتا کہ شاید وہ کسی کو پسند کرتی تھی..... لیکن ذکیہ آپا کے گھر کا ماحول دیکھ کر اسے کبھی یہ احساس نہیں ہوا تھا کہ اس پر کسی قسم کی زبردستی مسلط کی گئی ہے..... پھر نبانے کیا مسئلہ تھا کہ مریم نہ تو اس سے مطمئن تھی اور نہ ہی خوش۔ یوں لگ رہا تھا وہ زبردستی رشتہ نبھا رہی ہوا اور اب تو اس نے وہ رشتہ بھی توڑنے کا عہد کر رکھا تھا اور اس کے اس فیصلے نے معیز کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ اس کو کچھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے..... کس کے پاس جائے..... کوئی راستہ نظر نہیں آ رہا تھا۔ وہ شدید فانی اذیت کا شکار تھا نہ راتوں کو نیند آتی تھی اور نہ ہی دن کو بچتیں۔

بہت دن سوچنے کے بعد اس نے مومنہ کے پاس جانے کا فیصلہ کیا اور ایک روز آفس کے بعد وہ مومنہ کے گھر چلا گیا۔ مومنہ اسے دیکھ کر حیران رہ گئی۔ اس کی بہت آؤ بھگت کی۔ اسدا بھی بیک گھر نہیں آیا تھا۔ مومنہ نے اسے واو سے بھی ملوایا..... واو بھی اس سے بہت محبت سے ملیں۔ وہ ان سب سے مل کر بہت متاثر ہوا۔ مومنہ کا محل نما گھر..... آرائش و سجاوٹ اور ٹھٹھا بھٹا دیکھ کر وہ بہت متاثر ہوا۔ وہ پہلی بار یہاں آیا تھا اور اسے قطعی اندازہ نہیں تھا کہ مومنہ اس قدر امیر غلی خانہ دار میں بیاہی ہوئی ہے۔ مومنہ چاروں سر پر اوڑھے بہت مہذب انداز میں ڈرائنگ روم میں اس کے سامنے صوفے پر بیٹھی تھی۔ ثروت اس کے لیے پر تکلف چائے لے کر آئی تھی۔ مومنہ اس کی آمد پر بہت خوشی کا اظہار کر رہی تھی۔

”معیز بھائی..... آپ نے یوں اچانک آ کر مجھے چونکا دیا ہے.....“ مومنہ نے مسکرا کر چائے کا کپ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔
”بس..... مومنہ آپ..... میں بہت مجبور ہو کر آپ کے پاس آیا ہوں۔ بہت سوچنے کے بعد آپ کا خیال آیا ہے کہ آپ ہی میرے لیے اب کچھ کر سکتی ہیں۔“ معیز نے مایوسی سے کہا۔

”کیا مطلب.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”مریم کو آپ ہی سمجھا سکتی ہیں۔ وہ میری بات سننے کو تیار نہیں..... اور ایک سی بات پر بند ہے۔“ معیز نے آہ بھر کر کہا۔

”کس بات پر.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”طلاق لینے پر۔“ معیز نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا.....؟ طلاق.....؟“ مومنہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ گرے گرے پڑا۔

”کیا آپ کو اس بات کی کوئی خبر نہیں؟ معیز نے حیرت سے پوچھا۔

”جہنم..... اور یہ آپ سے کس نے کہا کہ مریم طلاق لینا چاہتی ہے۔“ مومنہ کو اس کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

”خود مریم نے..... اور..... وہ کوئی بات سننے کو تیار نہیں..... کسی بھی طرح کھروار نہ نہیں کرنا چاہتی..... اور مومنہ آپ..... میں اسے طلاق

نہیں دینا چاہتا..... میں اس سے بہت محبت کرتا ہوں مگر اس کی نظر میں میری محبت کی کوئی قدر و قیمت نہیں..... نہ اسے مجھ سے کوئی لگاؤ ہے اور نہ ہی

میرے گھر سے..... مجھے کچھ میں نہیں آتا کہ میں اسے کیسے خوش رکھوں..... بلکہ آپ میری مدد کیجئے..... میرا گھر اور میری زندگی اس کے بغیر ادھوری

ہے۔“ معیز نے قدرے غم آگہوں سے کہا تو مومنہ میری سوچ میں ڈوب گئی۔ کئی لمبے یونی خاموش کی نذر ہو گئے..... طلاق والی بات سے اس کے

دل کو شدید دھچکا لگا تھا۔ اسے قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ مریم اتنا بڑا فیصلہ کر سکتی ہے..... اور وہ بھی اسے بتائے بغیر۔

”مومنہ..... آئی..... آپ ہی بتائیے میں کیا کروں؟ معیض نے مومنہ کو خاموش اور سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔

”معیض بھائی مسئلہ آپ کے ساتھ نہیں۔ اس کے ساتھ ہے..... میں مریم کو اچھی طرح جانتی ہوں..... کہ اسے کیا ہوا ہے.....؟ مومنہ نے آہ بھر کر کہا اور خاموش ہو گئی۔

”اسے کیا ہوا ہے.....؟ معیض نے حیرت سے پوچھا۔

”اس کے خواب ٹوٹے ہیں..... اس کی خواہش بکھر گئی ہیں اور اس کا آئینہ دل ریزہ ریزہ ہوا ہے۔“ مومنہ نے شگتہ لہجے میں کہا، کیا مطلب.....؟ معیض نے حیرت سے پوچھا۔

”میرا گھر..... اس کی شان و شوکت..... امارت..... میرے شوہر کی گر لیس فیل اور دولت مند پرست لٹی..... یہ سب مریم کے خواب تھے..... جو قسمت سے مجھے مل گئے..... مجھے ان کی تمنا نہیں تھی مگر مریم کے دل میں ان سب چیزوں کی شدید تمنا تھی۔ وہ محرومیوں میں بڑی کر جوان ہوئی ہے..... مگر اپنی شادی شدہ زندگی کو بہت آسودہ اور خوشحال دیکھنا چاہتا تھی..... جو اسے نہیں ملی اور خواہش تو خوبصورت چمکتے ستارے کی مانند ہوتی ہیں۔ جن کو پانے کی تمنا میں انسان کتنا ترچھا اور چھٹکارا ہوتا ہے مگر اتنی جتنوں کے بعد جب ستارے بے نور نکلتے ہیں تو انسان بہت دکھی ہو جاتا ہے مریم کی خواہشات بھی ایسی تھیں..... بہت چھوٹی مگر دنیاوی..... گھومنا پھرنا..... زیورات پہننے، مٹھاٹ بھٹا، یہ سب اسے پسند تھا..... مگر قسمت نے جو کچھ اسے دیا..... وہ اس سے مطمئن نہیں ہو پائی..... اس کا اندر مضطرب ہے اور وہ اپنے آپ کو مطمئن نہیں کر پا رہی..... اس کے اندر ڈپریشن بڑھ رہا ہے..... وہ شادی کے اگلے روز جب امی کے ہاں آئی تھی تو بہت ناخوش تھی۔ اس کی آنکھوں میں نہ خوشی کی چمک تھی اور نہ چہرے پر سکون..... وہ بہت اپ سیٹ تھی۔ ہم نے سوچا وقت کے ساتھ بہتر ہو جائے گی..... آپ کی محبت اس کو بدل دے گی مگر اس کے لیے محبت اہم نہیں تھی اس کے خواب اہم تھے۔ جو ٹوٹ کر کھرم گئے اور وہ بھی ان کے ساتھ کھرمی گئی۔

مومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

”لیکن اس میں..... میرا کیا قصور ہے؟ میں تو اسے ہر ممکن طریقے سے خوش رکھنے کی کوشش کرتا ہوں۔ مگر وہ کسی بات سے خوش ہی نہیں

ہوتی“ معیض نے پریشانی سے کہا۔

”خوشی..... سکون اور اطمینان جب جنم لیتے ہیں جب انسان کا دل اور دماغ کسی ایک بات پر متعلق ہو جاتا ہے۔ جب انسان متقی اور مثبت

دونوں باتوں کو قبول کرنے کے لیے تیار ہوتا ہے۔ جب کسی شے کی اچھائی اور برائی پر یقین کر کے اسے ماننا ہے۔ زندگی کے دونوں رخ..... خوشی اور غم..... دکھا اور سکھ..... دولت اور غربت آسانوں اور پریشانوں کو سمجھ کر نہیں قبول کرتا ہے لیکن اگر وہ ایک ہی بات..... ایک ہی پہلو اور ایک ہی رخ کو ماننا سمجھتا اور قبول کرتا ہے تو وہ کس طرح مطمئن رہے گا۔ کس طرح خوش رہے گا..... کس طرح اپنے آپ کو کسی بات پر قائل کرے گا۔

مریم کے ساتھ بھی یہی ہوا ہے..... مریم زندگی کے صرف ایک پہلو کو قبول کرنا چاہتی ہے۔ وہ زندگی میں صرف خوشحالی، مطمئن دولت مند اور پرسکون رہنا چاہتی ہے..... دوسرے پہلو کو وہ قبول کرنے کو تیار ہی نہیں اور نہ ہی اس کو قبول کرنے کے لیے کسی طرح کا کھردرا کرنا چاہ رہی ہے.....

قدرت بھی عجیب کھیل کھاتی ہے۔ مجھے کبھی بھی نہ بہت زیادہ دولت کی تمنا رہی تھی نہ آسائشوں کی۔ مگر قدرت نے مجھے اپنے کرم سے بہت نوازا ہے اور مریم جو ان سب کے لیے شدید تمنا اور تڑپ رکھتی تھی اسے محروم رکھا ہے۔۔۔۔۔ مجھے سب کچھ دے کر آزمائش میں ڈالا ہے اور اسے محروم رکھ کر آزمائش میں ڈالا ہے۔“ مومنہ نے سنجیدگی سے جواب دیا تو معجزہ قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”آپی۔۔۔۔۔ آپ ہی مجھے کوئی حل بتائیے۔ میں کیا کروں کہ مریم اور میں خوش رہ سکیں، معجزہ نے اس کی جانب بخور دیکھتے ہوئے پوچھا: ”معجزہ بھائی آپ نے بہت مشکل سوال پوچھا ہے جس کا جواب شاید میرے پاس ہے بھی یا نہیں۔۔۔۔۔ لیکن یہی بات کہوں گی کہ آپ اپنی تعلیم کو بوجھ کر زندگی کے میدان میں آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ مریم کو کامیاب اور خوشحال مرد پسند ہیں۔ چونکہ آپ کے پاس کوئی اور ذریعہ نہیں سوائے تعلیم کے۔ اسی کے سہارے آگے بڑھنے کی کوشش کریں۔ باقی میں جلد ہی اس کی طرف جاؤں گی اور خود مریم کو سمجھانے کی کوشش کروں گی۔۔۔۔۔ آپ فکر نہیں کریں سب ٹھیک ہو جائے گا“ مومنہ نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

تھینک یو میری مچ۔۔۔۔۔ آپ کے پاس آکر میرے دل کا بوجھ ہلکا ہو گیا ہے۔ ورنہ میں بہت مایوس ہو چکا تھا۔“ معجزہ نے خوش ہو کر کہا ”مایوسی کفر ہے اس سے بچئے۔۔۔۔۔ ہر تاریک رات کے بعد صبح نے نمودار تو ہوتا ہی ہوتا ہے۔ ہمیشہ پر امید رہیے۔۔۔۔۔ اللہ کو پر امید لوگ بہت پسند ہیں“ مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

اب میں اجازت چاہتا ہوں۔ ملاں گھر پر انتظار کر رہی ہوں گی۔ معجزہ نے اٹھتے ہوئے کہا۔
”ارے نہیں۔۔۔۔۔ کھانا کھا کر جائیے گا“ مومنہ نے کہا
”پھر کبھی سہی۔۔۔۔۔“ اور وہ پر امید، مسکراتا ہوا اس سے اجازت لے کر چلا گیا۔

اسد نے مومنہ کے لیے ایک بہت خوبصورت گھر اسلام آباد میں خریدا تھا اور وہ اس روز بھی سر پرانہ ہو رہا تھا۔ اس کے ڈاکو شمس دکھانا چاہتا تھا۔ مگر بابا کی وجہ سے صورت حال اس قدر بگڑ گئی کہ وہ اسے مانا نہ سکا۔ اب وہ اسے اور داد کو وہ گھر دکھانے کے لیے لے جانا چاہ رہا تھا۔ اسد گھر آیا تو بہت خوش تھا۔ وہ ٹیلیفون کی سٹیشن کسٹرم کرکرا آیا تھا۔ اور آج ہی اس نے مومنہ اور داد کو تیار ہونے کا حکم دیا۔ کالے روز ان کو اسلام آباد جانا تھا۔ مومنہ اور داد بہت خوش تھیں کہ اسد میں واضح تہدیلی آ رہی تھی۔ اسد نے کئی روز سے گھر میں ڈرنک بھی نہیں کی تھی۔ بلکہ آفس سے بھی ڈرنک کر کے نہیں آیا تھا۔ یہ بات انہیں اندر ہی اندر بہت مطمئن کر رہی تھی اس لیے وہ اسد کی برہات ماننے کو تیار ہو جاتیں۔ گوکہ مومنہ کا دل مریم کی وجہ سے بہت بہت پریشان تھا اور وہ جانا بھی نہیں چاہ رہی تھی لیکن اسد کی خوشی کی خاطر وہ جانے کے لیے تیار ہو گئی۔

اسلام آباد کے پاش انیریا میں انتہائی خوبصورت اور ویل ڈیکورڈ گھر دیکھ کر سب بہت خوش ہوئے۔ داد بھی بے حد خوش تھیں اور مومنہ بھی۔۔۔۔۔ ہر شے انتہائی قرینے سے بنی ہوئی تھی۔ خوبصورت سیاحی و سرسبز مشاواب لان میں ماہر رنگ برنگی پھولوں کو پکڑنے کے لیے ادھر سے ادھر بھاگتی پھر رہی تھی اور خوشی سے قہقہے لگاتی تو سب اسے یوں خوش دیکھ کر جھوم اُٹھے۔ وہ تین دن اسلام آباد میں رہے اور خوب انجوائے کیا! ادھر ادھر گھومنے پھرنے میں ہی تین دن گزر گئے۔ ایک روز مری رہنے کے بعد وہ لوگ کراچی واپس آ گئے۔ مگر آکر وہ بے حد خوش تھے۔ ان تین دنوں

نے کئی ماہ سے پچھلی مایوسی کو دور کر دیا تھا۔ وہ جو رفتہ رفتہ ایک دوسرے سے دور ہو رہے تھے پھر قریب آ گئے تھے۔ ان تین دلوں میں گھر میں رہنے کے علاوہ انہوں نے فانیو اسٹار ہوٹل میں بھی قیام کیا تھا مگر اسد نے کہیں بھی ڈرنک فیس کی تھی۔ اور نہ ہی کسی قسم کی خواہش ظاہر کی تھی۔ مومنہ اور دادو اس بات پر ہار بار خدا کا شکر ادا کر رہے تھے۔ کہ اسد نے اپنے آپ کو بد لئے کا عہد کر لیا ہے۔

وہ گھر لوٹی تو اس کے سب پر ہار ہار مزید کافون آنے لگا۔

وہ اسے یہی اصرار کر رہا تھا کہ وہ مریم کو منانے جائے۔ اور اس نے ایک دو روز میں جانے کا وعدہ کر لیا تھا۔

اگلے دو روز وہ بہت مصروف رہی۔ ثروت بوا کا سولہ سالہ بیٹا اچانک بہت بیمار ہو گیا تھا۔ اسے شدید قسم کا ہیضہ ہوا تھا اور اسے ہسپتال ایڈمٹ کرنا پڑا تھا۔ ثروت بوا اور خیرن بوا اس کے پاس ہسپتال میں تھیں۔ صرف ثناء گھر پر تھی جسے مومنہ نے چھٹی دسویں تھی کہ وہ اپنے کوارٹر میں ہی رو کر چھوٹے بہن بھائیوں کی دیکھا بھال کرے۔ مومنہ خود سارا وقت کچن میں مصروف رہی۔ دادو اور اسد کے لیے کھانا بناتی رہی۔ اگلے روز اس نے جلدی جلدی سارے کام منٹائے دادو کو کھانا اور دوائیں کھلا کر دو ڈرائیور کے ساتھ اپنی ماں کے گھر جانے لگی تو دادو سے ملنے آئی۔

دادو..... میں امی کی طرف جا رہی ہوں آج میرا جانا بہت ضروری ہے۔ اسد بھی دیر سے گھر آئیں گے۔ اور میں بھی رات کو ہی واپس آؤں گی آپ کو اگر ضرورت پڑے تو میں نے ثناء کا نمبر آپ کے موبائل میں ڈائل کیا ہے۔ اس کو کال کر کے بلا لیجیے گا۔ اور اگر طبیعت خراب ہو تو مجھے کال کر لیجیے گا۔ میں آ جاؤں گی۔ اور آپ نے بالکل پریشان نہیں ہونا۔ مومنہ نے محبت سے ان کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو دادو مسکرا دیں اور محبت سے اس کے سر اور چہرے پر اپنا ہاتھ بھیر کر اور اسے دعا دے کر رخصت کیا۔

مومنہ ڈرائیور کے ساتھ گھر پہنچی تو وہ پہرہ بوری تھی۔ مریم اور زکیا سے اور ماہ کو یوں اچانک دیکھ کر حیران رہ گئیں۔ مریم تو ماہ کو دیکھ کر پاگل ہو گئی تھی۔ اسے اٹھا کر ہوا میں اچھالتی رہی اور اس کے ساتھ لڑائی پھاڑ کرتی رہی۔ مومنہ اس کی والہانہ محبت کو دیکھ کر مسکراتی رہی..... بابا کو بھوک لگنے لگی تھی۔ وہ دو دوہ پنی کر سوئی تو مریم کو اس سے فرصت ملی۔ ورنہ وہ مومنہ کے پاس بیٹھی ہی نہ تھی۔ ماہا کو سلا کو وہ اس کے پاس آ کر بیٹھی۔

”شکر ہے..... جہیں میرے پاس چھٹنا بھی آیا“ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”آئی..... میں تو ماہ سے اتنی اوس تھی کہ کیا بتاؤں۔ میں نے خود اس سے ملنے آ جانا تھا مگر پتا چلا کہ آپ لوگ اسلام آباد گئے ہیں۔ ویسے اسلام آباد جانے کی کیا ضرورت پیش آ گئی؟

مریم نے مسکرا کر پوچھا۔

”وہ..... یونہی..... اسد کی میٹنگ تھی۔ اور دادو کے لیے بھی آؤنگ ضروری تھی اس لیے اسد ہمیں بھی ساتھ لے گئے مومنہ نے جان بوجھ کر گھر کی بات چھپائی کہ کہیں مریم کے دل میں مزید حسرت نہ پیدا ہو۔

”پھر آپ لوگوں نے خوب انجوائے کیا ہو گا۔ بہت مگھوے پھرے ہوں گے مری بھی گئے تھے“ مریم نے حسرت بھرے لہجے میں پوچھا۔

ہاں گئے تھے..... لیکن مگھوے پھرے نہیں کیونکہ دادو کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی۔ اسی لیے تو جلدی واپس آ گئے۔ مومنہ نے جلدی سے کہا۔

”مری اور اسلام آباد کا موسم تو بہت اچھا اور دھانک ہوگا۔ آپ لوگوں نے Stay تو قاتیہ بنا رہی ہیں کیا ہوگا“ مریم نے پھر پوچھا۔
 ”مریم یہ تمہیں کیا ہو گیا ہے..... کیسی باتیں پوچھ رہی ہو؟ ذکیہ نے غلگی سے اسے دیکھ کر کہا تو وہ خاموش ہو گئی مگر مومنہ سمجھ گئی جو اضطراب اس کے اندر جنم لے رہا تھا اس کی کیا وجہ ہے۔

”مریم..... معیذ کا کیا حال ہے؟..... اور..... تم کب سے ادھر ہو؟ مومنہ نے اس کی طرف بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ ٹھیک ہی ہوگا.....
 اور میں ایگزٹر شروع ہونے سے پہلے آئی تھی“ مریم منہ بنا کر بولی۔

”اور ایگزٹر ختم ہونے بھی تقریباً ایک ماہ گزر گیا ہے۔ تم مگر کیوں نہیں مئی..... تمہیں معلوم ہی ہے کہ تمہاری ساس کتنی پیار ہیں۔ انہیں تمہاری ضرورت ہے۔ معیذ آفس جائے یا پھر ماں کو دیکھے“ مومنہ نے قدرے درشت لہجے میں کہا۔

”گنا ہے..... معیذ نے آپ کو یہاں بھیجا ہے.....“ مریم نے اچانک کہا تو مومنہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔
 ”کیا مطلب ہے تمہارا.....؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ اس کی وکالت میں ہی بول رہی ہیں۔“ مریم نے غلگی سے جواب دیا۔
 ”میں کسی کی وکالت میں نہیں بول رہی۔ ایک جینٹلمن بات پوچھ رہی ہوں۔ اپنا گھر اور اس کی ذمہ داریاں چھوڑ کر یہاں آ کر بیٹھ جانا کوئی عقلمندی کی بات ہے“ مومنہ غصے سے بولی۔

”آئی..... اب آپ کو میرے یہاں رہنے پر بھی اعتراض ہے“ مریم نے جواب دیا۔
 ”مریم..... تم ہر بات کا الٹا مطلب کیوں لیتی ہو..... بات کو سیدھے انداز سے سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتی“ مومنہ نے غصے سے کہا۔
 ”اگر آپ سیدھی بات سنتا چاہتی ہیں تو یہ ہے کہ میں معیذ کے ساتھ نہیں رہ سکتی۔“ مریم نے بھی غصے سے جواب دیا۔
 ”وجہ.....؟ مومنہ نے اس کا بازو جھنجھوڑ کر پوچھا۔

”وہ حالات اور مجبوریوں کا مارا غصہ ہے..... اس کے گھر اور زندگی میں ٹھن ہے..... اور میں اس ٹھن میں مرنا نہیں چاہتی..... زندہ رہنے اور آزادی سے سانس لینے کا مجھے بھی حق ہے۔“ مریم نے غصے سے اپنا بازو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

”اور اس کے لیے تم کچھ بھی کر سکتی ہو؟ مومنہ نے پوچھا۔

”ہاں..... میں طلاق بھی لے سکتی ہوں“ مریم نے انکر جواب دیا۔

”خبردار..... جو تم نے طلاق کا نام بھی لیا“ مومنہ نے غصے سے کہا۔

”میں خود لوں گی اور اس کے لیے کورٹ میں بھی جاؤں گی۔“

مریم نے کہا تو مومنہ کا پارہ ہائی ہو گیا اور اس نے تراش سے زور دیا تو پھر اس کے چہرے پر لگا یا۔ مریم لڑکھا کر کرسی پر گر گئی۔ ذکیہ پاجیرت سے مومنہ کی جانب دیکھنے لگیں جو کبھی بھی اتنے غصے میں نہ آئی تھی۔

مریم نے بلند آواز سے رونا شروع کر دیا۔

”یہ..... تم دونوں کو کیا ہو گیا ہے؟ ذکیہ آپا نے گھر مندی سے کہا۔

”امی..... اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ خلق لینے کی باتیں کر رہی ہے۔ اس کو انداز نہیں کہ کون کس میں کس طرح کے سوالات عورتوں

سے کیے جاتے ہیں..... ایک شریف اور نیک عورت کے لیے تو ایسے سوالات کا جواب دینا ہی مشکل ہو جاتا ہے۔ وہاں تب جا جا جائے جب شوہر بیوی

کے لیے زندگی بھر ان کر دے۔ وہاں جا کر یہ کیا کہے گی کہ اس کا شریف شوہر اسے گھمانے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کو مجھے زیورات اور کپڑے نہیں لے

کر دیتا تھا۔ وہ اسے محبت نہیں کرتا تھا۔ اس کی خواہشات پوری نہیں کرتا تھا۔ امی کیا جواز ہے اس کے پاس۔ یہ کسی بھی بات پر کچھ دمانہ کرنا ہی نہیں

چاہ رہی تھی۔ معجز جیسے اچھے انسان کی زندگی کو اس نے عذاب میں ڈال دیا ہے۔ کیا برائی ہے اس میں.....؟ مومنہ نے غصے سے چلاتے ہوئے کہا۔

”ساری برائیاں مجھ میں ہی ہیں..... وہ تو پہلے دن سے ہی آپ کی گڈ بک“ میں ہے۔ اپنے لیے ایسا اچھا شوہر کیوں نہ ڈھونڈا۔ کیوں

شادی کی..... اٹلی اور امیر خاندان میں۔ اپنی دفعہ سب اپنے فائدے دیکھتے ہیں۔ نصیحتیں صرف دوسروں کے لیے ہوتی ہیں۔“ مریم بھی غصے سے

چلائی تو مومنہ اور ذکیہ آپا حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگیں۔ انہیں قطعی توقع تھی کہ مریم اس قدر مشتعل بھی ہو سکتی ہے۔ دونوں خاموشی سے اس

کی جانب دیکھنے لگیں۔ مریم روتی رہی اور معجز کے خلاف بولتی رہی۔ کافی دیر رونے کے بعد وہ اٹھ کر کمرے سے باہر جانے لگی تو مومنہ نے اس کا

ہاتھ پکڑا اور اسے اپنے پاس کر لی پر بٹھایا۔

”مریم..... اگر ہر ایک آنکھوں میں بے خواب پورے ہونے لگیں تو یہ دنیا سب کے لیے جنت بن جائے..... اور سب کی ساری

خواہشات پوری ہونے لگیں تو اللہ کی مائی جنت کی جتنا کون کرے۔ پلیز پریکٹیکل ہو کر سوچو۔“ مومنہ نے اپنا لہجہ نرم کرتے ہوئے کہا۔

”آپ کو تو اس دنیا میں ہی جنت مل گئی ہے..... اس لیے آپ یہ کہہ رہی ہیں“ مریم نے تنک کر کہا۔

”اور میری جنت کتنی! اور وہ ہے شاید تم اندازہ بھی نہیں کر سکتی“ مومنہ نے دکھ بھر لہجے میں کہا۔

”آپ کو..... کیا پرالہم ہو سکتی ہیں؟ مریم نے چمک کر پوچھا

”یہ تم کہہ سکتی ہو اور..... وہ لوگ جو دور سے مجھ دیکھتے ہیں میرے دل میں کتنے حمید ہیں یہ کسی کو نظر نہیں آئے۔“ مومنہ نے نرم آنکھوں

سے جواب دیا۔

”آپ..... آپ کو کیا مسئلے ہو سکتے ہیں.....؟ آپ کے پاس سب کچھ تو ہے..... کسی چیز کی کمی ہے مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”کبھی کبھار..... سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا۔ دولت چیزوں اور آسائشوں سے نڈل کا سکون خریدنا

جاسکتا ہے نہ کبھی خوشی..... میں سستی منظر پر رہتی ہوں..... تمہیں کیا معلوم“ مومنہ نے آدھ بھر کر کہا۔

”آپ نے کبھی بتایا ہی نہیں..... کہ آپ کو کوئی پرالہم بھی ہے۔“

مریم نے پریشانی سے پوچھا۔

”جب میری پرائیڈم کامل تم لوگوں کے پاس ہے ہی نہیں..... تو بتا کر کیا کرتی“ مومنہ نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”مجھے کچھ نہیں آ رہا..... آپ کیا کہہ رہی ہیں اور آپ کو کیا دکھ ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”تمہیں بھی تو سمجھانے کی کوشش کر رہی ہوں کہ میری زندگی کو آئینہ میل مت سمجھو۔ معیذ کا موازنہ اسد سے مت کرو۔ اپنے چھوٹے سے پرانے گھر کو میرے محل کے آئینے میں مت دیکھو۔ مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو کہ تمہیں معیذ جیسا ٹیک اور شریف انسان ملا۔ اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو..... بس میں تمہیں اتنا ہی سمجھا سکتی ہوں۔“ اور مومنہ اس کو اپنے گلے کے ساتھ لگا کر روتی رہی اور مریم حیرت سے اس کے بارے میں سوچتی رہی کہ وہ کیونکر اتنی مضطرب اور افسردہ ہے۔ مومنہ کی آنکھوں سے آنسو نہیں ٹھہر رہے تھے۔ آج وہ پہلی بار میکے میں آکر اس قدر روتی تھی کہ کیا آپا اور مریم بھی گھبرا گئیں تھیں۔ شادی کے ڈھائی سالوں کے بعد پہلی بار انھوں کا سیلاب سارے بند توڑ کر بہہ نکلا تھا اور اس سیلاب نے مریم کو بھی پریشان اور مضطرب کر دیا تھا۔

”مریم..... جاؤ سب کے لیے کھانا تیار کرو۔ اور مومنہ تم اب لیٹ جاؤ۔“ زکیہ آپا نے مریم سے کہا تو وہ خاموشی سے مچن میں چلی گئی۔ اور مومنہ چار پائی پر لیٹ گئی..... اس کے سر میں شدید درد ہونے لگا تھا اور وہ آنکھیں بند کر کے وہیں سو گئی۔

آفس جانے کے بعد اسد طبیعت میں عجیب سا بوجھل پن محسوس کر رہا تھا۔ اس کا جی حصار ہاتھ اور سر میں بھی شدید درد ہونے لگی تھی۔ اس سے قبل وہ جب کبھی ایسا اضطراب محسوس کرتا تو ڈر تک کرنے کے بعد ریلیکسڈ ہو جاتا مگر اب اسے ڈر تک کیے ہوئے کافی روز ہو گئے تھے اور وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش میں مصروف تھا۔ دادو..... اور..... مومنہ کی خاطر وہ اپنے آپ سے ہمدردی میں مصروف تھا۔ مگر آج اس کی طبیعت بہت زیادہ خراب ہونے لگی تھی۔ بار بار تھکی محسوس ہو رہی تھی۔ اس نے ڈرائیور کو بلایا کہ وہ اسے گھر ڈراپ کر دے۔ دوپہر ہو رہی تھی..... نظام دین نے اسے گھر ڈراپ کیا۔

”صاحب..... گاڑی کی سرس کرانی ہے۔ اگر آپ نے کہیں جانا نہیں تو اسے سرس اسٹیشن چھوڑ دوں۔“ نظام دین نے پوچھا۔

ہاں..... اور جیکم صاحب کو کب پک کرنا ہے؟ اسد نے پوچھا

”انہوں نے تو رات کو آنے کا بولا تھا“ نظام دین نے جواب دیا۔

ٹھیک ہے..... اگر گاڑی کا کوئی مسئلہ ہو تو آفس فون کر لینا ساری گاڑیاں دیں کھڑی ہیں۔ وہاں سے ڈرائیور کو بلا لیتا۔“ اسد نے کہا۔

”صاحب..... آپ نے کہیں جانا تو نہیں۔“

”نہیں..... میری طبیعت ٹھیک نہیں۔ آرام کروں گا“ اسد کہہ کر گھر کے اندر داخل ہو گیا۔ اور ڈرائیور کو گاڑی لے کر چلا گیا۔ گھر میں ہر

طرف گہری خاموشی تھی۔ شاید دادو بھی سو رہی تھیں۔ اسد اپنے کمرے میں چلا گیا۔ اور بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا دل بری طرح حصار ہاتھ تھا۔ وہ اٹھ کر

داش روم میں گیا اور قے کرنے کی کوشش کی مگر نہ تو اسے قے آ رہی تھی اور نہ ہی دل کا احتلا نا بہر ہو رہا تھا وہ منہ دھو کر داش روم سے باہر آیا اور غصہ حال

ہو کر بیڈ پر لیٹ گیا۔ اس کا دل شدت سے چاہ رہا تھا کہ وہ چند گھنٹوں دوسکی کے پی لے تاکہ اس کی طبیعت سنبھل جائے۔ مگر کبھی دادو کی باتیں یاد آ جاتیں تو کبھی مومنہ کی غم آنکھیں اور کبھی بابا کا دوسکی میں ڈیوٹی الھیوں کو چوندنا وہ عجیب شش و پنج میں مبتلا تھا اور اس کے اندر شدید تکلیف جاری تھی۔ اس کے سامنے اس کے عزیز اس کے چاہنے والے تھے جن کی خاطر وہ ڈرنک نہیں کرنا چاہتا تھا۔ اور ان کو پھر ہرٹ نہیں کرنا چاہتا تھا اس کے علاوہ کوئی اور سوچ اس کی راہ میں حائل نہیں ہو رہی تھی۔ اس نے اپنی توجہ ہٹانے کوئی وی لگا یا اور ایک انگلیش مووی دیکھنے لگا جس میں ایک پارٹی سہن تھا۔ اور ہر ایک کے ہاتھ میں دان گلّاں تھا۔ سب لوگ پی رہے تھے اور میزک کے ساتھ ڈانس میں مصروف تھے۔ اس کے اندر پھر پینے کی طلب بڑھنے لگی۔

”مومنہ رات کو لیٹ آئے گی جب تک میں نازل ہو جاؤں گا..... اور دادو تو اوپر آتی ہی نہیں..... مگر میں کوئی ملازم بھی نہیں..... کسی کو بچا بھی نہیں چلے گا۔“ اسد نے دل میں سوچا..... اور اٹھ کر پیکیٹ بنانے لگا۔ پینے لگا تو پھر رکا۔ دادو اور مومنہ کی ٹی جلی آوازوں کی بازگشت اسے سنائی دینے لگی۔ اس نے چہرے پر ہاتھ بھیرا۔ اور گہری سانس لی۔

”صرف ایک بار..... آخری بار..... آج میری طبیعت بہت غراب ہے۔ لکھنؤ میں دو انیس بھی تو غراب طبیعت میں پنی جاسکتی ہیں تو پھر یہ کیوں نہیں۔ اس وقت میں بیمار ہوں اور بیماری میں یہ جاننا ہے۔ اس نے اپنے آپ کو ہر طرح سے مطمئن کرنے کی کوشش کی اور بھینکی کا گلاس منہ سے نکالیا۔ آج اتنے دنوں بعد جو پنی تو بہت لطف اور سرور محسوس کرنے لگا۔ اس نے ایک اور پیگ بنا کر پیا اور اپنے اندر فرحت، تازگی اور بہت لطف محسوس کرنے لگا۔ نثر ایسا سر کو چھوڑا کہ ہر شے خوبصورت اور دلچسپ نظر آنے لگی۔ اسے پتا آپ ہواؤں میں اڑتا ہوا محسوس ہونے کا۔ وہ خود ہی قہقہہ لگانے لگا۔ ٹی وی کی آواز اونچی کر کے انگلیش میڈیک سے جھومنے لگا۔ اس کو سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اپنی خوشی کا اظہار کس طرح کرے۔ اس کا دل مستی اور سرور کے لطیف احساس سے برست ہو رہا تھا..... اسے موسم کی شدید ضرورت محسوس ہونے لگی۔

وہ اس وقت ہوتی تو اس پر لطف کیفیت کا مزہ بالا ہو جاتا وہ اسے پاس بہت قریب دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی قربت سے لطف اندوز ہوتا چاہتا تھا۔ اس کے اندر جنسی خواہشات شدت سے پیدا ہونے لگیں تھیں اور موسم کو نہ پا کر وہ جھنجھلا رہا تھا۔

وادو نے شاہ کو کس کال دے کر بلایا تھا۔ ان کے سر میں شدید درد نے ان کو بہت بے چین کر دیا تھا۔ شاہ آئی۔ اس نے سرخ ٹھکانے والے موت کے ساتھ چھوٹا سا چنٹ والا اسفید اور سرخ پر ہڈو پٹ گلے میں ڈال رکھا تھا۔ وہ قدرے خوبصورت لگ رہی تھی داوواں اس کو دیکھ کر مسکرائے نکلیں۔

”شاہی..... ہمارے سر میں تھیں سے، ٹکئی ٹکئی ہاش کر دیں۔ درد سے بہت تکلیف ہو رہی ہے“ وادو نے نرم لہجے میں کہا۔

”جی..... بڑی قیمتی صاحبہ..... میں ابھی لگا دو جی ہوں۔“ اور ثناء ان کے سر میں تیش لگانے لگی۔ ان کو سکون سا محسوس ہونے لگا۔

”ثروت اور خیرن یواہر اسل سے آئیں کہ نہیں؟ واو نے پوچھا۔

”نہیں..... رات کو آئیں گی۔“ اس نے جواب دیا۔

”اور آپ کے بھائی کی طبیعت اب کیسی ہے؟ دادو نے پھر پوچھا۔

”نیک ہے۔ کل چھٹی مل جائے گی۔“ اس نے جواب دیا اور اپنی بخروہلی انگلیوں سے آہستہ آہستان کے سر کی مالش کرتی رہا۔

"خدا..... آپ کو صحت دے۔ ہمارے سر کو سکون آ گیا ہے..... بہت شکریہ" دادو نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

"اب میں جاؤں" ثناء نے اٹھتے ہوئے کہا۔

ہاں..... چاہیے....." دادو نے آنکھیں بند کرتے ہوئے کہا۔

سنیے..... یہ بہو چنگا پتا بیگ ادھر بھول گئی ہیں..... اسے ان کے کمر میں رکھ دیں۔ ہم سونے لگے ہیں۔ کہیں ادھر ادھر نہ ہو جائے" دادو نے مومنہ کا بیگ اسے پکڑاتے ہوئے کہا۔

"جی..... بہت بھتر" ثناء نے جواب دیا اور بیگ لے کر مومنہ کے پیڑروم میں داخل ہوئی۔ کمرے میں نیم تار کی تھی..... کمز کیوں کے آگے دیوڑ پر دے لٹک رہے تھے وی آن تھا اور اس پر میوزک پروگرام چل رہا تھا۔ کمرے میں ہلکی ہلکی کلون اور حسین کی خوشبو پھیلی تھی۔ اسے سی کی وجہ سے قدرے شغفک ہو رہی تھی۔ ثناء نے مومنہ کی وارڈروپ میں بیگ رکھا اور ٹی وی آف کرنے لگی جو اس کے خیال میں یونہی چل رہا تھا۔ اسدا اس کی طرف محبت پاش نظروں سے دیکھ رہا تھا۔

"ٹی..... وی آف نہ کرو" اسدا نے پیڈ پر لیٹے ہوئے آواز دی تو وہ ایک دم چونک گئی اور گھبرا کر اسدا کی جانب دیکھا۔

"آ..... آپ....." وہ چونک کر بولی۔

"ہاں....." اسدا اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

"وو..... میں..... بیگ....." ثناء گھبرا کر بتانے لگی۔

"میں نے کچھ پوچھا تو نہیں..... ادھر آؤ..... یہاں" اسدا نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔

ثناء گھبرا کر اس کے قریب بیٹھ گئی۔

"تم کب سے یہاں ہو..... اور مجھے پتا ہی نہیں..... کہ تم اس قدر خوبصورت ہو..... اتنی دلکش..... اتنی کیوٹ..... کبھی تم نے اپنے آپ کو

آئینے میں دیکھا ہے۔ چاند بھی جہیں دیکھ کر شرماتا جائے" اسدا محبت بھرے لہجے میں سرگوشی کرنے لگا۔ ثناء اپنی تعریف سن کر زیر لب مسکرائی اور شرما کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

"جہیں معلوم ہی نہیں..... کہ تم اتنی حسین ہو..... کسی پری سے بھی زیادہ....." اسدا نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو وہ

مسکرانے لگی اور رفتہ رفتہ اس کی محبت کے بحر میں گرفتار ہونے لگی۔

"آئی۔ لو۔ یو۔ میں تم سے محبت کرنے لگا ہوں۔ بہت محبت" اس نے اسے اپنے قریب کرتے ہوئے کہا۔

"محبت....." اس نے چونک کر پوچھا

"ہاں..... تم مجھے بہت اچھی لگتی ہو۔ بہت پیاری" اسدا اس کے قریب آ کر بولا

و وہ قدرے شرما گئی اور زیر لب مسکرانے لگی۔ اسدا نے اپنے مضبوط ہاتھ اس کے کندھوں پر رکھے وہ گھبرا گئی۔

وہ مومنہ..... ہانتی..... اس نے گھبرا کر دروازے کھج انہد دیکھتے ہوئے کہا۔

"دورات کو دیر سے آئے گی"۔ اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔ اور اسے اپنے بازوؤں کے حصار میں لیا۔

اسد جیسے خوبصورت مرد کی قربت سے اس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ اسد کو ہمیشہ حسرت کی نگاہوں سے دیکھتی تھی۔ جیسے خوبصورت چاند کو چھونے کی تمنا تو ہر کوئی کرتا ہے مگر وہ چاند بھی اس کے آنگن میں اتر آئے گا۔ یہ خیال ہی اسے یوں کھلا دیتا ہے۔ اسد اس سے یوں محبت کرے گا اس کا دل خوشی سے سرشار ہونے لگا۔ اسد شراب کے نشے میں بدست ہو رہا تھا۔ اس کے اندر جنسی جذبات مزید مشتعل ہونے لگے۔ اسد بالکل بھول چکا تھا کہ وہ کون تھی۔ اس کے سامنے ایک خوبصورت لڑکی تھی جس سے وہ اپنے جذبات کی تسکین اور اپنی ہوس پوری کرنا چاہتا تھا۔ اس نے اسے اپنے بازوؤں میں بھر لیا اور وہ اس کے سر میں بری طرح گر لگا رہا ہونے لگی اور وہ اپنی ہوس پوری کرتا رہا۔

شام ہو رہی تھی جب مومنہ کو ڈرائیور گیٹ پر ڈراپ کر کے چلا گیا۔ بابا سوری تھی۔ مومنہ نے اسے دادو کے پاس لے لیا۔ دادو بھی سو رہے تھے اور وہ خود آہستہ آہستہ میز صیباں پر جھکی ہوئی اوپر بیڈروم میں گئی اس نے نقاب چہرے سے سر کا لیا۔ کمرے کا دروازہ کھولا تو میز پر کنبی اور دو بچے تھے ان کی سرگوشیاں سن کر چوکی اس نے آگے بڑھ کر لائٹ آن کی۔ اسد اور شاہ کو بیڈ پر دیکھ کر اس کے ہوش اڑ گئے۔

"ہر شرابی زانی ہوتا ہے۔ اسد ایسا نہیں...؟ آج نہیں تو کل رو بھی لگی کرے گا" ذکیہ بیگم کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"اسد....." وہ بلند آواز میں چلائی اور پٹی پٹی لگا ہوں سے دیکھتی رو گئی اس کا پی پی ہائی ہونے لگا اور اسے شدید ہنسا آنے لگے۔ وہ میز صیباں کی ریٹک کا سہارا لیکر وہیں بیٹھ گئی اس کی ناک سے خون بہنے لگا اور اس نے آنکھیں بند کر لیں۔

شاہ یوں کھلا کر جلدی سے وہاں سے بھاگی اور اسد نے مومنہ کو اٹھا کر بیڈ پر ڈالا اور بائیل میں خون کر کے ایسویٹنس منگوائی وہ پہلے تو نشے میں دھست تھا مگر مومنہ کی حالت دیکھ کر ایسا شاک لگا تھا کہ سارا نشہ ہرن ہو گیا۔ دادو گہری نیند سو رہے تھے۔ اچانک ایسویٹنس کی آواز سن کر چوکیں اور لڑکھڑاتے قدموں سے باہر نکلیں۔ بائیل کا عملہ مومنہ کو ایسویٹنس میں ڈال کر لے جا چکا تھا۔ اسد بھی ان کے ساتھ تھا۔ گھر پر کوئی بھی نہیں تھا جس سے دادو پوچھتے ان کے اوسان خطا ہو رہے تھے۔ انہوں نے گھبرا کر شاہ کو فون کیا مگر اسکا موبائل بھی آف تھا۔ گھر میں تاریکی اور خاموشی چھانے لگی۔ مابا نے ایک دم اٹھ کر اونچی آواز سے رونے شروع کر دیا۔ دادو اسے دیکھ کر اور گھبرا گئیں۔ اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگیں مگر وہ چپ ہی نہ ہو رہی تھی۔

"یہ سب کچھ..... اچانک..... کیا ہو گیا ہے؟ اور مومنہ..... صبح تو اچھی بھلی گئی تھی۔ اسے کیا ہو گیا ہے کہ اسے بائیل لے جانا پڑا ہے۔"

دادو بدحواس ہو کر مابا کو لیے کنبی لاؤنج میں جاتیں کنبی کمرہ میں۔ کنبی اسد کا نمبر ملا تیں تو کنبی شاہ کا مگر وہوں ہی فون نہیں اٹھا رہے تھے۔ دادو نے گھبرا کر مریم کا نمبر ملا لیا اور اسے مومنہ کے بارے میں بتایا۔

مریم اور ذکیہ آپا تو سن کر یوں کھلا گئیں کیونکہ ایک دو گھنٹہ پہلے مومنہ بالکل ٹھیک تھی اور اسی خوشی ان سے رخصت ہوئی تھی پھر..... کیسے یہ سب ہو گیا.....؟ مومنہ بائیل میں ہے..... کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا..... اسے کیا ہوا ہے؟ کوئی وجہ نہیں جانتا تھا۔ مریم اور ذکیہ اسی وقت سلوت آپا کے

پاس آگئیں۔ مریم نے آتے ہی بابا کو سنبھالا۔ اور اسے دودھ پلا کر سلانے کی کوشش کی مگر اسے مومنہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی اور وہ ادھر ادھر دیکھتی مومنہ کو نہ پا کر چلانے لگتی۔

”سلوٹ آپا..... مومنہ کو کیا ہوا ہے؟ مجھے تو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا۔ اچھی بھلی ہمارے گھر سے آئی ہے۔“ زکیہ آ پانے پریشانی سے کہا۔
ہمیں تو کچھ بھی معلوم نہیں۔ ہمارے سر میں درد تھا۔ ثناء نے تیل کی مالش کی اور ہم سو گئے۔ ایبونس کی آواز سے ہماری آنکھ کھلی ہم باہر گئے تو اسداور بہو بیگم ایبونس میں جا چکے تھے۔“ دادو نے فکر مندی سے جواب دیا۔

”خدا خیر کرے..... آپ اسد بیٹے کو تو فون کریں وہ تو کچھ بتائے“ زکیہ آ پانے کہا۔

اور دادو نے مگر اس کا نمبر لایا مگر اس نے کال ریجکٹ کر دی۔ معلوم نہیں..... اسد فون کیوں نہیں اٹھاتا ہے؟ دادو تشریش سے پولیس تھمیریں۔ میں ملاتی ہوں“ اور مریم نے اپنے موبائل سے اسد کا نمبر لایا تو اس نے کال ریسیو کی۔

اسد بھائی..... مریم بات کر رہی ہوں..... آپ کی کو کیا ہوا ہے؟ مریم نے پریشانی سے پوچھا۔
کیا.....؟ مریم شدت سے چلائی۔

”ہاں..... تم کہاں ہو؟ اسد نے پوچھا۔

”میں اور ای..... آپ کی طرف آئی ہیں۔“ مریم نے گھبرا کر جواب دیا۔

”ٹھیک ہے دادو کو کچھ نہ بتانا۔ ان کا خیال رکھنا اور میں ڈرائیو کو بھیجتا ہوں۔“ زکیہ آ پانی کو باسٹھل بھیج دو۔ ان کی یہاں ضرورت ہے۔“
اسد نے جلدی سے کہا۔

کیا میں بھی آ جاؤں؟ مریم نے پوچھا۔

”نہیں..... تم گھر پر ہی تھمرو..... دادو اور بابا کے پاس“ اور اسد نے فون آف کر دیا۔

”کیا بتایا ہے.....؟ دادو نے بے مبری سے پوچھا۔

”کچھ نہیں..... بس یونہی“ مریم کو سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا بتائے۔ وہ نظریں چرانے لگی مگر اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات تھے۔

”بس..... یونہی..... کیا مطلب ہے؟ معمولی سی بات کے لیے ایبونس تو نہیں منگوائی جاتی“ دادو نے قدرے حیرت سے پوچھا۔

وہ..... وہ..... ان کو چکر آ گیا..... تو گر گئیں اور سر کو چوٹ لگی تھی۔ مریم نے جلدی سے یہاں نہ گھڑا تو دادو اور زکیہ آ پاس کی بات سن کر پریشان ہو گئیں۔

”یا اللہ..... بچی پر نظر کرم کر“ دادو نے فکر مندی سے دعا کی۔

”ای..... اسد بھائی ڈرائیو کو بھیج رہے ہیں۔ آپ باسٹھل آپنی کے پاس چلی جائیے۔“ مریم نے آہستہ آواز میں کہا۔

”ہم بھی جاتے ہیں۔“ دادو نے کہا۔

”نہیں..... انہوں نے آپ کو ہاں آنے سے منع کیا ہے..... میں اور بابا آپ کے پاس نہیں ٹھہریں گی۔“ مریم نے کہا۔

”ہاں۔ سلوٹ آپا..... آپ کی طبیعت پہلے ہی ٹھیک نہیں..... میں جا رہی ہوں تا۔ انشاء اللہ سب ٹھیک ہو جائے گا۔ ہم جلد ہی گھر واپس آ جائیں گے۔“ ذکیہ آپا نے تسلی دیتے ہوئے کہا تو سلوٹ آپا خاموش ہو گئیں۔

ذکیہ آپا ڈرائیور کے ساتھ ہاسٹل پہنچ گئیں۔ سونٹا C میں تھی اور اسد پر بیٹانی میں باہر کھڑا تھا۔

”اسد جیٹا..... سونٹا کیسی ہے؟ ذکیہ آپا نے پر بیٹانی سے پوچھا۔

”آپ دعا کریں“ وہ شکت لہجے میں بولا۔

”اسے کیا ہوا ہے.....؟ کیا چوٹ بہت گہری آئی ہے؟ انہوں نے پوچھا۔

”بہترین بھرج ہوا ہے“ اسد نے نم آنکھوں سے بتایا۔

”بہ۔ بن۔ بھرج“ ذکیہ آپا کی سانس اوپر کی اور نیچے کی نیچے رہ گئی۔ وہ پتھرائی ہوئی لگا ہوں سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”آئی پلیز..... حوصلہ کریں۔ اور دعا کریں“ اسد نے کہا۔

”یہ..... یہ کیسے ہو گیا۔ وقت بالکل ٹھیک تھی۔ ہنسی مسکراتی ہوئی میرے گھر سے آئی تھی۔ بھریہ کیسے ہو گیا“ وہ بدبلا نے لگی اور اسد نظریں

چرانے لگا۔ اس کے پاس کوئی جواب نہ تھا۔

دادو ساری رات مضطرب رہیں۔ ایک لمحے کے لیے بھی انہیں نیند نہیں آ رہی تھی۔ مریم اور بابا ان کے پاس ہی تھیں۔ بابا بھی نہیں سو رہی

تھی۔ مسلسل رو رہی تھی اور مریم اسے چپ کرانے میں مصروف تھی۔ فجر کی نماز کے بعد دادو جاننا ز پر بیٹے کر خدا کے حضور گزرا کر موت کی صحت کے لیے

دعا کرتی رہیں۔ اور آئسو بہاتی رہیں..... نماز کے بعد تھوڑی دیر کے لیے انہیں نیند آ گئی..... مریم بھی صوفے پر بابا کو اپنے ساتھ لگائے اور نکلنے لگی۔

”میں آج بات کر کے رہوں گی۔ بوجھے مت رو کو“ ثروت روٹی ہوئی دادو کے کمرے میں داخل ہوئی۔ خیرن بوجھ اس کے پیچھے پیچھے اس کو

روکنے کی کوشش کر رہی تھی۔ ان کے شور کی آواز سن کر دادو ہڑا کر اٹھ بیٹھیں اور حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگیں۔ مریم بھی ان کی آوازیں سن کر

اٹھ گئی تھی۔

”کیا بات ہے۔ خیریت تو ہے؟ دادو نے گھبرا کر پوچھا۔

”بڑی بیگم صاحبہ..... کیا آپ ہمیں اس لیے اپنا نمک کھلاتی رہی ہیں کہ ہم سے ہمارا سب کچھ چھین لیں۔ آپ لوگ اتنے ظالم بھی ہو سکتے

ہیں۔ مجھے پتا نہیں تھا“ ثروت اونچی آواز میں روتے ہوئے بولی۔

”ثروت..... آپ..... کیا کہہ رہی ہیں۔ ہمیں کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا“ دادو نے گھبرا کر کہا۔

”آپ کے گھر میں اتنا کچھ ہو جائے اور آپ کو خبر بھی نہ ہو۔ اتنا بڑا جھوٹ تو مت بولیں۔“ ثروت نے قدرے تلخ لہجے میں کہا تو دادو کو

اس کی بات سن کر شدید ہچکا لگا۔ خیرن بوا کو بھی ثروت کا لب و لہجہ انتہائی نامناسب لگا۔

”ثروت..... بیگم صاحبہ سے یوں بات مت کرو۔“ خیرن بوائے کہا۔

”کیوں نہ کروں..... ہمارا سب کچھ یہ لوٹ لیں۔ اور ہم آف بھی نہ کریں۔ ہم لوگ اتنے بے غیرت بھی نہیں ہوئے۔“ ثروت غصے سے بولی۔

”ثروت..... ادھر بیٹھیں..... اور بتائیں کیا بات ہوئی ہے؟ دادو نے اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے قدرے نرم لہجے میں کہا۔

”جیسی بیٹھنا مجھے..... بہت آپ لوگوں کی خدمتیں کر لیں۔ بہت عزت کر لی۔ بدلے میں کیا ملا۔ کہ ہم سے ہماری عزت ہی جھین لی۔

ثروت غصے سے بولی۔

”کس نے جھینا ہے آپ کی عزت؟ دادو نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ کے بیٹے نے میری ثناء کو کسی قاتل نہیں چھوڑا“

ثروت پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”جیسی..... یہ..... نہیں..... ثروت یہ جھوٹ ہے“ دادو نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر بے یقینی اور دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

”کاش..... یہ جھوٹ ہوتا..... مگر..... ذلت اور رسوائی کا جو داغ آپ لوگوں نے ہمارے چہروں پر لگایا ہے اب اسے کوئی نہیں دھو سکتا“

ثروت سسکتے لگی۔

مریم کے پاؤں تلے سے زمین نکل گئی۔

”اور میری جنت کتنی آلودہ ہے۔ شاید تم اس کا اندازہ بھی نہیں کر سکتیں۔“

”میں کتنی مضطرب رہتی ہوں جیسی کیا معلوم؟“

میری زندگی کو آؤ بیڈیل مت سمجھو۔ معیار کا موازنہ اس سے مت کرو۔ مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو جسے معیار جیسا

شریف اور نیک انسان ملا اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو۔ موسم کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے اور وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے دادو کو دیکھنے

لگی جو بڑی طرح سسک رہی تھیں۔

”آپ کے شرابی بیٹے نے ہمارے خاندان کی عزت کو داغدار کر دیا ہے..... خدا کرے.....“ ثروت سسکتے لگی۔

”خدا کے لیے..... ثروت کوئی بد دعا نہ دینا“ دادو نے تڑپ کر ثروت کے آگے اپنے دلوں ہاتھ جوڑ کر درخواست کی تو مریم اور خیرن بوا

دونوں رونے لگیں۔

”بس کرو ثروت.....“ خیرن بوائے ثروت کو ڈانٹا۔

بیگم صاحبہ..... خدا کے لیے اس کے آگے ہاتھ مت جوڑیں..... مجھ سے یہ برداشت نہیں ہو رہا“ خیرن بوائے دادو کے ہاتھوں کو اپنے

ہاتھوں میں لے کر روتے ہوئے کہا۔

”خیرن یو!..... ہمیں یقین نہیں آرہا ہے۔ کہ ہمارے پروردگار نے ہماری قسمت میں اتنی ذلت اور رسوائی لکھ دی ہے۔ وہ ذلت اور رسوائی کا احساس ہمارے ان جڑے ہوئے ہاتھوں کی ذلت سے کہیں زیادہ ہے“ دادو حاضریں مار مار کر رونے لگیں۔

”بس کریں بیگم صاحبہ..... خدا کے لیے اپنے آپ کو سنبھالیں۔ چھوٹی بیگم بھی یہ صدمہ برداشت نہیں کر سکیں اور اپنی آنکھوں سے سب کچھ دیکھ کر ان کے دماغ کی نالی چھٹ گئی ہے۔ اب آپ تو اپنے آپ کو سنبھالیں۔ خیرن یو اپنی ہی لے میں یو لی۔

”یہ..... یہ..... آپ کو کس نے بتایا؟ دادو ہکلا کر بولیں۔

”نظام دین نے..... وہ ساری رات اسپتال میں رہا ہے۔

خیرن یو نے کہا تو دادو ایک دم بستر پر گر گئیں۔ ان کا ہاتھ ان کے دل پر تھا۔

”بیگم صاحبہ..... کیا ہوا..... ہوش کریں۔“ مریم اور خیرن یو دادو کے ہاتھ پاؤں پٹنے لگیں۔ مریم نے ان کی سانس چیک کی۔

”دادو..... دادو..... بڑی بیگم صاحبہ..... اُٹھیں..... کیا ہو گیا ہے“ مریم اور خیرن یو کی ٹلی جلی آوازیں کمرے میں گونجنے لگی۔

”مگر دادو..... یہ صدمہ برداشت نہ کر سکیں دو بارو آنکھیں نہ کھول سکیں..... اتنی ذلت اور رسوائی سہہ کر ان سے دو بارو آنکھیں کھولنا محال ہو گیا تھا۔ اتنے بڑے خاندان کی باعزت، ہشان و محنت والی۔ خدا ترس، نیک، باجیا اور باکردار عورت..... ذلت کا اتنا بڑا ٹپا کھا کر ایسی ہو کھلا نہیں کہ جانبر نہ ہو سکیں۔

کمرے میں کبرام بچ گیا۔ خیرن یو، مریم اور ثروت بھی دھاڑیں مار مار کر رونے لگیں مابھی ان سب کو دیکھ کر رونے لگی اورچی آواز سے چلانے لگی۔

☆

ڈاکٹر تھلین کے انگلیٹنڈ جانے کے بعد علیہ زیادہ تر وقت جی کے ساتھ گھومنے پھرنے میں گزارتی۔ جب دل چاہتا..... کسی کو بھی بتائے بغیر گھر سے غائب ہو جاتی اور اکثر رات گئے لوٹی۔ تاہم علی اور کشور اسے دیکھ دیکھ کر کڑھتے لیکن ڈاکٹر تھلین کے واپس لوٹنے تک وہ خاموش تھے۔ پہلے وہ اکیلی باہر جاتی تھی تو انہیں اتنا ناگوار نہیں لگتا تھا جتنا کہ جی کے ساتھ گھومنے پھرنے پر ان کو اعتراض تھا۔ مگر..... وہ خاموش رہتے تھے۔

علیہ بھی ذاتی طور پر تیار تھی کہ وہ ڈاکٹر تھلین کے آتے ہی ان سے طلاق لے کر جی سے شادی کر لے گی۔ مگر دونوں کے درمیان شادی کے موضوع پر کبھی بات ہی نہیں ہوتی تھی۔ علیہ جب بھی بلا واسطہ انداز میں شادی کا ذکر کرتی وہ موضوع بدل دیتا۔ جی اپنے بھائی کے ساتھ مل کر ایک ریسٹورنٹ چلا رہا تھا۔ کچھ وقت ریسٹورنٹ کو دیتا اور جیسے ہی موقع ملتا وہ علیہ کو پک کر کے کبھی گھومنے پھرنے چلا جاتا۔ کبھی دونوں بچکر دیکھنے چلا جاتے کبھی کسی شاہجگ سنٹر میں۔ شاکر علی علیہ کے کاڈنٹ میں ہر ماہ اچھی خاصی رقم بھیجتے تھے کیونکہ علیہ نے انہیں اپنے اور ڈاکٹر تھلین کے تعلقات کے بارے میں بتایا تھا۔ اور یہ کہ وہ اپنی ضروریات کے لیے کسی سے چور نہیں مانگتا چاہتی۔ وہ اپنا چھوٹا کھول کر جی پر خرچ کرتی ہر جگہ ملزوسی اور کرتی اور جی مفت میں اس کی کھیتی بھی انجام دے کر تا اور اس کا پیسہ بھی۔

جی بہت مکار تھا۔ اس کی بہت سی لڑکیوں سے دوستیاں تھیں مگر وہ علیہ پر یہی ظاہر کرتا کہ پوری دنیا میں صرف وہی اس کی دوست ہے۔ ماضی میں وہ جو کچھ اسے کہا کرتا تھا اس نے اس سے ان تمام باتوں کی معافی مانگ لی تھی اور علیہ نے اسے کھلے دل سے معاف کر دیا تھا۔ علیہ کے لیے یہی بات قابل اطمینان تھی کہ جس شخص نے اسے کبھی جھٹایا تھا اب وہ خود ہی اس کی جانب لوٹ آیا تھا اور وہ اس کے لوٹ آنے پر بہت خوش تھی۔۔۔۔۔ وہ جس طرح کہتا۔ ویسا ہی کرتی جہاں پہلے کو کہتا۔ فوراً چلی جاتی۔ وہ آوارہ اور عیاش ذہنیت کا نوجوان تھا۔ اس کے چہرے سے کراہت اور آنکھوں سے خباہت نکلتی تھی۔ مگر علیہ کو ان آنکھوں میں اپنے لیے صرف محبت دکھائی دیتی تھی۔ اس نے اسے خوبصورت باتوں کے جال میں ایسا پھنسا یا تھا کہ وہ ان باتوں کے بحر میں بری طرح کھو گئی تھی اسے جی کے سوا کوئی اور دکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ ڈاکٹر تھلین کے جانے کے بعد اور جی سے تعلقات بڑھنے کے بعد اس کے لباس میں دن بدن زیادہ بیہودگی آتی جا رہی تھی اور اس کو دیکھ کر کشور کے تن بدن میں آگ لگ جاتی۔ ویسے بڑبڑاتی رہتی اور ناظر علی خاموش قماش کی تھے تنگ کبھی خاموش رہنے کا مشورہ دیتے۔ سب کو ڈاکٹر تھلین کی آمد کا شدت سے انتظار تھا اور ڈاکٹر تھلین کا دورہ پندرہ دن اور طویل ہو گیا۔ ان کے دیرینہ پیارے اور سہارا سے مطلق کافی خبریں آئے روز اخبارات اور میگزینز میں شائع ہوتیں۔ ہر وقت ان کی کامیابیوں پر مبارکباد کے فون گھماتے رہتے۔ جنہیں ناظر علی اور کشور سن کر خوش بھی ہوتے اور افسردہ بھی۔ جس کو ان کی کامیابیوں کا سن کر زیادہ خوش ہونا چاہیے تھا اسے نشان سے کوئی سروکار تھا اور نہ ہی ان کی کامیابیوں سے۔

۵۶

تھلین کی حالت بہت خراب تھی وہ ہسپتال میں ہی ایڈمٹ تھی اور صرف ایک دور دراز یا شاید اس سے بھی کم وقت کی مہمان تھی۔ وہ شدید اذیت اور درد میں مبتلا تھی اس کے پاس باپ ڈاکٹر اور نرسیں پاس کھڑے اس کو دیکھتے رہتے مگر کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ ڈاکٹر آخری علاج کر کے تھک بار گئے تھے۔ نہ کوئی دوا اس پر اثر کر رہی تھی اور نہ ہی کوئی دوا۔ سب بے بسی سے۔ روتی آنکھوں اور غم سے ڈوبی آہوں کے ساتھ اس کی جانب دیکھتے رہتے علیہ ہر روز فون کر کے اس کے بارے میں پوچھتی۔ کبھی دوسرے تیسرے روز ہسپتال کا چکر بھی لگاتی مگر جب بھی تھلین کو دیکھ کر جاتی بے حد دکھی ہو جاتی۔ تھلین ہانکل ہڈیوں کا ڈھانچہ ہو گئی تھی۔ دن بدن سکڑ کر وہ اپنے اصلی وجود سے تین گنا کم ہو گئی تھی۔ کالی سیاہ رنگت اور انتہائی نحیف و زار جسم کے ساتھ وہ بہت ڈراؤنی لگتی۔ بہت زیادہ الجھنوں اور ڈر میں لگا لگا کر اس کے بازو اور ہاتھ جھٹتی ہوئے تھے۔ وہ بے جان اور مردود وجود تھی جو صرف سانسوں کی ڈور کے ساتھ زندہ تھا۔ اور سانس منقطع ہوتے ہی وہ وجود ہمیشہ کے لیے مٹ جاتا تھا۔ اور تھلین کی اذیت و تکلیف دیکھ کر سب اندر ہی اندر سانسوں کے منقطع ہونے کی آرزو کر رہے تھے۔

تھلین کی حالت بہت خراب ہو رہی تھی اور وہ زبردست بڑبڑا رہی تھی۔ کبھی علیہ کو پکارتی کبھی می اور ڈیڈی کو۔ ”جواد..... علیہ کو ایک ہار فون کریں کہ وہ اسے مل جائے۔“

مسز جواد نے تھلین کی طرف دیکھتے ہوئے کہا..... اور جواد احمد نے علیہ کا نمبر ملا یا مگر اس کا موبائل آف مل رہا تھا۔ ”یہ ان کی زندگی کے آخری لمحات ہیں کیسے کا زہرا ان کے جسم میں پھیل رہا ہے“ ڈاکٹر نے تھلین کی ناک سے بہتے آلودہ خون کی جانب بغور

دیکھتے ہوئے کہا۔

مسٹر اینڈ مسز جواد نے رونا شروع کر دیا۔ نگین انتہائی بے قراری میں اپنا جسم، ہاتھ اور بازو ویڈیو پر اٹھا اٹھا کر مار رہی تھی۔ دوبری طرح تڑپ رہی تھی اور سب بے بسی سے اس کی جانب دیکھ رہے تھے۔

”علیہ.....“ دو گھر بڑبڑائی۔

مسز جواد نے..... جواد احمد کی جانب دیکھا اور انہوں نے مگر علیہ کا نمبر طایا۔ علیہ کا نمبر آف تھا۔

علیہ اور جمی ویل فریڈ ہونے کے انتہائی خوبصورت بیڈ روم میں تھے۔ جمی نے خوب ڈریک کر رکھی تھی اور علیہ کے سامنے بھی واٹن لگا اس پڑا تھا۔ مگر آج اس کا ڈریک کرنے کو جمی نہیں چاہ رہا تھا۔ نجائے کیوں۔ اس کو نگین کی بار بار یاد آ رہی تھی۔ وہ اسے فون کر کے خیریت پوچھتا چاہ رہی تھی مگر جمی اس کے موبائل سے ڈسٹرب ہوتا تھا اس لیے علیہ نے اس کے کہنے پر موبائل آف کر دیا تھا۔

”علیہ..... آئی نیڈ یورو (مجھے تمہاری محبت کی ضرورت ہے) جمی اس کے قریب آ کر ہوس بھری لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

”ابھی نہیں..... شادی کے بعد“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”کس کی شادی.....؟ جمی نے چونک کر پوچھا۔

”ہم دونوں کی“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”میری..... میری شادی.....؟ کم آن..... انگین اینڈ انگین (بار بار) وہ تہتہ لگا کر بولا تو علیہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

وہ بات ڈو یو مین (تمہارا کیا مطلب ہے)؟ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی ایم میریڈ..... کیس میریڈ“ گھر میں ہے نا..... تناسا..... دیری کیوٹ..... اسٹوپ..... اینڈ لیری گرل (خوبصورت، یہ قیوف اور ست ترکی) جمی نے طویہ مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

وہاٹ.....؟ علیہ کے سارے وجود میں ارتعاش پیدا ہونے لگا۔

”تم نے مجھے کبھی بتایا ہی نہیں؟ علیہ نے حیرت سے پوچھا۔

”کیا بتاتا نا؟ واڈ جھنگ اسٹیل فوٹیل (کچھ خاص نہیں تھا بتانے کے لیے)

”بٹ آئی لو یو لوج..... سویت ہارٹ“ وہ اس کے کندھوں پر اپنا بازو دھپلائے ہوئے بولا۔

اور..... میں..... میں کیا ہوں.....؟ علیہ نے ہاتھوں کن لہجے میں پوچھا۔

فرینڈ..... دیری سویت فرینڈ.....“ وہ مسکرا کر بولا۔

کوئی شے چھٹا کے سے علیہ کے اندر روٹی۔ جمی نے ایک بار پھر اسے اُج دینے کی کوشش کی تھی۔ دونوں کی حالت میں اپنے دل کی باتیں اسے صاف صاف بتا رہا تھا اور نہ نارل حالت میں اس نے کبھی بھی اس پر کوئی حقیقت ظاہر نہ ہونے دی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اس سے چھپا چھپا کر رہا۔

غیر شادی شدہ بچہ اور علیہ سے پر امید لہجے میں باتیں کرتا کرڈاکٹر فکھیں سے طلاق لینے کے بعد وہ علیہ سے شادی کر لے گا اور اب وہ ساری باتیں اسے کچھ بتا رہا تھا۔ علیہ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھرنے لگیں۔

”جی..... میں ڈائریوس لینے کے بعد تم سے شادی کرنا چاہتی ہوں۔“ علیہ نے جی کڑا کر کے آخری بار اس کے خیالات جاننے کی کوشش کی۔

”نو..... نو..... آئی دل بند“ وہ سر ہلاتے ہوئے بولا۔

”کیوں.....؟ علیہ نے فکھیں سے پوچھا۔

”آئی ڈونٹ نیڈ میرج..... اس اسے دلش گیم.....“ وہ جیسے ہوئے بولا اور اس کو اپنے ساتھ لگانے کی کوشش کی علیہ کو اس پر غصہ آنے لگا اور وہ اپنا آپ چھڑا کر پیچھے ہٹ گیا۔

”کم آن علیہ..... تم بھی نسا کی طرح اسٹو پڈ ہو..... وہ بھی میرے پاس نہیں آتی..... آئی ڈونٹ کیئر..... ہٹ آئی لوی سوچ“ وہ اسے زبردستی اپنے ساتھ لگاتے ہوئے بولا۔

لیوی جی (جی جیسے چھوڑ د) علیہ نے اپنا آپ اس سے چھڑا لیا اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”کیا ہوا..... کیا ہوا..... کیوں رونے لگی..... میں تم سے اتنی محبت کروں گا..... کہ تم سب غم بھول جاؤ گی.....“ وہ اس کا ہاتھ مضبوطی سے پکڑتے ہوئے بولا۔

علیہ نے ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر اس نے ہاتھ اور مضبوطی سے پکڑا۔ علیہ نے اس کے ہاتھ پر زور سے دانت کالے وہ بلبلانے لگا۔

”نہو..... آئی دل کل یو (میں تمہیں مار دوں گا) جی غصے سے اس کی جانب بڑھا تو علیہ نے ہینڈ کے ساتھ سائینڈ نیبل پر پڑا کر شل کاوازا اٹھا کر اس کے سر پر دے مارا۔ وہ چلانے لگا۔ اور اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے پکڑ کر بیڈ پر گر گیا۔ اس کے سر سے خون جاری ہو گیا۔ علیہ جلدی سے دروازہ کھول کر باہر نکل گئی اور گاڑی میں جا کر اپنا سو ہائل آن کر کے پولیس کا نمبر ملانا چاہا لیکن سو ہائل آن ہوتے ہی جواد احمد کی کال آ گئی۔

”علیہ..... بیٹے..... ہاسپل جلدی پہنچنے کی کوشش کرو۔“ فکھیں ”وہ مزید کچھ نہ کہہ سکے اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

علیہ کا دل بری طرح گھبرانے لگا اور اس نے گاڑی کا رخ ہاسپل کی جانب کیا۔ وہ انتہائی تیزی سے گاڑی ڈرائیو کرتی ہوئی ہاسپل پہنچی فکھیں کے کمرے میں بہت سے لوگ جمع تھے۔ سب کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔ سب نے علیہ کی طرف چونک کر دیکھا۔

”فکھیں..... علیہ آگئی ہے“ مسز جواد نے فکھیں کے کان کے قریب کہا۔

”عل..... علیہ“ اس نے بند آنکھوں سے پکارا۔

علیہ نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ تمام لپٹا اور اونچی آواز سے رونا شروع کر دیا۔ فکھیں نے اس سے کہا کہنے کی کوشش کرتی رہیں مگر اس کے بچنے لہوں سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔ وہ اس سے کچھ کہتا چاہ رہی تھی مگر کسی کو بھی کچھ سنائی نہ دے رہا تھا۔

”نگین..... تمہیں کیا کہنا ہے؟ علیہ نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر پوچھا۔

”نگین نے ایک بار انتہائی کوشش سے آنکھیں کھول کر علیہ کی جانب دیکھا۔ اس کی آنکھوں میں انتہائی درد، حسرت اور دکھ کی کیفیت

تھی۔ وہ اس کی طرف دیکھ کر شدت سے روئی۔

”عل..... علیہ..... ڈنٹ“ وہ مشکل بولی اور اس کے گلے میں پھانس ہی گئی۔ اس نے زور سے کھانسی کی اور اس کے ساتھ خون کی بڑی

سی قے کی۔ اور تورا کر بیڈ پر گر گئی۔ اس کے ساتھ ہی اس نے آنکھیں بند کر لیں اور اس کی سانسوں کا تعلق اس کے جسم سے ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا۔
ڈاکٹر جلدی سے اس کے اوپر جھکا۔

”سوری..... شی ازلومور“ ڈاکٹر نے اس کی نبض چیک کرتے ہوئے کہا علیہ پاگلوں کی طرح اسے اپنے گلے سے لگا کر رونے لگی۔ وہ اس

قدر شدت سے رورہی تھی کہ سب لوگ حیران ہو رہے تھے۔ اس کا نگین کے ساتھ خون کا رشتہ تو نہیں تھا مگر دل کا رشتہ تھا..... غم اور دکھ کا رشتہ تھا۔ وہ اس کی انتہائیوں کی ساتھی تھی۔ اس نے اس سے اپنے دل کی بہت سی باتیں شیئر کیں تھیں۔ اپنے اندر کے عجائبات کو اسے سنائے تھے۔ وہ اس کی غصے دوست تھی..... کو کہ خود بھی بھکی ہوئی تھی اور اسے بھی بھکایا تھا۔ مگر دونوں کے دل تھکے تھے۔ دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتی تھیں اور اب دل کا..... محبت کا۔ اور دکھ کا یہ رشتہ ہمیشہ کے لیے ٹوٹ گیا تھا۔ اس لیے وہ شدت سے رورہی تھی۔ وہ نگین کے مردہ وجود کو اپنے ساتھ چٹنائے کر یہ کر رہی تھی۔ نگین کے منہ اور ناک سے پہنے والا خون علیہ کے کپڑوں اور وجود کو آلودہ کر رہا تھا مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔

نگین کی موت نے اسے بہت بدحواس اور پریشان کر دیا تھا۔ کبھی جی اور اس کی مکاریاں یاد آتیں تو وہ مضطرب ہو جاتی۔ نگین یاد آتی تو دکھ کی شدید لہر اس کے دل اور روح کو تڑپانے لگتی۔ زندگی کے بارے میں وہ پہلے بھی کوئی پرامید گمان نہیں رکھتی تھی اور نگین کی موت نے اس کے اندر بہت زیادہ غالی پن پیدا کر دیا تھا۔ وہ سارا وقت کمرے میں بند رہتی رہی۔ نگین کے ساتھ گزارے لمحے، باتیں، چٹنا پلانا۔ پارٹیز اور یونیورسٹی میں اکٹھے ٹھکانے پھرنا..... اور پھر بستر مرگ پر نگین کی انتہائی دگرگوں حالت اور موت کا روح فرما منظر..... اس کے لیے ایک ایک لمحہ عذاب بنتا جا رہا تھا اور سب سے بڑھ کر نگین کا اس سے کچھ کہنے کی کوشش۔ اور صرف ایک لفظ ”ڈنٹ“ کا سنائی دینا۔ نگین کس بات سے اسے روکنا چاہتی تھی وہ کیا بات تھی؟ کیا پیغام تھا۔ جو نگین خود علیہ کو دینا چاہتی تھی۔

مگر بتانہ کی تھی۔ اُنٹے بیٹھے سوتے جاگتے، لینے ہوئے۔ وہ جیسے ہی آنکھیں بند کرتی۔ نگین کی سرگوشی ”ڈنٹ“ سے وہ بڑا کراٹھ

جاتی۔ وہ گھبرا جاتی۔ اور گہری سوچ میں ڈوب جاتی۔

یہ ”ڈنٹ“..... کیا ہے؟ کیا نگین اسے ”ڈرنک“ کرنے سے روکنا چاہ رہی تھی.....؟ یقیناً وہ اس سے روکنا چاہ رہی ہوگی جس نے اس کی

زندگی کو دیمک کی طرح چاٹ لیا۔ اس کی جوانی کو ڈس لیا۔ اس کے جسم کو اندر سے کھوکھلا کر دیا اور اسے انتہائی تکلیف اور اذیت میں مبتلا کر دیا۔ یقیناً وہ اسے اس بری عادت سے ہی روکنا چاہ رہی ہوگی جو چیز انسان کو زیادہ اذیت میں ڈالتی ہے۔ آخری لمحوں میں وہی اس کے لبوں پر ہوتی ہے۔ علیہ کا ذہن سوچ سوچ کر ماؤٹ ہو گیا تھا۔ نگین کو فوت ہوئے دس روز ہو گئے تھے مگر نگین کا بھوت اس کے ساتھ بُری طرح چٹنا ہوا تھا۔ وہ بھگ آگئی تھی۔

تکین کی صداؤں سے اور اس کی سرگوشیوں سے وہ ایسی ذہنی اذیت میں مبتلا ہو گئی تھی جس کے بارے میں کسی کو کچھ نہیں بتا سکتی تھی۔ وہ شدید ڈپریشن میں مبتلا ہو گئی تھی۔ اور اس نے ٹھک آ کر ذہنی سکون کی خاطر وہ سب کچھ بٹایا اس میں آئیں ڈالنے لگی تو کہیں سے تکین کی سرگوشی سنائی دی۔ "ڈونٹ" علیحدہ ٹھٹھک گئی اور وائن گلاس کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ یہ میرا وہم ہے اور کچھ نہیں..... تکین یہاں کہاں.....؟ اس نے اپنے خیال کو جھٹکا..... اور گلاس کی طرف دیکھا۔ جو بھی گلاس اٹھانے لگی تو پھر سرگوشی سنائی دی۔

"ڈونٹ" اب کی بار سرگوشی میں قدرے فحش کا تاثر بھی اسے محسوس ہوا اس نے گلاس پکڑ کر اسے واپس رکھ دیا اور گھبرا کر ادھر ادھر دیکھنے لگی۔ اس کے چہرے پر پسینہ آنے لگا اور اس کا دل بری طرح گھبرانے لگا..... اس کے اندر اس قدر اضطراب پیدا ہونے لگا تھا کہ اسے کوئی راہ فرار نظر نہ آ رہی تھی۔ اس نے تھوڑی دیر کے لیے اپنی آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو پرسکون کرنے کی کوشش کی اور پھر اٹھ کر گلاس پکڑنا چاہا۔

"ڈونٹ" پھر سرگوشی نے اسے پریشان کر دیا۔ اس نے ایک دو بار کوشش کی مگر "ڈونٹ" کی سرگوشی اسے ایسا کرنے سے بار بار روک رہی تھی۔ اس نے غصے سے گلاس کی جانب دیکھا اور قدرے جذباتی و مضطرب ہو کر گلاس صوفے پر بیٹھے بیٹھے دھواں روک کی جانب پھینکا۔ گلاس کے ٹوٹنے کی آواز کمرے میں گونجنے لگی۔

"یہی تم چاہتی ہو..... تم نے ہی مجھے اس کی عادت ڈالی اور اب خود ہی اس سے روکنا چاہتی ہو..... تکین....." وہ حریف کچھ نہ سوچ سکی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

میں نے اپنی ساری زندگی جس کرب اور اذیت میں گزاری ہے..... وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتی..... کسی کو میرا دکھ محسوس نہیں ہوتا..... کسی کو "میں" کہیں بھی دکھائی نہیں دیتی..... "وہ شدت سے روتی جا رہی تھی۔

اچانک اس کا موبائل بجنے لگا تو اس نے چونک کر نمبر دیکھا وہ جی کا نمبر تھا۔ موبائل مسلسل بج رہا تھا۔ اور علیحدہ کے جذبات مشتعل ہو رہے تھے۔ آج جی نے اس روز کے بعد پہلی بار فون کیا تھا اور علیحدہ اسے بہت کچھ سنانا چاہتی تھی..... اس نے غصے سے فون اٹھایا اور جیسے ہی کان کے ساتھ لگایا۔ "ڈونٹ" کی سرگوشی پھر سے اسے سنائی دی۔ علیحدہ چونک گئی اور موبائل کی طرف حیرت سے دیکھنے لگی۔ جی بار بار کال کر رہا تھا۔ اور وہ جیسے ہی موبائل کان سے لگاتی۔ سرگوشی سنائی دیتی "ڈونٹ"..... اس نے ٹھک آ کر موبائل سوچ کچ آف کر کے کے صوفے پر پھیٹکا۔

تکین..... یہ کیا ہے..... اور تم میرے ساتھ کیا کر رہی ہو؟

تم کیا کہنا چاہتی تھی..... خدا کے لیے مجھے اذیت میں نہ ڈالو۔ میں پاگل ہو جاؤں گی..... پلیز..... میرا بچھا چھوڑ دو..... میں تو تم سے بہت محبت کرتی تھی۔ اور تم میرے لیے اذیت کا باعث بن رہی ہو" علیحدہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

ڈاکٹر فکین ایک روز بعد آ رہے تھے۔ رہیما نے اسے کھانا دینے آئی تھی اور باتوں باتوں میں بتا کر گئی تھی۔ ان کی آمد کا سن کر وہ چونک گئی تھی اسے پہلے ان کی آمد کا شدت سے انتہا تھا اور اب خواہش کر رہی تھی کہ وہ نہ ہی آئیں۔ نجانے کیوں وہ ان کا سامنا کرتے ہوئے کتر رہی تھی۔ نہیں اب اس گھر میں زیادہ دیر نہیں رہ سکتی" اس نے نم آنکھوں کے ساتھ کمرے کی دروازہ کھٹکے ہوئے سوچا۔

”ڈونٹ“ کہیں سے مدد میں سرگوشی سنائی دی۔ اس نے چونک کر دیکھا..... اور جھنجھلا نے لگی۔

”میں سنی کے ساتھ مزید نہیں رہ سکوں گی۔ ہمارا ساتھ اب ناممکن ہے اس نے پھر سوچا..... اور اچانک ”ڈونٹ“ کی سرگوشی اسے سنائی دی۔
”واٹ“ از ”ڈونٹ“؟ ”واٹ..... ڈونٹ..... ڈونٹ“ وہ گلا پھاڑ پھاڑ کر چلانے لگی۔

hallucination کا شکار ہونے لگی تھی۔ اسے کیا ہوا ہوا تھا اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ وہ کس سے پوچھے کہ تنہا کس بات سے اسے روکنا چاہ رہی تھی۔ اسے تو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اسے ہر بات۔ ہر کام سے روکنا چاہ رہی تھی۔ وہ جو کام بھی کرنے لگتی تو اسے تنہا کی سرگوشی روک دیتی۔ وہ عجیب سے غصے اور الجھنوں کا شکار ہو گئی تھی۔ نیند نہ آنے سے ان کی آنکھیں متورم ہو گئیں تھیں اور ان کے پیچھے اتنے بھاری اور موٹے ہو گئے تھے کہ آنکھیں کھولنے اور بند کرنے میں اسے تکلیف محسوس ہونے لگی تھی۔ دل میں بڑھتا ہوا خطرہ اب اس کے اندر اتنا زیادہ ڈپریشن بڑھا رہا تھا کہ اس کا دل چاہ رہا تھا کہ وہ خودکشی کر لے۔

رات کو اس نے نیند کی دو تین گولیاں کھائیں اور اس کے باوجود بھی اسے صبح ہونے تک نیند نہ آئی۔ وہ دو چار گھنٹے بمشکل سوئی ہوئی۔ اور پھر اٹھ گئی۔ بیڈ پر اوندھے منہ لیٹے وہ پھر سوچوں کے کھنور میں غوطہ زن رہی۔

”کیا کروں.....؟ کہاں جاؤں.....؟ کاش سنی یہاں ہوتا تو وہی میرے اس مرض کا کچھ علاج کرتا تو بہت مشہور سائیک ٹریسٹ ہے۔ اسے اچانک سنی کی محسوس ہونے لگی۔ لیکن اب تو وہ بھی میرا علاج نہیں کرے گا..... اس نے آدھ بھر کر سوچا مجھے تنہا کی ماما سے پوچھنا چاہیے۔ ممکن ہے تنہا نے ان سے میرے بارے میں کچھ کہا ہو.....“ ایک دم تنہا کی ماما کا خیال اس کے ذہن میں آیا۔ اور اس نے ان کے ہاں جانے کا سوچا۔
انٹرکام پر اس نے ریمائنڈ کو کھائے لانے کو کہا اور وارڈ روم میں سے کپڑے نکالنے لگی۔ اس نے ایک ڈیگر نکالا اور اس پر سے ایک مٹی شرٹ اتارنے لگی تو پھر ”ڈونٹ“ کی سرگوشی اسے سنائی دی۔ اس نے ڈیگر کی جانب بغور دیکھا اور اسے واپس رکھ دیا۔ اس نے پھر ٹی شرٹ اور جنو نکالنا چاہی تو پھر ”ڈونٹ“ کی سرگوشی نے اسے وہ پہننے سے بھی روک دیا وہ جو ڈریس بھی نکالتی تو ”ڈونٹ“ کی سرگوشی اسے وہ پہننے سے روک دیتی۔ اسے غصے سے لگا اور اس نے غصے میں سارے ڈیگر وارڈ روم میں اوپر تلے پھینک دیا وارڈ روم یونی چھوڑ کر انہی کپڑوں میں نل سلیز سفید رنگ کا سوٹ پہن کر وہ باہر جانے لگی تو ریمائنڈ چائے لے کر آگئی۔ وہ اسے بیڈروم کے دروازے پر مل گئی۔ ”بی بی جی چائے.....“ ریمائنڈ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے نہیں چاہیے..... اسے واپس لے جاؤ وہ غصے میں بولتی ہوئی بیڈ روم میں آ کر گئی اور ریمائنڈ حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہ گئی۔
علیہ..... تنہا کے گھر پہنچی تو گھر میں عجیب طرح کا سناٹا اور خاموشی تھی۔ سارے گھر کی فضا سوگوار ہو رہی تھی۔ اس نے ملازم سے تنہا کی محی کے بارے میں پوچھا..... اور ان کے ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگی۔ وہ ڈرائنگ روم کی دیواروں کو خالی خالی نظروں سے دوکھ رہی تھی۔ اسے تنہا کے ساتھ گزارے ہوئے سب لمحے ایک ایک کر کے یاد آ رہے تھے اور اس کی آنکھیں بار بار بھیج رہیں تھیں۔

تنہا کی محی تھوڑی دیر بعد ڈرائنگ روم میں داخل ہوئیں وہ چہرے سے بہت اداں، پڑ مردہ اور بیمار دکھائی دے رہیں تھیں۔
علیہ کو اپنے ساتھ لگا کر وہ سسکتے گئیں اور اس کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گئیں۔

”دوبہت یاد آتی ہے“ وہ بھٹک کر کہہ پائیں اور دونا شروع ہو گئیں۔

علیہ بھی آہستہ آہستہ اپنے دکھ کا اظہار کرتی رہی اور اپنی تمام آنکھوں کو پونچھتی رہی۔

”آئی..... میں آپ سے ایک بات پوچھنے آئی ہوں“ علیہ نے کہا۔

”کیا.....؟ انہوں نے نشوونو سے آنسو پونچھتے ہوئے کہا۔ آئی..... نکلیں..... مرنے سے پہلے مجھے کس بات سے روکنا چاہتی تھی۔ اس

نے صرف مجھے ”ڈونٹ“ کہا اور اس کے بعد مظلوم نہیں وہ کیا بد بڑاتی رہی مجھے سمجھ میں نہیں آیا مگر اس کا ”ڈونٹ“ کہنا مجھے بہت زیادہ ڈسرب کر رہا

ہے۔ میں بہت ”اپ سینٹ“ ہوں hallucination کا شکار ہو گئی ہوں۔ جو کام بھی کرنے لگتی ہوں۔ ”ڈونٹ“ کی سرگوشی مجھے وہ کام نہیں کرنے

دیتی۔ کیا آپ بتا سکتی ہیں کہ وہ مجھے کیا کہنا چاہتی تھی؟ علیہ نے قدرے فکر مندی سے پوچھا تو نکلیں کی مٹی گہری سوچ میں ڈوب گئیں۔ اور ذہن پر زور

ڈالنے لگیں۔ ہاں..... شاید..... کچھ کہنا تو چاہتی تھی..... مگر..... کیا؟ انہوں نے سوچتے ہوئے کہا اور خاموش ہو گئیں..... جیسے اپنے ذہن کو اس سوچ پر

مرکز کر رہی ہوں مگر انہیں کچھ یاد نہ آ رہا ہو۔

”آئی ایم سوری..... مجھے یاد نہیں آ رہا..... لیکن اس نے کچھ کہا ضرور تھا..... کیا.....؟ وہ خود ہی الجھنے لگیں۔

”اے..... لیواٹ (اسے چھوڑیں)“ علیہ نے انہیں سوچوں میں الجھتے دیکھ کر کہا۔

”اگر یاد آ گیا تو میں تمہیں فون کر دوں گی۔ مگر جانے کیوں کچھ بھی یاد نہیں آ رہا“ وہ انتہائی پریشانی سے بولیں۔

”ٹھیک ہے..... اب میں چلتی ہوں“ علیہ اٹھ کھڑی ہوئی مگر جانے کیوں یاد نہیں آ رہا..... شاید آج کل ذہن میں نکلیں کے علاوہ کوئی اور

ہے ہی نہیں۔ وہ اور اس کی سوچیں ”دو آہ بھر کر بولیں اور پھر اپنے ذہن پر زور ڈالنے لگیں۔

علیہ مایوس ہو کر وہاں سے لوٹی..... وہ پورے میں ڈاکٹر نکلیں کی گاڑی دیکھ کر چوکی..... اس کا دل زور سے دھڑکنے لگا اور وہ آہستہ آہستہ

قدم اٹھاتی ہوئی میز حیلوں کے پاس گئی۔ وہ لاؤنج میں جانا بھی چاہتی تھی اور نہیں بھی۔ وہ سوچ میں پڑ گئی۔ کیا کرے یا نہ کرے ابھی اسے نکلیں کی کوئی

سرگوشی نہ سنائی دے رہی تھی۔ وہ بہت حیران ہونے لگی اور پوچھل قدم اٹھاتے ہوئے اپنے کمرے میں گئی۔ ہر طرف پکڑے بکھرے تھے۔ کچھ وارڈ

روم سے باہر لٹک رہے تھے۔ اس نے انہیں اٹھا کر وارڈ روم میں رکھا اور بدلی سے بیڈ پر بیٹھ گئی۔ اچانک اس کی نظر ماما کی تصویر پر پڑی۔ بہت

دنوں سے وہ نکلیں کی سرگوشیوں میں ایسی الجھی تھی کہ ماما کی تصویر کی جانب دیکھنے کا خیال ہی نہیں آتا تھا وہ اٹھ کر ان کی تصویر کے سامنے کھڑی ہو گئی۔

نجانے کہاں سے بہت سے آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے اور یوں گرنے لگے جیسے موسلا اوجھار بارش پوری شدت سے برتی ہے۔

سنی کے کمرے میں آنے سے پہلے ہو گئی تھی۔ تا طر علی۔ کشور اور مرزا اس کے گرد بیٹھے تھے اور ان سے انگلیٹڈ میں درکشاپ اور کانفرنس

کے بارے میں تمام واقعات سن رہے تھے۔

”سنی بیٹا..... ہمیں تو اخبارات کے ذریعے تمہاری خبریں ملتی رہی ہیں سچ یقین نہیں آتا کہ اللہ نے تمہیں اتنی کامیابی سے نوازا ہے.....

میرا تو سرخسر سے بند ہو جاتا ہے۔ جب لوگ تمہیں مبارکباد دینے کے لیے کمر فون کرتے تھے“ کشور نے مسکرا کر کہا۔

”مما..... یہ آپ لوگوں کی دعاؤں کا نتیجہ ہے.....“ ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا۔

”واہ..... ساری دعائیں آپ کو ہی لگ جاتی ہیں..... مجھے کیوں نہیں لگتیں“ عزانے مسند بنا کر کہا۔

”جینا..... ہم تو تم دونوں کے لیے ہی دعائیں کرتے ہیں..... البتہ سنی کو زیادہ لگ جاتی ہیں“ ناعطر علی نے بھی مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ انہی کے لیے دعائیں کرتے ہوں گے..... مجھے تو یونہی نر خاویہ ہے۔ اوپر اوپر سے دعا کر کے“ عزانے فحش سے کہا۔

”فکر نہیں کرو..... تمہیں بھی دعائیں جلد کھنسنے والی ہیں..... ممما..... وہ صد بچہ پھر پھونے اس کے لیے پوچھا تھا۔ کیا بچا؟ ڈاکٹر ثقلین نے

جان بوجھ کر شرارتی لہجہ میں اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو دھرمائی اور اٹھ کر کمرے میں چلی گئی۔ جیوں کھینکھلا کر بٹنے لگے۔

”ان کو میں کیا جواب دوں..... پہلے تمہارے مسئلے سے توجہ نہ لوں، کشور نے السردگی سے جواب دیا تو ناعطر علی اور ڈاکٹر ثقلین خاموش

ہو گئے۔

”دیکھو جینا..... تم نے جتنا وقت مانگا تھا وہ گزر چکا ہے اب جلد ہی کوئی فیصلہ کر لو۔ ہم تمہیں کچھ بھی بتانا نہیں چاہتے مگر اب علیہ کے مزید

یہاں رہنے والے کوئی حالات نہیں۔ وہ رات گئے تک اس آوارہ لڑکے کے ساتھ گھومتی پھرتی رہی ہے۔ ابھی چند دن ہوئے اس کی کوئی سکیل مرگئی

ہے تو اس کے غم میں اپنے کمرے میں بند رہتی ہے۔ ورنہ.....“ کشور غصے سے بولی۔

”کون.....؟ ثقلین.....؟ ثقلین مرگئی ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے گھبرا کر پوچھا۔

”ہمیں کیا معلوم.....؟ کشور نے ہنک کر جواب دیا۔

”اوہ..... تو؟ ڈاکٹر ثقلین نے باپوسی سے کہا۔

”اب تم آگئے ہو..... جلد از جلد اسے قانع کرو..... میں تو کہتی ہوں ابھی جا کر.....“ کشور نے غصے سے کہا۔

”کشور..... تمہیں کیا ہو گیا ہے؟ اتنی جلدی کس بات کی ہے؟“ ناعطر علی نے قدرے غصے سے کہا۔

”آپ کو تو نجانے کس معجزے کا انتظار ہے..... اور میں بتا رہی ہوں کوئی معجزہ نہیں ہونے والا“ کشور نے بھی غصے سے جواب دیا۔

”بات معجزے کی نہیں..... میں تو یہ کہہ رہا ہوں کسا بھی سنی آیا ہے۔ اسے آرام تو کر لینے دو.....“ ناعطر علی نے نرم لہجہ میں کہا تو کشور

خاموش ہو گئی۔

”سنی جینا.....! افسوس لیں ہو جاؤ..... میں کھانا لگاوا رہی ہوں۔“ کشور نے کہا تو ڈاکٹر ثقلین اٹھ کر دوش روم میں چلے گئے۔

کھانا کھانے کے بعد وہ علیہ کے کمرے میں گئے تو کمرے کی عجیب سی حالت ہو رہی تھی۔ علیہ خود بھی بہت کمزور۔ بیمار اور مضطرب لگ

رہی تھی۔ اس کی آنکھیں رو رو کر سو جاتی تھیں اور ان کے گرد حلقے گہرے ہو گئے تھے وہ ڈاکٹر ثقلین کو دیکھ کر چوکی۔ ڈاکٹر ثقلین تھکاوٹ کے باوجود

نہایت اساتذت لگ رہے تھے۔

”کیسی ہیں آپ.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لے کر پوچھا۔

علیہ نے ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔ کیسے بتاتی کہ وہ بہت اذیت میں تھی۔ بہت تکلیف میں..... ایک ایک لمحہ انتہائی کرب میں گزار رہی تھی۔

اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ اور اس نے سر جھکا لیا۔

”آپ میری آمد کی خبر ہوں گی کہ میں آؤں..... اور..... آپ کو..... ڈاکٹر فکلین دے..... ڈاکٹر فکلین کہتے ہوئے رکے۔

علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور فکلین کی سرگوشی ”ڈونٹ“ شدت سے اس کے کانوں میں گونجنے لگی۔

”ڈونٹ“..... ڈونٹ..... ڈونٹ“ اس نے اپنے دلوں کانوں پر ہاتھ رکھنے چاہیے اور پھر چہرے پر دلوں ہاتھ رکھ کر رونے لگی۔

”میں جلد ہی..... ڈاکٹر فکلین نے ہم آنکھوں کے ساتھ کہا اور علیہ نے اچانک اٹھ کر ان کے ہونٹوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا اور شدت سے

چلائی۔

”ڈونٹ..... ڈونٹ..... ڈونٹ“

اور پھر رونا شروع ہو گئی۔

ڈاکٹر فکلین حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگے۔ ان کے لیے علیہ کا یہ رویہ انتہائی حیران کن تھا۔ اگلینڈ جانے سے پہلے وہ خود ان سے

طلاق مانگ رہی تھی۔ ان کے ساتھ رہنا نہیں چاہ رہی تھی۔ اور اب خود ہی وہ طلاق نہیں لینا چاہ رہی تھی..... انہوں نے اس کا ہاتھ اپنے منہ پر سے ہٹایا اور اس کی جانب بغور دیکھنے لگے۔

”کیا..... ڈونٹ.....؟ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”آئی..... ڈونٹ نو..... آئی ڈونٹ نو“ وہ قدرے جذباتی انداز میں سر ہلاتے ہوئے بولی اور شدت سے رونے لگی۔

”علیہ..... کیا ہوا ہے آپ کو؟ ڈاکٹر فکلین نے حیرت سے پوچھا انہیں اس کی ذہنی حالت پر شک ہونے لگا تھا۔

”وہ اپنے سر اور ہاتھوں کو ٹٹی میں زور زور سے ہلانے لگی۔

”آئی ڈونٹ.....“ وہ بڑا بڑا نے لگی۔

ڈاکٹر فکلین نے اسے کندھوں سے پکڑ کر زور سے ہلایا۔

آریان پور سنگھ؟ (کیا تم اپنے حواس میں ہو؟) انہوں نے حیرت سے پوچھا

”آئی..... آئی..... ڈونٹ.....“ اور وہ بے اختیار ان کے گلے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

ڈاکٹر فکلین کے لیے یہ کسی خوبصورت اور حیران کن معجزے سے کم بات نہ تھی۔ علیہ خود ان کی جانب بڑھی تھی۔

”ڈونٹ لیوی..... پلیز ڈونٹ لیوی“ وہ ان کے سینے کے ساتھ لگی بڑبڑاتی رہی اور سسکتی رہی۔ ڈاکٹر فکلین محبت سے اس کا سر ہلاتے

رہے اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ علیہ اور شدت سے رونے لگی۔

”پلیز علیہ..... ڈنٹ دیپ (مت روؤ) ڈاکٹر تھلین نے محبت سے اسے اپنے بازوؤں میں مضبوطی سے جکڑتے ہوئے کہا اور وہ پھر سسکنے لگی یوں لگ رہا تھا جیسے آج اس کے اندر کے سارے دکھوں کا کھار کس جو رہا ہو۔ کئی سالوں سے اس کے اندر جولاوا پک رہا تھا وہ آنسوؤں اور سسکیوں کی صورت میں بہ رہا ہو..... وہ کافی دیر یومی روتی رہی اور ڈاکٹر تھلین اسے محبت سے چپ کراتے رہے..... انہیں بھی تو اسی دن کا انتظار تھا جب وہ خود ان کی جانب قدم بڑھا کر آئے۔ اسے خود ان کی ضرورت اور طلب محسوس ہو..... وہ خود ان کی ہانپوں میں آنے کے لیے چلے..... اور یہ معجزہ ہو گیا تھا..... جیسا وہ چاہتے تھے ویسا ہی ہوا تھا..... علیہ کے دل میں ان کے لیے جو تڑپ اور محبت پیدا ہوئی تھی اس نے انہیں حیران کر دیا تھا۔ قدرت کیسے کیسے انسان کو حیران کرتی ہے.....؟

وہ ابھی طرح سوچ کر آئے تھے کہ وہ آتے ہی اسے طلاق دے دیں گے اور قدرت نے انہیں کیسے روک دیا تھا۔ انہیں خدا کی خدا کی اور اپنی دعاؤں کی تاثیر پر یقین آنے لگا۔ علیہ روتی ہوئی صوفے پر ہی سوئی تھی اور اس کا سر ڈاکٹر تھلین کی گود میں تھا اور وہ حیرانی اور محبت سے اس کی جانب دیکھ کر زیر لب مسکرا رہے تھے۔

ان کے بچپن کی محبت..... اور اس محبت کو پانے کی آرزو..... اور اس آرزو کی عملی شکل میں دیکھنے کی خواہش..... اور اس خواہش کی تکمیل آج ہوئی تھی..... وہ یوں تنگی بادی سو رہی تھی جیسے کڑی دھوپ سے پہلی بار کسی شجر سایہ دار کے نیچے کچھ دیر کے لیے سستانے کو لپٹی ہو..... اور ان کے چہرے پر سکون کے تاثرات نمایاں ہو رہے ہوں ڈاکٹر تھلین نے محبت سے اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں پھیریں خوشی کا اک خوبصورت احساس ان کے اندر پیدا ہونے لگا۔ وہ مسکرا کر سوئی ہوئی علیہ کے چہرے کی طرف بنو رہی تھیں۔ اچانک ان کا موبائل بجنے لگا اور انہوں نے جلدی سے علیہ کے سر کے فچیشن رکھا اور خود فون سننے لگے۔ ڈاکٹر برلاس کا فون تھا۔ جو انہیں کامیاب دورے پر مبارکباد دے رہے تھے۔ فون بند کر کے ڈاکٹر تھلین جیسے ہی اسے بینڈ کی سائیز ٹیکل پر رکھنے کے لیے جھکے تو ان آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ سلیپنگ پلیز کی غالی شیشی وہاں پڑی تھی، وہ شیشی کو باجھ میں پکڑ کر بنو رہی تھیں۔ انہوں نے گہرا کر علیہ کی سانس بنیٹ اور آنکھیں چیک کیں۔ وہ اسے جھنجھوڑ کر بلانے لگے۔

”علیہ..... علیہ..... پلیز اٹھو..... آنکھیں کھولو“ گہرا ہٹ کے مارے ان کے اپنے اور ان فضا ہود ہے تھے۔ انہوں نے جلدی سے اپنا میڈیکل ہاکس کھولا اور اسے ضروری ٹریٹمنٹ کے بعد اس کا معدہ واش کرنے کی کوشش کی۔ وہ رات گئے تک اسے آنکھنٹ اور ٹریٹمنٹ دیتے رہے۔ اس نے گولیوں کی بہت زیادہ مقدار میں کھائی تھی۔ اس لیے خطرے کی کوئی بات نہیں تھی۔

”علیہ نے ایسا کیوں کیا.....؟ وہ اسے میڈیکل لٹا کر اس کے پاس صوفے پر بیٹھ کر سوچتے رہے۔

”کیا اس نے مجھے جو کچھ کہا۔ وہ ہوش کی حالت میں ہے کیا وہ واقعی ہی نہیں بدلی.....؟

کاش ایسا نہ ہو..... علیہ نے جو کچھ بھی ان سے کہا ہے۔ وہ سچ ہو۔“ ان کا دل بری طرح مضطرب ہونے لگا۔ اور ان کی آنکھوں کے

موشے غم ہونے لگے۔

"ہر بار ایسا ہی کیوں ہوتا ہے۔ میں جس کو منزل سمجھتا ہوں وہ مراب نکلتی ہے۔ میں کب تک یونہی خوش فہموں کے سہارے زندہ رہوں گا۔ ڈاکٹر ثقلین نے پریشان ہو کر سوچا اور صوفے کی پشت کے ساتھ سر کا کر سونگے۔

ڈاکٹر ثقلین صبح بیدار ہوئے تو علیہ گہری نیند سوری تھی انہوں نے اس کی جانب دیکھا اور اس کی نبض چپک کی۔ سائیز ٹیبل کے دروازہ چپک کیے وارڈ روم کے تمام خانے چپک کیے۔ کہیں بھی کوئی ادویات انکس نہ ملیں۔ انہوں نے دو خانہ چپک کیا۔ جس میں علیہ شراب کی بوتلیں رکھتی تھی اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی بوجھ ضرور ہوتی تھی مگر اب وہاں کوئی بھی بوجھ نہ تھی۔ انکس دیکھ کر بے حد حیرانگی ہوئی۔ اس کا مطلب ہے ان کے جانے کے بعد علیہ میں کافی تبدیلی آئی ہے انہوں نے سوچا اور ہر طرح سے مطمئن ہو کر کمرے سے نکل گئے۔

کل۔۔۔ پیر سے اوپر کمرے میں کیا ہوا تھا نیچے کسی کوکانوں کان کوئی خبر نہ تھی۔ کشور کا موڈ آف تھا کہ جب سے ڈاکٹر ثقلین اوپر اپنے کمرے میں گئے تھے ایک بار بھی نیچے نہیں آئے تھے۔۔۔۔۔ علیہ سے ذرا فاصلے کے باوجود انہوں نے سارا وقت اوپر اس کے ساتھ گزارا تھا۔ یہ بات ان کے لیے باعث حیرت بھی تھی اور باعث تشویش تھی۔

"السلام علیکم۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ ناشتہ دے دیں۔۔۔۔۔ مجھے ہاسٹل جلدی پہنچنا ہے" ڈاکٹر ثقلین نے ڈانٹنگ ٹیبل پر بیٹھے ہوئے کہا تو کشور نے رہمانہ کو ناشتہ لانے کہا۔

"سنی۔۔۔۔۔ تمہاری علیہ سے کیا بات ہوئی ہے؟ کشور نے جان بوجھ کر کر دیا۔

"کچھ بھی نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

"کیا تمہاری کوئی بات نہیں ہوئی ہے۔۔۔۔۔؟ اور اس نے بھی کوئی بات نہیں کی؟ کشور نے حیرت سے پوچھا۔

"نہیں" ڈاکٹر ثقلین نے پر مطمئن لہجے میں جواب دیا۔

"دوسرے دن کر دینا چاہتی تھیں مگر ان کے پاس پوچھنے کو کوئی سزا نہیں مل رہا تھا۔

"کیا تم سوئے رہے۔۔۔۔۔؟ کشور نے ان کی نیند سے بھرپور آنکھوں کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"نہیں۔۔۔۔۔" انہوں نے بھائی لیتے جواب دیا۔

"دو بھر خاموشی ہو گئیں۔ رہمانہ ناشتہ لے آئی اور وہ ناشتہ کرنے لگے کشور شش و پنج میں پڑی رہی وہ ان سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا پوچھے اور کیا نہ پوچھے۔

"اب میں چلتا ہوں۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ ماما۔۔۔۔۔ علیہ کا خیال رکھیے گا۔ اسی کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔۔۔۔۔ وہ سوری ہے" ڈاکٹر ثقلین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

"کیوں۔۔۔۔۔ کیا ہوا۔۔۔۔۔ اسے؟ کشور نے ٹک کر پوچھا۔

"یونہی۔۔۔۔۔ ٹیبل پر بوجھ ہوا ہے۔ میں جلدی آ جاؤں گا"

ڈاکٹر ثقلین نے جاتے ہوئے کہا تو کشور حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگی اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اچانک سنی کا رویہ اس کے بارے میں کیسے بدل گیا تھا۔ پہلے علیہ کے بارے میں سن کر اس کے تاثرات بدل جاتے تھے۔ اور اب اس کا بدلہ ہوا لہجہ انہیں کچھ اور ہی بتا رہا تھا۔

ڈاکٹر ثقلین ہاسپٹل میں بہت بڑی ہونے کے باوجود ہمارے علیہ کے موبائل پر فون کرتے رہے تاکہ اس کی خیریت دریافت کریں مگر کبھی موبائل آف ملتا تو کبھی بڑی۔ ایک بار بھی رنگ نہیں گئی تھی انہیں سخت حیرانگی ہو رہی تھی۔ وہ ہاسپٹل سے فارغ ہو کر شام کو گھر لوٹے تو کشور اور ناظر علی سے ملنے کے بعد اوپر اپنے کمرے میں چلے گئے کشور کے چہرے پر بے زاری کے تاثرات نمایاں ہونے لگے مگر وہ خاموش رہی۔ علیہ بیڈ پر لیٹی چھت کو مسلسل گھور رہی تھی۔ دروازہ کھلنے پر اس نے چونک کر ڈاکٹر ثقلین کی جانب دیکھا اور پھر چھت کو گھورنے لگی۔

”السلام علیکم..... اب کیسی ہیں آپ؟ ڈاکٹر ثقلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھے ہوئے پوچھا۔ اس نے کوئی جواب نہ دیا اور پھر چھت کی جانب دیکھنے لگی۔ ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لی اور آگے بڑھ کر اس کی بغل چپک کرنے کی کوشش کی تو اس نے غصے میں اپنا ہاتھ جھک دیا اور کروٹ بدل لی۔ ڈاکٹر ثقلین کو اس کے رویے پر بہت غصہ آنے لگا مگر انہوں نے اس کی خراب طبیعت کی وجہ سے وہ خاموش ہو گئے۔

اچانک سائینڈیکل ہرڈ کھلینے کا موبائل بجنے لگا تو وہ ہڑبڑا کر بجلی کی سی سرعت کے ساتھ اٹھی اور موبائل کو سوچے آف کر دیا۔ ڈاکٹر ثقلین نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ انہیں اس کے چہرے پر انتہائی پریشانی کے تاثرات نظر آئے۔

”کیا بات ہے.....؟ کس کا فون آ رہا ہے.....؟ آپ نے موبائل کیوں آف کر دیا.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا مگر اس نے پھر بھی کوئی جواب نہ دیا۔

”میں بھی آج بارہا فون کرتا رہا ہوں کبھی موبائل آف ملتا تھا اور کبھی بڑی۔ کیا کوئی رات کال آ رہی ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے سنجیدگی سے پوچھا۔

”ہاں.....“ اس نے بمشکل جواب دیا۔

ڈاکٹر ثقلین نے ایک بار اس کی جانب دیکھا اور آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے موبائل چھین لیا وہ حیرانگی سے ان کی جانب دیکھنے لگی۔

”یہ..... یہ..... مجھے واپس کریں۔“ وہ بمشکل بولی اور اس کا رنگ فق ہونے لگا۔

اب کی بار ڈاکٹر ثقلین نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور موبائل آن کیا۔ موبائل آن ہوتے ہی اس پر کال آنا شروع ہو گئی۔

علیہ کا رنگ ایک دم زرد پڑنے لگا اور چہرے پر خوف و حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔ اس نے کچھ کہن جا ہاتھ اس کے منہ سے آواز نہیں نکل رہی تھی۔

ڈاکٹر ثقلین نے ہیلو کہے بغیر لیس کاٹن کلک کر کے موبائل کان سے لگایا۔

”علیہ آئی دل شوٹ یو (علیہ میں تمہیں شوٹ کر دوں گا) دوسری جانب سے آواز آئی۔

”کہاں آؤں.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے پرسکون لہجے میں جواب دیا تو علیہ نے چونک کر پھنی پھنی لگا ہوں سے ان کی جانب دیکھا

فون بند ہو گیا۔

”کون تھا.....؟“ ڈاکٹر فطین نے قدرے درشت لہجے میں پوچھا۔ علیہ نے سر جھکا لیا اور خاموش ہو گئی۔

”میں کچھ پوچھ رہا ہوں۔ ٹھیک ہے آپ جواب نہیں دیتیں تو میں اسی سے پوچھتا ہوں“ ڈاکٹر فطین نے سوال پر فربہ ڈال کر بولے۔

”جی..... جی.....“ وہ مشکل بولی اور ہنٹ چبانے لگی۔

”کون جی.....؟“ انہوں نے حیرت سے پوچھا۔

”مائی فرینڈ.....“ اس نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”فرینڈ.....؟ کیا فرینڈ ز ایسے ہوتے ہیں جو جان سے مارنے کی دھمکی دیتے ہیں۔ فرینڈ تو جان بچاتے ہیں اور میلپ کرتے ہیں۔

ڈاکٹر فطین نے اس کی جانب بنور دیکھتے ہوئے کہا تو علیہ نے سر جھکا لیا۔

”کیا بات ہے.....“ ادھر بیٹھیں اور مجھے بتائیں“ ڈاکٹر فطین نے اس کی جانب بنور دیکھتے ہوئے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے قریب صوفے پر

بٹھاتے ہوئے پوچھا۔

علیہ پریشان ہو گئی اس کے ہونٹ کپکپانے لگے جیسے وہ کچھ کہنا بھی چاہتی ہو مگر کہتے نہ پاری ہو۔

”نرسٹ..... جی“ ڈاکٹر فطین نے محبت سے کہا تو علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔

”نرسٹ.....“ وہ زیر پر لب بڑبڑائی۔

”ہاں..... نرسٹ“ وہ دوبارہ بولے۔

”کیسے کروں.....؟“ اس نے آہ بھر کر آہستہ آواز میں کہا۔

”کیوں..... کیا میں آپ کے نرسٹ کے قابل نہیں؟“ ڈاکٹر فطین نے حیرت سے پوچھا۔

”کوئی بھی نرسٹ کے قابل نہیں۔“ اس نے غم آنکھوں سے جواب دیا۔

”لیکن آپ مجھ پر آنکھیں بند کر کے اعتبار کر سکتی ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”آپ پر..... جو نذرت آنٹی کے ساتھ چپ چپ کرتے ہیں۔ اور میرے خلاف ہاتھیں کرتے ہیں۔“ وہ سستے ہوئے بولی تو ڈاکٹر

فطین نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔

”آپ کو کسی نے غلط افکارم کیا ہے“ ڈاکٹر فطین نے مہربانی سے پوچھا۔

”میرے کانوں نے خود سنا ہے“ وہ مٹھوٹ لہجے میں بولی۔

”پھر آپ کے کانوں نے آدمی بات سنی ہے۔ صرف نذرت آنٹی کی بات..... کیا میری بات سنی تھی۔“ میرے الفاظ..... جو میں نے ان

سے کہے تھے“ ڈاکٹر فطین نے اس کی جانب دیکھ کر پوچھا تو علیہ نے چونک کر ان کی جانب دیکھا اور خاموش ہو گئی۔

”نہیں..... ان کی بات سن کر آپ نے میرے بارے میں بھی ویسا ہی گمان کر لیا۔ میرا اور آپ کا رشتہ وہ ہے جو عذرت آئی کا نہیں..... آپ میری محبت ہیں..... میری چاہت ہیں..... میری خواہش ہیں..... میرے دل میں رہتی ہیں..... میری دھڑکتوں میں بسی ہیں..... میری سوچوں کا محور..... میری چاہتوں کا مرکز آپ ہیں..... پھر میں عذرت آئی کی طرح کیسے ہو سکتا ہوں۔ ان کی طرح کیسے سوچ سکتا ہوں۔ فرسٹی علیہ..... آئی رینکلی لویو یو“ ڈاکٹر تھلین نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔ علیہ نے ان کی جانب بنو رو دیکھا اور دوسوچ میں ڈوب گئی۔ ان کی آنکھوں میں اسے سہائی نظر آ رہی تھی۔

علیہ مجھے بتائیے یہ جی کون ہے؟ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

”میرا کلاس فیلو تھا..... مجھ سے.....“ وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر ہونٹ چبانے لگی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔ کیا کہے..... انہیں کیا بتائے کہ وہ اس سے محبت کرتا تھا..... نہیں اس نے تو کبھی اس سے محبت کی ہی نہیں تھی..... کیا یہ بتائے کہ وہ اس سے شادی کرنا چاہتا تھا۔ جبکہ شادی کے بارے میں تو اسے سوچنا بھی گوارا نہ تھا۔ کیا کہے کہ وہ اسے اپنی ہوس کا نشانہ بنانا چاہتا تھا..... اور.....“ وہ شش و پنج میں پڑ گئی۔

”ڈونٹ“ تھلین کی سرگوشی پھر اس کے کانوں سے گزرائی۔

”بولو..... علیہ..... جی تمہیں کیوں فون کرتا ہے۔ وہ آپ کو کیوں دھمکی دیتا ہے۔ کوئی کسی کو یونٹی تو دھمکی نہیں دیتا۔ کیا آپ کے درمیان کوئی جھگڑا ہوا ہے؟ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

”ہاں“ وہ زیر لب بیڑائی۔

”کیوں.....؟ انہوں نے پوچھا۔

علیہ خاموش ہو گئی۔

”علیہ..... فرسٹی اور صاف بات بتائیے“ ڈاکٹر تھلین نے نرم لہجے میں کہا۔

”وہ..... دھمکاوے رہا تھا۔ مجھے“ وہ بمشکل بولی اور پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”عورت کے لیے قابل اعتبار صرف اس کے اپنے رشتے ہوتے ہیں وہ جو اس کی عزت کے محافظ ہوتے ہیں..... دوسرے کوئی نہیں اور عورت جب بھی اپنے ان رشتوں کو چھوڑ کر دوسروں پر اعتبار کرتی ہے تو نقصان اٹھاتی ہے..... علیہ آپ نے مجھ پر اعتبار کرنا گوارا نہ کیا اور مگر کر لیا۔ میری باتوں کو ایک بار بھی نہ سنا اور جو عذرت آئی نے کہا اس کو جیج مان لیا۔ آپ کب تک یونٹی کرتی رہیں گی۔ کب تک اپنی زندگی کو دوسروں کے بہکاوے میں آکر خراب کرتی رہیں گی۔ آپ کو نہ اپنی ذات پر اعتبار ہے اور نہ ان پر جو آپ سے جی محبت کرتے ہیں“ ڈاکٹر تھلین نے آہ بھر کر کہا۔ تو علیہ شرمندگی سے سر جھکا کر رونے لگی۔

”آپ جانتا چاہیں گی کہ میں عذرت آئی کے پاس کیوں گیا تھا؟ ڈاکٹر تھلین نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”آپ کی کیس ہسٹری جانتے گیا تھا۔ میں آپ کا ٹریسٹ خود کرنا چاہتا تھا..... اور آپ کے بارے میں مکمل انفارمیشن صرف عذرت

آئی سے مل سکتی تھی۔ کسی اور سے نہیں۔ اس لیے ان کے پاس جانا ضروری تھا۔ ڈاکٹر تھلین نے کہا تو علیہ سن کر چمک گئی اور خاموش ہو گئی۔ واقعی اس نے جو بھی باتیں سنی تھیں۔ عذرت آئی کی سنی تھیں۔ ڈاکٹر تھلین کو کچھ بھی کہتے ہوئے نہیں سنا تھا۔ اور اس نے خود ہی سوچے سمجھے اور ان کو سنے بغیر ان کے بارے میں کتنی غلط رائے قائم کر لی تھی۔ اسے شرمندگی ہی محسوس ہونے لگی۔

”محبت کرنے والوں پر ایک بار اکتہار کر کے دیکھیں۔“

تھلین نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو علیہ ان کی طرف دیکھنے لگی وہ اس کے جواب کے منتظر رہے اور وہ غصے میں پڑی سوچتی رہی کہ کیا کروں۔ اکتہار کروں یا نہیں.....؟

وہ اس کی جانب ہوشیار اور بد متحضر لاکھوں سے دیکھتے رہے علیہ کو کچھ سمجھ میں نہ آ رہا تھا..... وہ کافی ذہیر علیہ کی طرف دیکھتے رہے اور گہری سانس لی۔

”ٹھیک ہے..... میں آپ کو کسی بھی بات کے لیے مجبور نہیں کروں گا.....“ اور وہ جانے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

”ڈونٹ..... علیہ..... ڈونٹ“ تھلین کی سرگوشی قدرے تیزی اور خشکی سے اس کے کانوں میں گونجی..... علیہ نے صوفے پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر تھلین کے بازو کو اپنے ہاتھ کی گرفت میں مضبوطی سے پکڑا ڈاکٹر تھلین نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

ڈونٹ..... لیوی آلون (مجھے تھامت چھوڑیں) علیہ سسکتے ہوئے ان کے بازو سے لپٹ گئی۔

ڈاکٹر تھلین نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کو کندھوں سے پکڑ کر اٹھایا اور اپنے گلے سے لگا کر گہری سانس لی۔

آج وہ مکمل ہوش و حواس میں تھی..... اور جو کبریاں تھی۔ اپنے دل کی سچائی سے کہہ رہی تھی۔ ڈاکٹر تھلین کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔

”آئی لو یو ٹو“..... ڈاکٹر تھلین نے محبت بھرے لہجے میں کہا۔

”آئی لو یو ٹو.....“ وہ سرگوشی کے انداز میں بولی۔

”آپ کی زبان سے یہ اقرار محبت“ سننے کے لیے مجھے کتنا ٹھن سڑکا نا پڑا ہے..... شاید آپ کو اندازہ نہیں۔ کتنی بار لو..... کتنی بار سنبھلا اور

کتنی بار مایوس ہوا۔ مگر مجھے یقین تھا کہ ضرور..... کبھی نہ کبھی کسی نہ کسی دن۔ میں اپنے مقصد میں کامیاب ہو جاؤں گا“ ڈاکٹر تھلین نے محبت بھرے لہجے میں کہا تو وہ بھی مسکرا دی۔

”جی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ ایسے کیرکٹرز سے نمٹنا مجھے خوب آتا ہے۔ جسٹ ٹرسٹ می“ ڈاکٹر تھلین نے کہا تو اس نے گویا

اطمینان کا سانس لیا۔

”علیہ زندگی بہت ڈیمانڈنگ ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ہم سے وہ کچھ طلب کرتی ہے جو شاید ہم اسے دینا نہیں چاہتے۔ یا بھروسے کے لیے

تیار نہیں ہوتے مگر پھر بھی ہمیں اس کے تقاضے پورے کرنا پڑتے ہیں۔ اور ان تقاضوں کو پورا کیے بغیر ہم سب روایتی نہیں کر سکتے۔ ہماری زندگی بے رنگی اور ادھوری رہتی ہے۔ انسان ہونے کے ناطے وہ تقاضے ہمیں پورے کرنے پڑتے ہیں“ ڈاکٹر تھلین نے اس کے قریب صوفے پر بیٹھے ہوئے سنی خیر

اعزاز میں کہا۔

”کیا مطلب.....؟ علیہ نے چمک کر پوچھا۔

”محبت اگر زندگی کو خوشگوار بناتی ہے تو عزت اسے محترم بناتی ہے اور پاکیزگی اس کو مقدس بناتی ہے اس میں اور انیت بھرتی ہے۔ زندگی کا حسن..... محبت..... عزت اور پاکیزگی کے بغیر ادھر رہا ہے..... اور جانتی ہیں اس کے حسن کو چار چاند کون لگا تا ہے“

ڈاکٹر ثقلین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا تو علیہ نے حیرت سے ان کی جانب دیکھا۔

”انسان کا ایمان“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

اور ایمان کی وجہ سے ہی زندگی میں مغزے دروغ نما ہوتے ہیں..... اور ایمان کا تعلق روح کی سچائی سے ہے روح جتنی پاکیزہ ہوگی۔ ایمان اتنا ہی مضبوط اور پختہ ہوگا۔ ”ایمان“ قدرت کا بہت بڑا عطیہ اور انعام ہے جس سے اس نے انسان کو نوازا ہے..... یہ ایمان ہی ہوتا ہے جو انسان کو خدا سے ملاتا ہے۔ قدرت کو ہر انسان کا ایمان بہت پسند ہے۔ اور اللہ کے نبی پاکؐ نے ایمان کے بعد جس کو پسند فرمایا ہے وہ نیک عورت ہے..... اور نیک عورت کو قدرت کا بہت بڑا تحفہ گردانا ہے اس لیے کہ انسان کی نسل کو اگر کوئی شے محفوظ بنا سکتی ہے تو وہ باحیہ اور پاکیزہ عورت کا ایمان ہے۔ اور نوجوان سنیں بکھرتی اور منتشر ہوتی ہیں جب ان کی ماؤں کے ذہن، ایمان، سچائی اور تقدس کے مراکز سے ہٹ جاتے ہیں..... میں آپ کو یاد دیکھنا چاہتا ہوں..... جیسے نزہت آنٹی کو سب دیکھتے تھے ان کے دنیا سے چلے جانے کے بعد بھی سب ان کا نام عزت سے لیتے ہیں۔ انہیں نیک باحیہ اور پاکیزہ عورت کا وجود دیتے ہیں۔ کتنی خوش محسوس ہوتی ہے۔ جب دوسرے بھی سب میں زندہ ہیں“

ڈاکٹر ثقلین نے نزہت چچی کی تصویر کی طرف بنو دیکھتے ہوئے کہا علیہ خاموشی سے ان کی باتیں سنتی رہی اس کی آنکھوں سے آنسو چہکتے گئے۔

غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ اور انسان ہی بھٹک جاتا ہے۔ مگر ہدایت بھی انسان ہی پاتا ہے۔ بشرطیکہ وہ ہدایت پانا چاہے اپنے دل کو ایمان کے لیے کھولے۔ یہ آنسو اس بات کی علامت ہیں کہ آپ کے اندر ایمان کی روشنی موجود ہے۔ بس قدم بڑھانے کی ضرورت ہے ایمان کے لیے دل کے دروازے کی ضرورت ہے“ ڈاکٹر ثقلین نے نرم لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

اور وہ ایمان اس کے اندر پھیلی ایسیوں اضطراب اور تاریکیوں کو رفتہ رفتہ نگل رہا ہو اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے جیسے اس کا دل لمحہ بھر بدل رہا ہو۔ اور دل کے بدلنے کی کیفیت اس کے چہرے کی رنگت کو بدل رہی ہو اور اس کے چہرے کی رنگت سے گہرائی شعاعیں پھوٹ رہی ہوں۔ اس کے دل کی بدولت کیفیت سے روح تقویت پاری ہو۔ نیچے چلیں۔ ماما۔ پاپا کے پاس ڈاکٹر ثقلین نے اسے سوچوں میں گم دیکھ کر کہا۔

ہاں..... اس نے مثبت میں سر ہلایا۔

انہوں نے مسکرا کر اس کی جانب دیکھا۔

ایک منٹ۔ علیہ نے کہا اور وارڈ روب کھول کر قتل سلیو ز آف وہائٹ اور پینک کلر کا سوٹ نکالا جس کے ساتھ بہت بڑا کڑھائی والا چادر نما دوپٹہ تھا۔ اور کشور نے ایسے بہت سے سوٹ اس کے لئے بنوائے تھے۔ مگر علیہ نے انہیں ہمیشہ عقارت کی نگاہ سے دیکھا تھا۔

ڈاکٹر فہمین اس کی جانب دیکھ کر مسکرائے۔

علیہ نے دال روم میں جا کر ڈریس تبدیل کیا۔ قرینے سے ہال بنائے پکا پکا میک اپ کیا اور انتخابی سلیقے سے دوپٹہ سر پہاڑھا۔

ڈاکٹر فہمین بے شوق لگا ہوں سے اس کی ایک ایک حرکت کو دیکھتے رہے اور مسکراتے رہے۔

چلیں..... وہ تیار ہو کر بولی۔

ڈاکٹر فہمین نے مسکرا کر محبت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے قریب آ کر کھڑے ہو گئے۔

ویری ہنس پائیز کی کتنی دھڑکیاں ہوتی ہے۔ عزت خود بخود جنم لے لیتی ہے۔ وہ مسکرا کر بولے، اور اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھ کر بیک

گراؤنڈ میں نزہت آنٹی کی تصویر کی جانب دیکھنے لگے۔

آج آپ جو ہو۔ نزہت آنٹی کی طرح لگ رہی ہیں۔ ویسی ہی نیک۔ خوبصورت اور با حیا ایمان کی روشنیوں سے چمکتی روشن چٹائی

..... انہوں نے محبت بھرے ہنسنے لہجے میں کہا تو وہ زبردست مسکرا دی۔

کہتے ہیں..... انسان میں جعفر کا اثر ضرور ہوتا ہے اور یہ اثر آج دیکھ رہا ہوں..... نزہت چچی کی بیٹی میں "وہ مسکرا کر بولا تو وہ شرمناک لگی۔

چلیں..... "وہ آہستہ آواز میں بولا۔"

ہاں..... اس نے بھی آہستگی سے جواب دیا۔

اور جب دونوں لاؤنچ میں داخل ہوئے تو صوفے پر بیٹھی کشور اور ناظر علی ا یکدم ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھے انہیں اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

وہ واقعی علیہ تھی..... کتنی با حیا..... اور ہادقا رنگ رہی تھی۔

ان کی آنکھوں کے سامنے بخور ہو گیا تھا..... اتنا بڑا بخور۔

ایک انسان کا دل کیا بدلا تھا کہ اس کی پوری شخصیت بدل گئی تھی۔ درد دل کا بدلنا..... کسی پہاڑ کو اپنی جگہ سے ہٹانے سے مشکل کام ہے۔

اور علیہ کا دل!..... ڈاکٹر فہمین نے بدلا تھا۔ یا ان کے ایمان نے..... سب حیرانگی سے دونوں کی جانب دیکھ رہے تھے۔

"اسلام و عظیم علیہ نے آہستہ آواز میں کشور کے پاس آ کر کہا تو کشور نے اس کی جانب بخور دیکھا..... اور دیکھتی ہی رو گئی۔" ماشاء

اللہ..... بالکل نزہت لگ رہی ہو " کشور نے اس کا ہاتھ چوم کر اسے اپنے ساتھ لگا لیا۔

ناظر علی نے بھی محبت سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بہت دعائیں دیں وہ مسکراتے لگی۔

"عز!..... عز!..... کہاں ہو؟ کشور نے عز کو آواز دی تو وہ جلدی سے کمرے سے باہر لگی..... وہ جہاں کھڑی تھی وہیں کھڑی رہ گئی اور

حیرت سے علیہ کی جانب دیکھنے لگی۔

"کیوں بھئی..... ہماری جیکم کو دیکھ کر تم کیوں حیران ہو رہی ہو؟

ڈاکٹر فہمین نے مسکرا کر عز کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... میں واقعی حیران ہوں“ عزرا نے حیرانگی سے کہا۔

”عزرا..... بھابھی کے گلے ملو..... یوں لگ رہا ہے۔ ہم آج علیحدہ کو بیاہ کر لائے ہیں“ کشور نے محبت سے مسکرا کر کہا اور عزرا آگے بڑھ کر علیحدہ کو گلے لگا یا اور دونوں مسکرائے لگیں۔

”بھئی اب کھانے کا بھی اہتمام کریں کہ صرف ملے ہی رہیں گے“

ناظر علی نے کہا تو سب کھانا کھانے کے لیے ڈانٹنگ ٹیبل کی طرف بڑھ گئے۔ سب مسکرا رہے تھے..... اور سب کے چہروں سے خوشی کی شعاعیں چھوٹ رہی تھیں۔

☆

رشیدہ سارا دون گلیوں اور بازاروں میں گھومتی رہتی۔ اس کے کندھے کپڑوں سے بدبو آنے لگی تھی۔ کپڑوں کو نہ تو بدلتی اور نہ ہی منی اور سدرہ کو انہیں ہاتھ لگانے دیتی۔ کچھ دی بالوں کی لٹیس ادھر ادھر تکری رہتیں۔ کبھی آنکھوں اور منہ میں بات کرتے ہوئے یا سر ہلاتے ہوئے پڑتیں تو وہ انہیں ہاتھ سے بھی پیچھے نہ کرتی۔ ننگے پاؤں پھرنے سے اس کے پاؤں کے کوءے پھٹ گئے تھے اور انگلیاں گل جکی تھیں مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ نہ اسے کھانے پینے کی ہوش تھی اور نہ ہی آرام کا پتا۔ دو صبح ہوتے ہی درختوں اور جھاڑیوں سے بچے اکٹھے کرتی اور اپنی چادر میں ان کا ڈھیر باندھ کر راشد کی قبر پر لے جاتی اور وہاں جا کر پھیلا دیتی۔ سارا وقت قبر کے سرہانے بیٹھ کر راشد سے باتیں کرتی رہتی۔ وہ مکمل طور پر ذہنی توازن کو بھٹی تھی۔ منی کو تو اس نے جب سے گھر سے نکالا تھا وہ سدرہ کے پاس چلی گئی تھی۔ خستہ حال چھوٹا سا گھر جسے کوشی والوں نے اسے خرید کر دیا تھا۔ خرید خراب ہو گیا تھا۔ ہر وقت اس کا دروازہ کھلا رہتا۔ اور رشیدہ گھر سے باہر رہتی۔ لوگ روز روز اس کے گھر کی ساری چیزیں اٹھا کر لے گئے تھے اور اسے کوئی ہوش نہ تھی۔ ہمسائے زبردستی اسے بچا کچھا کھا بھیج دیتے۔ کبھی کھانسی اور کبھی پھینک دیتی۔ منی اور سدرہ ہر دوسرے قبرے روز آتیں اور اس کے انتظار میں بیٹھ بیٹھ کر چلی جاتیں..... ان کے لیے یہ انتہائی مشکل مرحلہ تھا۔ گھر میں کاشف ہنسر پڑا تھا۔ سدرہ ہر وقت اس کے اور ڈیٹان کے کاموں میں مصروف رہتی۔ ساتھ اپنی پڑھائی بھی کرتی۔ اس کے بی اے امتحانات بھی ہونے والے تھے۔ منی کے گھر میں آنے سے سدرہ کی بہت سی ذمہ داریاں بٹ گئیں تھیں۔ منی گھر کے کام کاج کے علاوہ ملائی کڑھائی کا کام کرتی کاشف کو پلا سٹر چھائے تین ماہ ہونے کو آرہے تھے اور آملن کا کوئی مناسب ذریعہ نہ تھا۔ منگے والوں نے ایک ماہ تنخواہ دی اس کے بعد ہاتھ کھینچ لیا۔ اس کے علاج کا خرچہ بھی بہت مشکل سے ملتا۔ گھر میں اس قدر تنگدستی تھی کہ بعض اوقات سدرہ خود تک پڑ جاتی مگر نہ کاشف سے کوئی شکوہ کرتی اور نہ ہی زاہدہ سے۔

زاہدہ نے تو سدرہ کو بلا نا ہی چھوڑ رکھا تھا۔ کیونکہ کاشف کی اس حالت کا ڈرے دار وہ صرف سدرہ کو سمجھتی تھی اور اس کے لیے وہ سدرہ کو معاف کرنے کو ہانک بھی تیار نہ تھی۔ اٹھتے بیٹھتے سدرہ پر ٹھو یہ جملے کستی۔ تنقید اور تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہ جانے دیتی مگر سدرہ اس کی سب باتیں کاشف کی خاطر سنتی۔ اور کاشف ہاں کا رویہ کچھ کرکڑھتا رہتا مگر زبان سے کچھ نہ بولا۔

سدرہ ناشتے سے فارغ ہو کر کچن کی صفائی کر رہی تھی کہ اس کا موبائل بجنے لگا۔ سدرہ نے حیرت سے نمبر دیکھا۔ اور بات کرنے لگی۔ اس

کے چہرے کے تاثرات بگڑنے لگے اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”میں ابھی آتی ہوں“ اس نے موہاٹل بند کرتے ہوئے کہا۔

”کیا بات ہے آپ؟ کس کا فون تھا؟ مہنی نے حیرت سے پوچھا۔

”اماں کا ایکسیڈنٹ ہوا ہے۔۔۔ ساتھ والے گڈ وکافون تھا۔

”جل جلدی کر۔۔۔۔۔ چلتے ہیں۔۔۔۔۔“ سدرہ نے اپنی نم آنکھیں دھو رہی تھیں۔

”اماں۔۔۔۔۔ اب کہاں ہے؟ مہنی نے بھی گھبرا کر پوچھا۔

”گھر پر ہی ہے۔۔۔۔۔ مرہم پٹی۔۔۔۔۔ گڈ وکے کراوی ہے“ سدرہ نے کہا اور دونوں جلدی سے رشیدہ کے پاس پہنچیں۔ دو صحن میں ٹوٹی چار

پاٹی پرائیڈ خستہ حالت میں پڑی تھی۔ گڈ وکے ماں اس کے پاس بیٹھی تھی۔ ہاتھوں پاؤں پر پٹیاں لگی تھیں ماسٹہ پر بھی چوٹیں آئیں تھیں۔ سدرہ اور مہنی ماں کی انتہائی بری حالت دیکھ کر سسکتے لگیں۔ مہنی نے ماں کے گلے لگا چاہا تو رشیدہ غصے میں آگئی اور اسے زور سے دھکا دیا۔

”کون ہوتا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ یہاں کیوں آئی ہو۔۔۔۔۔؟ پتا نہیں کون کون یہاں آ جاتا ہے۔۔۔۔۔ جاؤ وہ بھوکا جا رہا ہے“

رشیدہ نے غصے سے کہا تو مہنی بلک بلک کر رونے لگی۔

”رشیدہ کی اب کوئی حالت نہیں۔ گڈ وکے رہا تھا کرا سے پاگل خانے بھیج دو۔ کم از کم وہاں محفوظ تو ہوگی۔ یہاں تو پتا نہیں ہوتا۔۔۔۔۔ کب آتی

ہے کب جاتی ہے۔ کسی بھی بات کا کوئی ہوش نہیں۔“ گڈ وکے ماں نے کہا تو سدرہ اور مہنی ان کی بات سن کر رونے لگیں۔ ان کی ماں کی یہ حالت ہو

جائے گی انہیں قطعی امید نہ تھی۔ ساری زندگی انتہائی مشقت اور تنگدستی سے گزار کر کر کے اب وہ انتہائی قابل رحم حالت تک پہنچ گئی تھی۔ زندگی میں

اسے کوئی سکھ نہ ملا تھا۔ اور جس سے ٹوٹ کر محبت کی تھی۔ وہ بھی اس کا نہیں۔ سکا تھا اس نے بھی اسے بالکل سکون نہیں لینے دیا تھا۔ وہ حسرت و یاسیت۔

دکھ و الم کا جسم بنے بیٹھی تھیں۔ زندگی نے اس کے لیے کسی بھی نرم رویہ نہ دکھا تھا۔ اس میں اس کا قصور تھا یا اس کی قسمت کا۔۔۔۔۔ جو کچھ بھی اس کے ساتھ ہو

رہا تھا بہت تکلیف دہ تھا۔ سدرہ ماں کی طرف دیکھتی رہی اور دیتی رہی آپا۔ کیا خیال ہے۔۔۔۔۔ اماں کے ہارے میں۔۔۔۔۔؟ زندگی ہمارے ساتھ جانے کو

راضی ہوتی ہے۔۔۔۔۔ نہ مجھے اور نہ ہندی ہے۔ گڈ وکے ہی کہتا ہے۔۔۔۔۔ اسے پھر دینا بھیج دیجے ہیں پاگل خانے میں“ مہنی نے آہستہ آواز میں رُک

رُک کر کہا تو سدرہ نے اس کی جانب دیکھا اور خاموش ہوگئی۔ جیسے کسی گہری سوچ میں ڈوب گئی ہو۔ گڈ وکے ماں اٹھ کر چلی گئی۔

”آپا۔۔۔۔۔ کیا سوچ رہی ہو؟ مہنی نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

”اولاد کے لیے کبھی کبھی ایسا فیصلہ کرنا اتنا مشکل ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اماں نے ہمارے لیے بہت محنت کی۔۔۔۔۔ بہت دکھا کھائے۔۔۔۔۔ اور ہم

اس کی کوئی خدمت بھی نہ کر سکے۔ میں کس طرح اماں کو پاگل خانے بھیجوں۔۔۔۔۔ مجھ سے یہ فیصلہ کرنا بہت مشکل ہے۔ میں یہ برداشت نہیں کر سکتی“ اور

سدرہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی۔

”آپا۔۔۔۔۔ میرے بھی دل کی یہی حالت ہے نہ۔۔۔۔۔ کیا کریں۔۔۔۔۔؟

ہمارے پاس کوئی اور راستہ ہی نہیں..... تو ہی بتا..... کیا کوئی اور راستہ ہے؟..... کیا اور کوئی حل ہے۔ تو ہم وہ کر لیتے ہیں" منی نے سدرہ کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔

رشیدہ آنکھیں بند کیے چارپائی پر لیٹی تھی۔ جیسے آہستہ آہستہ سونے کی کوشش کر رہی ہو۔ سدرہ نے اس کی جانب دیکھ کر آہ بھری۔
"اماں....." سدرہ نے بمشکل کہا اور پھر رونے لگی۔

"آپا..... حوصلہ کر..... تو..... تو..... ہانکل ہی ہمت ہار رہی ہے....."
منی نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا تو سدرہ اونچی آواز سے رونے لگی۔

"کون..... کون رو رہا ہے.....؟ یہاں کوئی نہ روئے.....؟"

یہاں..... میرا راشد سو رہا ہے۔ وہ اٹھ جائے گا..... نکلو..... یہاں سے..... میرے راشد کو تنگ مت کرو" رشیدہ بڑبڑا کر اٹھی اور سدرہ کو روتے دیکھ کر اسے دھکے دینے لگی۔ منی اور سدرہ باہر نکل گئیں اور گندو کے گھر جا کر بیٹھ گئیں۔ گندو بھی گھر پر ہی تھا۔ وہ اپنا ایک اسٹور چلاتا تھا۔ اچھی کمائی کرتا تھا۔ ماں باپ اور چھوٹے بہن بھائیوں کے ساتھ سکون سے رہ رہا تھا۔ راشد کا ہم عمر تھا۔ اور اب بہت سلجھ گیا تھا۔ شروع میں وہ بھی راشد کی طرح آوارہ گھومتا رہتا تھا مگر باپ اور ماں کی سختی نے اسے ٹھیک کر دیا تھا۔ راشد پر سختی کرنے والا کوئی نہ تھا۔ رشیدہ بھی اس کی ہاں میں ہاں ملانے والی تھی۔ اس کے سیاہ کوٹھی سلید جاننے والی..... اور اس کا وقار کرنے والی..... اور وہ بگڑا ہی چلا گیا..... سدرہ نے گندو کی طرف حسرت سے دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

"آپا..... خالہ کی حالت دن بدن خراب ہو رہی ہے..... میرا ایک جاننے والا پاگل خانے میں ملازم ہے۔ اس سے کہہ کر خالہ کو ہاں بھیج دو۔ تم لوگوں کی پریشانی تو ختم ہوگی نا"
گندو نے رائے دیتے ہوئے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔

"ٹھیک ہے..... گندو..... ہم چاہتے تو نہیں..... مگر اس کے سوا اور کیا کر سکتے ہیں؟ منی نے آہ بھر کر کہا۔

"ٹھیک ہے میں ابھی ہی فون کرتا ہوں۔ اور اس سے بات کر کے بتاؤں گا.....؟ گندو..... نے کہا تو سدرہ کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا..... اس نے گہری سانس لی۔ گندو فون پر کسی سے باتیں کرنے لگا۔

"آپا..... میں نے بات کر لی ہے۔ ہسپتال کی ٹیم آ کر خالہ کو دیکھے گی۔ اگر وہ انہیں پاگل لگے گی تو اسے اپنے ساتھ لے جائیں گے" گندو نے فون بند کرتے ہوئے سدرہ اور منی کو بتایا۔

ہاسپتال سے ایبوسٹنس آئی۔ ٹیم نے رشیدہ کو اچھی طرح چیک کیا۔

"چلو..... بی بی! ایک درمیانی عمر کی عرس نے کہا۔

"کہاں..... کہاں.....؟ رشیدہ نے اس کے یونیفارم کو بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہمارے ساتھ.....“

”کیا تم لوگ فرشتے ہو.....؟ مجھے اللہ کے پاس لے کر جا رہے ہو..... میرا ارشاد بھی تو وہیں ہے..... ٹھیک ہے مجھے بھی لے چلو“ رشیدہ نے نیم کو سفید یونیفارم میں دیکھتے ہوئے کہا تو نرس کے چہرے پر ہلکی سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”ہاں..... ہم فرشتے ہی ہیں“ وہ مسکرا کر بولی۔

”چلو..... پھر جلدی کرو..... ارشاد کیا ہے نا..... اس نے مجھے لینے کے لیے بھیجا ہوگا۔ کیا تم لوگ جہاز پر آئے ہو.....؟ اللہ کے پاس تو بہت سے جہاز ہوں گے..... کشتیاں بھی..... گاڑیاں بھی..... پہلے ہم جہاز پر جائیں گے..... پھر کشتی پر..... پھر گاڑی پر.....“ رشیدہ نے جہاز اور گاڑی کی آوازیں نکالتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... پہلے ہم گاڑی پر جائیں گے“ نرس نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... میں تو جہاز پر جاؤں گی“

”نہیں..... میں تو جہاز پر جاؤں گی“ رشیدہ نے اپنا ہاتھ چھڑاتے ہوئے کہا۔

”اماں..... بعد میں جہاز پر نہیں گئے“ نرس نے کہا۔

”نہیں..... پہلے جہاز منگواؤ.....“ رشیدہ روٹھتے ہوئے بولی اور اس کو دھکادے کر کمرے میں چلی گئی اور جا کر دروازہ بند کر لیا۔ سدرہ

منی۔ گڈو..... اس کے گھر والے اور ہم کے افراد سب حیرانگی سے اسے دیکھتے رہے۔

”انہوں نے کس بات کا اتنے صدمہ لیا ہے؟ نرس نے سدرہ سے پوچھا۔

”بیٹے کی موت کا.....“ سدرہ نے روتے ہوئے جواب دیا۔

”تو وہ بھی آہ بھر کر رہ گئی۔“

”آپ لوگ انہیں کمرے میں سے لاتی ہیں یا ہم جائیں؟“ نرس نے پوچھا۔

”تو سدرہ اور منی نے ایک دوسرے کی جانب دیکھا اور دروازہ کھٹکھٹانے لگیں۔

”اماں..... دروازہ کھولو.....“ منی نے کہا۔

”نہیں..... پہلے جہاز لاؤ.....“ رشیدہ نے جواب دیا۔

”ہاں..... جہاز آگیا ہے۔ سلی کے باہر ہے محن میں تو نہیں آسکتا“ سدرہ نے کچھ سوچتے ہوئے جواب دیا تو رشیدہ نے مسکراتے ہوئے

دروازہ کھول دیا۔

”چلو.....“ وہ نیم کی طرف مسکرا کر دیکھنے لگی۔

اور سب اس کے ہمراہ سلی کے کمرے تک پہنچے..... وہ حیرت سے ادھر ادھر دیکھنے لگی۔

”جہاز کہاں ہے.....؟ رشیدہ نے غصے سے منی کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”ہیں تھا..... ابھی آ جاتا ہے“ منی نے جواب دیا۔

”نہیں آئے گا..... تم نے جھوٹ بولا ہے..... راشدہ بھی نہیں آ یا سب کہتے تھے۔ وہ آ جائے گا..... اور وہ ابھی تک نہیں آ یا مجھے بتا ہے وہ

نہیں آئے گا..... سب جھوٹ بولتے ہیں“ رشیدہ غصے سے چلانے لگی اور ہاتھ چمڑا کر وہاں سے دوبارہ گھر کی طرف بھاگی۔ نرس نے دوا دیدیں کو

اشارہ کیا اور وہ اس کو ہازوؤں سے پکڑ کر گاڑی میں گھسیٹتے ہوئے لے گئے۔ رشیدہ چلائی رہی مگر گاڑی جا چکی تھی۔ سدرہ اور منی ایک دوسرے کے

گلے گلے کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگیں۔ گڈو کی ماں انہیں دلاسا دیتی رہی مگر ان کے آنسو ختم ہی نہیں رہے تھے گھر کے صحن میں ٹوٹی چار پائی پر بیٹھ کر

دونوں سختی ویر تک روتی رہیں۔

”پتا نہیں..... اماں کو کس بات کی مزا ملی ہے..... اندھی محبت کی..... اٹھک محبت کی یا پھر چھوٹی چھوٹی چوریوں اور بددیانتی کی.....“ سدرہ

نے آدھر کر کہا۔

”پتا نہیں..... مگر ماں کو بڑا ہی دکھ ملا ہے..... کوئی سکھ نہیں ملا۔ منی نے بھی روتے ہوئے کہا۔

”بعض لوگوں کے نصیب میں قدرت سوائے تکلیفوں کے کچھ نہیں لکھتی..... اور انسان اپنے نصیب کے ہاتھوں ہمیشہ بے بس ہو جاتا

ہے۔ اماں نے چوریاں بھی کیں تو راشدہ کی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے..... اسے خوشیاں دینے کے لیے..... اور..... راشدہ کی زندگی نہ تو بہترین تھی۔

اور نہ ہی اس کی خوشیاں دیکھ سکی..... ان اس کے اعمال کا کھانا گناہوں سے بھرتا گیا..... کاش اماں بھی اس بات کو سمجھنے کی کوشش کرتی۔ کاش گڈو کے

ماں باپ کی طرح اماں بھی راشدہ پر کچھ سختی کرتی تو شاید آج ہمارا یہ گھر یوں نہ اجڑتا.....“ سدرہ نے ارد گرد بھلی..... حسرت، ویرانی اور یاسیت کو دیکھ

کر افسردگی سے جواب دیا۔

”آپا..... ہم کیا کر سکتی تھیں..... تو ہی بتا..... اماں کب ہماری منتی تھی۔ وہ ہمیں کچھ سمجھتی ہی نہ تھی۔ تیرے ساتھ کیسے سلوک کرتی تھی.....

اس کو تو بس ایک ہی اولاد نظر آتی تھی.....“ راشدہ..... اس کی خوشیاں دکھ سکھ اور اس کی زندگی سب کچھ راشدہ کے دم سے تھی۔ راشدہ مر گیا تو وہ بھی گھر

گئی.....“ منی نے سسکتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... شاید..... محبت ایسی ہی ہوتی ہے..... انسان سے اس کا سب کچھ چھین لیتا ہے..... اس کا سکون..... چین..... خوشی..... سب

کچھ اور بدلے میں ایسی بے چینی دیتی ہے کہ انسان کو کسی ہلے سکون نہیں ملتا۔ کوئی بات اسے خوش نہیں کرتی۔ سب کچھ بے کار لگتا ہے۔ سب کچھ.....

اماں کو بھی راشدہ کی محبت نے ایسا ہی بے قرار کر رکھا..... اسے اس کو دیکھے بغیر نہ خوشی ملتی تھی نہ سکون..... اور اس کے مرنے کے بعد وہ ایسی بے چینی میں

جھلا ہو گئی کہ اپنے حواس کو نہیں..... دیکھو اسے یاد ہی نہیں کہ ہم بھی اس کی اولاد ہیں..... ہمیں بھی اس نے جنم دیا ہے..... ہم سے بھی اس کا کوئی

رشتہ ہے..... اسے ہم کہیں بھی نظر نہیں آتیں“ سدرہ نے آدھر کر کہا۔

اور دونوں روتی ہوئیں گھر آ گئیں۔ ذیشان گھر پر زاہدہ کے پاس ہی تھا اور اس نے زاہدہ کو بہت تنگ کیا تھا۔ گھر میں داخل ہوتے ہی زاہدہ

اس پر برس پڑی اور وہ بے عزتی کی کہ خدا کی پناہ..... سدرہ اسے اٹھا کر کاشف کے پاس کمرے میں چلی گئی۔ کیوں..... کیا بات ہے؟ روکیوں رہی ہو؟ کاشف نے پوچھا۔ کچھ نہیں..... ”وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”اماں بگڑ رہی تھی..... کیا اس نے کچھ کہا ہے..... سدرہ تم.....“ کاشف نے کچھ کہا جا رہا۔

”پلیز کاشف..... کچھ مت کہو..... خدا کے لیے چپ کر جاؤ..... میں کچھ نہیں سنتا چاہتی“ سدرہ ایک دم مشتعل ہو کر قدرے اونچی آواز میں بولی تو کاشف اس کی طرف دیکھ کر حیران رہ گیا۔ وہ تو کاشف سے اس لہجے میں کبھی نہیں بولی تھی۔ وہ تو ہمیشہ اس کی عزت کرتی آئی تھی اور اب.....؟ کیا وہ کاشف سے تنگ آ گئی تھی۔ کیا وہ اس پر یو جھ بن گیا تھا..... اس لیے.....؟ کاشف نے دکھ اور حسرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”سدرہ اپنی ہی سوچوں میں غم..... صوفے کی پشت کے ساتھ سر ٹکائے آنکھیں موندھے یعنی رعبی ذیشان اس کی گود میں کھیل رہا تھا..... اور کاشف اس کی جانب دیکھ کر کبھی ہنسا ہوا تھا۔

”سدرہ کی بھی ہمت ہے..... آخروہ کب تک مجھ جیسی زندہ لاش کے ساتھ گزارہ کرتی رہے گی..... میں نے اسے مالی جسمانی اور ذہنی طور پر پریشانی کے سوا دیا ہی کیا ہے..... زندگی کا کوئی سکھ..... کوئی خوشی..... کوئی سکون اسے نہیں دیا..... اور وہ پھر بھی..... میری خدمت کیے جا رہی ہے..... آخروہ بھی انسان ہے..... مجھ سے اتنا بھی سکتی ہے.....“ کاشف نے آہ بھر کر سوچا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔

اچانک ذیشان نے رونما شروع کیا تو سدرہ نے ہڑبڑا کر آنکھیں کھول دیں اور اسے چپ کرانے لگی۔ اس کو کندھے کے ساتھ لگا کر وہ کمرے میں چکر لگانے لگی اچانک اس کی نظر کاشف کی غم آنکھوں پر پڑی۔ اس نے گہرا کراس کی جانب دیکھا۔

”کاشف..... کیا ہوا ہے؟ سدرہ نے اس کے پاس بیٹھتے ہوئے کہا کچھ نہیں“ کاشف نے چہرہ موڑتے ہوئے جواب دیا۔

”اس ادا سی اور پریشانی کا کیا مطلب ہے.....؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”میں بہت دکھی ہو جاتا ہوں..... جب میں سوچتا ہوں کہ جس تم پر یو جھ ہوں۔ تم میرے لیے اتنا کچھ کر رہی ہو..... اور میں کچھ بھی نہیں کر پار..... میں تمہاری بیزارگی کی وجہ کچھ سکتا ہوں“ کاشف نے آہستہ آواز میں کہا اور اس کی آنکھیں نم ہونے لگیں۔

”کاشف یہ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں..... میں اور آپ سے بیزار ہوں گی..... یہ ممکن ہی نہیں..... میں..... تو..... اماں کی وجہ سے

پریشان ہوں“ اور سدرہ نے روتے ہوئے اسے رشیدہ کے بارے میں سب کچھ بتایا۔ کاشف کو کبھی سب کچھ جان کر بہت دکھا ہوا..... ”تم سچ کہتی ہو..... ماؤں کی تربیت کا دلاوا پر بہت گہرا اثر ہوتا ہے خاص طور پر بیٹوں پر..... رشیدہ کی بربادی کی ذمہ دار پھوپھو بھی ہے..... اور..... میں بھی تو اماں

کے کہنے میں آکر حلال حرام میں فرق کرنا بھول گیا۔ مجھے اماں کی باتیں ہمیشہ سچ لگیں۔ اماں نے حرام اور ناجائز کمائی کو کبھی برا سمجھا ہی نہیں بلکہ اسے حق سمجھا۔ حرام کی کمائی میں بھی تو محنت اور ذہانت خرچ ہوتی ہے اور اللہ کے نزدیک حلال کی کمائی وہ کمائی ہے جس میں انسان محنت اور وقت لگاتا ہے۔ میں حرام اور حلال کی کمائی کے درمیان باریک فرق کو نہ سمجھ سکا..... اپنی ناجائز آمدنی کو جائز سمجھتا رہا..... اور..... اماں کی حوصلہ افزائی مجھے براہِ راست

رہی ہیں۔ پہلے دو نمبر کام کرتے ہوئے گھبراتا تھا پھر بڑھ کر ہونے لگا..... میرا مقصد صرف پیسہ کمانا اور اماں کا مقصد صرف اس پیسے کو اڑانا..... اور کھانا پینا ہو گیا..... میری اس سوچ کو مٹانے والی میری ماں تھی..... اور میں اماں کو ناراض نہیں کرنا چاہتا تھا۔ رفتہ رفتہ اس کی سوچ اور میری سوچ ملتی گئی۔ میں تب چو لگا..... جب تم میری راہ میں حائل ہوئیں..... تم نے مجھے روکا..... تم نے مجھے حلال و حرام کی کمائی کے فرق کو بھر سمجھایا۔ مگر میں اتنا کمزور نکلا کہ اماں کی باتوں میں پھرا گیا اور اس کے آگے ہتھیار ڈال دیے..... "کاشف نے آہ بھر کر کہا۔

"کاشف..... آپاچی کہتی تھیں..... کہ حلال اور حرام کی کمائی انسان کی روح پر اثر کرتی ہے..... پاکیزہ اور حلال کی کمائی اس کی روح کو پاک اور اس کی مثبت سوچوں کو مضبوط کرتی ہے..... اس کے اندر اخلاقی جرأت ہمت اور بہادری پیدا کرتی ہے..... اور حرام کی کمائی انسان کی روح کو کمزور اور کم ہمت بناتی ہے..... اس کے اندر افسردگی، پریشانی اور ڈپریشن پیدا کرتی ہے..... کیا واقعی ہی ایسا ہوتا ہے؟ سدرہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... افسروں کی ملی بھگت سے نمبر دو کام کر کے مجھے جو حصہ ملتا تھا اس کمائی سے میں ڈھیروں کھانے پینے کی چیزیں لاتا تھا اور اماں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھاتا تھا مگر اتنا کچھ کھانے کے بعد خوشی اور سکون کا احساس اپنے اندر نہیں پاتا تھا۔ انجانی سی فکر..... نہ سمجھ آنے والی بے چینی اور اضطراب مجھے پریشان کر رکھتا تھا..... مگر جب معطل ہوا تو وہ احساس ویسا نہیں تھا جب نوکری پر جا کر پیسہ کماتا اور اس پیسے سے عیش کر کے حاصل ہوتا تھا..... بس عجیب سی کیفیت تھی..... عجیب سی پریشانی تھی" کاشف نے کہا۔

"اور اب کیا سوچا ہے؟ سدرہ نے پوچھا۔

"معلوم نہیں..... آنے والے لمحوں کا فیصلہ قدرت کرتی ہے..... میں نے تو کبھی نہیں سوچا تھا کہ زندگی میں کبھی میں یوں بے بس ہو کر بستر کے ساتھ لگ جاؤں گا..... اور اس طرح بے بسی سے ایک ایک لمحہ گزاروں گا" کاشف نے غم آنکھوں سے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"آپ ایسا کیوں سوچتے ہیں..... ہر آنے والا اللہ انسان کے لیے ایک سوال بن کر آتا ہے۔ جس کا جواب انسان کو اپنی ہمت اور کچھ بوجھ کے مطابق دینا ہوتا ہے۔ اور ہر آنے والا وقت انسان کے لیے آزمائش ہوتا ہے۔ اچھا وقت بھی آزمائش ہوتا ہے اور برا وقت..... اچھا وقت انسان کے "شکر" کی آزمائش کرتا ہے اور برا اس کے "مہر" کی..... ہر وقت..... ہر لمحہ اور ہر مرحلہ انسان کے لیے ٹکھن ہوتا ہے۔ یہ وقت بھی آپ کو بہت کچھ سکھا رہا ہے..... اس میں صرف اپنی بے بسی اور مایوسی کو مت دیکھیں۔ اس وقت نے آپ کی آئندہ آنے والی زندگی پر کتنے گہرے اثرات چھوڑنے ہیں شاید آپ کو اس کا اندازہ اب نہ ہو..... مگر بعد میں ہوگا۔ اس لیے اپنے آپ کو سمجھائیے..... انشاء اللہ آپ کا پلاسٹر جلد ہی کھلنے والا ہے اور آپ پھر سے نوکری پر جانا شروع کر دیں گے"

سدرہ نے اس کی ہمت بندھاتے ہوئے کہا تو کاشف کو اس کی باتوں سے حوصلہ ملنے لگا اور اس نے مسکرا کر اس جانب دیکھا۔

زاہد و سادے۔ سستے اور غریبوں والے روکے سوکھے کھانے کھا کھا کر تنگ آ گئی تھی۔ کبھی دال کے ساتھ روٹی۔ کبھی رائج کے ساتھ کبھی آلیٹ اور کبھی ترکاری..... وہ ہر کھانے پر سدرہ کو گالیاں بکتی..... اسے کو سنہ دیتی جس کی وجہ سے ایسے کھانے..... کھانے کو مل رہے تھے..... مگر سدرہ خاموش رہتی..... یہ تو اس کو ہی معلوم تھا کہ وہ کس قدر مشکل سے مگر کا خرچ چلا رہی تھی۔ مٹی اس کا بھر پور ساتھ دے رہی تھی دن رات سلائی کڑھائی کا

کام کرتی۔ اس لیے تو زائدہ اس کو کچھ نہ کہتی..... سدرہ نیوشتر چڑھانے اکیڑی جاتی۔ کچھ بچوں کو وہ گھر پر بھی نیوشن پڑھاتی تھی۔ بی۔ اے کے امتحانات اس نے بہت مشکل سے دیے تھے۔ زندگی تھی کہ جبر مسلسل کی طرح گزر رہی تھی..... ایک ایک لمحہ اذیت سے پر تھا..... وہ ظاہر اکاشف کو ہمت دیتی اور خود اندر ہی اندر کتنی پریشان مضطرب اور گھر مند رہتی..... کبھی کاشف پر ظاہر نہ ہونے دیتی۔ اپنے آپ سے بچ اور بھوٹ..... حق اور ناحق کی مکمل..... مبر اور شکر کے مراحل..... گھر اور گھر سے باہر پیش آنے والی تکالیف شوہر اور ساس کے درشتے کو احسن طریقے سے نبھانے کی جدوجہد..... اسے محاذوں پر لڑتے لڑتے وہ تھک گئی تھی۔ مگر اس کے اندر اک مزم تھا۔ جو اس کو ہمت نہیں ہارنے دیتا تھا۔ اور اس مزم و ہمت کا سرچشمہ ذکیہ آپا تھیں۔ جنہوں نے اس کی ساری جدوجہد..... ساری تکالیف..... اور ساری آزمائشوں کو اللہ پر ایمان کی ڈوری سے جوڑا تھا..... اور اللہ پر اس کا ایمان بہت کمال تھا۔ جو اسے کبھی بھی ہٹکنے نہیں دیتا تھا۔ وہ پریشان ضرور ہوتی تھی مگر ہمت ہار کر نہیں بیٹھتی تھی۔ اس کا توکل اللہ کی ذات پر اس قدر زیادہ تھا جو اس صبر آزما وقت میں اس کے لیے نور کا کام کر دیتا تھا۔ اور اس نور کے سہارے وہ مشکل مراحل طے کر رہی تھی۔

زائدہ کی باتوں سے وہ ذرا دل برداشتہ نہ ہوئی اور زائدہ اپنی باتوں اور طعنوں کا اس پر کوئی اثر نہ ہوتے دیکھ کر مزید چڑھ جاتی۔ غصے میں اکثر ہمسایوں کے گھر سے سالن منگوا لیتی اور وہاں سے بھی من پسند چیز نہ پا کر بیچ دے دیتا تھا۔

کاشف سے ملنے ایک دینار ڈال فرمائے تھے..... وہ بہت سال پہلے دینار ڈالے ہوئے تھے مگر کاشف کے ساتھ وہ بچوں جیسا سلوک کرتے تھے۔ شریف الدین صاحب بہت ایماندار اور سچے جاتے تھے اور ان کے دینار ڈالے ہونے کے بعد بھی لوگ ان کا نام بہت عزت و احترام سے لیتے تھے۔ کاشف کے بارے میں جان کر انہیں بہت افسوس ہوا اور ایک شام اس کی عیادت کے لیے آئے۔ جاتے ہوئے وہ کاشف کو ایک لٹاؤ پکڑا کر گئے۔ جسے زائدہ نے فوراً اپنے قبضے میں کر لیا۔ سدرہ اور کاشف حیرت سے زائدہ کی طرف دیکھتے رہے گئے۔ لٹاؤ میں پانچ ہزار روپے تھے۔ زائدہ نے ان میں سے چار ہزار کاشف اور سدرہ کو پکڑائے۔ ہزار اپنے پاس رکھا اور اس شام بازار سے مصالحے دار نہاری..... کراری طیم..... بروست..... تلخ کباب اور دس ملائیاں منگوائیں اور خوب ڈٹ کر کھائیں..... کسی کو ایک بار بھی نہ پوچھا..... کاشف ویسے ہی بہت کم کھاتا تھا۔ اس لیے اس نے اس کو بھی نہ پوچھا۔ سدرہ اور منی کو پوچھنے کا تو سوال ہی نہیں پیدا ہوتا تھا۔ یوں کھاتی رہی جیسے چار پانچ ماہ کی کسر پوری کر رہی ہو..... جو بچا سے سنبھال کر اپنے کمرے میں رکھ لیا۔ منی اور سدرہ اس کی اس حرکت پر مسکراتی رہیں۔ مگر کچھ نہ بولیں..... سدرہ نے دینی کے رائج کے ساتھ آلہ کی بھیا بنائی تھی۔ سب نے وہی کھائی اور کھانی کر سونگے۔ رات آجی سے زیادہ گزر چکی تھی جب زائدہ کے چلانے کی آوازیں سنائی دیں..... سدرہ بڑبڑا کر آٹھ بیٹھی اور بھاگ کر زائدہ کے کمرے میں گئی۔ وہ بیٹ میں اور کی وجہ سے بری طرح کرا رہی تھی۔ بیٹ پر دونوں ہاتھ رکھے وہ بیٹ پر تڑپ رہی تھی۔

”مامی..... کیا ہوا.....؟ سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”ہائے..... درد سے جان لگی جا رہی ہے“ وہ کراہتے ہوئے بولی۔

”غصہ دین..... میں میرپ لے کر آتی ہوں.....“ اور سدرہ بھاگ کر میرپ کی بوتل لے آئی۔ مگر اس سے بھی افادہ نہیں ہوا تھا۔

”مامی..... کیا ایسا درد پہلے بھی ہوتا ہے؟ سدرہ نے پوچھا۔

”ہاں..... کبھی کبھی“ وہ بھٹکتی ہوئی۔

”تب..... آپ کوئی دوائیں کھاتی تھیں“ سدرہ نے پوچھا۔

”وہ ختم ہو گئی ہیں..... ہائے مرگئی..... میرا کچھ کرلو..... ہائے یہ درو..... میری جان نکل رہی ہے..... کیا کروں.....؟ ہائے کچھ تو کرو

.....“ زاہدہ وردوار غصے سے چلاتے ہوئے ہوئی۔

”قبو ہٹا لاؤں.....“ سدرہ کو کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

”ہاں وہی لے آؤ.....“ زاہدہ ہوئی۔

سدرہ جلدی سے قبو ہٹا لائی اور زاہدہ کو پلا یا مگر اس کا درد کی طرح بھی کم نہ ہوا تھا اور اس قدر شدید تھی کہ اس کی آنکھوں سے مسلسل

آنسو بھی بہنے لگے تھے۔

”کاشف..... مائی کی طبیعت بہت خراب ہے۔ میرا خیال ہے ان کو کسی ہسپتال لے جاؤں یا کسی پرائیویٹ ڈاکٹر کے پاس“ سدرہ نے

تشویش سے کہا۔

”ہاں..... وہ شریف الدین صاحب جو پیسے دے گئے ہیں..... وہ لے جاؤ“ کاشف نے کہا تو سدرہ خاموش ہو گئی۔ ڈیٹان کو مٹی کے

پاس چھوڑ کر وہ طبلاتی، روتی، چلاتی زاہدہ کو ڈاکٹر کے پاس لے کر گئی۔ ڈاکٹر نے سارے ٹیسٹ لیے۔ ابھی طرح چیک اپ کیا اور وقتی طور پر دوائیں

وے کر رخصت کر دیا۔

”ان کی بیماری کا صحیح پتا..... رپورٹس آنے کے بعد چلے گا“

ڈاکٹر نے کہا تو سدرہ پریشان ہو گئی۔

”ڈاکٹر صاحب..... کوئی پریشانی کی بات تو نہیں“ سدرہ نے گھبرا کر پوچھا۔

”ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی..... لیکن میں حتمی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔“ ڈاکٹر کے لہجے میں قدرے مایوسی تھی جس نے سدرہ کو پریشان کر دیا۔

زاہدہ کو دواؤں سے وقتی طور پر رافقہ ہوا..... دوائیں کھاتی تو درد ترک جاتی۔ ان کا اثر ختم ہوتا تو درد پھر شروع ہو جاتا..... زاہدہ بھر کر اپنے گئی۔

زاہدہ کی رپورٹس نے سدرہ اور کاشف کو بے حد پریشان کر دیا تھا۔ معدے میں شدید قسم کے السر نے تباہی مچا رکھی تھی۔ مرض کافی پرانا تھا

اور ڈاکٹر نے اسے معالے دار..... یا چھٹی اور مرغن غذا کی کھانے سے منع کیا تھا مگر وہ کھانے پینے میں بالکل پرہیز نہیں کرتی تھی۔ گرم ٹھنڈی اور

ٹھنڈی گرم چیزیں کھا کھا کر اس نے اپنے معدے کو برا کر دیا تھا مگر وہ معدے کی طرف کوئی توجہ نہیں دیتی تھی۔ اسے زبان کا چمکا مزہ تھا۔ اس کا

السر چھٹ گیا تھا اور اس سے خون رسنے لگا تھا۔

ڈاکٹر نے دوائیں دیں اور بہت پرہیز کرنے کو کہا تھا..... سدرہ نے ذہر وقتی چند روز پرہیز کر لیا تو حالت بہتر ہو گئی مگر وہ بھر ویسے ہی چھٹ

کھانے کھانا شروع ہو گئی“ جب چار پیسے ہاتھ میں آتے تو بازار سے سالن منگوا کر کھاتی۔ سدرہ سر پیٹ کر رہ جاتی۔ اور اسے کوئی پروا نہ ہوتی۔ رفتہ

ہے" سدرہ نے آہستہ آہستہ کہا تو کاشف حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

"سدرہ..... تمہیں اتنی بہت سی باتوں کے بارے میں کیسے معلوم ہوا ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

"کاشف..... اٹھنے انسان کے لیے دو بڑے مضبوط اعضاء بنائے ہیں ایک ماں اور دوسرا استاد..... ماں کی تربیت اور استاد کی تعلیم

انسان کو لوہے سے کندن بنا دیتی ہیں..... اماں نے تو میری کوئی تربیت نہیں کی مگر ذکیہ آپا نے ساری جنگلی دور کر دی۔

استاد عالم ہائل ہو تو شاگرد کے لیے اس سے بڑھ کر اور کوئی تھو نہیں ہوتا..... ذکیہ آپا سے میں نے بہت کچھ سیکھا ہے تاکہ کچھ میں بیان

نہیں کر سکتی..... اگر آپا نہ ہوتیں تو مجھ نے میں کیا ہوتی" سدرہ نے پرستش لکھ میں کہا۔

واقعی..... تم ٹھیک کہہ رہی ہو..... مگر فیسوں کا آجکل دونوں ادارے کمزور ہو رہے ہیں..... مائیں تربیت نہیں صرف پرورش کر رہی ہیں

اور استاد تعلیم نہیں صرف پیسہ کما رہے ہیں....." کاشف نے افسروگی سے جواب دیا۔

"مگر..... آج کل بھی قلعہ الرجال کے اس زمانے میں..... جو مائیں اور جو استاد اپنے فرائض کو پہچانتے ہوئے بچوں کی تعلیم و تربیت کر

رہے ہیں۔ وہ گونا گونا گویا ہیں اور وہ ذرا نایاب پیدا کر رہے ہیں" سدرہ نے جواب دیا تو کاشف نے پرستش اعزاز میں اس کی جانب دیکھا۔

اگلی سہ پہر کو گڈو کا فون آیا تھا اور وہ بہت گھبرا گیا ہوا تھا

"آپا..... خالد رشید وہ پاگل خانے سے بھاگ گئی ہے" وہ گھبرا کر بولا۔

"بھاگ..... گئی..... کہاں.....؟ سدرہ کی آواز صلیق سے نہیں نکل رہی تھی۔

"وہ..... وہ..... بس تم پہنچو....." گڈو نے انتہائی پریشانی سے کہا تو منی اور سدرہ جلدی سے گھر پہنچیں..... تو گڈو اور اس کے گھر والے

بہت پریشان تھے۔

"آپا..... پاگل خانے کا عملہ بڑا پریشان ہے..... خالد کل رات سے غائب ہے۔ صبح مجھے فون آیا تھا..... میں بھی ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک گیا

ہوں۔ سمجھ میں نہیں آ رہا..... خالد کہاں گئی ہے؟ گڈو نے پریشانی سے کہا۔

لیکن..... اماں کہاں جا سکتی ہے؟ سدرہ نے بھی فکر مندی سے کہا۔

"گڈو..... کہیں اعلان ہی کرادو....." منی نے پریشانی سے کہا۔

"ہاں..... یہ ٹھیک ہے" سدرہ نے بھی اس کی ہاں میں ہاں ملائی۔

"گڈو نے کچھ مسجدوں میں اعلان کرایا اور ایک وین والے سے بھی بات کی کہ وہ بھی اپنی گاڑی میں نصب الاؤڈ سپیکر پر اعلان کرادے۔

وہ خود بھی سارا وقت ادھر ادھر تلاش کرتا رہا۔ اس نے اپنا سوا ہاں نمبر ہر جگہ لکھوا دیا تھا۔ رات گئے اسے ایک فون آیا کہ قبرستان سے ایک مردہ عورت کی

لاش ملی ہے جو ایڈمی سنٹر میں لاوارث پڑی ہے۔ گڈو اور اس کا باپ فوراً ایڈمی سنٹر پہنچے اور لاش کی شناخت کر کے لے آئے۔ رشیدہ کی لاش کی حالت

بہت قابل رحم تھی۔ اس کے کپڑے پھٹے ہوئے اور سارے جسم پر جگہ جگہ زخموں کے نشانات تھے اور ان سے خون بہہ بہہ کر کپڑوں کے ساتھ چپک گیا

تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ کسی گاڑی سے ٹکرائی ہو..... اور اس کی ٹانگوں پر پڑ کر وہ اس کے شانات تھے اور گھٹنوں سے نیچے ٹانگیں بہت بری طرح کھینکی گئیں تھیں اور ہڈیاں تک چر ہو گئیں تھیں۔ ایڈمی سنٹر سے ہی انہیں خبر ملی کہ جب وہ مردہ حالت میں قبر کے پاس پائی گئی تو اس کے ہاتھ میں ایک لٹافہ تھا جس میں کچھ مٹھائی تھی۔ قبرستان کی طرف جاتے ہوئے اس کا ایک عزیز رتار گاڑی سے ایکسیڈنٹ ہوا اور وہاں پر موجود لوگوں نے بتایا کہ وہ خون میں لٹ پت ہار ہار ایک عیالات کبہ دی تھی کہ اسے تھاں قبر پر لے جاؤ۔ اسے نے اپنے بیٹے کو یہ مٹھائی دینی ہے جو اس نے مضبوطی سے اپنی مٹھی میں دھار رکھی تھی۔ لوگ اس کو اس قبر پر لے گئے اور وہاں جا کر وہ قبر کے ساتھ لیٹ کر روئے نگہی اور مٹھائی لٹافے میں سے نکال کر قبر پر پھیلا دی اور یہ لٹافہ ویرانے لگی۔

”کہ میں بہت مشکل سے تمہارے لیے چھپا کر لائی ہوں۔ سب لوگ مٹھائی کھائیں اور میرا بیٹا کیوں نہ کھائے..... کھالے خاموشی سے..... اور..... کسی کو مت بتانا“ وہ کہہ کر روئے نگہی وہ اس وقت بہت اذیت میں تھی۔ اس کی ٹانگوں سے بہت خون بہہ رہا تھا۔ لوگوں نے اس کو ہاسٹل لے جانا چاہا مگر وہ قبر کے ساتھ لٹی رہی۔ کسی کو قریب نہ آنے دینی تھی اور وہ جس تڑپ تڑپ کر مر گئی۔

گندہ نے سدرہ اور منی کو ساری بات سنائی تو وہ ہلک ہلک کر روئے نگہیں۔ اپنی ماں کا ایسا دردناک انجام سن کر ان کے رونگٹے کھڑے ہو گئے۔ دونوں بہنیں گلے گلے کر خوب روتی رہیں اور محلے والوں کے ساتھ مل کر اس کو دفنانے کا انتظام کیا۔ سب لوگوں نے ان کے ساتھ بہت تعاون کیا۔ ماں کو دفنانے کے بعد مگر کی چالی کوٹھی والوں کو دے کر وہ اس گھر کو خیر باد کہہ کر روتی ہوئیں واپس چلی گئیں کاشف کو بھی رشیدہ کی موت کا سن کر بے حد صدمہ ہوا۔ زاہدہ بھی افسردہ ہو گئی..... اور پھوٹ پھوٹ کر روئے نگہی۔

”منیں بھی کسی روز یونہی مری جاؤں گی“ وہ روتے ہوئے بولی تو سدرہ نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ جو کبھی کسی کی موت کا سن کر کبھی افسردہ نہیں ہوتی تھی۔ کسی بیماری حیات کرنے نہیں جاتی تھی اور جب کبھی کوئی کسی مصیبت میں گرفتار ہوتا تو ہمیشہ یہی کہتی کہ اسے اپنے اعمال کی سزا ملی ہے۔ کبھی کسی کے دکھاوے میں شریک نہ ہوتی تھی اب رشیدہ کی موت پر اونچی آواز میں رورہی تھی۔

منی، سدرہ اور کاشف اس کی جانب حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

”اماں..... ایسے نہیں کہتے..... تو ٹھیک ہو جائے گی“ کاشف نے ماں کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

”منیں..... اب میں کبھی نہیں ٹھیک ہوں گی..... جس کا کھانا پینا چھوٹ جائے تو اس کا دنیا سے بہتہ بہتہ تعلق ختم ہونے لگتا ہے..... میرا بھی دنیا سے تعلق ختم ہو رہا ہے۔ مجھے ہر طرف کالی سیاہ بھوت جیسی موت دکھائی دیتی ہے۔ ہر طرف بچھوڑا سا نظر آتے ہیں۔ قبر کا اندھیرا مجھے ساری ساری رات سونے نہیں دیتا۔ نہ ہی پیٹ کا درد مجھے چھین لینے دیتا ہے..... پتا نہیں میں نے کیا گناہ کیا ہے جو مجھے مولا یہ سزا دے رہا ہے..... کاشف کیا تجھے کچھ پتا ہے کہ میں نے کیا کیا ہے.....؟ زاہدہ نے روتے ہوئے کہا تو کاشف نے سدرہ کی جانب دیکھا اور غصہ ڈی آہ بھری۔

”ہاں..... اماں..... تجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے“ کاشف کافی دیر سوچنے کے بعد بولا۔

”گناہ..... کوئی گناہ..... میں نے تو کوئی گناہ نہیں کیا“ زاہدہ بوکھلا کر بولی۔

"وہی بات جس کو گناہ نہیں سمجھتی تھی۔ تو نے اللہ کے سامنے بڑے حکم کو نہ مانا۔ اور اپنی خواہشات کی خاطر حرام کو حلال جانتی رہی۔ ناجائز کو جائز سمجھتی رہی۔ مجھے بھی گناہگار کیا اور خود کو بھی" کاشف نے آدھ کر جواب دیا۔

"میں نے کب تجھے گناہ کرنے کو کہا تھا۔ اور میں نے بھی کوئی گناہ نہیں کیا..... زاہدہ نے صاف طور پر انکار کرتے ہوئے کہا۔
"اماں تو مانے یا نہ مانے..... مگر تو نے مجھے حرام کمانے پر مجبور کیا اور خود حرام کھاتی رہی۔ یہ بہت بڑا گناہ تھا اماں حرام ہمیشہ بیماری یا کسی نہ کسی تکلیف کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے....." کاشف نے کہا۔

"کیا میری بیماری تیری حرام کی کمائی کھانے کی وجہ سے ہے؟

زاہدہ نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... شاید....." کاشف نے آدھ کر جواب دیا۔

زاہدہ اونچی آواز میں رونے لگی۔

"کیا اسی لیے مجھے سانپ اور بچھو نظر آتے ہیں..... کالے بھوت دکھائی دیتے ہیں..... کیا اسی وجہ سے.....؟ زاہدہ نے پریشان ہو کر پوچھا۔
"نہیں..... یہ تیرا وہم ہے۔ جب انسان بیمار ہوتا ہے تو اسے اکثر ایسے ہی خواب نظر آتے ہیں..... تو اس بات کو ذہن میں نہ لا اور اللہ سے معافی مانگ لے" کاشف نے ماں کو نرم لہجے میں سمجھاتے ہوئے کہا۔

"نہیں..... یہ میرا وہم نہیں..... وہ سب میرے ساتھ میرے بستر پر سوتے ہیں سانپ ادھر..... دائیں طرف..... اور بچھو بائیں طرف..... اسی لیے تو میں ساری رات نہیں سوتی..... جب بھی سوئے جگتی ہوں تو کانٹے کو دوڑتے ہیں" زاہدہ نے بدحواس ہو کر کہا۔

"ارے بس اماں..... یہ تیرا وہم ہے۔ سراسر وہم ہے..... ایسی کوئی بات نہیں ہے" کاشف نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی جیسے کسی شدید الجھن کا شکار ہو گئی ہو۔ اسے کاشف کی بات پر یقین بھی آرہا ہوا اور نہیں بھی آرہا ہوا..... اس کی آنکھوں میں خوف اور پریشانی کے سائے لہرانے لگے۔ کاشف اسے کافی دیر سمجھاتا رہا اور پھر اٹھ کر وہاں سے چلا گیا مگر زاہدہ کا ذہن کہیں اٹک گیا تھا۔ دل پر کوئی بھاری بوجھ چھری کی طرح اس کے سینے کو دبا رہا تھا..... وہ بری طرح بے تاب ہو رہی تھی۔

"اماں..... تجھ سے بہت بڑا گناہ ہو گیا ہے" کاشف کے الفاظ اسے اُنٹے بیٹھنے کچھ کے لگانے لگے۔

"تو مانے یا نہ مانے..... تو نے مجھے حرام کمانے پر مجبور کیا اور خود بھی حرام کھاتی رہی..... یہ بہت بڑا گناہ تھا" کاشف کے الفاظ پھر اسے پریشان کرنے لگے۔

"میں نے تو ہمیشہ اچھے کھانے کھائے ہیں..... وہ حرام کیسے ہو گئے..... کاشف مجھ کو بتاتا ہے....." اس نے اپنے آپ کو تسلی دینا چاہی مگر اس کی اپنی کوئی توجیہ بھی اسے سکون نہ لینے دے رہی تھی۔ اس کا منہ بے کار دایک لمحے کے لیے بھی سکون نہیں لینے دیتا تھا۔ منہ بے کار کے درد کے ساتھ..... ساتھ دل میں پیدا ہونے والی بے چینی اور بے سکونی بھی اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی۔ اور کاشف کی باتوں کی بازگشت..... اس کا

بار بار اسے گناہ کا احساس دلانا..... وہ اتنی زیادہ پریشان ہو گئی تھی کہ اس کا دل موت کی خواہش کرنے لگا..... کاش موت آجائے اور اس کا سارا دکھ درد ختم ہو جائے..... "وہ گھبرا کر دعا کرتی اور ننگ آکر بستر پر لیٹنے کی کوشش کرتی تو سانپ اور بچھو اسے نظر آنے لگتے..... وہ چلانے لگتی..... اور سارا گھر سر پر اٹھ لیتی..... ساری رات نہ خود موتی اور نہ ہی کسی اور کو سونے دیتی۔

کاشف..... ماما کو سانپ اور بچھو کیوں نظر آتے ہیں.....؟ مجھے لگتا ہے اس کے پیچھے کوئی اور وجہ بھی ہے "سدرہ نے قدرے تشویش سے پوچھا۔
"معلوم نہیں..... یہ کیا ہے؟ ہو سکتا ہے ماما نے کوئی اور گناہ بھی زندگی میں کیے ہوں جو مجھے مظلوم نہ ہوں مگر وہ سانپ اور بچھو ہیں کہ اس کے سامنے آ رہے ہوں..... اماں زبان کی بہت تیز تھی اور کسی کو نہیں ہنسنی تھی..... لہٰذا طعن..... طعن و تنقید اکثر سننے میں آتی تھی۔ اماں کے ساتھ بھی بدزبانی کرتی تھی اور رشیدہ پھوپھو جو بے پروا ہو کر ہمارے ہاں رہنے آئیں تو تب بھی یہ ان سے جھڑا کرتی تھی۔ معلوم نہیں اب کونسا گناہ، کس صورت میں سامنے آ رہا ہے "کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"کاشف..... ماما کی حالت دن بدن خراب ہوتی جا رہی ہے اور ان کی بدحواسی دیکھ کر مجھے ڈر لگتا ہے کہیں وہ بھی اماں کی طرح....."
سدرہ نے گھبرا کر جھلا دھوا چھوڑ دیا۔
"ہاں..... مجھے بھی ڈر لگنے لگا ہے..... بچانے....." وہ بھی کچھ کہتے کہتے ٹوک گیا۔

"کاشف جس انسان کے دل میں ذرا سا بھی اللہ کا ڈر، خوف یا اس سے محبت ہوتی ہے وہ کبھی بھی نہ تو دوسروں کو تنگ کرتا ہے اور نہ اللہ کے احکامات کو توڑنے کی جرأت کر سکتا ہے..... اور مجھے کبھی بھی ماما کی باتوں سے یہ احساس نہیں ہوا ہے کہ انہیں ان دو باتوں میں سے کسی ایک کے ساتھ کوئی لگاؤ ہے۔ سدرہ نے مایوسی سے جواب دیا۔

"سدرہ..... کچھ ایسا کرو..... کہ اماں..... اللہ سے توبہ استغفار کر لے اور اس کے ذل کو کچھ سکون مل جائے..... ورنہ مرنے کی اسی جگہ نہیں ملے گا "کاشف نے فکرمندی سے کہا۔

"ہاں..... میں بھی یہی سوچ رہی ہوں۔ مگر ماما کو کیسے قائل کریں؟ کیسے ان سے کہیں کہ آپ سانپ اور بچھو اپنے غلط کاموں کی وجہ سے دیکھ رہی ہیں۔ کاشف یہ بہت مشکل کام ہے "سدرہ نے کہا۔

"پلیز..... سدرہ کوشش کر لینے میں کیا حرج ہے..... ہو سکتا ہے اللہ..... اماں پر اپنا کرم کر دے "کاشف نے پرامید لہجے میں کہا۔
"ٹھیک ہے....." سدرہ نے جواب دیا۔

آدھی رات کو زائدہ ہڑا کر اٹھی اور جینے چلانے لگی۔ اس کو بھر سانپ اور بچھو نظر آنے لگے تھے جو اسے سونے نہیں دے رہے تھے وہ کبھی فرش پر بیٹھتی کبھی صوفے پر اور کبھی میز پر..... اس کے چلانے کی آواز سن کر سدرہ اس کے کمرے کی جانب بھاگی۔

"کیا ہوا ماما.....؟ سدرہ اس کے پیڑ پر بیٹھتے ہوئے بولی۔

"یہاں مت بیٹھو..... یہاں بہت زیادہ بچھو ہیں..... اور اس طرف کالے رنگ کے چھوٹے بڑے سانپ ہیں....." زائدہ نے سدرہ کا

ہازد کھڑکرا سے بیڑ سے اٹھاتے ہوئے کہا۔

”مامی..... یہاں کچھ نہیں..... آپ ادھر بیٹھیں.....“ سدرہ نے اسے اپنے پاس بٹھاتے ہوئے کہا۔ وہ ڈرتے ہوئے بیٹھ گئی۔ اس کی آنکھوں میں ابھائی خوف و ہراس تھا۔

”مامی..... بعض اوقات انسان کو پتا بھی نہیں چلتا تو اس سے ایسے کام ہو جاتے ہیں جن سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔ انجانے میں کوئی کسی کو غلط بات کہہ دیتا ہے۔ جس سے دوسروں کا دل و مکی ہو جاتا ہے۔ کبھی زبان سے..... کبھی ہاتھ سے اور کبھی روئیے سے دوسرے لوگ پریشان ہو جاتے ہیں..... ایسا ہر انسان سے ممکن ہے کچھ لوگ تو فوراً معافی مانگ لیتے ہیں۔ اور کچھ کو یاد نہیں رہتا اور وہ باتیں گناہ من کر انسان کے ذہن کو پریشان کرتی ہیں۔ ایسے لوگوں کے لیے اللہ نے توبہ کے دروازے کھلے رکھے ہیں کہ جب کبھی ایسی غلطیاں اور ایسے گناہ یاد آئیں تو انسان اللہ سے سچے دل سے معافی مانگ لے۔“ سدرہ نے نرم لہجے میں کہا تو زادہ نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”ہاں..... اللہ اپنے بندوں پر بہت رحم اور کرم کرنے والا ہے۔ وہ گناہگاروں پر بھی اپنی رحمت کے دروازے بند نہیں کرتا وہ ان کو بھی دلیل و خوار نہیں کرنا چاہتا..... اور کہتا ہے کہ جو گناہ کر کے اس سے معافی مانگتے ہیں۔ وہ ان سے بہت پیار کرتا ہے۔“ سدرہ نے کہا اور پھر کہتے کہتے رک کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”کیا مطلب ہے..... تمہارا.....؟ کیا میں نے کوئی گناہ کیے ہیں.....؟ کسی کا دل دکھایا ہے۔ کسی کو طعنہ دیا ہے.....؟ زادہ نے چونک کر پوچھا۔

”ہاں..... ہو سکتا ہے..... ہم سب گناہگار انسان ہیں اور کسی سے بھی کچھ ہو سکتا ہے“ سدرہ نے کہا۔
”نہیں..... بالکل بھی نہیں..... میں..... میں..... میں نے تو آج تک کسی کو کچھ کہا ہی نہیں..... اور..... میں کیوں کسی کو کہوں گی..... پھر میں کس بات کی معافی مانگوں.....“ زادہ نے قدرے غصے سے کہا تو سدرہ اس کی جانب دیکھ کر خاموش ہو گئی۔

”چلو..... جاؤ..... یہاں سے..... آئی بڑی ٹیک بی بی..... اللہ والی..... مجھے مشورے دینے..... لو بھلا..... میں نے کسی کو کیا کہا ہے؟ زادہ نے غصے سے سدرہ کو ڈانٹتے ہوئے کہا تو وہ غم آنکھوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے ہار نکل گئی اور کمرے میں جا کر رونے لگی۔

”کیا ہوا..... کیا اماں نے کچھ کہا ہے؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”کاشف..... دو تویہ ماننے کو تیار ہی نہیں کر انہوں نے کبھی کوئی غلط کام کیا ہے یا کسی سے کوئی غلط بات کہی ہے..... ایسے میں کیسی توجہ اور..... کیسی معافی؟ سدرہ نے رنجیدگی سے کہا تو کاشف حیرت سے سدرہ کی جانب دیکھنے لگا۔

”ٹھیک ہے..... اگر وہ کچھ بھی ماننے کو تیار نہیں تو انہیں کیسے مجبور کیا جاسکتا ہے؟ توبہ کے لیے شرمندہ ہونا ضروری ہوتا ہے۔ اور جہاں شرمندگی نہ ہو..... وہاں کیسی توجہ اور کیسی معافی؟ کاشف نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

زادہ اٹھتے بیٹھتے بروقت کراہتی رہتی اور بڑبڑاتی رہتی۔ اکیلے میں بیٹھنے پر آپ سے باتیں کرتی رہتی۔

”میں نے بھلا کسی کو کیا کہا ہے.....؟ میں نے کونسا گناہ کیا ہے.....؟“

میں نے کوئی گناہ نہیں کیا.....؟ کہہ رہی تھی۔ معافی مانگوں..... کس بات کی معافی..... تو بہہ کرے جو گناہ کرے..... اور میں نے تو کبھی کسی کو کچھ کہا ہی نہیں..... پھر..... نہیں..... نہیں..... وہ سر ہلانے لگی۔

رشیدہ کے بچے بہت تنگ کرتے تھے۔ ہر وقت شور شرابہ، زندگی عذاب بنا رکھی تھی۔ جاتی بھی نہیں تھی۔ ایسی کمری کمری سنائیں کہ فٹ چلتی بنی..... روتی ہوئی گئی..... میرے گھر سے ”زاہدہ بڑبڑانے لگی۔

یہ..... یہ گناہ تو نہیں تھا..... جو تنگ کرے..... اسے یونہی نکالا جاتا ہے یہ گناہ تو نہیں..... میں نے بھلا کسی کو کیا کہا ہے.....؟ وہ خود ہی بڑبڑاتی..... کبھی رشیدہ کو یاد کر کے باتیں کرتی تو کبھی ساس اور نندوں کو..... کبھی سدروہ سے مخاطب ہوتی تو کبھی اپنے آپ سے..... چند روز بعد نجانے زاہدہ کو کیا ہوا تھا کہ بالکل خاموش ہو گئی تھی۔ کسی سے کوئی بات نہ کرتی..... بس سب کے چہرے حیرانگی سے دیکھتی رہتی۔ کبھی سدروہ کی طرف خاموش لگا ہوں سے دیکھتی تو کبھی کاشف کی طرف کبھی زینان اور منی کی طرف۔ ہر وقت محد سے پر ہاتھ رکھتے وہ اسے دہاتی رہتی کراہتی رہتی یا پھر حیران کن اور پھٹی پھٹی لگا ہوں سے سب کو گھورتی رہتی۔ وہ عجیب و غریب حالات میں سے گزر رہی تھی۔ سدروہ اور کاشف کے لیے اس کے یہ بدلتے ہوئے روپ بہت حیران کن تھے۔ کئی روز ہو گئے تھے اسے کسی سے بات کیے ہوئے۔ سدروہ پر ہیزی کھانا اس کے پاس رکھ دیتی۔ دل چاہتا تو کھالیتی ورنہ وہیں کا وہیں پڑا رہتا.....

خاموش لگا ہوں اور خاموش زبان سے وہ درود پھا اور چہروں کو گھورتی رہتی۔ اور انہیں اس کی حالت دیکھ کر تشویش ہوتی کاشف اسے محبت اور نرمی سے کچھ سمجھاتا چاہتا تو وہ حیرت سے اس کا چہرہ یوں دیکھتی جیسے وہ کوئی انہونی بات کہہ رہا ہو اور اسے وہ بات پہلی بار سن کر حیرت ہو رہی ہو۔ دو ماہ کے اندر درود کی شدت اور ذہنی اذیت سے دو چار ہو کر وہ انتہائی کمزور ہو گئی تھی جو بھی گھبراتا اسے نہ بچا تھا۔ اس کی بیٹیاں اسے دیکھ دیکھ کر روئیں اور وہ خاموشی و حیرت سے ان کے چہرے دیکھتی رہتی۔ سب کو زاہدہ کی اس حالت پر افسوس کے ساتھ ساتھ حیرانگی بھی ہوتی مگر کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آتا۔

زاہدہ گناہ اور توبہ کی کھٹکھٹ میں ایسی الجھی تھی کہ اسے خود بھی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ وہ کیا کرے.....؟ خود ہی اپنے آپ سے سوال پوچھتی..... خود ہی جواب دیتی..... اور..... پھر خود ہی الجھنے لگتی۔ کئی بار اس کا ذہن توبہ کے بارے میں سوچتا مگر دل اس کی راہ میں حائل ہو جاتا..... کوئی چیز تھی یا کوئی قوت تھی جو اسے اندر سے توبہ کرنے سے روکتی تھی۔ وہ سارا وقت بیڈ کے پاس صوفے پر بیٹھی اپنے خیالوں میں گمن رہتی۔ کئی روز سے اس کا محد سے کا درو کچھ بہتر ہوا تھا۔ اور اس کا دل پھر چٹ پٹے کھانے کھانے کو چاہ رہا تھا۔ اس نے چوری چوری ہمسائے کے کڑکے سے خوب مصالحے دار نہاری منگوائی اور کمرے کا دروازہ بند کر کے کھانے لگی۔ ابھی چند لقمے ہی اس نے کھائے تھے کہ اس کو ایک دم قے آنی شروع ہو گئیں..... اور قے کے ساتھ محد سے اس سے خون بھی آنا شروع ہو گیا۔ سدروہ اور کاشف گھبرا گئے۔ سدروہ اسے جلدی سے لاکٹر کے پاس لے گئی اور ڈاکٹر بھی اس کی حالت دیکھ کر گھبرا گیا۔

”اب..... کوئی علاج ممکن نہیں“ ڈاکٹر نے مایوسی سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب..... کچھ نہ کچھ..... کوئی نہ کوئی علاج تو ہوگا“

سدرہ نے گھبرا کر کہا۔

”جب کوئی بھی مرض آخری اسٹیج پر آتا ہے..... تو پھر ہر دوا بے اثر ہو جاتی ہے..... یہی ان کا بھی حال ہے..... ہمارے پاس کوئی ایسی دوا

نہیں جو بیماری کے اس مرحلے میں کوئی اثر دکھائے“ ڈاکٹر نے مایوسی سے کہا۔

”ڈاکٹر صاحب..... کیا ان کو ہاسپٹل میں ایڈمٹ کرادیں؟ سدرہ نے پوچھا۔

”ہی بی بی..... اپنی تسلی کے لیے آپ جانتی ہیں تو داخل کرادیں ورنہ بے سود ہے.....“ ڈاکٹر نے کہا تو سدرہ نے غم آنکھوں سے زاہدہ کی

جانب دیکھا..... جو دروسے بری طرح کرا رہی تھی۔ وہ اسے لے کر گھر آگئی اور کاشف کو ساری صورت حال بتائی وہ بھی پریشان ہو گیا۔

رات کو زاہدہ کی طبیعت بہت خراب ہو گئی اسے بار بار قے آ رہی تھی اور قے کے ساتھ خون آ رہا تھا..... سدرہ، کاشف اور مٹی زاہدہ کے

پاس بیٹھے تھے۔ سدرہ اس کے سر ہانے بیٹھ کر سوروہنیں پڑھ رہی تھی اور پانی پر دم کر کے اسے پلانے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ ایک گھونٹ بھی اندر

نہیں لے جا رہی تھی۔

”اماں..... ایک بار خدا سے معافی مانگ لو..... صدق دل سے اپنے گناہوں کی توبہ کر لو..... اللہ معاف کرنے والا ہے“ کاشف نے اس

کا ہاتھ پکڑتے ہوئے نرم لہجے میں کہا تو زاہدہ نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ اس نے کچھ کہنا چاہا مگر ایک دم درد کی شدید لہر اس کے منہ سے

میں اٹھی۔ وہ درد سے بے تاب ہو کر چلانے لگی اور اسی حالت میں اس کی سانسوں کا نانا تا جسم سے ٹوٹ گیا۔ کاشف، سدرہ اور مٹی پھوٹ پھوٹ کر

رونے لگے۔ زاہدہ کو قدرت نے اتنی مہلت نہ دی تھی کہ وہ اس سے معافی مانگ سکتی۔ توبہ استغفار کر سکتی۔

سدرہ نے جب بھی اسے توبہ کے لیے قائل کرنا چاہا..... اس کی آٹا اور سوچیں اس کی راہ میں حائل ہونے لگیں..... نہ جانے کونسی شے.....

اس کے راستے میں حائل ہوتی رہی اور زندگی کی آخری سالوں تک وہ توبہ نہ کر سکی۔ کاشف اس بات کو یاد کر کے روتا رہا۔ اس کی آخرت کی فکر کرتا

رہا۔ نہ جانے قبر میں اس کا کیا حال ہو رہا ہوگا..... ہو سکتا ہے وہ سانپ اور بچھواس کے مردہ جسم کے ساتھ لپٹے ہوں..... ایسی آن گت سوچیں تھیں جو

کاشف کو ہر دم پریشان رکھتی تھیں اور وہ جب بھی رنجیدہ ہوتا تو سدرہ سے زاہدہ کے بارے میں ہی باتیں کرتا..... اور اسے توبہ کی توفیق نہ ملنے پر

پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا۔

کاشف توبہ کو ہم بہت عام بات سمجھتے ہیں..... مگر یہ سستی بڑی توفیق ہے جو اللہ اپنے گناہگار بندوں کو دیتا ہے انسان کی توبہ..... اور خدا کی

رحمت کے درمیان ایک چیز حائل ہوتی ہے جو اسے توبہ کرنے سے روکتی ہے..... اور وہ ہے انسان کی آٹا..... وہ اپنی آٹا کو کھل کر..... اپنی ذات کی نفی

کر کے خدا کے حضور جاتا ہے اور اپنے گناہوں کا اقرار کر کے معافی طلب کرتا ہے..... مای..... بہت بد قسمت تھیں کہ پروردگار نے ان کو یہ توفیق

میں بخشی.....“

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

سدرہ نے آہ بھر کر کہا۔

”ہاں..... مجھے بھی اسی بات کا دکھ ہے..... انسان کتنی ہی کوشش کیوں نہ کرے..... دوسرے کو توبہ کرنے پر کتنا ہی قائل کیوں نہ کرے مگر اس کی توفیق اللہ کے کرم سے ہی ملتی ہے..... یہ بھی اللہ کی کتنی بڑی عطا ہے..... جسے میں اب کچھ پایا ہوں..... کاشف نے افسردگی سے جواب دیا۔

”ہاں..... ہم لوگ گناہ پر گناہ کیے جاتے ہیں..... یہ سوچ کر کہ کسی بھی وقت معافی مانگ لیں گے..... مگر وہ ”وقت“ کتنا اہم ہوتا ہے..... جس کو اللہ انسان کے لیے منتخب کرتا ہے۔ جس وقت وہ اللہ سے صدق دل سے توبہ کرتا ہے۔ اور وہ کھلے دل سے اسے معافی کر دیتا ہے وہ کہتا ہے۔

”اے ابن آدم! اگر زمین و آسمان تیرے گناہوں سے بھرے ہوں اور تو صدق دل سے توبہ کر کے میری طرف لوٹ آئے تو میں تمہیں معاف کر دوں گا“

یہ اللہ کی رحمت اور اس کے کرم کی اعجاز ہے کہ وہ انسان پر توبہ کے دروازے کھلے رکھتا ہے اور وہ لوگ کتنے بد نصیب ہوتے ہیں جو ہٹ دھرمی سے نہ توبہ طلب کرتے ہیں اور نہ اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں..... پھر قدرت کو بھی ان کی توبہ کی ضرورت نہیں ہوتی..... مای بھی اپنی ہٹ دھرمی سے توبہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتی رہیں اور شاید آخری لمحوں میں انہوں نے توبہ کرنا چاہی مگر قدرت نے ان کو ہمت ہی نہ دی اور ان کی زبان بند ہو گئی وہ کتنی بڑی رحمت سے محروم رہ گئیں..... کاش..... مای..... میری بات منتیں..... میں نے ان کو بہت قائل کرنے کی کوشش کی مگر.....

”سدرہ نے آہ بھر کر کہا اور خاموش ہو گئی۔ اور ماں اپنے گناہوں کی گتھڑی اپنے ساتھ لے گئی۔“ کاشف نے نرم آنکھوں کے ساتھ کہا۔

”کاشف..... آپ کو بھی توبہ کرنی ہے..... نا.....؟ سدرہ نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”ہاں..... اور..... میں..... وہ کرچکا ہوں..... کئی بار گزر گزرا کر..... رات کی تنہائیوں میں..... اس سے رور و کر..... معافی طلب کی ہے۔ اپنے بہت سے گناہوں کی..... دعا ہے کہ وہ میری توبہ قبول کر لے..... سدرہ تم بھی میرے لیے دعا کرتا“ کاشف نے سدرہ کا ہاتھ پکڑ کر اچھا یہ انداز میں کہا۔

”وہ آپ کی توبہ ضرور قبول کرے گا..... بشرطیکہ.....“ سدرہ کچھ کہتے کہتے رکی۔

”بشرطیکہ.....؟ کیا مطلب.....؟ کاشف نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ..... توبہ سچے دل سے ہو..... اور انسان گناہ سے سچے دل سے توبہ اور معافی مانگے۔ کیا آپ نے ایسی ہی توبہ کی ہے..... اپنے آپ سے پکا وعدہ کیا ہے..... اور خدا سے بھی..... کہ آپ دوبارہ وہ کام نہیں کریں گے..... جو.....“ سدرہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”ہاں..... پکا وعدہ کیا ہے“ اس نے بھی سنجیدگی سے جواب دیا۔

”پھر وہ بھی ایسی توبہ کو کبھی رو نہیں کرتا..... انشاء اللہ وہ ضرور اسے قبول کرے گا..... سدرہ نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ مسکرا کر اسے دیکھنے لگا..... جیسے مطمئن ہو گیا ہو..... سدرہ بھی خوش ہو کر اسے دیکھنے لگی.....

پلاسٹر اترنے اور مکمل صحت یابی کے بعد کاشف چھڑی کے سہارے چلنے پھرنے کے قابل ہو گیا تھا۔ مگر اس کے پاؤں میں نظر اپن بہت نمایاں ہو گیا تھا۔ وہ پاؤں دبا کر چلتا تھا اور چیز چیز نہیں چل سکتا تھا۔ اس نے نوکری پر جانا شروع کیا تو افسروں کا رویہ اب اس سے قدرے بدلا ہوا

تھا..... وہی افسر جو اسے گھر مانے گیا تھا۔ اب وہی اس سے ملنے تھا کیونکہ اب اس کی جگہ ایک اور شاطرائن مین بحال نے لے لی تھی۔ آفس میں ہر طرف بحال کا چرچا تھا۔ ہر طرف اس کی ہی باتیں تھیں۔ افسروں کی زبان پر اس کا نام ہوتا تھا۔ آفس میں زیادہ تر فون اس کے لیے ہی آتے تھے۔ وہ ہر ایک کی ”ضرورت“ تھا۔ اور کاشف اب کسی کی ”ضرورت“ نہیں تھا۔ ویسے بھی آفس میں اتنی زیادہ بددیانتی..... چور ہزاری اور رشوت کا دور دورہ ہو گیا تھا کہ کاشف کا سانس لینا محال ہو رہا تھا۔ وہ دہائی طود پر بہت پریشان ہو گیا تھا۔ اس نے استعفیٰ دینے کا فیصلہ کر لیا۔ آج کل کے زمانے میں نوکریاں کہاں ملتی ہیں..... اور گھر کا خرچہ..... ذیشان کے سکول کے اخراجات..... اور بڑھتی ہوئی مہنگائی..... سدرہ اس کی بات سن کر چونک گئی۔

”آپ نے جو بھی فیصلہ کیا ہے..... وہ سوچ سمجھ کر کیا ہوگا..... مگر اس کے آگے کیا سوچا ہے.....؟“ سدرہ نے پوچھا۔

”کچھ نہیں سوچا.....“ کاشف آہ بھر کر بولا تو سدرہ اس کی بات سن کر خاموش ہو گئی اور حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”میں اپنی قسمت کو آزمانا چاہتا ہوں۔ کہ جب انسان سب کچھ چھوڑ کر اپنے آپ کو حالات کی موجوں کے سنگ پہنچے دیتا ہے تو پھر کیا ہوتا ہے.....؟“ کاشف نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیا آپ قدرت کو آزمانا چاہتے ہیں..... کہ وہ اپنی ذات پر توکل کرنے والے لوگوں کو کیسے نوازتا ہے.....“ سدرہ نے پوچھا معلوم نہیں..... شاید.....“ کاشف نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے..... آزمانے میں کوئی حرج نہیں.....“ سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

☆

گڈو کی ماں سدرہ کے پاس آئی تھی۔ وہ منی کے لیے گڈو کا رشتہ لانی تھی۔ سدرہ کے لیے یہ قطعی غیر متوقع بات تھی۔ وہ ہمیشہ سے ان کے اچھے سمائے رہے تھے اور راشدی موت سے لے کر رشیدہ کی موت تک انہوں نے سدرہ اور منی کا بہت ساتھ دیا تھا۔ گڈو پہلے جیسا بھی تھا مگر اب وہ بہت بدل گیا تھا۔ کتنا بھی ٹھیک تھا اور گمر کی ذمہ داریوں کو بھی سنبھالتا تھا مگر وہ لوگ کون تھے۔ اور کہاں سے آئے تھے سدرہ کو کچھ خبر نہ تھی۔ وہ دس سال پہلے بہاولپور سے آکر آباد ہوئے تھے۔ اچھے لوگ تھے کبھی کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کیا تھا۔ شروع شروع میں راشدا اور گڈو کی لڑائی جھگڑے ہوتے تھے تو رشیدہ بھی ان کے ساتھ جا کر جھگڑتی تھی۔ مگر جب سے رشیدہ کی دہائی حالت خراب ہوئی تھی وہ اس کے کھانے پینے کا بہت خیال رکھتے تھے۔ سدرہ گڈو کی ماں کی بات سن کر چونک گئی۔

”ٹھیک ہے خالہ..... میں منی اور کاشف سے مشورہ کر کے تمہیں بتاؤں گی.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”اری سدرہ..... تیری منی مجھے بڑی پسند ہے..... اسی لیے تو آئی ہوں اور سن..... میں چاہتی ہوں کہ سلطانی کے آنے سے پہلے پہلے منی کی شادی ہو جائے تو بہتر ہے“ گڈو کی ماں نے کہا۔

”وہ کہاں گیا ہے.....؟“ سدرہ نے حیرت سے پوچھا جیسے اسے کچھ معلوم ہی نہ ہو۔

”لے..... تجھے یاد نہیں..... اری..... راشدا کو قتل کر کے بھاگ گیا تھا۔ کوئی کہتا ہے ملک سے باہر ہے۔ کوئی کہتا ہے۔ شہر سے باہر ہے اور اگر

آکھس نے پھر پھڑا کھڑا کر دیا تو پھر کیا کر دی؟ منی کی شادی ہوئی ہوگی تو پھر کیا کر سکے گا اور گند واسے خود ہی سنبھال لے گا..... بڑا جی والا ہے میرا بچہ....." گندو کی ماں نے کہا تو سدرہ چونک گئی۔ اس کے تو ہم دشمنان میں بھی نہیں تھا کہ سلطان کوئی پھڑا کھڑا کر سکتا ہے وہ تو یہی سمجھتی تھی کہ وہ پولیس کی حراست میں ہے..... اور وہ اسی پر مطمئن تھی۔ وہ پریشان ہو گئی اور اس نے کاشف سے اس کا ذکر کیا۔

"تم..... منی سے پوچھ لو..... ہم ہاں کہہ دیں اور لڑکی راضی نہ ہو تو ہمارا رشتہ پسند کرنے کا کیا لائحہ.....؟ زعمی اس نے گزارنی ہے وہ گندو کو اچھی طرح جانتی ہے..... اگر مان جاتی ہے تو اس سے بڑھ کر اچھی بات اور کیا ہوگی" کاشف نے واضح انداز میں بات کی۔ سدرہ نے منی سے پوچھا تو وہ بھی چونک گئی۔

"نہیں..... آپا..... گندو کے گھر کا ماحول ہمارے گھر سے بہت ملتا جلتا ہے ہر وقت بڑوں چھوٹوں میں لڑائی جھڑائی..... دن شروع ہوتے ہی جی جی..... بک بک..... اور گندو کا باتو بہت سخت حراج ہے۔ خالہ پر ابھی تک ہاتھ اٹھاتا ہے ٹھیک ہے گندو اب اچھا ہو گیا ہے..... بہت بدل گیا ہے مگر گھر کے ماحول کا بہت اثر ہوتا ہے..... میں گندو کے ساتھ شادی نہیں کروں گی" منی نے وہ ٹوک لہجے میں کہا۔

"اور اگر سلطان نے وہ آپس آ کر کوئی جھڑا کھڑا کیا تو؟"

سدرہ نے گھبرا کر کہا۔

زکیرا پا کبھی نہیں کہہ کیسے جھڑا کرے گا..... کونسا میرا اور اس کا نکاح ہوا ہے..... کوئی ثبوت نہیں اور پھر اس نے راشد کو قتل کیا ہے..... ہم اس پر مقدمہ کر سکتے ہیں۔ منی نے کہا تو سدرہ اس کی جانب حیرت سے دیکھنے لگی۔

"منی..... تو بہت بہادر ہو گئی ہے" بڑے احتیاط سے بات کر رہی ہے..... پہلے تو سلطان کے نام سے ہی ڈر جاتی تھی اور اب تو بڑے اطمینان سے باتیں کر رہی ہے..... تجھ میں بہت بڑی تبدیلی آگئی ہے۔"

سدرہ نے انتہائی حیرت سے کہا۔

"آپا..... ہمیں زندگی نے کیا سکھ دیا ہے.....؟ اس نے ہمیں بہت آزمایا ہے۔ مجھے تو کوئی ایسا ہل یا ٹھیس جس نے ہمیں خوشی دی ہو..... آپا..... ہم تو کبھی کل کرنے بھی نہیں..... مجبور یاں..... پریشانیاں..... دکھ..... پیاری..... غربت اور ذلت..... ساری زندگی یہی کچھ دیکھا ہے..... زندگی کے یہ سب رنگ انسان کو بہت کچھ سکھاتے ہیں..... اور میں نے بھی ان سے بہت کچھ سیکھا ہے تو ہی کہتی تھی؟..... کہ اولاد کی تربیت ماں کرتی ہے..... جس گھر میں ماں مضبوط اور طاقتور ہوگی..... اولاد ٹھیک رہے گی..... جہاں ماں کمزور ہوتی ہے وہاں اولاد اس کو مجبور و بے بس بنا دیتی ہے..... جیسے ہماری ماں تھی..... اور گندو کی ماں بھی کٹھ پتلی ہے اس کا شوہر اس کو جوتیلوں سے مارتا ہے۔ گالیاں بکتا ہے..... اور..... اب مجھ میں ہمت نہیں کہ وہ سب کچھ سہوں جو ہماری ماں نے سہا تھا۔ آپا تو گندو کی ماں کو انکار کر دے..... میں نے وہاں شادی نہیں کرنی..... اگر مناسب رشتہ ملے گا تو کر لوں گی..... ورنہ" منی کہہ کر خاموش ہو گئی اور سدرہ نے مسکرا کر اسے گلے سے لگا لیا۔

کاشف کو ملازمت سے استعفیٰ کے بعد جو فتنہ کی رقم ملی تھی۔ وہ بہت معمولی تھی۔ اس نے بہت سوچ بچھ کر ایک جزل اسٹور کھولا تھا۔

شروع میں دو ماہ تو اسٹور اچھا چلا مگر اس سے تھوڑے فاصلے پر ایک پمپاٹی اسٹور کھل گیا..... تو..... اس کے اسٹور پر دس کم ہو گیا۔ زیادہ تر لوگ وہاں جانا شروع ہو گئے۔ اس کی آمدن کم ہونا شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ بالکل ختم ہو گیا۔ جو پیسہ تھا وہ اس نے اسٹور میں لگا دیا تھا تک آ کر اس نے اونے پونے داموں بیچ دیا۔ نوکری کوئی ملتی نہیں تھی۔ تو کھجے میں کرنے والے دو نمبر کاموں نے اس کو ہمیشہ کے لیے مشکوک بنا دیا تھا۔ اس نے بار بار لوگوں سے اپنے بارے میں غلط قسم کی باتیں سنی تھیں اور..... اکثر اس سے بات کرتے ہوئے لوگ معنی خیز انداز میں کوئی نہ کوئی ایسی بات کرتے جواسے ماضی یاد دلا دیتیں تو وہ پریشان ہو جاتا۔ سب کو اس کا مشکوک ماضی یاد تھا مگر بے داغ اور محتاط حال کی کسی کو خبر نہ تھی۔

”یہ دنیا دو دھاری کنار کی طرح ہے اس پر چلنا بہت مشکل ہے یہ انسانوں کو اس کے گناہ بھونے نہیں دیتی اور گناہ رانسانوں کی توبہ قبول نہیں کرتی۔“ کاشف اکثر دل برداشتہ ہو کر سدرہ سے تذکرہ کرتا تو وہ اس کی بہت دلجوئی کرتی مگر کاروبار میں نقصان کے ساتھ ساتھ اس کا دل بھی بہت ٹوٹ گیا تھا۔ اس نے ایک دو اور چھوٹے موٹے کام کرنے کی کوشش کی مگر ہر تھوڑے عرصے بعد اسے ناکامی کا سامنا کرنا پڑتا..... پاؤں کی ننگڑا بہت بھی ٹھیک نہیں ہوتی تھی۔

سدرہ نے پرائیویٹ بنی۔ اے۔ بی۔ ایڈ کر لیا تھا اور ایک گورنمنٹ سکول میں ملازمت کرنے لگی تھی۔ اس کی تنخواہ اور پنشن سے گھر داری چلتی تھی مگر کاشف کو ہر وقت بہت پریشانی رہتی تھی کہ جب سے سدرہ اس کے گھر میں آئی تھی اس کی ذمہ داریوں اور پریشانیوں کا سامنا تھا۔ مگر وہ آف تک نہ کرتی تھی۔ کبھی کاشف سے شکوہ نہ کرتی۔ لیکن کاشف کو خود ہی یہ بات اندر ہی اندر پریشان رکھتی تھی۔

اس نے بجلی سے چلنے والی موٹروں، پنکھوں اور دوسری اشیاء کی مرمت کے کام کی چھوٹی سی دکان شروع کی تھی۔ کام بہت زیادہ تو نہیں مگر اتنا مل جاتا تھا کہ وہ سدرہ کے ساتھ گھر کے اخراجات میں حصہ ڈال لیتا تھا۔ اور یہ بات اس کے لیے باعث سکون ہوتی تھی۔ وہ صبح نو بجے دکان پر جاتا اور رات گئے واپس آتا۔ دکان شروع کیے ہوئے ابھی دو ماہ ہی گزرے تھے اور ایک شام وہ جلدی گھر لوٹ آیا۔ اس کی ناک سے خون بہہ رہا تھا۔ سدرہ اسے دیکھ کر گھبرا گئی کہ زخموں پر بھی خون کے دھبے تھے اور کاشف کا چہرہ بھی اترا ہوا تھا۔ وہ کاشف سے وجہ پوچھ رہی تھی۔ مگر وہ کچھ بتائی نہیں رہا تھا۔ بس اس کی آنکھوں میں انتہائی غمی اور اداسی سی تھی۔ بات کرتے کرتے اس کی آواز بھرا جاتی اور آنکھیں نم ہو جاتیں۔ وہ کپڑے بدل کر بیڈ پر لیٹ گیا..... وہ ساری رات نہ سو سکا اور کروٹیں بدلتا رہا۔ سدرہ بھی اس کے ساتھ جا گئی رہی۔ اس سے بار بار پوچھتی مگر اس کے بار بار پوچھنے پر وہ غصے میں آ جاتا اور سدرہ کو ڈانٹنے لگتا..... سدرہ خاموش ہو جاتی۔ ساری رات یونہی آنکھوں میں کٹی..... نہ کاشف سو پایا اور نہ ہی سدرہ۔

جگر کی آواز نہیں شروع ہو گئیں اور وہ آنکھیں بند کر کے بیڈ کے ساتھ ٹیک لگائے اذان سننے لگا۔ صبح علی الفلاح کی بجا رہا وہ سسکنے لگا اور آنسو شدت سے اس کی آنکھوں سے بہنے لگا۔ وہ ہچکیاں بھرنے لگا..... سدرہ اس کے سسکنے کی آواز سن کر چونک کر اٹھی۔

”کاشف..... کاشف..... کیا ہوا ہے.....؟ آپ کے آنسوؤں میں اتنی شدت۔ اور اتنی تڑپ کس لیے ہے.....؟ سدرہ نے بے قرار ہو کر پوچھا۔

”سدرہ..... غلام کارا سہ کتنا کٹھن اور دشوار ہے..... خاص طور پر ان کے لیے جو گمراہی کو چھوڑ کر غلام کے راستے پر قدم رکھتے ہیں.....“

کاشف کھینچے ہوئے بولا۔

”ہاں..... یہ پل صراط کی طرح ہے..... بہت مشکل..... مہر آزا اور کٹھن..... جس پر بہت حوصلے اور صبر سے چلنا پڑتا ہے۔ ایک غلط قدم سے ہلاکت گمراہی ہستی اور ضلالت انسان کا مقدر بن سکتی ہے..... مگر آپ کیوں اسے پریشان ہو رہے ہیں.....؟ کیا ہوا ہے؟ پہلے تو کبھی آپ اسے دل برداشتہ نہیں ہوئے“ سدرہ نے محبت سے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے کہا۔

”سدرہ..... انسان گناہ کرنے کے بعد جب اللہ سے سچے دل سے معافی مانگتا ہے اور توبہ کرتا ہے..... تو اللہ معافی کر دیتا ہے..... وہ بھول جاتا ہے..... مگر دوسرے انسان کیوں نہیں بھولتے۔ وہ بار بار کیوں انسان کو اس کا گناہ اور اس کی غلطیاں یاد دلاتے رہتے ہیں..... وہ کیا چاہتے ہیں کاشف پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

”انسانوں کا ظرف چھوٹا ہوتا ہے اور اللہ کا بہت بڑا..... وہ توبہ کے بعد انسان کو اپنی آغوش رحمت میں لے لیتا ہے اور انسان اسے مرتے دم تک دھتکارتے رہتے ہیں..... اس لیے اپنے معاملات کو خدا کے ساتھ ٹھیک رکھیں..... اس سے بڑھ کر نہ کوئی قدر دان ہے اور نہ ہی کوئی رحمت کرنے والا..... کیونکہ اس کو اپنے بنائے ہوئے بندوں سے جو عیار ہو سکتا ہے..... بندوں کو ایک دوسرے سے کیسے ہو سکتا ہے..... بات کیا ہوئی ہے؟ سدرہ نے پوچھا تب کاشف نے اسے ساری بات بتائی کہ اس کے آفس کا ایک پرانا ملازم اس کے پاس چوری کی کھلی کی خبر یہ پہنچے آیا اور اس نے خریدنے سے انکار کر دیا۔ کہ وہ چوری کی تاریخیں نہیں خریدے گا اور اسے بھی ایسا کرنے سے منع کیا اس شخص نے اس کو وہ دن یاد دلایا جب وہ خود چوری کرتا تھا۔ کاشف نے اسے بتایا کہ اب وہ توبہ کر چکا ہے اور سب کچھ چھوڑ چکا ہے تو وہ اس کی ایمان داری کا مذاق اڑانے لگا۔ اس پر مڑ کر نے لگا۔ کاشف سے یہ سب برداشت نہ ہو سکا اور دونوں میں لڑائی جھگڑا ہو گیا اور دونوں آپس میں جھگڑا ہوا گئے۔ اس نے مکا کاشف کی تاک پر مارا اور اس سے خون بہہ نکلا۔ وہ بھاگ گیا اور کاشف انفرادہ اور دل برداشتہ ہو کر گھر لوٹ آیا وہ وقتی طور پر اس قدر پریشان تھا کہ اس سے یہ سب کچھ برداشت نہیں ہو رہا تھا۔ وہ مسلسل رو رہا تھا۔ سدرہ بھی اس کی بات سن کر پریشان ہو گئی۔ اور اس کی بہت بندھ جانے لگی۔ مگر اس کا دل بری طرح لوٹ چکا تھا۔ سدرہ..... ایک گنہگار کا توبہ کرنا آسان ہوتا ہے مگر گنہگار کا اپنے گناہ کو گول کے گولوں سے کھرچنا بہت مشکل ہوتا ہے..... گنہگار انسان بعد میں کہیں جاتا ہے مگر اس کے جرم کی پرچھائیں اس سے پہلے پہنچ جاتی ہے..... یہ سب کچھ کتنا تکلیف دہ اور مشکل ہے“ کاشف نے انفرادہ سے کہا۔

”کاشف یہی تو آزمائش ہے۔ ایسے حالات میں اپنے دل کو مضبوط رکھنا کتنا کٹھن کام ہے..... اور دل کو مضبوط صرف ایک بات سے رکھا جاسکتا ہے اور وہ ہے اس کے دل میں پوشیدہ اس کا ”ایمان“..... خدا کی ہستی پر اطمینان..... اسی ذات پر کامل یقین..... انسان کا یہی ایمان..... نور بن کر اس کے مشکل راستے کی تاریکیوں کو دور کرتا ہے..... اس کو چلنے میں مدد دیتا ہے۔ گو کہ قدم اٹھانے اس سے مشکل ہوتے ہیں۔ چلنا دشوار ہوتا ہے..... مگر وہ ایمان کے سہارے چل رہا ہوتا ہے۔ اس لیے آپ دل برداشتہ نہ ہوں..... جب اس سے ”توبہ“ طلب کی ہے تو پھر ”عذ“ بھی اس سے مانگیں وہ ضرور مدد کرے گا“ سدرہ نے اس کو تسلی دیتے ہوئے کہا تو اس کا دل سدرہ کی باتوں سے قدرے مطمئن ہونے لگا۔

”کاشف..... انھیں اور نماز پڑھیں..... ”فلاح“ کا راستہ آپ کا سہارہ ہے..... یہ اللہ کی نیکار ہے۔ کہ بے کوئی فلاح کے راستے پر قدم

رکھنے والا..... ہے کوئی اس طرف آنے والا..... اور اس کو چاہنے والے..... جو..... اس سے محبت کرتے ہیں..... اس کی پکار پر لبیک کہتے ہیں۔
مسکرا کر

اَللّٰهُمَّ لِيْكَ۔ اَللّٰهُمَّ لِيْكَ

اے اللہ ہم حاضر ہیں..... اے اللہ ہم حاضر ہیں

”کاشف ہمیں بھی مسکرا کر اس کے دربار میں حاضر ہونا چاہیے“

سدرہ نے مسکراتے ہوئے اپنا ہاتھ کاشف کی طرف بڑھایا کاشف نے خم آنکھوں کو صاف کر کے مسکرا کر اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ میں دے دیا..... اور دونوں وضو کرنے کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے۔

☆

برین میسج کے بعد مومنہ کو رے میں تھی۔ ایک ماہ باہم مل میں ایڈمٹ رہنے کے بعد اسے مگر شفٹ کر دیا گیا تھا۔ وہ بروقت پیڑ پر ایک زندہ لاش کی طرح لیٹی رہتی تھی۔ اسے تو داد کی موت کی بھی خبر نہ ہوئی تھی۔ وہ تو آخری بار نہ انہیں مل سکی تھی۔ نہ دیکھ سکی تھی اور دونوں ایک دوسرے کو کچھ کہے سنے بغیر جدا ہو گئیں تھیں۔ مومنہ کو سنبھالنے والا کوئی نہیں تھا۔ ثروت بوا، خیرن بوا، نکاح دین بوا اور اپنے اہل خانہ کو لے کر راتوں رات کہیں غائب ہو گئی تھی۔ کسی کو کانوں کان خبر نہ تھی کہ وہ لوگ کہاں گئیں تھیں۔ اتنا بڑا مل جیسا گھر اس اور بریان ہو گیا تھا۔ یوں محسوس ہوتا تھا جیسے برسوں سے وہاں کوئی آباد ہی نہ ہو..... مومنہ اور بابا کو سنبھالنے والا کوئی نہ تھا سوائے زکیہ یا اور مریم کے..... مومنہ کی حالت دیکھ کر مریم اور زکیہ آپاہر وقت روتی رہتیں۔ زکیہ آپاہر وقت اس کے سر ہانے بیٹھ کر آیات قرآنی اور دُر کرتی رہتیں۔ دم پڑھ پڑھ کر اس پر پھونکتیں مگر وہ بے حس و حرکت پڑی رہتی مومنہ کی ایسی حالت دیکھ کر مریم کو شدید چپکا لگا تھا۔ وہ وحشی طور پر انتہائی مضطرب و منتشر ہو گئی تھی۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا۔ اس کی سوچ منتشر ہو گئی تھی..... اس کے آئیڈیلز ٹولے سے یا پھر وہ ٹیمس سے حیات کی دنیا میں آئی تھی اور حقیقی دنیا تھی تلخ تھی..... اور اس تلخی میں کتنا کرب تھا۔ اس سے برداشت نہ ہو رہا تھا۔ وہ..... جو..... مومنہ کی قسمت پر رشک کرتے نہ تھکتی تھی..... اور کبھی کبھی رشک کرتے ہوئے حسد بھی کرنے لگتی تھی۔ سوچتی تھی کہ مومنہ جیسی قسمت اس کی کیوں نہیں ہو سکتی۔ اگر مومنہ بلند اور اونچا غیب لے کر پیدا ہو سکتی ہے تو وہ بھی تو اس کی بہن ہے اسے وہ سب کچھ کیوں نہیں ملا جو مومنہ کو ملا ہے۔ خدا مومنہ پر مہربان ہو سکتا ہے تو اس پر کیوں نہیں.....؟ مومنہ کو بن مانگے..... اتنا کچھ مل سکتا ہے تو اس کو عاؤں کے باوجود بھی کیوں نہیں مل سکتا..... مومنہ اس کے لیے ایسی آئیڈیل تھی..... جس کے پاس ہر نعمت۔ ہر آسائش اور ہر شے تھی جس پر بلاشبہ دوسرے رشک بھی کر سکتے ہیں اور حسد بھی..... وہ مومنہ کی طرف حسرت بھری نظروں سے دیکھتی تھی اور شادی کے بعد وہ حسرت..... مایوسی اور اضطراب میں بدل گئی تھی..... رشک..... حسد میں بدل گیا تھا..... اور اب تو سب کچھ بدل گیا تھا۔ اس کی آئیڈیل..... مومنہ بے حس و حرکت۔ بے بس اور مایوسی کے عالم میں ایک زندہ لاش کی مانند پڑی تھی..... جو صرف سانس لے رہی تھی۔ جو سب کچھ دیکھ رہی تھی مگر کچھ کہہ نہیں پا رہی تھی۔ بول نہیں سکتی تھی۔ مریم کو اس کا ہاتھ پکڑ کر یہ نہیں کہہ سکتی تھی۔

”مکاب تمہیں مجھ پر یقین آیا..... کہ میری جنت کتنی آلودہ ہے“

سومنہ اندر ہی اندر کتنا کچھ سہہ رہی تھی مگر اس نے مریم کو ایک باز بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ اسے باتوں باتوں میں سمجھانے کی کوشش کی تھی۔ کبھی غصے سے..... کبھی نرمی سے اور کبھی پیار و محبت سے۔

”مریم تم بہت خوش نصیب ہو..... جسے معزز جیسا نیک پاکباز اور شریف شوہر ملا..... وہ عورتیں بہت خوش قسمت ہوتی ہیں..... جنہیں نیک شوہر ملے ہیں“ اور اس وقت مریم اس کی باتوں کا مطلب نہیں سمجھ پاتی تھی۔ اس کی باتوں کو قطعی اہمیت نہ دیتی تھی۔ اسے معزز کی نیک نامی..... اور شرافت ذہر لگتی تھی۔ وہ اس کی شرافت کو اس کی کمزوری گردانتی تھی..... اور..... اب اسے محسوس ہونے لگا تھا کہ سومنہ ایسا کیوں کہتی تھی..... سومنہ نے اس کو کس کس طرح سمجھانے کی کوشش نہیں کی تھی۔ مگر وہ سومنہ پر یقین ہی نہیں کرتی تھی..... اسے تو اپنی نامکمل خواہشات کا دکھانہ رہی اندر راتا پریشان رکھتا تھا۔ اتنا زیادہ تھا کہ اسے سومنہ کی باتیں محض بہلاوے لگتی تھیں..... وہ تو سومنہ کے بارے میں اس قدر مشکوک ہو گئی تھی کہ وہ یہ سوچنے لگی تھی کہ سومنہ ہرگز نہیں چاہتی کہ وہ بھی اس کے ہم پلہ ہو جائے..... کسی بات میں اس کی ہوسری کرے..... اور اب اس کو بخوبی اندازہ ہو رہا تھا کہ سومنہ اسے یہ سب کیوں کہتی تھی..... اس کی باتوں کے پیچھے کیا راز تھا..... کیا دوسرے اور اچھے شے تھے.....؟ کتنا دکھ اور رو چھپا ہوا تھا..... وہ نہیں چاہتی تھی کہ مریم جس شے کو سنا کچھ کرے بے تاب ہو رہی ہے..... وہی سونا ہمد میں اس کے گلے کا پھندا بن جائے گا..... اسے سومنہ کی کبھی ہوئی سب باتیں ایک ایک کر کے یاد آئیں تھیں..... اور وہ مضطرب ہو کر رونے لگی تھی۔ سومنہ آپنی خاموشی سے دکھ سہتی رہیں اور مجھے کبھی بتایا ہی نہیں..... وہ خود نیک شریف اور پاکباز عورت تھیں..... اس لیے مرد کے اندر بھی یہی منافع دیکھنا چاہتی تھیں..... مریم دنیاوی آسائشوں اور مال و دولت کی باتیں کرتی تھی اور وہ شرافت، نیک نامی اور پاکیزگی کی باتیں کرتی تھی۔ اسے اب سمجھ میں آرہا تھا..... کہ وہ ایسا کیوں کہتی تھی اور اب بھی وہ سب کچھ اپنی آنکھوں سے نہ دیکھتی تو شاید کبھی بھی یقین نہ کرتی۔

اس نے تو ”دادو“ کو بھی آئیڈیل بنا رکھا تھا..... دادو جی اعلیٰ خاندان کی پروقار..... عزت و عظمت والی عورت..... جس کی ہر ادا..... ہر بات..... ہر حرکت..... ہر عادت میں شاہانہ جھلک نمایاں تھی..... جن کے لباس زیورات رکھ رکھاؤ..... ہر شے میں وقار تھا..... جن کے خاندان کی عزت و عظمت کا زمانہ گواہ تھا۔ اس نے خود ان کو ثروت ہما کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے اور اپنے خاندانی وقار اور عزت کے لیے بیک مالگتے ہوئے دیکھا تھا۔ اس وقت دادو کتنی عام سی بے بس عورت بن گئیں تھیں۔ ان کے پاس دولت کے انبار تھے۔ ہر نعمت اور ہر آسائش تھی..... مگر وہ ایک لو کرانی کے آگے بیک مالگتے پر مجبور ہو گئیں تھی۔ وہ کتنی دکھی..... مضطرب اور بے قرار لگ رہی تھیں جب انہوں نے آخری بار آنکھیں بند کیں تو ان کے چہرے پر ایسی مایوسی، حسرت، کرب اور دکھ کے تاثرات تھے جنہوں نے مریم کے دل میں سائے ایک بہت بڑے آئیڈیل کو پاش پاش کر دیا تھا۔ اس نے نجانے ان کی ذات کے ساتھ کیا کیا منسوب کر دیا تھا..... وہ سب کچھ اس کی آنکھوں کے سامنے ریزہ ریزہ ہوا تھا۔ وہ ان کی عظمت اور شان و شوکت کو کتنا زوال سمجھتی تھی۔ اور سب کو اس کی آنکھوں کے سامنے زوال آیا تھا۔ دادو کی بے بسی کی حالت میں موت نے اسے اندر سے اتکا چھوڑ کر رکھ دیا تھا کہ اسے سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اس کے ساتھ کیا ہوا تھا.....؟

اور سب سے بڑھ کر اس نے جس شخص کو اپنا آئیڈیل بنا رکھا تھا۔ اور اس کی ہر خوبی کی وہ معترف تھی۔ اس کی خوبصورتی۔ اس کی ویل گروڈ پر سنائی۔ اس کے میوز۔ اس کی دولت۔ اس کی کوئی ایسی بات تھی۔ جس کی وہ معترف نہیں تھی۔ اور اس سے ذرا سی بھی کم خوبیوں کو وہ کسی طرح بھی قبول کرنے کو تیار نہیں تھی۔ اور نہ ہی اپنانے کو۔ اس کا آئیڈیل تھا۔ ایسا آئیڈیل۔ جس کا کوئی ثانی نہیں تھا۔ جس کے سامنے معیڑ ہر طرح سے اور ہر لحاظ سے کم تر تھا۔ معیڑ اس کے سامنے رہ جاتا ہوا کیڑا تھا۔ اس کا۔ بادشاہ تھا اور معیڑ اس کے سامنے ادب سے ہاتھ باندھے ایک اولیٰ لہام۔ اس کا آسمان پر چمکتا روشن ستارہ تھا اور معیڑ قدموں تلے روندنا جانے والا حقیر زرد خاک۔ معیڑ اس کی نظر میں کیسے جج سکتا تھا۔ معیڑ میں کیا تھا؟ کچھ بھی نہیں۔ صرف شرافت۔ پاکیزہ نفس۔ نیک نامی۔ جس کو وہ قطعی اہمیت نہیں دیتی تھی اور اب معیڑ کی انہی خوبیوں نے اس کو بری طرح مات دی تھی۔ انہوں نے اس کو چاروں شانے چت گرایا تھا اور اس کی ان خامیوں نے خاندان کے کتنے لوگوں کی زندگیوں کو آزمائش میں ڈال دیا تھا۔ وہ ان کے لئے وبال جان بن گیا تھا۔ دادو۔ اس کی وجہ سے مر گئیں۔ اور مومنہ اس کی وجہ سے زندہ لاش بن گئی تھی۔ خاندانی وقار اور عظمت کا شیرازہ بکھر گیا تھا۔ سب کچھ منتشر ہو گیا تھا۔

☆

وہ ہمیشہ اس کو دیکھ کر کھل اٹھتی تھی اس کے اندر کا آئیڈیل اس کو دیکھ کر چمکنے لگتا تھا۔ اس سے ملتا۔ اس کو دیکھتا۔ اور اس کے ساتھ گھومنا پھرنا اسے بہت اچھا لگتا تھا۔ اور اب اسے اس کی شکل سے ہی کراہت محسوس ہوتی تھی۔ وہ اس کے سامنے آتا تھا تو اس کا دل چاہتا تھا کہ وہ اس کے سامنے کبھی نہ آئے۔ وہ اس کے سامنے سے بھی دور بھاگنا چاہتی تھی۔ اس واقعے کے بعد قدرتی طور پر اس کے اندر ایسی تبدیلی آئی تھی کہ اسے اس سے نفرت ہی محسوس ہونے لگی تھی۔ ایک شرابی اور زانیہ شخص کی وہ کس طرح عزت کر سکتی تھی۔ اور اسے حیرت ہوئی کہ مومنہ نے کس قدر خاموشی اور صبر کے ساتھ اس شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کی کوشش کی تھی۔ اس کے بیویوں کی کسی کو کانوں کان خبر نہ ہونے دی تھی اور کہیں بھی اس کی خامیوں پر داویا نہیں کیا تھا۔ کبھی اس کی برائیوں کا تذکرہ تک نہیں کیا تھا جب تک کہ اس کا جسم بیکرین کر سب کے سامنے نہ گیا تھا۔ مومنہ تھی الیت میں اس کے ساتھ زندگی گزار رہی تھی۔ جسے وہ گلزار خوشیوں اور رنگ و بو سے معطر خوبصورت جنت سمجھتی تھی۔ وہ کہیں جہنم ثابت ہوئی تھی اسے قطعی انداز نہیں تھا۔

اگر مومنہ کی جگہ وہ ہوتی۔ تو کیا کرتی؟ وہ بار بار اپنے آپ سے پوچھتی۔ وہ کبھی بھی اس کے ساتھ کبیر و ما تزد کرتی۔ کبھی اس کے ساتھ نہرتی۔ ایک بدکردار شخص کے ساتھ زندگی گزارنے کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتی تھی۔ اس کا آئیڈیل تھا اور یہ آئیڈیل ٹوٹنے سے وہ بری طرح بکھر گئی تھی۔ اس آئیڈیل کا سامنا کرنے سے بھی گھبراتی تھی۔ اس کے وجود سے کراہت محسوس کر کے وہاں سے جلدی سے جلدی بھاگنے کی کوشش کرتی تھی۔

مومنہ کا گھر اس کا آئیڈیل تھا۔ خوبصورت۔ آسائشوں سے بھرپور نما گھر۔ دیہ و زب۔ آرائش و جواہر کا حسین احراج لے ہوئے۔ یہ گھر اس کے طفیل میں ایسا بنایا تھا کہ اس سے کمتر کوئی گھر اس کی نظروں میں چٹا نہیں تھا۔ اپنا گھر اسے کسی فقیر کی دنیا لگتا تھا۔ اس کی

بوسیدہ دیواریں..... پرانی چیمیں..... ٹوٹے فرش..... گھر ایسے ہوتے ہیں..... حسرت و یاسیت کے شکار..... جن کو کچھ گہری گمراہی کی غربت و افلاس آشکارا ہو جائے جو نہ اپنے مجرم رکھائیں اور نہ مسکینوں کی پردہ پوشی کر سکیں..... مومنہ کے گھر کی ایک ایک شے قیمتی اور نئیس تھی..... اور اس کے گھر کی ہر شے بہت سستی معمولی اور عام تھی۔ سسرال کا گھر اس کے یکنوں سمیت اس کی نظروں میں کھٹکتا تھا۔ اس کے در و دیوار کو کچھ کمراس کی آنکھوں میں آنسو بھر آتے تھے۔ مومنہ کا کل نما گھر اس کی آنکھوں کے سامنے محکم جاتا تھا۔ اس کے سینے میں بیسیں اٹھنے لگتی تھیں۔ اس کے دل کی جھین اور کرب میں اضافہ ہونے لگتا تھا اور اب اسے مومنہ کے گھر میں رہتے ہوئے دو ماہ ہونے کو آ رہے تھے۔ اس گھر سے ایسی وحشت، دیرانی، یاسیت اور روح کو ڈسنے والی خاموشی پہنچتی تھی۔ کہ اس کا دل گھبرا کر وہاں سے بھاگ جانے کو چاہتا تھا مگر مومنہ کی وجہ سے وہ مجبور تھی۔

خوبصورت گھر میں گھومتے ہوئے..... قیمتی اور نئیس چیزوں کو دیکھتے ہوئے اسے مومنہ کے الفاظ یاد آنے لگتے۔

”کبھی کبھار سب کچھ ہونے کے باوجود بھی انسان کے پاس کچھ نہیں ہوتا..... دولت چیزوں اور آسائشوں سے نڈل کا سکون خرید جا سکتا ہے اور نہ ہی خوشی..... میں سختی مضطرب رہتی ہوں..... تمہیں کیا معلوم.....؟“

مریم کی آنکھیں آنسوؤں سے مہرے لگتی۔

”میری زندگی کو آئیڈیل مت سمجھو.....“

عبیر کا موازا اسامہ سے مت کرو۔

اپنے چھوٹے اور پرانے گھر کو میرے محل کے آئینے میں مت دیکھو مریم ہر لحاظ سے تمہارا پلڑا بھاری ہے۔ تم خوش قسمت ہو۔ کہ تمہیں عبیر جیسا نیک اور شریف شوہر ملا ہے۔ اس کی اور اس کی محبت کی قدر کرو..... میں تمہیں بس اتنا ہی سمجھا سکتی ہوں۔

مومنہ کی ہر بات کی ثابت ہوئی تھی۔ اس کے سامنے آئیڈیلز، اس کی آنکھوں کے سامنے زمین بوس ہو گئے تھے۔ سب جلی ہوئی راکھ میں تبدیل ہو چکے تھے اور دورا کا ادھر ادھر منتشر ہوتی رہتی تھی..... اور اس منتشر راکھ میں وہ کچھ پانے کی کوشش کرتی مگر کچھ ہاتھ نہ آتا..... اس نے اپنے آئیڈیلز کا ایسا زوال دیکھا تھا کہ خود ہی بوکھلا گئی تھی..... وہ ہم آنکھوں اور آہوں کے ساتھ کبھی مومنہ کو دیکھتی..... کبھی اس کے محل نما گھر کو..... اور کبھی اس کے خوبصورت شوہر کو۔ اب کسی میں کوئی ایسی بات نہ تھی۔ جو اس کے لیے کشش کا باعث بنتی۔ جو اس کا دل بھاتی۔ جس کو پانے کی وہ تمنا کرتی اور جس کو نہ پا کر وہ مضطرب ہوتی۔

عبیر جب سے مومنہ سے بات کر کے آیا تھا۔ اس کے اندر ایک واضح تبدیلی آئی تھی۔ اس نے اس روز کے بعد مریم سے کوئی رابطہ نہیں کیا تھا اور اپنی ساری توجہ اپنی پڑھائی کی جانب لگائی تھی۔ ماں کے لیے اسے ایک درمیانی عمر کی ملازمت مل گئی تھی۔ جو دات گئے گھر چاتی تھی وہ اماں کا بہت خیال رکھتی تھی۔ ملازمہ قابل اعتبار تھی اور اس کے ایک دوست کی رشتہ دار تھی اس لیے عبیر بے فکر ہو گیا تھا اور اس نے آفس ٹائم کے بعد ایم بی اے کی کلاسز لیتا شروع کر دیں تھیں۔ اور وہ قدرے مطمئن بھی ہو گیا تھا کہ اس کے پاس ایک اچھی ڈگری بھی آجائے گی جو اس کی تنخواہ اور اسٹینڈنگ پڑھانے میں مددگار ثابت ہو سکتی ہے..... عبیر نے ایک دو ماہ سے مریم سے رابطہ کرنا بالکل چھوڑ رکھا تھا اور مریم کو اندر ہی اندر یہ بات بہت مضطرب رکھتی تھی۔

اور جب سے اسد کی وجہ سے مومنہ بیمار ہوئی تھی تب سے اسے معیز بہت یاد آنے لگا تھا۔ دو ہرملی..... ہر لمحہ..... ہر وقت..... ہر برہات میں اسد کا موازنہ معیز سے کرتی۔ اور اب اسے معیز اچھا لگنے لگا تھا۔ معیز کی سچائی..... اس کی صاف ستھری شخصیت و ذہنیت اور اس کی سوچ..... اس کی ٹیک نامی..... اس کی شرافت..... اس کی پاکبازی اس کا صبر و تحمل..... اور اس کا دھما حراج..... سب کچھ اسے اچھا لگنے لگا تھا۔ وہ معیز کو مس کرنے لگی تھی۔ مگر وہ خود اسے نہ تو فون کرتا چاہتی تھی اور نہ ہی کسی قسم کا پیغام بھیجنا چاہتی تھی..... اسے مومنہ کی بیماری کے بارے میں بھی کوئی خبر نہ تھی ورنہ وہ مومنہ کی عیادت کرنے ضرور آتا۔ ذکیہ آپا بھی مریم کے خائف ہونے کی وجہ سے معیز کا ذکر بھی نہ کرتیں۔ اور ویسے بھی مومنہ کے گھر میں وہ کوئی ایسا ذکر کرنے بھی نہیں چاہتی تھیں جسے بن کر مریم مشتعل ہو جاتی۔ اس لیے وہ خاموشی میں ہی عافیت سمجھتیں۔

☆

اسد کے اندر شدید احساس گناہ اسے ہر وقت انتہائی مضطرب رکھتا تھا۔ وہ ہر انسان نہیں تھا۔ اور اس نے کبھی بھی شاد کی طرف بری نگاہ سے نہیں دیکھا تھا۔ بلکہ اس کے بارے میں کبھی غلط سوچا بھی نہیں تھا۔ وہ تو گھر کے ملازمین کی بہت عزت کرتا تھا۔ بیشان کے ساتھ ادب و احترام سے پیش آتا تھا۔ پھر شاد و اچانک کہاں سے آگئی.....؟ کیسے اس کے کمرے میں آگئی.....؟ اور وہ اس کو دیکھ کر کیوں بہک گیا.....؟ اسے اپنے نفس پر قابو کیوں نہ رہا.....؟ اس کے اندر جنسی خواہشات اس قدر بڑھ گئیں کہ اس نے انہیں مٹانے کے لیے ایک ملازمہ کو اپنی ہوس کا نشانہ بنایا..... اتنا بڑا گناہ..... اس سے کیسے ہو گیا.....؟ اس لیے اس کو کیا ہو گیا تھا.....؟

”اسد مجھے ڈر لگتا ہے..... کہ شراب آپ جیسا مجھے انسان کی خوبیوں کو براؤ کر دے گی..... آپ جیسے باکر دار کو بدکردار بنادے گی“ مومنہ کے الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے۔

نہیں..... ایسا کبھی نہیں ہوگا..... میں آپ کو یقین دلاتا ہوں (اسد کے اپنے الفاظ کی بازگشت اسے مضطرب کرنے لگی۔
”اور اگر ایسا ہوا تو..... میں زندہ نہیں رہوں گی..... میں مرجاؤں گی“ مومنہ کے الفاظ پھر کہیں سے سنائی دیتے۔
”اور میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا“ وہ وعدہ کرتا.....

اسد رات گئے تک اپنے آفس میں بیٹھ کر اپنے گناہوں کو یاد کرتا۔ مومنہ کی باتوں کو..... کبھی اپنے سر کے بالوں کو نوچتا..... کبھی پھوٹ پھوٹ کر رونے لگتا..... کبھی دیوار کے ساتھ ٹک کر باتوں سے کچھ اور سر کو دیوار سے مارتا وہی کچھ ہوا تھا..... جو مومنہ کہتی تھی..... اور جن باتوں سے ڈرتی تھی..... اس نے وہی کر دکھا یا تھا۔ شاید مومنہ کو ہر شے پہلے ہی دکھائی دینے لگی تھی۔

اور جن باتوں کا دعویٰ وہ کرتا تھا..... جنہیں پر اعتماد لے کر بہت دھوکے سے کہتا تھا انہی میں وہ کفر و نکلا تھا جو وہ ثابت ہوا تھا..... وہ مومنہ کو موت کے دبانے تک لے آیا تھا۔ اور اب وہ ایک زندہ لاش بنی حسرت اور بے بسی سے اس کی جانب دیکھتی رہتی تھی اور اسد شدید احساس شرمندگی سے اس کی جانب ایک بار بھی نہیں دیکھتا تھا۔ نجانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ کہ اسد کو اس کی آنکھوں سے خوف آنے لگا تھا۔ خوبصورت ٹیک..... پادسا اور اس سے محبت کرنے والی بیوی کو اس نے اس حال تک پہنچا دیا تھا۔ اس نے جس گناہ کا ارتکاب کیا تھا اس گناہ نے مومنہ کو اس قدر توڑ کر رکھ

دیا تھا کہ اس کا دماغ سلامت نہیں رہا تھا۔ اور اس نے اس سے جو وعدے کیے تھے۔ جس بات کو وہ ہمیشہ ایک غیر اہم ایسا ٹکڑہ کرنا لیا تھا۔ وہ کہتے لوگوں کے لیے جان لیوا ثابت ہوا تھا۔

اس کی محبت اور چاہت..... بے حس و حرکت پڑی تھی..... اور..... دادو..... جو اس پر جان چڑھ چکی تھیں..... جن کی صبح اسے دیکھے بغیر طلوع نہیں ہوتی تھی اور جس کو پیار کیے بغیر سونا ان کے لیے ناممکن ہوتا تھا..... جن کی بر سانس سے اس کے لیے دعائیں نکلتی تھیں۔ جسے دیکھ کر فرط جذبات سے ان کی آنکھیں پر نم ہونے لگتی تھیں۔ جن کا دل اس کی محبت سے اتنا سرشار تھا کہ انہیں اس کے علاوہ کوئی دیکھائی ہی نہیں دیتا تھا۔ جن کی زندگی کا مقصد..... مرکز اور محور صرف اس کی "ذات" تھی..... جس کو محبت کرنا وہ سانس لینے کے مترادف سمجھتی تھیں..... جس کی خوشیاں..... مسکرائیں اور شرارتیں..... ان کی جان تھیں اور اس نے ہی ان کی "جان" لے لی..... اتنی محبت کرنے والی دادو، کواپنے آپ سے جدا کر دیا۔ ان کو سب کے سامنے شرمسار کر دیا۔ انہیں غلاموں کے سامنے "ذلیل و خوار" کر دیا..... ان کے خاندانی وقار..... ان کی عزت..... شان و شوکت سب کو داغدار کر دیا۔ دادو..... اس سے کیا رخصت ہوئیں تھیں۔ اس کا اندر خالی ہو گیا تھا..... وہ گھر..... جو اس نے بہت چاہت اور محبت سے دادو کے لیے خریدا تھا۔ وہی گھر اسے آسیب زدہ لگنے لگا تھا۔ جس میں دادو کا بھوت ہر وقت اس کی جانب خون آلود اور خشک بھری آنکھوں سے دیکھتا رہتا تھا۔ جیسے کہہ رہا ہو کہ اس کی موت کا ذمہ دار صرف وہی ہے..... اس نے گھر جانا چھوڑ دیا تھا جب جاتا تو دادو کے کمرے کی طرف دیکھتے ہوئے اسے ڈر لگنے لگتا۔ اندر ٹوٹ پھوٹ ہونے لگتی..... بجائے سخی کر چیاں ٹوٹ ٹوٹ کر بکھرنے لگتیں..... اسے یوں محسوس ہونے لگتا جیسے اس کا دل کسی کے ہاتھ میں آ گیا ہو..... اور اس کا دل چاہتا وہ اونچی آواز میں دھوازیں مار مار کر روئے..... اتنا روئے کہ اس گھر کے در و دیوار ابل جائیں..... مگر وہ کسی کے سامنے رو بھی نہیں سکتا تھا..... اٹھتے بیٹھتے..... لیٹے ہوئے..... اور نیم بھوشی میں دادو کے الفاظ اسے کچھ کے لگاتے۔

"بیٹا شراب منگل کو زائل کر دیتی ہے..... منگل پر پردے ڈال دیتی ہے۔ اور اچھے خالص انسان سے ایسے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں جو اسے معاشرے میں ذلیل و خوار کر دیتے ہیں یہ شریف النفس انسان کے اخلاق کو تباہ کر دیتی ہے انسان کی عزت اور وقار کو ایسا نقصان پہنچاتی ہے کہ ساری زندگی کی جدوجہد بھی اس وقار کو بحال نہیں کر سکتی۔ اسی لیے اللہ نے اسے حرام ٹھہرایا ہے اور اس کو حرام ٹھہرانے میں اس کی بہت مصلحتیں ہیں۔ اور سب سے بڑھ کر انسان اللہ کا نافرمان اور گنہگار بن جاتا ہے اور جو اس کے احکامات کی پروا نہیں کرتا۔ وہ اس پر اپنا غضب نازل کرتا ہے اور یہ غضب کبھی بیماری کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے اور کبھی ذلت و رسوائی کی صورت میں۔"

دادو کے الفاظ بھی سچ ثابت ہوئے تھے..... مومن کی بیماری کی صورت میں اور دادو کی موت کی صورت میں..... جو ذلت و رسوائی کے خوف کی وجہ سے واقع ہوئی تھی۔

وہ کیوں بہک گیا تھا۔ اس نے کسی کے بھی سمجھانے کا خیال نہیں کیا تھا۔ وہ "ڈرنک" کرنے کو ایک بہت معمولی بات سمجھتا تھا اور وہ بہت معمولی بات کتنا بڑا عذاب ثابت ہو رہی تھی۔ اس کا اندازہ اسے اب ہو رہا تھا۔ مومن اسے کتنا روکتی تھی۔ اور وہ ہر بار یہی کہتا تھا کہ اتنی معمولی سی بات کو ایسا شوم بتاؤ۔ اس سے آپ کی ذات کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا..... جب کوئی نقصان پہنچے گا..... تو میں خود اسے چھوڑ دوں گا۔"

اس کے ڈرنک کرنے سے واقعی سونہ کو ناقابل تصان پہنچا تھا۔ اس نے اس کی ذات کی نفی کی تھی۔ اس کی جگہ شاہ کو دی تھی۔ وہ اتنا بڑا نقصان کیسے برداشت کر سکتی تھی اس لیے بکھر گئی۔ ریڈورینہ ہو گئی۔

اسد نے گھر جانا چھوڑ دیا تھا۔ فون پر بات کر کے خیریت پوچھ لیتا۔ اسے گھر جانے سے ڈر لگتا تھا۔ وحشت سی ہوتی تھی۔ گھرا تا دیر ان اور ملعون زدہ لگتا تھا کہ اس کا دل وہاں سے بھاگنے کو چاہتا تھا۔

”یوں لگتا ہے..... اسد آپ کے ڈرنک کرنے سے گھر کی فضا بوجھل ہو رہی ہے“ سونہ کے الفاظ اس وقت اسے بہت برے لگے تھے مگر اب گھر میں داخل ہوتا تو واقعی اسے احساس ہوتا جیسے اس گھر پر کوئی غومت سی چھائی ہو۔ عجیب طرح کی دیرانی اور اداسی اسے پریشان کرنے لگی۔
 وہل کے ساتھ ملحقہ ویل فریڈ انگیسی میں رہنے لگا تھا۔ سونہ کا سامنا کرنے کی اس میں ہمت نہ تھی وہ جب بھی اپنے پیڈروم میں جاتا تو سونہ کی طرف چورنگ ہوں سے دیکھتا..... مگر اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے سونہ کی آنکھوں میں آن گشت شکوے اور سوالات ہوں۔ سونہ اس سے بہت کچھ پوچھنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان میں اتنی سکت ہی نہ ہو کہ وہ اس سے کچھ پوچھ سکے۔

وہ اپنی جگہ بہت شرمندہ تھا۔ ذکیہ اور مریم سے بات کرتے ہوئے بھی انھیں جھکا لیتا تھا ایک دوسری باتوں کے علاوہ کوئی اور بات نہ کرتا..... یا..... پھر اس کی ہمت جواب دینے لگتی وہ کنفیوز ہونے لگتا..... مریم کا رویہ بھی اس سے بہت بدل چکا تھا۔ وہ پہلے اس سے کلن کر باتیں کرتی تھی۔ ہنسی مذاق کرتی تھی۔ اب خود بخود دونوں میں ایک فاصلہ پیدا ہو گیا تھا۔ اسد کو یوں محسوس ہونے لگا تھا جیسے وہ اب اس سے بات کرنا پسند نہ کرتی ہو۔ اسد کا فون آتا تو وہ ذکیہ یا کونون پکڑا دیتی اور وہی اس سے بات کرتیں۔ ذکیہ آپا..... اسد سے بہت محبت سے پیش آتیں تھیں مگر اب ان کا رویہ بھی بدل گیا تھا وہ اسد سے صرف کوئی ضروری بات کرتیں ورنہ اسے دیکھ کر گہری اور ٹھنڈی آہ بھرتیں اور پھر خاموش ہو جاتیں۔ اس لیے گھر جانا اور اتنے بہت سے لوگوں کا سامنا کرنا بہت مشکل ہو گیا تھا۔ وہ ان کی آنکھوں اور ان آنکھوں سے جھٹکتے شکووں اور ان گشت سوالات سے ڈرتا تھا اس کا اندر بہت کمزور ہو گیا تھا۔ اس کا اعتماد اپنی ذات پر کم ہوتا جا رہا تھا۔ ہر وقت اس کے اندر سانپ کے طرح پھن پھیلا (guil) (گناہ) اسے اتنا مضطرب رکھتا کہ اس سے پچاس کے لیے بہت مشکل ہو گیا تھا۔ ہر وقت اٹھتے بیٹھتے..... سوتے جاگتے..... کسی سے باتیں کرتے ہوئے..... فون کرتے ہوئے..... ڈرائیونگ کرتے ہوئے..... اہم میٹنگز کرتے ہوئے اس کا ذہن اس گلٹ میں الجھنے لگتا..... مگر اسے کوئی مافرا نہیں مل رہی تھی اور اس گلٹ سے فرار پانے کی خاطر وہ ایک بٹھے کے لیے فرانس اور جرمنی گیا..... وہیں اپنے کسٹمرز کے ساتھ بہت معروف رہا بہت مینٹلز کہیں مگر وہاں بھی باتیں کرتے ہوئے وہ کہیں کھو جاتا..... اسے سونہ شدت سے یاد آئے لگتی۔ وہ سونہ کا گنہگار تھا اور اس سے دور رکھ رہا تھا..... اسے پہلے اتنا اعزاز نہیں تھا کہ وہ سونہ سے اس قدر شدید محبت کرتا ہے..... وہ جب ٹھیک تھی۔ اس کے ساتھ منتی بولتی تھی۔ اس کے ساتھ رہتی تھی۔ تب وہ اس کی محبت کو اور زاویے سے دیکھتا تھا دونوں کو ایک دوسرے کی ضرورت تھی۔ اس لیے وہ دونوں ایک دوسرے سے محبت کرنے پر بھی مجبور تھے..... اور اب وہ دونوں ایک دوسرے سے دور تھے..... سونہ کو اس کی ضرورت نہ رہی تھی۔ اور شاید اسے بھی اس کے مردہ وجود کی ضرورت نہ تھی مگر اب وہ اس کو پہلے سے زیادہ چاہنے لگا تھا۔ اسے سونہ کی ”شدید ضرورت“ محسوس ہونے لگی تھی اور ہر گزرتے دن کے ساتھ اس ضرورت کی طلب میں اضافہ

ہونے لگا تھا۔ اسے مومنہ کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی تھی.....؟ وہ اپنے آپ سے پوچھتا۔

شاید اس لیے کہ..... صرف مومنہ ہی اس کے اندر کے گھٹ کے اس سے دور کر سکتی تھی..... دنیا کا کوئی اور انسان یہ کام نہیں کر سکتا تھا وہ جس شدید احساس گناہ سے دوچار ہو رہا تھا اس بوجھ سے مومنہ ہی اسے آزاد کر سکتی تھی۔ اس لیے وہ مومنہ کی "ضرورت" بہت محسوس کرنے لگا تھا۔ وہ بزنس فور سے واپس آیا تو مومنہ کے کمرے میں گیا..... کمرے میں اتنی خاموشی اور دیرانی تھی کہ وہ گھبرا گیا۔ اس نے مومنہ کی طرف دیکھا وہ بھی اس کی طرف پتھرائی ہوئی آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

"مومنہ کیسی ہیں آپ.....؟" اس نے بہت بہت کر کے اس کے پاس بیٹھ کر اس کے نیم مردہ ہاتھ کو اپنے ہاتھوں میں پکڑتے ہوئے کہا مگر ہاتھ ایسا بے جان تھا جیسے وہ کسی لاش کا تھا۔ مومنہ کو اس کا ہاتھ پکڑنا اچھا نہ لگا وہ ہاتھ چھڑا تو نہ سکتی تھی مگر اس کی آنکھوں میں بدلے تاثرات اور پھر ان سے لگتا کہ ٹھیکے میں جذب ہونے والے آنسو..... اس کے اندر کرب کو بیان کر رہے تھے۔

"آئی ایم سوری....." اس نے اس کے ہاتھ کو اپنے لبوں کے ساتھ لگا کر دیتے ہوئے کہا۔

مومنہ نے کوئی حرکت نہ کی۔ کوئی تاثر نہ دیا۔ جیسے اس کی ہر بار سوری کرنے کی عادت سے وہ اچھی طرح واقف ہو..... اور اس کے سوری کرنے اور نہ کرنے سے اسے کوئی فرق نہ پڑتا ہو۔

اسد رونے لگا..... بہت شدت سے..... اس کا ہاتھ پکڑ کر معافیاں مانگنے لگا مگر مومنہ نے اس کی جانب ایک بار بھی نہ دیکھا وہ ٹھنکی باغیچے چھت کو گھوڑی تھی اور آنسو اس کی آنکھوں سے مسلسل بہہ رہے تھے اور اس کے نیچے کو گھوڑی رہے تھے۔

"مومنہ..... پلیز ایک بار میری طرف دیکھو..... پلیز ایک بار"

اسد نے روتے ہوئے کہا مگر مومنہ کی نظروں کا زاویہ نہ بدلا۔

"آئی لوپ مومنہ....." اسد نے فرط جذبات سے کہا۔ ایک دم آنسو انتہائی شدت سے اس کی آنکھوں سے بہہ لگے۔

اسد کو یوں محسوس ہوا جیسے مومنہ کو اس کے "اقرار مجب" سے شدید دکھ ہوا ہو..... وہ اس سے یہ بات نہ سننا چاہتی ہو۔

"پلیز..... ایک بار..... مجھے معاف کر دو....." اسد نے پھر کہا مگر مومنہ نے اس کی جانب ایک بار بھی نہ دیکھا۔

وہ اتنی ہی دیر اس کے پاس بیٹھا۔ سسکتا رہا۔ اس سے معافیاں مانگتا رہا مگر مومنہ نے ایک بار بھی اس کی جانب دیکھا تو گوارا نہ کیا۔ اس کے اندر جس بڑھنے لگا۔

گھٹ کا احساس اور بڑھنے لگا۔ زکیہ آپا.....! چائیک باپا کو کمرے میں لائیں تو اسد کو صوفے کی پشت کے ساتھ ٹک لگائے اور آنکھیں موندے ہوئے دیکھ کر چنگیں..... انہوں نے باپا کو اسد کے پاس بٹھایا اور خاموشی سے کمرے سے باہر نکل گئیں اسد نے آنکھیں کھول کر باپا کی جانب دیکھا اور اسے گود میں اٹھالیا۔

"اسد..... اب باپا کی وجہ سے ہی ڈرنک کرنا چھوڑ دیں..... ہمارے معاشرے میں جن بچیوں کے باپ ڈرنک کرتے ہیں ان کو اچھی نگاہ

سے نہیں دیکھا جاتا اور ان کو رشتوں میں بہت مسئلے آتے ہیں۔ مومنہ کے الفاظ اس کے کالوں میں گونجنے لگیں۔ اسد نے بابا کی طرف دیکھا..... بابا اس کی طرف دیکھ کر مسکرائی اور تالیماں بجانے لگی۔ اسد کا دل کٹنے لگا اس نے گہری سانس لی اور کمرے سے باہر نکل گیا۔ بابا بلند آواز میں رونا شروع ہو گئی۔ اسد کو کمرے سے باہر جاتے دیکھ کر ذکیہ آپا فوراً مومنہ کے کمرے میں گئیں اور بابا کو سنبھالا۔ مومنہ کی برقی آنکھوں کی جانب بے بسی سے دیکھا اور اس کی پیشانی پر دم کر خود بھی رونا شروع ہو گئیں۔

اسد شدید ذہنی اذیت کا شکار ہو گیا تھا۔ مومنہ کی بے بسی داد کی موت اور بابا کی محبت..... اسے مجبور کر رہی تھیں کہ وہ ڈریک چھوڑ دے۔ مگر وہ جس شدید ذہنی اذیت سے دوچار تھا اس میں ڈریک ہی اس کا غم دور کر رہی تھی ورنہ وہ کب کا پاگل ہو چکا ہوتا..... وہ آفس میں جاتا..... تھوڑی دیر بعد ہی بے زار ہوتا شروع ہو جاتا اور سب کچھ چھوڑ کر انیکسی میں چلا جاتا..... ڈریک کر کے سویا رہتا۔ جب بیڈار ہوتا تو نیم مہ پوشی کے عالم میں مومنہ اور دادو کے چہرے اس کی آنکھوں کے سامنے گھومنے لگتے..... تو وہ پھر افسردہ ہو جاتا..... اور ہلکے ہلکے رونے لگتا..... اپنے سر کے بال نوچتا..... واٹن گلار کو اٹھا اٹھا کر فرش پر پھینکتا۔

”کبھی نہیں بیوں گا..... تم نے مجھ سے میرا سب کچھ چھینا ہے میری مومنہ..... اور دادو..... دادو..... آپ کہاں چلی گئی ہیں..... آئی لو یو..... دادو..... پلیز واپس آ جائیں..... میں پھر اسے ہاتھ نہیں لگاؤں گا.....“ وہ بڑبڑاتا..... روتا..... چلاتا اور جب بڑے حال ہو کر صوفے پر گر جاتا تو پھر اپنے سر کو دونوں ہاتھوں سے تھام کر بیٹھ جاتا..... کبھی آنکھیں کھولتے..... کبھی بند کرتا۔

”صرف ایک بار..... آخری بار..... اس کے بعد کبھی نہیں بیوں گا“ وہ بڑبڑاتا اور پیگ بنا کر پینے لگتا۔

وہ بیڈ پر بے ترتیبی کے عالم میں اوندھے منہ لیٹا تھا جب جواوا احمد اس کی انیکسی میں داخل ہوئے۔ دروازے پر ہلکی سی دستک دے کر وہ اندر داخل ہو گئے۔ اسد نیم مہ پوشی کے عالم میں تھا۔ واٹن گلار سا بیڈ نیل پر پڑا تھا۔ اس کے چہرے پر تھکاوٹ کے آثار نمایاں تھے اور آنکھیں بہت اُداس ہو رہی تھیں۔ شیو قدرے بڑھی ہوئی تھی۔ جواوا احمد اس کو دیکھ کر حیران رہ گئے وہ ہمیشہ صاف ستھری شخصیت کا مالک رہا تھا۔ خاصیت اور شانسی اس کی جائداد..... خوبصورت اور پرکشش شخصیت کا خاصہ ہی تھیں اور اب وہ انتہائی شکست اور کھراکھرا لگ رہا تھا۔ سوئی سوئی آنکھیں..... اس اور پریشان دل کی نماز تھیں۔

”اسد صاحب..... یہ..... آپ کو کیا ہوا ہے؟ جواوا احمد اس کے قریب صوفے پر بیٹھ کر بولے۔

”آئی ایم فائن“ وہ قدرے بھاری آواز میں بولا۔

”آہ یو۔ ریلی فائن.....؟“ جواوا احمد نے حیرت سے پوچھا۔

”لیس مائی ایم.....“ اسد نے اپنے بالوں کو دونوں ہاتھوں سے ٹھیک کرتے ہوئے اور اپنے آپ کو قدرے سٹائل کرتے ہوئے کہا مگر اس کی زبان..... اس کے لہجے کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”ہاؤ..... آر..... یو..... اور انگلین..... کیسی ہے؟ اسد نے ان کی توجہ ہٹانے کے لیے کہا۔

”کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تین.....؟ جواد احمد کہتے ہوئے رُکے۔

”ہاں ان دنوں..... آپ یہاں نہیں تھے۔ آپ کو کیسے معلوم ہوتا؟“ جواد احمد خود ہی بڑبڑائے۔

”کیا مطلب..... کیا ہوا تین کو.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”تین اب اس دنیا میں نہیں ہے.....“ جواد احمد نے آدھ بھر کر کہا۔

”وہاٹ.....؟ وہاٹ.....؟ اسد نے انتہائی حیرت سے اپنی سیٹ پر سے قدرے اٹھتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... تین ماہ پہلے اس کی ڈیجھ ہو گئی ہے“ جواد احمد نے غم آنکھوں سے جواب دیا۔

”ڈیجھ..... سڈن ڈیجھ (اچانک موت) اسد نے چونک کر پوچھا۔

”جی نہیں..... لیور کینسر سے.....“ جواد احمد نے جواب دیا۔

”لیور کینسر..... او..... نو..... اوہ..... مائی گاڈ“ اسد کو بہت شاک لگا تھا۔

”ہاں..... بہت زیادہ ڈرنک کرنے سے اس کو“ لیور کینسر“ ہو گیا“ جواد احمد نے معنی خیز انداز میں سائیڈ بیکل پر رکھے وائن گلاس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”ڈرنک کرنے سے“ اسد بے شکل ہوا۔

”ہاں..... ڈرنک نے وینک کی طرح اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کر دیا۔ اور ہمیں تب خبر ہوئی جب ہم کچھ نہیں کر سکتے تھے۔ اس کا کوئی ٹریسٹ نہیں کر سکتے تھے..... اس کا طلاق کسی ڈاکٹر کے پاس نہیں تھا۔ وہ بہت اذیت میں تھی..... بہت تڑپتی تھی..... اور..... دھوتی تھی۔ مگر ہم اس کے لیے کچھ نہیں کر پائے تھے..... کچھ بھی نہیں جواد احمد نے صحت کی طرف دیکھ اور سسکتے لگے۔ پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے۔

”آئی ایم ریلکی سو رہی.....“ اسد نے نرمی سے ان کا کندھا تھپتھپایا تو انہوں نے اپنی پیٹ کی جیب میں سے دو مال نکال کر اپنی آنکھیں رگڑنی شروع کر دیں۔

”اوہ گاڈ..... اتنا کچھ ہو گیا..... اور مجھے خبر بھی نہ ہوئی“ اسد نے افسردگی سے کہا۔

”میں نے آپ کو بہت دفعہ کال کی۔ مگر آپ بھی فون اٹھائے نہیں تھے خیریت تو تھی۔ مزا اسد ٹھیک ہیں نا؟“ جواد احمد نے پوچھا۔

”ہاں..... ہاں..... سب ٹھیک ہے“ وہ جلدی سے بولا اور پھر ایک دم خاموش ہو گیا۔

”کیا بات ہے..... اسد..... آپ مجھے بہت آپ سیٹ لگ رہے ہیں.....؟ جواد احمد نے اس کی جانب بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

”جھمک..... جھمک..... اوشل..... جھمک..... ایٹ آل“ وہ بڑبڑائے نکا اور اس کی آنکھیں غم ہونے لگیں۔

”اسد..... یو..... آر..... ناٹ فائن.....“ جواد احمد نے اس کی آنکھوں میں بغور جھانکتے ہوئے کہا۔

"مومن کو اچانک برہین نہ بھرن ہو گیا اور وہ کوسے میں ہے" اسد جلدی سے بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اودہ..... نو....." جواد احمد قدرے چلاتے ہوئے بولے۔

"نہیں..... شی..... از سرنگ ٹوچ" اسد اچانک سسکنے لگا۔

"پلیز..... ریلیکس..... فیک اسٹ ایزی..... لیکن یہ کیسا چانک ہو گیا؟ جواد احمد نے حیرت سے پوچھا۔

"ہاں..... اچانک ہی ہو گیا..... بہت اچانک..... بالکل اچانک اور چہ بھی نہیں چاہا" اسد بچوں کی طرح پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

"پلیز..... اسد..... ہمت نہ ہاریں۔ حوصلہ کریں۔ سب ٹھیک ہو جائے گا۔" جواد احمد نے اس کے کندھے پر ہتھی دیتے ہوئے کہا۔ کیسے

ٹھیک ہوگا.....؟ کبھی ٹھیک نہیں ہوگا..... جب تک کہ میں..... اسد کچھ کہتے کہتے رکا..... اور..... واٹن گلاس کی جانب ڈانستہ دیکھنے لگا۔

"آئی..... سی..... کیا سزا اسد نے اس بات کا اثر لیا ہے..... شی از دیری بچ رہا ہے جس..... اور مذہبی لوگ اسے حرام سمجھتے ہیں..... یقیناً

وہ بھی اس وجہ سے ڈسٹرب ہوں گی۔ آپ ڈرنک کرنا چھوڑ کیوں نہیں دیتے۔ میں نے تو نگین کی ذمہ داری کے بعد چھوڑ دی ہے" جواد احمد نے کہا۔

"آئی تھنک ٹو..... ہٹ.....؟" اسد بے بسی سے بولا۔

"جواد احمد کچھ سوچنے لگے اور اسد کی جانب دیکھنے لگے۔"

"انہیں..... میرے ساتھ چلیں" جواد احمد نے اٹھتے ہوئے اس کو کہا۔

"کہاں.....؟" اسد نے انتہائی حیرت سے پوچھا۔

"آپ چلیں..... اور..... پلیز مجھ سے کوئی سوال نہ کریں....." جواد احمد نے قدرے پرامید لہجے میں کہا تو اسد حیران رہ گیا۔

"اوکے....." وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا اور اپنا کوٹ پہن کر ان کے ساتھ باہر چلا گیا۔

جواد احمد اسے ڈاکٹر نگین کے پاس لے کر گئے..... ڈاکٹر نگین جواد احمد سے بہت تپاک سے ملے۔ اور اسد سے بھی محبت سے ہاتھ ملایا۔

"ڈاکٹر نگین..... مائی فرینڈ نینڈ زیور ہیلپ (میرے دوست کو آپ کی مدد کی ضرورت ہے) جواد احمد نے اسد کی جانب دیکھتے ہوئے

کہا۔ اسد قدرے کٹھنڈ ہونے لگا تھا۔ اور ہچکچاہٹ سی محسوس کرنے لگا تھا۔

"اودہ شیور..... سی از مائی فرینڈ ٹو (یہ میرے بھی دوست ہیں) ڈاکٹر نگین نے مسکرا کر اسد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا تو اسد نے چمک کر

ان کی جانب دیکھا۔

"ڈاکٹر نگین..... سی از ڈسٹربڈ..... پلیز ان کی پرائیلم شیئر کریں اور اس پوچھن سے نکلنے میں ان کی مدد کریں۔ آئی ایم ہٹ بڑی (میں)

تھوڑا سا معصروف ہوں) جواد احمد جان بوجھ کر وہاں سے اٹھ کر چلے گئے تاکہ اسد..... ڈاکٹر نگین سے کھل کر اپنا مسئلہ بیان کر سکیں۔

"ڈونٹ یو ری (آپ لکڑ نہیں کریں) ڈاکٹر نگین نے بڑا اصرار لہجے میں مسکرا کر کہا اور انہیں دروازے تک رخصت کیا۔

"اوکے..... مسٹر اسد..... پلیز اپنے آپ کو ریلیکس کریں..... اور یہ یقین رکھیں کہ اس کمرے میں سے آپ کی کوئی بات باہر نہیں جائے

کی..... ٹرسٹی..... آئی ایم یو فرینڈ..... اور ایک دوست کو دوسرے پر ٹرسٹ کرنا چاہیے "ڈاکٹر تھلین نے قدرے ملامت سے کہا تو اسد نے ان کی جانب بغور دیکھا اور چہرے پر ہاتھ پھیرا..... اس کی آنکھوں میں یقینی اور بے یقینی کے تاثرات نمایاں تھے۔

"پلیز..... مسٹر اسد..... مجھے بتائیے..... کیا پراہلم ہے.....؟ اور آپ کی پراہلم سننے کے بعد میں فیصلہ کر پاؤں گا کہ میں کس حد تک آپ کی مدد کر سکتا ہوں" ڈاکٹر تھلین نے اسے محبت سے کہا۔ اسد نے بغور ان کی جانب دیکھا اور پھر اسے ساری بات بتانا شروع کی۔ اپنی اور مومنہ کی باتیں۔ ثناء سے ہونے والا واقعہ۔ دادو کی موت..... مومنہ کی بیماری اور اس کا شدید دہنی اذیت میں مبتلا ہونا۔ ڈرنک کو برا سمجھنے کے باوجود نہ چھوڑ پانا..... "ڈاکٹر تھلین نے اس کی ایک ایک بات کو انتہائی توجہ سے سنا.....

اسد بات سنا کر سسکتے لگا۔

"پلیز..... اسٹاپ ویچنگ..... یو آر۔ ناٹ مائی پیوینٹ۔ ریٹ مائی فرینڈ (مت روئیں آپ میرے مریض نہیں بلکہ دوست ہیں) آپ کو صرف چند سیٹھن کی ضرورت ہے اور آپ اتنے کونفیڈنٹ ہو جائیں گے کہ آپ خود ڈرنک کرنا چھوڑ دیں گے" ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کاش ایسا ممکن ہو....." اسد مایوسی سے بولا۔

"انشاء اللہ ایسا ہی ہوگا۔ آئی ایم ہوپ فل اباؤٹ یو (میں آپ کے بارے میں بہت پر امید ہوں) ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔ "کیا آپ کے پاس میری طرح کے اور بھی چٹنٹس (مریض) آئے اور ٹھیک ہو گئے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔ "ہاں..... بہت سے" ڈاکٹر تھلین نے مسکرا کر جواب دیا۔ اسد نے بے یقینی سے ان کی جانب دیکھا۔

"ٹی روم چٹنٹس..... پہلے چائے پیتے ہیں اور اس کے بعد میں آپ کا سائیکو ایلسز کروں گا" ڈاکٹر تھلین نے قدرے دوستانہ انداز میں کہا تو اسد حیرت سے انہیں پوچھنے لگا جیسے انہوں نے کوئی انتہائی حیرانگی کی بات کہی ہو..... وہ خاموشی سے ان کے ساتھ چائے پینے ٹی روم میں چلا گیا۔ وہاں ڈاکٹر برلاس کے علاوہ اور بہت سے ڈاکٹر موجود تھے۔ ڈاکٹر تھلین نے ان سب سے اس کا تعارف ایک دوست کی حیثیت سے کرایا۔ سب لوگ اس سے بہت محبت اور تپاک سے ملے۔ انتہائی خوشگوار ماحول میں چائے پینے کے بعد ڈاکٹر تھلین اسد کو اپنے کمرے میں لے کر گئے تو وہ اپنے آپ کو پہلے سے قدرے بہتر محسوس کرنے لگا۔ وہ پہلے عجیب طرح کی بے یقینی اور اضطراب محسوس کر رہا تھا اور اب قدرے مطمئن تھا۔

"ہاں..... تو مسٹر اسد..... ڈرنک چھوڑنے کے لیے اپنے آپ کا اسٹریٹجک بنانا ہے..... اسے آپ چاہیں تو اسٹریٹجک دل پاؤر (منضبط قوت ارادی) اسٹریٹجک ڈیزائنیشن (منضبط عزم) کا نام دے سکتے ہیں..... مگر میں ان سے پہلے آپ کو سیلف اسٹڈی (خود بینی) کے لیے کہوں گا۔ جب تک آپ سیلف اسٹڈی نہیں کریں گے..... آپ میں دل پاؤر پیدا نہیں ہوگی..... اور یہ سیلف اسٹڈی آپ کو آج سے ہی کرنی ہے" ڈاکٹر تھلین نے کہا۔

سیلف اسٹڈی..... کیسے.....؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

"آپ کو اپنے آپ سے چند سوالات پوچھنے ہیں۔ کہ۔

1- کیا ڈرنک آپ اپنے لیے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

2- کیا فیملی کی خاطر چھوڑنا چاہتے ہیں؟

3- کیا سوسائٹی کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

4- خدا کے خوف سے اس کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

ان چار سوالات پر آپ کو غور کرنا ہے..... چلیے میں آپ کی اس میں کچھ مدد کرتا ہوں۔ پہلا سوال..... کیا آپ اپنے لیے ڈرنک چھوڑنا چاہتے ہیں..... تو اس کا جواب نفی میں ہوگا..... کیونکہ آپ نے کئی بار اسے چھوڑنے کا فیصلہ کیا مگر خود ہی اس پر قائم نہ رہے..... آپ کو اچھی طرح معلوم بھی ہے کہ یہ صحت کے لیے بہتر نہیں۔ پھر اس نے آپ کی عزت کو کتنا نقصان پہنچایا ہے مگر پھر بھی آپ میں مضبوط قوت ارادی نہیں پیدا ہو رہی کہ آپ اسے چھوڑ دیں..... اس لیے اس کا جواب نیکو ہوگا۔

دوسرا سوال..... کیا فیملی کی خاطر چھوڑنا چاہتے ہیں.....؟

اس کا جواب بھی نفی میں ہے..... کیونکہ آپ کو آپ کی سز نے اور گریڈ مرنے روکنا چاہا مگر آپ باز نہیں آئے یہاں تک کہ سزیاں ہو گئیں اور گریڈ مرنے کی ڈھچک ہو گئی۔ اس کا مطلب ہے آپ فیملی کی خاطر بھی اسے نہیں چھوڑ سکتے۔

یہ سوال: کیا سوسائٹی کے ڈر سے چھوڑنا چاہتے ہیں؟ اور اس کا جواب بھی نیکو ہے۔ کیونکہ ڈرنک کی وجہ سے آپ کی فیملی کی رہنمائی بہت damage ہوئی ہے مگر آپ اس واقعے کے بعد بھی اس کو نہیں چھوڑ پائے تو اس کا مطلب ہے سوسائٹی بھی آپ کے لیے اہمیت نہیں رکھتی۔

اب چوتھا سوال بہت اہم ہے..... اور وہ سوال آپ کو ایسے کٹھنوں میں لاکھڑا کرتا ہے جہاں سے فرار کا کوئی راستہ نہیں اور وہ ہے کیا خدا کے خوف اور ڈر سے آپ اسے چھوڑنا چاہتے ہیں؟

”اس سوال کا جواب آپ کی زبان میں ہے اور نہ ہی نہ میں“

کیونکہ اگر آپ کو خدا کا ڈر ہوتا تو آپ اس کی حدود کی خلاف ورزی کبھی نہ کرتے۔ اس کی حرام کردہ چیز کو کبھی ہاتھ نہ لگاتے..... لیکن آپ نے اس کو بار بار ہاتھ لگایا۔ اس کو بیا۔ اس سے سرور و مستی حاصل کی۔ اس کو انجوائے کیا اور اس کے نتائج بھی دیکھ لیے۔

”مسٹر اسد..... آپ کا خدا سے تعلق کیسا ہے؟ ڈاکٹر فہمین نے اچانک پوچھا تو وہ ہڑبڑا گیا۔

”کیا مطلب.....؟ اسد نے اچھائی حیرت سے پوچھا۔

”آئی مین..... آپ خدا کے بارے میں کیا محسوس کرتے ہیں..... کیا اس کو سوچ کر اچھے اور خوشگوار تاثرات آپ کے ذہن میں آتے

ہیں.....؟ ڈاکٹر فہمین نے اچانک پوچھا تو اسد حیرت سے ان کی جانب دیکھنے لگا اسے ان کا یہ سوال قدرے عجیب لگا۔

”کیا مطلب.....؟ اسد نے چونک کر پوچھا۔

”کیا آپ نے کبھی خدا کے بارے میں سوچا ہے.....؟ اور اگر سوچا ہے تو کیا تاثر آپ کے ذہن میں اس کے بارے میں آتا ہے۔ آئی

مین فریڈی..... (دوستانہ) محبت بھرا..... عام..... کوئی خاص نہیں..... یا کوئی بہت خوفناک..... نسبت اور ڈر والا۔ ”ڈاکٹر تھکنین نے پوچھا تو اسد سوچ میں پڑ گیا۔

”کچھ خاص نہیں“ دو قدرے توقف کے بعد بولا۔

”راعت..... نو..... پراہم..... یہ بتائیے کیا..... خدا کے بارے میں سوچنا آپ کو اچھا لگتا ہے؟ ڈاکٹر تھکنین نے پھر سوال کیا۔

”بھئی اس کے بارے میں اتنا سوچا ہی نہیں۔ اس لیے میں کیا بتا سکتا ہوں اسد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”آپ بتا رہے تھے کہ آپ کا گھرانہ بہت روایتی اور مذہبی تھا..... آپ کی گریڈز بہت مذہبی خاتون تھیں..... پھر آپ نے ایک مذہبی

باپ و عورت سے شادی بھی کی۔ آپ اپنی کلاس کی لڑکی سے بھی تو شادی کر سکتے تھے۔ پھر یہ سب کیوں کیا؟ کیا دادو کا مذہبی ہونا آپ پر کوئی اثر نہ کر سکا؟ ڈاکٹر تھکنین نے تجسس انداز میں پوچھا۔

”میری وائف میری دادو کی چوائس تھیں اور مجھ ان کے باپ دو ہونے سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا..... آئی ایم اے لبرل مین (میں آزاد

انسان ہوں) دادو بہت مذہبی تھیں وہ بچپن میں بھی مجھے نماز روزے کے لیے بہت کبھی تھیں..... اور میں ان کے کہنے پر پڑھنا بھی تھا۔ آپ خدا کے

بارے میں جو سوالات کر رہے ہیں..... میں نے نہ کبھی ان کے بارے میں سوچا تھا اور نہ سوچا ہے کیوں کہ کبھی ایسا سوچنے کی ضرورت ہی پیش نہیں

آئی..... دادو کا مذہب شریعت اور اسلامی رسم و رواج کی پاسداری تھا اور میں ان کی ان تمام خواہشات کا احترام کرتا تھا اس کے علاوہ میری اسکوئٹنگ

انتہائی اعلیٰ درجے کے انگلش میڈیم سکول میں ہوئی جن میں زیادہ تر الزامی اور انتہائی امیر فیملیز کے بچے پڑھتے تھے۔ میرے گھر کی دنیا..... سکول کی

دنیا سے بہت مختلف تھی۔ دادو جو سکھاتی تھیں وہ سکول میں applicable (قابل عمل) نہیں ہوتا تھا۔“ اسد نے کہا۔

مثلاً۔ applicable نہیں ہوتا تھا؟ ڈاکٹر تھکنین نے قدرے دلچسپی لیتے ہوئے پوچھا۔

”دادو کبھی تھیں کہ جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ ہے اور جھوٹ بولنے والے پر اللہ کی لعنت ہوتی ہے مگر میں سکول میں دیکھتا تھا کہ جو بچے ہوم

ورک نہیں کرتے تھے اور جھوٹ بولنا بہت بڑا گناہ تھے وہ اکثر بچ جاتے تھے اور جو بچ بولتے تھے وہ پکڑے جاتے تھے اور انہیں سزا ملتی تھی۔

اور دادو یہ بھی کبھی تھیں کہ کسی سے لڑائی جھگڑا نہیں کرتے۔ ہر ایک سے پیار و محبت اور دوستانہ طریقے سے رہنا لیکن میں نے یہ دیکھا کہ

میں جب بچوں سے جھگڑتا نہیں تھا۔ ان کے ساتھ محبت سے رہنے کی کوشش کرتا تھا تو وہ مجھے اکسپلائٹ کرتے تھے۔ میری چیزیں بیک میں سے نکال

لیتے تھے۔ میری نوٹ بکس چرائیتے تھے یہاں تک کہ اکثر میرا لٹچ بھی کھا لیتے تھے۔ میں کچھ عرصہ دادو کی باتوں کو follow (مقل) کرتا رہا لیکن

جب لڑکے مجھے اکسپلائٹ کرانے لگے تو پھر میں بھی ان کے ساتھ ویسے ہی ٹریٹ کرنے لگا..... میں بھی تھپڑ کا جواب تھپڑ سے دیتا تو وہ ٹھیک رہتے

..... اس لیے میں دادو کی باتیں مانتا تو ضرور..... مگر وہی کرتا جو مجھے ٹھیک لگتا۔ مجھے یوں محسوس ہونے لگا سو سائٹی میں رہنے کے لیے دادو کی باتیں

پر یکیکل نہیں اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”لیکن آپ کی دادو تو وی باتیں کرتی تھیں جو اللہ کے احکامات تھے وہ کوئی ایسی بات نہیں کہتی تھیں جو مذہبی و شرعی لحاظ سے ٹھیک نہ ہوتی

ہو ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے کہا۔

”ہاں..... یہ اس وقت کی سوچ تھی جب میں بچہ تھا میرا ذہن مچھوڑ نہیں تھا۔ دادو کی باتیں مجھے بہت سادہ۔ پرانی اور نیا قابل عمل لگتی تھیں اور اب اس عمر میں وہی باتیں مجھے ٹھیک لگتی ہیں۔“ اسد نے آہ بھر کر صاف گوئی سے جواب دیا۔

”ہاں..... آپ کی اس بات میں logia (منطق) ہے..... جب ہمارا ذہن اور شعور پختہ نہیں ہوتا۔ تو کوئی بھی منطقی اور علمی بات ہمیں فضول لگتی ہے۔ جب ہم مچھوڑ ہو جاتے ہیں تو انہی باتوں میں حقیقت اور سچائی نظر آنے لگتی ہے۔“ ڈاکٹر ثقلین نے جواب دیا۔

”اور پھر مجھے سکول و کالج میں ایسے دوست مل گئے۔ جن کی سوچ میں گہرائی نہیں تھی۔ خدا..... اخلاقیات اور خاندانی روایات کا تعلق صرف گھر کے بزرگوں تک محدود ہونا چاہیے..... اور میرے گھر میں بھی یہی ہو رہا تھا۔ میں سمجھتا تھا کہ دادو اللہ کے احکامات کو پورا کر رہی ہیں۔ یہی کافی ہے۔ میں ان کے کاموں میں زیادہ دخل نہیں دیتا تھا۔“ اسد نے جواب دیا۔

”آپ نے ڈرنک کرنا کب شروع کیا؟ ڈاکٹر ثقلین نے اچانک سوال کیا۔

”جب میں بزنس ڈور کے سلسلے میں جرمنی گیا۔ وہاں ایک بزنس ڈرنک بہت سے مسلمان بھی تھے۔ اور وہ بغیر کسی ہنگامہ کے ڈرنک کر رہے تھے انہوں نے مجھے بھی دعوت دی۔ پہلے تو میں ہنگامہ کیا۔ پھر سب کو ڈرنک کرتے دیکھ کر میں نے بھی پی۔ اور اس کے بعد میں محسوس کرنے لگا کہ مجھ میں ایک عجیب طرح کی سرشاری آ جاتی تھی۔ میں زیادہ اکتیو ہو جاتا تھا اور ذہن زیادہ تیزی سے سوچنے لگتا تھا اس میں مجھے قائدہ نظر آیا تو میں اسے پینے لگا..... پہلے کبھی کبھار..... پھر.....“ وہ آہ بھر کر خاموش ہو گیا۔

”کیا آپ کی دادو کو کبھی معلوم نہیں ہو پایا تھا؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

”نہیں..... میں اس سلسلے میں بہت محتاط رہتا تھا۔ یہ تو میرے ایکسیڈنٹ کے بعد ان کو معلوم ہوا تو وہ بہت آپ سیٹ ہو گئیں۔ اسد نے رنجیدگی سے جواب دیا۔

”ڈرنک کرتے ہوئے آپ کو کبھی احساس نہیں ہوا کہ آپ کوئی غلط کام کر رہے ہیں اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کر رہے ہیں؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

”پہلے کبھی کبھی احساس ہوتا تھا..... پھر..... کبھی نہیں..... میں نے کبھی حرام و حلال کے بارے میں نہیں سوچا تھا۔ میں اسے ایک سوشل اور انرجی ڈرنک کے طور پر استعمال کرتا تھا۔“ اسد نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”کیا اس سوچ کو آپ نے خود ہی ڈیولپ کیا یا پھر کسی کے کہنے پر آپ نے ایسا سوچا؟ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

”اندرون ملک اور بیرون ملک اس کو ایسا سوشل ڈرنک ہی لیا جاتا ہے۔ ہر پارٹی ہر فنکشن اور ہر دعوت میں اور میٹنگز کے دوران اس سے انجوائے منٹ اور پلیئر کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسد نے جواب دیا۔

”کیا آپ نے کبھی Pig (سور) کا گوشت کھایا ہے؟ ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب بخور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”نہد (کبھی نہیں) دو قدرے اونچی آواز میں بولا۔

”کیوں.....؟ دونوں حرام ہیں..... کیونکہ دونوں میں ہی خیانت ہے..... پھر کیوں ایک کو جائز اور دوسرے کو ناجائز سمجھتے ہیں؟ ڈاکٹر تعلیم نے سوال کیا۔

آئی ڈونٹ نو..... اور یہ بات فرانس میں ایک پارٹی کے دوران کچھ نوجوان مسلمانوں نے بھی پوچھی تھی۔ جب پارٹی میں سب لوگ روٹنگ کھا رہے تھے اور وہ سب مسلمان فریڈز اس avoid کر رہے تھے۔ لیکن ہم سب ڈرنک کر رہے تھے۔ اس پر انہوں نے حیران ہو کر پوچھا تھا لیکن ہمارے پاس کوئی جواب نہیں تھا“ اس نے صاف گوئی سے جواب دیا۔

”آپ جانتے ہیں pig کھانے سے کیوں منع کیا گیا ہے۔ اس لیے کہ ایک تو اس کے گوشت میں بیماری ہے۔ دوسرا اس کے کھانے سے انسان میں شہوت (جنسی جذبات) بھڑک اٹھتے ہیں اور انسان درندگی پر اتر آتا ہے۔ شراب سے بھی جنسی جذبات بھڑک اٹھتے ہیں اس لیے دونوں کے انسانی جسم اور روح پر برے اثرات کو مد نظر رکھتے ہوئے انہیں حرام ٹھہرایا ہے۔ سب سوال یہ ہے کہ یا وہ تو مسلمان جو بیرون ملک میں مقیم ہیں وہ سور کے گوشت سے بہت پرہیز کرتے ہیں۔ کیونکہ قرآن پاک کی ایک آیت کے ذریعے اسے واضح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے اور اس کے بارے میں کسی بھی قسم کی رعایت relaxation کی اجازت نہیں یہاں تک کہ اس کا نام لینے سے بھی زبان کو ناپاک سمجھا جاتا ہے جبکہ شراب کی حرمت کا حکم بتدریج یعنی آہستہ آہستہ نازل ہوا۔ چونکہ عرب معاشرے میں اس کا استعمال عام تھا لوگوں کے لیے اسے ایک دم چھوڑنا مشکل ہو جاتا۔ اس لیے پہلے اس کے لیے کراہت اور ناپسندیدگی کا اظہار کیا گیا۔ پھر آہستہ آہستہ اسے حرام قرار دیا گیا اور جب اس کی حرمت کا واضح حکم آیا تو شراب پینے کی گلیوں میں بھاؤ گئی۔ اللہ تعالیٰ حقوق کا پیہر کرنے والا ہے اسے ہر جاندار کی نفسیات اور ضروریات کا بہتر علم ہے۔ اس لیے اس کے احکامات کے پیچھے گہری مصلحت ہوتی ہے۔ اب آپ ہی بتائیے اپنی پیدا کردہ بہت سی چیزوں کو اس نے حرام کیوں قرار دیا ہے.....؟ ڈاکٹر تعلیم نے پوچھا۔

”ظاہر ہے ان میں کوئی بات ہوگی“ اس نے جواب دیا۔

”یقیناً ان میں بری باتیں ہوتی ہیں۔ جو انسان اور معاشرے کے لیے کسی نہ کسی طرح نقصان اور خرابی کا باعث ہوتی ہیں۔ اب دیکھیے ایک گھنٹہ پہلے جو یہی جائز ہوتی ہے تین بار طلاق کہنے سے وہ اسی مرد پر حرام ہو جاتی ہے۔ جبکہ ایک گھنٹہ پہلے وہ حلال ہوتی ہے کیوں.....؟ سو حرام ہے..... جبکہ اس سے تو نفع ملتا ہے۔ مگر کیوں حرام کہا گیا ہے.....؟ مرد و حرام ہے..... اسی طرح خون.....؟ اس لیے کہ یہ سب انسان اور معاشرے کی صحت کے لیے خرابی اور نقص کا باعث ہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ ان حلال و حرام کے ذریعے انسان کے لیے حدود مقرر کرتا ہے کہ کون اس کے احکامات ماننا ہے اور کون ان کی خلاف ورزی کرتا ہے۔ اور اللہ کی حدود کی حفاظت وہی لوگ کرتے ہیں جو اس سے محبت کرتے ہیں اور اس کی نافرمانی سے ڈرتے ہیں۔“

اب آپ کے ذہن میں خدا کے بارے میں کوئی پازینٹا ٹری نہیں..... تو آپ کیسے ان چیزوں سے بچ سکتے ہیں۔ اس ساری ڈسکشن کا مقصد ہی یہی ہے کہ ایک بار آپ اپنے ذہن میں خدا کے بارے میں کوئی تاثر پیدا کریں۔ اور کسی کے بارے میں کسی بھی قسم کا تاثر پیدا کرنے کے

لیے اس کے بارے میں سوچنا ضروری ہے۔ اور..... یہ سوچنا کس نے آپ کے لیے کیا کچھ کیا ہے.....؟ آپ کے لیے کیسے احساسات اور جذبات رکھتا ہے..... اور آپ سے کتنی محبت رکھتا ہے.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے کہا۔

کیا مطلب.....؟ آپ کیا کہنا چاہ رہے ہیں؟

اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”یہ کاغذ اور پن لیجیے..... اور اس پر ایک جانب لکھیے کہ آپ کو زندگی میں کتنی اچھی چیزیں ملی ہیں اور دوسری جانب لکھیے کہ آپ کو کیا نہیں ملا۔ اور ان کی آپ کی زندگی میں محسوس کرتے ہیں۔“ ڈاکٹر ثقلین نے اس کی جانب دیکھنے لگا اور کچھ سوچنا شروع ہو گیا۔ کافی سوچنے کے بعد وہ کاغذ پر لکھنے لگا۔ اور تھوڑی دیر بعد کاغذ ڈاکٹر ثقلین کی جانب بڑھایا۔ دوسرا کردار اسے اونچی آواز میں پڑھنے لگے۔

اچھی چیزیں: عزت، دولت، شہرت، بزنس، خوبصورت گھر، گاڑیاں، آسائشیں، خوبصورت اور نیک بیوی، اولاد، ملازمتیں اچھے دوست و احباب، پروکار خاندان۔

”ماشاء اللہ“ ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا اور کاغذ کی دوسری جانب دیکھا جن چیزوں کی کمی وہ محسوس کرتا تھا اس باب..... بہن

بھائی.....

اسد صاحب آپ دنیا کے خوش قسمت ترین انسانوں میں سے ایک ہیں۔ جن پر قدرت اس قدر مہربان ہے کہ اپنی تمام نعمتوں سے نوازا دیا ہے۔ بارہ بہترین چیزوں کے مقابلے میں آپ کو صرف دو چیزیں نہیں ملیں..... آپ پر اللہ کا کتنا کرم اور کتنی نوازش ہے آپ نے کبھی اس کے بارے میں سوچا ہے؟ ڈاکٹر ثقلین قدرے جذباتی انداز میں بولے تو اسد حیرانگی سے ان کی جانب دیکھنے لگا۔

”بہنیں.....“ وہ آہستہ آواز میں بولا۔

”اسد صاحب آپ کی میرے ساتھ میٹنگ کیسی رہی..... اور میں آپ کو کیسا لگا ہوں؟“ فریڈنکل بتائیے گا“ ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر پوچھا۔

”دیر کی ہائس..... آپ بہت اچھے انسان ہیں (اور میں آپ کا بہت grateful (شکر گزار) ہوں) اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔

”حالانکہ میں نے آپ کے لیے کچھ خاص نہیں کیا..... صرف آپ سے باتیں کی ہیں..... اور چائے پی ہے۔ میں نے آپ کو کچھ دیا تو

نہیں..... پھر بھی آپ میرے لیے بہت شکر گزار ہو رہے ہیں..... کیوں.....؟ ڈاکٹر ثقلین نے حیرت سے پوچھا۔

”آپ نے مجھے اپنا وقت دیا ہے..... مجھے console (تسلی) کیا ہے“ اسد نے جواب دیا۔

”اور..... میں اپنے قیمتی وقت اور الفاظ کے آپ سے پیسے چارج کروں گا..... پھر بھی آپ میرے لیے بہت سافٹ فیلٹو محسوس کر رہے

ہیں“ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

”ہاں..... میں آپ کو بہت ہائی پریڈنشل پر رکھ رہا ہوں کہ آپ سے میں نے اپنی ساری باتیں شیئر کی ہیں..... اور آپ نے میرے پر ہلکے

کو سمجھا ہے“ اسد نے جواب دیا۔

”یو آر رائٹ..... میرے بارے میں آپ کے ذہن میں ایک خوشگوار رائج پیدا ہو گیا ہے..... اور مجھے ہمیشہ فرینڈزلی ٹاکس اور پلیزنت انسان کے طور پر یاد رکھیں گے۔ ایم آئی رائٹ؟ ڈاکٹر تھکین نے پوچھا۔

”لیس آف کورس۔ اور میں ساری زندگی آپ abliged (احسان مند) رہوں گا۔ اور آپ کو یاد رکھوں گا اسد نے مسکرا کر جواب دیا۔
 ”وہں از وہاٹ۔ آئی وائٹ (یہی میں چاہتا ہوں) میں آپ سے سب کچھ اس لیے ڈسکس کر رہا ہوں کہ آپ صرف چند لمحوں کے لیے رات کی تنہائی میں اللہ کے بارے میں سوچیں..... جس نے آپ کو پیدا کیا ہے اور اچھے بے شہر نعمتوں سے نوازا ہے۔ اور اتنا نوازنے کے بعد وہ اس بات کا حقدار ہے کہ اس کا شکر ادا کیا جائے۔ اس سے محبت کی جائے اس کو اپنا بہت قریبی دوست سمجھا جائے..... اس سے دوستانہ انداز میں بات کی جائے..... اس سے سرگوشیاں کی جائیں۔ اور اس کے ساتھ اپنے دل کی باتیں کی جائیں..... اس سے راز و نیاز کیے جائیں..... اس سے مشورے طلب کیے جائیں..... یقین مانے اسد صاحب۔ جب اس سے انسان کا تعلق یا رشتہ مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر کسی رشتے اور کسی دوست کی کمی محسوس نہیں ہوتی..... میرے پاس ایسے ایسے لوگ بھی آتے ہیں جن کو اس نے کسی بھی شے سے نہیں نوازا ہوتا..... یا پھر بہت کچھ عطا کر کے تحمین لیا ہوتا ہے اور وہ شدید ڈپریشن میں آتے ہیں..... مگر جب وہ اس کو محسوس کرنا شروع کرتے ہیں تو پھر انہیں کوئی ڈپریشن نہیں رہتا۔ آپ بھی اس کے بارے میں سوچیں..... بہت محبت سے..... بہت چاہت سے..... ڈاکٹر تھکین نے قدرے جذباتی انداز میں کہا تو اسد کے دل پر ان کی باتیں گہرا اثر کرنے لگیں۔

”اسد صاحب اس کا تہہ پر آپ نے جتنی اچھی چیزیں لکھی ہیں بتائیے ان میں سے کوئی آپ کو سب سے زیادہ عزیز ہے؟ ڈاکٹر تھکین نے پوچھا۔
 ”مائی وائف اینڈ ڈاٹر (میری بیوی اور بیٹی) اسد نے جواب دیا۔

”اگر..... مگر کچھ بچے ہی آپ کی بیوی اور آپ کی بیٹی کی ذمہ داری ہو جائے تو؟

ڈاکٹر تھکین نے پوچھا۔

وہاٹ.....؟ اسد ایک دم گہرا گیا۔

”کیوں..... یہ ناممکن تو نہیں..... ان دونوں کا مالک اللہ ہے اس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ وہ ان کو واپس لینے پر قادر ہے۔ وہ جب چاہے ایسا کر سکتا ہے۔“ ڈاکٹر تھکین نے سنجیدگی سے کہا۔

”تو..... پلیز..... ڈونٹ ٹیل می..... میں ان کے بغیر کبھی بھی زندہ نہیں رہ سکوں گا..... کبھی بھی نہیں“ اسد کی آنکھیں چھلکے لگیں۔

”یہ جانتے ہوئے بھی کہ آپ کا ان دونوں کی زندگیوں پر کوئی اختیار نہیں۔ پھر بھی آپ پوزیو سوچ رہے ہیں..... یو آر ویلپ لیس (بے

بس) کیا آپ اپنے آپ کو بچا سکتے ہیں.....؟ ڈاکٹر تھکین نے پوچھا۔

”نہیں.....“ اسد نے ماتحتی سے لہجے میں جواب دیا۔

”میں یہی کہنا چاہ رہا ہوں کہ جب آپ کو یاد آپ کے چاہنے والوں کو تکلیف ہوگی۔ تو آپ یقیناً اپنی پوری کوشش کریں گے کہ ان کو کسی قسم

کی تکلیف نہ پہنچے۔ ان کی سلامتی کے لیے آپ دعا کریں گے یقیناً اس ہستی کے آگے گزراؤں گے جو ان کا خالق اور مالک ہے..... کیا آپ

ان کو بچانے کے لیے کچھ نہیں کر سکتے؟ ڈاکٹر تھلین نے پوچھا۔

”یقیناً..... اپنی ہر ممکن کوشش کروں گا“ اسد نے جواب دیا۔

”اس لیے میں آپ سے یہ کہہ رہا ہوں۔ کہ ایک بار خدا کے ساتھ اپنا تعلق بنا لیجئے اور اس کا دوستانہ خوشگوار تاثر اپنے ذہن میں ہمیشہ کے لیے شمالیں۔ تو آپ میں خود بخود قوت اراوی بھی پیدا ہو جائے گی اور آپ کے لیے کچھ بھی کرنا ناممکن نہیں ہوگا..... بس ایک بار پوری سچائی۔ جو خالص جذبے کی محبت اور پوری لگن کے ساتھ اس کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے۔ مگر دیکھیے۔ آپ کے اندر کیسا معجزہ رونما ہوگا.....“ ڈاکٹر تھلین نے پراسید لہجہ میں کہا۔

تھینک یو ڈاکٹر۔ آئی ول“ اسد نے ان سے ہاتھ ملا کر اجازت لیتے ہوئے کہا۔

”انشاء اللہ..... بہت جلد دوسرا سیشن ہوگا۔“ ڈاکٹر تھلین نے بھی مسکرا کر اسے رخصت کرتے ہوئے کہا۔

وہ ہاسٹل سے باہر نکلا تو اسد کے ذہن میں ڈاکٹر تھلین کا مسکراتا ہوا خوشگوار امیج جاگزیں ہو گیا تھا ان کی باتیں بار بار اس کے ذہن میں گونج رہی تھیں۔ کئی جملے بار بار اس کی توجہ اپنی جانب مبذول کر رہے تھے۔

اس کا موبائل بجنے لگا۔ اس نے فون اٹھایا تو دوسری جانب مریم گھبرائے ہوئے لہجہ میں بات کر رہی تھی۔

”اسد بھائی..... مومنہ آئی کی طبیعت اچانک بہت خراب ہو گئی ہے۔ پلیز مگر جلدی پہنچے۔“ مریم نے پریشانی سے کہا۔

”ک۔ ک۔ کیا ہوا؟“ اسد نے گھبرا کر پوچھا

”معلوم نہیں..... پلیز آپ جلدی پہنچیں“ مریم نے کہہ کر فون بند کر دیا اور اسد کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کو ڈاکٹر تھلین کی بات یاد آنے لگی۔

”اگر مگر پہنچے ہی آپ کی بیوی اور بچی کی ڈیڑھ ہو جائے تو“ ڈاکٹر تھلین کے الفاظ سے وہ گھبرانے لگا..... ڈاکٹر کون ہے؟

کیا اس کو پہلے سے ہی کوئی خبر ہو گئی ہے..... اوہ گاڈ..... میں مومنہ کے بغیر نہیں رہ سکتا۔ کبھی بھی نہیں اس کی آنکھیں آنسوؤں سے مہر نے لگیں۔

”ان کا مالک اللہ ہے۔ اس نے ان کو پیدا کیا ہے اور وہ ان کو واپس لینے پر بھی قادر ہے“ ڈاکٹر تھلین کے الفاظ اسے مضطرب کرنے لگے۔

”آپ کا ان کی زندگیوں پر کوئی اختیار نہیں یو آر ہیملپ لیس (آپ بے بس ہیں) ڈاکٹر تھلین کے الفاظ نے اسے واقعی ہی بے بس کر دیا

اور ڈرائیونگ کرتے ہوئے وہ روکنے لگا۔ وہ انتہائی تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ اور جلد از جلد مگر پہنچنا چاہتا تھا۔ وہ مگر پہنچا تو مومنہ کو انتہائی تیز بخار تھا۔

کھلی آنکھوں سے اس کے زہرہ ہونے کا پتا چلتا تھا اب وہ آنکھیں بھی بخار کی وجہ سے بند ہو گئیں تھیں اور وہ اب بالکل ایک لاش لگ رہی تھی۔ بس

اکٹری اکٹری سانس لے رہی تھی۔ مریم اور ذکیہ اس کی حالت دیکھ کر گھبرائیں اور اسد کو فون کیا۔ اسد جلدی سے کمرے میں داخل ہوا اور مومنہ کی

حالت دیکھ کر وہ بھی گھبرا گیا۔ ایموئنٹس کو بٹایا اور اسے ہاسٹل لے گیا۔ وہ امیر جنسی روم کے باہر کھڑا تھا۔ نرسیں اور ڈاکٹر آ جا رہے تھے مریم، ذکیہ آ پا

اور ماہی بھی وہیں موجود تھیں۔ اور اس کے لیے دعائیں کر رہی تھیں۔ ذکیہ آ پا چادر لپیٹے۔ پورے خشوع و خضوع کے ساتھ دونوں ہاتھ بندھے کیسے اس

کے لیے گزرتا کر دعائیں کر رہی تھیں اور اسد بہت اٹھناک سے ذکیہ آ پا کے ہاتھوں کی جانب دیکھ رہا تھا۔

"کیا آپ ان کی سلامتی کے لیے دعائیں نہیں کریں گے.....؟ یقیناً اس ہستی کے سامنے گڑ گڑائیں گے جو ان کا خالق اور مالک ہے.....
کیا آپ ان کو بچانے کے لیے ایسا نہیں کریں گے؟ ڈاکٹر قلعین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے اور نظریں زکیہ آپا کے بلند ہاتھوں اور بند
آنکھوں کی جانب تھیں۔ اس کے اندر کچھ ہورہا تھا۔ urge (ضرورت) پیدا ہو رہی تھی۔ کوئی تڑپ جنم لے رہی تھی۔ دو کوئی تجا گوشہ چاہتا تھا۔
ایسی جگہ جہاں کوئی نہ ہو..... اسے کوئی نہ دیکھے..... دوسب سے چھپ کر اس کے سامنے جانا چاہتا تھا۔

ایک نرس ایمر جنسی روم سے باہر نکل تو دو بے تابی سے اس کے پیچھے گیا۔

"اسکیسکو ڈی..... مومنہ کیسی ہیں؟ اسد نے نرس سے پوچھا۔

"ابھی ان کا بخار کم نہیں ہو رہا..... ڈاکٹر صاحب کو شش کر رہے ہیں آپ بھی دعا کیجیے" نرس کہہ کر چلی گئی۔

"دعا.....؟ وزیر لب بڑ بڑایا اور زکیہ آپا کی جانب دیکھا جو ابھی تک دعا کرنے میں مصروف تھیں۔ اور اب ان کی آنکھوں سے شدت
جذبات سے آنسو بھی بہہ رہے تھے۔ مریم..... ماہا کو کندھے سے لگائے ادھر ادھر گھوم رہی تھی۔

"مریم..... میں ابھی آتا ہوں۔ مگر چار باہوں..... ایک ضروری کام ہے" اسد نے بتایا اور وہاں سے چلا گیا۔ عشاء کی نماز کا وقت ہو رہا
تھا۔ جب دو گھر پہنچا..... ہر طرف اندھیرا ہی اندھیرا تھا اس نے آگے بڑھ کر نیوب لائٹس آن کیں۔ اور اپنے کمرے میں چلا گیا..... اس نے
کھڑے ہو کر کمرے کا بھرپور جائزہ لیا۔

"مجھے نہیں معلوم تھا کہ اس کمرے کی غلاعت اس پر بھی اثر انداز ہوگی" مومنہ کے الفاظ اس کے کانوں میں گونجنے لگے۔

"ہاں..... یہ کمرہ بہت آلودہ ہے اس میں....." اس نے آہ بھر کر بیڈ کی جانب دیکھا اور پھر صوفے کی جانب۔ اور دروازہ بند کر کے باہر
نکل آیا۔

"داؤد کا کمرہ..... وہی پاک اور صاف ہو سکتا ہے۔ ان کی طرح" اس نے سوچا اور داؤد کے کمرے میں چلا گیا۔ کمرے میں گھٹا ٹوپ
اندھیرا تھا اس نے لائٹ آن کی اور وضو کرنے والش روم میں چلا گیا۔ وہ پہلے بھی نمازیں پڑھنے کے لیے وضو کرتا تھا..... مگر وہ آج وضو بہت خشوع و
خضوع سے کر رہا تھا، نہ جانے کیا خاص بات تھی..... اور..... اس کے اندر کیسی بے قراری تھی جو وضو کرتے ہوئے اس کے دل میں پیدا ہو رہی تھی۔ وضو
کر کے دو داؤد کے چائے پر کھڑا ہو گیا!

"بس آپ کو ایک بار پوری سچائی۔ خالص جذبہ۔ سچی محبت اور پوری لگن کے ساتھ اس کو محسوس کرنے کی ضرورت ہے" ڈاکٹر قلعین کے
الفاظ اس کے ذہن میں گونجنے لگے..... اس نے "اللہ اکبر" کہہ کر نیت باندھی اور آنکھیں بند کر لیں اور وہ بالکل خاموش ہو گیا اس کے لب ساکت
ہو گئے۔ دل کی بے قیود دھڑکنیں صاف سنائی دینے لگیں۔ اس نے سر جھکا لیا جیسے کوئی مجرم کسی شہنشاہ کے دربار میں سر جھکا کے کھڑا ہوتا ہے۔

"میں..... دو سکنے لگا..... میں....." اور اس کی بند آنکھوں کے سامنے شراب کے جام گھونٹنے لگے..... وورونے لگا..... میں.....

اور اس کی آنکھوں کے سامنے روتی ہوئی مومنہ گھوم گئی..... دو پچکیاں بھرنے لگا..... میں..... اور اس کے سامنے شام گھوم گئی..... میں..... بدکار..... بد

کردار..... دو پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا.....

”میں..... گنگا کار..... خطاوار..... اس کو کچھ کر مومن کا برین ٹیمرج ہونا..... وہ اس قدر شدت سے رو رہا کہ اس سے سانس لینا محال ہو گیا..... نہیں، ڈیلیل و خوار..... مجرم..... قصور وار..... ہوں..... اور داد کی موت کا منظر..... میں..... اور اس نے ہونٹوں کو بھیج لیا اور وہ اس قدر شدت سے چپکیاں بھرنے لگا کہ اس کا دل گویا پھٹنے کو بے تاب تھا۔ اس کی آنکھیں بند تھیں مگر اس کا دل پوری طرح کھلا ہوا تھا۔ وہ سسکیاں لے رہا تھا الفاظ اس کی زبان سے اوائٹیں ہو رہے تھے.....

”نہیں..... کیا بتاؤں.....؟ کیا کہوں.....؟ اور کیسے کہوں.....؟ میرے پاس کہنے کو کچھ نہیں..... آپ..... آپ سب جانتے ہیں گاش۔ میں آپ کو بہت پہلے اس قدر شدت سچائی اور غلوں سے محسوس کر لیتا تو آج اتنا نہ ہٹکتا۔ میں کیسے بھٹک گیا۔ مجھے سمجھ میں نہیں آتا۔ میں آپ کے حضور کھڑا ہوا ہوں..... اور..... اپنے سب گناہوں کی..... غلطیوں کی..... خطاؤں کی..... لغزشوں کی..... بدکاری کی معافی مانگتا ہوں..... مجھے معاف کر دیجیے..... اور اسے کچھ احساس ہی نہ ہوا اور وہ بغیر تلاوت کیے بغیر رکوع میں گئے..... سید صاحبہ نے میں گر گیا۔ جیسے ہی اس نے پیشانی رحمن کے قدموں میں رکھی اس کی آہوں۔ سسکیوں، ہچکچوں اور آنسوؤں میں انجائی شدت آگئی۔

”پلیز..... مجھے معاف کر دیجیے..... میری داد کی خاطر..... جو بہت نیک عورت تھیں..... مومن کی خاطر..... جو بہت ایماندار اور پاکباز عورت ہے..... ان سب کی خاطر..... جن سے آپ محبت کرتے ہیں۔ ان کی خاطر جن کو آپ حقوق میں سب سے زیادہ چاہتے ہیں۔ ان کی خاطر..... جو آپ کے فرمانبردار ہیں اور آپ کی حکم برداری نہیں کرتے..... ان کی خاطر جن کی اداؤں پر آپ مسکراتے ہیں۔ اور ان کی خاطر..... جن کے لیے آپ اپنی رحمتوں کے دروازے کھولتے ہیں“ وہ سسکتے لگا پھر رونے لگا..... مگر اس کی جبین بوجے سے اٹھنے کو تیار ہی نہیں تھی۔

”مجھے معاف کر دیجیے..... میں سچے دل سے..... توبہ کرتا ہوں سارے گناہوں کی معافی مانگتا ہوں۔ اور اپنی غلطیوں پر شرمندہ ہوں..... پلیز..... مجھے معاف کر دیں..... اور مومن کو میری وجہ سے سزا مت دیں..... اس کو صحت یاب کر دیں..... داد کو کے بعد اب صرف وہی میرے پاس ہے۔ اگر مومن کو کچھ ہو گیا تو..... تو..... پلیز نہیں..... ایسا مت کیجیے.....“ وہ بچوں کی طرح جودے میں پلٹنے لگا۔ میں مر جاؤں گا..... اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکوں گا۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔ میں اپنے آپ کو بدل لوں گا..... آپ کی خاطر..... بس آپ مومن کو ٹھیک کر دیں۔ وہ انتہائی شدت سے رونے لگا۔ آنسوؤں کا سیلاب کسی طرح رکنے میں ہی نہیں آ رہا تھا۔ رو رو کر اس کی آنکھیں بھاری ہونے لگی تھیں۔ اور سر میں درد بھی ہونے لگا تھا۔ وہ اٹھ کر بیٹھ گیا اور ہاتھ بلند کر کے بالکل خاموش ہو گیا اور اس کے لبوں سے کوئی دعا نہیں نکل رہی تھی۔ آج ساری دعائیں دل سے نکل رہیں تھیں۔

پورے غلوں اور سچائی کے ساتھ اور شدت جذبات کی گہرائی کے ساتھ..... وہ کتنی دیر خدا کے حضور..... کتنی دیر مجرم بنا کھڑا رہا..... کتنی دیر جودہ ریز رہا اور کتنی دیر سر جھکائے ہاتھ بلند کیے مناجات کرتا رہا۔ اسے کچھ یاد نہیں تھا۔ وقت گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا..... شاید گناہوں..... اور خطاؤں کی فہرست اتنی طویل تھی کہ انہیں بیان کرتے ہوئے اسے وقت کے گزرنے کا احساس ہی نہ ہوا۔ اور رات گزر گئی..... فجر کی اذانیں شروع ہو گئیں..... اور..... اس نے چونک کر کلاک کی جانب دیکھا..... واقعی فجر کا وقت ہو رہا تھا۔ اتنا وقت گزر گیا اور اسے یہاں ہی نہیں چلا..... اس نے انجائی حیرانگی سے سوچا۔

شاید اس کے دربار میں جانے سے وقت خود بخود ختم جاتا ہے۔ شاید گزریوں کی سوتیوں میں حرکت باقی نہیں رہتی۔ شاید مکان دلا مکان کے سفر میں Timeless Theon خصوصی طور پر متحرک ہو جاتی ہے۔ خدا کے حضور جو بھی انتہائی محبت اور جذباتوں کی شدت کے ساتھ حاضر ہوتا ہے۔ مکان دلا مکان کے قاصد ملے جاتے ہیں۔ وقت بے وقت ہو جاتا ہے۔ سخت، پست میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ زندگی اور مادیات اپنا وجود کھودیتی ہیں۔ اس وقت بہت اہم کام سرانجام پا رہا ہوتا ہے۔

”روح اپنے رب سے روشناس ہو رہی ہوتی ہے۔“

ایسا کام جو دنیا کی مصروفیت میں الجھے ہوئے کبھی ممکن ہی نہیں ہو پاتا۔ ایسا عظیم کام صرف تب ممکن ہوتا ہے جب تمام پر غلوں جذبہ تمام تر سچائیوں کے ساتھ..... تمام ہر حقیقی جذبوں کو رد کر کے..... تمام مثبت جذبوں کو مکمل اطاعت اور بندگی کے ساتھ خدا کے حضور پیش کیا جاتا ہے۔ ایسا ہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وقت گزر گیا تھا یا ختم کیا تھا..... اسے احساس ہی نہیں ہوا تھا اور اسے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے یہ رات اس کی زندگی کی سب سے اہم رات ہو۔ ایسی قیمتی رات جس کا کوئی نعم الہی نہیں تھا۔ ایسی لطیف رات کا لطف اس نے اپنی زندگی میں کبھی محسوس ہی نہیں کیا تھا..... اس نے فجر کی نماز ادا کی..... اور وعاما آگے بغیر جانے کتنا وقت بوجہی دوڑا تو بیٹھا رہا۔ جیسے کسی مراقبے کی کیفیت میں ہو..... وہ کیا انتظار دیکھ رہا تھا..... اس کی روح کیسے منازل طے کر رہی تھی..... اور اس کے اندر کیا ہو رہا تھا..... اسے شاید خدا بھی معلوم نہیں ہو رہا تھا..... وہ تو بس ایک ہر لطف کیفیت سے سرشار ہو رہا تھا اور اس کیفیت کے بحر سے وہ باہر نہیں آنا چاہتا تھا۔ صبح نمودار ہو گئی اور ہر محسوس کی چھپا ہٹ داؤد کے کمرے کے پچھلے لان سے سنائی دینے لگی۔ اس نے دونوں ہاتھ چہرے پر پھیرے اور اٹھ کر داؤد کے بیڈ پر لیٹ گیا..... وہ کس کیفیت سے دوچار ہوا تھا۔ اس احساس کو وہ صرف محسوس کر سکتا تھا۔ شاید بتا نہیں سکتا تھا۔

”اس نے تو عشاء کی نماز ہی نہیں ادا کی“ اچانک اسے خیال آیا تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھا۔

”تو..... وہ کیا تھا..... میں نے کیا پڑھا تھا..... کیا ادا کیا تھا.....؟“

کیا وہ نماز نہیں تھی.....؟ اس نے انتہائی حیرت سے سوچا اور گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”کیا..... ہر انسان جو صدق دل سے خدا کے حضور معافی مانگنے جاتا ہے۔ ایسے ہی احساسات سے..... اور..... ایسی ہی کیفیت سے سر

شار ہوتا ہے۔ اس نے حیرت سے سوچا۔

اسے کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا۔

”کیا عبادت سے اتنی ہی لطیف کیفیت پیدا ہوتی ہے؟“

لیکن میں نے تو کچھ بھی نہیں پڑھا..... کوئی تلاوت نہیں کی کوئی دعا نہیں پڑھی..... پھر میں کیا پڑھتا رہا ہوں..... اور کچھ پڑھا بھی نہیں

..... اور ایسی کیفیت پیدا ہو گئی ہے..... کیسی عجیب سی بات ہے.....؟

وہ حیران ہو رہا تھا..... اور اس کی سوچیں..... اس کی روح کی کیفیت سے ہم آہنگ نہیں ہو پارہیں تھیں اس کی سوچیں مکان اور وقت کی

قید میں آگئیں تھیں اور روح لامکاں اور بے وقت کی کیفیت سے ابھی تک سرشار تھی۔

”یہ سب کیا ہوا تھا.....؟ جو بھی ہوا تھا..... زندگی میں پہلی بار ہوا تھا.....“ اس نے آنکھیں بند کیں اور کب سو گیا اسے پتہ ہی نہیں چلا۔
لاؤنج میں رکھے فون کی بیل پوری شدت سے چلا رہی تھی اور گھر میں اس کے سوا کوئی اور نہیں تھا جو فون اٹینڈ کرتا۔ اس نے ایک دم کلاک کی جانب دیکھا۔ دوپہر کے دو بج رہے تھے۔

”اوہ گاڈ..... میں اتنا سو رہا ہوں..... وہ بڑا آکراٹھا اور فون اٹینڈ کرنے گیا۔

دوسری جانب مریم بول رہی تھی۔

”اسد بھائی..... آپ کہاں ہیں.....؟ میں کب سے آپ کے موبائل پر فون کر رہی ہوں۔ آپ فون ہی نہیں اٹھ رہے“ مریم غلگی سے بولی
خیریت..... کیا بات ہے؟ اسد نے گھبرا کر پوچھا۔

”آپ کا بنجار کچھ کم ہو گیا ہے..... کچھ میڈیسن کی ضرورت ہے اور وہ آپ ہی لاسکتے ہیں..... یہاں کسی میڈیکل اسٹور سے نہیں مل رہی ہیں
..... پلیر جلدی آئیے“ مریم نے کہا اور فون بند کر دیا اسد جلدی سے باکسل پہنچا۔ اس کی آنکھیں سرخ اور سوجی ہوئیں نگ رہیں تھیں۔ اسے دیکھ کر
مریم کو قصہ آگیا۔ اور اس نے دواؤں کا نسخہ اس کو پکڑا دیا اور ذکیہ آپا کے پاس بیٹھ کر سرگوشیاں کرنے لگی۔

”امی..... آپ نے اسد بھائی کی آنکھیں اور چہرہ دیکھا ہے..... مجھے تو لگتا ہے یہ گھروں تک کرنے لگے تھے..... اس شخص کو ذرا بھی خدا کا
خوف نہیں..... بیوی کو اس حالت میں پہنچا کر بھی ان کو مشکل نہ آئے تو پھر کب آئے گی؟“ مریم غصے سے بولی۔

”خدا ہی اس کو ہدایت دے..... میں اور کیا کہہ سکتی ہوں، ذکیہ آپا نے دکھ بھرے لہجے میں سرگوشی کی۔“

”ایسوں کو کوئی ہدایت نہیں ملتی۔ اتنا کچھ ہو جانے کے باوجود بھی جو ڈرنک کرنے گھر چلا جائے اس کو کیا ہدایت مل سکتی ہے اور گھر میں
رات گزارنے کا کیا مطلب تھا.....؟ کون گھر رہتا.....؟“ وہ آہ بھر کر بولی اور بیڈ پر لیٹی مومن کی جانب دیکھا جواب پر انیویٹ روم میں شفٹ ہو چکی
تھی اور شاید مریم اور اس کی باتیں بھی سن رہی تھی۔

”آپ کی کوئی کچھ کر مجھے ترس آتا ہے۔ بہت دکھ ہوتا ہے.....“ وہ غم آنکھوں اور نڈھے ہوئے گلے سے بولی۔

”اور کبھی اسے ہی دیکھ کر جہیں رشک بھی آتا تھا اور حسد بھی محسوس ہوتا تھا..... ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

”ہاں..... جب مجھے معلوم نہیں تھا“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

”اسی لیے مریم..... میں نے جہیں ہمیشہ سمجھا ہے کہ چیزوں اور انسانوں کو ظاہری طور پر دیکھ کر ان کی خوبیوں اور خامیوں کا اندازہ نہ لگایا
کر دو..... جو اچھا انسان ہے..... اس کی کوئی ایک خرابی جہیں نظر نہ آئی..... بس جس نے تمہاری آنکھوں کو چمکایا۔ تم اس کی چمک میں کھو گئی“ ذکیہ آپا
نے کہا تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

اسد وائیں لے کر آیا اور مریم نے فرس کو بلا کر جکشن اور میڈیسن دین۔ اسد مومن کے پاس بیٹھ گیا۔ مریم اور ذکیہ آپا ہر نگل گئیں۔

"مومن! آپ..... آپ ٹھیک ہو جائیں گی....." اسد اس کے اوپر چھلکتے ہوئے بولا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ ایک دم آنسو اس کی آنکھوں سے بہہ کر مومن کی پیشانی کو تر کرنے لگے..... مومن کی آنکھوں میں دکھ اور حیرانگی کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

"آئی لو!..... آئی..... رینگے لو! سوچ..... میں آپ کو مرنے نہیں دوں گا..... میں آپ کو اللہ سے مانگوں گا....." اسد نے زندگی میں پہلی بار اللہ کے بارے میں اس قدر جذباتی ہو کر بات کہی تھی۔ مومن نے حیرت سے آنکھیں جھپکیں اور اس کے جسم میں ہلکی سی سرسراہٹ ہوئی۔ جیسے کوئی برقی رو اس کے جسم میں داخل ہوئی ہو..... اس کے جسم میں پیدا ہونے والی ہلکی سی جنبش نے اسد کو سرور کر دیا۔

"مومنہ..... یلو..... آپ ٹھیک ہو جائیں گی" وہ انتہائی خوش ہو کر بولا۔

مومن کی آنکھوں میں بھی حیرت اور خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

نرس کمرے میں داخل ہوئی تو اسد آنکھیں صاف کرتا ہوا پیچھے ہٹ گیا۔ نرس نے آنکھن لگا یا تو مومن کے بازو میں معمولی سی جنبش پیدا ہوئی جیسے آنکھن گتے پر کوئی "سی" کی آواز نکلتا ہے۔ نرس نے حیرت سے مومن کی جانب دیکھا۔ وہ پہلے بھی کئی آنکھن لگا کر گئی تھی مگر اس سے پہلے مومن نے ایسے دی ایکٹ نہیں کیا تھا اور اب اچانک نرس نے حیرت اور خوشی سے اسد کی جانب دیکھا۔

"امید ہے..... یہ جلد ٹھیک ہو جائیں گی..... اللہ ماٹھ" نرس نے پرامید لہجہ میں کہا۔

"اللہ ماٹھ..... آئی ایم ہوپ فل ٹو" اسد نے بھی مسکرا کر جواب دیا اور مومن کی طرف محبت بھری نگاہوں سے دیکھنے لگا۔

دو تین روز ہاسپٹل میں ایڈمٹ رہنے کے بعد مومن گھر آ گئی..... اس کی حالت کافی بہتر تھی۔ اسے وائرل انفیکشن ہوا تھا اور اس کے ساتھ بخیر کم ہونے پر نہیں آ رہا تھا۔ ایسے بہت سے کیمرہ ہاسپٹل میں آ رہے تھے..... اور ایک دو تو شدید انفیکشن سے جاں بحق بھی ہو گئے تھے اس لیے حکومت اس کی ویکسینیشن کے لیے بہت ایکٹو ہو گئی تھی۔

مومن گھر آئی تو اسد نے دادو کی طرح نیازیں اور صدقات مسجدوں اور یتیم خانوں میں بھیجیں۔ وہ اپنے بیٹروم میں مومن کے پاس بیٹھا تھا۔ جب سے ڈاکٹر انفیکشن کے ہاسپٹل سے آیا تھا اس نے انیسویں میں جانا چھوڑ دیا تھا۔ وہ گھر پر ہی مومن کے پاس بیٹھا رہتا تھا۔

رات جو رہی تھی۔ مومنہ بے سندھ پڑی چھت کو گھور رہی تھی۔

"مومنہ..... شاید آپ جانتی ہیں کہ میں آپ کی صحت اور زندگی کے لیے خدا کے حضور کتنا ریا ہوں۔ کتنی دعائیں کی ہیں"

اسد نے مومن کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ مومن کی آنکھوں اور چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ اس نے اپنی پھونڈوں کو جنبش سی دی۔

"اور..... اب میں آپ کے لیے شکرانے کے لٹل ادا کرنے جا رہا ہوں" اسد نے کہا تو مومن نے ایک دم آنکھیں گھما کر اس کی جانب یوں دیکھا جیسے یہ خبر کسی دھماکے سے کم نہ ہو..... اسد مسکرا کر اسے دیکھنے لگا۔

"ہاں..... میں نے اللہ سے بہت معافی مانگی ہے۔ اپنے گناہوں کی..... مومنہ کیا وہ مجھے معاف کر دے گا.....؟ اسد نے ہم آنکھوں کے ساتھ اس کے ہاتھ کو اپنے لبوں کے ساتھ لگا کر کہا اور سسکنے لگا۔

مومن کی آنکھوں سے بھی آنسو بہہ نکلے اور اس نے شدت جذبات سے لبریز ہو کر ہلکی سی چیخ باندی۔ جیسے ہلکی سی ہوا اس نے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔

”مومنہ..... مومنہ..... دس اڑیو.....“ وہ ایک دم سب کچھ بھول کر خوشی سے چلانے لگا۔ مومنہ ساکت سی اس کی جانب دیکھنے لگی۔ اسد اس کی جانب یوں دیکھتا رہا جیسے کسی اور ری ایکشن کا منتظر ہو..... مگر پھر مکمل خاموشی ہو گئی۔ وہ اسے دیکھتا ہوا اٹھا۔

”میں دادو کے کمرے میں جا رہا ہوں..... وہاں نماز پڑھنے کا حرا آتا ہے۔ شاید دادو وہاں بیٹھ کر بہت عبادت کرتے تھے..... اس کا کوئی اثر ہے۔“ اسد کہہ کر مومنہ کی جانب دیکھنے لگا اور کمرے سے باہر نکل گیا۔

وہ دادو کے کمرے کو لاک لگا کر..... اپنا موبائل آف کر کے نیم تاریکی میں جا نماز بچھا کر خدا کے حضور کھڑا ہو گیا اور شکرانے کے نوافل ادا کرنے کے لیے کھڑا ہوا..... مگر آج اس کے اندر وہ کیفیت پیدا نہیں ہو رہی تھی جو اس رات ہوئی تھی۔ جب اس نے جا نماز پر پہلا قدم رکھا ہی تھا۔ آج وہ شروع و ختم بھی پیدا نہیں ہو رہا تھا۔ کوئی ایسی پر لطف کیفیت..... سرور..... روحانی سرشاری..... کچھ بھی ایسا پر کیف احساس وہ محسوس نہیں کر رہا تھا..... وہ کتنی ہی دیر کھڑا رہا..... اور پھر نوافل ادا کیے..... اور مومنہ کی صحت و تندرستی کے لیے دعا کر کے اٹھ کھڑا ہوا..... آج اس نے نوافل کی رکعتیں ادا کیں تھیں اور اس دن تو اسے یاد بھی نہیں تھا کہ اس نے کیا پڑھا تھا۔ کوئی رکعت بھی ادا کی تھی یا نہیں..... آج اس نے تلاوت بھی کی تھی۔ قیام، رکوع، سجدے، سلام اور دعا نہیں..... سب کچھ ادا کیے تھے..... مگر اس کا دل دیا خوش نہیں تھا۔ اس کے اندر مایوسی سی چھانے لگی۔ اضطراب بڑھنے لگا۔ اسے یوں محسوس ہونے لگا اس نے بہت زیادہ وقت نماز ادا کرنے میں لگایا ہو..... اسے دل پر بوجھ محسوس ہونے لگا۔ اسے کچھ میں نہیں آ رہا تھا اس ”رات“ میں کیا خاص بات تھی..... اور اس ”رات“ وہ کیفیت کیوں نہ پیدا ہو سکی..... اس نے نوافل تو ادا کیے مگر وہ لطف نہ آیا..... جو شاید کچھ بھی ادا نہ کرنے سے آیا تھا..... یہ سب کیا ہے..... اس کا دل پریشان ہونے لگا..... اضطراب اور مایوسی بڑھنے لگی۔ وہ دادو کے بیڈ پر لیٹ گیا..... مگر اسے نیند نہیں آ رہی تھی..... بہن کہیں اٹھ گیا تھا..... کہیں کھوسا گیا تھا..... کہیں بھول بھلیوں میں..... نجانے کہاں؟

وہ اگلے روز ڈاکٹر فلتین کے پاس گیا۔ وہ ہسپتال میں نہیں تھے۔ وہ ان کے کمرے میں بیٹھ کر ان کا انتظار کرنے لگا۔ دروازہ کھلا..... بلیک اسکارف اوڑھے خوبصورت سی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی۔ اسد نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے پہچاننے کی کوشش کر رہا ہو۔ لڑکی نے بھی اسد کے افسردہ چہرے اور اس آنکھوں کی جانب بغور دیکھا۔

آ..... آپ..... اسد.....؟ علیہ حیرت سے بولی۔

”ہاں..... اور..... آپ..... علیہ“ اسد نے بھی پوچھا۔

”نہیں.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”آپ یہاں..... کیسے.....؟ اسد نے پوچھا۔

ڈاکٹر فلتین کہاں ہیں..... آئی ایم سرفلتین“ وہ قدرے فخریہ انداز میں بولی۔

”مسز..... عقلین.....؟ اسد نے انتہائی حیرانگی سے پوچھا۔

”نہیں..... سنی از مائی سپیڈ“ وہ پراعتاد لہجے میں بولی۔

”اٹس اے بک سر پرائز“ اسد نے بے یقینی سے جواب دیا۔

اس کو قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ علیہ ڈاکٹر عقلین کی بیوی ہو سکتی ہے۔ اس نے علیہ کے بدلے ہوئے چلیے کو سر سے لے کر پاؤں تک دیکھا اور اس کی آنکھوں کے سامنے وہ علیہ انتہائی آڈورس میں شراب کا گلاس پکڑے محو مٹی۔

”یو آرسو جی جوجنڈ (تم بہت بدل گئی ہو) اسد نے حیرانگی سے پوچھا۔

”ہاں..... اور آپ بھی“ علیہ نے اسد کے بکھرے بالوں، انتہائی عام سی ٹی شرٹ پہنے، شیوہ صاف اور اس چہرے کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

”ہاں.....“ اس نے آہ بھر کر جواب دیا۔

دونوں خاموش ہو گئے۔ دروازہ کھلا اور ڈاکٹر عقلین کمرے میں داخل ہوئے۔

”آئی ایم سوری..... آپ کو ویٹ (انتظار) کرنا پڑا۔ مسز اسد دس از مائی وائف (یہ میری بیوی ہیں) علیہ عقلین“

ڈاکٹر عقلین نے مسکراتے تعارف کرایا۔ تو اسد نے مسکراتے علیہ کی جانب دیکھا۔

”اور..... علیہ..... یہ مسز اسد ہیں..... مائی فرینڈ“

ڈاکٹر عقلین نے اسد کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

”آپ نے فون کیا تھا.....؟ علیہ نے ڈاکٹر عقلین سے پوچھا۔

”ہاں..... آج ایک این جی او میں ہم دونوں چیف گیسٹ ہیں آپ کو میرے ساتھ جانا ہے“ ڈاکٹر عقلین نے کہا۔

”آئی سی..... کب.....؟ علیہ نے پوچھا۔

”ڈاکٹر عقلین..... میں پھر آؤں گا..... ابھی آپ بڑی دکھائی دے رہے ہیں“ اسد نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”آئی ایم سوری..... ہمارا وہاں جانا بہت ضروری ہے ورنہ.....“ ڈاکٹر عقلین نے معذرت کرتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... تو پراہم..... میں آنے سے پہلے فون کر لوں گا“

اسد نے کہا۔

”آپ کل آجائیے..... میں آپ کا انتظار کروں گا“ ڈاکٹر عقلین نے اپنے موبائل میں سے اپنی مینٹنر شینڈول چیک کرتے ہوئے کہا۔

”اوکے..... میں کل آؤں گا“ اسد نے کہا اور خدا حافظ کہہ کر وہاں سے چلا گیا۔

”کیا یہ آپ کے چھنڈ (مرضی) ہیں؟ علیہ نے اسد کے جانے کے بعد حیرت سے پوچھا۔

”ہاں.....“ ڈاکٹر عقلین نے جواب دیا۔

”کیا پرائم ہے.....؟ علیہ نے قدرے نخس لہجے میں پوچھا۔

”پرائم نہیں۔ بہت سی پراہٹرو ہیں..... سی ازیویری کچ آپ سیٹ..... مسٹر جواد احمد ان کو میرے پاس لائے تھے“
ڈاکٹر تھلین نے بتایا۔

”کون.....؟ نکمین کے قاور؟ علیہ نے پوچھا۔

”ہاں..... اب چلیں“ ڈاکٹر تھلین نے لاپرواہی سے جواب دیا اور اپنی سیٹ سے اٹھ کھڑے ہوئے۔
”ہاں.....“ دونوں باہر نکل گئے۔

ڈاکٹر تھلین گاڑی ڈرائیو کر رہے تھے اور علیہ ان کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھی کہیں کھوی مچی تھی۔

”جس کو پانے کی تمنا میں تم سختی مضطرب رہتی تھی..... آج وہ تمہیں دیکھ کر مضطرب ہو گیا..... انسان کیسی کیسی تمنا میں کرتا ہے..... کیسی

آرزو میں پالتا ہے..... اور ان کے پورے مذہب نے پرستار ڈسٹرب ہو جاتا ہے..... اور اسے اس وقت معلوم نہیں ہوتا کہ قدرت نے اس کے لیے کیا فیصلہ کر رکھا ہے..... اور اس کی قسمت میں کتنے خوبصورت انسانوں کا ساتھ لکھا ہے.....“ علیہ نے ڈرائیو تک سیٹ پر بیٹھے ہوئے ڈاکٹر تھلین کی جانب مسکرا کر دیکھا..... جو آج اسد سے ہر لحاظ سے بہتر اور خوبصورت لگ رہے تھے۔

”چائے کو پانے کا تمنا کی..... اس کو پا کر ہمیشہ مضطرب ہی رہتا ہے۔ مگر میں مضطرب نہیں علیہ نے سکون سے سانس لی اور وٹو سے باہر دیکھنے لگی۔ اس کو اپنے اندر گہرا سکون محسوس ہونے لگا اور اس نے پر تشکر انداز میں کھلے آسمان کی جانب دیکھا۔

☆

علیہ اسد کے حواسوں پر بری طرح چھائی تھی..... اسے قطعی یقین نہیں آ رہا تھا کہ علیہ اسی حد تک بھی بدل سکتی ہے..... نکمین کے گھربارنی میں اس سے پہلی بار ملاقات ہوئی تھی..... اور پھر وہ دونوں اس کے سفیر میں آئیں تھیں..... اس علیہ میں اور آج کی علیہ میں اس قدر فرق آ گیا تھا کہ اگر انہیں کوئی اس کے پہنچنے ہونے کے بارے میں بتاتا تو وہ یقین نہ کرتا مگر اس نے اپنی آنکھوں سے اسے دیکھا تھا اور اس سے ہاتھ بھی کیس تھیں۔ وہ نوڈلر سو پہننے کی عادی تھی اور ڈریک بھی کرتی تھی۔ اور اب وہ اتنی بدل چکی تھی۔ کہ اسد کو یقین نہیں آ رہا تھا۔

”کیا ڈاکٹر تھلین نے اسے بدل دیا ہے.....؟

”یقیناً۔ یہ کام انہوں نے ہی کیا ہوگا..... جو میرے ذہن پر اتنا اثر چھوڑ سکتے ہیں..... وہ علیہ کی زندگی کو کیسے نہ بدلتے.....؟ علیہ تو ان کی بیوی تھی.....“ مسٹر تھلین.....

”نہیں آئی ایم مسٹر تھلین“ علیہ کے الفاظ اسد کے ذہن میں گونجتے..... وہ کتنی مطمئن اور پرسکون لگ رہی تھی ایسا سکون اس کے چہرے پر کبھی بھی دیکھنے میں نہیں آیا تھا۔ اس کا اطمینان، اعتماد اور سکون اسد کو چوگا گیا تھا۔ اُٹھتے بیٹھتے..... اسد کا ذہن ڈانستہ طور پر علیہ کی جانب چلا جاتا..... اور وہ مضطرب ہونے لگتا۔

دوستی خوش نصیب تھی کہ اسے ڈاکٹر تھلین جیسا اچھا انسان ملا تھا۔ نگین کہتی تھی کہ علیحدہ مجھ میں دلچسپی نہیں تھی مگر وہ مجھے کبھی بھی اس قائل نہیں لگی تھی۔ اور آج اس نے مجھے چمکا دیا ہے۔ اور مومنہ سستی اچھی۔۔۔۔۔ نیک اور ایماندار عورت تھی۔ اور اسے مجھ جیسا شوہر ملا۔۔۔۔۔ مومنہ یہ مجھے ڈیز رو نہیں کرتی تھی۔۔۔۔۔ اسے تو کوئی بہت اچھا انسان ملا چاہیے تھا۔۔۔۔۔ ڈاکٹر تھلین جیسا۔۔۔۔۔ پھر۔۔۔۔۔ اسے میں کیوں ملا۔۔۔۔۔ اس نے آہ بھر کر سوچا۔۔۔۔۔ اللہ کا تو یہ فرمان ہے کہ نیک عورتوں کے لیے نیک مرد اور بدکار عورتوں کے لیے بدکار مرد۔۔۔۔۔ پھر نیک عورتوں کو بدکار مرد۔۔۔۔۔ اور بدکار عورتوں کو نیک مرد کیوں ملے ہیں۔۔۔۔۔ جیسا کہ میں۔۔۔۔۔ مومنہ کو کیوں ملا۔۔۔۔۔ مومنہ تو بہت نیک اور مومن عورت ہے۔۔۔۔۔ اور میں۔۔۔۔۔ اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے اور اس کا اندر مضطرب ہونے لگا۔

ایک اور سوال اسے پریشان کرنے لگا۔۔۔۔۔ وہ بہت سوچنا رہا مگر اس کو کوئی جواب نہ ملا۔۔۔۔۔ کاش وہ مومنہ سے پوچھتا کہ کیا اس کو پا کر اس نے اپنے آپ سے یہ سوال کیا تھا اور اسے کیا جواب ملا تھا۔۔۔۔۔؟ کاش مومنہ ٹھیک ہوتی تو اس سوال کا جواب دے پاتی۔۔۔۔۔
نجانے مومنہ کب ٹھیک ہوگی۔۔۔۔۔؟ کب۔۔۔۔۔ چار ماہ ہونے کو آ رہے ہیں اور وہ یونہی بے حس و حرکت پڑی رہتی ہے۔ یا اللہ اب اس کو ٹھیک کر دے۔۔۔۔۔ وہ بہت بے بس ہے۔۔۔۔۔ میں اس کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔۔۔۔۔ اس کو پھر پہلے کی طرح ٹھیک کر دے۔۔۔۔۔ وہ پہلے کی طرح چلے پھرے۔۔۔۔۔ ہنسے بولے اور باتیں کرے۔۔۔۔۔ اس نے ہم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے دعا کی۔۔۔۔۔ مگر شاید دعا کی قبولیت میں کچھ وقت درکار تھا۔ اس لیے قدرت اسے ٹھیک نہیں کر رہی تھی۔

☆

اگلے روز اسد ڈاکٹر تھلین کے ہاسٹل پہنچا تو وہ بہت تپاک سے ملے۔

”آئیے۔۔۔۔۔ مسٹر اسد۔۔۔۔۔ میں آپ کا ہی انتظار کر رہا تھا“ ڈاکٹر تھلین نے قدرے اچانکیت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

”تھیک ہو۔۔۔۔۔“ اسد نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

”ایلی پیسج۔۔۔۔۔ (کوئی تہدیلی)؟“ ڈاکٹر تھلین نے پرامید لہجے میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ آف کورس۔۔۔۔۔“ اور اسد نے ان کو اس رات کی پرلطف کیفیت اور بعد کی مایوسی کن صورت حال کے بارے میں تفصیلاً بتایا

ڈاکٹر تھلین قدرے پر شوق اور تجسس انداز میں اس کی ساری باتیں سنتے رہے۔

”مسٹر اسد۔۔۔۔۔ ایک اچھے انسان کا پہلا گناہ اور پہلی توبہ“ دونوں ہی اللہ کے نزدیک بہت اہم ہوتی ہیں۔۔۔۔۔ اس انسان کا پہلا گناہ

۔۔۔۔۔ اسے اللہ کی رحمت سے دور لے جاتا ہے اور اس گناہ کے بعد وہ انسان شدید ذہنی و روحانی اذیت سے گزر رہا ہے۔ اس پر مایوسی چھا جاتی ہے اور

ڈپریشن سے وہ بہت رنجیدہ ہو جاتا ہے۔۔۔۔۔ اور ”پہلی توبہ“ جو سچے دل خلوص کی گہرائی اور شدت جذبات سے کی جائے تو وہ اس انسان کو اللہ کی رحمت

کے بہت قریب لے آتی ہے آپ نے جو کیفیت محسوس کی ہے وہ اس کی رحمت کی کیفیت ہے۔۔۔۔۔ رحمت ابراہارام کی طرح ہے۔۔۔۔۔ جو جہنم کا روح کی

آلودگی کو دھو ڈالتی ہے۔۔۔۔۔ اس وقت کی کیفیت واقعی بہت پرلطف پر کیف اور مسرور کن ہوتی ہے۔۔۔۔۔ اس وقت انسان سراپا گناہ یعنی مجرم بن کر اپنے

سارے گناہوں اور غلطیوں کا اقرار کر رہا ہوتا ہے اور خدا سراپا رحمت میں کر غفار اور رحمن بنا ہوتا ہے۔ آپ خوش قسمت ہیں کہ خدا نے آپ کو اس لطیف احساس سے دوچار کیا۔ ورنہ بہت سے لوگوں کو تو وہ ”توبہ“ کی توفیق بھی نہیں دیتا۔ الفاظ ان کے گلے میں ہی انک جاتے ہیں۔ زبان سے ادا ہی نہیں ہو پاتے اور انسان گنہگار ہی مر جاتا ہے۔ اس لیے گناہ کے بعد ”توبہ“ کی اہمیت کو سمجھنا چاہیے۔

رہی دوسری بات کہ اس کے بعد آپ کو تو اصل نماز میں ایسی سرشاری کی کیفیت محسوس نہیں ہوئی تو اسد صاحب برہا را یا ہونا ممکن ہی نہیں۔ لفظ کو بھی ایک ہار کی ”توبہ“ عزیز ہے۔ ہار ہار کی توبہ پر وہ ایسی نظر کر م نہیں کرتا جیسی ایک ہار کی پانچ مزم اور پر غلوں سچائی کے ساتھ کی جاتی ہے۔ اس لیے آپ اس بات سے قطعی مایوس نہ ہوں۔ اس کی رحمت کبھی ایک طرح نہیں بدلتی۔ کبھی کسی صورت میں کبھی کسی شکل میں یہ کائنات عجائب خانہ ہے اور اس کا خالق اس کا پیدا کرنے والا ماسٹر مائنڈ کیا کیا خالقیت اور قوتیں رکھتا ہے انسان کی سوچ تو اس تک جا ہی نہیں سکتی۔

ڈاکٹر فہمین نے مسکراتے ہوئے کہا تو اسد بہت توجہ اور حیرت سے انہیں سننے لگا۔

”ڈاکٹر صاحب..... آپ انسانیت کی اتنی بڑی خدمت کر رہے ہیں..... کیا آپ کی زندگی میں بھی ایسا کوئی واقعہ رونما ہوا جس نے آپ کو یہ سب کچھ کرنے پر آمادہ کیا۔ کیونکہ ہر بڑے مشن کے پیچھے وجہ بھی بہت بڑی ہوتی ہے“ اسد نے پوچھا۔

”ہاں.....“ ڈاکٹر فہمین نے مسکرا کر جواب دیا اور ماضی کے وہ دنوں میں کھو گئے۔

”میرا ایک بہت اچھا، لائق، خوبصورت، بہت پیار کرنے والا دوست تھا۔ احمد بھٹی..... ہم لوگ سکول کالج اور پھر میڈیکل کالج میں اکٹھے پڑھتے تھے۔ وہ ہر کلاس میں اول آتا تھا۔ میٹرک کے بورڈ میں اس کی فرسٹ پوزیشن آئی تھی۔ ایف ایس سی میں بھی اس نے ٹاپ کیا تھا اور میڈیکل کالج میں تمام انگریز اس میں وہ فرسٹ پوزیشن لیتا۔ اس کا تعلق انتہائی مذہبی گھرانے سے تھا۔ اس کے والد امام مسجد تھے اور احمد ان کا ایک ہی بیٹا تھا۔ احمد کے بہت سے بہن بھائی پیدا ہو کر فوت ہو گئے تھے صرف احمد زندہ بچا تھا۔ اس کے والدین بے حد بڑھڑھتے تھے۔ احمد ان کا بہت خیال رکھتا تھا۔ کالج میں احمد سے کچھ لوگ خائف رہتے تھے۔ شاید وہ اس سے حسد کرتے تھے یا کیا وجہ تھی۔ نوائے نائنٹ پر ان لڑکوں نے احمد کو کس طرح ڈنک کرائی۔ سمجھ میں نہیں آیا۔ اور اس کے بعد پولیس نے ہاسٹل پر چھاپہ مارا۔ اگلے روز جن لڑکوں کو گرفتار کیا گیا ان کی تصاویر اخبارات میں شائع ہوئیں..... احمد کے والد نے اخبار دیکھی تو وہیں ان کو ہارٹ ایک ہو گیا..... احمد اس قدر اپ بیٹ تھا کہ میں بتا نہیں سکتا ہم کچھ دوستوں نے اپنے کھونپکس استعمال کر کے اسے پولیس سے چھڑایا مگر احمد بہت زیادہ مایوس ہو چکا تھا۔ جب وہ گھر گیا تو سب لوگ اس پر طنز کرنا شروع ہو گئے۔ اس کے پاس اپنی بے گناہی کو ثابت کرنے کا کوئی ثبوت نہ تھا۔ اور اس نے خودکشی کر لی۔ اتنا دین..... لائق..... غنٹی شخص موت کی آغوش میں چلا گیا۔ اگر وہ آج زندہ ہوتا تو میڈیکل فیلڈ میں اس کا ایک نام ہوتا۔

اس نے خودکشی سے پہلے میرے نام ایک خط لکھا تھا اور اس میں صرف ایک جملہ لکھا تھا۔

”فہمین..... میری طرح کے ذہنی اذیت میں جتنا لو جو انوں کو بچانے کی کوشش کرنا..... میرے پاس موت کے سوا کوئی راستہ نہیں“

نجانے اس کے پیغام میں کیا بات تھی کہ میں نیند و سرجری میں اسکا مشائے نیشن کرنے کے باوجود بھی uncomfortable رہا اور پھر میں

نے سائیکالوجی کی فیلڈ میں دلیر سچ شروع کر دی۔ میں جیسے جیسے آگے بڑھتا گیا۔ خدا سے میرا تعلق بہت مضبوط ہوتا گیا..... احمد کی ڈیڑھ میرے لیے بہت بڑا شاک تھی..... اور میرا ایک تعلیمی سال ضائع ہو گیا۔ اس کی ڈیڑھ سے میرے اندر بہت زیادہ تبدیلیاں آئیں..... ان دنوں مجھ میں دنیا سے بیزاری۔ اور زندگی میں خالی پن کا احساس بہت زیادہ ہونے لگا۔ نہ کچھ پڑھنے کو دل چاہتا تھا۔ اور نہ نیند آتی تھی..... تنگ آ کر کچھ ڈرگز بھی استعمال کیے مگر ان سے بھی سکون نہیں ملتا تھا..... سکون ملا تو اللہ کی طرف جانے سے..... اس کو محسوس کرنے سے اس سے محبت کرنے سے اور اس سے باتیں کرنے سے ملا۔ اس سے اچھا انسان کا ہر از دوست کوئی اور نہیں ہو سکتا اس لیے میں آپ سے جو بھی کہتا ہوں اپنے تجربے کی بنا پر کہتا ہوں "ڈاکٹر فکلین نے آہ بھر کر کہا۔

"دیری سیڈ اسٹوری" اسد نے انتہائی سنجیدگی سے کہا۔

"ہاں..... دو مجھے یاد آتا ہے..... میں اسے کبھی بھلا نہیں پایا..... اس کی ڈیڑھ میرے لیے میرے مشن کی وجہ بن گئی..... میں نے صرف ایک ہوائی حادثہ پر سوچا کہ اگر احمد ڈرنک نہ کرتا اور اپنی سٹوڈنٹس میں ہوتا تو ایسا کبھی نہ ہوتا..... اس نے بہت زیادہ ڈرنک کی تھی دوسرے اسٹوڈنٹس کہتے تھے کہ احمد نے خود ڈرنک کی تھی مگر میں نہیں مانتا۔ وہ ایسا نہیں تھا وہ بہت اچھا انسان تھا" ڈاکٹر فکلین نے پیٹ کی جیب میں سے رد مال نکال کر اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے کہا۔

"ہاں..... کبھی کبھی اچھا انسان بھی تو بھٹک جاتے ہیں....."

اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

"ہاں..... ہر انسان میں غلطی کرنے کے بہت چانسز ہوتے ہیں..... یہ تو قدرت اپنے نظر کرم سے کسی کو بچالے..... تو بچالے..... ورنہ کچھ بھی ممکن ہو سکتا ہے" ڈاکٹر فکلین نے کہا۔

"ڈاکٹر فکلین میں بہت الجھ کر رہ گیا ہوں..... اس رات کے بعد پھر میرے اندر بہت تاؤ پڑی اور ڈپریشن پیدا ہو گیا ہے۔ ثناء کے ساتھ جو بھی ہوا..... اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا۔ میں ہی گنہگار ہوں..... اور..... مومنہ..... میری بیوی بہت نیک عورت ہے..... اس کے ساتھ بہت برا ہوا کہ اسے مجھ جیسا شخص ملا۔ کیا مومنہ مجھ جیسے شخص کو ڈیز رو کرتی تھی۔ جبکہ اللہ تو فرماتا ہے کہ نیک عورتوں کے لیے نیک مرد اور بدکار عورتوں کے لیے بدکار مرد..... مومنہ مجھے بالکل ڈیز رو نہیں کرتی تھی۔ میں اسے کیوں ملا..... اور مومنہ نیک ہو جاتی ہے تو کیا وہ مجھے قبول کر پائے گی اور اگر وہ ٹھیک ہونے کے بعد مجھ سے طلاق مانگتی ہے تب میں کیا کروں گا.....؟ میں یہ برداشت نہیں کر پاؤں گا کبھی بھی نہیں..... کہ مومنہ مجھ سے جدا ہو جائے..... اور..... اگر وہ میرے ساتھ نہیں رہنا چاہے گی تو میں اسے کیسے مجبور کر پاؤں گا..... ڈاکٹر صاحب یہ خوف..... اور..... اندیشے مجھے کسی بھی پل سکون نہیں لینے دیتے..... میں کیا کروں..... میں بہت پریشان ہوں" اسد نے اپنے اندر کے سارے محسوسات اور اندیشے ان کو بتائے۔

ڈاکٹر فکلین اس کی جانب بنور دیکھنے لگے..... اور قدرے توقف کے بعد بولے۔

"میں بھی اللہ کے اس فرمان کے بارے میں بہت سوچتا تھا۔ جب کسی نیک مرد کو بری عورت کے ساتھ اور نیک عورت کو برے مرد کے

ساتھ زندگی گزارنا پڑتی ہے تو ان کے ساتھ ایسا کیوں ہوتا ہے..... بلکہ میں تو اکثر اسے زیادتی سمجھتا تھا..... لیکن وقت کے ساتھ ساتھ اور تجربے سے میں نے یہی نتیجہ نکالا ہے کہ جب کبھی ایسا ہوتا ہے تو اس میں اللہ کی کوئی مصلحت، ضرور ہوتی ہے ممکن ہے بری عورت کو نیک مرد اور برے مرد کو نیک عورت راہ راست پر لائیں..... اور اکثر ایسا ہوتا بھی ہے۔ آپ کی بیوی آپ کو ہر بار ڈرنک سے باز رکھنے کی کوشش کرتی تھی اور ان کے احساس دلانے پر آپ کے اندر رگٹ کا احساس پیدا ہوتا تھا۔ اگر آپ کی بیوی بھی آپ جیسی ہی ہوتی..... تو کوئی بھی ایک دوسرے کو منع نہ کرتا..... اور آپ کے اندر کبھی کبھار پیدا ہونے والے رگٹ کا احساس بھی ختم ہو جاتا..... اب آپ کے اندر یہ سوچ اور احساس خود بخود پیدا ہو گیا ہے کہ آپ کی بیوی بہت نیک ہے اور آپ انہیں ڈیڑور نہیں کرتے مگر آپ ان سے جدائی بھی برواشت نہیں کر پائیں گے..... اور ان کو اپنے ساتھ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کریں گے..... اور آئی ایم شیور آپ نے اپنے آپ کو بدلنے کا عہد بھی کر رکھا ہے، ڈاکٹر ظہیر نے اسٹیپلمیہ لہجے میں پوچھا۔

”نہیں..... آف کورس.....“ اسد نے جواب دیا۔

”میرا خیال ہے..... وہ بھی آپ سے بہت محبت کرتی ہیں..... اگر آپ انہیں کسی طرح یہ یقین دلانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں کہ آپ آٹھ ڈرنک نہیں کریں گے تو وہ آپ کو کبھی نہیں چھوڑیں گی..... لیکن اس کے لیے شرط یہ ہے کہ آپ ان کو یقین دلائیں اور وہ آپ پر یقین بھی کریں..... اب یہ آپ پر ہے کہ آپ ان کو یقین دلانے میں کیسے کامیاب ہوتے ہیں“ ڈاکٹر ظہیر نے کہا تو اسد گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

”اور وہ گناہ جو میں نے ثناء کے ساتھ کیا.....؟ اسد نے فخریں جھکا کر کہا۔

”اللہ تعالیٰ نے ہر گناہ کی سزا مقرر کی ہے..... سزا نہیں تو ڈان..... ڈان نہیں تو کٹارہ..... کٹارہ نہیں تو معافی..... مگر کچھ ایسا جو اس نقصان کا کچھ تو ازالہ کر سکے“ ڈاکٹر ظہیر نے بلا واسطہ انداز میں کہا تو اسد خاموش ہو گیا۔ جیسے کسی گیمبر سوچ میں ڈوب گیا ہو۔

☆

اسد شے کے بعد اخبار پڑھ رہا تھا کہ نظام دین لاؤنچ میں داخل ہوا۔

”سلام صاحب جی.....“ نظام دین نے فلت لہجے میں نظریں جھکاتے ہوئے کہا۔

”آؤ نظام دین.....“ اسد سے دیکھ کر جلدی سے اٹھا اور اسے اپنے ساتھ ڈرائنگ روم میں لے گیا۔

نظام دین بہت کمزور..... بیمار..... اور پریشان دکھائی دے رہا تھا۔ اس کے کپڑے بھی بہت خستہ حال تھے۔ نظام دین ثروت کا شوہر اور ثناء کا باپ تھا۔ ثناء کے ساتھ ہونے والے واقعے کے بعد وہ سب لوگ خیرن بوسیت راتوں رات ہی کسی کو کچھ بتائے اور کہے سنے بغیر وہاں سے کہیں چلے گئے تھے۔ کہاں چلے گئے تھے کوئی نہیں جانتا تھا۔ اسد داد کی وقت اور مومنہ کی بیماری کی وجہ سے اتنا اپ سیت رہا کہ اسے ان کا خیال بھی نہ آیا۔ مگر کچھ روز سے اسے اپنا گناہ بہت پریشان کرنے لگا تھا۔ دھرمف ایک بار نظام دین سے ملنا چاہتا تھا۔ اس نے نظام دین کے دوستوں کے ساتھ بھی رابطہ کرنے کی کوشش کی اور سب کو پیغامات دیے کہ وہ اسد سے آکر ملے..... مگر کئی روز گزرنے کے باوجود بھی نظام دین نے رابطہ نہیں کیا تھا

اور آج وہ اچانک آگیا تھا۔

نظام دین پچاس سالہ تحمل مزاج اور ایماندار شخص تھا۔ اسد نے جب سے ہوش سنبھالی تھی اس نے نظام دین کو داد و کے ڈار اسد کی حیثیت سے دیکھا تھا اور پھر وہ اسد کی خدمت میں لگ گیا۔ اس نے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا تھا۔ اور اسد نے ان کے ساتھ کیا کیا تھا۔ اسد بہت شرمندگی محسوس کر رہا تھا۔ وہ نظام دین کو کچھ کہنا چاہتا تھا مگر اس کے پاس کہنے کو کچھ نہیں تھا۔ اسد کی زبان بھی اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی وہ خاموش بیٹھا نظریں چرا رہا تھا۔ نظام دین بھی سر جھکائے بیٹھا تھا۔ اسد کے چہرے پر شرمندگی کے تاثرات تھے جبکہ نظام دین کے چہرے پر دکھ، کرب، حسرت اور پریشانی کے تاثرات نمایاں تھے۔

”میرا بیٹا کب ملا تھا۔۔۔۔۔؟ اسد نے بالآخر ہمت نکجا کر کے پوچھا۔

”دو تین روز پہلے۔۔۔۔۔“ اس نے جواب دیا اور خاموش ہو گیا۔

”خیرن بوا۔۔۔۔۔ اور۔۔۔۔۔ سب لوگ کیسے ہیں؟ اسد نے قدرے توقف کے بعد پھر پوچھا۔

”سب زندہ ہیں“ نظام دین نے قدرے مایوس کن لہجے میں جواب دیا۔

”میں ابھی آیا۔۔۔۔۔“ اسد کہہ کر ڈرائنگ روم سے باہر چلا گیا اور تھوڑی دیر بعد آیا۔۔۔۔۔ تو اس کے ہاتھ میں اس کا بریف کیس تھا۔ اس نے

کھول کر اپنے سامنے رکھا اور اس میں سے ایک چیک نکال کر نظام دین کے سامنے ٹھیک پر دکھا۔

”نظام دین۔۔۔۔۔ یہ پچاس لاکھ کا چیک ہے۔۔۔۔۔ میں بہت شرمندہ ہوں۔۔۔۔۔ معلوم نہیں سب کچھ کیسے ہو گیا۔۔۔۔۔ روپیہ انسان کی عزت کا نعم

البدل تو نہیں ہو سکتا مگر اس سے گنہگار کے دل سے نعم کا بوجھ کچھ تو ہلکا ہو جائے۔۔۔۔۔؟ اسد چیک اس کی جانب بڑھاتے ہوئے بولا۔

صاحب جی۔۔۔۔۔ یہ جیسے ہمارے کس کام کا۔۔۔۔۔؟ اس سے کیا واپس لیں گے۔۔۔۔۔ عزت۔۔۔۔۔ یا۔۔۔۔۔؟ نظام دین سسکتے لگا۔

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟ اسد ایک دم گھبرا کر بولا۔

”ثناء اب اس دنیا میں نہیں ہے۔۔۔۔۔ اس نے خود کٹی کر لی ہے“

نظام دین کہہ کر اونچی آواز میں رونے لگا۔

”ک۔۔۔۔۔ ک۔۔۔۔۔ کب۔۔۔۔۔؟ اسد نے بمشکل تھوک نگلتے ہوئے کہا دکھ شرمندگی اور نعم کے تاثرات اس کے چہرے پر نمایاں ہونے

لگے۔ اس کا دل پھٹنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ بھی رو چاہتا تھا مگر خاموش رہا ڈرائنگ روم میں صرف نظام دین کی سسکیاں اور آہیں سنائی دے رہی ہیں

تھیں اور ان کی ہازنشت سے ڈرائنگ روم کی فضا قدرے بوجھل اور سوگوار ہو رہی تھی۔

”میں۔۔۔۔۔“ اسد نے بمشکل کہا اور پھر خاموش ہو گیا جیسے اس کے پاس کہنے کو کچھ نہ ہو۔ سارے الفاظ ختم ہو گئے ہوں یا پھر جذبات تلے کہیں

دب گئے ہوں۔ اسے سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ نظام دین کو کیا کہے۔۔۔۔۔ وہ اٹھ کر اس کے قریب صوفے پر بیٹھ گیا اور اپنا ہاتھ اس کے کندھے پر رکھا۔

”نظام دین۔۔۔۔۔“ وہ پھر بمشکل کہہ پایا اور آنسو اس کی آنکھوں میں جمع ہونے لگے اس کی آواز بھرانے لگی اور جسم شدت جذبات سے مظلوم

ہو کر کپکپانے لگا۔ نکلاہو دین نے اپنے کندھے پر کھسکے اس کے کپکپاتے ہاتھ سے اس کے اندر کی کیفیت محسوس کرتے ہوئے اس کی جانب دیکھا۔
 "اس نے خودکشی کیوں کی؟ اسد نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

ایسی لڑکیوں کو لوگ کہاں معاف کرتے ہیں..... سارا الزام انہی پر آتا ہے..... وہ بے گناہ ہو کر بھی تنہا رہ جاتی ہیں اور زندگی کا ایک
 ایک ٹپا ان کے لیے سزا بن جاتا ہے..... شاید ہی اس سزا کو برداشت نہ کر پائی....." نکلاہو دین نے روتے ہوئے جواب دیا۔
 اسد کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے جو اس نے بہت مشکل سے ضبط کیے تھے۔

"ہم یہاں سے اپنے گاؤں چلے گئے..... جہاں میرے بہن بھائی رہتے تھے وہ لوگ اچانک ہرے گاؤں آنے پر حیران ہو رہے تھے ثروت
 نے میری بڑی بھابھی کو بتایا۔ بھابھی بیوہ عورت ہے اور اس کے دو بیٹے ہیں۔ بھابھی نے جھٹ سا پنہ بڑے بیٹے شاہد کے ساتھ شاہد کی شادی کرنے کو
 کہا۔ ہم تو گوں کو بھی کوئی ایسا آسرا چاہیے تھا ہم بہت پریشان تھے..... لوگوں نے ہمیں اس رشتے سے باز رکھنے کی بہت کوشش کی کہ شاہد بہت آوارہ اور بد
 معاش ہے مگر بھابھی نے یہ کہہ کر ہمیں خاموش کر دیا کہ لوگ ان سے حسد کرتے ہیں اس لیے ایسا کہہ رہے ہیں۔ ہم نے بھی شاہد کا اتنا ہمانہ کر لیا کہ مگر کالز کا
 ہے..... اچانک ہے..... اور اس مشکل وقت میں ہمارا ساتھ دینے کو تیار ہے اس لیے ہم خاموش ہو گئے اور ہم نے شاہد کی شادی ان سے کر دی۔ ہم نے شکر کیا
 کہ بات اندر ہی اندر دب گئی ہے مگر شادی کے بعد شاہد اور بھابھی دونوں سے بہت طعنہ دینے لگے۔ شاہد تو گوں کو خود بتاتا تھا کہ کبھی کبھی کوشش کرتی تو
 اس کو مارتا پڑتا..... بھابھی اور شاہد دونوں نے اس کی زندگی طراب بنادی تھی اور شادی کے آٹھ دن بعد اس نے دیوار میں چھلانگ لگا کر خودکشی کر لی..... اگلے
 روز اس کی مردہ لاش پانی میں سے ملی۔" نکلاہو دین بتا کر اونچی آواز سے رونے لگا اس کی سسکیاں اور پچکیاں جھمنے میں نہیں آ رہی تھیں۔

اسد خاموشی سے اس کی باتیں سن رہا تھا اس کا دل انتہائی پریشان ہونے لگا تھا۔

"وہ کب.....؟" اسد نے بمشکل پوچھا۔

"یہاں سے جانے کو کس دن بعد ہی مر گئی۔" نکلاہو دین نے آہ بھرتے ہوئے کہا۔

"مجھے سن کر بہت افسوس ہوا ہے....." اسد نے ہونٹ کاٹتے ہوئے کہا۔

میرا تو گھری نوٹ کر رہ گیا ہے ثروت اس کے فم میں بیمار ہو گئی ہے۔ بستر سے ہی نہیں اٹھتی۔ ہر وقت روتی اور دکھاتی رہتی ہے۔ خیرن
 برا بھی پریشان اور اس رہتی ہیں چھوٹے بچے بگڑ رہے ہیں۔ انہیں کوئی پوچھنے والا نہیں..... میں نے ایک ٹیکسری میں ملازمت کر لی ہے..... ہمارے
 گھر کو جانے کس کی نظر لگ گئی ہے ہم یہاں بہت خوش اور مطمئن تھے..... مگر "نکلاہو دین نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

"نکلاہو دین سب میری وجہ سے ہوا..... میں آپ کے خاندان کی بچائی کا ذمہ دار ہوں" اسد نے فم آنکھوں سے جواب دیا۔

"صاحب..... افسوس بھی اسی بات کا ہے کہ آپ برے انسان نہیں۔ آپ نے تو کبھی شاہد کو بری نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا۔ آپ ہم سب

کے ساتھ بہت اچھی طرح پیش آتے تھے..... یہ سب کچھ آپ سے "شراب" نے کر لیا آپ اچھے برے کی تمیز نہ کھو بیٹھے شراب نے اچھے برے اور

بھگد اور لوگوں کو برا کر دیا ہے..... آج تک اس نے کس کا بھلا کیا ہے..... آپ اپنے خواہوں میں ہوتے تو شاید یہ سب کچھ بھی نہ ہوتا۔ شاہد انا ہالی

تھی۔ بے وقوف تھی..... میں اور ثروت اس کو بہت سمجھ کر رکھتے تھے مگر نجانے کیسے وہ بھی.....؟

نظام دین نے وہی لہجے میں کہا اور پھر خاموش ہو گیا۔

”ثروت نے اسے بہت مارا تھا..... مگر میں نے اسے کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ مجھ سے جھگڑتی پھرتی تھی..... اور ثروت کی مار کے بعد تو خاموش آنسو بہاتی رہتی تھی۔ وہ جتنی طور پر بہت پریشان ہو گئی تھی۔ اس کی شادی ہو گئی تو ہم نے سکون کا سانس لیا کہ اس کا گھر بس جائے گا تو اس کا ذہن ٹھیک ہو جائے گا مگر ہمیں کیا معلوم تھا کہ ہم اسے چوبیس سے آگ کی بجلی میں ڈال رہے ہیں..... جس کے تیز شعلوں نے اسے ایسے جلایا کہ اسے راکھ کا ڈھیر بنا دیا“ نظام دین نے اپنی نم آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”نظام دین..... مجھے معاف کر دو..... میں تمہارا مجرم ہوں اور ثروت بوا کا بھی..... آپ لوگ جو سزا تجویز کرتے ہو میں بھگتے کو تیار ہوں میرے دل اور دماغ پر گناہ کا بہت بڑا بوجھ ہے..... پلیز مجھے اس بوجھ سے نجات دلا دو“ اسد نے انتہائی شرمندگی سے سر جھکاتے ہوئے کہا۔

”صاحب..... ہم کون ہوتے ہیں آپ کو معاف کرنے والے..... آپ تو صاحب لوگ ہیں..... معافی مانگتی ہے تو اللہ سے مانگیں..... وہ معاف کر دے تو ہماری معافی کی کیا حیثیت..... معاف کرنے والا تو وہ ہے.....“ نظام دین نے اپنے ہاتھوں سے اپنی آنکھوں کو صاف کرتے ہوئے کہا۔

”اب میں چلتا ہوں“ نظام دین اٹھتے ہوئے بولا۔

”نظام دین..... پلیز یہ چیک رکھ لو..... اس کو رکھ لو گے..... تو میرے دل کو کچھ تسلی ہو جائے گی“ اسد نے کہا۔

”نہیں..... ہم غریب لوگوں کے پاس تھوڑی سی خود داری رہ گئی ہے..... اب اسے تو نہ خریدیں“ نظام دین نے ہاتھیں کن لہجے میں کہا تو اسد خاموش ہو گیا اور اسے وہ بارہ نہ کہا۔

وہ اجازت لے کر چلا گیا اور اسد کے دل کا بوجھ اور بڑھ گیا وہ اس قدر شرمندہ، مضطرب اور پریشان ہو گیا کہ نظام دین کے جانے کے بعد دھاڑیں مار مار کر رونے لگا۔ وہ جس قدر شدت سے روتا تھا اسی قدر اس کے اندر اضطراب بڑھ رہا تھا۔

اسے قطعی امید نہیں تھی کہ اس کی جتنی اور جہد باقی خوشی دوسروں کی زندگیوں کو کس کس طرح تباہ کر دے گی اسے قطعی امید نہیں تھی..... اس کے ایک گناہ نے اس پر ہتھوں اور سوائیوں کے دروازے کھول دیے تھے۔ سونہ سی لپٹا سے منع کرتی تھی۔ اللہ کے احکامات سنائی تھی اسے ڈالائی تھی۔ آنے والے وقت کی تکفیل سے ڈرانے کی کوشش کرتی تھی..... مگر وہ اس کی باتوں کا ہمت نہ دیتا تھا۔

”صاحب..... آپ برے انسان نہیں تھے..... یہ سب کچھ آپ سے “شراب“ نے کرایا..... آپ اچھے برے کی تمیز کھو بیٹھے..... آپ

اپنے حواسوں میں ہوتے تو شاید یہ سب کچھ کبھی نہ ہوتا“ نظام دین کے الفاظ اس کے ذہن میں گونج رہے تھے..... اور..... بار بار گونج رہے تھے۔

”آپ نے تو شاید کبھی بری نگاہ سے بھی نہیں دیکھا تھا..... پھر نجانے“ نظام دین کے الفاظ اور جملے اسے مزید مضطرب کرنے لگے۔ اس کا دل شدت غم سے پھٹنے کو بے تاب ہو رہا تھا۔

اسد کا دل بری طرح بے تاب ہو رہا تھا۔ وہ یہ غم کسی کے ساتھ شیئر کرنا چاہتا تھا۔ اس کی آنکھیں رونے سے سرخ ہونے لگی تھیں۔ اس نے

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1

چیک پھاڑ کر ڈسٹ دینا میں ڈالا اور ٹشو جپر سے آنکھیں صاف کرتا ہوا اپنے بیڈروم میں چلا گیا۔ اور دروازے کو اندر سے لاک لگا دیا۔

مومن کی آنکھوں میں حیرت کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اسد بوجھل قدموں کے ساتھ اس کے پاس بیڈ کے ساتھ صوفے پر بیٹھ گیا..... اور مومن کی جانب دیکھنے لگا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر بیٹھ گیا..... وہ خاموش تھا اسے کچھ کہنا چاہتا تھا اسے کچھ بتانا چاہتا تھا مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

”مومن.....“ وہ کہہ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مومن نے حیرت سے چونک کر اس کی جانب دیکھا۔ اس کے چہرے کے تاثرات بدلنے لگے۔ اس نے اپنی ہمنواؤں کو سکیز اور آنکھوں کو قدرے حیرت سے پھیلایا۔

”مومن.....“ اسد بے شکل بولا اور اس کی ہلکی بندھ گئی۔

مومن نے گہری سانس لی اور وہ اسد کی جانب چہرہ موڑ کر دیکھنے لگی۔

”مومن.....“ ”ٹھا“ ”دور دھڑا۔“

مومن کی آنکھوں میں چمک سی پیدا ہوئی۔ جیسے وہ کچھ جاننے کے لیے تجسس ہو رہی ہو۔

”ٹھا.....“ ”ٹھا“ ”مر گئی ہے.....“ اس نے..... خودکشی کر لی ہے۔“

اسد نے کہہ کر ہچکیاں لینے لگا۔

مومن کو شاک لگا اور اس نے جمر جمری لی۔ اس کے سارے جسم میں حرکت پیدا ہوئی۔ اس نے اپنے جسم کو ہلکا دیا۔ اور اسد کے ہاتھوں میں جکڑے اس کے ہاتھ میں جنٹیل سی پیدا ہوئی۔ مگر اسد ان سب باتوں سے بے نیاز آنکھیں بند کیے اس کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں میں جکڑے آنکھوں سے لگائے ہچکیاں بھرنے میں مصروف تھا۔ اسے بالکل بھی خبر نہ تھی کہ مومن کے بے جان جسم میں کوئی حرکت بھی پیدا ہو رہی تھی۔

”ٹھا.....“ ”میری وجہ سے مر گئی ہے.....“ میں ہی اس کا قاتل ہوں۔ میں مجرم ہوں.....“ اور آپکا بھی“ اسد سسکیاں بھرتے ہوئے بولا۔

اب مومن کی آنکھوں سے آنسو شدت سے بہنے لگے۔

تم مجھے بہت منع کرتی تھی..... مجھے بہت روکتی تھی..... مگر میں ہانڈ آیا..... اور..... وہ پھر رونے لگا۔

”یہ سب کچھ اسی وجہ سے ہوا ہے..... میں نے اس وقت ڈرنک نہ کی ہوتی تو شاید..... میں آج..... ہی.....“

اسد سسکیاں لیتے ہوئے اور اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے اٹھا مومن حیرت سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

اسد قدرے جذباتی انداز میں اٹھا..... اور اپنی خفیہ الماری کا شین دیا اور شراب کی پانچ بوتلوں کو نکالا۔

مومن حیرت سے اس کی جانب دیکھتی رہی اور اس نے ہلکے سے اپنے سر کو اٹھایا۔

”میں..... آج..... سے خود..... ان کو اپنے ہاتھوں سے توڑ دوں گا جس نے میری زندگی کو آلودہ کر دیا.....“ مجھ سے میرا سب کچھ چھین لیا

..... اور اسد نے واش روم میں زور سے ایک بوتل پھینکی..... شیشے کے ٹوٹنے کی آواز پورے کمرے میں گونجنے لگی۔ سمون نے حیرت سے ہاتھ روم کی جانب دیکھا..... اور اگلے ہی لمحے اس کے لمبوں پر مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

اسد نے دوسری بوتل توڑی..... سمون کی آنکھوں میں خوشی سے چمک پیدا ہونے لگی اور لمبوں پر مسکراہٹ اور زباؤں پھیلنے لگی۔
اسد نے تیسری بوتل توڑی.....

سمون کے پاؤں کے انگوٹھوں میں جنٹش پیدا ہوئی اور اس نے اپنے پاؤں کی انگلیوں کو آگے پیچھے حرکت دی اور اپنے بازوؤں کو بلانے کی کوشش کی۔

اسد نے چوتھی بوتل توڑی۔

سمون نے سرگما کر اسد کی جانب دیکھا اور اسے بلانے کے لیے اپنے ہونٹوں کو حرکت دی..... مگر آواز اس کے گلے میں سے نہیں نکل رہی تھی وہ..... اسد..... اسد..... اسد پکارتی رہی مگر آواز سنائی نہیں دے رہی تھی۔ اس کی مسکراہٹ ہلکے ہلکے قطعے میں بدل گئی جو اس کے اندر کی انتہائی خوشی کے احساس کو ظاہر کر رہی تھی..... خوشی سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

اسد نے پانچویں بوتل کو واش روم میں زور سے توڑا..... اس بار شیشے ٹوٹنے کی آواز کمرے میں بہت گونجی۔

سمون کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے اس نے اپنے جسم کو ایک جھٹکادیا اور آہستہ آہستہ اپنے گلے کی کوشش کی اس کے گلے سے آہستہ آہستہ خوشی سے جنم لینے والی نمی کی آواز نکلنے لگی۔ وہ فزوظہبات سے لبریز تھی اس نے نیچے سے سر اٹھایا اور واش روم کی جانب دیکھا۔

اسد اونچی آواز میں رور ہاتھ سمون کو اس کی سسکیوں اور رونے کی آوازیں بھی آرہیں تھیں۔ تو ہمیں ٹوٹنے کے بعد اس کی سسکیوں اور ہچکچوں کی آوازیں کمرے میں گونجنے لگیں۔

سمون کچھ پریشان ہو گئی وہ اسد کو روکنا چاہتی تھی۔ اسے قسملی دینا چاہتی تھی اس نے کوشش کی مگر اٹھ نہ سکی اس نے اپنے پاؤں کو حرکت دی تاگوں کو آگے پیچھے یوں حرکت دیتے جیسے کوئی بے بسی میں حرکت دینے کی کوشش کرتا ہے مگر کہیں پاتا۔ اس نے بے بسی اور مایوسی سے تاگوں کی جانب دیکھا اور انہیں بھر بلانے کی کوشش کی اسد کی سسکیوں اور رونے کی آواز بڑھتی جا رہی تھی۔ اور ان آوازوں سے اس کے اندر پہچانی اور خطرہ جانی کیفیت پیدا ہو رہی تھی۔

اس نے پوری قوت سے اسد کو پکارنا چاہا..... بلکی سے آواز سرگوشی کی صورت میں..... اس کے منہ سے نکل..... اس نے پھر پکارا۔ اب کی بار آواز قدرے بلند ہوئی۔

”کہیں سمون..... اس کے یوں رونے سے لاٹرب نہ ہو رہی ہو؟ اسد نے واش بیسن پر گھٹا اپنے میں اپنی سرخ آنکھوں کو دیکھا اور فرش پر ٹوٹی ہوئی بوتلوں کی کرجیوں کو..... جو ارد گرد دکھری ہوئیں تھیں۔ اسد نے چہرے پر پانی پینکا مگر پھر اس کی نگلی بندھ گئی اس نے واش روم کا دروازہ زور سے بند کیا سمون گھبرا گئی اور بند دروازے کی جانب دیکھ کر زور سے چیخ ماری۔

”اسد“ وہ قدرے اونچی آواز میں چلائی اور بیڈ پر بیٹھنے کی کوشش کی۔ اس کی نظریں واش روم کے دروازے کی جانب تھیں۔ اور اس کا دل بہت جیڑی سے دھڑک رہا تھا۔ اس کی آنکھوں میں خوف اور حیرت کے تاثرات نمایاں ہو رہے تھے۔ اس کے ہونٹ کپکپا رہے تھے اور اس کے جسم میں بھی ارتعاش جاری تھا۔ وہ کپکپاتی آواز اور نرم سے گلے کے ساتھ اسد..... اسد پکار رہی تھی مگر اسد اس کی کوئی آواز نہیں سن رہا تھا۔ اچانک مریم دروازہ کھول کر کمرے میں داخل ہوئی اور مومنہ کو بیڈ پر بیٹھے اور اسد کو آوازیں دیتے ہوئے سن کر چونک گئی۔ اسے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔

”آپی..... آپی..... آپ“ وہ انتہائی خوشی سے چلاتی ہوئی مومنہ کی جانب بڑھی اور اس کے ہاتھوں، زبان اور جسم کو حرکت کرتے دیکھ کر اس کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

”آپی..... یہ سب کیسے ہو گیا.....؟ اتنا بڑا معجزہ..... مجھے تو یقین نہیں آ رہا“ مریم اپنی آنکھوں کو ملتے ہوئے بولی۔

”اسد..... اسد.....“ مومنہ نے قدرے چلاتے ہوئے مریم کو واش روم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کچھ کہنا چاہا۔

”کیا ہوا..... اسد بھائی کو.....؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”مریم..... در..... در..... در..... بجا..... بجا.....“ مومنہ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

”کیوں.....؟ مریم کو تھوڑی سی جھجکاہٹ محسوس ہوئی۔

”مر..... مر..... جاؤ.....“ وہ پوری قوت سے چلائی۔

اور مریم حیرت سے اسے دیکھنے لگی۔ پھر واش روم کے دروازے کی جانب۔

”مریم..... جاؤ..... جاؤ.....“ وہ غصے سے چلائی اور اونچی آواز میں رونے لگی۔

مریم گھبرا کر واش روم کی جانب گئی اور واش روم کے دروازے پر آہستہ سے دستک دی۔ اندر سے کوئی جواب نہ آیا۔ مریم کو بھی پریشانی

ہونے لگی۔ مریم نے پھر زور سے دروازہ بجایا تو تھوڑی دیر بعد دروازہ کھلا۔ اسد کی آنکھیں اور ناک سرخ ہو رہی تھی۔ اس کے چہرے سے صاف دکھائی

دے رہا تھا کہ وہ بہت شدت سے رورہا تھا۔ مریم نے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور اس کے پاؤں میں شیشے کی کرچیاں بکھری ہوئی دیکھیں۔

اسد مریم کو اپنے سامنے دیکھ کر چمکا۔

”نک..... کیا بات ہے؟ اسد نے حیرت سے پوچھا۔

”وہ..... مومنہ..... آپی.....“ مریم حریفہ کچھ نہ کہہ سکی۔

اسد ایک دم گھبرا گیا اور واش روم سے قدرے بھاگتا ہوا مومنہ کی جانب لپکا..... اور مومنہ کو بیڈ پر بیٹھے ہوئے دیکھ کر چونک گیا۔

”مومنہ..... یہ..... یہ.....“ حیرت اور خوشی سے اسد کی زبان سے الفاظ نہیں نکل رہے تھے اور وہ اس کے ہاتھوں اور پاؤں کو ہاتھ لگا کر

دیکھ رہا تھا۔

اس کی آنکھیں حیرت سے پھلتی جا رہی تھیں۔

”موسیٰ..... یو..... یو..... نو.....“ وہ انتہائی خوشی سے ہلا۔

”اسد..... آ..... آپ.....؟ مومنہ نے قدرے گھبرائے ہوئے لہجے میں اسد کے ہاتھ کو پکڑتے ہوئے کہا اور اس کی آنکھوں کی جانب

بخور دیکھتے ہوئے بولی۔

”ہاں..... میں ٹھیک ہوں“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

اسد اس کا ہاتھ اپنے دونوں ہاتھوں میں تمام کراہی آنکھوں سے لگا کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔

مریم خاموشی سے کمرے سے باہر چلی گئی۔

”قاریبوی..... پلیز قاریبوی..... (مجھے معاف کر دو) اسد نے روتے ہوئے کہا اور آنکھیں بند کر لیں۔

مومنہ اسد کی جانب خم آنکھوں سے دیکھنے لگی۔

اور اسد کے ہاتھوں میں سے اپنا ہاتھ چھڑایا اسد نے آنکھیں کھول کر اس کی جانب دیکھا۔ مومنہ نے اپنے ہاتھ کی پوروں سے اس کی آنکھوں سے آنسو صاف کرنے کی کوشش کی اسد نے قدرے حیرت سے اس کی جانب دیکھا اور قدرے جذباتی انداز میں اس کا ہاتھ مضبوطی سے اپنے دونوں ہاتھوں میں پکڑ کر اسے دالہاں انداز میں چومنے لگا اور اس کے قریب بیٹھ کر اسے اپنے گلے کے ساتھ لگا کر رونے لگا۔ مومنہ بھی روتی رہی۔

”پلیز..... ڈونٹ لیو (مجھے مت چھوڑنا) اسد روتے ہوئے بار بار یہی پوچھا اور مومنہ اس کی بات سن کر حیران ہو رہی تھی اور سسکیاں بھر رہی تھی۔

”موسیٰ..... اس اے مریکل Miracle (یہ معجزہ ہے)..... آئی ایم ناٹ بلیوینگ (میں یقین نہیں کر رہا) بٹ آئی ہیو نو بلیو اٹ (لیکن مجھے اس پر یقین کرنا ہے) اسد نے قدرے مضبوطی سے اسے اپنے ساتھ لگاتے ہوئے کہا۔

آئی لو یو..... سویت باڈ..... آئی کانٹ لیو ڈاؤنٹ یو (میں تمہارے بغیر نہیں رہ سکتا) اسد نے اپنے آنسوؤں کو صاف کرتے ہوئے کہا اور اپنے ہاتھ کی انگلی سے دونوں آنکھوں سے آنسو صاف کیے اور مسکرا کر اس کی جانب دیکھا اور اس کی پیشانی پر اپنے لب رکھ دیے۔ مومنہ بھی زہر لب مسکرا دی۔

☆

معیر بے حد خوش تھا ایم بی اے کے فرسٹ سمسز کا رزلٹ آؤٹ ہوا تھا اور وہ بہت اچھے نمبروں سے پاس ہوا تھا اسے بار بار مومنہ یا د آ رہی تھی جس کے ترغیب دلانے پر اس نے ایم بی اے میں داخلہ لیا تھا۔ اور ایم بی اے کے بارے میں اس نے کسی کو نہیں بتایا تھا اور نہ ہی کسی سے رابطہ رکھا تھا۔ وہ مریم کے سامنے کچھ بن کر جانا چاہتا تھا کہ مریم اس کو دیکھ کر منہ نہ پھیرے۔ وہ مریم سے بہت محبت کرتا تھا اور اسے کھونا نہیں چاہتا تھا۔ وہ مریم کو بھی رزلٹ کے بارے میں نہیں بتانا چاہتا تھا۔ اس نے تجویز کر رکھا تھا کہ وہ ایم بی اے مکمل کر کے اور کوئی اچھی جاب پانے کے بعد پھر مریم کو ملنے جائے گا۔ اور پھر اسے اپنے ساتھ لے کر آئے گا۔ بیٹھ کے لیے۔

وہ مٹھائی لے کر مومنہ کے گھر گیا تو ہر جانب گہری خاموشی تھی۔ ذکیہ آپا داؤنچ میں بیٹھی تھیں۔ ماہان کے پاس بیٹھی کھیل رہی تھی۔ مہارنے کا رہٹ پر اپنے سارے کھلونوں کا دھیر لگا رکھا تھا کبھی ایک کو پکڑتی تو کبھی دوسرے کو۔ ذکیہ آپا اس کے پاس مومنہ پر بیٹھی تسبیح پڑھنے میں مصروف تھیں۔

”السلام علیکم آئی.....“ معین نے اچانک ان کے پاس آکر کہا۔

”علیکم السلام.....“ ذکیہ آپا نے حیرت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے جواب دیا اور کھڑے ہو کر اس کے سر پر بیٹھا دیا۔

”بیٹھو..... بیٹا..... ادھر آؤ..... کیسے ہو تم.....؟ اور..... تمہاری امی کیسی ہیں؟ ذکیہ آپا نے نرم لہجہ میں پوچھا۔

”بالکل ٹھیک ہیں! معین نے مسکرا کر جواب دیا۔

”مومنہ آئی کہاں ہیں.....؟ میں ان سے ملنے آیا ہوں“

معین نے ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”وہ ہاسٹل گئی ہے.....“ ذکیہ آپا نے جواب دیا۔

”ہاسٹل..... کیوں؟ معین نے حیرت سے پوچھا۔

”فزیو تفرانی کے لیے..... اسد ہر روز اسے لے کر جاتا ہے“ ذکیہ آپا نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”کیوں..... انہیں کیا ہوا ہے؟ معین نے حیرانگی سے پوچھا۔

”سلوٹ آپا کی اچانک وفات کا اس نے شدید اثر لیا اور اسے برین ہیمیرج ہو گیا“ ذکیہ آپا نے حقیقت چھپاتے ہوئے کہا۔

”اوہ..... نو.....“ وہ تاسف سے بولا۔

”وہ عین چار ماہ کو مے میں رہی ہے اب اللہ نے کرم کیا ہے..... بہت بہتر ہے۔ چلنے پھرنے کے قابل ہو گئی ہے مگر ابھی اسے بہت

زیادہ کمزوری ہے ہر دوسرے تیسرے روز ہاسٹل جاتی ہے۔ ماشاء اللہ اب بہتر ہو رہی ہے میں اور مریم تب سے ہی ادھر ہیں ذکیہ آپا نے اسے بتایا

مجھے بہت افسوس ہوتا ہے.....“ معین نے کہا۔

”بس جو اللہ کو منظور..... انسان کو کیا معلوم ہوتا ہے کہ اگلے لمحے اس کے ساتھ کیا ہونے والا ہے۔ یہ تو بس اللہ ہی جانتا ہے“ ذکیہ آپا نے

سنجیدگی سے کہا۔

”آپ ٹھیک کہہ رہی ہیں..... ہم سب بے حیثیت انسان ہیں..... اس کی حکمتیں اور فیصلے ہر شے پر غالب ہیں“ معین نے جواب دیا۔

”مریم..... مریم.....“ ذکیہ آپا نے مریم کو آواز دی۔

”آئی..... آپ مریم کو مت بلائیں..... میں مومنہ آئی کو یہ مٹھائی دینے آیا تھا۔ میری طرف سے انہیں سلام پہنچاؤں گا۔ میں ان کی خیریت

پوچھنے پھر آؤں گا..... اب میں چلتا ہوں“ معین نے اٹھتے ہوئے کہا۔

”یہ..... مٹھائی..... کس بات کی ہے؟ ذکیہ آپا نے قدرے تجسس سے پوچھا۔

”سومنہ آپ کو معلوم ہے۔۔۔۔۔“ معیز نے جواب دیا اور اجازت لے کر وہاں سے چلا آیا۔

مریم کمرے سے باہر نکلی تو زکیہ آپا کے سامنے بھیل پر مٹھائی کا ڈبہ دیکھ کر چوکی۔

”یہ۔۔۔۔۔ کون لایا ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”معیز۔۔۔۔۔“ زکیہ آپا نے جواب دیا۔

مریم کے چہرے پر حیرت کے تاثرات نمایاں ہوئے۔

”کیوں۔۔۔۔۔؟ مریم نے قدرے توقف کے بعد پوچھا۔

”معلوم نہیں۔۔۔۔۔ کہہ رہا تھا۔ سومنہ کو معلوم ہے۔ اسی کو دینے آیا ہوں۔ زکیہ آپا نے بتایا تو مریم حیران رہ گئی کیونکہ چار ماہ سے تو سومنہ بیمار

تھی۔ اور اس دوران وہ کسی سے بات بھی نہیں کر سکتی تھی۔ مریم کے دل میں مختلف قسم کے خیالات اور دوسرے سرائٹھانے لگے۔ اسے سب سے زیادہ
حق یہ محسوس ہو رہا تھا کہ وہ مریم کو ملے بغیر چلا گیا تھا۔

”کیا معیز کو معلوم تھا کہ ہم لوگ ادھر ہیں؟“ مریم نے بلا واسطہ انداز میں پوچھا۔

”نہیں۔۔۔۔۔ میں نے ہی اسے بتایا۔۔۔۔۔ تمہیں آواز بھی دی۔۔۔۔۔ مگر اس نے کہا۔۔۔۔۔ مت بلائیں“ زکیہ آپا نے مریم کا بات پوچھنے کا مقصد

بھانپتے ہوئے کہا۔

مریم کو دھچکا سا لگا وہ ایک دم خاموش ہو گئی۔۔۔۔۔ اور اس کے چہرے پر بالخصوص کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔۔۔۔۔ اور وہ بکھن میں چلی گئی۔

اسد سومنہ کو ذیل چیز پر بٹھا کر اندر لایا۔۔۔۔۔ اسی سے چلنے پھرنے میں بہت پر اہم تھی مگر وہ روز بروز بہتر ہو رہی تھی اسد اس کا بہت خیال

رکھتا تھا اس کو خود با سہل لے کر جاتا تھا اس کے کھانے پینے اور میڈ۔۔۔۔۔ سوز اور ہر بات کا خو و خیال رکھتا۔ اور سومنہ کے لیے سب سے سکون کی بات یہ
تھی کہ اسد نے ڈرنک کرنا بالکل چھوڑ دیا تھا اور وہ بہت حد تک نمازوں کی بھی پابندی کرنے لگا تھا اور اسد میں یہ واضح تبدیلی دیکھ کر سومنہ بے حد خوش
ہوتی تھی۔ یہ خوشی اور اطمینان اس کی صحت کو بہتر بنانے میں بہت مدد کر رہا تھا۔

زکیہ آپا نے سومنہ کو معیز کی آمد اور مٹھائی کے بارے میں بتایا تو وہ چونک گئی اور لاٹھی کا اٹھار کیا کہ اسے تو کچھ بھی معلوم نہیں۔۔۔۔۔ سومنہ کی لا

ٹھی جان کر مریم کے دل میں اور دوسرے پیدا ہونے لگے۔

”آپنی۔۔۔۔۔ آپ خود معیز کو فون کر کے پوچھیں کہ وہ مٹھائی کیوں دے کر گیا ہے؟“ مریم نے بلا واسطہ انداز میں سومنہ کو اکیلے دیکھ کر کہا۔

”تم کیوں اپ سیٹ ہو رہی ہو؟ سومنہ نے مسکرا کر پوچھا۔

”میں۔۔۔۔۔ میں بھلا کیوں اپ سیٹ ہوں گی۔۔۔۔۔ یونہی پوچھ رہی ہوں“ مریم نے پوچھلا کر جواب دیا۔

”معیز۔۔۔۔۔ سے محبت ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ وہ یاد آتا ہے نا“ سومنہ نے پھر مسکرا کر پوچھا۔ تو مریم نے سر جھکا دیا اور خاموش ہو گئی۔

”شکر ہے تم نے معیز کو پہچان لیا۔۔۔۔۔ پہلے تمہیں میری بات سمجھ میں نہیں آئی تھی۔۔۔۔۔“ سومنہ نے آہ بھر کر کہا۔

"ہاں..... جب ہاتھ میں نہ آ رہی ہوں تو وقت اور تجربہ نہیں خود بخود سمجھا دیتا ہے" مریم نے کہا۔
 "معیز واقعی بہت اچھا انسان ہے۔ اس کی قدر کرنا..... وہ تمہیں بہت خوش دیکھنا چاہتا ہے..... اسے کبھی ہرٹ نہ کرنا..... ایسے لوگ دنیا میں بہت کم ہوتے ہیں..... جو غرت کا جواب بھی محبت سے دیتے ہیں....." مومنہ نے آہستہ آہستہ سے سمجھاتے ہوئے قدموں سے ٹک کر کہا۔
 اس کی زبان میں ابھی بھی کشتی تھی۔

"ہاں..... اب مجھے بہت اچھی طرح اندازہ ہو گیا ہے" مریم نے سنجیدگی سے جواب دیا۔
 مومنہ کا موبائل بچے لگا..... مریم نے موبائل دیکھا تو زیر لب مسکرائے گی۔
 "معیز کا فون ہے" مریم نے مسکرا کر موبائل مومنہ کو پکڑاتے ہوئے کہا۔
 "بڑی لمبی عمر ہے اس کی" مومنہ نے موبائل پکڑتے ہوئے کہا۔

"ہیلو....." مومنہ نے قدموں سے ٹکراتے ہوئے اس سے بات کی وہ کافی دیر اس سے باتیں کرتا رہا (اور مریم تجسس سے اس کی جانب دیکھتی رہی)۔

مومنہ نے بات ختم کر کے موبائل سائیڈ ٹیبل پر رکھ دیا اور زیر لب مسکرائے گی۔
 "کیا ہوا ہے.....؟ آپ مسکرا کیوں رہی ہیں؟ مریم نے انتظار کے بعد پوچھا کہ مومنہ اسے کچھ بتاتی ہے مگر مومنہ خاموش رہی۔
 "آئی..... کیا معیز نے منگوائی کے بارے میں کچھ بتایا ہے"
 مریم نے پھر پوچھا۔

"ہاں..... اس نے ایم بی اے کا فرسٹ سسٹم بہت اچھے نمبروں سے پاس کیا ہے۔ اسی خوشی میں منگوائی لایا تھا۔
 "ایم بی اے۔ کیا معیز ایم بی اے کر رہا ہے؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔
 "ہاں....." مومنہ نے مسکرائے ہوئے کہا۔

"کب.....؟ تاوانستہ اس کے منہ سے نکلا اور اس کے چہرے پر خوشی کے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔
 "اسلام آباد جانے سے پہلے وہ مجھ سے ملنے آیا تھا کہ میں تمہیں سمجھاؤں..... تب میں نے اسے کہا تھا کہ وہ اپنی تعلیم پڑھائے..... مریم کو کامیاب لوگ پسند ہیں..... اور تب اس نے ایم بی اے کا سوچا..... مریم..... معیز کو بس encourage (حوصلہ افزائی) کرنے کی ضرورت تھی۔
 جو کام تمہیں کرنا چاہیے تھا..... وہ مجھے کرنا پڑا..... شکر ہے وہ میری بات سمجھ گیا اور اس نے ایم بی اے میں ایڈمیشن لے لیا" مومنہ نے آہستہ آہستہ بتایا
 تو مریم نے شرمندگی سے سر جھکا لیا۔

آئی ایم سوری..... نبھانے مجھے اس وقت کیا ہو گیا تھا..... مجھے اس میں کوئی اچھی بات دکھائی نہیں دیتی تھی۔ مجھے اسے دیکھتے ہی حصہ آنے لگا تھا" مریم نے آہ بھر کر کہا۔

”میں سب جانتی ہوں..... ایسا کیوں ہوتا تھا۔“ مومنہ نے جواب دیا۔

”ہاں..... میری آنکھوں پر سنہری پٹی بندھی تھی۔ مجھے ہر چھتکتی شے ہی نظر آتی تھی۔ کچھ اور دکھائی نہیں دیتا تھا۔ باہر میں دیکھنا ہی نہیں

چاہتی تھی۔“ مریم نے افسردگی سے جواب دیا۔

”شکر ہے..... تم جلد ہی ساری حقیقت جان گئی ہو..... ورنہ بہت دیر ہو جاتی“ مومنہ نے فکر مندی سے کہا۔

”ہاں.....“ مریم نے آہستہ آواز میں جواب دیا۔

”مریم..... معذور کو فون کر کے مبارکباد دو.....“ مومنہ نے کہا تو مریم نے چونک کر اسے یوں دیکھا جیسے اس نے کوئی انہونی بات کہی ہو.....

مریم کی اتنا پر یہ کاری ضرب تھی۔ وہ جو معذور سے سیدھے منہ بات نہیں کرتی تھی اب اسے خود فون کر کے کیسے مبارکباد دے۔

”آپی..... معذور یہاں آیا تھا..... مگر اس نے مجھ سے ملنا بھی پسند نہیں کیا..... پھر میں کیسے..... اسے فون کروں؟ مریم تنگی سے بولی۔

”مریم..... پلیز..... چھوڑ دو..... یہ سب باتیں۔ ایک تو۔ تم ہر بات کو اپنی انا کا مسئلہ بنا لیتی ہو..... شوہر ناراض ہو..... تو بیوی کو مٹا لینا

چاہیے اور بیوی ناراض ہو تو شوہر کو مٹانا چاہیے“ مومنہ نے آہستہ آہستہ اسے سمجھایا۔

”میں ناراض ہوں۔ اس لیے اسے مٹانا چاہیے“ مریم منہ بنا کر بولی۔

”تم خواہ مخواہ ناراض ہو..... مسئلہ تم نے کھڑا کیا ہے..... اس نے نہیں..... وہ تو تمہاری ہر بات ماننا آیا ہے..... اس کو تمہاری محبت اور

حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ وہ تمہارے فون سے بہت خوش ہوگا“ مومنہ نے کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔ اور وہاں سے اٹھ کر نیچے آ گئی۔

مریم اور زکیرا آپا..... مومنہ کے ہاں گیسٹ روم میں ننہری تھیں..... زکیرا آپا اس وقت گیسٹ روم میں نہیں تھیں۔ وہ سو بائیں ہاتھ میں

پکڑے گہری سوچ میں ڈوب گئی۔ کبھی فون کرنے کو دل چاہتا تو آنا آڑے آ جاتی..... اور اسے فون کرنے سے روکتی..... پھر نمبر ملاتی اور اگلے ہی لمحے

آف کر دیتی۔ وہ کافی دیر یونہی کرتی رہی پھر دھڑکتے دل کے ساتھ اسے مبارکباد کا SMS کیا۔

معذور کا کوئی جواب نہ آیا..... وہ شدت سے ہنسنے لگی۔ اور گزرتے وقت کے ساتھ اسے غصہ آنے لگا۔

”وہ اپنے آپ کو نبھانے کیا سمجھنے لگا ہے..... میں نے خواہ مخواہ آپنی کے کہنے پر سچ کیا..... اور وہ یہ سمجھ رہا ہے شاید میں..... شاید میں.....“

اسے غصہ آنے لگا..... اور وہ معذور کے بارے میں نبھانے کیا سمجھ سوچنے لگی۔

”شام ہو گئی تھی اور مریم کو نہ تو معذور کا فون آیا تھا اور نہ ہی کوئی سچ..... اور اسے اپنی انسلٹ محسوس ہو رہی تھی کہ اس نے اپنی انا کو پکھل کر قدم

بڑھا دیا تھا اور اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا۔ مریم غصے میں منہ پھیلائے مومنہ کے کمرے میں گئی..... مومنہ نے اس کے گھرے ہوئے موڈ کی وجہ

پر بھی توجہ پھٹ پڑی۔

آپی..... وہ نہیں بدل سکتا۔ اس کو معذور آہی نہیں سکتے۔ میں نے آپ کے کہنے پر اسے مبارکباد کا سچ کیا تھا۔ اور اس نے جواب میں

شکر یہ بھی نہیں کیا۔ وہ غصے سے بولی۔

”معروف بھی ہو سکتا ہے۔ فوراً ہی ہنگام نہ ہو جلیا کرو“ مومنہ نے اسے سمجھاتے ہوئے کہا۔

”آپ ہمیشہ اسے ہی لیور کرتی ہیں“ وہ غصے سے بولی۔

”ہاں..... وہ بہت اچھا ہے۔ اس لیے.....“ مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”میں ہی بری ہوں“ اس نے غصے سے منہ پھلا کر کہا۔

”اس میں بھی شک نہیں..... بری ضرور ہو مگر قصور ہی سی..... وہ زیادہ اچھا ہے“ مومنہ نے ہنستے ہوئے کہا۔

”اچھا..... بہت اچھے سے کپڑے پہن کر تیار ہو جاؤ..... تمہیں میرے ساتھ جانا ہے.....“ مومنہ نے ایک دم کہا۔

”کہاں.....؟ اس نے چونک کر پوچھا۔

”اسد کے ایک دوست کے ہاں..... انہوں نے ہمیں انوائٹ کیا ہے..... میں وہیں اکیلی نہیں جانا چاہتی..... اسد کہاں تک میرا خیال

رکھیں گے..... اس لیے تم ساتھ چلو“

مومنہ نے کہا۔

”میرا موڈ نہیں“ اس نے غلطی سے جواب دیا۔

”مریم..... وہاں جانا بہت ضروری ہے..... پلیز“ مریم نے بہت نرم لہجے میں کہا تو وہ خاموش ہو گئی۔

”سنو..... بہت اچھی طرح تیار ہونا..... تمہیں بہت خوبصورت لگنا چاہیے.....“ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”کیوں.....؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”بھی تم میری بہن ہونا..... اس لیے.....“ مومنہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”کب جانا ہے.....؟ مریم نے پوچھا۔

”ایک گھنٹے تک اسد لینے آئیں گے“ مومنہ نے جواب دیا۔

”ٹھیک ہے.....“ وہ آہستہ آواز میں کہہ کر باہر نکلنے لگی۔ اور..... ہاں..... پہلے اپنا موڈ ٹھیک کرو..... موڈ اچھا نہ ہو تو قیمتی کپڑے بھی اچھے

نہیں لگتے.....“ مومنہ نے مسکرا کر کہا تو وہ درباب مسکرا کر باہر چلی گئی۔

مریم نے بہت خوبصورت فینسی ستاروں والا شاٹنگ پنک کلر کا سوٹ پہنا تھا اور وہ ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے کھڑی ہو کر تیار ہو رہی تھی۔

”اب دو مجھے فون بھی کرے گا..... تو میں اس کی کال نہیں لوں گی“ مریم نے لپ اسٹک لگاتے ہوئے سوچا۔

”آپنی کتنی ہیں..... وہ معروف ہو گا..... ایسی بھی کیا معروفیت کہ اب تک صرف ”جھینکس“ تکیے کا اسے نام نہیں ملا..... آپنی خواہ خواہ اس

کو لیور کرتی ہیں۔ اب میں کبھی آپنی کی باتوں میں آ کر اس سے رابطہ نہیں کروں گی..... چاہے کتنی معافیاں کیوں نہ مانگے.....“ اس نے پر غم کا

اہرے کرتے ہوئے سوچا۔

”ابھی ایم بی اے مکمل نہیں کیا..... تو اپنے آپ کو کچھ سمجھنے لگا ہے..... ٹھیک ہے۔ سمجھتا ہے تو سمجھے..... مجھے بھی اس کی پروا نہیں“ اس نے اپنے لیے بالوں پر ہنسی کرتے ہوئے سوچا۔

دروازے پر ہلکی سی دھتک ہوئی۔ مریم نے جلدی سے سر پر دوپٹہ لیا اور دروازہ کھولا سامنے معیضہ خوبصورت مہلوں کا بوتے لیے کھڑا تھا اور محبت بھری نگاہوں سے اس کی جانب مسکرا کر دیکھ رہا تھا۔ مریم بوکھلا گئی۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ اس کے چہرے پر حیرت اور خوشی سے طے چلے تاثرات نمایاں ہونے لگے۔

”جھینکس.....“ معیضہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور بوتے اس کی جانب بڑھایا۔ وہ ہزبڈا گئی اور ایک دم شرمندہ بھی ہو گئی اور بوتے پکڑنے کے لیے ہاتھ آگے بڑھائے۔

معیضہ نے بوتے قہقہے ہوتے ہوئے اس کے ہاتھوں پر اپنے ہاتھ رکھے۔

”جھینکس فار یور لو..... آئی لو یو“

معیضہ نے محبت سے کہا تو وہ ایک دم گھبرا گئی اور چھپ کر دروازے سے پیچھے ہٹ گئی۔

کیا میں اندر آ سکتا ہوں.....؟ معیضہ نے مسکراتے ہوئے اجازت طلب کی تو مریم نے زیر لب مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھا اور اسے اندر آنے کا راستہ دیا۔

”جھینک یو.....“ معیضہ نے کمرے کے اندر آ کر مسکراتے ہوئے اور ایک صوفے پر بیٹھ کر مریم کی جانب دیکھنے لگا۔

”میں آپ کو لینے آیا ہوں..... کہ باہر جا کر کھٹھے ڈنڈ کریں گے..... اور آپ کو جھینکس کے ساتھ ساتھ ٹریٹ بھی دوں گا..... مگر..... آپ تو شاید کہیں جا رہی ہیں.....“ معیضہ نے ایک دم عجیبی سے کہا۔

”ہاں..... وہ آپ کی ساتھ.....“ وہ آہستہ آواز میں بولی۔

”آئی ایم سوری.....“ میں نے آپ کو ڈسٹرب کر دیا۔

”آپ ان کے ساتھ جائیے“ معیضہ نے قدرے مایوسی سے کہا۔

تو مریم پریشان ہو گئی..... اور پریشانی سے ہونٹ چبانے لگی۔

”ٹھیک ہے..... میں پھر جتا ہوں“ معیضہ اٹھتے ہوئے بولا اور دروازے کی جانب بڑھا۔

مریم کا دل بالکل بھی نہیں چارہ تھا کہ معیضہ یوں مایوس چلا جائے۔ وہ اسے روکنا چاہتی تھی..... وہ نکلتی میں پڑ گئی کہ کیا کرے..... معیضہ دروازے سے باہر نکلنے لگا۔

”غصہ رہے.....“ مریم نے اسے روکنا چاہا۔ معیضہ نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا۔

”میں..... آپ کی سے کہتی ہوں..... کہ وہ کہتے ہوئے زکی۔“

”کیا... کہیں گی... معیذ نے پر شوق لگا ہوں سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا... جیسے اس کی زبان سے اپنے لیے کوئی اہم بات سننے کے لیے بے تاب ہو... مریم نے شرما کر چہرہ نیچے کر لیا۔

”آپ... بیٹھیں... میں ابھی آتی ہوں“ اس نے نظریں جھکاتے ہوئے کہا اور کمرے سے باہر نکل گئی۔ اس کے جانے کے بعد معیذ خود بخود مسکراتے لگا۔

”آپی... وہ...“ مریم... مومنہ کے کمرے میں بوکھلائی ہوئی داخل ہوئی تو مومنہ عکسے کے سہارے ٹپک گئے آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ مریم کی آواز پر اس نے آنکھیں کھول کر مریم کی جانب دیکھا اور مسکراتے لگی۔

”بہت پیادری لگ رہی ہو“ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”آپی... وہ... وہ... معیذ آتے ہیں... اور مجھے باہر زفر پلے کر جانا چاہتے ہیں“ مریم نے پریشانی سے کہا۔

”ہاں... تو جاؤ... ضرور... جاؤ“ مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”اور... آپ...؟ آپ ابھی تک تیار بھی نہیں ہوئیں“

مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”تم میری ٹھہریں کرو... مجھے تو کہیں بھی نہیں جانا تھا“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور... وہ... پارٹی... اسد بھائی کے دوست نے... وہ... جو آپ نے بتایا تھا“ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں... معیذ جنہیں پارٹی ہی کے لیے تو لے آیا ہے... اور معیذ اسد کا دوست بھی تو ہے... معیذ نے مجھے بھی انوائٹ کیا تھا مگر میں کہاں

جاسکتی ہوں“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”کیا... کیا... اس کا مطلب ہے آپ دونوں نے ٹل کر چلان کیا... آپی...“ وہ مصنوعی ہنسی سے بولی۔

”اب جاؤ... اور وقت ضائع نہ کرو... اور سنو... کوئی ناراضگی کی باتیں نہ کرنا... خوبصورت... محبت بھری باتیں کرنا... اور...“

خوب انجوائے کرنا... بیسٹ آف لک“ مومنہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو مریم بھی مسکراتی ہوئی کمرے سے باہر نکل گئی۔

”تین سال بعد“

سدرہ نے دس سرے پر محیط ایک نیا گھر خریدا تھا۔ گھر بہت خوبصورت تھا۔ فرنچیز اور آرائشی سامان اوسط درجے کا تھا۔ کڑکیوں اور دروازوں پر براؤن لکڑا کا تازہ پینٹ ہوا تھا۔ ساری دیواریں آف وائٹ ڈسٹمبر سے چمک رہی تھیں۔ دیواروں پر پلاسٹک کی مصنوعی پتلیں اور مختلف قسم کے پھولوں والے فریم آویزاں تھے۔ ہر چیز نئی دکھائی دے رہی تھی۔ فرش سفید سنگ مرمر کی ٹائلوں سے چمک رہے تھے نئی اور سدرہ لاؤنج میں بیٹھی تھیں۔ دونوں نے اچھے خوبصورت سوٹ پہن رکھے تھے اور ان کے چلنے بھی کافی بہتر ہو چکے تھے۔ ہر روز پڑوس میں سے خواتین سدرہ کو سننے گھر کی سہارا کھا دویتے آ رہی تھیں۔ ابھی بھی دو چار خواتین مشائی لے کر آئیں تھیں اور لاؤنج میں سدرہ کے پاس صوفے پر بیٹھی اس سے باتیں کر رہی ہیں تھیں۔ منی ڈرائی میں سب کے لیے چائے اور دوسرے لوازمات لے کر آ گئی۔

”ماشا اللہ..... آپ کا گھر بہت خوبصورت ہے“ ایک درمیانی عمر کی عورت نے لاؤنج میں چاروں جانب نظرین گھماتے ہوئے کہا۔

”شکریہ..... بس اللہ کا کرم ہے“ سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”آپ کے شوہر کہاں ہوتے ہیں؟ دوسری عورت نے پوچھا۔

”پہلے کویت میں تھے..... پھر امریکہ چلے گئے ہیں“ سدرہ نے جواب دیا۔

”اسی لیے..... گھر بن گیا..... ورنہ یہاں رہ کر تو ساری زندگی انسان گھر نہیں بنا سکتا.....“ دو تو آپ کو ڈالرز بھیجے ہوں گے“ تیسری دہلی

پکی عورت نے پوچھا۔

”جی..... اللہ کا شکر ہے“ سدرہ نے جواب دیا۔

”سنا ہے آپ اس سال حج کرنے بھی جا رہی ہیں۔“

سدرہ کے سامنے بیٹھی پشت قد عورت نے پوچھا۔

”انشاء اللہ ارادہ تو ہے“ سدرہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ماشا اللہ..... اکیلی جا رہی ہیں..... یا شوہر کے ساتھ“

پکی عورت نے پوچھا

”بھئیڈ اور بچے کے ساتھ.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”کیا وہ یہاں آئیں گے؟ دوسری عورت نے پوچھا۔

”ہائیں..... میں پہلے امریکہ جاؤں گی..... اور پھر وہاں سے ہم دونوں حج کے لیے جائیں گے“ سدرہ نے جواب دیا۔

”ماشاء اللہ..... آپ امریکہ بھی جائیں گی“ دوسری عورت نے کہا۔

”ہاں..... ارادہ تو ہے..... آپ چائے لیجیے نا..... مٹی ان کو یہ بسکٹ اور مشائی بھی دو“ سدرہ نے مٹی سے کہا۔

”یہ آپ کی کیا لگتی ہیں.....؟ تیسری عورت نے مٹی کی طرف معنی خیز نظروں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

”مہری چھوٹی بہن ہیں.....“ سدرہ نے جواب دیا۔

”کیا ان کی شادی ہو گئی ہے؟ تیسری عورت نے دوبارہ پوچھا۔

”ہائیں..... حلقی کی ہے..... اس کا منگیتر سعودی عرب میں ہوتا ہے۔ حج پر جانے سے پہلے ان کی شادی کر کے جاؤں گی..... سدرہ نے

جواب دیا تو مٹی مسکرا دی۔

”ماشاء اللہ..... آپ تو بہت خوش قسمت ہیں..... کہ اللہ نے جوانی میں ہی آپ کو اپنا گھر بھی دے دیا..... پھر اپنے گھر بھی ملارہا ہے.....

اور دنیا کی بھی سیر کر رہا ہے واو..... بھئی..... کیا انصیب ہیں آپ کے..... حج..... آپ جیسی قسمت تو بہت کم لوگوں کی ہوتی ہے“ پہلے تو عورت نے

رشتہ بھری نگاہوں سے سدرہ کی جانب دیکھتے ہوئے کہا اور اس کی بھرپور تعریف کی۔

سدرہ نے مٹی کی جانب نم آنکھوں سے دیکھا اور مسکرانے لگی۔

”ہاں..... سب اللہ کی کرم نوازی ہے..... ورنہ انسان کس قابل.....“ سدرہ نے گہری سانس لیتے ہوئے جواب دیا۔

”دعا کریں..... اللہ ہم سب کو بھی آپ کی طرح نوازے..... آپ جیسی کامیابیاں دے“ چوتھی عورت نے مسکرا کر کہا۔

”کامیابیاں.....؟ سدرہ نے چونک کر پوچھا۔

”یہ کامیابیاں نہیں تو اور کیا ہے..... آج کل کے زمانے میں اپنا گھر بنانا..... اللہ کے گھر جانا..... دنیا کی سیر کرنا..... اچھا گھر..... اچھے

کپڑے..... اچھا کھانا پینا..... یہ کامیابیاں ہی تو ہوتی ہیں“ عورت نے تفصیل سمجھایا۔

”جی..... بالکل..... اللہ تعالیٰ سب کو نوازے“ سدرہ نے کہا۔

”آمین“ سب بلند آواز سے بولیں۔

”اب ہم چلتی ہیں..... آپ کا گھر دیکھ کر اور آپ سے مل کر بہت خوشی ہوئی ہے..... اللہ سے ہمارے لیے بھی دعا کریں۔ لگتا ہے اللہ آپ

پر بہت مہربان ہے..... اس کا آپ پر بڑا ہی کرم ہے۔“ سب عورتوں نے اٹھتے ہوئے باری باری کہا۔

”آپ لوگوں کے آنے کا بہت شکریہ“ سدرہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور سب کو گلے مل کر رخصت کیا۔

”لوگوں کو صرف“ کامیابی“ نظر آتی ہے اور اس“ کامیابی“ کے پیچھے ستنی طویل جدوجہد اور اذیتیں ہوتی ہیں۔ وہ کسی کو دکھائی نہیں دیتیں۔“

سدرہ نے مٹی کے پاس بیٹھ کر آہ بھرتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... آپاں لوگوں کا یہ خیال ہے کہ کاشف بھائی نے امریکہ جاتے ہی ڈالر بھیجے اور تم نے فوراً یہ مگر خرید لیا ان کو یہ معلوم نہیں کہ وہ کس طرح کویت گئے۔ کتنی جگہ کے وہ دن تھے جب تیرا بھی پیٹ کا آپریشن ہوا تھا اور کاشف بھائی کی نہ کوئی نوکری تھی نہ دکان۔ سوائے خالی جیب کے..... اور ہم سب دو قوتوں کی بجائے ایک وقت کی روٹی کھاتے تھے۔ صبح چائے کا خالی کپ..... ڈیشیاں کو بھی سکول سے اٹھا لیا تھا اور پھر تنگ آ کر کاشف بھائی کو اپنا مگر بچتا ہوا..... کویت میں انہوں نے کتنی تکلیف کے دن گزارے اور پھر ایک امریکی انٹیس اپنے ساتھ امریکہ لے گیا اور وہاں وہ دن رات کام کرتے ہیں..... اور یہاں لوگ یہ سمجھتے ہیں بس راتورات امیر ہو گئے۔“ منی نے آہ بھر کر کہا۔

”اور کاشف کے جانے کے بعد ہم کہاں کہاں کرائے کے گھروں میں خوار ہوتی رہی ایک ایک کمرے کے گھر میں..... وہ بھی مالک مکانوں کی بہت سی شرائط کے ساتھ سدرہ نے بھی غم آنکھوں کے ساتھ جواب دیا۔

”لوگ صرف ظاہر دیکھتے ہیں اندر کیا ہے.....؟ کوئی جانتا بھی نہیں چاہتا“ منی نے جواب دیا۔

”منی اب تک سفر کرتے کرتے میں تھک گئی ہوں۔ میرے اعصاب جواب دے گئے ہیں۔ اپنے آپ سے لڑتے ہوئے..... اپنے نفس کی خواہشات اور ضروریات کو بھلاتے ہوئے۔ میرا دل چلتی ہو گیا ہے اور میری روح تھک گئی ہے لوگوں کے نزدیک یہ کامیابیاں، کتنی اہم ہیں..... اور میں نے تو کبھی ان کامیابیوں کی تمنائیں نہیں کی۔

میں نے تو بہت ڈرتے ڈرتے زندگی کے اس سفر پر قدم رکھا اور ہر قدم یہ سوچ کر اٹھایا کہ خدا کرے میں اس تھکن اور صبر آزمائی میں کامیاب ہو کر گزروں۔ صرف اللہ کی رضا چاہتے ہوئے اور اس کے عطا کیے ہوئے ایمان کے سہارے پھوٹ پھوٹ کر قدم اٹھاتی رہی کہ میرے سے کوئی بھول نہ ہو جائے۔ کہیں میرے قدم لڑکھڑانہ جائیں کہیں میرے پاؤں میں لغزش نہ آجائے۔ اگر ورنہ یہ بھی کوتاہی ہو جاتی..... تو ساری زندگی خسارے میں چلی جاتی..... دنیاوی خسارے برداشت کرتی رہی..... یہی سوچ کر..... کہ آخرت کے خسارے برداشت نہیں کر پاؤں گی“ سدرہ سسکتے گئی اور اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی سی شروع ہو گئی۔

”ہاں..... آپ نے بہت مشکل سفر طے کیا ہے..... مخالفتیں..... رکاوٹیں..... طعنے..... بھوک..... غربت..... پریشانیاں..... اور..... منی نے اس کا کندھا تھپتھپاتے ہوئے کہا۔

”شکر ہے..... خدا کا جس نے بھرم رکھا..... اور عزت دی۔“

اس نے مسکرا کر ایک دیوار پر لگی خانہ کعبہ کے کی بڑی سی پینٹنگ کی جانب دیکھا خوشی اور تفکر کے احساس سے اس کی آنکھوں سے آنسو بہتے رہے مگر اس کی نگرں مسلسل پینٹنگ پر جمی رہیں..... جیسے اس کی طرف دیکھنا اس کے لیے سکون قلب کا باعث بن رہا ہو..... جیسے کوئی قدردان کسی کی محبت اور چاہت کی عزت کر رہا ہو..... جیسے کوئی کسی کو اپنے کرم اور رحمت سے نوازا رہا ہو..... اور جیسے وہ مسکرا کر اپنے الفاظ و ہر اردا ہو۔

لَقَدْ اَخْلَجَ مَنْ رَزَقْنَاهَا (الشمس: 9)

پس وہ کامیاب ہوا جس نے اپنے نفس (روح) کو پاک رکھا۔

اسے یوں محسوس ہونے لگا جیسے ہر طرف نورانیت سی پھیلنے لگی ہو۔ اس نے پرسکون سانس لی۔

☆

ڈاکٹر تھلین ایک بچے کے لیے اسریکہ جا رہے تھے انہیں انسانیت کی خدمات کے صلے میں ایک پاکستانی تنظیم کی جانب سے ایوارڈ مل رہا تھا جو پوری دنیا میں سے چننا ایسے منتخب کردہ لوگوں کو ایوارڈ دے رہی تھی جنہوں نے اپنے اپنے ملکوں میں اپنے لوگوں کے لیے فلاحی کام سرانجام دیے تھے۔ علیہ اپنے ایک سالہ بیٹے آیان کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں جا رہی تھی ورنہ وہ ہر ملکی و غیر ملکی دورے پر ان کے ساتھ جاتی بلکہ اس نے ڈاکٹر تھلین کے ساتھ مل کر پورے ملک میں اپنے ہاسپٹل کی بڑی کھولنے کا پلان کیا تھا اور دونوں اس پراجیکٹ پر کام کر رہے تھے آیان کی وجہ سے علیہ کے کام میں کچھ کمی آئی تھی ورنہ وہ دن رات اپنی ٹیم کے ساتھ مل کر فنڈ رائزنگ کرنے میں مصروف تھی۔ بہت سی این جی اوز اور دوسرے ملکوں میں پاکستانی تنظیموں سے نیٹ پر رابطے کرتی تھی۔ دو بڑے شہروں میں ان ہاسپٹلوں کا کام کرنا بھی شروع کر دیا تھا اور باقی پر ابھی کام ہو رہا تھا۔

علیہ بڑے اٹھاک سے ڈاکٹر تھلین کی ضرورت کی سب چیزیں سوٹ کیس میں پیک کر رہی تھی۔ آیان ڈاکٹر تھلین کی گود میں کھیل رہا تھا اور وہ ساتھ ساتھ ایک فائل بھی دیکھنے میں مصروف تھے۔ کبھی کبھی نکھیوں سے علیہ کو دیکھتے جو دیگر گز سے ان کے کپڑے نکال کر ان کی پیچنگ ٹائیوں کے ساتھ پیک کر کے سوٹ کیس میں رکھ رہی تھی۔ وہ علیہ کی جانب دیکھتے تو زیر لب مسکراتے۔ پھر آیان کی جانب محبت سے دیکھتے وہ بھی مسکرا کر ان کی جانب دیکھتا اور پھر کھیلنے لگتا۔ علیہ پیکنگ مکمل کرنے کے بعد ان کے پاس آکر بیٹھ بیٹھ گئی۔

”سنی..... میرے خیال میں ساری پیکنگ مکمل ہو گئی ہے“ وہ مسکرا کر بولی۔

”جھینکس.....“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا۔

”آپ ایک بار خود بھی دیکھ لیں..... کوئی چیز کم تو نہیں“ علیہ نے کہا۔

”آپ کو مجھ سے زیادہ معلوم ہوتا ہے کہ مجھے کس کس چیز کی ضرورت ہو سکتی ہے“ ڈاکٹر تھلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اچھا..... مجھ پر بہت..... کونفیڈنس ہے..... آپ کو؟ وہ مسکرا کر بولی۔

”ہاں..... ہے..... کیا نہیں ہونا چاہیے؟ انہوں نے معنی خیز انداز میں پوچھا۔

”آپ کے کونفیڈنس نے ہی تو مجھے کیا سے کیا بنا دیا ہے.....؟ سنی میں اکثر سوچتی ہوں۔ اگر آپ میری زندگی میں نہ آتے اور اس قدر

حوصلے صبر اور محبت کا مظاہرہ نہ کرتے۔ تو میں آج کہاں ہوتی.....؟ شاید ختم ہو چکی ہوتی تھلین کی طرح.....“

اس نے آہ بھر کر کہا۔

”اور خدا جن سے محبت کرتا ہے۔ انہیں ایسے لوگوں سے ملا دیتا ہے جو ان کی زندگیوں کو بدلنے کی ہمت رکھتے ہیں..... یقیناً خدا آپ سے

بہت محبت کرتا ہے اور اس نے آپ سے بہت سے اچھے کام کروانے تھے جو آپ کو میرے لیے منتخب کیا“ ڈاکٹر تھلین نے مسکرا کر جواب دیا۔

”سنی..... جب میں ماضی کی طرف دیکھتی ہوں۔ تو مجھے بہت افسوس ہوتا ہے کہ آپ نے میری وجہ سے بہت اذیت سہی۔ میں نے آپ کو

بہت ہرٹ کیا..... اور آپ نے کتنے صبر اور خاموشی سے سب کچھ سہا۔ اگر آپ کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید.....؟
وہ جملہ ادھورا چھوڑ کر اس کی جانب دیکھنے لگی۔

”ہاں..... وہ زندگی کا بہت مشکل مرحلہ تھا..... بالکل ”ہلے صراط“ جیسا..... بہت تکلیف دہ صبر آزما اور فزیتوں سے پر..... میری کوئی لغزش۔ میرا کوئی جذباتی فیصلہ یا کوئی قدم بھی ہم کو ایک دوسرے سے دور کر سکتا تھا۔ اور میں صرف ایک ہی بات پر سوچتا تھا کہ اگر میں نے کوئی بھی جذباتی قدم اٹھایا تو آپ کی زندگی بکھر جائے گی۔..... اور..... پھر میں خود بھی اپنے اندر گھٹ محسوس کرتا کہ میں دوسروں کی کیا اصلاح کر پاؤں گا جب میں اپنی لائف پارٹنر کو نہ ٹھیک کر سکا..... بس بہت سی سوچیں تھیں اور میں خدا سے ہی مدد طلب کرتا رہا اور شکر ہے آج ہم دونوں کی زندگی خوشی اور سکون سے گزر رہی ہے آج جب بہت سے لوگ ہمیں ”آئیڈیل کیل“ کہہ کر جلاتے ہیں تو میں چونک جاتا ہوں۔ اور سوچتا ہوں..... کہ..... انہیں کیا معلوم..... ہم کتنا ٹھن اور مشکل مرحلے طے کر کے آئے ہیں..... وہ تو ہمیں اب دیکھتے ہیں خوش باش اور مسکراتے ہوئے“ ڈاکٹر ثقلین نے قدرے عجیبگی سے جواب دیا۔

”اور اس پہلی لائف (خوش زندگی) کا کریڈٹ آپ کو جاتا ہے“ ثقلین نے مسکراتے ہوئے کہا۔
”یقیناً آپ میں بھی کوئی ایسی بات ضرور ہوگی۔ جو خدا نے آپ کو میرے لیے منتخب کیا۔ اور وہ بات میں اب محسوس کرتا ہوں جب آپ دن رات میرے ساتھ میرے مشن کے لیے کام کرتی ہیں..... آئی ایم پراؤڈ آف یو (مجھے آپ پر فخر ہے) ڈاکٹر ثقلین نے مسکراتے ہوئے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے کر کہا ٹھیکس فار یو کھلمٹ..... آپ کی ایسی باتوں سے مجھے بہت حوصلہ ملتا ہے۔ میرے اندر کوئی فزیتس بڑھتا ہے اور میں پہلے سے بھی زیادہ اپنے آپ کو انٹر جیک (قوانائی) محسوس کرتی ہوں“ ثقلین نے محبت سے ان کے ہاتھ کو چومے ہوئے کہا تو وہ مسکرا دیے۔

”ٹھیک ہے جناب..... ہم آپ کا حوصلہ بڑھاتے رہیں گے..... تاکہ ہمارا پراجیکٹ جلد ہی مکمل ہو جائے..... ثقلین وہ دن کتنا خوشی کا موسم تھا جب ملک کے سارے شہروں میں ہمارے باپ کی بمانیج کام کریں گی“ ڈاکٹر ثقلین نے پرامید لہجے میں کہا۔ انشا اللہ..... وہ دن جلد آئے گا..... میری غیر موجودگی میں آپ نے جو کام کرنے ہیں اس کی پلاننگ کر لی ہے“ ڈاکٹر ثقلین نے پوچھا۔

”آپ اس کی فکر نہ کریں..... میں نے سب کچھ پلان کر لیا ہے“ ثقلین نے جواب دیا اور آیاں کو داد کے پاس چھوڑ کر بالکل بے فکر نہیں ہو جاتا..... اسے ناٹم ضرور ملنا چاہیے“ ڈاکٹر ثقلین نے آیاں کو محبت سے چومے ہوئے کہا۔

”میں اپنے آپ کا neglect (نظر انداز) کر سکتی ہوں مگر آپ دونوں کو نہیں“ ثقلین نے مسکرا کر کہا۔

”اور ہم آپ کا neglect نہیں کر سکتے..... آپ اچھی طرح جانتی ہیں“ ڈاکٹر ثقلین نے ہنستے ہوئے کہا۔

”کیا میں سوٹ کس کو لاک لگا دوں.....؟ ثقلین نے بیڈ سے اٹھتے ہوئے پوچھا۔

”ہاں.....“ ڈاکٹر ثقلین نے مسکرا کر جواب دیا اور اس نے پھر اچھی طرح سادی چیزوں کو دیکھا اور اسے لاک لگا دیا۔ ڈاکٹر ثقلین کے

چہرے پر قہر تھا نہ مسکراہٹ پھیلنے لگی۔

علیہ آیان کو گود میں بٹھائے ٹی وی لاؤنچ میں صوفے پر بیٹھی تھی۔ اب وہ بہت قریب سے لباس پہنتی تھی۔ فل سلیوز کے ساتھ ہمیشہ چادر لہا دوپٹہ سر پر اوڑھتی اور باہر جاتے ہوئے اسکارف سے سر کوڈھرتی۔ وہ ناظر علی کشور اور عزرا کے ساتھ پلازما دیکھنے میں مصروف تھی۔

سب کی نظریں ٹی وی پر تھیں۔ ڈاکٹر تھلین ایوارڈ وصول کر رہے تھے اور سب بہت انہماک سے یہ تقریب دیکھ رہے تھے ہر طرف کمرے آن تھے جو ان کی تصاویر لے رہے تھے۔ ناظر علی اور کشور کی آنکھوں میں فرط جذبات سے آنسو آ گئے۔

”ماشاء اللہ..... خدا انظر بد سے بچائے“ کشور نے دونوں ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔

”ہمیں واقعی خدا کا بہت شکر ادا کرنا چاہیے جس نے ہمیں اسے ہونہار اور قابل بنیے سے نوازا۔ سارے خاندان کا نام روشن کر رہا ہے۔

ماشاء اللہ“ ناظر علی نے بھی قدرے جذباتی ہو کر اپنی نرم آنکھوں کو پوچھتے ہوئے کہا۔

علیہ کے چہرے پر بھی مسکراہٹ تھی جیسے وہ بھی بہت فخر محسوس کر رہی ہو۔

”بھابھی..... بھائی جان کب آرہے ہیں؟ پاس بیٹھی عزرا نے بھی خوش ہو کر پوچھا۔

”دوون بعد.....“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”پاپا..... اس بار ہم سب ان کو ایئر پورٹ لینے جائیں گے..... پھولوں کے بارے کر“ عزرا نے خوش ہو کر کہا۔

”ہاں..... ہاں..... کیوں نہیں“ ناظر علی نے جواب دیا۔

”پاپا..... بارگلی لے آئیے گا عزرا نے معصومیت سے کہا۔

”میرا خیال ہے آج ہی نہ لے آؤں..... ہو سکتا ہے کل نہ ملیں۔“

ناظر علی نے مسکراتے ہوئے کہا تو سب نے ہلکھلا کر ہنسنے لگا اور عزرا کو ہمیشگی طرح اپنی بے وقوفی کا احساس بعد میں ہونے لگا۔

ایئر پورٹ پر بہت جھوم تھا۔ علیہ بلیک اسکارف اور کوٹ پہنے سب گھردالوں کے ساتھ کھڑی ڈاکٹر تھلین کا انتظار کر رہی تھی۔ ناظر علی نے

آیان کو اٹھا رکھا تھا۔ کشور عزرا، گلاب کے پھولوں کے بارے لیے کھڑے تھے۔ ڈاکٹر تھلین نے انہیں دور سے دیکھ کر ہاتھ بلایا۔ اور جیسے ہی ہار پہنائے

نجانے کہاں سے پریس فوٹو گرافرز آ گئے اور ڈاکٹر تھلین کو مبارکباد دینے کے ساتھ ساتھ ان کی تصویریں بنانے لگے۔ ناظر علی نے آگے بڑھ کر انہیں

خوشی سے گلے لگایا۔

”ایک منٹ پلیز..... مجھے اپنی فیملی سے مل لینے دیجیے“ ڈاکٹر تھلین نے کہا اور کشور سے ہٹے گئے۔ کشور نے سمرن چوم کر انہیں گلے سے

لگایا۔ عزرا نے انہیں ہار پہنایا اور علیہ نے مسکرا کر ان کی جانب دیکھا ایکسکلیو زمی..... مسٹریٹ مسز تھلین میں آپ سے ایک چھوٹا سا انٹرویو کرنا چاہتا

ہوں“ ایک نوجوان صحافی کے ڈاکٹر تھلین سے کہا۔

”جی فرمائیے.....“ ڈاکٹر تھلین نے علیہ کے ساتھ کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

”ڈاکٹر تھلین..... ایوارڈ ملنے پر آپ کو مبارکباد..... شاہجہان کی گود منٹ بھی آپ کے لیے ایوارڈ اناؤنس کر رہی ہے اسے بگ اچیومنٹ

..... (یہ بہت بڑی کامیابی ہے) اور آپ کا مشن بھی بہت بڑا ہے۔ آپ ہاتھ کے لیے بہت کام کر رہے ہیں آپ کے ہاسٹلو لوگوں کو فکری سر مزد دے رہے ہیں۔ اب آپ کی سز بھی آپ کے مشن میں شامل ہیں اور بہت سی دلچسپ آزمائشیں۔ سز بھی آپ کو سپورٹ کر رہی ہیں۔ میں یہ پوچھنا چاہتا ہوں کہ ہر کامیاب مرد کے پیچھے ایک عورت کا ہاتھ ہوتا ہے سز عقلمین کیا ڈاکٹر صاحب کی کامیابی کا کریڈٹ آپ کو ملنا چاہیے؟ صحافی نے مسکرا کر پوچھا۔

”جی نہیں.....“ علیہ نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

”کیا مطلب.....؟ صحافی نے چونک کر پوچھا۔

”ان کی کامیابی کے پیچھے یقیناً ان کی مدد کا ہاتھ ہے۔ مگر مجھے ڈاکٹر صاحب بہت سپورٹ کرتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ ہر مرد کو عورت اور عورت کو مرد کی اسپورٹ کی ضرورت ہوتی ہے۔ کوئی بھی عورت، باپ، بھائی اور شوہر کی اسپورٹ کے بغیر کوئی ترقی نہیں کر سکتی اور مرد کو بھی عورت کی حوصلہ افزائی کی ضرورت ہوتی ہے۔“ علیہ نے مسکرا کر جواب دیا۔

”ایکسکیو زی ڈاکٹر عقلمین.....“ ایک اور صحافی نے سوال کرنا چاہا۔

”پلیز..... بعد میں.....“ ڈاکٹر عقلمین نے ہاراپنے گلے سے تارتے ہوئے کہا۔

”ایکسکیو زی..... ایکسکیو زی“ صحافیوں کا جھوم ان کے پیچھے پڑ گیا اور وہ جلدی سے علیہ کے سنگ تیز تیز قدم اٹھاتے ہوئے اپنی گاڑی

میں بیٹھے۔

علیہ جلدی سے ڈرائیونگ سیٹ پر بیٹھی اور تیزی سے گاڑی کو ہروس کیا اور..... مسکرا کر ڈاکٹر عقلمین کی جانب دیکھنے لگی۔

”Congrats.....“ علیہ نے مسکراتے ہوئے ڈاکٹر عقلمین سے کہا۔

”تھینکس.....“ انہوں نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

پراجیکٹ کہاں تک پہنچا۔ اپنی پراجیکٹس.....؟ ڈاکٹر عقلمین نے پوچھا۔

”جی نہیں..... کوانٹ ہوپ فل (ہاں۔ کافی پرامید) بہت سے لوگ ہوپ فل contribute کرنے کو تیار ہیں..... انشا اللہ جلد ہی کام

مکمل ہو جائے گا“ علیہ نے پرامید لہجے میں جواب دیا۔

”تھینکس گاڈ.....“ ڈاکٹر عقلمین نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آپ کیسے محسوس کر رہے ہیں۔ اتنی عزت ملنے پر“ علیہ نے پوچھا۔

”دیر ہی پڑی..... ایکسٹنڈ..... اینڈ تھینک فل ٹو گاڈ“ انہوں نے مسکرا کر جواب دیا تو علیہ بھی مسکرائے لگی اور گاڑی کو دیس دی۔

إِلَّا الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ فَلَهُمْ أَجْرٌ غَيْرُ مَمْنُونٍ (یسین 4)

مگر جو لوگ ایمان لائے اور نیک کام کرتے رہے ان کے لیے بے انتہا اجر ہے۔

ایک چھوٹے گرویل فریڈز گھر کے لاؤنج میں ایک کارز میں شیشے کی ڈاننگ ٹیبل پر بیٹھے مریم اور معیز ڈنر کر رہے ہیں۔ معیز کا حلیہ بہت بہتر ہو گیا ہے اس نے بلیک سینٹ کوٹ پہن رکھا ہے اور بہت سوہمدار دکھائی دے رہا ہے۔ مریم نے بھی وہائٹ اور فیروزہ کی کمر کا خوبصورت کڑھائی والا سوٹ پہنا ہے۔ وہ بھی چہرے سے بہت خوش اور مطمئن دکھائی دیتی ہے۔ دونوں کھانا کھانے میں مصروف ہیں۔ لاؤنج بہت اسٹائلش انداز میں ڈیکوریٹ ہوا ہے۔

”مریم..... مجھے کبھی کی طرف سے دس روز کی چھٹی مل رہی ہے۔ کیوں نا آؤنگ ہو جائے“ معیز نے کھانا کھاتے ہوئے کہا۔

”کیوں.....؟ مریم نے حیرت سے پوچھا۔

”بھئی..... میری پرفارمنس سے انداز بہت خوش ہیں اور چھٹی کے ساتھ ساتھ بونس بھی مل رہا ہے۔ تنخواہ بھی بڑھ گئی ہے۔ میں بھی کام کر کر کے تھک گیا ہوں۔ چلیں مری! اسلام آباد چلتے ہیں۔ فریش ہو جائیں گے۔“ معیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”نہیں..... مجھے ابھی کالج میں جاب ملے توڑے دن ہوئے ہیں..... چھٹی نہیں ملے گی اور ویسے بھی جب تک ہمارا اپنا گھر نہیں بن جاتا۔ ہم کوئی فضول خرچہ نہیں کریں گے۔ کب تک کرائے کے گھروں میں رہیں گے۔ میں نے اسی لیے تو جاب شروع کی ہے کہ دونوں مل کر سب سے پہلے اپنا گھر بنائیں گے..... پھر کوئی اور کام کریں گے“ مریم نے پانی پیتے ہوئے جواب دیا۔

”مریم آپ کو تو آؤنگ کا بہت کرایہ ہوتا تھا۔ ہونٹنگ کا..... اور شاہنگ کا..... اب سارے شوق کہیں گئے؟ معیز نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

”وقت کے ساتھ priorities (ترجیحات) بدل جاتی ہیں۔ پریکٹیکل لائف انسان کو پیچھ رہتا دیتی ہے۔ اور ویسے بھی اماں کو چھوڑ کر میں نہیں جا سکتی۔ آپ ہی کہتے تھے نا کہ اپنی ذمہ داریوں کو سمجھو..... بس اب وہی بگھنے کی کوشش کر رہی ہوں“ مریم نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”آئی نو..... اماں بھی آپ کی بہت تعریف کرتی ہیں۔ مریم کیا اماں سو رہی ہیں؟ معیز نے پوچھا۔

”ہاں..... ان کی میڈ۔ سنو کا ٹائم ہو رہا تھا۔ اور آپ نے لیٹ آنا تھا۔ اسے لیے انہیں کھانا نکلا دیا تھا اور میڈ۔ سنو اب وہ کھا کر سو رہی ہیں“ مریم نے جواب دیا۔

”جھینکس..... آپ اماں کا بہت خیال رکھتی ہیں“ معیز نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”اور..... آپ کا.....؟ مریم نے معنی خیر انداز میں پوچھا۔

”معلوم نہیں“ معیز نے جان بوجھ کر مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا۔

”ٹھیک ہے..... جو خیال رکھے..... اسے لے آئیے“ مریم نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے کہا اور کرسی سے اٹھی۔

”کیا غضب کرتی ہیں۔ بڑی مشکل سے تو پہلی کو مٹا کر لایا ہوں۔ دوسری کیا گل کھلانے کی نہ ہاں میں فورڈ نہیں کر سکتا۔ ویسے بھی پہلی سے مجھے محبت بہت ہے..... اس کے لیے کیا کیا برداشت کیا ہے..... میرے دل سے پوچھیے“ معیز نے اس کا ہاتھ پکڑتے ہوئے شرارتی لہجے میں کہا تو وہ مسکرا دی۔

”اسکس کریم کھانے چلیں۔ کہ وہ بھی گھر بننے کے بعد.....“ معیز نے پوچھا۔

”ٹھیک ہے..... لیکن میں منیہ کو بتاؤں کہ ماں کا خیال رکھے۔ وہ بچن میں ہے“ مریم مسکراتی ہوئی بچن کی طرف چلی گئی۔

”میں گاڑی میں آپ کا انتظار کر رہا ہوں“ معیز نے گاڑی کی چابی اور موہاٹس ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے کہا اور باہر نکل گیا۔

اَنْ تَكُوْرُ هُوَ خَيْرًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيْهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (النساء: 19)

عجب نہیں کہ تم کسی چیز کو پسند کرو اور خدا اس میں بہت سی بھلائی پیدا کر دے۔

☆

مومنہ سر پر چادر لیے اور اس سے آدھا چہرہ ڈھانپنے کاؤنج میں صوفے پر بیٹھی تھی دو پہلے کی طرح صحت مند اور تندرست ہو گئی تھی۔ اس

کے سامنے نظام دین بیٹھا تھا۔ وہ پہلے سے بھی زیادہ بوڑھا کزور اور بیمار لگ رہا تھا۔ بار بار کھانسی رہا تھا۔

”نظام دین مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ بیمار بنے لگے ہیں۔ کیا بیماری لگی ہے کہ آپ اتنے کمزور ہو گئے ہیں“ مومنہ کالب و لہجہ ہو۔

سلوٹ آپ جیسا تھا۔

”ہی۔ ہی۔“ دو آہستہ آواز میں بولا۔

”اودہ..... کیا علاج کروا رہے ہیں؟ مومنہ نے پوچھا۔

”جب ممکن ہوتا ہے۔ کروا لیتا ہوں“ نظام دین نے مایوسی سے جواب دیا۔

”آج کل آپ کہاں کام کر رہے ہیں؟“ مومنہ نے پوچھا۔

”ٹیکسٹری میں ملازمت تھی۔ بیماری کی وجہ سے چھوٹ گئی..... اب جو کام مل جاتا ہے وہ کر لیتا ہوں“ نظام دین نے سر جھکاتے ہوئے

جواب دیا۔

”خیرن بوا اور ثروت بوا کسی ہیں؟ مومنہ نے پوچھا۔

”خیرن بوا کو پچھلے ماہ قاتل ہوا تھا۔ اور ثروت ٹھیک ہے۔

نظام دین نے جواب دیا۔

”نظام دین ہم یہ گھر بچا رہے ہیں..... سرونٹ کو اڈرٹس آپ کا کچھ سامان پڑا ہے.....“ مومنہ نے پوچھا۔

”ہمیں کچھ نہیں چاہیے..... جو ضروری سامان تھا وہ ہم لے گئے تھے اور کسی شے کی ضرورت نہیں۔ وہ آپ پھینک دیں“ نظام دین نے

جواب دیا۔

”نظام دین میں نے آپ سے کچھ کہا ہے..... لیکن وعدہ کریں آپ انکار نہیں کریں گے“ مومنہ نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

نظام دین سوچ میں پڑ گیا اور اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”جی..... حکم..... ہم اس خاندان کے پرانے نمک خوار ہیں..... آپ کو کیسے انکار کر سکتا ہوں؟ نظام دین نے سوچتے ہوئے جواب دیا۔

مومنہ نے اپنے پاس پڑا ہوا ایک ہینڈ بیگ کھولا..... اور اس میں سے کچھ کاغذات اور چاہاں نکالیں۔

"نظام دین آپ کی ایک امانت میرے پاس ہے۔... دادو نے فوت ہونے سے کچھ روز پہلے خیرن بوا اور آپ لوگوں کے بارے میں ایک وصیت کی تھی..... مگر میں خود بیمار پڑ گئی اور سب کچھ بھول گئی۔ اب کچھ روز پہلے سب کچھ یاد آیا ہے اور میں نے آپ کو اسی لیے بلایا ہے۔۔۔۔۔

پرانے محلے میں دادو کا ایک پرانا گھر ہے جو انہوں نے کرائے پر دے رکھا تھا۔ دادو نے کہا تھا کہ یہ گھر آپ کے نام کر دیا جائے۔ اس دن اس کی دوبارہ تعمیر کرائی ہے اب وہ بہت اچھی حالت میں ہے اور اس میں تمام فرنیچر بھی سیٹ کر دیا ہے۔ یہ اس گھر کے کاغذات اور چابیاں ہیں۔ جلد ہی یہ آپ کے نام منتقل کر دیا جائے گا۔"

مومن نے کافرات اور چالیاں نظام دین کی جانب بڑھاتے ہوئے کہا نظام دین حرامی سے مومن کی جانب دیکھنے لگا۔ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کیا کرے۔

”نظام دین لیجیے..... پی آپ کا حق ہے آپ لوگوں نے ہمارے خاندان کی بہت خدمت کی ہے۔ پی آپ کا حق بنتا ہے“

مومنہ نے پھر کہا تو نظام دین نے کچکپاتے ہاتھوں سے کائنات اور جاپاں پکڑیں۔

”نظام دین..... خیرن ہوا اور آپ کے علاج کے لیے ہر ماہم آپ کو بیس ہزار روپے بھجوا یا کریں گے... اپنا علاج کرا بیٹے اور جلد صحت یاب ہو کر دوبارہ کام پڑ جائیے۔ ہمیں آپ کی ضرورت ہے۔ آپ کی خدمت کی نہیں..... آپ کی دعاؤں اور غلوں کی..... جو کچھ ہوا اس کے لیے ہمیں معاف کر دیجیے.....“ مومن نے غم آنکھوں سے کہا تو نظام دین اس کی باتیں سن کر سسکنے لگا۔

”نظام دین..... کچھ کہنے کی ضرورت نہیں۔ مجھے آپ کی انا اور خوداری بہت عزیز ہے۔ خیرن بڑا اور ثروت بڑا کو سلام دیجئے گا..... اور میں جلد حاضر ہونے کی کوشش کروں گی۔ آپ کے نئے گھر میں“ مومنہ نے مسکرا کر کہا تو نظام دین اپنی غم آنکھوں کو پوچھنے لگا۔

”شکریہ..... بیگم صاحبہ“ نادانستہ نظام دین کے منہ سے نکلا۔ جو مومنہ کو ہمیشہ ”بھوٹی بیگم“ اور سلطوت آپا کو بیگم صاحبہ“ کہہ کر بلاتا تھا آج خود بخود اس کے منہ سے ”بیگم صاحبہ“ نکلا۔ تو وہ مسکرا دی۔

ہمیں "چھوٹی یتیم" ہی کہہ کر بلائے۔۔۔۔۔ میں ان جیسی کہاں؟ مومنہ نے سنجیدگی سے کہا۔

”جی... چھوٹی بیگم اب میں چمکا ہوں“ نظام الدین اٹھتے ہوئے پوچھا۔

نئے گھر میں جلدی شفٹ ہو جائیں۔ میں آپ کا یہاں رکھا سامان بھی وہیں بھگو لوں گی۔" مومنہ نے کہا تو اس نے خاموشی سے سر جھکا لیا اور کہا نسا ہوا..... سلام لے کر وہاں سے چلا گیا۔

اسد مومنہ کو نیا گھر دکھانے لایا تھا۔ جو پہلے گھر سے بھی بہت بڑا، خوبصورت اور مالیشان تھا۔

اسد نے چھوٹی چھوٹی دادی رکھی تھی جو اسے بہت اچھی لگ رہی تھی۔ مومنہ، ماہلا اور اسد نے گھر میں داخل ہوئے..... تو مومنہ حیرت سے ارد گرد دیکھنے لگی۔ انتہائی وسیع و عریض سرسبز و شاداب لانا..... بڑے بڑے پتے والے درخت کمرے والے نما لاؤنج..... پرانے عمارت جیسی آرائش و

سہاوت..... برجہز میں قرینہ۔ نفاست اور دلکشی تھی۔

”کیسا لگتا کمر.....؟ اسد نے مومنہ سے پوچھا۔ بہت خوبصورت ہے“ مومنہ نے اپنا نقاب چہرے سے نیچے سرکاتے ہوئے جواب دیا۔

”ماہا خوشی سے ادھر ادھر کوڑ رہی تھی۔“

”میں وہ کمر چھوڑنا نہیں چاہتا تھا۔ جس میں دادو کے وجود کی خوشبو ہی تھی مگر اب اس کمر سے مجھے وحشت ہونے لگی تھی بہت سی تلخ باتیں دل کو افسردہ کر دیتی تھیں۔ اسد نے آہ بھر کر کہا۔

”ہاں..... یہ بات میں نے بہت عرصہ پہلے محسوس کرنا شروع کی تھی“ مومنہ نے جواب دیا۔

”اس نئے کمر میں دادو کی کمی بہت محسوس ہوگی۔“ اسد نے غم آنکھوں کے ساتھ ادھر ادھر دیکھتے ہوئے کہا۔

”مجھے تو ان کی کمی ہر مل، ہر لمحہ محسوس ہوتی ہے۔ یوں لگتا ہے جیسے زندگی میں بہت بڑا غلطیہ ہو گیا ہے جو پُر ہی نہیں ہو رہا“ مومنہ نے بھی غم آنکھوں سے جواب دیا۔

”ہم آئی ڈیکھ کو یہاں لے آئیں گے..... کمر میں بزرگوں کے وجود اور دعاؤں سے بہت رحمت ہوتی ہے“ اسد نے کہا۔

”ہاں..... مگر وہ نہیں آئیں گی۔ وہ اپنے کمر میں رہ کر بہت بڑا کام سرانجام دے رہی ہیں۔ بہت سے بچوں کو قرآن کی تعلیم دے رہی ہیں۔ اتنے بڑے مشن کو چھوڑ کر وہ کیسے آئیں گی“ مومنہ نے جواب دیا۔

”کچھ لوگوں سے قدرت کہتے بڑے بڑے کام کس قدر خاموشی سے کرواتی ہے جیسے ڈاکٹر فطین سے.....“ اسد کے منہ سے نکلا۔

”ڈاکٹر فطین.....؟ آپ نہیں کیسے جانتے ہیں؟ مومنہ نے حیرت سے پوچھا۔

”مجھے اپنے آپ سے اور خدا سے ملانے والے وہی تو ہیں۔ جب آپ بیمار تھیں۔ جب انہوں نے میرا بہت ساتھ دیا۔

”جی ازمائی فریڈ ناڈ“ اسد نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”جی ازاے وغر فطین من (وہ بہت زبردست انسان ہیں) مومنہ نے جواب دیا۔

”مومنہ ڈاکٹر فطین ملک کے سب شہروں میں اپنے ہاسپٹل کی پرائیوٹ کھول رہے ہیں۔ میں چادر ہا ہوں کہ دادو کے نام سے ایک چھوٹی ہاسپٹل بنوادوں اسد نے قدرے سنجیدگی سے کہا۔

”وائے ناٹ..... شیور..... اتنا اچھا آئیڈیا..... اس پر آپ کو فوراً کام کرنا چاہیے..... دادو کی بری پراس ہاسپٹل کو اسٹیمپلش ہو جانا چاہیے“ مومنہ نے خوش ہو کر کہا۔

”انشا اللہ.....“ اسد نے مسکرا کر کہا۔ اور دونوں کو ریڈر سے باہر نکلے۔ ماہلان میں پھولوں کے ساتھ کھیل رہی تھی۔

”مومنہ اس کمر میں بھی میلا دھونا چاہیے.....“ اسد نے گہری سانس لیتے ہوئے کہا۔

”ہاں..... مجھے سب یاد ہے..... دادو کی بتائی ہوئی سب باتیں۔ اس خاندان کی روایات..... سب کچھ..... اور اس ہار میلا دھونے والی آئین کی..... اور میں، مومنہ نے مسکرا کر کہا۔

”کاش وہ دن لوٹ آئے..... کاش واوو.....“ اسد کی آنکھیں پر نم ہونے لگیں۔

”واوو..... کہیں نہیں گئیں..... واوو ہم میں زندہ ہیں..... جب تک وہ ہماری باتوں میں زندہ رہیں گی..... وہ ہم سے کبھی دور نہیں ہوں گی۔ اور اس گھر میں بھی واوو کا کمرہ خود نکوریت کروں گی“ مومنہ نے محبت سے اسد کے ہاتھ کو مضبوطی سے اپنے ہاتھ میں پکڑتے ہوئے کہا تو وہ زخمی مسکراہٹ سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

”اما..... ادھر آؤ..... ہم جا رہے ہیں“ مومنہ نے مابا کو آواز دی جو لان میں پھولوں کے ساتھ کھیل رہی تھی اور بہت سے پھول تو ذکران کے لیے لائی تھی اور وہ ان کو پکڑا کر خوشی سے تالیاں بجانے لگی۔ دونوں نے اسے پیار کیا اور گاڑی میں بیٹھ گئے۔ مومنہ نے گلاب سے اپنا چہرہ کور کیا اور اسد کے ساتھ فرنٹ سیٹ پر بیٹھ گئی۔ اسد گاڑی ڈرائیو کرنے لگا۔

”اسد..... ای کو سیلاؤ کی دعوت دینے چلیں“ مومنہ نے کہا۔

”ٹھیک ہے.....“ اسد نے جواب دیا۔

ذکیہ آ پرا آمدے میں بچے تخت پوش پر صحر کی نماز پڑھنے کے بعد ہاتھ اٹھائے دعا مانگ رہی تھیں۔ چہرے پر ہاتھ پھیر کر دو با بر محن میں آئیں جہاں دس بارہ سال کی پانچ چہ بچیاں فرش پر چٹائی بچائے بیٹھی تھیں ان کے ہاتھوں میں سیپارے تھے۔
ذکیہ..... آپا نے مخصوص قرأت کے ساتھ انکس آیت اِھْدِنَا الْقِسْرَا ط الْمُسْتَقِیْم ○ پڑھائی۔

”اب پانچ بار اس آیت کو پڑھو اسی طرح جس طرح میں نے پڑھی ہے“

ذکیہ آ پائے کہا۔

با بر کا دروازہ کھلا۔ مومنہ مابا اور اسد اندر داخل ہوئے بچیاں بلند آواز میں آیت پڑھ رہی تھیں محن میں ان کی آواز گونج رہی تھی۔

اِھْدِنَا الْقِسْرَا ط الْمُسْتَقِیْم ○

ہمیں سیدھا راستہ دکھا

اسد اور مومنہ نے اچانک آسمان کی جانب دیکھا دل اور زبان سے سرگوشی کے انداز میں (آمین) کہا۔ دونوں نے پرسکون گہری سانس لی اور مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا۔

ذکیہ آ پابھی ان کو دیکھ کر مسکرانے لگیں۔



(ختم شد)

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی پیشکش

یہ شمارہ پاک سوسائٹی ڈاٹ کام نے پیش کیا ہے

ہم خاص کیوں ہیں :-

- ✧ ہائی کوالٹی پی ڈی ایف فائلز
- ✧ ہر ای بک آن لائن پڑھنے کی سہولت
- ✧ ماہانہ ڈائجسٹ کی تین مختلف سائزوں میں اپلوڈنگ
- ✧ سیریم کوالٹی، نارمل کوالٹی، کمپریسڈ کوالٹی
- ✧ عمران سیریز از مظہر کلیم اور ابن صفی کی مکمل ریچ
- ✧ ایڈ فری لنکس، لنکس کو میسے کمانے کے لئے شرٹک نہیں کیا جاتا
- ✧ ہر ای بک کا ڈائریکٹ اور ریزیوم ایبل لنک
- ✧ ڈاؤنلوڈنگ سے پہلے ای بک کا پرنٹ پریویو
- ✧ ہر پوسٹ کے ساتھ پہلے سے موجود مواد کی چیکنگ اور اچھے پرنٹ کے ساتھ تبدیلی
- ✧ مشہور مصنفین کی کتب کی مکمل ریچ
- ✧ ہر کتاب کا الگ سیکشن
- ✧ ویب سائٹ کی آسان براؤسنگ
- ✧ سائٹ پر کوئی بھی لنک ڈیڈ نہیں

We Are Anti Waiting WebSite

واحد ویب سائٹ جہاں ہر کتاب ٹورنٹ سے بھی ڈاؤنلوڈ کی جاسکتی ہے

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے بعد پوسٹ پر تبصرہ ضرور کریں

➡ ڈاؤنلوڈنگ کے لئے کہیں اور جانے کی ضرورت نہیں ہماری سائٹ پر آئیں اور ایک کلک سے کتاب ڈاؤنلوڈ کریں

اپنے دوست احباب کو ویب سائٹ کا لنک دیکر متعارف کرائیں

WWW.PAKSOCIETY.COM

Online Library for Pakistan



Like us on
Facebook

fb.com/paksociety



twitter.com/paksociety1